حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ۱۹۵۶ء تک کے واقعات پر مشتمل

سعیدی
تاریخ اسلام کامل

وہ پہلی تاریخ اسلام ہے جس کے چودہ حصے ہیں اور
ہر حصہ اپنے عہد کی مفصل و مستند تاریخ پر مشتمل ہے

۱- انبیائے سابق کے تفصیلی حالات، رسول اکرمؐ کی اخلاقی، سیاسی اور پاکیزہ زندگی کو ایمان افروز انداز میں سپرد قلم کیا گیا ہے
۲- خلفائے راشدین، بنی اُمیہ، بنی عباس، مختلف اسلامی ممالک ہندوستان میں اسلامی حکومت، عروج و زوال کے اسباب انگریز کی عیاریاں، برادران وطن کی ریشہ دوانیاں، جنگ آزادی کی ابتدار، پاکستان کا قیام اور اس کی آٹھ سالہ تاریخ کو انتہائی فاضلانہ انداز میں قلم بند کیا گیا ہے۔
۳- دُنیائے تاریخ اور ہمارے عہد جدید کا مکمل و مستند اور شاندار مجموعہ ہے

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مولوی مسافر خانہ کراچی

حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفاء راشدینؓ
بنی امیہ، بنی عباس، شاہان اسلام اور قیامِ پاکستان تک اسلام اور اسلامی حکومتوں کی مکمل
مذہبی و سیاسی تاریخ کا شاندار اور مستند مرقع

تاریخ اسلام کامل (سعیدی)

حضرت آدم ـــــــ تا ـــــــ ۱۹۵۶ء

از

مؤرخ اسلام علامہ قاری احمد پیلی بھیتی

ناشران

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب و مالکان مطبع سعیدی قرآن محل
مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ھیں

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 103176
★ MAILSI ★

قیمت مجلد:- دس روپے

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

ناشران

محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب و مالکان مطبع سعیدی قرآن محل

مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر!

ہم اس معبودِ حقیقی کی بارگاہ عالی میں بصمیم قلب کے ساتھ شکر گذار ہیں، کہ اس نے ہم کو اپنی عنایت اور مہربانی سے یہ توفیق بخشی ہے، کہ ہم اسلامی مطبوعات کے سلسلہ میں اب تک قرآن مجید کی غیر معمولی اشاعت کے ساتھ بہت سی نادر و نایاب مذہبی اخلاقی اور تاریخی کتب ناظرین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں، اہل علم میں ہماری پیش کردہ کتب کو جو عام مقبولیت حاصل ہے، اس کا اندازہ کتابوں کی کثرت اشاعت ہی سے لگایا جاسکتا ہے، ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے، کہ اہل علم حضرات کی عزت افزائی کی جائے، اور ان کی علمی صلاحیتوں اور دماغی کاوشوں کو عملی جامہ پہنا کر ہر خاص و عام کو علوم و فنون کی برکتوں سے مستفیض کیا جائے،

ہند و پاک سے شائع ہونے والی مختلف مذہبی، اخلاقی اور تاریخی کتب پر ہمیشہ ہماری نظر رہی ہے، اور ہم نے بارہا محسوس کیا ہے، کہ اگرچہ علمی حلقوں میں تاریخی کتب کی کوئی کمی نہیں ہے، لیکن تقسیم ہند کے بعد جدید قومی و تاریخی ضروریات کے لحاظ سے کوئی ایسی مستند اور جامع تاریخ ہونا چاہیئے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر موجودہ وقت تک قوم کو صحیح حالات اور واقعات سے آگاہ کر سکے، تاکہ جدید مملکت (پاکستان) کے باشندے قدیم اسلامی جدوجہد اور جدید آزادی کے حصول کے لئے اپنی عظیم ترین کوششوں اور قربانیوں سے واقف ہو کر اپنے صحیح مقام و منصب کو پہچان سکیں،

آپ اس امر کو تسلیم کریں گے، کہ کسی ایسی تاریخ کی تالیف و اشاعت کا خیال کرنا جو سابقہ تواریخ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ جامع مستند اور مکمل ہو، اور جو قوم کی ابتدائی اور آخری تاریخی ضروریات کو من کل الوجوہ پورا کر سکے، یہ کوئی آسان کام نہیں تھا، مگر خدائے واحد لاشریک نے اپنے فضل و کرم سے ہماری مدد فرمائی، اور ہم اپنے دیرینہ احساس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مشہور مورخ اسلام علامہ حکیم قاری احمد صاحب پیلی بھیتی کی خدمات حاصل کر سکے، موصوف فن تاریخ کے ماہر کامل اور وسیع النظر مصنف ہیں، ہم آپ کی عرق ریزی اور جانفشانی کا اعتراف کرتے ہوئے اس خیال سے بہت خوشی محسوس کر رہے ہیں، کہ موجودہ تاریخ کی تالیف و ترتیب میں آپ نے ان تمام اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے، جو تاریخ کی جان کہے جاتے ہیں،

تمام واقعات، جاذب نظر عنوان کے تحت نہایت سادہ، اور موثر انداز میں تحریر کئے گئے ہیں، قومی و اسلامی زندگی کا کوئی ایسا گوشہ باقی نہیں ہے، جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو، حضرت آدم اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۹۵۶ء تک کے تمام واقعات کو خوبصورت اسلوب اور جدید ترتیب کے تحت جمع کر کے تاریخ اسلام کا ایک ایسا حسین اور جامع مرقع

پیش کردیا ہے، کہ ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں، کہ ہندوپاک میں آج تک کوئی ایسی تاریخ شائع نہیں ہوئی، درحقیقت مسلمان اور خصوصاً پڑھے لکھے حضرات کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے، کہ ہم اپنی قومی ومذہبی تاریخ سے واقفیت حاصل کریں، اور بلاشبہ یہ جذبہ قابل ستائش ہے لیکن مستند تواریخ کی غیر موجودگی یا پھر ضخامت اور قیمت کی زیادتی کی وجہ سے اس مبارک مقصد کی تکمیل نہیں کرسکتے۔

ہم نے دیگر خصوصیات کے ساتھ اس امر کی بھی انتہائی کوشش کی ہے، کہ کئی ضخیم اور رطب ویابس مضامین سے لبریز جلدوں کی بجائے صرف ایک ہی جلد مگر بنہایت جامع مستند اور پوری تاریخ پر حاوی اور قابل برداشت قیمت پر اپنے ناظرین کے سامنے پیش کی جائے، تاکہ تکمیل خیال کے راستہ میں کوئی دشواری باقی نہ رہے، اور مسلمان آسانی کے ساتھ اپنے مقام ومنصب کو پہچان کر فائز المرام ہوسکے،

کتابت، طباعت اور اشاعت کے سلسلہ میں ہم اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں، کہ ہماری مطبوعات کو ہمیشہ ناظرین اور طبقہ اہل علم نے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے، یہی وجہ ہے، کہ ہم ۳۰ سال سے اپنے فرائض کو پوری توجہ سے انجام دے رہے ہیں، ہمیں امید ہے، کہ ہماری دوسری مطبوعات کے سلسلہ میں تاریخ کی اس جامع ومستند کتاب کو ایک اہم کڑی تصور کیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی امید کرتے ہیں، کہ مسلمان اس تاریخ کے مطالعہ سے پورا پورا سبق حاصل کریں گے، اور اپنے ماضی کے آئینہ میں اپنی کمزوریوں پر غور کرتے ہوئے اپنے مستقبل کو روشن اور شاندار بنانے کی ہر ممکن سعی فرمائیں گے۔ـــ

السعی منا والاتمام من اللہ تعالیٰ　　　　والسلام

محمد سعید عفی عنہ

فہرست مضامین تاریخ اسلام کامل

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	دیباچہ	۲۹	۲۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت	۴۲
	حصہ اوّل		۲۱	حضرت موسیٰ کی روانگی	۴۳
۱	ابتدائے عالم اور حضرت آدمؑ کی پیدائش	۳۵	۲۲	بنی اسرائیل کی بے صبری	//
۲	حضرت حوا کی پیدائش	//	۲۳	بنی اسرائیل کی فتوحات	۴۴
۳	ابلیس کا انتقام	۳۶	۲۴	رسول خدا صلعم کے متعلق حضرت موسیٰ کی بشارت	//
۴	جنت سے اخراج	//	۲۵	حضرت یوشع بن نون علیہ السلام	۴۵
۵	روئے زمین پر پہلا قتل	//	۲۶	بنی اسرائیل میں ابتری	//
۶	حضرت نوح علیہ السلام	//	۲۷	طالوت کا زمانہ حکومت	۴۶
۷	حضرت نوح کی نبوت اور تغیر روئے زمین کے طبقہ	//	۲۸	حضرت داؤد کی شجاعت	//
۸	حضرت نوح کا نسب نامہ اور اولاد	۳۷	۲۹	طالوت کا انجام	۴۷
۹	سام کی نسل	۳۸	۳۰	حضرت داؤد کی بادشاہت	//
۱۰	یافث کی نسل	//	۳۱	اسرائیلیوں میں خانہ جنگی	//
۱۱	حام کی نسل	//	۳۲	ابی سلوم بن داؤد کی بغاوت	//
۱۲	حضرت ہود علیہ السلام	//	۳۳	حضرت سلیمان کا دور حکومت	۴۸
۱۳	قوم عاد کی تباہی	۳۹	۳۴	رحبعام بن سلیمان کی حکومت	//
۱۴	حضرت صالح علیہ السلام	//	۳۵	بنی اسرائیل کا زوال	//
۱۵	عربوں کے دو طبقے	۴۰	۳۶	اخی اب اور ملکہ ایزبل	۴۹
۱۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام	//	۳۷	حضرت الیاس علیہ السلام	//
۱۷	حضرت لوط علیہ السلام	۴۱	۳۸	حضرت الیاس کی واپسی	۵۰
۱۸	حضرت شعیب علیہ السلام	//	۳۹	اخی اب اور اس کی ملکہ کا انجام	//
۱۹	مصر قدیم میں بنی اسرائیل کی حالت	//	۴۰	یاہو اور اخزیا کی بادشاہت	۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۱	یہورام کی تخت نشینی اور حضرت الیاس کا آسمان پر جانا	۵۱
۴۲	حضرت الیسع کی نبوت	"
۴۳	یہودیوں پر شاہ بابل کی چڑھائی	۵۲
۴۴	بنی اسرائیل کی تباہی	"
۴۵	بنی اسرائیل کی مسلسل غلامی	۵۳
۴۶	کسریٰ اور ایرانی حکومت کے پیغمبر	"
۴۷	حضرت عزیر کا سو برس کے بعد زندہ ہونا	۵۴
۴۸	حضرت ایوب علیہ السلام	"
۴۹	حضرت یونس علیہ السلام	۵۵
۵۰	حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام	۵۶
۵۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۵۷
۵۲	قتل کی سازش	۵۸
۵۳	مذہب عیسوی کی اشاعت	۵۹
۵۴	انجیل کی اصلیت	"
۵۵	عیسائیوں اور یہودیوں میں رہبانیت	۶۰
۵۶	فترت انبیاء (درمیانی زمانہ)	۶۰
	(حصہ دوم)	
۵۷	ولادت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۶۳
۵۸	سرکار دو عالم کا وطن	۶۶
۵۹	رسول اکرم کا خاندان	۶۷
۶۰	رسول اکرم کے خاندان کا کعبہ سے تعلق	"
۶۱	خاندان رسالت کے عربوں پر احسانات	۶۸
۶۲	آنحضرت صلعم کے والد محترم اور والدہ محترمہ	۶۹
۶۳	رسول اکرم کی پیدائش اور والدہ کا انتقال	"
۶۴	رسول اکرم کا بچپن	۷۰
۶۵	حضرت آمنہ کا انتقال	۷۱
۶۶	جنگ میں شرکت	۷۱
۶۷	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی	۷۲
۶۸	رسول اکرم کا حضرت خدیجہ سے نکاح	"
۶۹	قبائل عرب میں غیر معمولی عزت	۷۳
۷۰	رسول اکرم کی بے مثال دانشمندی	"
۷۱	مال و متاع سے بے نیازی	۷۴
۷۲	عبادت اور نبوت	۷۵
۷۳	تبلیغ اسلام	۷۶
۷۴	بت پرستی کی علانیہ مخالفت	"
۷۵	رسول اکرم کی شدید مخالفت	۷۷
۷۶	لالچ دینے کی کوشش	۷۸
۷۷	ظلم وستم کی ابتداء	۷۹
۷۸	ہجرت حبش	۸۰
۷۹	امیر حمزہ اور حضرت عمر کا قبول اسلام	۸۱
۸۰	رسول اکرم کا بائیکاٹ	۸۲
۸۱	طائف کا سفر	"
۸۲	ہجرت رسول اکرمؐ	۸۴
۸۳	رسول اکرم کا مدینہ میں استقبال	۸۵
۸۴	رسول اکرم کی سیاسی و اخلاقی سرگرمیاں	۸۶
۸۵	مسجد نبوی کی تعمیر	۸۷
۸۶	مہاجرین و انصار میں رشتہ اخوت	"
۸۷	غیر مسلموں سے معاہدہ	۸۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۸	قرب وجوار کے قبائل سے اتحاد	۸۹	۱۱۲	عورتوں کے لئے پردہ کا حکم	۱۱۲
۸۹	عبداللہ بن ابی کی منافقانہ شرارت	۹۰	۱۱۳	متبنیٰ اولاد کی وراثت سے محرومی	"
۹۰	اذان کی ابتداء اور نماز باجماعت	۹۱	۱۱۴	زنا کرنے کی سزا	"
۹۱	مدینہ پر حملہ کی تیاریاں	"	۱۱۵	رسول اکرم کی عمرہ کے لئے روانگی	"
۹۲	پہلی لڑائی، جنگ بدر	۹۲	۱۱۶	بیعت رضوان میں صحابہ کا جوش	۱۱۳
۹۳	جانبازوں کی مختصر فوج	۹۳	۱۱۷	صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط	۱۱۴
۹۴	قیدیوں سے مسلمانوں کا سلوک	۹۵	۱۱۸	ایک انقلابی پارٹی کا قیام	۱۱۵
۹۵	ابوسفیان کا ناکام حملہ	۹۶	۱۱۹	بادشاہوں کے نام دعوت اسلام	"
۹۶	سنہ ۲ ہجری کے اہم واقعات	۹۷	۱۲۰	نجاشی شاہ حبش کے نام	۱۱۶
۹۷	رسول مقبول کے قتل کی سازش	۹۸	۱۲۱	ہرقل قیصر روم کے نام	"
۹۸	کفار مکہ سے دوسرا مقابلہ	۹۹	۱۲۲	کسریٰ شاہ ایران کے نام	"
۹۹	مسلمانوں کی فتح	۱۰۰	۱۲۳	عزیز مصر کے نام	۱۱۷
۱۰۰	نافرمانی کا انجام	"	۱۲۴	دیگر امرائے سلطنت کے نام	"
۱۰۱	چہرہ مبارک پر حملہ	۱۰۱	۱۲۵	جنگ خیبر کی معرکہ آرائی	"
۱۰۲	مسلمانوں کی دوبارہ فتح	۱۰۲	۱۲۶	حضرت علی فاتح خیبر	۱۱۹
۱۰۳	سنہ ۳ھ کے اہم واقعات	۱۰۳	۱۲۷	فدک کی فتح	۱۲۰
۱۰۴	سنہ ۴ھ کے اہم واقعات	۱۰۴	۱۲۸	وادی القریٰ کی فتح	"
۱۰۵	قتل حضور کی دوسری سازش	۱۰۴	۱۲۹	عمرہ کے لئے روانگی	۱۲۱
۱۰۶	ایک عیسائی کی شرارت	۱۰۶	۱۳۰	عمرو بن عاص اور خالد کا قبول اسلام	"
۱۰۷	قبیلہ بنی مصطلق کے سردار کی شکست	۱۰۷	۱۳۱	سنہ ۷ھ کے اہم واقعات	"
۱۰۸	جنگ خندق کا معرکہ	۱۰۸	۱۳۲	رومیوں سے پہلی جنگ	۱۲۲
۱۰۹	غیبی امداد	۱۱۱	۱۳۳	موتہ میں مسلمانوں کا جذبہ شہادت	۱۲۳
۱۱۰	سنہ ۵ھ کے اہم واقعات	"	۱۳۴	کفار مکہ کی معاہدہ شکنی	۱۲۴
۱۱۱	قبیلہ بنو قریظہ کو بدعہدی کی سزا	۱۱۲	۱۳۵	حماقت کا احساس	۱۲۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۶	رسول اکرم کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ	۱۲۵	۱۶۰	حضرت صفیہؓ	۱۴۳
۱۳۷	اطراف مکہ سے بتوں کا صفایا	۱۲۸	۱۶۱	اولاد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم	″
۱۳۸	جنگ حنین	″	۱۶۲	حضرت قاسمؓ	″
۱۳۹	سنہ ۸ھ کے چند واقعات	۱۳۰	۱۶۳	حضرت زینبؓ	۱۴۴
۱۴۰	جنگ تبوک	″	۱۶۴	حضرت رقیہؓ	″
۱۴۱	سنہ ۹ھ کے واقعات	۱۳۱	۱۶۵	حضرت ام کلثومؓ	″
۱۴۲	قبائل کا قبول اسلام	۱۳۲	۱۶۶	حضرت فاطمہؓ	″
۱۴۳	رسول مقبول کا آخری حج	″	۱۶۷	حضرت ابراہیمؓ	″
۱۴۴	رسول اکرم کی بیماری	۱۳۴	۱۶۸	رسول اکرم کے پاکیزہ عادات	۱۴۵
۱۴۵	بیماری کی شدت	۱۳۵	۱۷۰	اللہ پر توکل	″
۱۴۶	وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۶	۱۷۱	آزادی کے سب سے بڑے علمبردار	۱۴۶
۱۴۷	مقصد بعثت کی تکمیل	۱۳۷	۱۷۲	نبی اکرم بحیثیت حکمران	″
۱۴۸	رسول اکرم کا اعلیٰ کردار	۱۳۸	۱۷۳	تبلیغ اسلام کا پیارا طریقہ	″
۱۴۹	رسول اکرم کی ازواج مطہرات	۱۴۰	۱۷۴	عدل وانصاف	۱۴۷
۱۵۰	حضرت خدیجہؓ	″	۱۰۵	فروتنی اور انکسار	۱۴۸
۱۵۱	حضرت سودہؓ	۱۴۱	۱۷۶	شان فیاضی	۱۴۹
۱۵۲	حضرت عائشہؓ	″	۱۷۷	مالک کونین کی شان فقیری	۱۵۰
۱۵۳	حضرت حفصہؓ	″	۱۷۸	ہمدردی، نرمی اور شفقت	۱۵۱
۱۵۴	حضرت زینبؓ	″	۱۷۹	(حصہ سوم)	
۱۵۵	حضرت ام سلمہؓ	″	۱۸۰	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۵۷
۱۵۶	حضرت زینبؓ ثانی	۱۴۲	۱۸۱	خلافت میں اختلاف	۱۵۷
۱۵۷	حضرت جویریہؓ	″	۱۸۲	حضرت علی کی شکایت	۱۶۰
۱۵۸	حضرت ام حبیبہؓ	″	۱۸۳	حضرت صدیق کے ابتدائی حالات	۱۶۱
۱۵۹	حضرت میمونہؓ	۱۴۳	۱۸۴	حضرت صدیق کی پہلی تقریر	۱۶۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸۵	جھوٹے نبیوں کی بغاوت	۱۶۴
۱۸۶	مدینہ پر مرتدوں کا حملہ	۱۶۵
۱۸۷	اسلامی لشکر کی زبردست یورش	۱۶۶
۱۸۸	جھوٹے نبی کی شکست	"
۱۸۹	مالک بن نویرہ کی سرکوبی	۱۶۷
۱۹۰	ملکہ سجاح کا دعویٰ نبوت	۱۶۸
۱۹۱	مسیلمہ پر چڑھائی	"
۱۹۲	بحرین میں مرتدوں کا قلع قمع	۱۶۹
۱۹۳	عمان کے مدعی نبوت کا خاتمہ	"
۱۹۴	مسلمانوں کا شام پر حملہ	۱۷۱
۱۹۵	حضرت اسامہ کی سپہ سالاری پر اعتراض	۱۷۲
۱۹۶	خلیفہ کی سپہ سالار کو نصیحت	۱۷۳
۱۹۷	لشکر اسلام کی شاندار فتح	۱۷۴
۱۹۸	رومیوں اور ایرانیوں کی تشویش	۱۷۵
۱۹۹	اسلامی لشکر کا شام و عراق پر حملہ	۱۷۶
۲۰۰	اسلامی لشکر کی کامیابی	۱۷۷
۲۰۱	خالد بن ولید کی شمولیت	۱۷۸
۲۰۲	خالد بن ولید کا دوسرا حملہ	۱۷۸
۲۰۳	اسلامی لشکر کو پریشانی کا سامنا	۱۷۹
۲۰۴	بصرہ میں خالد کی فتح	۱۸۰
۲۰۵	دمشق کا محاصرہ	۱۸۲
۲۰۶	اسلام یا اطاعت	"
۲۰۷	ایک لاکھ رومیوں سے مقابلہ	۱۸۳
۲۰۸	ستر ہزار تازہ دم عیسائیوں سے مقابلہ	۱۸۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۹	خالد بن ولید کی ہوشمندی	۱۸۵
۲۱۰	دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ	۱۸۷
۲۱۱	ابو عبیدہ کی نیک دلی	۱۸۸
۲۱۲	غلطی کا اعتراف	۱۸۹
۲۱۳	حضرت صدیق کی بیماری	۱۹۰
۲۱۴	حکومت اسلامیہ کی فکر	"
۲۱۵	حضرت صدیق کی تحریری وصیت	"
۲۱۶	حضرت صدیق اکبر کا انتقال	۱۹۲
۲۱۷	اولاد	"
۲۱۸	خدمت قرآن کا عظیم کارنامہ	۱۹۳
۲۱۹	عہد صدیقی پر سرسری نظر	۱۹۴
۲۲۰	اخلاق و عادات اور متفرق واقعات	۱۹۶
۲۲۱	ایثار	"
۲۲۲	قلیل تنخواہ	"
۲۲۳	انکساری کی انتہا	"
۲۲۴	پرانے کفن کی وصیت	"
۲۲۵	بے مثال رحم دلی	۱۹۷
۲۲۶	زہد و اتقا	"
۲۲۷	(حصہ چہارم)	
۲۲۸	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۲۰۱
۲۲۹	فاروق اعظم کی ابتدائی زندگی	۲۰۲
۲۳۰	بہن اور بہنوئی کا قبول اسلام	۲۰۳
۲۳۱	حضرت عمر کا رعب	"
۲۳۲	علانیہ ہجرت	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۳۳	سیف اللہ کی معزولی	۲۰۴
۲۳۴	شام و ایران میں اسلامی فتوحات	۲۰۶
۲۳۵	شام میں یمن کے عیسائیوں کی آبادکاری	"
۲۳۶	شام میں ایلیا کی فتح	۲۰۷
۲۳۷	عبداللہ بن جعفر کا جوش	"
۲۳۸	خالد بن ولید کا خلوص	۲۰۸
۲۳۹	ملک شام میں دوسری فتح	"
۲۴۰	رعب اسلام	"
۲۴۱	شہزار حمص اور اوستا کی فتح	۲۱۰
۲۴۲	اسلامی سپہ سالار کی ہوشیاری	"
۲۴۳	۳ لاکھ عیسائیوں سے مقابلہ عظیم	۲۱۱
۲۴۴	غسانی عیسائیوں کے ساتھ	"
۲۴۵	صلح کی گفتگو	۲۱۳
۲۴۶	اسلامی سپہ سالاروں کی رہائی	"
۲۴۷	عورتوں کا جوش جہاد	۲۱۴
۲۴۸	عظیم الشان فتح	"
۲۴۹	بیت المقدس کا محاصرہ	۲۱۵
۲۵۰	عیسائی پادری کی درخواست	۲۱۶
۲۵۱	خلیفہ کی سادگی	۲۱۷
۲۵۲	بیت المقدس کی فتح	"
۲۵۳	امان نامہ	۲۱۸
۲۵۴	حضرت عمرؓ کی بیت المقدس میں نماز	"
۲۵۵	مصر فتح کرنے کی تیاریاں	۲۱۹
۲۵۶	معافی کے بعد حلب کا محاصرہ	"
۲۵۷	یوحنا کی کوشش صلح	۲۲۰
۲۵۸	اسلامی سپاہی کا حیرت انگیز کارنامہ	۲۲۱
۲۵۹	یوحنا کی اسلام دوستی	۲۲۲
۲۶۰	یوحنا کی گرفتاری اور کامیابی	"
۲۶۱	انطاکیہ پر مسلمانوں کا قبضہ	۲۲۳
۲۶۲	یوحنا کو ہرقل کی ملامت	۲۲۴
۲۶۳	ممالک اسلامیہ میں جشن مسرت	۲۲۵
۲۶۴	پورے شام پر قبضہ کی تیاریاں	۲۲۶
۲۶۵	طرابلس کی فتح	۲۲۷
۲۶۶	یوقنا کی گرفتاری اور کامیابی	"
۲۶۷	طاعون کی شدید وبا	۲۲۸
۲۶۸	حکومت معاویہ کی ابتداء	۲۲۹
۲۶۹	حضرت خالد کی بے گناہی	"
۲۷۰	مسلمانوں کا مصر میں داخلہ	۲۳۰
۲۷۱	مصر کی فتح	۲۳۱
۲۷۲	اسکندریہ میں اسلامی لشکر کی پریشانی	۲۳۲
۲۷۳	اسکندریہ کی مکمل فتح	۲۳۳
۲۷۴	حضرت عمرؓ پر یورپین مورخین کا الزام	۲۳۴
۲۷۵	ایران میں مسلمانوں کی پیش قدمی	۲۳۵
۲۷۶	ایران کے مختصر حالات	۲۳۷
۲۷۷	ایران میں ابتدائی فتح	"
۲۷۸	ایرانی سرداروں کی شکست	۲۳۸
۲۷۹	اسلامی فوج کا ہاتھیوں سے مقابلہ	۲۳۹
۲۸۰	ایرانیوں کی زبردست شکست	۲۴۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸۱	سعد بن وقاص کی سپہ سالاری	۲۴۱	۳۰۵	حضرت عثمان غنی کے حالات	۲۶۶
۲۸۲	مثنیٰ بن حارث کی وفات	۲۴۲	۳۰۶	غنی کا خطاب	۲۶۸
۲۸۳	شاہ ایران کو دعوت اسلام	"	۳۰۷	ممالک مفتوحہ میں بغاوتیں	"
۲۸۴	قادسیہ کی جنگ	۲۴۳	۳۰۸	مصر و ایران میں باغیوں کو سزا	"
۲۸۵	اسلامی لشکر کی فتح	۲۴۴	۳۰۹	اسکندریہ میں اسلامی حکومت کا خاتمہ	۲۶۹
۲۸۶	بصرہ کی تعمیر و دیگر فتوحات	۲۴۵	۳۱۰	عمرو بن عاص کی بحالی، اسکندریہ کی واپسی	۲۷۰
۲۸۷	شاہ ایران کا فرار	۲۴۶	۳۱۱	افریقہ پر حملہ کی تیاریاں	۲۷۱
۲۸۸	محل شاہی میں نماز جمعہ	۲۴۷	۳۱۲	حضرت زبیر کی جنگی چال	۲۷۲
۲۸۹	جلولہ کی حیرت ناک فتح	۲۴۸	۳۱۳	بحری جنگ، قبرص اور روڈس کی فتح	۲۷۴
۲۹۰	حلوان پر اسلامی فوج کا قبضہ	۲۴۹	۳۱۴	ایرانی عمال کی تبدیلی	۲۷۵
۲۹۱	کوفہ کی تعمیر، سعد کے مکان کا انہدام	"	۳۱۵	ایران میں وسیع جنگی تیاریاں	۲۷۶
۲۹۲	اہواز کی فتح	۲۵۰	۳۱۶	یزدجرد کا قتل، ایران کی مکمل فتح	۲۷۷
۲۹۳	ایرانی شہزادے کا قبول اسلام	"	۳۱۷	عبداللہ بن سبا کی فتنہ پردازیاں	۲۷۸
۲۹۴	نئے گورنر نعمان کی شہادت	۲۵۱	۳۱۸	حضرت عثمان کی پریشانی	۲۷۹
۲۹۵	ہمدان و اصفہان کی فتح	۲۵۲	۳۱۹	بغاوت کے آثار	۲۸۰
۲۹۶	حضرت عمر کی شہادت	۲۵۳	۳۲۰	حملہ اور شہادت	۲۸۱
۲۹۷	خلیفہ ثانی کا کردار	۲۵۶	۳۲۱	خلافت عثمان پر ایک نظر	۲۸۴
۲۹۸	ملکی خدمات	۲۵۷	۳۲۲	خدمت اشاعت قرآن	۲۸۷
۲۹۹	دور فاروقی کے متفرق واقعات	"	۳۲۳	چند دیگر خدمات	۲۸۷
۳۰۰	(حصہ پنجم)		۳۲۴	اخلاق و عادات	۲۸۸
۳۰۱	حالات حکومت حضرت عثمان غنی رض	۲۶۳	۳۲۵	حضرت عثمان کی انکساری	"
۳۰۲	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	۲۶۴	۳۲۶	روزانہ ایک غلام آزاد کرتے تھے	"
۳۰۳	حضرت عثمان کا انتخاب	"	۳۲۷	مختلف ممالک کے لئے تبلیغی وفود	"
۳۰۴	اعلان انتخاب کا بے چینی سے انتظار	۲۶۵	۳۲۸	رسول اللہ کی انگوٹھی گم ہوگئی	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲۹	ایک غلام نے بدلہ لے لیا	۲۸۹
۳۳۰	جمعہ کی نماز کی روادانیں	״
۳۳۱	فاقہ کشوں کے لئے غلہ کے ہزار اونٹ	״
۳۳۲	(حصہ ششم)	
۳۳۳	حالات حکومت حضرت علی رضی اللہ عنہ	۲۹۳
۳۳۴	حضرت علی کا انتخاب	״
۳۳۵	حالات زندگی	۲۹۴
۳۳۶	آنحضرت صلعم کی حضرت علی سے مواخاۃ	۲۹۶
۳۳۷	زبیر و طلحہ کی مخالفت	״
۳۳۸	اموی عمال کی تبدیلی	۲۹۷
۳۳۹	امیر معاویہ کی مخالفانہ سرگرمیاں	۲۹۹
۳۴۰	حضرت عائشہؓ کو بہکانے کی کوشش	۳۰۰
۳۴۱	ام المومنین کا لشکر بصرہ میں	۳۰۱
۳۴۲	مدینہ میں حضرت علی کی جنگی تیاریاں	۳۰۲
۳۴۳	حضرت علی کی بصرہ کو روانگی	۳۰۳
۳۴۴	جناب علی کی مصالحانہ کوشش	۳۰۴
۳۴۵	فتنہ پردازوں کی پریشانی	۳۰۵
۳۴۶	جنگ جمل کی آگ بھڑکنے لگی	״
۳۴۷	حضرت زبیر کی شہادت	۳۰۶
۳۴۸	حضرت طلحہ کی شہادت	״
۳۴۹	حضرت عائشہؓ میدان جنگ میں	۳۰۷
۳۵۰	حضرت علی ام المومنین کی خدمت میں	۳۰۸
۳۵۱	امیر معاویہ کا زبردست پروپگنڈا	۳۰۸
۳۵۲	نیا دارالخلافہ	۳۰۹
۳۵۳	حضرت علی کی شام کو روانگی	۳۱۰
۳۵۴	جناب علی صفین میں	۳۱۱
۳۵۵	ہولناک جنگ	۳۱۲
۳۵۶	معاویہ کو علی کی للکار	״
۳۵۷	عمرو بن عاص کی تدابیر	۳۱۳
۳۵۸	فریقین کا معاملہ ثالثوں کے ہاتھ میں	۳۱۴
۳۵۹	خارجیوں کی ابتدار	۳۱۵
۳۶۰	ثالثوں کا مہمل فیصلہ	۳۱۶
۳۶۱	عمرو بن عاص کا نیا فریب	۳۱۷
۳۶۲	مسلمانوں میں اشتعال	۳۱۷
۳۶۳	خارجیوں سے مقابلہ	۳۱۸
۳۶۴	مصر پر امیر معاویہ کا قبضہ	۳۲۰
۳۶۵	امیر معاویہ کی شورش اور ناکامی	۳۲۱
۳۶۶	حضرت علی پر قاتلانہ حملہ	۳۲۲
۳۶۷	شیر خدا کی شہادت	۳۲۳
۳۶۸	اولاد	۳۲۴
۳۶۹	حضرت علی پر ایک نظر	״
۳۷۰	فضائل و مناقب	۳۲۵
۳۷۱	بیت المال سے ہمدردی	״
۳۷۲	للہیت کا بے مثال نمونہ	۳۲۶
۳۷۳	اسلامی مساوات پر عمل	״
۳۷۴	حضرت علی کی خدمات	״
۳۷۵	سادگی اور غربت	۳۲۷
۳۷۶	صبر و قناعت	״

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۷۷	حسن ظرافت اور حاضر جوابی	۳۲۷
۳۷۸	خلافت اسلامیہ کا خاتمہ اور حضرت حسن کا استعفیٰ	۳۲۸
۳۷۹	حالات زندگی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ	″
۳۸۰	کوفہ پر امیر معاویہ کی یورش	۳۲۹
۳۸۱	امام حسن پر کفر کا فتویٰ	۳۳۰
۳۸۲	خلافت اسلامیہ سے استعفیٰ	۳۳۱
۳۸۳	حضرت امام حسن کی شہادت	۳۳۲
۳۸۴	اسلام دوستی کا بے مثال نمونہ	۳۳۳
۳۸۵	(حصہ ہفتم)	
۳۸۶	حالات حکومت امیر معاویہ	۳۳۴
۳۸۷	اسلام میں شہنشاہیت کے بانی	۳۳۹
۳۸۸	ابتدار عروج معاویہ	۳۴۰
۳۸۹	خلافت کی خواہش	″
۳۹۰	محبان علی کو زیر کرنے کی کوشش	۳۴۱
۳۹۱	مغیرہ اور زیاد کی گورنری	۳۴۲
۳۹۲	زیاد کو بصرہ کا گورنر بنا دیا	۳۴۳
۳۹۳	باغی غلاموں میں امیر معاویہ کی کامیابی	″
۳۹۴	قسطنطنیہ پر یزید کا ناکام حملہ	۳۴۴
۳۹۵	افریقہ کے علاقہ کی واپسی	۳۴۵
۳۹۶	سندھ اور ترکستان پر مسلمانوں کا حملہ	۳۴۶
۳۹۷	امیر معاویہ کی معاہدہ شکنی	″
۳۹۸	امیر معاویہ کا انتقال	۳۴۷
۳۹۹	دور معاویہ پر ایک نظر	۳۴۸
۴۰۰	یزید بن معاویہ کی تخت نشینی	۳۵۲
۴۰۱	یزید کا پست کردار	۳۵۲
۴۰۲	امام حسین سے بیعت کا مطالبہ	۳۵۳
۴۰۳	کوفیوں کے جھوٹے دعوت نامے	″
۴۰۴	امام مسلم کا کوفہ میں استقبال	۳۵۴
۴۰۵	امام مسلم اور ابن زیاد	۳۵۵
۴۰۶	کوفیوں کی غداری، مسلم کی شہادت	″
۴۰۷	امام حسین کی کوفہ روانگی	۳۵۶
۴۰۸	امام حسین کربلا میں	۳۵۷
۴۰۹	شمر میدان کربلا میں	۳۵۸
۴۱۰	مقابلہ حق و باطل کی ابتدا	۳۵۹
۴۱۱	امام حسین کی شہادت	۳۵۹
۴۱۲	عابد بیمار دربار یزید میں	۳۶۰
۴۱۳	مدینہ میں اہل بیت کا داخلہ اور کہرام	۳۶۱
۴۱۴	یزید کے خلاف عرب کی بغاوت	″
۴۱۵	یزید کی دردناک موت	۳۶۲
۴۱۶	یزید کے بیٹے کی تخت نشینی	۳۶۳
۴۱۷	عبداللہ بن زبیر کی خلافت	۳۶۴
۴۱۸	عبداللہ بن زبیر کی شخصیت	″
۴۱۹	مروان کی تخت نشینی اور حالات	۳۶۵
۴۲۰	مصر و شام پر مروان کا قبضہ	۳۶۶
۴۲۱	مروان کی ہلاکت	۳۶۷
۴۲۲	عبدالملک بن مروان کی تخت نشینی	۳۶۸
۴۲۳	عبدالملک کی غیر اسلامی حرکت	۳۶۸
۴۲۴	محبان علی کی بغاوت	۳۶۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲۵	المختار کی رہائی اور جدوجہد	۳۷۰
۴۲۶	المختار کا عراق پر تسلط	〃
۴۲۷	قاتلانِ حسین کا قتلِ عام	۳۷۱
۴۲۸	ابن زیاد کا قتل	۳۷۲
۴۲۹	مختار کا قتل اور شیعانِ علی کا انتشار	〃
۴۳۰	عبدالملک کی پریشانیاں	۳۷۳
۴۳۱	بیت اللہ کی توہین	۳۷۴
۴۳۲	عبداللہ بن زبیر کی شہادت	۳۷۵
۴۳۳	حجاج کی گورنری	〃
۴۳۴	خارجیوں کی سرگرمیاں	۳۷۶
۴۳۵	خارجیوں کا خاتمہ، شبیب کی موت	۳۷۷
۴۳۶	عبدالملک کی قیصرِ روم سے جنگ	۳۷۸
۴۳۷	مسلمانوں کی شمالی افریقہ میں جدوجہد	۳۷۹
۴۳۸	ملکہ دابیہ سے معرکہ جنگ	〃
۴۳۹	شمالی افریقہ کی مکمل فتح	۳۸۰
۴۴۰	موسیٰ بن نصیر کی ہوشمندی	۳۸۱
۴۴۱	حجاج کے خلاف بغاوت	۳۸۲
۴۴۲	عبدالملک کی عبرتناک موت	۳۸۳
۴۴۳	عبدالملک کے عہد کے چند واقعات	〃
۴۴۴	ولید بن عبدالملک کی تخت نشینی	۳۸۵
۴۴۵	عظیم الشان فتوحات	۳۸۵
۴۴۶	روم، قسطنطنیہ پر چڑھائی	〃
۴۴۷	چین کی اطاعت اور تبلیغ اسلام	۳۸۶
۴۴۸	طارق بن زیاد کا غیر فانی کارنامہ	۳۸۸
۴۴۹	اسپین پر حملہ کی وجہ	۳۰۸
۴۵۰	اسپین اور پرتگال میں زبردست فتح	۳۹۰
۴۵۱	مسلمانوں کا فرانس میں داخلہ	۳۹۱
۴۵۲	صوبہ سندھ پر مسلمانوں کا حملہ	۳۹۲
۴۵۳	محمد بن قاسم کی معرکہ آرائی	۳۹۳
۴۵۴	محمد بن قاسم کا انتقال	۳۹۵
۴۵۵	ولید بن عبدالملک کا انتقال	〃
۴۵۶	ولید کے کارنامے	۳۹۶
۴۵۷	سلیمان بن عبدالملک کا دورِ حکومت	۳۹۷
۴۵۸	مخالفین کا قتلِ عام	〃
۴۵۹	قسطنطنیہ میں سلیمان کی شکست	۳۹۸
۴۶۰	سلیمان کی غیر فانی نیکی	۳۹۹
۴۶۱	حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مبارک دور	۴۰۰
۴۶۲	درویشانہ زندگی کی ابتداء	〃
۴۶۳	بے مثال حق شناسی اور ایثار	۴۰۱
۴۶۴	فدک کی جاگیر	〃
۴۶۵	جائداد سے شہزادوں کی محرومی	۴۰۲
۴۶۶	وفات حسرت آیات	۴۰۳
۴۶۷	دورِ حکومت کی خصوصیات	〃
۴۶۸	ایثارِ نفس اور پاکیزہ خصائل	۴۰۴
۴۶۹	یزید بن عبدالملک کا چار سالہ دور	۴۰۶
۴۷۰	عراق و ایران میں عام بغاوت	〃
۴۷۱	یزید بن عبدالملک کی وفات	۴۰۷
۴۷۲	ہشام بن عبدالملک کی ۲۰ سالہ حکومت	۴۰۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۷۳	بغاوت کا طویل سلسلہ اور کامیابی	۴۰۸
۴۷۴	فرانس میں اسلامی حکومت کا خاتمہ	۴۰۸
۴۷۵	سوڈان میں مسلمانوں کا مکمل قبضہ	۴۰۹
۴۷۶	سندھی امراء کی شورش	״
۴۷۷	ہشام کے زمانہ کا اہم ترین واقعہ	۴۱۰
۴۷۸	ہشام کی وفات اور متفرق واقعات	״
۴۷۹	ولید ثانی بن یزید	۴۱۱
۴۸۰	یزید بن ولید	״
۴۸۱	ابراہیم بن ولید	״
۴۸۲	بنوامیہ کا آخری بادشاہ	۴۱۲
۴۸۳	علویوں کی انقلابی تحریک	۴۱۲
۴۸۴	حکومت آل عباس کے ہاتھ میں	۴۱۳
۴۸۵	مروان کے خلاف بغاوت عام	״
۴۸۶	ابومسلم خراسانی کی اصل خواہش	״
۴۸۷	امام ابراہیم عباسی کا قتل	۴۱۴
۴۸۸	مروان کی شکست اور قتل	۴۱۵
۴۸۹	حکومت بنوامیہ پر ایک نظر	״
۴۹۰	(حصہ ہشتم)	
۴۹۱	خلفائے عباسیہ کا دور حکومت	۴۱۷
۴۹۲	حکومت عباسیہ کا پہلا خلیفہ	۴۱۹
۴۹۳	سفاح کی رسم تخت نشینی	״
۴۹۴	قتل عام اور سفاح کا لقب	״
۴۹۵	پرانے نظام میں تبدیلی	۴۲۰
۴۹۶	وزیر کے عہدہ کا رواج	۴۲۰
۴۹۷	شورشیں اور بغاوت	۴۲۰
۴۹۸	ابوالعباس کا انتقال	۴۲۱
۴۹۹	سفاح کا جانشین ابوجعفر عبداللہ المنصور	۴۲۳
۵۰۰	عبداللہ اور خراسانی کا قتل	״
۵۰۱	اسپین کی خودمختاری	۴۲۴
۵۰۲	بدنظمی اور بغاوتیں	۴۲۵
۵۰۳	محمد المہدی کا دعویٰ خلافت	۴۲۶
۵۰۴	منصور کی فتوحات	״
۵۰۵	شہر بغداد کی بناء	۴۲۷
۵۰۶	منصور کی علم دوستی	۴۲۸
۵۰۷	امام ابوحنیفہ کی گرفتاری اور انتقال	״
۵۰۸	علمائے اسلام	״
۵۰۹	منصور کی وفات	۴۲۹
۵۱۰	منصور کا عہد حکومت	״
۵۱۱	دور عباسیہ کا تیسرا نامور خلیفہ	۴۳۰
۵۱۲	محمد مہدی بن منصور (۳)	״
۵۱۳	مہدی کا طریقہ حکومت	״
۵۱۴	مہدی کی جنگی مصروفیات	۴۳۱
۵۱۵	مہدی کی مذہبی خدمات	۴۳۱
۵۱۶	مہدی کی وفات	۴۳۲
۵۱۷	متفرق حالات	״
۵۱۸	ہادی بن مہدی (۴)	۴۳۴
۵۱۹	شیعان علی کا مدینہ میں خروج	״
۵۲۰	ماں بیٹے کی مخالفت	״

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۲۱	ہادی کی وفات	۴۳۵
۵۲۲	ہادی کا زمانۂ حکومت	"
۵۲۳	خلفاء عباسیہ کا سب سے زیادہ مشہور خلیفہ	۴۳۶
۵۲۴	ہارون الرشید بن مہدی (۵)	"
۵۲۵	ہارون کا شاندار عہد حکومت	۴۳۷
۵۲۶	آل علی کا خروج	"
۵۲۷	ہارون الرشید کی جنگی سرگرمیاں	"
۵۲۸	رومیوں کو شکست	۴۳۸
۵۲۹	ہندوستانی راجہ اور ہارون	۴۳۹
۵۳۰	خاندان برامکہ کا خروج	"
۵۳۱	ہارون الرشید کی علم نوازیاں	۴۴۰
۵۳۲	تقسیم مملکت اسلامیہ	۴۴۱
۵۳۳	ہسپانیہ کی فتح	"
۵۳۴	ہارون الرشید کا انتقال	"
۵۳۵	عہد ہارونی کے متفرق واقعات	۴۴۲
۵۳۶	عہد ہارونی کے علماء و مشائخ	۴۴۳
۵۳۷	امین الرشید (۶)	۴۴۴
۵۳۸	امین و مامون کی جنگ	"
۵۳۹	امین کی شکست	"
۵۴۰	مامونی فوجوں کا بغداد پر قبضہ	۴۴۵
۵۴۱	امین کا دور حکومت	"
۵۴۲	مامون الرشید بن ہارون الرشید (۷)	۴۴۶
۵۴۳	امام علی رضا کی ولی عہدی	"
۵۴۴	عباسیوں کی بغاوت	۴۴۷
۵۴۵	چند دوسری بغاوتیں	۴۴۸
۵۴۶	مامونی فتوحات	۴۴۸
۵۴۷	علمی خدمات	۴۴۹
۵۴۸	وفات	۴۴۹
۵۴۹	عہد مامونی پر ایک نظر	۴۵۰
۵۵۰	مامون کے اقوال	۴۵۱
۵۵۱	مامون کی حکومت کا رقبہ	"
۵۵۲	متوفی علماء	"
۵۵۳	المعتصم باللہ بن ہارون الرشید (۸)	۴۵۲
۵۵۴	عقیدۂ خلق قرآن کی اشاعت	۴۵۲
۵۵۵	ترکوں کی حمایت	"
۵۵۶	عہد معتصم کی فتوحات	۴۵۳
۵۵۷	معتصم کا انتقال	"
۵۵۸	متفرق حالات	"
۵۵۹	واثق باللہ بن معتصم باللہ (۹)	۴۵۴
۵۶۰	عقیدۂ خلق قرآن سے توبہ	"
۵۶۱	قیدیوں کی رہائی اور فتوحات	"
۵۶۲	انتقال و حالات	۴۵۵
۵۶۳	المتوکل علی اللہ (۱۰)	۴۵۶
۵۶۴	وزیر اعظم کا قتل	"
۵۶۵	اہل بیت سے عناد	"
۵۶۶	نزول آفات	"
۵۶۷	متوکل کا قتل	۴۵۷
۵۶۸	متوکل کا عہد حکومت	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۶۹	متوفی علماء	۴۵۷
۵۷۰	منتصر باللہ بن متوکل علی اللہ	۴۵۸
۵۷۱	منتصر کی موت اور دیگر حالات	"
۵۷۲	المستعین باللہ (۱۲)	۴۵۹
۵۷۳	متوفی علماء	"
۵۷۴	المعتز باللہ بن متوکل علی اللہ (۱۳)	۴۶۰
۵۷۵	المعتز کی معزولی	"
۵۷۶	متوفی حضرات	۴۶۱
۵۷۷	المہتدی باللہ بن واثق باللہ (۱۴)	۴۶۲
۵۷۸	المہتدی کی اصلاحات	۴۶۳
۵۷۹	ترکوں کا زور توڑنے کی کوشش	"
۵۸۰	مہتدی کا قتل اور دیگر حالات	۴۶۴
۵۸۱	المعتمد علی اللہ بن متوکل علی اللہ (۱۵)	۴۶۵
۵۸۲	قرامطہ کی شورش	"
۵۸۳	معتمد کا انتقال و دیگر حالات	"
۵۸۴	المعتضد باللہ بن موفق (۱۶)	۴۶۶
۵۸۵	المکتفی باللہ بن معتضد باللہ (۱۷)	۴۶۷
۵۸۶	المقتدر باللہ بن معتضد (۱۸)	۴۶۸
۵۸۷	قرامطہ کا زور	"
۵۸۸	غلام کی بغاوت	"
۵۸۹	مقتدر کے زمانہ کے متفرق حالات	۴۶۹
۵۹۰	القاہر باللہ بن معتضد (۱۹)	۴۷۰
۵۹۱	ترک سرداروں کا قتل	"
۵۹۲	سرداروں کی بغاوت	"
۵۹۳	محمد الراضی باللہ (۲۰)	۴۷۰
۵۹۴	ایک نیا عہدہ	۴۷۱
۵۹۵	عباسی سلطنت کے ٹکڑے	"
۵۹۶	راضی کی وفات	"
۵۹۷	المتقی باللہ بن مقتدر باللہ (۲۱)	۴۷۲
۵۹۸	متقی کی معزولی	۴۷۲
۵۹۹	متفرق حالات	"
۶۰۰	المستکفی باللہ بن مکتفی باللہ (۲۲)	۴۷۳
۶۰۱	بادشاہ کی معزولی	"
۶۰۲	المطیع اللہ بن مقتدر باللہ (۲۳)	۴۷۴
۶۰۳	عزاداری اور تبرّیٰ کی ابتداء	"
۶۰۴	المطیع اللہ کی دستبرداری	"
۶۰۵	سنگ اسود کی واپسی	۴۷۵
۶۰۶	الطائع اللہ بن مطیع اللہ (۲۴)	"
۶۰۷	الطائع اللہ کی معزولی اور وفات	۴۷۶
۶۰۸	القادر باللہ بن مقتدر باللہ (۲۵)	۴۷۷
۶۰۹	محمود غزنوی کو خلعت اور خطاب	"
۶۱۰	وفات اور دیگر حالات	"
۶۱۱	القائم بامر اللہ بن القادر باللہ (۲۶)	۴۷۸
۶۱۲	طغرل بیگ کی جدوجہد	"
۶۱۳	قائم کی وفات اور دیگر حالات	۴۷۹
۶۱۴	المقتدی بامر اللہ بن قائم (۲۷)	"
۶۱۵	عباسی سلطنت پر سلجوقیوں کا قبضہ	"
۶۱۶	باطنی تحریک کا داعی حسن بن صباح	۴۸۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۱۷	مقتدی اور ملک شاہ کا انتقال	۴۸۱
۶۱۸	المستظہر باللہ بن مقتدی (۲۸)	//
۶۱۹	جنگ صلیبی اور مسلمان	//
۶۲۰	بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ	۴۸۲
۶۲۱	مستظہر کی وفات	//
۶۲۲	المسترشد باللہ بن مستظہر (۲۹)	۴۸۳
۶۲۳	مسترشد کی سلجوقی سلطان سے جنگ	//
۶۲۴	مسترشد کی رہائی	//
۶۲۵	مسترشد کا قتل	//
۶۲۶	متوفی علماء	۴۸۴
۶۲۷	الراشد باللہ بن مسترشد (۳۰)	//
۶۲۸	راشد کے خلاف فتوی اور معزولی	//
۶۲۹	المقتفی لامر اللہ بن مستظہر (۳۱)	۴۸۵
۶۳۰	خلیفہ کی خود مختاری	//
۶۳۱	عماد الدین زنگی اور صلیبی لڑائیاں	//
۶۳۲	مقتفی کی وفات اور حالات	۴۸۶
۶۳۳	المستنجد باللہ بن مقتفی (۳۲)	//
۶۳۴	نور الدین زنگی اور صلیبی لڑائیاں	//
۶۳۵	صلاح الدین ایوبی کا سیاسی اقتدار	۴۸۷
۶۳۶	مستنجد کا انتقال	//
۶۳۷	اولیاء اللہ اور علماء	۴۸۸
۶۳۸	المستضئی بامر اللہ بن مستنجد (۳۳)	//
۶۳۹	مستضئی کی خلافت کا اہم واقعہ	//
۶۴۰	صلاح الدین کا دمشق پر قبضہ	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۴۱	وفات و حالات	۴۸۹
۶۴۲	ناصر لدین اللہ بن مستضئی (۳۴)	۴۹۰
۶۴۳	صلاح الدین کی فتوحات	//
۶۴۴	بیت المقدس کی فتح	//
۶۴۵	تاتاری اور چنگیز خاں	۴۹۱
۶۴۶	ناصر الدین کی وفات	//
۶۴۷	ظاہر بامر اللہ بن ناصر الدین (۳۵)	۴۹۲
۶۴۸	رعایا سے ہمدردی	۴۹۲
۶۴۹	ظاہر کے پاکیزہ خیالات	//
۶۵۰	ظاہر کی وفات	۴۹۳
۶۵۱	ابو جعفر المستنصر باللہ بن ظاہر (۳۶)	//
۶۵۲	عظیم الشان مدرسہ کا قیام	//
۶۵۳	وفات اور دیگر حالات	۴۹۴
۶۵۴	متوفی علماء	//
۶۵۵	افسوسناک واقعہ	//
۶۵۶	خلافت عباسیہ کا آخری خلیفہ	//
۶۵۷	المستعصم باللہ بن ابو جعفر مستنصر (۳۷)	//
۶۵۸	علقمی	//
۶۵۹	آخری عباسی خلیفہ کا بے دردانہ قتل	۴۹۵
۶۶۰	بغداد میں قتل عام اور بغداد پر قبضہ	//
۶۶۱	علقمی کی موت	۴۹۶
۶۶۲	علامات خلافت	//
۶۶۳	چادر مبارک	//
۶۶۴	انگوٹھی یا مہر	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۶۵	عصائے مبارک	۴۹۶
۶۶۶	خلافت عباسیہ کے زمانہ میں اسلامی اقالیم	۴۹۷
۶۶۷	اقالیم اسلامی کی مردم شماری	"
۶۶۸	مصر میں خلفائے عباسیہ کا دوسرا دور	۴۹۸
۶۶۹	خلیفہ مستنصر باللہ عباسی	۴۹۹
۶۷۰	حاکم بامر اللہ عباسی	"
۶۷۱	مستکفی بامر اللہ بن حاکم	۵۰۰
۶۷۲	واثق باللہ بن محمد	۵۰۰
۶۷۳	حاکم بامر اللہ ثانی بن مستکفی	۵۰۱
۶۷۴	معتضد باللہ اول بن مستکفی	"
۶۷۵	متوکل علی اللہ بن معتضد	"
۶۷۶	واثق باللہ ثانی بن معتصم	۵۰۲
۶۷۷	مستعصم بن معتصم	"
۶۷۸	متوکل علی اللہ دوسری بار	۵۰۳
۶۷۹	مستعین باللہ بن متوکل	"
۶۸۰	معتضد باللہ ثانی بن متوکل	"
۶۸۱	مستعین باللہ ثانی بن معتضد	"
۶۸۲	قائم بامر اللہ بن معتضد	"
۶۸۳	مستنجد باللہ بن معتضد	"
۶۸۴	متوکل علی اللہ ثانی بن یعقوب	۵۰۴
۶۸۵	متمسک باللہ بن متوکل ثانی	"
۶۸۶	متوکل علی اللہ ثالث	"
۶۸۷	(حصہ نہم)	
۶۸۸	یورپ میں خود مختار اسلامی حکومتیں	۵۰۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۸۹	خود مختار اسلامی حکومتوں کے قیام کی وجہ	۵۰۷
۶۹۰	اسپین میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت	"
۶۹۱	عبدالرحمن بن معاویہ اموی حکومت کا دوسرا بانی	۵۰۹
۶۹۲	عبدالرحمن کی عباسیوں سے جنگ	۵۱۰
۶۹۳	جنوبی فرانس پر عیسائیوں کا قبضہ	"
۶۹۴	عبدالرحمن کی وفات	۵۱۱
۶۹۵	ہشام بن عبدالرحمن (۲)	"
۶۹۶	ہشام کی وفات اور حالات	۵۱۲
۶۹۷	حکم بن ہشام	۵۱۳
۶۹۸	نئی مصیبت اور ہشام کی وفات	۵۱۴
۶۹۹	عبدالرحمن ثانی بن حکم (۴)	۵۱۵
۷۰۰	عبدالرحمن ثانی کی وفات	"
۷۰۱	محمد بن عبدالرحمن ثانی (۵)	۵۱۶
۷۰۲	سلطان محمد کی وفات	۵۱۷
۷۰۳	منذر بن محمد (۶)	"
۷۰۴	عبداللہ بن محمد (۷)	۵۱۸
۷۰۵	عبداللہ کی وفات	"
۷۰۶	عبدالرحمن ثالث بن محمد	۵۱۹
۷۰۷	چند باغی سرداروں کی سرکوبی	"
۷۰۸	مراکش عبدالرحمن کے ہاتھ میں	۵۲۰
۷۰۹	یورپ میں بادشاہوں پر عبدالرحمن کا اثر	"
۷۱۰	علم و علماء کی عزت افزائی	۵۲۱
۷۱۱	وفات اور دیگر حالات	"
۷۱۲	حکم بن عبدالرحمن ثالث (۹)	۵۲۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۱۳	سلطان حکم کی وفات	۵۲۲
۷۱۴	ہشام ثانی بن حکم (۱۰)	۵۲۳
۷۱۵	محمد مہدی بن ہشام بن عبدالجبار (۱۱)	۵۲۴
۷۱۶	مہدی کی دوبارہ فتح اور قتل	〃
۷۱۷	ہشام ثانی بن حکم دوبارہ تخت پر (۱۲)	۵۲۵
۷۱۸	مستعین باللہ کی دوبارہ آمد (۱۳)	۵۲۶
۷۱۹	اسپین سے اموی حکومت کا خاتمہ	〃
۷۲۰	اسپین کی چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں	۵۲۷
۷۲۱	خاندان حمودیہ	۵۲۸
۷۲۲	خاندان عبادیہ	〃
۷۲۳	خاندان افطس	۵۲۹
۷۲۴	خاندان زیریہ	〃
۷۲۵	خاندان ابن جہور	۵۳۰
۷۲۶	خاندان ذوالنون	۵۳۰
۷۲۷	خاندان بنی ہود	〃
۷۲۸	شاہان مرابطین	۵۳۱
۷۲۹	اسپین پر یوسف بن تاشفین کا قبضہ	۵۳۲
۷۳۰	یوسف کا انتقال	〃
۷۳۱	شاہان مرابطین کا زوال	۵۳۳
۷۳۲	موحدین کا زور	〃
۷۳۳	خانہ جنگی اور خودمختاری	۵۳۴
۷۳۴	موحدین کا دور حکومت	〃
۷۳۵	اسپین پر موحدین کا قبضہ	۵۳۵
۷۳۶	موحدین کے کارنامے	〃
۷۳۷	موحدین کا زوال	۵۳۶
۷۳۸	دور انتشار	۵۳۷
۷۳۹	ابن الاحمر کا دور حکومت	۵۳۸
۷۴۰	ابوعبداللہ محمد فقیہ	〃
۷۴۱	ابوالولید کا جہاد	۵۳۹
۷۴۲	سلطان محمد	〃
۷۴۳	اسلامی سلطنت غرناطہ کا زوال	۵۴۰
۷۴۴	غرناطہ پر ابن المعیل کا قبضہ	۵۴۱
۷۴۵	عیسائیوں کا زور	〃
۷۴۶	شاہی خاندان میں خانہ جنگی	۵۴۲
۷۴۷	سلطنت غرناطہ نزع کے عالم میں	۵۴۳
۷۴۸	عیسائیوں کا فریب	〃
۷۴۹	فرڈی نند کی دوسری چال	۵۴۴
۷۵۰	غرناطہ کا محاصرہ اور قتل عام	۵۴۵
۷۵۱	(حصہ دہم)	〃
۷۵۲	مراکش، طرابلس اور الجیریا کی اسلامی حکومتیں	۵۴۷
۷۵۳	افریقہ میں اسلامی حکومت	۵۴۹
۷۵۴	خاندان ادریسیہ	۵۵۰
۷۵۵	ادریس اصغر بن ادریس	〃
۷۵۶	محمد بن ادریس اصغر	۵۵۱
۷۵۷	علی بن محمد	〃
۷۵۸	یحییٰ بن محمد	〃
۷۵۹	یحییٰ بن یحییٰ	〃
۷۶۰	علی بن عمر	۵۵۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۶۱	یحییٰ بن ادریس بن عمر	۵۵۲
۷۶۲	طلحہ بن یحییٰ	″
۷۶۳	مراکش اسپین کا ماتحت	۵۵۳
۷۶۴	سلیمان بن عبداللہ کے جانشین	″
۷۶۵	خاندان اغلبیہ کا دور	″
۷۶۶	عبداللہ بن ابراہیم اغلب	۵۵۴
۷۶۷	زیادۃ اللہ بن ابراہیم	″
۷۶۸	جزیرہ سسلی کی دوبارہ فتح	″
۷۶۹	اغلب بن ابراہیم	″
۷۷۰	ابوالعباس بن اغلب	″
۷۷۱	ابو ابراہیم بن احمد ابوالعباس	۵۵۵
۷۷۲	زیادۃ اللہ اصغر بن ابو ابراہیم	″
۷۷۳	ابوالغرانیق محمد بن ابو ابراہیم	″
۷۷۴	ابراہیم بن ابو ابراہیم	″
۷۷۵	ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم	۵۵۶
۷۷۶	ابو معز زیادۃ اللہ	″
۷۷۷	اغلبیہ کا خاتمہ	″
۷۷۸	خاندان عبیدیہ کا دور حکومت	۵۵۷
۷۷۹	سلاطین عبیدیہ	″
۷۸۰	خاندان زیریہ	۵۵۸
۷۸۱	خاندان حمادیہ	″
۷۸۲	دور مرابطین	″
۷۸۳	امیر المسلمین کا عہدہ	″
۷۸۴	یوسف بن تاشفین	۵۵۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۸۵	علی بن یوسف تاشفین	۵۵۹
۷۸۶	حکومت مرابطین کا خاتمہ	۵۶۰
۷۸۷	دور موحدین	″
۷۸۸	فرقہ موحدین کا قیام	۵۶۱
۷۸۹	قیام حکومت	″
۷۹۰	عبدالمومن کی فتوحات	″
۷۹۱	تسخیر یورپ کا خواب	۵۶۲
۷۹۲	ابو یعقوب بن عبدالمومن	″
۷۹۳	ابو یوسف منصور	۵۶۳
۷۹۴	سلطنت موحدین کا زوال	″
۷۹۵	دور مرینیہ	۵۶۴
۷۹۶	(حصہ یازدہم)	
۷۹۷	مصر و شام کی اسلامی حکومتیں	۵۶۵
۷۹۸	مصر و شام	۵۶۷
۷۹۹	حکومت طولونیہ	″
۸۰۰	اعزاز کی ابتداء	″
۸۰۱	ملک شام پر قبضہ	۵۶۸
۸۰۲	خمارویہ بن احمد طولون	۵۶۹
۸۰۳	جیش بن خمارویہ	″
۸۰۴	ہارون بن خمارویہ	۵۷۰
۸۰۵	خاندان اخشیدیہ کا اقتدار	″
۸۰۶	ابوالقاسم انوجور	۵۷۱
۸۰۷	علی بن اخشید	″
۸۰۸	کافور غلام	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۰۹	احمد کی تخت نشینی	۵۷۲
۸۱۰	مصر میں دولت عبیدیہ	〃
۸۱۱	اسمٰعیلی شیعوں کی کامیابی کا راز	۵۷۳
۸۱۲	المہدی اور شیعی کی مخالفت	۵۷۴
۸۱۳	ابوالقاسم بن المہدی	۵۷۵
۸۱۴	اسمٰعیل بن ابوالقاسم	۵۷۶
۸۱۵	معزالدین بن ابوالقاسم	〃
۸۱۶	عزیز باللہ بن معزالدین	۵۷۷
۸۱۷	منصور حاکم باللہ بن عزیز	۵۷۸
۸۱۸	ظاہر دین اللہ بن حاکم	〃
۸۱۹	مستنصر بن ظاہر	۵۷۹
۸۲۰	ابوالقاسم مستعلی بن مستنصر	〃
۸۲۱	جنگ صلیبی کی ابتدار	۵۸۰
۸۲۲	بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ	〃
۸۲۳	ابوعلی آمر باحکام اللہ	۵۸۱
۸۲۴	عبدالمجید حافظ لدین اللہ	〃
۸۲۵	ابومنصور ظافر باللہ	۵۸۲
۸۲۶	فائز بنصر اللہ	〃
۸۲۷	عاضد لدین اللہ بن یوسف	〃
۸۲۸	شاور کی عیسائی نوازی	۵۸۳
۸۲۹	مصر پر عیسائیوں کے قبضہ کی بنیاد	۵۸۴
۸۳۰	سلطان نورالدین کی فراخ دلی	〃
۸۳۱	مصر میں صلاح الدین کی وزارت	۵۸۵
۸۳۲	دولت فاطمیہ کا خاتمہ	۵۸۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۳۳	حکومت ایوبیہ کی ابتدار	۵۸۶
۸۳۴	سلطان صلاح الدین ایوبی	۵۸۷
۸۳۵	صلاح الدین کا دمشق پر قبضہ	۵۸۸
۸۳۶	زنگی عیسائی معاہدہ	۵۸۹
۸۳۷	عیسائیوں کے ناپاک ارادے	〃
۸۳۸	صلاح الدین کی عیسائیوں پر یلغار	۵۹۰
۸۳۹	توہین رسول اللہ صلعم کی سزا	۵۹۱
۸۴۰	خونریز معرکہ اور فتحیابی	〃
۸۴۱	بیت المقدس کی فتح	۵۹۲
۸۴۲	صلاح الدین کا فیاضانہ سلوک	〃
۸۴۳	عیسائیوں کی دوبارہ تیاریاں	۵۹۴
۸۴۴	تیسری جنگ صلیبی کی ابتدار	۵۹۵
۸۴۵	عیسائی دنیا کی یلغار عظیم	〃
۸۴۶	صلاح الدین کا بے پناہ استقلال	۵۹۶
۸۴۷	عیسائیوں کی ناکامی اور صلح کی درخواست	〃
۸۴۸	صلاح الدین کی وفات	۵۹۷
۸۴۹	متفرق حالات	〃
۸۵۰	جانشینوں کے حالات	۵۹۸
۸۵۱	ملک العزیز ایوبی	〃
۸۵۲	ملک منصور بن عزیز ایوبی	〃
۸۵۳	ملک العادل ایوبی	〃
۸۵۴	ملک کامل بن عادل ایوبی	〃
۸۵۵	ملک سیف الدین ابوبکر	۵۹۹
۸۵۶	ملک صالح نجم الدین	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۵۷	ملک معظم توران شاہ	۵۹۹
۸۵۸	ملکہ شجرۃ الدر	″
۸۵۹	ملک اشرف موسیٰ	″
۸۶۰	حکومت مملوکیہ	۶۰۰
۸۶۱	حکومت فلاونیہ	″
۸۶۲	حکومت جرکسیہ	۶۰۲
۸۶۳	سلاطین عثمانیہ ترکیہ کا دور حکومت	۶۰۴
۸۶۴	سلطنت عثمانیہ کا بانی	″
۸۶۵	حکومت عثمانیہ کا پہلا بادشاہ	۶۰۵
۸۶۶	(سلطان عثمان خاں)	۶۰۶
۸۶۷	سلطان ارخان بن عثمان خاں	″
۸۶۸	سلطان مراد خاں اول	″
۸۶۹	سلطان بایزید یلدرم	۶۰۸
۸۷۰	یورپین ممالک کی یورش عظیم	″
۸۷۱	بایزید کے حوصلے	۶۰۹
۸۷۲	بایزید کی گرفتاری	۶۱۰
۸۷۳	تیمور کی وحشیانہ حرکات	۶۱۱
۸۷۴	سلطان محمد خاں اول	″
۸۷۵	سلطان مراد خاں ثانی	″
۸۷۶	محمد خاں ثانی	۶۱۲
۸۷۷	قسطنطنیہ کی فتح	۶۱۳
۸۷۸	عیسائیوں کا قبول اسلام	۶۱۳
۸۷۹	سلطان بایزید ثانی	۶۱۴
۸۸۰	سلطان سلیم خاں اول	۶۱۵
۸۸۱	جرکسی حکومت سے مقابلہ	۶۱۵
۸۸۲	سلطان سلیمان خاں اعظم	۶۱۶
۸۸۳	سلطان سلیم خاں ثانی	۶۱۷
۸۸۴	سلطان محمد خاں ثالث	۶۱۷
۸۸۵	سلطان احمد خاں اول	″
۸۸۶	سلطان مصطفےٰ خاں	″
۸۸۷	سلطان عثمان خاں ثانی	″
۸۸۸	سلطان مراد خاں چہارم	۶۱۸
۸۸۹	سلطان ابراہیم خاں	″
۸۹۰	سلطان محمد خاں چہارم	″
۸۹۱	سلطان سلیمان خاں ثالث	″
۸۹۲	سلطان احمد خاں ثانی	″
۸۹۳	سلطان مصطفےٰ خاں ثانی	۶۱۹
۸۹۴	سلطان احمد خاں ثالث	″
۸۹۵	سلطان محمود اول	″
۸۹۶	سلطان عثمان خاں ثالث	۶۲۰
۸۹۷	سلطان مصطفےٰ خاں ثالث	″
۸۹۸	سلطان عبدالحمید خاں اول	″
۸۹۹	سلطان سلیم خاں ثالث	″
۹۰۰	سلطان مصطفےٰ خاں چہارم	۶۲۱
۹۰۱	سلطان محمد خاں ثانی	″
۹۰۲	سلطان عبدالحمید خاں ثانی	″
۹۰۳	سلطان عبدالعزیز خاں	۶۲۲
۹۰۴	سلطان مراد خاں خامس	۶۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۰۵	سلطان عبدالحمید خاں ثالث	۶۲۲
۹۰۶	ینگ ٹرکش پارٹی	۶۲۳
۹۰۷	شخصی اقتدار کا خاتمہ	〃
۹۰۸	(حصہ دوازدہم)	
۹۰۹	ایران اور ماوراء النہر کی اسلامی حکومت	۶۲۵
۹۱۰	ایران میں دولت صفاریہ	۶۲۷
۹۱۱	دولت صفاریہ	〃
۹۱۲	عمرو بن لیث صفار	۶۲۸
۹۱۳	طاہر بن محمد بن عمر لیث	۶۲۹
۹۱۴	دولت سامانیہ کی ابتداء	〃
۹۱۵	نصر سامانی بن احمد	〃
۹۱۶	اسمٰعیل سامانی بن احمد	〃
۹۱۷	نظر احمد سامانی بن اسمٰعیل	〃
۹۱۸	نصر سامانی بن نظر احمد	۶۳۰
۹۱۹	نوح سامانی بن نصر	〃
۹۲۰	عبدالملک سامانی بن نوح	〃
۹۲۱	منصور سامانی بن نوح	〃
۹۲۲	ابوالقاسم نوح ثانی بن منصور	〃
۹۲۳	منصور ثانی بن نوح	۶۳۱
۹۲۴	عبدالملک ثانی بن نوح	〃
۹۲۵	دولت بنی بویہ	〃
۹۲۶	رکن الدولہ حسن بویہ	۶۳۲
۹۲۷	عضد الدولہ بن رکن الدولہ	۶۳۳
۹۲۸	مؤید الدولہ بن رکن الدولہ	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۲۹	فخر الدولہ بن رکن الدولہ	۶۳۳
۹۳۰	صمصام الدولہ بن عضد الدولہ	۶۳۴
۹۳۱	شرف الدولہ بن عضد الدولہ	〃
۹۳۲	بہاء الدولہ بن عضد الدولہ	〃
۹۳۳	سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ	〃
۹۳۴	ابو کالیجار بن سلطان الدولہ	۶۳۵
۹۳۵	ملک الرحیم بن کالیجار	〃
۹۳۶	دولت افغانستان کی ابتداء	۶۳۶
۹۳۷	البتگین	〃
۹۳۸	سلطان سبکتگین	〃
۹۳۹	سلطان محمود غزنوی	۶۳۷
۹۴۰	امیر مسعود غزنوی	۶۳۸
۹۴۱	امیر محمد غزنوی	۶۳۹
۹۴۲	دولت غزنویہ کا زوال	〃
۹۴۳	مسعود بن مودود	۶۴۰
۹۴۴	علی بن مسعود	〃
۹۴۵	عبدالرشید بن محمود	〃
۹۴۶	فرخ زاد بن مسعود	〃
۹۴۷	ابراہیم بن مسعود	〃
۹۴۸	مسعود بن ابراہیم	〃
۹۴۹	شہزاد بن مسعود	〃
۹۵۰	ارسلان بن مسعود	〃
۹۵۱	بہرام شاہ بن مسعود	〃
۹۵۲	خسرو شاہ بن بہرام	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۵۳	خسرو ملک	۶۴۰
۹۵۴	حکومت غوریہ کی ابتدار	۶۴۱
۹۵۵	عزالدین حسن غوری	"
۹۵۶	سیف الدین بن عزالدین	"
۹۵۷	علاؤالدین حسن جہاں سوز	"
۹۵۸	سیف الدین محمد بن علاؤالدین	۶۴۲
۹۵۹	غیاث الدین بن بہارالدین سام	"
۹۶۰	شہاب الدین غوری	۶۴۳
۹۶۱	شہاب الدین کے جانشین	"
۹۶۲	قطب الدین ایبک	"
۹۶۳	محمود غوری بن غیاث الدین	"
۹۶۴	بہارالدین سام بن محمود	"
۹۶۵	شاہان سلجوق پر ایک نظر	۶۴۴
۹۶۶	سلجوق بن دقاق	"
۹۶۷	سلجوق حکومت کا معمار اول طغرل بیگ	۶۴۵
۹۶۸	الپ ارسلان بن چغر بیگ	۶۴۶
۹۶۹	سلطان ملک شاہ	۶۴۷
۹۷۰	سلطنت سلجوقیہ کا زوال	"
۹۷۱	محمود بن ملک شاہ	"
۹۷۲	برکیارق بن ملک شاہ	۶۴۸
۹۷۳	سلطان محمد بن ملک شاہ	"
۹۷۴	سلطان سنجر بن ملک شاہ	۶۴۹
۹۷۵	سلطان سنجر کی گرفتاری	"
۹۷۶	دولت سلجوقیہ کرمانیہ	۶۵۰
۹۷۷	دولت سلجوقیہ رومیہ	۶۵۰
۹۷۸	دولت خوارزم شاہیہ	۶۵۱
۹۷۹	آتابکان موصل، شام اور شیراز	۶۵۲
۹۸۰	(حصہ سیزدھم)	
۹۸۱	ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور حکومتیں	۶۵۵
۹۸۲	سندھ کے راجہ کی شرارت	۶۵۶
۹۸۳	اسلامی جہاز لوٹ لئے	"
۹۸۴	محمد بن قاسم کا حملہ اور حکومت	۶۵۷
۹۸۵	سندھ کی مسلم حکومتیں	۶۵۸
۹۸۶	سلطان سبکتگین	۶۵۹
۹۸۷	سلطان محمود غزنوی	۶۶۰
۹۸۸	جے پال کی خودکشی	"
۹۸۹	آنند پال کی شکست	"
۹۹۰	ہندو راجاؤں کی بدعہدیاں	۶۶۱
۹۹۱	سومنات کی فتح	"
۹۹۲	محمود کے جانشین اور زوال	۶۶۲
۹۹۳	شہاب الدین غوری کی حکومت	"
۹۹۴	ہندوستان کی مکمل فتح	۶۶۳
۹۹۵	محمد غوری کی وفات	۶۶۴
۹۹۶	خاندان غلاماں کا دور حکومت	"
۹۹۷	قطب الدین ایبک	۶۶۵
۹۹۸	آرام شاہ	"
۹۹۹	سلطان شمس الدین التمش	"
۱۰۰۰	سلطان رکن الدین	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۰۱	رضیہ سلطانہ	۶۶۶	۱۰۲۵	سادات کا دور حکومت	۶۷۰
۱۰۰۲	معز الدین بہرام شاہ	//	۱۰۲۶	خضر خاں	۶۷۱
۱۰۰۳	علاؤ الدین مسعود	//	۱۰۲۷	سلطان مبارک شاہ	۶۷۱
۱۰۰۴	ناصر الدین محمود	//	۱۰۲۸	سلطان محمد شاہ	//
۱۰۰۵	غیاث الدین بلبن	//	۱۰۲۹	سلطان علاؤ الدین	//
۱۰۰۶	معز الدین کیقباد	//	۱۰۳۰	شاہان لودھی کی حکومت	//
۱۰۰۷	شاہان خلجی کا دور حکومت	۶۶۷	۱۰۳۱	سلطان بہلول لودھی	۶۷۲
۱۰۰۸	سلطان جلال الدین خلجی	//	۱۰۳۲	سلطان سکندر لودھی	//
۱۰۰۹	علاؤ الدین خلجی	//	۱۰۳۳	سلطان ابراہیم لودھی	//
۱۰۱۰	شہاب الدین خلجی	//	۱۰۳۴	مغلیہ حکومت کا بانی۔ بابر	//
۱۰۱۱	قطب الدین مبارک	//	۱۰۳۵	نصیر الدین محمد ہمایوں	۶۷۳
۱۰۱۲	خسرو خاں غلام	۶۶۸	۱۰۳۶	شیر شاہ سوری کی حکومت	۶۷۴
۱۰۱۳	شاہان تغلق کا دور حکومت	۶۶۸	۱۰۳۷	سلیم شاہ سوری	//
۱۰۱۴	سلطان غیاث الدین تغلق	//	۱۰۳۸	فیروز شاہ سوری	//
۱۰۱۵	سلطان محمد تغلق	//	۱۰۳۹	محمد عادل شاہ سوری	//
۱۰۱۶	فیروز شاہ تغلق	۶۶۹	۱۰۴۰	ہمایوں کی واپسی اور دوسرا دور (۱)	۶۷۵
۱۰۱۷	ناصر الدین محمد شاہ	//	۱۰۴۱	ہمایوں کا کردار	//
۱۰۱۸	سلطان تغلق شاہ	//	۱۰۴۲	سلطان جلال الدین اکبر (۲)	۶۷۶
۱۰۱۹	سلطان ابو بکر شاہ	//	۱۰۴۳	اکبر کا دور حکومت	//
۱۰۲۰	ناصر الدین محمد شاہ	//	۱۰۴۴	اکبر کے خیالات	۶۷۷
۱۰۲۱	سکندر شاہ	//	۱۰۴۵	سلطان نور الدین جہانگیر (۳)	//
۱۰۲۲	ناصر الدین محمود شاہ	۶۷۰	۱۰۴۶	جہانگیر کی پیدائش	۶۷۸
۱۰۲۳	نصرت شاہ	//	۱۰۴۷	عدل و انصاف کا خیال	//
۱۰۲۴	ناصر الدین محمود شاہ	//	۱۰۴۸	جہانگیر کا دور حکومت	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۴۹	انگریزوں کی آمد	۶۷۹	۱۰۷۳	انگریزی فوج دہلی میں	۶۹۱
۱۰۵۰	محمد شہاب الدین شاہ جہان (۴)	〃	۱۰۷۴	معین الدین اکبر شاہ کی تخت نشینی (۱۵)	〃
۱۰۵۱	مشہور عمارتیں	۶۸۰	۱۰۷۵	بہادر شاہ ظفر (۱۶) اور غدر	〃
۱۰۵۲	شاہ جہان کا دور حکومت	〃	۱۰۷۶	(حصہ چہاردہم)	
۱۰۵۳	محی الدین، اورنگ زیب، عالمگیر (۵)	۶۸۱	۱۰۷۷	ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت	۶۹۵
۱۰۵۴	پرتگیزوں کی سرکوبی	۶۸۲	۱۰۷۸	غدر ۱۸۵۷ء کے بعد	〃
۱۰۵۵	عالمگیر پر ایک نظر	〃	۱۰۷۹	کانگریس کا قیام	〃
۱۰۵۶	محمد معظم بہادر شاہ اول (۶)	۶۸۳	۱۰۸۰	مسلم لیگ کا قیام	۶۹۶
۱۰۵۷	بھائیوں سے جنگ	〃	۱۰۸۱	پاکستان کا تصور	۶۹۸
۱۰۵۸	انتقال	۶۸۴	۱۰۸۲	مملکت پاکستان کا قیام	۷۰۰
۱۰۵۹	جہاندار شاہ (۷)	۶۸۴	۱۰۸۳	آزادی کی مبارک گھڑی	〃
۱۰۶۰	فرخ سیر کی تخت نشینی (۸)	〃	۱۰۸۴	پاکستان کا پہلا گورنر جنرل	〃
۱۰۶۱	سکھوں کی شورش	۶۸۵	۱۰۸۵	پہلے وزیر اعظم	〃
۱۰۶۲	فرخ سیر کا قتل	۶۸۵	۱۰۸۶	سنہ ۱۹۴۷ء کے اہم واقعات	〃
۱۰۶۳	شمس الدین ابو البرکات (۹)	۶۸۶	۱۰۸۷	سنہ ۱۹۴۸ء کے اہم واقعات	۷۰۱
۱۰۶۴	رفیع الدولہ کی تخت نشینی (۱۰)	〃	۱۰۸۸	پاکستان کی پہلی سال گرہ	۷۰۲
۱۰۶۵	روشن اختر محمد شاہ کی تخت نشینی (۱۱)	۶۸۶	۱۰۸۹	قائد اعظم کی وفات	〃
۱۰۶۶	نادر شاہ کا حملہ	۶۸۸	۱۰۹۰	حیدر آباد پر حملہ	〃
۱۰۶۷	جنوبی ہند میں انگریزوں کا زور	۶۸۹	۱۰۹۱	سنہ ۱۹۴۹ء کے اہم واقعات	۷۰۳
۱۰۶۸	احمد شاہ کی تخت نشینی (۱۲)	〃	۱۰۹۲	مولینا شبیر احمد عثمانی کی وفات	۷۰۳
۱۰۶۹	بادشاہ کو اندھا کر دیا	〃	۱۰۹۳	سنہ ۱۹۵۰ء کے اہم واقعات	۷۰۴
۱۰۷۰	عالمگیر ثانی کی تخت نشینی (۱۳)	〃	۱۰۹۴	سنہ ۱۹۵۱ء کے اہم واقعات	〃
۱۰۷۱	ابدالی کی مرہٹوں سے جنگ	۶۹۰	۱۰۹۵	پاکستان کے خلاف سازش	۷۰۵
۱۰۷۲	شاہ عالم کی تخت نشینی (۱۴)	۶۹۰	۱۰۹۶	لیاقت علی خاں کی شہادت	۷۰۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۹۶	۱۹۵۲ء کے اہم واقعات	۷۰۶
۱۰۹۷	حادثہ عظیم	۷۰۷
۱۰۹۸	۱۹۵۳ء کے اہم واقعات	۷۰۸
۱۰۹۹	اینٹی قادیانی تحریک	″
۱۱۰۱	مولانا سلیمان ندوی کا انتقال	″
۱۱۰۲	۱۹۵۴ء کے اہم واقعات	۷۱۰
۱۱۰۳	خطرناک فساد	″
۱۱۰۴	شاہ سعود کی آمد	″
۱۱۰۵	ردعمل	۷۱۱
۱۱۰۶	اہم ترین ردوبدل	۷۱۲
۱۱۰۷	ون یونٹ کی اسکیم	″
۱۱۰۸	۱۹۵۵ء کے اہم واقعات	″
۱۱۰۹	غیر قانونی فرمان	۷۱۳
۱۱۱۰	نئی دستوریہ کا اعلان	۷۱۴
۱۱۱۱	اسکندر مرزا گورنر جنرل	۷۱۴
۱۲۱۲	۸ویں سال گرہ	۷۱۵
۱۱۱۳	پاکستان ایک نظر میں	″
۱۱۱۴	پانچویں بڑی مملکت	۷۱۵
۱۱۱۵	رقبہ اور آبادی	″
۱۱۱۶	غیر ممالک کے باشندے	″
۱۱۱۷	بندرگاہیں	۷۱۶
۱۱۱۸	فضائی راستے	″
۱۱۱۹	زراعت	″
۱۱۲۰	آب پاشی	″
۱۱۲۱	معدنیات	″
۱۱۲۲	صنعتی ترقی	″
۱۱۲۳	مہاجرین کی آبادی	۷۱۷
۱۱۲۴	دستکاروں کی آبادکاری	۷۱۸
۱۱۲۵	مہاجر طلباء کو وظائف	″
۱۱۲۶	یادگاری ٹکٹ	″
۱۱۲۷	پاکستانی ریلوے	۷۱۹
۱۱۲۸	ریلوے کے کارنامے	۷۲۰
۱۱۲۹	پاکستان کے مذہبی و سیاسی راہنما	۷۲۱
۱۱۳۰	مشرقی و مغربی پاکستان میں دینی مدارس	۷۲۵
۱۱۳۱	پاکستان کی مذہبی جماعتیں	۷۲۹
۱۱۳۲	پاکستان کی سیاسی جماعتیں	۷۳۴
۱۱۳۳	اسلامی آئین کی منظوری	۷۴۱
۱۱۳۴	آئین پر ایک نظر	۷۴۶
۱۱۳۵	یوم جمہوریہ کے بعد سہروردی وزارت	۷۴۸
۱۱۳۶	جشن اختتام	۷۵۰
۱۱۳۷	دنیا میں مسلمانوں کی آبادی	۷۵۲

دیباچہ!

از مؤلف

قوموں کی زندگی میں تاریخ کی اہمیّت

اقوام وملل کی زندگی کے عروج وارتقا میں تاریخ کو جو اہمیت حاصل ہے، وہ اہل نظر سے کسی طرح پوشیدہ نہیں ہے، کوئی قوم پستی سے اٹھ کر بلندی کی طرف اس وقت تک نہیں بڑھ سکتی، جب تک اس کی ماضی تاریخی شکل میں اس کے سامنے نہ آجائے،

یہی وجہ ہے، کہ دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود ہوتا ہے، تاریخ وتذکرے بھی اس کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، لوگ فخر وترجیح کے موقعوں پر اسلاف کے کارنامے، اور پچھلی معرکہ آرائیوں کو بیان کرکے باپ دادا کی یاد اور ان کی عادات ورسوم کو بطور یادگار باقی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا خیال ہوتا ہے، کہ اس طرح ہم نہ صرف اپنے باپ دادا کی یاد تازہ رکھ سکیں گے، بلکہ قومی حیثیت سے یہ طریقہ ترقی وعروج کے لئے مفید ثابت ہوگا،

چنانچہ آگے چل کر یہی تذکرے فن تاریخ کا سرمایہ قرار پا جاتے ہیں، اور قومیں اس بنیادی سرمایہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تاریخیں مدون کرتی، اور دنیا کی دوسری قوموں سے ہمسری کا دعویٰ کرتی ہیں،

جو قومیں اس سرمایہ سے بےگانہ اور خالی ہوتی ہیں، وہی دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں پست اور کمزور سمجھی جاتی ہیں،

یہ سرمایہ جس کو قوموں کی تاریخ کا اہم مواد کہنا چاہئے، ہر قوم میں پایا جاتا ہے، اور آج بھی موجود ہے، لیکن اس سلسلہ میں عرب کو ایک خاص خصوصیت حاصل تھی، جو دوسری قوموں میں نہیں پائی جاتی تھی، عربوں میں انساب کا چرچہ اتنا زیادہ پایا جاتا تھا، کہ بچہ بچہ کو دس، دس، بارہ، بارہ پشتوں تک اپنے باپ دادا کے نام اور ان کے رشتے یاد ہوا کرتے تھے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر دیکھا جائے، تو وہ نہ صرف اپنے خاندان، بلکہ پالتو

جانوروں کے نسب نامے بھی محفوظ رکھا کرتے تھے، جو سالانہ میلوں اور دوسرے اجتماعات کے موقعوں پر باپ دادا کے کارناموں کے ساتھ فخریہ طور پر بیان کئے جاتے تھے، یہ تھا عرب کا وہ تاریخی اور امتیازی سرمایہ جو کہ دوسری کسی قوم کو نصیب نہیں ہوا،

تاریخ کی ابتدا

عرب میں چونکہ زبانی روایتوں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا، اس لئے ظہور اسلام کے کچھ عرصہ بعد جب تالیف و تصنیف کا سلسلہ شروع ہوا، تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی، فن تاریخ کی کتاب تھی،

چنانچہ دنیا میں پہلی تاریخ امیر معاویہ بن سفیان کے عہد حکومت میں لکھی گئی، کتاب کی ابتدار کرنے والے عبید ابن شریہ تھے، جنہوں نے اس کتاب کو "اخبار الملوک الماضیین" کے نام سے شروع کیا تھا، مگر مصنف اور معاویہ دونوں کی وفات کے بعد اس کی تکمیل کا سہرا "محمد بن اسحاق" کے سر ۱۶۱ھ میں بندھا،

عبیدہ اور ابن اسحاق کے بعد دوسرا نام عوانۃ بن الحکم متوفی ۱۴۷ھ بھی قابل ذکر ہے، عوانہ تاریخ کے بڑے ماہر تھے، اور انہوں نے اپنی پہلی تصنیف کو بنوامیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ترتیب دیا تھا، اس کے علاوہ عوانۃ بن الحکم میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ عجم کی مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا، اور اس طرح غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی نبیاد ڈال دی،

۱۴۳ھ میں جب کہ تفسیر و حدیث کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا، تو اس کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں، اور اس کے بعد فن تاریخ برابر ترقی کرتا چلا گیا،

بڑے بڑے نامور مورخ پیدا ہوئے، جن میں واقدی، کلبی، مدنی، احمدی، مدائنی اور خزار کے نام بہت مشہور ہیں، اگرچہ ان حضرات کی تصانیف آج موجود نہیں ہیں، لیکن ان کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں ان حضرات قدمائے سابقین کی تصانیف کا بہت کچھ سرمایہ پایا جاتا ہے،

انہیں قدما میں ابوالحسن علی بن حسین مسعودی جن کی وفات ۳۸۶ھ میں ہوئی، فن تاریخ کے امام مانے جاتے ہیں، اسلام میں آج تک ان کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا، وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کے بھی بہت بڑے ماہر تھے، اگر ان کی تمام تاریخی کتابیں دستیاب ہوتیں، تو پھر کسی دوسری کتاب کی حاجت باقی نہ رہتی، لیکن افسوس ہے، کہ قوم کی بدمذاقی نے ان تصانیف کو ناپید کر دیا، علامہ شبلی کا بیان ہے کہ یورپ نے بڑی تلاش کے بعد ان کی دو کتابیں مہیا کیں، ایک "مروج الذہب" اور دوسری "کتاب الاشراف والتنبیہ"، موخر الذکر مصر میں طبع ہو چکی ہے،

اس شاندار دور کے بعد متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے، اس دور کو اگرچہ تنزل کا دور کہتے ہیں، لیکن پھر

بھی بے شمار مورخ گذرے، جن میں ابن اثیر، سمعانی، ذہبی، ابوالفداء، نویری اور علامہ سیوطی وغیرہ نے بہت شہرت حاصل کی، مگر اس دور میں ابن خلدون کا نام بہت ہی نمایاں نظر آتا ہے، جو بہمہ وجوہ مدح و ستائش کا کا مستحق ہے۔

ان حالات کے لکھنے سے میری غرض یہ ہے، کہ پیش نظر تاریخ کو پڑھنے والے حضرات اس امر سے واقف ہو سکیں، کہ تاریخ کی ابتداء اسلام میں کس طرح اور کب سے شروع ہوئی؟ نیز تاریخ کی صحیح تعریف کیا ہے؟ اور پڑھنے والے کو کیا فائدہ پہنچتا ہے

درحقیقت تاریخ کی ماہیت، اور اس کی صحیح تعریف یہ ہے، کہ پڑھنے والوں کو ان حالات اور واقعات کا علم ہو سکے، جن سے یہ معلوم کیا جا سکے، کہ موجودہ زمانہ گذشتہ زمانہ سے بطور نتیجہ کے کس طرح پیدا ہوا، کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات اور مذاہب موجود ہیں، سب گذشتہ واقعات کے نتائج ہیں بس اسی کا نام تاریخ ہے، اور اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے، کہ جس عہد کے حالات تحریر کئے جائیں، اس زمانے کی ہر چیز یعنی اخلاق، عادات، معاشرت، مذہب اور تمدن ہر چیز پر روشنی ڈالی جائے، تاکہ تاریخ کو پڑھنے والے صحیح معنی میں اس نکتہ مقصود تک پہنچ سکیں، جو تاریخ کی روح ہے

چنانچہ جو تاریخی مجموعہ آپ کے زیر نظر ہے، میں نے اس میں اس امر کی پوری کوشش کی ہے، کہ تاریخ کی روح کسی طرح مجروح نہ ہونے پائے، لہذا اس بنا پر آپ جس عہد کا مطالعہ کریں گے، اس زمانہ کی تمام خصوصیات آپ کے سامنے آجائیں گی، اور آپ بڑی آسانی سے اندازہ کرتے چلے جائیں گے، کہ عہد حاضر کی خصوصیات عہد گذشتہ سے کس طرح پیدا ہوتی چلی گئیں،

عام طور سے دیکھا جاتا ہے، کہ کتاب کو دلچسپ بنانے کے لئے واقعات کو بڑی رنگ آمیزی سے تحریر میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ یہ ایسی خطرناک غلطی ہے، جس کی وجہ سے قوم کے صحیح کردار اور خد و خال پر نہ صرف پردہ پڑتا جاتا ہے، بلکہ آیندہ نسلیں اپنی ترقی کھو بیٹھتی ہیں،

میں نے اس بات کو بھی پورے طور سے ملحوظ رکھا ہے، کہ تمام واقعات کو ان کی اصلی اور موثر شکل و صورت میں بیان کیا جائے، کیونکہ سادگی کا اثر گہرا اور دائمی ہوتا ہے، واقعات میں رنگ آمیزی پڑھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لئے محظوظ تو ضرور کرتی ہے، مگر اپنے اثرات کے لحاظ سے عارضی اور ناپائدار ہوتی ہے

کافی وقت اس بات پر صرف کیا گیا ہے، کہ اسلامی تاریخوں کو اچھی طرح پڑھا اور سمجھا جائے، اور ان کے معائب و محاسن کو معلوم کرنے کے بعد پیش نظر تاریخ کی ترتیب شروع کی جائے، یہی وجہ ہے، کہ غیر معتبر روایات اور افسانوں سے قطع نظر کرتے ہوئے مستند اور معتبر کتابوں کے اقتباسات کو درج کیا گیا ہے، تاکہ وہ اہم ترین کمی

پوری ہو سکے، جو مدتوں سے اسلامی تاریخوں میں محسوس کی جا رہی ہے،

غالباً آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے، کہ اس وقت دنیا میں ۵۰ کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہے، جو مختلف ملکوں اور گوشوں میں زندگی گذار رہے ہیں، لیکن آپ تسلیم کریں یا نہ کریں، وہ زیادہ تر کمزور ہیں، نادار ہیں، بے علم ہیں، محکوم و مغلوب ہیں، اور پست ہمت ہونے کے ساتھ اپنے صحیح مقام و کردار سے ناآشنا ہیں، بتانے والوں نے اس عام تباہی کے ہزارہا اسباب بیان کئے ہیں، مگر آپ ذرا بھی غور کریں گے، تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے، کہ اس اہم اور عام کمزوری اور تباہی کا اصل سبب صرف ایک ہی ہے، اور وہ تبلیغ اسلام کے فریضہ سے چشم پوشی کرنا ہے، جو کہ مسلم قوم کا اولین نصب العین تھا، وہ کون انصاف پسند مسلمان ہوگا، جو اس حقیقت سے انکار کر دے گا، کہ مسلمانوں کی عالمگیر ترقی صرف اسلامی نصب العین کی تبلیغ کا نتیجہ تھی، وہ جب تک متحد منظم اور اسلامی شعائر و احکام پر کاربند رہے، برابر ترقی کرتے چلے گئے،

یہ تاریخ اپنے قارئین پر اچھی طرح واضح کر دے گی، کہ ہماری ترقی کے اسباب کیا تھے، اور پستی و تنزل کا دور کن اصولوں کو ٹھکرانے سے پیدا ہوا،

میں یہ تو نہیں کہہ سکتا، کہ ہند و پاک میں کوئی ایسی اسلامی تاریخ شائع نہیں ہوئی، البتہ یہ ضرور عرض کروں گا، کہ میں نے عرصہ دراز کی تحقیقات و مطالعہ کے بعد جو اوراق ترتیب دیئے ہیں، وہ اپنی فنی اور علمی نوعیت کے اعتبار سے ضرور اس بات کے مستحق ہیں، کہ اگر یہ کہہ دیا جائے، کہ آج تک مسلمانوں میں اس ترتیب اور صحت کی کوئی کتاب شائع نہیں ہو سکی، تو بے جا نہ ہوگا،

شکریہ - میری یہ تالیف یقیناً نامکمل رہ جائیگی، اگر میں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں، جو اس تاریخ کی تالیف کے سلسلہ میں میری مدد فرماتے رہے، خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر دارالعلوم کراچی، حضرت علامہ عبدالله صاحب بلیاوی اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا بیحد ممنون ہوں، کہ آپ نے تاریخ کے بعض اہم گوشوں سے آگاہ فرمایا، پروفیسر منیف الدین صاحب فریدی ایم اے علیگڑھ کالج، اور پروفیسر سراج الآفاق صاحب ایم اے (الہ آباد) کا تعاون بھی ناقابل فراموش ہے، نیز برادرم محترم جناب فضل احمد صاحب صوفی کا ممنون ہوں کہ آپ نے اپنے قلمی مسودات کے مطالعہ کا موقع عطا فرمایا، اور جناب خواجہ عبدالوحید صاحب مدیر اعلیٰ پیام حق میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں، میں آپ کا بیحد ممنون ہوں، کہ آپ اس کتاب کی تکمیل میں وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے مدد دی، آخر میں جناب محمد سعید صاحب مالک و مہتمم کتب خانہ جنکی زیر نگرانی یہ کتاب چھپی اور جب کر شائقین علم تاریخ کے ہاتھوں میں ہے کا انتہائی مشکور ہوں،

پوری کتاب ۴ حصوں پر مشتمل ہے، ہر حصہ اپنے عہد کی مستقل تاریخ ہے، حصہ اول میں حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک، دوسرے میں رسول اکرم کے پاکیزہ حالات، اسی طرح خلفاء راشدین، بنی امیہ، بنی عباس اور تمام دوسرے بادشاہوں اعیان کی حکومتوں کا تذکرہ ہے، آخری حصہ جنگ آزادی کی جد و جہد اور قیام پاکستان سے ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء تک کے اہم حالات پر مشتمل ہے، مجھے امید ہے کہ قارئین کرام میری ناچیز محنت سے محظوظ ہوتے ہوئے

حصّہ اوّل

حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام تک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصۂ اوّل

ابتدائے عالم اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش

قرآن کریم صحف سابقہ اور انبیائے کرام کی تعلیمات اور ان کی امتوں کے سبق آموز واقعات سے یہ امر مسلم ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ تک رہے گی، وہ نہ کسی ابتدا کا محتاج ہے، اور نہ کسی انتہا کا محتاج ہے، اور نہ ہی اس کی انتہا کو کوئی پہنچ سکتا ہے۔ وہ ابدی ہے، زمانہ اور مکان کی قید سے بالاتر ہے، وہ اکیلا ہے، اور اکیلا ہی رہے گا، اس نے جب چاہا لفظ کُن سے سارا جہان پیدا فرما دیا، اس نے دو دن میں زمین کی تکمیل فرمائی، پھر چار دنوں میں پہاڑ، دریا، درخت، پھل پھول اور زندگی کے لئے جو سامان ضروری ہیں، پیدا کئے۔ (سورہ حٰم)

اس سے فارغ ہو کر آسمان کو مکمل فرمایا، اور پھر زمین و آسمان کو اپنا فرمانبردار بنایا، اور اطاعت کا عہد لیا (سورہ حٰم)

پھر عرش کی جانب متوجہ ہوا، چاند سورج پیدا کئے، جو میعاد مقرر تک اپنا کام کرتے رہیں گے' (سورہ رعد)

پھر فرشتے پیدا فرمائے، جو اس کی حمد و ثنا اور اطاعت میں مصروف ہیں جن کی تعداد خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (سورہ مدثر)

قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کا نام ۱۹ جگہ آیا ہے، چنانچہ سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کا پتلا مٹی کے جوہر سے بنایا، اور اس میں روح پھونک دی، جب اس پتلے میں جان پڑ گئی، تو حکم ہوا کہ سب فرشتے اس کو سجدہ کریں، سب فرشتوں نے اپنے پروردگار کے حکم کے بموجب سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے جو معلم الملکوت تھا، اس پر اعتراض کیا، اور حکم عدولی کا مرتکب ہوا چنانچہ اس سرکشی کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے معتوب قرار پایا،

حضرت حوا کی پیدائش

پھر خدا کے حکم سے حضرت حوا آدم کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں، اور دونوں کو جنت کے دلفریب باغوں میں رہنے کا حکم دیا گیا، خدا تعالیٰ نے آدم و حوا سے کہا، کہ جنت کی تمام نعمتیں تمہارے لئے ہیں، لیکن اس درخت کو ہاتھ نہ لگانا، جو جنت کے درمیان واقع ہے۔

ابلیس کا انتقام

شیطان ابھی ذلت اور رسوائی کی وجہ سے دونوں کی تاک میں تھا، آخر ایک روز موقع پاکر حوا کو بہکانے میں کامیاب ہوگیا، حوا نے ابلیس کے ترغیب دلانے پر اس درخت کا پھل خود بھی کھایا، اور حضرت آدم کو بھی کھلایا،

جنت سے اخراج

اس گناہ کی پاداش میں دونوں کو باغ جنت سے نکال کر زمین پر اتارا گیا، اور شیطان کو بھی ان کے ساتھ دنیا میں بھیجا گیا، یہیں سے زمین پر انسانی زندگی کا آغاز ہوا، اور دنیا آباد ہونا شروع ہوئی، زمین پر آنے کے بعد آدم و حوا ایک عرصہ تک جدا رہے (قرآن شریف و توریت کتاب پیدائش)

روئے زمین پر پہلا قتل

کچھ دنوں کے بعد شادی کے سلسلہ میں دونوں بھائیوں کا کچھ جھگڑا ہوا، اور پھر ہابیل کا ہدیہ قبول ہونے کی وجہ سے قابیل اپنے بھائی کا اور بھی دشمن ہوگیا، چنانچہ قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا، حضرت آدم و حوا کو بہت افسوس ہوا، رفتہ رفتہ اور اولاد پیدا ہوئی، اور پھر ان کی زندگی ہی میں انسانی نسل بڑھتی چلی گئی، حضرت آدم نے نوسو برس کی عمر میں انتقال فرمایا، اور اپنے ہم شکل بیٹے حضرت شیث کو اپنا قائم مقام بنایا،

حضرت نوحؑ

آدم سے لے کر حضرت نوح تک سولہ سو بیالیس سال کا عرصہ گذرا، اس دوران میں دس پشتیں گذریں، اور ان میں سب لوگ پرہیزگار، خدا پرست اور شرک سے پاک تھے، اور اپنے پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقے پر خدا کی عبادت کرتے تھے، لیکن حضرت نوح کی پیدائش کے بعد ان لوگوں کے حالات بدلنے شروع ہوگئے، اور آہستہ آہستہ انھوں نے اپنے مرے ہوئے بزرگوں کے بت بنا کر ان کی پرستش شروع کردی، اور پھر نتیں ماننے اور ان کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دینے لگے، اور آگے بڑھ کر انہوں نے خدا کو بھلانا شروع کردیا، اور سب کچھ انہیں کو سمجھنے لگے، خدا کا ڈر ان لوگوں کے دلوں سے دور ہونے لگا، اور زناکاری و بدی کا دور دورہ ہوگیا، اور اخلاقی حالت دن بدن گرنی شروع ہوگئی (قرآن شریف، احادیث، توراۃ کتاب پیدائش ابن اثیر، ابن عساکر)

نوحؑ کی نبوت اور پیغمبروں کے تین طبقے

ابتدائے آفرینش سے ہی خدائے تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نسل انسانی کی اصلاح اور بھلائی کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں، اور اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ان کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، طبقہ اول حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح تک، اس طبقہ نے کچھ خاص آداب اور اوراد و وظائف کی تلقین کی، حلال اور حرام چیزوں کے متعلق کوئی خاص ہدایت نہیں کی گئی تھی، طبقہ دوم حضرت نوح سے حضرت موسیٰ تک، اس دور میں حلال اور حرام کے متعلق شریعت مقرر ہوئی، اور عبادات کے سلسلہ میں احکام صادر ہوئے، جیسا کہ سورہ شوریٰ ۲۴ رکوع ۲ میں خدا نے

فرمایا ہے شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا الآیۃ اسی طرح شفاعت کی حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے، کہ سب سے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح ہوئے، اور اس دور کے انبیاء علیہم السلام کو مخالفین سے جہاد کرنے کا حکم نہیں تھا، بلکہ یہ لوگ خود عذاب الٰہی سے اپنی انتہائی سرکشی کی پاداش میں ہلاک کر دیئے جاتے تھے۔ طبقہ سوم حضرت موسیٰؑ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس طبقہ کی ابتدا ہوئی، اور اس طرح خدائے تعالیٰ کے احکام اپنے ارتقائی مدارج طے کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ایک مکمل دین کی صورت میں نازل ہوئے، سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ کو کافروں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم نازل ہوا، اور یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک قائم رہا، بلکہ قیامت تک قائم رہے گا۔

جب نوحؑ کے زمانہ میں نسل انسانی کی سرکشی اور معصیت حد سے گذرنے لگی، تو پہلے حضرت نوح کو ان کی اصلاح کے لئے مقرر کیا گیا، اور جب انہوں نے احکام خداوندی کے ماننے سے پہلوتہی کی، تو خدا تعالیٰ نے حضرت نوح کو حکم دیا، کہ اب ان لوگوں کی سرکشی حد کو پہنچ چکی ہے، میں تمام انسانوں اور جانداروں کو جو روئے زمین پر آباد ہیں صفحہ ہستی سے مٹانے والا ہوں، اور ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ تم کو، تمہارے اہل کو، اور ان لوگوں کو جو تم پر ایمان لائے ہیں، میں اس عذاب سے بچاؤں گا، اور اپنے ساتھ تم کشتی میں ہر جاندار کا جوڑا رکھ لینا،

جب خداوندی حکم سے حضرت نوح نے اپنی کشتی تیار کر لی، تو خدا تعالیٰ نے زمین سے پانی کی سوتیں کھول دیں، اور ساتھ ہی آسمان سے پانی برسایا، اور یہ پانی ڈیڑھ سو دن تک اسی طرح برستا رہا، اور روئے زمین پر ہر طرف پانی ہی پانی پھیل گیا، یہاں تک کہ بلند سے بلند پہاڑ سے بھی پانی کی سطح پندرہ ہاتھ بلند ہو گئی، اور اس طرح تمام انسان اور جاندار روئے زمین سے ختم ہو گئے، آخر سات ماہ بعد حضرت نوح کی کشتی کوہ جودی (ارارات) پر جا کر ٹکی، اور دنیا میں نئے سر سے انسانی زندگی کا آغاز ہوا، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (اور پانی خشک ہو گیا، اور معاملہ (طوفان) ختم ہو گیا، اور کشتی کوہ جودی پر ٹک گئی اور کہا گیا، کہ ظالموں کو بربادی ہو) اس عالمگیر طوفان میں حضرت نوح کا ایک لڑکا کنعان بھی غرق ہوا، کشتی میں جو لوگ بچ گئے تھے ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی، خدائے تعالیٰ نے حضرت نوح سے فرمایا، کہ صرف تیری نسل سے دنیا کو دوبارہ آباد کروں گا، چنانچہ دنیا کی موجودہ آبادی حضرت نوح کی نسل سے ہے، اور اسی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے، (ابن خلدون جلد ۱)

نوحؑ کا نسب نامہ اور اولاد

نوح بن الملک ابن متوشلخ ابن اخنوخ ابن یرد ابن مہلائیل ابن قائن ابن انوش ابن شیث ابن آدم (مورخ ابن اسحاق کا خیال ہے، کہ ادریس نبی کا نام اخنوخ تھا)

توراۃ کتاب پیدائش میں ہے، کہ طوفان کے قبل پانچ سو سال کی عمر میں جو حضرت نوح کے تین لڑکے پیدا ہوئے تھے، ان کے نام سام، حام اور یافث تھے، اور روئے زمین کی تمام اقوام ان تینوں کی اولاد سے ہیں۔

سام کی نسل
اس گروہ میں فراعنہ مصر، کنعانیین، بربرۂ شام، بنی لخم، بنی ہزال، بنی مطر، بنی ارزق، بدیل، راحل قوم عاد، قوم ثمود، جدیس، جرہم وغیرہ قدیم اقوام پیدا ہوئیں، ان میں سے بعض کا قرآن شریف اور بعض کا دوسری آسمانی کتابوں میں ذکر ہے۔

یافث کی نسل
اس سلسلہ میں اقوام ترک، چینی، صقالیہ اور یاجوج ماجوج وغیرہ ہیں، یاجوج ماجوج کے متعلق یہ خیال ہے، کہ اس سے منچوریہ والے مراد ہیں، جو ترکستان اور چین کے درمیان...... کے علاقوں میں آباد ہیں، اور عام طور پر بہت چھوٹے قد کے ہوتے ہیں، قیامت کے قریب اس قوم کو بہت عروج ہوگا اور یہ زمانہ ظہور مہدی کے بعد حضرت عیسیٰ کے آخری ایام میں ہوگا، قرآن شریف میں بھی اس قوم کا ذکر ہے، اور اس سلسلہ میں ایک دیوار کا بھی ذکر کیا گیا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ اس سے مراد ان کی غلامی ہے، کہ ہمیشہ وہ آزادی کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں، لیکن ابھی تک صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہوئے ہیں، آخر یہ لوگ غلامی سے نجات پائیں گے، اور پھر دوسری قوموں پر غلبہ پائیں گے، اس سلسلہ کے دوسرے قابل ذکر گروہ یہ ہیں، تاتاری، سلجوقی، خلجی، رومی، یونانی، پارسی وغیرہ (ابن خلدون ج ۱)

حام کی نسل
اس سلسلے میں سوڈان، ہند، سندھ، قبط اور کنعان کی قومیں شامل ہیں، مشہور ظالم بادشاہ نمرود بھی اسی نسل سے تھا، اور دنیا کی تمام حبشی الاصل اقوام بھی اسی سلسلہ میں ہیں

حضرت ہودؑ
حضرت نوح کے بعد ان کی نسل سے ایک شخص عاد بن ارم پیدا ہوا، اسی کے زمانہ میں مشہور صاحب عظمت اور حکمران قوم عاد اولیٰ کی بنیاد پڑی، اور جب یہ قوم انتہائے عروج پر پہنچی، تو انہوں نے صحیح مذہب کو چھوڑ کر بھٹکنا شروع کیا، اور طرح طرح کی بدخوائیاں اور برائیاں ان میں پیدا ہو گئیں، انہوں نے بھی اپنے بزرگوں اور بڑے آدمیوں کے بت بطور یادگار کے بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی، اور اپنے سرداروں اور بادشاہوں کے بڑے بڑے شاندار مقبرے بنا کر ان کے توسل سے مرادیں مانگنے لگے، اور اس طرح رفتہ رفتہ ساری قوم شرک میں مبتلا ہو گئی، آخر حضرت ہود اس قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے، قرآن شریف میں سورۂ شعراء ع۷ میں اسی قوم سے مخاطب ہو کر حضرت ہود نے فرمایا اتبنون بکل ریع اٰیۃ تعبثون ۝ وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون ۝ و اذا بطشتم بطشتم جبارین ۝ فاتقوا اللہ واطیعون ۝ واتقوا الذی امدکم بما تعلمون ۝ امدکم بانعام وبنین ۝ وجنٰت وعیون (کیا تم لوگ) اونچے مقام پر عبث عالیشان عمارتیں بناتے رہو گے، اور اپنے رہنے کے لئے اونچے اونچے محل بناتے ہو، تاکہ تم ہمیشہ رہو، اور جب تم کسی پر حملہ کرتے ہو، تو بڑے ظلم ڈھاتے ہو، دیکھو تم خدا سے ڈرو، اور میری

پیروی کرو، جس خدا نے ان چیزوں سے تمہیں مدد دی ہے جنہیں تم جانتے ہو، اس نے مویشیوں اور اولادوں کے ذریعہ تمہیں مدد دی ہے، اور باغوں اور چشموں سے مدد دی ہے، مگر حضرت ہود کی تمام کوششوں کے باوجود وہ قوم نہ سنبھلی، اور ان کو جھٹلاتی رہی،

قوم عاد کی تباہی

یہ زمانہ خلجان اور لقمان عاد بن عادیا بن صد بن عاد کے دور حکومت کا تھا، اور یہ قوم پورے عروج پر تھی، حضرت ہود مسلسل پچاس برس تک وعظ و نصیحت کرتے رہے، لیکن وہ ان کو جھوٹا سمجھتے رہے، آخر انہوں نے مجبوراً ان کے لئے بددعا کی، تین برس تک بارش نہیں ہوئی، اور سارے چشمے وغیرہ خشک ہو کر رہ گئے، حضرت ہود اس پر بھی انہیں سمجھاتے رہے، لیکن ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائے، آخر حضرت ہود نے فرمایا، اے قوم عاد! مجھے جو پیغام پہنچانے کا حکم تھا، میں نے تم تک پہنچا دیا، اب تمہاری ہلاکت یقینی ہے، اور خدا نے تعالیٰ تمہاری جگہ ایک دوسری قوم کو عروج دینے والا ہے، آخر ایک روز خدا کے حکم سے سخت آندھی چلی، اور حضرت ہود معہ اپنے مقلدین کے اس طوفان سے محفوظ رہے، لیکن سات روز کی مسلسل آندھی سے قوم عاد اور اس کے تمدن کی تمام نشانیاں خاک کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں،

حضرت صالح

جیسا کہ حضرت ہودؑ نے فرمایا تھا، قوم عاد کی تباہی کے بعد قوم ثمود کو عروج حاصل ہوا جب تک قوم عاد کی تباہی اور اس کے اسباب ان کے پیش نظر رہے، وہ حضرت ہود کی شریعت اور اس دور کے علماء کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہے، اور دن بدن ان کو ترقی نصیب ہوئی، اس قوم نے بابل، نینوا، عمان، وادی القریٰ، احقاف، حضرموت اور شام کے علاقوں میں اپنے تہذیبی آثار قائم کئے، ان کا خاص طرز تعمیر تھا، اور پہاڑوں کو تراش کر ان میں بڑے بڑے محل بناتے تھے، جن کے آثار آج بھی مدینہ اور شام کے درمیانی علاقوں میں پائے جاتے ہیں، وقت جوں جوں گذرتا گیا، ان کے دلوں میں تاریکی پھیلتی گئی اور اس پر حکومت کے نشے نے ان کا دماغ اور بھی خراب کر دیا، بت پرستی اور کفر و الحاد کی، وہی پرانی روش اختیار کر لی، اور خدا کو بھلا دیا، چنانچہ حضرت صالح اس قوم میں خدا کا پیغام لے کر آئے، اور شروع میں ان لوگوں نے حسب معمول ان کا مذاق اڑایا، اور پھر ان سے کہا، اگر تو سچا ہے، تو کوئی معجزہ دکھا، حضرت صالح نے فرمایا، تم خود بتاؤ کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو، آپس میں مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے کہا، کہ سامنے پہاڑی پر جو بڑا پتھر ہے، اس میں سے ایک اونٹنی نکلے، اور ساتھ ہی اس کا بچہ بھی ہو، جب وہ اونٹنی نمودار ہوئی، تو لوگوں نے ان کو جادوگر بتایا، اس اونٹنی نے گھس کر ان کے تالاب اور چشموں کا سارا پانی پی ڈالا، تو ان لوگوں کو بہت فکر لاحق ہوئی، اور حضرت صالح سے شکایت کی، انہوں نے فرمایا، ایک دن تمہارے مویشی پانی پیا کریں، اور ایک دن یہ اونٹنی، اور ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کی، کہ خبردار اس اونٹنی کے درپے آزار نہ ہونا، مجھے تمہاری نیت میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے، اگر تم نے اسے قتل کیا، تو سمجھ لینا، تمہاری

نہیں ہے، لیکن وہ کب ماننے والے تھے، آخر ایک روز جب اونٹنی چشمے پر پانی پینے آئی، تو انہوں نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے، حضرت صالح کو جب اطلاع ملی، تو فرمایا، کہ چوتھے روز تم سب ہلاک ہو جاؤ گے، اس کے بعد وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، اور وہیں انتقال فرمایا، اور جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا چوتھے روز ایک شدید زلزلہ آیا اور ساری قوم تباہ و برباد ہو گئی،

عربوں کے دو طبقے

عربوں کو دو طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اول عرب عاربہ یعنی خالص عرب اقوام عاد و ثمود کا شمار اسی طبقے میں ہے، یہ لوگ بڑے طاقتور اور قوی ہیکل ہوتے تھے، بابل، نینوا، موصل، احقاف، اور حجر کے علاقوں میں ان کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم تھیں، ان میں سب سے پہلا بادشاہ عاد بن عوض بن ارم بن سام ہوا تھا

دوم عرب مستعربہ (بنے ہوئے عرب) یہ وہ لوگ ہیں جو اصل عرب اقوام کے آس پاس یا ان کی حکومت میں آباد تھے، اور بعد میں ان میں گھل مل گئے تھے، اور ان کی زبان اور تہذیب و تمدن کو اختیار کر لیا تھا، خالص عرب اقوام عاد و ثمود وغیرہ عذاب الٰہی سے بالکل ہلاک ہو گئیں، تو ان لوگوں کو عروج حاصل ہوا، اور انہوں نے جداگانہ طور پر اپنی حکومتوں کی نیو ڈالی، ان میں سب سے پہلا بادشاہ یعرب بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشد گزرا ہے، یمن اس کا دارالحکومت تھا، اس کے بعد اس نسل کے اور کئی شاہی خاندان مثلاً تبابعہ یا تبع، سبا، حمیر وغیرہ وجود میں آئے، بلکہ بلقیس جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے، اسی قوم سے تعلق رکھتی ہے، اس قوم نے بھی اپنے زمانہ میں بڑی ترقی کی، اور ایک جداگانہ تہذیب کی بنیاد ڈالی، لیکن جب دولت و حشمت کے نشہ میں چور ہو کر انہوں نے خدا کی نافرمانی کی، تو ان کا زوال شروع ہوا، اور مختلف وباؤں میں آبادی کا بڑا حصہ تباہ و برباد ہو گیا، ان کی سلطنتیں کسدی اور کلدانی قوموں کے قبضے میں آئیں، اور وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق مورخین کا متفقہ فیصلہ یہ ہے، کہ ان کی پیدائش زمانہ قبل تاریخ میں نمرود کے دور حکومت میں بمقام بابل ہوئی، ان کے والد کا نام آزر تھا، اور شاہی دربار میں ان کی بہت عزت تھی، ایک دن نمرود نے خواب دیکھا جس کی نجومیوں نے یہ تعبیر دی، کہ اس سال آپ کی حکومت میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو آپ کو بہت نقصان پہنچائے گا، اس پر شاہی احکام صادر ہوئے، کہ اس سال کے آخری دن تک جتنے لڑکے پیدا ہوں، سب کو قتل کر دیا جائے، اتفاق کی بات کہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ کو بھی حمل رہ گیا، آزر بادشاہ کا بہت خیر خواہ تھا اس کا ارادہ تھا، کہ اگر لڑکا پیدا ہوگا، تو فوراً قتل کر دیا جائے گا، جب ابراہیم پیدا ہوئے، تو آزر کسی سفر پر گیا ہوا تھا، اور ان کی والدہ نے ایک تہ خانہ میں ان کی پرورش کی، اور آزر سے کہہ دیا، کہ مرا ہوا بچہ پیدا ہوا تھا، بعد میں جب آزر کو معلوم ہوا، تو وہ بھی قتل کے ارادہ سے باز رہا، اور اس طرح حضرت ابراہیم اپنی قوم کی ہدایت

کے لئے زندہ رہے، آخر جب ان کے وطن میں ان کی مخالفت بڑھتی گئی، اور لوگ در پے آزار ہوئے، تو وہ اپنی بیوی سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے، اور مقام کنعان میں جاکر مقیم ہوئے۔ وہاں کچھ ایسی برکت ہوئی، کہ بڑے مالدار ہو گئے، اور ہزاروں مویشی جمع ہو گئے، ایک عرصہ تک حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ ایک ہی جگہ رہتے رہے، لیکن مویشیوں کی کثرت اور جگہ کی قلت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مشورہ کے بعد حضرت لوطؑ شمال کی طرف اپنے متعلقین کے ساتھ آگے بڑھ گئے، تاکہ آپس میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔

حضرت لوطؑ

آگے چل کر وہ سدوم اور عمورہ کی آبادیوں کے قریب پہنچے، اور وہیں آباد ہو گئے، یہ بستیاں اس زمانہ میں بہت آباد تھیں، اور لوگ خوشحال تھے، ایک عرصہ بعد قرب وجوار میں قحط پڑا اور لوگ ان بستیوں میں اناج مانگنے اور خریدنے آنے لگے، جب یہ لوگ زیادہ تعداد میں آنے شروع ہوئے، تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، کہ اس طرح اگر یہ لوگ آتے رہے، تو ہمارا غلہ اور مال و دولت ختم ہو جائے گا، آخر یہ طے پایا کہ جب یہ لوگ آیا کریں، تو ان لوگوں کے ساتھ زبردستی بدفعلی کیا کرو، اس طرح بے عزتی ہونے پر وہ خود آنا ترک کر دیں گے، رفتہ رفتہ وہ لوگ اس کے عادی ہو گئے، اور آس پاس کے لوگوں پر بھی اس کے اثرات پھیلنے لگے، اس طرح لوگوں میں یہ مذموم عادت پڑ گئی، آخر حضرت لوطؑ نے ان کو سمجھانا شروع کیا، اور اس کے برے نتائج کی طرف توجہ دلائی لیکن وہ بھلا کب ماننے والے تھے، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، جب ان کی یہ گھناؤنی زندگی حد سے تجاوز کر گئی، تو قانون خداوندی کے مطابق حکم خدا سے ان کی بستیاں الٹ دی گئیں، اور اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

حضرت شعیبؑ

اس کے بعد ہی حضرت شعیبؑ نے مدین میں وعظ و نصیحت شروع کی، اور لوگوں کو سمجھایا، کہ تم اپنی دولت اور جاہ و حشمت پر بھروسہ نہ کرو، اور پورا تول کر دیا کرو، اور پورا ناپا کرو، اس طرح بے ایمانی کرنا خدا کے حکم کے خلاف ہے۔ ان لوگوں نے کہا، یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے، جو ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں، ہم تو وہی کریں گے، تم تو سیدھے سادے آدمی ہو، بھلا ان باتوں کو کیا جانو، حضرت شعیبؑ بڑے حاضر جواب اور خوش بیان پیغمبر گذرے ہیں، انہوں نے فرمایا، کہ اے میری قوم! میری مخالفت نہ کرو، کہیں تمہیں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط کی طرح عذاب الٰہی ختم نہ کر دے، حضرت شعیب اہل مدین صحابہ ایکہ بڑے زر پرست اور لالچی تھے، خود کم تولتے اور دوسروں سے زیادہ لیتے تھے، آخر ایک روز ان کو بھی سزا بھگتنی پڑی، اور اچانک ایک باریک ابر کے ٹکڑے سے ان پر آگ برسی، اور بھونچال نے ان کی بستیوں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں، اور سوائے حضرت شعیبؑ اور ان کے ماننے والوں کے سب لوگ تباہ و برباد ہو گئے

مصر قدیم میں بنی اسرائیل کی حالت

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، کہ حضرت ابراہیمؑ بابل سے کنعان چلے گئے تھے، کنعان میں حضرت ہاجرہ کے بطن سے

حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے جو کہ میں آباد ہوئے، اور حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے جو کنعان ہی میں رہے، حضرت اسحاق کے دو صاحبزادے تھے، حضرت یعقوب اور حضرت عیسو، حضرت یعقوب کے زمانہ ہی میں ان کے لڑکے حضرت یوسف شاہ مصر کے وزیر زراعت ومال مقرر ہوئے، اور اس طرح قدیم مصر میں بنی اسرائیل کو آہستہ آہستہ عروج حاصل ہوتا رہا، اس طرح تقریباً چار سو برس کا عرصہ گذر گیا، اور شاہی خاندان کی کئی پشتیں گذر گئیں اس دوران میں بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی، اور اس قوم نے مجموعی طور پر کافی ترقی کرلی تھی چند پشتیں گذرنے کے بعد جب ایک نیا بادشاہ تخت نشین ہوا، تو اس نے قوم کی بے پناہ قوت کو خاص طور پر محسوس کیا، اور اس خیال سے کہ آگے چل کر یہ لوگ امور سلطنت میں غلبہ حاصل نہ کرلیں، اس نے یکسر اپنی پالیسی بدل ڈالی، اسی دوران میں اس نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ دی گئی، کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے، جو فراعین مصر کی حکومت کے زوال کا باعث ہوگا، چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے فرعون مصر نے یہ حکم صادر کیا، کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسے فوراً قتل کر دیا جائے، اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے، اور خدا تعالیٰ نے ان کی پرورش خود اسی فرعون کے محل میں کرائی، جو ان کی جان کا دشمن تھا، ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے خوفزدہ ہو کر حضرت موسیٰ کو پیدا ہوتے ہی ایک چھوٹی سی کشتی میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا، اور یہ کشتی شاہی محل سے گذرنے والی نہر میں بہتی ہوئی ملکہ مصر کی نظر پڑی، فرعون کی کوئی اولاد نہ تھی، ملکہ کو حضرت موسیٰ کی بھولی بھالی صورت دیکھ کر خواہ مخواہ پیار آگیا، اور اس نے کشتی میں سے نکال کر حضرت موسیٰ کی اپنے بچوں کی طرح پرورش شروع کردی، اور خدا کی شان دیکھئے، کہ دودھ پلانے کے لئے خود ان کی والدہ کا تقرر ہوا۔

حضرت موسیٰؑ کی نبوت

حضرت موسیٰ کو اپنی والدہ سے معلوم ہوگیا تھا، کہ وہ بنی اسرائیل سے ہیں انہیں یہ بھی بتا دیا گیا تھا، کہ ہارون تمہارا بھائی اور مریم بہن ہے، آہستہ آہستہ انہوں نے بنی اسرائیل کی تکالیف اور معاشرتی بے بسی کو محسوس کیا، اور ایک روز جب انہوں نے ایک قبطی افسر کو دیکھا، کہ وہ ایک اسرائیلی مزدور کو بری طرح مار رہا ہے، تو وہ بے قابو ہوگئے، انہوں نے اس قبطی افسر کو مارنا شروع کیا، اور وہ مر گیا، جب انہوں نے سنا، کہ ان کی پھانسی کے لئے شاہی احکامات صادر ہونے والے ہیں، تو وہ مدین چلے گئے، اس علاقہ میں ایک نیک بزرگ رہتے تھے، حضرت موسیٰ نے بکریاں چرانے پر اس شرط کے ساتھ نوکری کرلی، کہ آٹھ برس گزرنے کے بعد ان کا ایک لڑکی سے نکاح ہو جائے گا، آٹھ برس کی میعاد پوری کرنے کے بعد حضرت موسیٰ اپنی بیوی کو لے کر واپس مصر کے ارادے سے روانہ ہوئے، سفر کے دوران میں ایک دن رات کو اچانک ان کی بیوی کو دردِ زہ شروع ہوا، یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا، اور سردی خوب زوروں پر تھی، اس وقت آگ کی سخت ضرورت تھی، حضرت موسیٰ کو دور سے آگ دکھائی دی، جب قریب پہنچے تو دیکھا، کہ ایک ہرے بھرے درخت کا بالائی حصہ روشن ہے،

اس منظر کو دیکھ کر وہ کچھ گھبرا سے گئے، اچانک آواز آئی "ڈرو مت! میں خدا ہوں، یہ مقام ادب ہے، اپنی جوتی اتار کر آگے آؤ" پھر ارشاد ہوا، اے موسیٰ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا "اے پروردگار! میری لکڑی ہے، اس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، اور اس کے علاوہ اور بھی کام دیتی ہے۔" ارشاد ہوا "اس کو پھینک دو" زمین پر گرتے ہی لکڑی اژدہا بن گئی، اور گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا، تو وہ چاند کی طرح چمکنے لگا، اس کے بعد حکم دیا گیا، کہ اپنی بیوی کو ان کے والد کے گھر پہنچا کر سیدھے مصر روانہ ہو جاؤ، چونکہ فرعون مصر نے بہت ظلم ڈھا رکھا ہے، اور میں چاہتا ہوں، کہ اس مظلوم قوم (بنی اسرائیل) کو ظالم بادشاہ کے پنجہ سے چھڑا کر اسے سزا دوں۔

حضرت موسیٰ کی روانگی

آخر خدا تعالیٰ کے حکم کے بموجب حضرت موسیٰ ملک مصر کی طرف روانہ ہوئے اور سیدھے فرعون کے دربار میں پہنچے، حضرت موسیٰؑ کو دیکھ کر درباریوں نے خوب مذاق اڑایا، اور فرعون نے بھی ازراہ تفنن طبع حضرت موسیٰ کو اپنے دربار میں طلب کیا، حضرت موسیٰ نے پیغام خداوندی سب حاضرین دربار کے سامنے صاف لفظوں میں کہہ سنایا، اور ان لوگوں کو متنبہ کیا، کہ تم بت پرستی چھوڑ دو، اور صرف ایک خدا کو مانو، جو سب کا پروردگار اور ہر بات کا جاننے والا ہے، اس کے علاوہ انہوں نے فرمایا، کہ تم بنی اسرائیل کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور ان کو آزاد کر دو، تاکہ وہ اپنے علاقہ میں جا کر آباد ہو جائیں، فرعون بھلا کب ماننے والا تھا، حضرت موسیٰ کی باتوں کا مذاق اڑانے لگا، اور الٹی سیدھی بحث شروع کر دی، اس طرح فرعون کی قوم اور بنی اسرائیل میں کش مکش شروع ہو گئی، اور آخر ایک روز آیا، کہ پروردگار نے مظلوموں کو ظالم کے پنجے سے چھڑانے کے لئے قدرتی اسباب مہیا کئے، قبطیوں میں ایک وبا پھیلی، اور ہر گھرانے میں اموات شروع ہو گئیں، اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر چھ لاکھ سے بھی زیادہ بنی اسرائیل راتوں رات سرزمین مصر سے نکل کھڑے ہوئے، جب فرعون کو خبر ہوئی، تو ایک بڑا لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے روانہ کیا، اس دوران میں بنی اسرائیل بحر قلزم کے قریب پہنچ چکے تھے، لشکر فرعون کو دیکھ کر بنی اسرائیل گھبرا اٹھے، کہ اب ہماری خیر نہیں، لیکن اس وقت خدا ان کے ساتھ تھا، کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا، حضرت موسیٰ نے آگے بڑھ کر سطح سمندر پر لکڑی ماری، اور خدا کے حکم سے بیچ سمندر میں بارہ خشک راستے پیدا ہو گئے، اور ساری قوم اس طرح دریا کے پار جا پہنچی، فرعون اور اس کی فوجوں نے بھی انہی راستوں سے آگے بڑھ کر حملہ کرنا چاہا، لیکن جب وہ بیچ سمندر میں پہنچے، تو سب غرق ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی بے صبری

سالہا سال کی غلامی کے بعد حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے صحیح سلامت چھڑا لائے، لیکن انہوں نے آزادی کی کوئی قدر نہ کی، اور الٹے حضرت موسیٰ سے کہنے لگے، کہ تو ہم کو کیوں اس ملک سے نکال لایا، وہاں ہم مزے کرتے تھے، اور یہاں روٹی تک نصیب نہیں ہوتی، اس وقت خدا کے حکم سے من و سلویٰ اترنا شروع ہوا، پھر آگے چل کر وہ ایک ایسے

مقام پر پہنچے جہاں پانی نہیں تھا، اس پر حضرت موسیٰ پر برس پڑے، کہ تیری وجہ سے ہم کو کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا پڑ رہا ہے، بلکہ اس مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا، کہ حضرت موسیٰ کو شہید کر دیں، آخر انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنی قوم کی حالت بیان کر کے کہا، کہ یہ تو میری جان لینے کا ارادہ رکھتے ہیں حکم ہوا سامنے چٹان پر اپنا عصا مارو، فوراً بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اور سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا،

بنی اسرائیل کی فتوحات

عرب مستعربہ کی تباہی کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کی سرکردگی میں قوم فرعون سے نجات پائی، اس وقت ملک یمن میں صفا اور مآرب عرب مستعربہ کا پایہ تخت تھا، اور عراق عرب کے دارالحکومت بابل میں کسدی قوم پورے عروج پر تھی، بنی اسرائیل کی چھ لاکھ فوج نے آگے چل کر بڑی فتوحات کیں، اور ان تمام لڑائیوں میں حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں تمام فوج کی کمان رہی انہوں نے شام، یردن اور فلسطین کے علاقوں پر فوج کشی کی، تورات اور تاریخ ابن اثیر وغیرہ میں ان لڑائیوں کے مفصل حالات موجود ہیں، ان جنگوں میں اموریوں کے بادشاہ سیحون اور بسن کے بادشاہ عوج اور مواب کے بادشاہ عراد کے ساتھ جو جنگ ہوئی، اس میں ان قوموں کے ایک ایک فرد کو بنی اسرائیل نے موت کے گھاٹ اتار دیا، اسی طرح کنعانیوں سے بنی اسرائیل کا مقابلہ ہوا، یہ قوم یردن کے آس پاس کے علاقوں میں دور تک پھیلی ہوئی تھی، اور ان کے بادشاہ کا نام عراد تھا، اور اس زمانہ میں ان کو بہت عروج حاصل تھا، بنی اسرائیل نے اس قوم کو بھی ختم کر دیا، اور ہر طرف پھیل گئے، آخر ان تمام مفتوحہ علاقوں کو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا گیا، اور اس زمانہ کی تمام مغرور اور بدکار قومیں احکام الٰہی کے خلاف زندگی بسر کر رہی تھیں، اسی طرح بنی اسرائیل کے سیلاب میں بہہ گئیں،

رسول خدا کے متعلق حضرت موسیٰ کی بشارت

جب حضرت موسیٰ کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوگئی، تو انہوں نے تمام بنی اسرائیل کو جمع کر کے ایک آخری تقریر فرمائی، اور اس میں مصر کی آزادی سے لے کر آخری فتوحات کے تمام حالات تفصیل سے بیان فرمائے، پھر ان کو نیک کاموں کی تلقین فرمائی، اور برائیوں سے بچنے کی نصیحت کی، انہوں نے کہا، کہ تم لوگ ہمیشہ احکام الٰہی کا پابند رہنا، اور تورات کی تمام ہدایات پر عمل کرنا، ورنہ اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو دوسری قوموں کی طرح خمیازہ بھگتنا پڑے گا، تمہاری تمام موجودہ فتوحات حکم الٰہی کی پابندی کرنے کی وجہ سے ہیں آئندہ بھی تم کو اور فتوحات حاصل ہوں گی، اپنے اس وعظ کے دوران میں حضرت موسیٰ نے یہ بھی فرمایا، کہ خدا سینا سے آیا، اور کوہ شعیر سے اس نے جلوہ دکھایا، اور پھر فاران (مکہ کے پہاڑوں) سے دس ہزار فرشتوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت تھی" اس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ تھا، اور اکثر علمائے یہود، جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں، چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے

دس ہزار مجاہدوں کے ساتھ مکہ کو فتح کیا تھا،

حضرت یوشعؑ بن نون

پھر حضرت یوشع کو بلایا، اور فرمایا کہ اپنے دل کو سنبھالو، اور مضبوط بننے کی کوشش کرو، فوجوں کو تیار کرو، اور دریائے یردن کے اس پار لبنان اور کنعان کا علاقہ فتح کرکے بنی اسرائیل میں تقسیم کرو، اس کے بعد حضرت موسیٰ موآب کے علاقہ میں جو دریائے یردن کے اس پار تھا، انتقال فرما گئے، اور وہیں دفن کئے گئے، لیکن آج تک ان کے مزار کا پتہ نہیں چلا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی اولاد موجود تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت یوشع کو جو ایک دوسرے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، قوم کی قیادت کے لئے منتخب فرمایا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ حضرت یوشع بڑے اچھے منتظم اور قائد تھے، اور ان کے دل میں بھی وہی روشنی جلوہ گر تھی، جو پیغمبروں کا خاصہ ہے، حضرت موسیٰ کی رحلت کے بعد حضرت یوشع کو وحی ہوئی، کہ اب بنی اسرائیل کی رہبری کے لئے تم کو مقرر کیا گیا ہے، جہاں تم جاؤ گے، خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی، حضرت یوشع نے اس کے بعد لوگوں کو مدعو کیا، اور کہا، کہ اب تیار ہو جاؤ، خدا ہمارے ساتھ ہے تین دن کے اندر سب نے رسد کا مکمل انتظام کر لیا، اور جیسا کہ حضرت موسیٰ نے وعدہ کیا تھا، دریائے یردن کے پار کے علاقوں پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے، اس سے پہلے بنی اسرائیل کی فتوحات کا حال دور دور کی قوموں کو معلوم ہو چکا تھا اور ہر ملک ان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوفزدہ تھا،

بہرحال حضرت یوشع کی سرکردگی میں بنی اسرائیل کی فوجیں آگے بڑھیں، راستہ میں پھر ایک دفعہ خدا کے حکم سے دریائے یردن نے بنی اسرائیل کو راستہ دیا، اور تمام افواج معہ سامان حرب کے بحفاظت پار اتر گئیں، سب سے پہلے یریحو کا علاقہ فتح کیا، اس فتح کی اطلاعات جب کنعانیوں کو ملیں، تو آس پاس کے تمام بادشاہوں نے متحدہ طور پر ایک محاذ قائم کیا، اور مقام عی پر اپنی فوجیں جما دیں، پہلے تو جاسوسوں کی غداری کی وجہ سے حضرت یوشع نے صرف تین ہزار آدمی مقابلہ کے لئے روانہ کئے، لیکن جب وہ شکست کھا کر واپس آئے، تو پوری قوت سے حملہ کیا گیا، اور دشمن کو شکست ہوئی، بادشاہ اور تمام سرداروں کو قید کرکے اکثر کو پھانسی دے دی گئی، اور تمام علاقے پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا، اس کے بعد جیسا کہ حضرت موسیٰ کا حکم تھا، بنی اسرائیل کے نو فرقوں میں یہ علاقہ تقسیم کر دیا گیا، اور ہر فرقہ اپنے علاقہ میں آباد ہو گیا، آخر ایک سو دس برس کی عمر میں حضرت یوشع انتقال فرما گئے، اور کوہ جعس کے قریب دفن کئے گئے، ان کی وفات پر تمام بنی اسرائیل نے بہت سوگ منایا،

بنی اسرائیل میں ابتری

حضرت یوشع کی رحلت کے بعد بنی اسرائیل میں وہ اتحاد اور قوت باقی نہیں رہی، اور ایک عرصہ گذرنے کے بعد انہوں نے اپنی مفتوحہ قوموں کے اثرات قبول کرنے شروع کر دیئے، شرک اور بت پرستی جس سے اب تک تمام انبیاء علیہم السلام منع کرتے چلے

آ دبے تھے، ان میں پھر ایک دفعہ پھیل گئی، اور انہوں نے مختلف مقامات پر مندر اور قربان گاہیں بنا کر بت پرستی شروع کر دی، آخر ان پر ایک بت پرست جابر بادشاہ جالوت ظلم ڈھانے لگا، اور بعض علاقوں میں ان کو غلاموں کی سی زندگی گذارنے پر مجبور کیا گیا، ان حالات سے مجبور ہو کر تمام بنی اسرائیل اس زمانے کے پیغمبر حضرت سمویل کے پاس فریاد لائے، کہ جالوت نے ہم کو پریشان کر رکھا ہے، اور دن بدن اس کی قوت بڑھتی جا رہی ہے، اس وقت اتحاد اور اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی سخت ضرورت ہے، آپ دوسری قوموں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک بادشاہ تجویز کر دیجئے، تاکہ ساری قوم اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکے، پہلے تو حضرت سمویل نے فرمایا بادشاہ کی ضرورت نہیں ہے، خدا سب سے بڑا بادشاہ ہے، اس کی ہدایات پر عمل کرو فتح تمہارے ساتھ ہو گی، مگر جب وہ لوگ نہ مانے، تو حضرت سمویل نے خدا کے حکم سے طالوت نامی ایک شخص کو ان کا بادشاہ مقرر کیا، بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا، کہ یہ حضرت موسیٰ اور ہارون کی نسل سے نہیں، اور بالکل مفلس آدمی ہے، حضرت سمویل نے فرمایا، کہ بادشاہی اور سرداری میں ان چیزوں کی قید نہیں ہے، ذاتی طور پر جن خوبیوں کی ضرورت ہے، طالوت میں موجود ہیں، اور یہ کام میں نے خدا کے حکم سے کیا ہے، آخر جب خود خدا کی طرف سے تصدیق ہو گئی تو یہ لوگ خاموش ہو گئے، اور طالوت کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا،

طالوت کا زمانہ حکومت

طالوت دو تین سال تک بنی اسرائیل پر حکومت کرتا رہا، اور اس دوران میں ایک بڑی فوج کو دشمنوں کے مقابلہ کے لئے تیار کرتا رہا، جب سب انتظامات مکمل ہو گئے، تو وہ آس پاس کے علاقوں کی طرف بڑھے، اور بنی امون وغیرہ سے لڑتے رہے، کچھ دنوں بعد طالوت نے عمالیقیوں کو مار بھگایا، اور ان کا بادشاہ اجاج زندہ گرفتار ہوا، اس موقعہ پر طالوت نے یہ غلطی کی، کہ عمدہ قسم کا لوٹ کا مال اپنے لئے رکھ لیا، اور باقی تقسیم کر دیا جب حضرت سمویل کو اس بات کی خبر ہوئی، تو طالوت کو انہوں نے متنبہ کیا، اور کہا، کہ یہ تیری زیادتی اور حکم خدا کی خلاف ورزی ہے، تجھے اس کی سزا بہت جلد بھگتنی پڑے گی اس پر طالوت نے بہت معافی مانگی لیکن سمویل نے فرمایا، کہ یہ غلطی قابل معافی نہیں ہے، آخر اس بنیاد پر دونوں میں اختلاف ہو گیا، اور طالوت برابر حکومت کرتا رہا، آخر ایک عرصہ بعد جالوت نے بنی اسرائیل کے علاقے پر فوج کشی کی اور میدان جنگ میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا،

حضرت داؤد کی شجاعت

لڑائی کے میدان میں جالوت اپنی صفوں سے نکلا، اور اس نے آگے بڑھ کر للکارا، کہ جس کی ہمت ہو میرے مقابلے پر آئے اور زور آزمائے، یہ ایک قوی ہیکل اور بہادر انسان تھا، کسی کی ہمت نہ ہوئی، اتفاق سے حضرت داؤد بھی اس وقت بنی اسرائیل کی فوجوں میں موجود تھے، ان کا اس وقت نوجوانی کا عالم تھا، اور رگوں میں نیا خون جوش زن تھا، فوراً میدان

میں کود پڑے، اور اپنی گوپیا سے پتھر مار کر پہلے ہی وار میں جالوت کو ٹھنڈا کر دیا۔ بس پھر کیا تھا، بنی اسرائیل دشمن پر ٹوٹ پڑے اور آناً فاناً میں ان کو کاٹ کے رکھ دیا، طالوت نے حضرت داؤد کی بہت قدر کی، اور اپنی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کر کے اعلان کے مطابق اپنی لڑکی میکل کی شادی ان کے ساتھ کر دی، جب رفتہ رفتہ داؤد کی قدر بنی اسرائیل میں بڑھتی گئی، تو طالوت ان سے بدظن ہو گیا، اور ان کے قتل کی سازش کی گئی، لیکن حضرت داؤد کو کسی طرح پتہ چل گیا، اور وہ اس کے علاقے سے نکل کر فلسطین کی طرف روانہ ہو گئے،

طالوت کا انجام

فلسطین میں اس وقت جالوت کا لڑکا اکیس حکمران تھا، ان کی اور بنی اسرائیل کی پرانی دشمنی تھی، کچھ دنوں بعد اس نے بنی اسرائیل پر لشکر کشی کا ارادہ کیا، اور حضرت داؤد سے بھی ساتھ چلنے کو کہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور کہا کہ میں اپنی قوم کے خلاف کیسے لڑ سکتا ہوں، آخر اکیس خود اپنا لشکر جرار لے کر آگے بڑھا، جلبوعہ کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اور بنی اسرائیل کو بری طرح شکست ہوئی، طالوت بھی اسی لڑائی میں کام آئے، اور اسرائیلی لشکر بری طرح قتل کیا گیا، اس دوران میں حضرت سموئیل فوت ہو چکے تھے

حضرت داؤد کی بادشاہت

اس شکست کے بعد حضرت داؤد نے اپنے قبیلے بنی یہودا کو پیغام بھیجا، کہ آخر صرف ایک شخص کی مخالفت کی وجہ سے مجھے کیوں اس طرح جلاوطن کیا گیا ہے، اس پر ان لوگوں نے پیغام بھیجا کہ آپ فوراً آ جائیے، ہم چاہتے ہیں، کہ آپ ہی کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیں، چنانچہ جبردن کے مقام پر بنی یہودا نے ان کو اپنا بادشاہ مقرر کیا، اور دوسرے قبائل نے طالوت کے بیٹے کو اپنا بادشاہ بنایا،

اسرائیلیوں میں خانہ جنگی

اس طرح بنی اسرائیل میں خانہ جنگی کی بنیاد پڑ گئی، اور یہ لوگ ایک عرصہ تک آپس میں لڑتے رہے، ہزاروں آدمی مارے گئے، آخر جب طالوت کے لڑکے اشبوست کے لشکر کو شکست ہوئی، تو سب نے متفقہ طور پر داؤد کو بادشاہ بنا لیا، اور جنگ کے بادل چھٹ گئے، اس کے بعد حضرت داؤد نے مسلسل بیس سال تک شریعت موسوی کے مطابق بڑے اطمینان اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی، اور ان کے دور حکومت میں ملک نے خوب ترقی کی،

ابی سلوم بن داؤد کی بغاوت

اچانک حضرت داؤد کا لڑکا ابی سلوم بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کر بیٹھا، اور حضرت داؤد علیہ السلام کو دریائے یردن کے پار جانا پڑا، ابی سلوم بھی داؤد کی فوج کا تعاقب کرتا ہوا آگے بڑھا، آخر یردن کے جنگلات میں دونوں فوجوں کی گھمسان کی لڑائی ہوئی، اور ابی سلوم داؤدی لشکر کے جرنیل یوآب کے ہاتھوں قتل ہوا، اب حضرت داؤد بنی اسرائیل کی ان مسلسل مخالفتوں سے تنگ آ گئے تھے، اور اکثر لوگوں کے لئے بددعا کیا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن کریم

میں آیا ہے لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ (کفار بنی اسرائیل حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کی زبان سے لعنت کئے گئے) آخر بنی اسرائیل کی اس ابتری اور کمزوری کو غنیمت جان کر بت پرست بادشاہ نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا، حضرت داؤد ملک میں داخل ہونے سے پہلے ہی مع لشکر کے مقابلے پر جا پہنچے، اور سرحدی علاقے میں سخت جنگ کے بعد شاہ دمشق مارا گیا، اور تمام سامان حرب اسرائیلیوں کے قبضہ میں آیا، آگے بڑھ کر داؤدی لشکر نے دمشق پر بھی قبضہ کر لیا، اور تمام دولت کو اسرائیلیوں میں تقسیم کر دیا، اور یوآب کو اس علاقہ پر مقرر کر دیا گیا، ایک عرصہ بعد حضرت داؤد کا اپنے دارالحکومت بیت المقدس میں انتقال ہوا، اور وہیں دفن کئے گئے،

حضرت سلیمان کا دور حکومت

وصیت کے مطابق اس کے بعد زمام حکومت سلیمان کے ہاتھ میں آئی، لیکن ایک دفعہ پھر بنی اسرائیل دو حصوں میں بٹ گئے ایک گروہ سلیمان کے ساتھ تھا، اور دوسرا گروہ جرنیل یوآب کی سرکردگی میں سلیمان کے سوتیلے بھائی ادونیاہ کا طرفدار تھا، ایک مختصر سی جنگ کے بعد ادونیاہ مارا گیا، اور جنرل یوآب کو مقدس قربان گاہ میں قتل کر دیا گیا اس کے بعد سلیمان کے دور حکومت میں آخر تک مکمل امن رہا، اور ملک برابر ترقی کرتا رہا، بنی اسرائیل میں حضرت سلیمان بڑے شان کے بادشاہ گزرے ہیں، اور بنی اسرائیل کے دور حکومت میں ایک عرصہ بعد بڑا عروج حاصل ہوا، لوگ ہر طرح احکام خداوندی کے پابند تھے، اور صحیح معنوں میں تورات کے احکام پر چلتے تھے، چالیس برس تک امن و امان کا دور قائم رہا، آخر حضرت سلیمان نے بیت المقدس ہی میں رحلت فرمائی اور وہیں دفن ہوئے،

رُحبعام بن سُلیمان کی حکومت

رحبعام نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے نوجوان دوستوں کو حکومت کے کاموں میں شریک کرنا شروع کر دیا، اور سارا ملک ان نوجوانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا، آخر بنی یہودا کے علاوہ باقی گیارہ قبیلوں نے یربعام نامی ایک شخص کو اپنا بادشاہ منتخب کر کے پھر خانہ جنگی کے اسباب پیدا کر دیئے، اب کے اس خانہ جنگی نے مستقل صورت اختیار کر لی، اور یہیں سے بنی اسرائیل کے زوال کے اسباب پیدا ہوتے گئے، عوام میں بھی ابتری پھیلتی گئی، اور شریعت موسوی کی پیروی برائے نام رہ گئی، لوگوں نے صحیح معنوں میں تورات کی خلاف ورزی شروع کر دی، اور بت پرست قوموں کے رسم و رواج اور ان کے عقاید جو آہستہ آہستہ قدم جما رہے تھے، آخر جڑ پکڑ گئے، اور انہوں نے اس دور کے علمائے شرع اور پیغمبروں کی ہدایات پر عمل کرنا چھوڑ دیا

بنی اسرائیل کا زوال

آخر بنی اسرائیل نے بالکل علانیہ طور پر اپنے پیغمبروں اور نبیوں کی تعلیمات کے خلاف کفر و باطل پرستی اختیار کر لی، شریعت موسوی پس پشت ڈال کر دوسری

بت پرست اقوام کی طرح خدا کو بھلا دیا، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہ رہی، اور مادیت کا دور دورہ شروع ہوگیا، آپس کی خانہ جنگی نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا، اور اس طرح قانون قدرت کے مطابق آہستہ آہستہ اس قوم کے زوال کے دن قریب آگئے جس نے اس وقت کی تمام اقوام کو لرزہ براندام کر رکھا تھا جن کی فتوحات کی گونج افضائے عالم میں پھیلی ہوئی تھی،

اخی اب اور ملکہ ایزبل

اب تک بنی اسرائیل میں جو بدعنوانیاں پھیل چکی تھیں، وہ آہستہ آہستہ ہر شعبہ زندگی پر اثر انداز ہو رہی تھیں، عوام اور خواص سب اس سے متاثر تھے یہاں تک کہ حضرت سلیمان کی اولاد میں سے جب اخی اب نامی ایک شخص تخت نشین ہوا، تو اس نے صیدا کے قوم کی بت پرست شہزادی ایزبل سے شادی کرلی، یہ ایک نہایت حسین وجمیل عورت تھی، اور بادشاہ اس پر بری طرح فریفتہ تھا، یہ شہزادی زمانہ قدیم کے مشہور بت بعل کی پرستش کرتی تھی، بنی اسرائیل کے نازک حالات اور رجحان بت پرستی سے فائدہ اٹھا کر اس ملکہ نے آخر اخی اب کو بھی بعل دیوتا کے مندر کی تعمیر کے ملئے تیار کر ہی لیا اور بادشاہ نے خود اس بت کی پرستش شروع کردی، پھر کیا تھا اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ کے مصداق تمام قوم راہ راست سے بھٹک گئی، اور کھلم کھلا بت پرستی کی بنیاد پڑ گئی

حضرت الیاسؑ

اگرچہ بادشاہ کی محبوب ملکہ ہونے کے سبب سے ایزبل کو بہت مواقع حاصل تھے لیکن پھر بھی اس وقت بہت سے خدا پرست اور شریعت شناس علماء اور انبیاء موجود تھے، انہوں نے حتی الامکان اس برائی کو رفع کرنے کی کوشش کی، اور حق وباطل کی اس آویزش میں بہت سے علما اور پیغمبر شہید ہوئے، قرآن کریم میں آیا ہے وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَضُرِبَتْ عَلَیْہِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ (بنی اسرائیل غضب الٰہی کا باعث ہوئے، اور ان پر ذلت اور محتاجی (غیر اقوام کی غلامی) مسلط کردی گئی، اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا، کہ وہ احکام خداوندی سے انکار کیا کرتے تھے، اور پیغمبروں کو ناحق شہید کیا کرتے تھے) اور واقعہ بھی یہی ہے، کہ اس دور میں تمام صلحاء اور انبیاء شاہی حکم سے چن چن کر قتل کئے گئے، چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام بھی اس دور کے ایک نبی تھے ایک روز دربار شاہی میں تشریف لائے، اور فرمایا، کہ تم لوگ اب حد سے تجاوز کر گئے ہو، میں ابراہیم اور یعقوب کے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ مسلسل تین سال تک بارش نہ ہوگی، جب وہ اس طرح متنبہ فرما کر واپس چلے گئے، تو اخی اب نے ان کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے تاکہ دوسرے انبیاء کی طرح ان کو بھی شہید کر دیا جائے، حضرت الیاس حکم الٰہی سے دریائے یردن کے جنگلات میں جا کر پناہ گزین ہوئے، اور تین سال کے قحط کے زمانہ میں اسی جگہ مقیم رہے،

حضرت الیاس کی واپسی

تین سال بعد وحی نازل ہوئی، کہ اے الیاس اب تم اخی اب سے ملاقات کرو، میں عنقریب مینہ برسانے والا ہوں، اس وقت اطراف ملک میں سخت قحط نے تباہی مچا رکھی تھی اور اب تک لاکھوں انسان اور مویشی تلف ہو چکے تھے جب حضرت الیاس بنی اسرائیل کے دارالحکومت سمرون میں داخل ہوئے، تو سب سے پہلے ان کی ملاقات عبدیاہ نامی ایک شخص سے ہوئی جو اخی اب کا وزیر اور پوشیدہ طور پر بڑا نیک دل اور خدا پرست تھا، اس طرح حضرت الیاس کو دیکھ کر وہ رو پڑا، اور کہنے لگا، کہ آپ اخی اب سے ملاقات کرنے کا خیال ترک کر دیجئے چونکہ وہ آپ کی جان کا دشمن ہے، اور اس کے ہرکارے ہر ملک میں، اور ہر شہر میں آپ کی تلاش کے لئے پھیلے ہوئے ہیں، حضرت الیاس نے عبدیاہ کے اصرار کے باوجود اسے مجبور کیا، کہ میری اور بادشاہ کی ملاقات کا فوراً انتظام کر دو یہ خدا کا حکم ہے، چنانچہ اطلاع ملنے پر اخی اب حضرت الیاس سے ملنے کی غرض سے آیا، اور الٹا انہی کو بنی اسرائیل کی تباہی اور مصائب کا ذمہ دار ٹھہرایا، حضرت الیاس نے اخی اب اور اس کے پیروؤں کو چیلنج کیا، اور کہا، کہ اس عذاب الٰہی کے ذمہ دار تم لوگ خود ہو، کہ تم نے بت پرستی کو اپنا شعار بنا کر نافرمانی کی، انہوں نے فرمایا، کہ قحط سے لاکھوں جاندار تباہ ہو رہے ہیں، اگر آزمائش کرنی ہے، تو ساری قوم اور بعل دیوتا کے تمام پجاریوں کو طلب کرو، اور کوہ کرمل کے پاس ان کو جمع کرو، اس مقام پر میں اور وہ لوگ ایک ایک بیل ذبح کریں گے، آسمانی آگ جس کی قربانی کو اتر کر کھا لے گی، وہی سچا سمجھا جائے گا، اور جھوٹے کو قتل کر دیا جائے گا، آخر ایسا ہی ہوا، اور جب بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے حضرت الیاس کے ذبح کئے ہوئے بیل کو آگ نے کھا لیا، تو سب قائل ہو گئے، اور بعل دیوتا کے پجاریوں کو قیسون کے مقام پر قتل کر دیا گیا، اس کے بعد حضرت الیاس کی دعا سے بارش ہوئی، ملکہ ایزبل اس واقعہ سے بہت چراغ پا ہوئی، اور ایک دفعہ پھر ان کے قتل کے درپے ہوئے، حضرت الیاس احتیاطاً بیرسبع کی طرف چل پڑے، وہاں سے چل کر وہ حکم خدا سے کوہ حورب کے ایک غار میں روپوش ہو گئے، اس دوران میں حضرت الیاس اپنی قوم کے ظلم و تشدد سے عاجز آ کر کئی بار یہ دعا کر چکے تھے، کہ اے خدا یہ تیرے نافرمان بندے اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے، میں ان کی زیادتیوں سے عاجز آ گیا ہوں، تو مجھے اپنے پاس بلا لے، آخر کوہ حورب کے غار میں حضرت الیاس کو حکم ملا، کہ اب تو دمشق میں جا کر یا ہو کی سرپرستی کر، چونکہ میں چاہتا ہوں، کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ اس کو بناؤں، اور الیسع بن سفط کو تیری جگہ نبی بنایا جائے گا، یہ کام ان کے سپرد کر دے، اور قوم ارام میں سے جو ایک شخص حزائیل نامی ہے، تو اس کو اس نافرمان قوم کی تباہی کے لئے آمادہ کر، چونکہ اب ان کی سرکشی حد سے گذر چکی ہے، چنانچہ حضرت الیاس نے ایسا ہی کیا،

اخی اب اور اس کی ملکہ کا انجام

حزائیل نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کر کے تمام علاقے کو فتح

کرنا شروع کردیا، اور اخی اب کو قتل کر کے ملکہ ایزبل کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، اور برسوں بنی اسرائیل پر حکومت کی،

یاہو اور اخزیا کی حکومت

اس کے بعد یاہو نے عزائیل کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کر لی لیکن آخر سیدھے راستے کو چھوڑ کر اس نے بھی بت پرستی اور عیش پسندی اختیار کرلی، اس دوران میں یاہو جنگ میں مارا گیا، اور اخزیا کو زمام حکومت سپرد کی گئی، یہ بھی بت پرستی کرتا رہا، اور بنی اسرائیل اس کی پیروی کرتے رہے، معصیت اور گناہ گاری کا دور دورہ اس کے زمانہ حکومت میں بھی بدستور رہا، وہ ایک روز سمرون میں بالاخانہ سے گر کر بری طرح زخمی ہوا اور چند روز بعد اسی حالت میں چل بسا،

یہورام کی تخت نشینی اور حضرت الیاس کا آسمان پر جانا

اخزیا کے بعد یہورام تخت نشین ہوا حضرت الیاس جن کاموں سے برابر منع کرتے آرہے تھے، وہ بدستور ہوتے رہے، ایک روز الیاس ٹیلے سے اترے، تو الیسع ان کے ساتھ تھے، جلجال کے مقام پر پہنچے، تو الیاس نے الیسع سے فرمایا، کہ تم یہاں رہو، اور میں بیت ایل کی طرف جاتا ہوں، لیکن الیسع نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا، اسی طرح حضرت الیاس یریحو کے علاقہ سے گذر کر دریائے یردن کو پار کر کے ایک جگہ پہنچے، اور الیسع برابر ان کے ساتھ رہے، اس مقام پر پہنچ کر یہ دونوں باتیں کرتے ہوئے جنگل کی طرف بڑھے، اچانک آتشیں گھوڑے نمودار ہوئے، اور حضرت الیاس بگولے کی آڑ میں آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ؕ

حضرت الیسع کی نبوت

گزشتہ پیغمبروں کی طرح حضرت الیسع نے بھی بنی اسرائیل کو بری باتوں اور بتوں کی پرستش سے روکا، اور ایک عرصہ تک وعظ و نصیحت کرتے رہے، لیکن بنی اسرائیل کی سرکشی اب حد سے گذر چکی تھی، اور انہوں نے صریحاً احکام خداوندی کی مخالفت اختیار کرلی تھی، وہ یکے بعد دیگرے تمام پیغمبروں کو جھٹلاتے، بلکہ ان کو سخت ایذائیں پہنچاتے چلے آرہے تھے، شریعت موسوی سے اب ان کا تعلق برائے نام رہ گیا تھا، اور وہ خواہ مخواہ بات بات پر ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کے عادی ہوگئے تھے، ان حالات میں ان کا زوال ایک ضروری امر تھا، اور اب ان کی حکومت انتہائی عروج پر پہنچنے کے بعد قانون قدرت کے مطابق زوال پذیر ہونے والی تھی، چنانچہ حضرت الیسع کے انتقال کے بعد ان لوگوں کا مذہبی اختلاف اور بھی بڑھ گیا، اور چند نیک اور خدا پرست لوگ جو ان میں باقی رہ گئے تھے عوام ان کے اور بھی دشمن ہوگئے،

یہودیوں پر شاہ بابل کی چڑھائی

اب یہودیوں کا انحطاط شروع ہو چکا تھا، صحیح معنوں میں اب ان کی خود مختار حکومت کہیں نہ تھی، شاہ ارام نے ان کا اکثر علاقہ فتح کر لیا تھا، اور وہ اس کو خراج ادا کیا کرتے تھے، اس کے بعد فرعون مصر کی فوجوں نے آگے بڑھ کر شاہ ارام کو شکست دی، اور سارا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا، اور اپنی طرف سے بنی اسرائیل میں سے الیاقیم کو بادشاہ مقرر کر دیا تھا، یہ بھی برائے نام بادشاہ تھا، ہر چیز پر فرعون مصر کا قبضہ تھا، اور یہودیوں کی طرف سے مصر والوں کو خراج ادا کیا جاتا تھا،

الیاقیم کے دور حکومت میں کسدی قوم کے سردار اور بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کے علاقوں پر حملہ کیا، اور فرعون مصر کی فوجوں کو مار بھگایا، جب فرعون کی افواج کو تمام مفتوحہ علاقوں سے نکال دیا گیا، تو بخت نصر نے الیاقیم کو اس شرط پر بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کیا، کہ ہر سال باقاعدہ خراج ادا کیا کرے، اور یہ کہ اس کی طرف سے چند افسر نگرانی کے لئے ہمیشہ موجود رہا کریں گے، تاکہ ہر چیز کی اطلاع اس کو باقاعدہ پہنچتی رہی، ایک عرصہ کے بعد جب الیاقیم مرگیا، تو اس کے لڑکے یہویکین کو شاہ بابل کی اجازت سے تخت پر بٹھایا گیا، ایک عرصہ کے بعد اس نے بغاوت کر کے تمام سرداروں کو جو دربار میں بطور نگران موجود تھے قتل کر ڈالا، اس کی اطلاع جب بخت نصر کو ملی تو وہ پھر فوجیں لے کر چڑھ آیا، اور بنی اسرائیل کے پایہ تخت بیت المقدس کو فتح کر کے یہویکین کو معہ ہزاروں سپاہیوں کے قید کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا، اور اس کے چچا صدقیاہ کو تمام امور سلطنت سونپ دیئے، صدقیاہ نے سلطنت پر قابض ہوتے ہی شاہ بابل اور اس کی قوم کو خوش کرنے کے لئے خوب بت پرستی کو رواج دیا، اور جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی، اس کے زمانہ میں پوری ہو گئی،

بنی اسرائیل کی تباہی

اب تباہی کی گھٹائیں بنی اسرائیل کے سر پر گھری کھڑی تھیں، اور بربادی کے تمام اسباب مہیا ہو چکے تھے، چنانچہ کچھ دنوں بعد صدقیاہ نے بھی بغاوت کی، اور تمام سرداروں کو جو شاہ بابل کی طرف سے اس کے دربار میں رہتے تھے، قتل کر ڈالا، اس دفعہ بخت نصر کو بہت غصہ آیا، اور بنی اسرائیل کو دھکیلتا ہوا ربلہ میں آ کر خیمہ زن ہوا، اور وہاں سے اپنے وزیر کی ماتحتی میں ایک لشکر جرار بیت المقدس کی طرف روانہ کیا، ان فوجوں نے آگے بڑھ کر بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، صدقیاہ بہت دنوں تک قلعہ میں بند رہا، آخر جب بھوک کی وجہ سے تمام شہر میں ابتری پھیل گئی، تو بہت سے شہریوں کے ساتھ چور دروازے سے نکل کر جنگلوں کی طرف بھاگا، جب کسدی افواج کو پتہ چلا، تو انہوں نے ان کا تعاقب کیا، اور یریحو کے علاقہ میں ان سب کو قید کر کے ربلہ میں بخت نصر کے سامنے پیش کیا گیا، وہاں شاہی حکم سے اس کی تمام اولاد کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا، اور اس کی آنکھیں نکال لی گئیں، اس کے بعد

بخت نصر تو واپس چلا گیا لیکن اپنے وزیر کو بنی اسرائیل کی گوشمالی کے لئے مقرر کر کے چھوڑ گیا۔ کسدی فوجوں نے بیت المقدس کی تمام فصیلوں کو مسمار کر دیا، اور شاہی محل، حضرت سلیمان کی مسجد اور شہر کی ایک ایک عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، تمام سونا چاندی، جواہرات، بیش قیمت برتن، زیورات اور بڑی بڑی عجیب چیزیں جو یہودیوں کے قبضہ میں تھیں، بابل بھیج دی گئیں، بنی اسرائیل کے بہت سے قبیلے خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے، اور کچھ تو مصر اور حجاز کے علاقے میں آ کر پناہ گزین ہوئے، اور بہت سے یورپ کی طرف چل دیئے، آخر یوں صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کرنے کے بعد یہ قوم خدا کی نافرمانی اور بت پرستی کی لعنت کی وجہ سے اس بری طرح کچلی گئی کہ آخر کار ان کا شیرازہ بکھر کے رہا، چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالے فرماتا ہے وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ (اور ہم نے ان کو زمین پر مختلف فرقوں کی صورت میں منتشر کر دیا، بعض ان میں سے نیک اور بعض بد اطوار ہیں) ان کے علاوہ جو لوگ کسدیوں کے ہاتھ لگے، ان کو انہوں نے چن چن کر قتل کیا، اور جب کسدی افواج بابل کی طرف روانہ ہوئیں، تو اپنی ضروریات کے مطابق وہ بڑے بڑے دستکاروں اور سپاہیوں اور دوسرے پیشہ وروں کو غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے،

بنی اسرائیل کی مسلسل غلامی

بخت نصر کے بعد بنی اسرائیل اس کے لڑکے بلفنصر اور اس کے پوتے ادیل مردوک کے زمانہ تک کسدی قوم کی غلامی میں رہے، اور پھر جب ایرانیوں نے کیخسرو کے زمانے میں بابل پر حملہ کر کے سارے علاقہ کو فتح کر لیا، تو یہ ایرانیوں کے ماتحت رہے، ایک عرصہ بعد جب دارا کے دارالحکومت میں سکندر نے تک ایران پر چڑھائی کی، اور دارا میدان جنگ میں مارا گیا، تو سارا علاقہ یونانیوں کے قبضہ میں آیا، اور اس زمانے میں بھی بنی اسرائیل کی غلامی بدستور قائم رہی آخر کار اردشیر بابک نے اپنی تلوار کے زور سے ایران کو یونانیوں سے آزاد کرا لیا، لیکن یہودی جو زیادہ تر ملک شام اور اس کے آس پاس کے علاقہ میں آباد تھے، بدستور یونانیوں کی غلامی میں رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کر لیا،

کسدی اور ایرانی حکومت کے پیغمبر

جب بابل والوں نے بنی اسرائیل کے تمام علاقوں کو فتح کر کے ان پر حکومت کرنی شروع کر دی تھی، اس وقت بھی بہت سے پیغمبر لوگوں کی ہدایت کے لئے موجود تھے، اسی طرح قدیم ایرانی دور حکومت میں بھی بعض نبی زندہ تھے، مثلاً حضرت عزیز، یرمیاہ، یعسیاہ، حزقی ایل، دانیال، ہوسیع، یوایل، عموس، عبدیاہ وغیرہ، ان تمام پیغمبروں نے خود بنی اسرائیل کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھائیں، چونکہ جاہ پرست لوگ اپنے فائدوں کی خاطر اس وقت کے حکمران بادشاہوں سے ان کی شکایتیں کرتے تھے، اور انہیں حکومت وقت کا باغی بنا

کر اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے تھے، چنانچہ ان میں سے بعض نبی ان بدبخت یہودیوں کی وجہ سے شہید بھی کر دیئے گئے۔

حضرت عزیرؑ کا سو برس بعد زندہ ہونا

جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر کے تمام شہر کو مسمار کر دیا، اور حضرت سلیمان کی مسجد بھی ڈھادی، تو اس تباہی کو دیکھ کر حضرت عزیر کو خیال آیا، کہ اب علاقہ بھلا کیا آباد ہو سکے گا، اسی وقت خدا کے حکم سے حضرت عزیر کی روح مبارک قبض کر لی گئی، اور جب انہیں دوبارہ زندہ کیا گیا، تو انہوں نے دیکھا، کہ شہر آباد ہو چکا ہے۔ اس دوران میں تقریباً ایک سو سال کا عرصہ گذر چکا تھا، اور اس وقت بابل والوں کی بجائے اس شہر پر ایرانیوں کا قبضہ تھا، اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

حضرت ایوب

اسی دور کے ایک مشہور نبی حضرت ایوب علیہ السلام ہیں، یہ اپنے وقت کے بڑے دولت مند انسان تھے، ہزاروں مویشی تھے، اور سینکڑوں خدمت گذار ہر وقت موجود رہتے تھے، اسی طرح اولاد بھی خوب تھی، لیکن اس کے باوجود بھی ایوب ہر وقت خدا کی عبادت کیا کرتے تھے، اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے، تورات میں آیا ہے، کہ ایک مرتبہ خدا تعالیٰ نے شیطان سے پوچھا، کہ تو نے ایوب جیسا عبادت گذار اور خداشناس انسان کہیں دیکھا ہے۔ شیطان نے کہا، کہ ان کے پاس خوب مال و دولت ہے، اور مزے کرتے ہیں، ایسی حالت میں اگر عبادت کی، تو کیا کمال ہے، اگر یہ دولت ان سے چھین لی جائے، اور عیش و آرام کی زندگی باقی نہ رہے، اور اس کے باوجود عبادت کرتے رہیں، اور اسی طرح شکر گذاری کی زندگی گذاریں، تو میں سمجھوں گا، کہ سچے عبادت گذار ہیں، خدا تعالیٰ نے فرمایا، کہ اگر ایسا ہی ہے تو جا، تو میرے اس نیک بندے کو آزما کر دیکھ لے، میں تجھے اختیار دیتا ہوں، کہ تو اس کی ایک ایک چیز کو تباہ کر کے آزما سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت ایوب کی آزمائش شروع ہوئی، سب سے پہلے ایک خدمت گار نے آکر اطلاع دی، کہ ہم لوگ ہل چلا رہے تھے، اور کچھ مویشی ادھر ادھر چرتے پھر رہے تھے، کہ قزاقوں نے حملہ کیا، اور سارے مویشی ہنکا کر لے گئے، اور جتنے نوکر وغیرہ تھے، سب کو قتل کر دیا، صرف میں بچا ہوں، جو آپ کے پاس اطلاع دینے آیا ہوں اتنے میں ایک اور ملازم بھاگا بھاگا آیا، حضور! عجیب ماجرا ہوا، ہم لوگ جنگل میں بھیڑ بکریاں چرا رہے تھے، کہ اچانک آسمان سے ایک آگ نمودار ہوئی، اور تمام بھیڑ بکریوں اور چرواہوں کو جلا کر خاک کر ڈالا، میں کسی نہ کسی طرح بچ کر حضور کی خدمت میں آیا ہوں، اور ابھی یہ شخص اپنا پورا حال بیان کرنے نہ پایا تھا، کہ ایک تیسرا خدمت گار گھبرایا ہوا آیا، کہ کسدی قوم کے چوروں کی ایک جماعت آپ کے تمام ملازموں کو قتل کر کے سارے اونٹ لے گئی ہے

اس کے بعد ہی ایک اور شخص آیا، اور اس نے بتایا، کہ آپ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں جس گھر میں ایک جگہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، اچانک آندھی کی وجہ سے اس کی چھت گر پڑی، اور وہ سب دب کر مر گئے، حضرت ایوب نے یہ سب خبریں پورے صبر و استقلال سے سنیں، اور خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے، اور فرمایا، کہ ماں کے پیٹ سے اکیلا پیدا ہوا تھا، یہ سب کچھ خدا کا ہی دیا ہوا تھا، اور اسی نے لے لیا، وہ بڑا بے نیاز ہے، اس کے بعد حضرت ایوب خدا تعالیٰ کی عبادت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے۔

شیطان کو ایک حد تک شکست ہو چکی تھی، لیکن وہ اس پر بھی باز نہ آیا، اور کہنے لگا، کہ ابھی تو وہ تندرست ہیں، ہاں بیماری اور جسمانی تکالیف کے باوجود اسی طرح عبادت کرتے رہیں، تو میں ان کو تیرا اچھا بندہ سمجھوں گا، یہ دوسرا حربہ تھا جو اس نے حضرت ایوب کی شکر گذاری اور خدا پرستی کو نیچا دکھانے کے لئے استعمال کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو اگر یہی چاہتا ہے، تو یوں بھی آزما کر دیکھ لے، تب شیطان نے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرا جس کی وجہ سے سارے جسم میں پھنسی پھوڑے نکل آئے، اور کیڑے کلبلانے لگے، ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتے رہتے تھے، اور تمام تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے، ایک روز ان کی بیوی نے جو ہر وقت ان کی خدمت کرتی رہتی تھیں، کہا کہ آپ ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتے رہیں گے، کتنی کتنی مصیبتیں ہم پر پڑیں، لیکن آپ نے کبھی شکایت نہیں کی، اس پر حضرت ایوب بہت ناراض ہوئے، اور فرمایا، کہ یہ بھی کوئی انصاف ہے، کہ ہمیشہ اچھی چیزوں کی امید رکھیں، اور دکھ تکلیف پہنچے تو گھبرا جائیں، یا اپنے پیدا کرنے والے کی شکایت کرتے پھریں، آخر جب ان تمام آزمائشوں میں حضرت ایوب پورے اترے، اور شیطان کو منہ کی کھانی پڑی، تو خدا تعالیٰ نے انہیں پھر تندرست کر دیا، اور پہلے سے زیادہ مال و دولت عطا فرمایا، اور ایک سو چالیس برس کی عمر تک بڑی پر سکون زندگی گذاری

حضرت یونسؑ

اسی زمانہ میں حضرت یونس کو حکم ملا، کہ تم ملک موصل کے شہر نینوا میں جا کر وہاں کے باشندوں کو ہدایت کرو، اور انہیں برے کاموں سے بچنے کی تلقین کرو، حضرت یونس لوگوں کی نافرمانی اور ایذا رسانی کا خیال کر کے دل ہی دل میں بہت پریشان ہوئے ڈر کے مارے ترسین کی طرف جانے والے ایک جہاز میں سوار ہو گئے، جہاز روانہ ہوا، اور جب سمندر کے بیچ میں پہنچا، تو سخت طوفان آیا، اور لوگوں نے کشتی کا سامان سمندر میں پھینکنا شروع کر دیا، اور خدا سے دعائیں مانگنے لگے، حضرت یونس اس وقت جہاز کے زیریں حصہ میں سو رہے تھے، جہاز کا کپتان بھاگا ہوا آیا، اور حضرت یونس کو آکر اطلاع دی، اور دعا کرنے کو کہا، جب خطرہ بڑھتا گیا، تو یہ طے پایا، کہ قرعہ ڈالا جائے، کہ آخر کس وجہ سے یہ بلا ہم پر نازل ہوئی ہے، قرعہ میں حضرت یونس کا نام نکلا، اس پر لوگوں نے پوچھا، کہ تم کون ہو، اور بتاؤ، کہ کس سبب سے ہم پر یہ مصیبت پڑی ہے، تب حضرت یونس نے فرمایا، کہ میں بنی اسرائیل میں سے ہوں، اور خدا کے حکم سے بچ کر بھاگا تھا، یہ سنکر سب لوگ بہت گھبرائے،

کہ اب کیا کریں، جو اس عذاب سے چھٹکارا ملے حضرت یونس نے فرمایا کہ تم گھبراؤ مت، یہ سب پریشانی میری ہی وجہ سے ہے، مجھے سمندر میں ڈال دو، طوفان رک جائے گا، پہلے تو انہوں نے پہلوتہی کی، لیکن حضرت یونسؑ کے اصرار پر آخر انہیں سمندر میں ڈال دیا گیا، طوفان فوراً رک گیا، اور حضرت یونس کو سمندر میں ایک بڑی سی مچھلی نے نگل لیا، اور تین دن تک اسی مچھلی کے پیٹ میں زندہ سلامت رہے، آخر اسی حالت میں بارگاہ الٰہی میں معافی مانگی، اور اس اندھیری کوٹھری سے نجات پائی، کچھ دنوں بعد حکم کے بموجب نینوا میں داخل ہوئے، اس وقت اس شہر کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر تھی، نینوا والوں نے عذاب الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے معافی مانگی اور اس طرح وہ عین وقت پر تباہی سے بچ گئے،

حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ

حضرت زکریا کا زمانہ نبوت وہ تھا، جب کہ بنی اسرائیل پر رومیوں کی حکومت تھی، اور قیصر کی طرف سے انطیفس بن ہیرودس بیت المقدس کا گورنر تھا، حضرت زکریا اس وقت خانہ خدا میں ایک خادم کی حیثیت سے رہتے تھے، آپ کافی بوڑھے ہو چکے تھے، اور آپ کی بیوی ایشع بھی بوڑھی اور بانجھ تھیں، ایک روز عبادت کے دوران میں حضرت زکریا نے دعا مانگی، کہ اے پروردگار! مجھے ایک وارث عطا فرما، کہ وہ تورات کے احکام کی پاسبانی کرے، اسی وقت ایک فرشتہ آپ پر ظاہر ہوا، اور بتایا، کہ تمہاری بیوی بہت جلد حاملہ ہوگی، اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوگا، تم اس کا نام یحییٰ رکھنا، آپ نے متعجب ہو کر فرمایا، کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں بوڑھا ہو چکا ہوں، اور میری بیوی بانجھ ہے، فرشتہ نے جواب دیا، کہ ایسا ہی ہوگا، اور اس کی علامت یہ ہے، کہ جب حمل ٹھہر جائیگا۔ تو تین دن تک تم کسی سے گفتگو نہ کر سکو گے، اور صرف اشارہ سے بات کرو گے، کچھ دنوں بعد حضرت یحییٰ پیدا ہوئے، جنہوں نے جنگل میں پرورش پائی، اور ٹڈیوں اور شہد پر گذارہ کرتے رہے، جب حضرت یحییٰ بیت المقدس میں تشریف لائے، اور وعظ و نصیحت شروع کی، تو راہبوں اور یہودیوں نے مزاحمت کی، اور حسب معمول طرح طرح کی ایذائیں پہنچانی شروع کیں، بیت المقدس کے گورنر انطیفس نے زبردستی اپنی بھاوج سے شادی کر لی تھی، مفسدوں کو موقع ملا، اور انہوں نے دھوکہ سے لوگوں کے سامنے حضرت یحییٰ سے پوچھا کہ جو شخص ایسا کرے، آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ آپ نے بے دھڑک فرمایا، کہ وہ زانی ہے، بس پھر کیا تھا، فوراً انطیفس کو اطلاع دی گئی، اس نے آپ کو اپنے سامنے بلا کر اس امر کی تصدیق کی، تو آپ نے جو حق بات تھی، اس کے سامنے بھی صاف صاف بیان کر دی، اور اس طرح حضرت یحییٰ اس ناپاک سازش کی بنا پر شہید کر دیے گئے، چغل خوروں نے یہ بھی کہا، کہ اس کا باپ زکریا بھی بہت خطرناک آدمی ہے، اور اس قسم کی باتیں کرتا ہے، شاہی حکام ان کی تلاش میں روانہ ہوئے، مگر وہ پہلے ہی اطلاع پا کر جنگل میں جا چھپے تھے،

آخر انہوں کو اجازت دے دی گئی، کہ وہ خود تلاش کر کے قتل کر ڈالیں، یہ لوگ برابر جنگل میں حضرت زکریا کو تلاش کرتے رہے، حضرت زکریا ایک درخت کی کھوہ میں چھپ گئے تھے، اتفاق سے چادر کا ایک کونہ باہر سے نظر آرہا تھا، ان بدبختوں نے اس سے اندازہ لگا لیا، اور مع درخت کے آرے سے کاٹ کر شہید کر دیا،

حضرت عیسیٰؑ

جس زمانہ میں حضرت یحییٰ اور ان کے والد حضرت زکریا کو یہودیوں کو سازش کرا کے شہید کرایا تھا، حضرت عیسیٰ بھی اس وقت بنی اسرائیل میں موجود تھے، حضرت زکریا حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم کے خالو تھے جس طرح حضرت زکریا کی بیوی ایشع بانجھ تھیں، دوسری بہن حنہ زوجہ حضرت عمران کے ہاں بھی اولاد نہیں ہوتی تھی، حضرت حنہ نے یہ منت مانی تھی، کہ اگر میرے ہاں اولاد ہو جائے گی، تو میں اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے مقرر کروں گی، اتفاق سے ان کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مریم رکھا گیا، اور حضرت حنہ ان کو مسجد کی خدمت کے لیے لے گئیں، پہلے تو عبادت گاہ کے خدمتگاروں نے لڑکی کو لینے سے انکار کر دیا لیکن حضرت زکریا کے سمجھانے پر انہیں مسجد میں رکھ لیا، قرعہ اندازی کے بعد اس لڑکی کی پرورش حضرت زکریا کے سپرد کی گئی، بی بی مریم جب بڑی ہوئیں، تو ہر وقت خدا کی عبادت میں مشغول رہنے لگیں، اور رفتہ رفتہ ان سے بڑی بڑی کرامات کا اظہار ہونے لگا، آٹھ برس کی عمر میں بی بی حنہ کا انتقال ہو گیا، جب ان کی عمر بارہ برس کی ہوئی، تو حضرت زکریا نے ان کی منگنی یوسف نجار کے ساتھ کر دی، اور وہ اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ ناصرہ چلی گئیں، منگنی کے وقت یہ شرط لگا دی گئی تھی، کہ جب تک مقدس عبادت گاہ کے پجاریوں سے اجازت نہ ملے، میاں بیوی ہمبستر نہ ہوں، ایک دن حضرت مریم ایک چشمے سے پانی لینے گئیں تو وہاں اس وقت کوئی موجود نہ تھا، اچانک ان کو ایک شخص نظر آیا جسے دیکھ کر وہ کانپ اٹھیں، اور اس سے پناہ مانگنے لگیں، اس نے کہا، گھبراؤ نہیں، میں فرشتہ ہوں، اور تمہیں بیٹے کی خوشخبری دینے آیا ہوں، حضرت مریم نے فرمایا، کیسے ہو سکتا ہے، ابھی میرے خاوند نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے، فرشتہ نے کہا، خدا کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں ہے، اس کے بعد آپ حاملہ ہو گئیں، اور یوسف کو جب اس امر کا پتہ چلا، تو بہت گھبرایا حضرت مریم نے تمام واقعہ یوسف کو بتا دیا لیکن اسے یقین نہیں آیا، اسی دوران میں یوسف نے ایک خواب دیکھا جس میں اسے بتایا گیا، کہ یہ حمل حضرت جبرئیل کی پھونک سے رہا ہے، اور جو لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس سے دنیا میں بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوں گے، یہ خدا کی قدرت کا ایک اور نمونہ ہے، حضرت آدم بغیر ماں باپ کے اور بی بی حوا بغیر ماں کے پیدا ہوئیں، اب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی دنیا والوں کے سامنے رکھی ہے، کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوں گے، یہ خواب دیکھ کر یوسف کو کچھ اطمینان ہوا، اور بی بی مریم کے سامنے بطور تعظیم جھک گیا، جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے، تو یہودیوں نے تہمت لگائی اور بی بی مریم کو بدنام کرنا

شروع کیا، بارہ برس کی عمر میں ہی حضرت عیسٰیؑ سے متحیر کن معجزے ظاہر ہونے لگے، مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا، اور اندھوں کو اچھا کر دینا، کچھ دنوں بعد حضرت عیسٰیؑ وعظ و نصیحت کرتے ہوئے بیت لحم میں آپہنچے، اور یہاں بنی اسرائیل کے راہبوں اور پجاریوں نے آپ سے مباحثہ کرنا چاہا، اور کسی طرح اپنے راستے سے اس کانٹے کو دور کرنے کی فکر میں لگ گئے، اور طرح طرح کے الزام آپ پر لگانے شروع کر دیئے، لیکن حضرت عیسٰی برابر خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے، اور لوگوں کو نیکیوں کی ترغیب دیتے رہے، اس زمانے میں بنی اسرائیل پر رومی بادشاہ حکومت کرتے تھے، اور ان کے گندے اثرات اس قوم کی رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے، وہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح برابر حضرت عیسٰی کو جھوٹا اور فریبی بتاتے رہے، اور لوگوں کو ان کے خلاف اکسانے کی کوشش کرتے رہے، حضرت عیسٰیؑ نے ان تمام مخالفتوں کو بڑے صبر و استقلال سے برداشت کیا، اور خاموشی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے، تمام معتقدین کو سمجھا دیا تھا، کہ یہ ظالموں کی حکومت ہے، یہاں انصاف کی امید نہ رکھنا، اور کسی سے لڑائی مول نہ لینا، اگر حکومت ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہو گئی، تو پھر ہمارے کام میں بہت رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی، اور ہم اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام نہ دے سکیں گے،

قتل کی سازش

آخر جب راہبوں اور پجاریوں کو یقین ہو گیا، کہ ہماری مذہبی اجارہ داری خطرہ میں ہے، اور دن بدن ہماری قلعی کھلتی جا رہی ہے، تو انہوں نے حسب معمول سازش کا جال پھیلایا، اور ایک روز جب کہ حضرت عیسٰیؑ لوگوں کے سامنے وعظ و نصیحت کر رہے تھے، اور قیصر کے سپاہی بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے حضرت عیسٰیؑ سے پوچھا، کہ اچھا یہ بتاؤ، کہ ہم قیصر کو جو ایک کافر بادشاہ ہے، ٹیکس ادا کریں، یا نہیں، حضرت عیسٰیؑ ان کی اس چالبازی کو سمجھ گئے، اور کہا، ایک اشرفی لاؤ، پھر پوچھا، اس پر کس کا نام و نشان ہے، انہوں نے جواب دیا قیصر کا، تو آپ نے فرمایا، قیصر کی چیز قیصر کو اور خدا کی چیز (عبادت) خدا کو ملنی چاہیئے، جب ان کا یہ وار بھی خالی گیا، تو انہوں نے ذمہ دار حکام سے صاف صاف کہنا شروع کر دیا، کہ یہ شخص بہت خطرناک ہے، اور یہودیوں کو حکومت کے خلاف اکساتا رہتا ہے، اور خود ہمارے مذہب کے خلاف تقریریں کرتا ہے، ان حالات میں ضروری ہے، کہ اس شخص کو جلد از جلد سزائے موت دے دی جائے، ورنہ پھر ہمیں براہ راست قیصر سے شکایت کرنی پڑے گی، جب حضرت عیسٰیؑ کو اطلاع ملی، تو وہ اپنے معتقدین کے ساتھ ایک مکان میں چھپ گئے، یہودیوں نے کوشش کر کے ہیرودس سے حضرت عیسٰیؑ کو سولی دینے کی اجازت حاصل کر لی، اور پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی سے آپ کی تلاش شروع کر دی، اس دوران میں آپ کے بہت سے حواری ایک ایک کر کے الگ ہو گئے، اور آخر کار اس مکان میں حضرت عیسٰیؑ اکیلے رہ گئے، ان حواریوں میں سے ایک شخص یہودا اسخرہ تھا جو کئی دن تک اس مکان میں آپ کے ساتھ روپوش رہا تھا، آخر انعام کے لالچ میں وہ بدبخت یہودیوں کو اس مکان تک لے آیا جہاں

آپ اتنے دنوں سے چھپے ہوئے تھے، اطمینان کرنے کے خیال سے پہلے وہ خود مکان میں داخل ہوا، لیکن ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی خدا کے حکم سے حضرت عیسیٰ آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے تھے، جب اس بدبخت نے حضرت عیسیٰ کو نہ پایا، تو بہت گھبرایا، جب وہ دروازہ کی طرف لوٹا، تو اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی بنا دی گئی، تو یہودیوں نے اس کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا، اس کے بعد بھی حضرت عیسیٰ کے بعض معتقدین چپکے چپکے اپنے خیالات کی اشاعت کرتے رہے، لیکن یہودیوں کی سازشوں اور قیصر روم کی جفاکاری سے بہت ڈرتے تھے، اور اس سلسلہ میں ان کو بہت مصائب جھیلنے پڑتے تھے۔

مذہب عیسوی کی اشاعت

اس دوران میں حضرت عیسیٰ کے بعض معتقدین بیت المقدس سے نکل کر مختلف سمتوں میں روانہ ہوئے، ان کی ایک جماعت اٹلی میں پہنچی، اور آخر ان کی متفقہ کوششوں کے بعد قیصر نے عیسائی مذہب کو قبول کر لیا، اس کے بعد یہ قدرتی بات تھی، کہ اہل روم اس نئے مذہب کی طرف جھکنے لگے، اور رفتہ رفتہ تمام روم اور اس کے زیر اثر علاقوں میں عیسائیت کا چرچا ہو گیا، شروع ہی میں ایک زبردست جنگجو قوم کی حمایت کی وجہ سے عیسائیوں کو بہت تقویت حاصل ہوئی، اور یورپ کے دوسرے ممالک میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے عیسائی علماء کو بہت سی آسانیاں اور مراعات حاصل ہو گئیں،

انجیل کی اصلیت

جب عیسائیت کا ہر طرف چرچا ہونے لگا، تو لوگوں نے یہ خواہش ظاہر کی، کہ حضرت عیسیٰ کی زبانی ہوئی تمام باتوں اور نصیحتوں کو قلم بند کیا جائے، تاکہ سب لوگ ہر وقت ان چیزوں کو مطالعہ میں رکھیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ کے چار سربرآوردہ حواریوں مرقس، لوقا، یوحنا اور متی نے اپنی یادداشتوں سے ایک ایک مجموعہ تیار کیا، لیکن یہودی علماء برابر بہت سی باتوں پر اعتراضات کرتے رہے، اور خود حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ الزام لگاتے رہے، کہ وہ زنا سے پیدا ہوئے ہیں، اس طرح لوگوں میں اکثر بدگمانیاں پیدا ہوتی رہتی تھیں آخر ایک عرصہ بعد علماء نے ان اعتراضات کو دور کرنے اور مذہب کو زیادہ سے زیادہ آسان کرنے کے خیال سے متفقہ مشوروں کے بعد انجیلوں میں جگہ جگہ ترمیم و اضافہ کر کے اصلی قلمی نسخوں کو ضائع کر دیا، اس طرح انہوں نے ضرورت کے مطابق اناجیل کو ایک نئے سانچے میں ڈھال کر اس زمانے کے رجحانات کے مطابق بنا دیا، انہوں نے دو چیزوں پر خاص طور پر زور دیا، ایک تو خود حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق جو غلط فہمی تھی اسے اس طرح دور کیا، کہ نعوذ باللہ خدا خود حضرت مریم سے ہمبستر ہوا، اور اس طرح حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں، اور دوسری کشش اپنے مذہب میں یہ پیدا کی، کہ خدا نے اپنے بیٹے کو دنیا والوں کے درمیان بھیجا تھا جن لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا، یا قیامت تک کرتے رہیں گے، حضرت عیسیٰ ان سب کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر سولی چڑھا دیئے گئے ہیں، اس نئے عیسائیوں کو

خواہ وہ کیسے ہی گنہ گار ہوں، ضرور جنت میں داخل کیا جائے گا، اور گناہوں کی کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ ان بیانات کا لوگوں پر اور خاص طور پر رومیوں کے خیالات پر بہت اچھا اثر پڑا وہ پکے بت پرست اور انتہائی عیش پسند تھے انہوں نے دیکھا، کہ یہ تو بڑا سستا سودا ہے، کہ "رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی" ہر شخص نے آنکھ بند کر کے عیسائیت کو قبول کر لیا، اور دیکھتے دیکھتے ہر طرف اس مذہب کا چرچا ہونے لگا،

عیسائیوں اور یہودیوں میں رہبانیت کا رواج

یوں تو گوشہ نشینی اختیار کرنا، اور ہر وقت خدا کی یاد میں لگا رہنا بہت مستحسن اور اچھا کام ہے لیکن عیسائیوں اور یہودیوں نے حد سے تجاوز کر کے یہاں تک رہبانیت اختیار کی، کہ اصل مقصد بالکل فوت ہو گیا، گوشہ نشینی اختیار کرنے میں اعتدال کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے، یہ نہیں، کہ انسان حلال چیزوں کو بھی اپنے لئے بالکل حرام کر لے، یا ایسی خلاف فطرت ریاضتیں کرنے لگے، کہ اصل مقصد عبادت کا باقی نہ رہے، یہودیوں اور عیسائیوں نے ایسا ہی کیا، اور جو چیزیں فرائض میں شامل نہیں تھیں، انہیں اپنے اوپر خواہ مخواہ فرض کر لیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، "لا رھبانیۃ فی الاسلام" افسوس ہے، کہ کچھ مسلمانوں نے بھی ہندو جوگیوں اور فقیروں کے زیر اثر اسی قسم کی بعض باتوں کو اختیار کیا، اور رفتہ رفتہ ان ریاضتوں کو بھی اس قدر مسخ کر دیا گیا، کہ اس طبقے میں بھی بہت سی بدعات اور ناجائز باتوں کا رواج ہو گیا،

فترت انبیاء

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے درمیانی زمانہ کو فترت انبیاء کہتے ہیں، یہ زمانہ عہد ظلمت بنا ہوا تھا یونان کا چراغ حکمت گل ہو چکا تھا، روم جب کے قوانین اور آئین کی دھاک تھی، وہ اوراق پارینہ بن چکے تھے، ایران میں مزدکیہ خیالات کی گرم بازاری تھی، غرضکہ اس وقت جو مذاہب باقی تھے، وہ رسوم پرستی کی نظر ہو چکے تھے، تمام عالم میں گمراہی کا دور دورہ تھا، تہذیب و اخلاق تو ملک سے جاتا رہا تھا، نہ یہودیت اصلی حالت میں تھی، اور نہ عیسویت صحیح معنوں میں عیسائیوں میں باقی رہی تھی، عرب کی حالت سب اقوام سے اپنی جہالت اور بد اخلاقی میں گوئے سبقت لے گئی تھی ہندوستان اور چین کی نہ تہذیب تھی، اور نہ تمدنی حالت درست تھی، غرض کہ تمام دنیا جہالت کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، کہ عرب سے آخری آفتاب رسالت طلوع ہوا

حصّہ دوم

ولادت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۵۷۰ء

یعنی

سرکارِ دوعالم کی اخلاقی مذہبی سیاسی تاریخ کا مفصل ادلہ

حسین مرقع

ولادتِ مُصطفےٰ

اور حکومتِ الٰہیہ اسلامیہ کی لازوال ابتدا

قبل اسلام کی حالت کے مطالعہ سے یہ بات اچھی طرح سامنے آجاتی ہے کہ دنیا انتہائی جہالت اور ظلمت کا شکار ہو رہی تھی۔ انسانوں میں نہ مذہبی نظام موجود تھا اور نہ سیاسی شعور تھا۔ بد اخلاقی اور کردار و عقائد کی ابتری اپنے آخری نقطہ پر پہنچ چکی تھی۔ ایسے تاریک ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے پہلے اور آخری نبی اور راہنما ہیں آپ تمام بنی نوع انسان کے لیے ایک مکمل دین کے ساتھ مکمل نظامِ سیاست اور نظامِ حیات لے کر تشریف لائے۔ گویا آپ ایک طرف دین کے شہنشاہ ہیں تو دوسری طرف آپ دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا ہیں۔ آپ نے دنیا کو ایک ایسے دین سے نوازا جو عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے نیز آپ نے دنیا کو ایک ایسے نظامِ سلطنت سے روشناس کیا جو بلا امتیاز مذہب و ملت کل بنی نوعِ انسان کا سچا محافظ اور رازدار ہے۔

رسول اکرم صلعم کے جلوہ افروز ہونے سے قبل دینی اور دنیاوی رہنماؤں کے نظامِ عمل جدا جدا تھے۔ نبی اور پیغمبر اپنے آپ کو دنیاوی معاملات سے علیحدہ رکھتے تھے۔ اس طرح دنیاوی راہنماؤں کو دین سے کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا بلکہ وہ ہمیشہ دین کے دشمن ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ دینی اور دنیاوی راہنماؤں کے تصادم کی وجہ سے دنیا میں بڑی بڑی خونریزیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن رسول اکرم نے دنیا میں تشریف لاکر اس تفریق کو ختم کر دیا۔ آپ نے دینی بادشاہت اور دنیاوی سلطنت کو ملا کر بنی نوع انسان کے لیئے ایک ایسا فطری دستور العمل مرتب فرما دیا۔ جس نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔ اور فرسودہ نظام رکھنے والی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا اور بنی نوعِ انسان کو ایک ایسا نظامِ صالح عطا کر دیا جس نے ان کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ جہاں بنی نوعِ انسان کے سب سے بڑے دینی پیشوا ہیں۔ وہاں آپ سب سے بڑے دنیاوی رہنما بھی ہیں۔ آپ نے جہاں پتھروں، ستاروں اور خرافات کے پوجنے والوں کو خدائے واحد سے روشناس کیا ہے وہاں بنی نوعِ انسان کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ اپنی آزاد حکومتیں قائم کر کے دنیا میں باعزت زندگی کیونکر بسر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ عبادت الٰہی کے ساتھ

دنیاوی معاملات میں بھی پورا پورا حصہ لیں۔ کیونکہ مسلمان کا دین اور مسلمان کی دنیا دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں جن کو کسی طرح علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و دنیا کے جس فطری نظام سیاست کو انسانوں کے سامنے پیش کیا آپ خود اس کی مجسم تصویر تھے چنانچہ آپ کی کیفیت یہ تھی کہ جہاں کثرتِ عبادت کی وجہ سے آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے وہاں آپ اسبابِ معیشت کی فراہمی کے لئے بھی سب سے زیادہ سرگرمِ عمل دکھائی دیتے تھے جہاں آپ ساری ساری رات عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے وہاں میدانِ جنگ میں بھی شمشیر بکف نظر آتے تھے۔ جہاں آپ مسجد نبوی کے منبر سے وعظ و پند کے ذریعہ اخلاق اور انسانیت کا درس دیا کرتے تھے وہاں میدانِ جہاد میں تلوار چلا کر سرفروشی کی عملی مثال بھی پیش فرمایا کرتے تھے۔ گویا آپ کی حیاتِ طیبہ ایسا مکمل نظامِ سیاست اور نظامِ حیات ہے جس کے بعد مسلمانوں کے لئے کسی نئے دستورِ سیاست یا نظامِ حیات کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

حضورِ اکرم حریت اور آزادی کے سب سے بڑے علمبردار تھے آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جب تک ہماری اپنی حکومت نہیں ہوگی اس وقت تک ہم آزادی کے ساتھ نہ تو اپنے دینی فرائض انجام دے سکیں گے اور نہ دنیاوی طور پر اطمینان و سکون حاصل ہو سکے گا۔ اسی لئے آپ نے شروع ہی سے دینِ حنیف کی تبلیغ اور اشاعت کے ساتھ "آزاد اسلامی حکومت" کے قیام پر زور دینا شروع کر دیا تھا چنانچہ مسلمانوں کو غلامی اور محکومی کی ذلت سے نجات دلانے کے لئے آپ شمشیر بکف ہو کر سب سے پہلے خود میدان میں تشریف لائے اور دشمنانِ اسلام کا پوری جرأت سے مقابلہ کیا۔ اور پھر اپنی کوششوں کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ آپ نے دشمنانِ اسلام کو زیر کر کے ایک آزاد اور مضبوط اسلامی حکومت کی بنیاد نہ رکھ دی۔

سرکارِ دوعالم نے محض اپنے غیر معمولی حوصلے اور تائیدِ غیبی کی بنا پر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں جس طرح ایک مضبوط اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے حضور اکرم کو محض اعلائے کلمۃ الحق کے جرم میں آپ کے ہم وطنوں اور قرابت داروں نے اتنا ستایا کہ آپ کو اپنے وطن مکہ کو خیر باد کہہ دینا پڑا۔ مکہ سے ترکِ وطن کر کے جب آپ مدینہ تشریف لائے تو مسلمانوں کی تعداد برائے نام تھی لیکن آپ نے محض اپنے عزمِ راسخ اور ارادۂ محکم کی بنا پر ان ہی مٹھی بھر مسلمانوں کے ذریعہ بار بار دشمنوں کے بڑے بڑے لشکروں کو زیر کیا اور عزم استقلال سے کام لے کر اپنی طاقت کو اتنا بڑھا لیا کہ آپ کے مخالفین کے لئے آپ کے مقابلہ پر ٹھہرنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں مسلمانوں نے نہ

صرف بے شمار لڑائیوں میں اپنے دشمنوں پر شاندار فتوحات حاصل کیں بلکہ آقائے دو جہاں کے طفیل میں ملک عرب میں مسلمانوں کی ایک ایسی مضبوط حکومت قائم کر دی جس کے روبرو دنیا کی تمام بڑی بڑی حکومتیں سرنگوں ہو گئیں اور آپ کی قائم کردہ اسلامی حکومت کا دائرہ جزیرہ نمائے عرب سے گذر کر مشرق و مغرب کے بیشتر ممالک میں پھیلتا چلا گیا۔

کون نہیں جانتا کہ آنحضرت نے جو مجاہدانہ اور سرفروشانہ اسپرٹ مسلمانوں میں پیدا کر دی تھی اس کی بدولت مسلمانوں نے مختصر سے عرصہ میں دنیا کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی سب سے پہلی قابلِ ذکر فتح مکہ کی تسخیر تھی۔ جسے خود رسول اللہ صلعم نے فتح کیا تھا۔ اس کے بعد طائف فتح ہوا اور رفتہ رفتہ مسلمان پورے ملک عرب پر قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کی فتوحات کا دوسرا شاندار دور خلفائے راشدین کے عہد حکومت سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ابو بکر صدیق کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے شام پر حملہ کیا۔ اور مجاہدانہ قوتوں کے ایسے جوہر دکھائے کہ چند ہی روز میں عراق کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کو نہایت ہی نمایاں فتوحات حاصل ہوئیں۔ شہر بعلبک فتح ہوا۔ شہزار اور حمص پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا بیت المقدس کے عیسائیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ مصر اور ایران کو مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ شام پر بھی مسلمانوں کا پورا پورا قبضہ ہو گیا۔ پھر حضرت عثمان غنی کے دورِ حکومت میں شمالی افریقہ فتح ہوا۔ جزیرہ قبرص اور جزیرہ روڈس مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اور ایران کے باقی حصے بھی فتح ہو گئے۔

خلفائے راشدین کے بعد بھی اسلامی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ چنانچہ بنی امیہ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ اور سلطنت روما پر ایسے زوردار حملے کئے کہ اس کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ پورا روسی ترکستان فتح کر لیا۔ افغانستان میں فتوحات حاصل کیں اور نصف چین پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے اسپین اور پرتگال کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔ اور جنوبی فرانس پر بھی قبضہ جما لیا۔ اور اس کے بعد یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ ہندوستان جیسے دور دراز ملک کے بھی بہت سے حصے مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے۔ یہ تمام عظیم الشان فتوحات ستر اسی سال کے اندر اندر مسلمانوں کو حاصل ہو گئی تھیں۔ مسلمانوں کے جوشِ عمل اور ان کی بڑھتی ہوئی فتوحات کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسولِ اکرم نے جس اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی وہ کس قدر مضبوط تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اول روز دنیا سے لے کر اس وقت تک ایک بھی مثال ایسی نہیں ملتی کہ کسی قوم نے اتنی مختصر سی مدت میں دنیائے معلوم کا نصف سے زیادہ حصہ فتح کر لیا ہو۔

یہ بات کبھی نہیں بھلائی جا سکتی کہ مسلمانوں کی یہ فتوحات عارضی اور وقتی نہیں تھیں۔ بلکہ مسلمانوں نے ہزاروں برس تک ان مفتوحہ ممالک پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے۔ اسپین اور پرتگال کو چھوڑ کر آج

بھی دنیا کے ہر حصہ میں مسلمانوں کی یہ حکومتیں تھوڑے سے ردوبدل کے بعد نہ صرف قائم ہیں بلکہ ان میں انڈونیشیا جیسی جدید اسلامی حکومتوں کا مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ یعنی آج بھی دنیا میں جتنی اسلامی حکومتیں دکھائی دے رہی ہیں وہ رب کی سب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، جوشِ عمل اور مجاہدینِ اسلام کے کارناموں کی زندہ مثالیں ہیں۔

رسولِ مقبول صلعم کی قائم کردہ وہ آزاد اسلامی حکومت جس نے اپنے جنگی کارناموں سے ساری دنیا میں تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ اس کے قیام کے لیے شہنشاہِ دوجہان کو بڑی صبر آزما مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کی داستان بے حد طویل ہے جسے آگے چل کر آپ پڑھیں گے۔ لیکن اس داستان سے بھی کہیں زیادہ اہم خود حضور اکرم کی ابتدائی زندگی کے درد انگیز حالات ہیں لہٰذا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس تاریخ کے ناظرین کو سب سے پہلے آقائے دوجہان کی مصائب سے لبریز مقدس سوانح حیات سے آگاہ کر دیا جائے۔ تاکہ اس تاریخ کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ سلطنت اسلامیہ کے بانی کی پاکیزہ زندگی کیا تھی۔ اور آپ نے کیسی سخت مشکلات کا مقابلہ کرنے کے بعد ایک طرف تو ایک فطری دین سے بنی نوعِ انسان کو مالا مال کر دیا اور دوسری طرف آپ نے ایک ایسی مضبوط اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کر دی کہ جس نے اپنے گھروں سے نکالے ہوئے بے سروسامان مسلمانوں کے سروں پر ساری دنیا کی بادشاہت کا تاج رکھ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم کی زندگی ایمان، صداقت اور حوصلہ مندی کا ایک بے مثال نمونہ ہے۔

سرکارِ دوعالم کا وطن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن مبارک جزیرہ نمائے عرب کا مشہور ترین شہر "مکہ" ہے۔ یہی وہ شہر ہے جس کی قدامت، عظمت اور بزرگی کی طرف قرآن کریم نے کئی جگہ اشارے کئے ہیں۔ ملک عرب کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد جب دنیا تباہ و برباد ہو گئی تو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام بن نوح نے دوبارہ اس ملک کو آباد کیا تھا۔ سام بن نوح کی اولاد میں "عرب" نامی ایک شخص ہوا ہے مؤرخوں کا خیال ہے کہ سام نے اسی کی نسبت سے اس ملک کا نام عرب رکھا تھا۔ اس ملک کے مشہور شہر دو ہیں ایک مکہ اور دوسرا مدینہ۔ ان دونوں مقدس شہروں کو محمد رسول اللہ صلعم کی حیات طیبہ اور اسلامی تاریخ سے بہت گہرا اور تاریخی تعلق ہے۔ یعنی مکہ کو تو یہ فخر حاصل ہے کہ وہاں آقائے دوجہان پیدا ہوئے۔ اور مدینہ اس لئے باعظمت ہے کہ مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد آپ نے وہاں سکونت اختیار کی اور پھر وہیں سے دین اسلام کو ساری دنیا میں پھیلایا۔ اور وہیں سب سے پہلے مملکت اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی۔

مکہ معظمہ کو آنحضرت کی ولادت سے پہلے بھی بہت بڑی عظمت حاصل تھی اس باعظمت شہر کے قیام کے بارے میں

تاریخ بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو مکہ میں بیت اللہ کے قریب زمزم کے مقام پر چھوڑ گئے تھے۔ جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پیاس کی شدت کی وجہ سے جب ان دونوں ماں بیٹوں کی حالت غیر ہونے لگی تو قدرت خداوندی سے چاہِ زمزم ظاہر ہوا۔ عرب جیسے خشک اور بنجر ملک میں کسی جگہ سے پانی کا نمودار ہو جانا چونکہ بہت بڑی نعمت تھی۔ اس لیئے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل اسی جگہ رہنے لگے۔ اور پھر چند روز کے بعد قبیلہ بنی جرہم کے کچھ لوگ حضرت ہاجرہ کی اجازت سے وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ آبادی بڑھنے لگی۔ اور اس شہر مکہ کی بنیاد پڑ گئی۔ کچھ مدت کے بعد حکم خداوندی سے اسی شہر مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔ جسے ان دونوں برگزیدہ حضرات کے زمانہ حیات ہی میں بہت بڑی عبادت گاہ کا درجہ حاصل ہو گیا اور کثرت سے لوگ دور دراز مقامات سے اس کی زیارت کے لیئے آنے لگے۔

رسول اکرم کا خاندان

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک بزرگ "قریش" نامی ہوئے ہیں جن کی اولاد قبیلۂ قریش کے نام سے مشہور ہے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ قبیلہ قریش کو نہ صرف مکہ میں بلکہ پورے ملکِ عرب میں غیر معمولی عزت اور شہرت حاصل تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے قریش چونکہ خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ اس لیئے سارے ملکِ عرب میں ان کو دینی اور دنیاوی پیشوا کا درجہ حاصل تھا گویا خاندان قریش کو ملک عرب میں وہی حیثیت حاصل تھی جو کسی شاہی خاندان کے افراد کو حاصل ہوا کرتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ملک عرب میں کسی خاص فرد یا خاندان کی بادشاہت تو تھی نہیں۔ اس لیئے دینی اور دنیاوی دونوں صورتوں میں خاندان قریش ہی سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ سب اسی خاندان کو اپنا حاکم اور رہنما تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ عرب کے سارے قبیلے اور سردار خاندانِ قریش کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اور ان کے حکم کو ماننا اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ غرض کہ عرب کے مختلف قبیلوں میں جب کسی قسم کا جھگڑا ہوتا تھا تو قریش ہی کے باا‌ثر لوگ ان کا تصفیہ کرتے تھے۔

رسولِ اکرم کے خاندان کا کعبے سے تعلق

رسولِ اکرم کی پیدائش سے قبل عربوں کا مذہب بڑا عجیب و غریب تھا۔ جسے خدا پرستی اور بت پرستی کا مجموعہ سمجھنا چاہیئے۔ عربوں کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو وہ نمازیں پڑھتے تھے روزے رکھتے تھے۔ حج کرتے تھے اور خدا کو مانتے تھے لیکن دوسری جانب وہ بتوں کی پرستش بھی ضروری خیال کرتے تھے۔ ان کا

عقیدہ تھا کہ وہ بتوں کے ذریعہ ہی خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت لاکر رکھ دیئے تھے۔ گویا انہوں نے دین ابراہیمی اور بت پرستی کو ملاکر ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا تھا۔

اس عجیب وغریب مذہب کی رہنمائی بھی خاندان قریش ہی کر رہا تھا۔ یہ خاندان چونکہ صدیوں سے خانہ کعبہ کا متولی چلا آرہا تھا اس لیئے جب خانہ کعبہ بت خانہ بن گیا تو اس وقت بھی قریش بدستور اس کے متولی رہے۔

خاندان رسالت کے عربوں پر احسانات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں ایسے بہت سے حضرات موجود تھے جن کو عربوں کی خوشحالی اور ترقی کا اکثر خیال رہا کرتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں عربوں کو تفوق حاصل ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم ابن عبد مناف جب مکہ کے حاکم اور خانہ کعبہ کے متولی قرار دیئے گئے تو انہوں نے حبش، یمن اور شام سے سلسلہ تجارت شروع کر کے اپنے ملک کو خوب خوشحال بنا دیا۔ ان کے اثر اور رسوخ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے قیصر روم کی سلطنت میں اور شاہ حبش نجاشی کی حکومت میں قریش کے تجارتی مال کو سرکاری ٹیکس سے مستثنیٰ کرا دیا تھا۔

ہاشم ابن عبد مناف کے انتقال کے بعد جب آنحضرت کے دادا حضرت عبد المطلب مکہ کے حاکم اور خانہ کعبہ کے متولی قرار دیئے گئے تو ان کے چچازاد بھائی امیہ نے ان کی سخت مخالفت کی۔ یہ مخالفت صرف اس لیئے کی گئی تھی کہ امیہ چاہتے تھے کہ عبد المطلب کے بجائے مجھے کعبہ کا متولی اور مکہ کا حاکم تسلیم کر لیا جائے۔ لیکن عرب کے مقتدر قبائل چونکہ رسول اللہ کے دادا حضرت عبد المطلب کے حامی تھے۔ اس لیئے وہی سردار منتخب ہوئے اور امیہ کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا جس کی وجہ سے خاندان امیہ آخر وقت تک رسول اللہ صلعم کے خاندان بنی ہاشم کا دشمن بنا رہا۔

حضرت عبد المطلب سنہ ۵۲۰ء سے لے کر ۵۷۸ء تک خانہ کعبہ کے متولی اور مکہ کے حاکم رہے اور ان کے دور تولیت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عربوں کو اس خانہ جنگی کی لعنت سے نجات دلائی جو صدیوں سے انہیں تباہ کر رہی تھی۔ اور جس کی وجہ سے دوسری قوموں کے مقابلہ میں ان کو بہت ہی حقیر سمجھا جاتا تھا عبد المطلب نے اپنی انتھک کوششوں سے ان سب کو متحد کر کے ایک مضبوط طاقت بنا دیا۔ انہوں نے انتہائی تدبر اور ہوشمندی سے کام لے کر ملک عرب کو ان تمام بیرونی حملہ آوروں سے بچا لیا جو عربوں کی خانہ جنگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر وقتاً فوقتاً اس ملک پر حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب شمال سے رومی عیسائیوں نے، مشرق سے ایرانیوں نے اور جنوب سے حبشیوں نے عرب پر حملے کیئے تو حضرت عبد المطلب کی سرکردگی میں تمام عرب قبائل نے متحد ہو کر ان حملہ آوروں کو ایسے دنداں شکن جواب دیئے کہ ان کے سارے حوصلے پست ہو گئے اور اس کے بعد بیرونی طاقتیں

عربوں پر حملہ کرنے کی جرأت باقی نہیں رہی۔

آنحضرتؐ کے والد محترم اور والدہ محترمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے تیرہ بیٹے تھے۔ اور چھ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ حضرت عبداللہؓ۔ حضرت ابوطالبؓ۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت حمزہؓ۔ ضرارؓ۔ حارثؓ۔ جحلؓ۔ مقومؓ۔ غیداقؓ۔ قثمؓ۔ زبیرؓ۔ عبدالکعبہؓ۔ ابولہبؓ۔ اور بیٹیاں یہ تھیں۔ صفیہؓ۔ عاتکہؓ۔ اروٰیؓ۔ ام حکیمؓ۔ برۃؓ۔ امیمہؓ۔

نبی اکرمؐ کے والد محترم حضرت عبداللہ عبدالمطلب کے تمام بیٹوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور ہوشیار تھے کہتے ہیں کہ چاہ زمزم عرصے سے لاپتہ تھا حضرت عبدالمطلب کو اس کنویں کی بڑی تلاش تھی۔ آخر آپ نے منت مانی کہ اگر چاہ زمزم مل گیا تو میں اپنے جوان بیٹوں میں سے ایک بیٹا قربان کروں گا۔ آخر آپ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے۔ اور چاہِ زمزم مل گیا۔ حضرت عبدالمطلب اپنے دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں گئے اور خادم کعبہ سے ان بیٹوں کے نام قرعہ ڈلوایا۔ اتفاق سے قرعہ عبداللہ کے نام نکلا اور حضرت عبدالمطلب ان کو قربان گاہ کی طرف لے کر جانے لگے۔ لیکن خاندانِ قریش کے سربرآوردہ لوگوں نے مخالفت کی اور کہا ہم ایسے نوجوان خوبصورت اور لائق بیٹے کو قربان کرنے کی کبھی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اس معاملہ میں عرافہ نامی کاہنہ سے مشورہ کیا جائے اور جو وہ کہے وہی کیا جائے جب یہ لوگ اس کاہنہ کے پاس آئے تو اس نے مشورہ دیا کہ حضرت عبداللہ کے نام کے ساتھ دس اونٹ ذبح کرنے کا قرعہ ڈالا جائے۔ اگر قرعہ پھر بھی حضرت عبداللہ کے نام کا نکلے تو پھر دس اونٹ کا اضافہ کر کے اس وقت تک کیا جائے جب تک کہ قرعہ اونٹوں کے نام پر نہ نکل آئے۔ کاہنہ کے مشورہ کے مطابق پھر قرعہ ڈالا گیا۔ تو مسلسل نو مرتبہ حضرت عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا لیکن دسویں مرتبہ اونٹوں کے نام پر قرعہ نکل آیا جس کے بعد سو اونٹ فدیہ کے طور پر ذبح کئے گئے۔ اور حضرت عبداللہ قربانی سے بچ گئے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خاندانِ قریش کو حضرت عبداللہ سے کس درجہ محبت تھی۔ اور انہوں نے حضرت عبداللہ کی جان بچانے کے لئے بروقت مداخلت کر کے ایک ایسی مثال قائم کر دی جس کی نظیر کسی دوسرے قبیلہ میں ملنا ناممکن ہے۔

قربانی سے نجات پانے کے بعد ۲۴ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ سے ہوگئی حضرت آمنہ خاندانِ قریش کے ایک سردار وہب بن مناف کی نہایت پاکیزہ صورت اور ہونہار صاحبزادی تھیں۔

رسولِ اکرمؐ کی پیدائش اور والد کا انتقال

حضرت عبداللہ کی شادی کو ابھی چند روز ہی ہوئے تھے کہ آپ کو ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ بغرض تجارت شام جانا پڑا۔ جب آپ شام سے واپس ہوئے تو راستہ ہی میں بیمار ہوگئے آخر جس طرح ہو سکا آپ مدینہ

تک پہنچے۔ اور مدینہ میں اپنے رشتہ داروں کے پاس ٹھہر گئے۔ چونکہ بیماری شدید تھی اس لئے آپ نے فوراً مکہ میں اپنے والد کو اطلاع کر دی۔ آپ کی بیماری کی خبر جب مکہ میں پہنچی تو حضرت عبدالمطلب نے فوراً اپنے ایک بیٹے حارث کو مدینہ روانہ کر دیا تاکہ حارث آپ کو اپنے ساتھ مکہ لے آئیں لیکن حارث ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ کا عین عالم جوانی میں پچیس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت آپ کی شادی کو فقط ایک سال ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ کا مزار مدینہ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ کے انتقال کے وقت حضرت آمنہ حاملہ تھیں۔ گویا رسول اللہ صلعم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ آپ اپنے والد کی وفات کے دو ماہ بعد ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ آپ کے پیدا ہوتے ہی ایک نور ظاہر ہوا جس سے سارا ملک روشن ہو گیا۔ ولادت کے فوراً ہی بعد آپ نے سجدہ کیا اور اپنا سر آسمان کی جانب اٹھا کر فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ جب آپ پیدا ہوئے تو ساری زمین لرز گئی۔ دریائے دجلہ اس قدر اُمڈا کہ اس کا پانی کناروں سے ابلنے لگا۔ زلزلہ سے کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش پرستوں کے آتش کدے جو ہزاروں برس سے روشن تھے خود بخود بجھ گئے۔ آپ ناف بریدہ اور ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت موجود تھی۔ جس پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا۔

رسول اکرم کا بچپن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت تندرست پیدا ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے بچوں کے مقابلہ میں آپ کے جسم میں بڑھنے کی قوت زیادہ موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ تین مہینے کے ہوئے تو کھڑے ہونے لگے۔ جب سات مہینے کے ہوئے تو چلنے لگے۔ اور ایک سال کی عمر میں تو آپ تیر کمان لیئے بچوں کے ساتھ خوب چلتے۔ اور ایسی باتیں کرتے تھے کہ سننے والوں کو آپ کی عقل مندی پر حیرت ہوتی تھی۔ اور کچھ سمجھدار لوگوں کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ آگے چل کر بڑے بڑوں کی راہنمائی کرے گا۔

آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے شرفائے عرب کے دستور کے مطابق آپ کی پیدائش کے چند روز بعد ہی آپ کو قبیلہ بنی سعد کی ایک خاتون حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا تھا۔ کہ وہ آپ کو بطور دایہ دودھ پلائیں اور پرورش کریں۔ شرفائے عرب کا یہ عام دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دیہات کی بدوی عورتوں کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ جنگل کی کھلی ہوا میں رہ کر بچے تندرست اور خوب مضبوط ہو جائیں نیز ان کی زبان بھی زیادہ فصیح اور عمدہ ہو جائے کیونکہ اس زمانہ میں بدویوں کی زبان شہریوں کی زبان کے مقابلہ میں زیادہ صاف اور فصیح ہوتی تھی۔ حلیمہ سعدیہ سال میں دو مرتبہ رسول اللہ صلعم کو مکہ لا کر آپ کی والدہ آمنہ اور آپ کے دادا عبدالمطلب سے ملا جاتی تھیں۔ آپ چار سال تک حلیمہ سعدیہ کی زیر نگرانی پرورش پاتے رہے۔ حلیمہ سعدیہ

کے گاؤں میں آپ جب تک رہے اس علاقہ کے کنویں اور چشمے کبھی خشک نہ ہوئے کھیت برابر سرسبز اور شاداب رہے اور آپ کی ذاتِ بابرکت کی وجہ سے حلیمہ سعدیہ کی کھیتی اور جانوروں میں ایسی ترقی ہوئی کہ قبیلہ میں سب سے زیادہ خوش حال بھی جانے لگیں۔

حضرت آمنہ کا انتقال

رسولِ مقبول صلعم کی عمر جب چار برس کی ہوگئی تو آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو اپنے پاس ہی مکہ میں رکھ لیا۔ اور آپ حضرت آمنہ کی زیرِ نگرانی پرورش پانے لگے۔ دو برس کے بعد جب کہ رسول اکرم کی عمر چھ سال کی تھی آپ کی والدہ محترمہ آپ کو ہمراہ لے کر اپنے عزیز و اقارب سے ملنے نیز اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے مدینہ تشریف لے گئیں۔ ایک مہینہ رہ کر جب وہاں سے واپس ہوئیں تو دورانِ سفر ہی میں ابوا کے مقام پر ۶ھ میلادی (۵۷۶ء) میں حضرت آمنہ کا انتقال ہوگیا۔ اور آپ ماں کے سایہ سے محروم ہو گئے۔ ام ایمن جن کو حضرت آمنہ اپنے ہمراہ مکہ سے مدینہ لے گئیں تھیں آپ انہیں کے ہمراہ مکہ واپس تشریف لائے۔

حضرت آمنہ کی رحلت کے بعد آپ کی پرورش کے فرائض حضرت عبدالمطلب انجام دینے لگے۔ لیکن دو سال کے بعد جب آنحضرت کی عمر آٹھ سال کی تھی حضرت عبدالمطلب بھی ۵۷۸ء میں وفات پا گئے۔ آپ کے دادا نے اپنے انتقال سے پہلے ہی آپ کو اپنے بڑے بیٹے ابو طالب کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت ابو طالب کو اپنے پیارے بھتیجے سے بہت محبت تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی آپ کو تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو بھی اپنے ساتھ سلایا کرتے تھے۔ والد کی نصیحت انہوں نے کبھی فراموش نہیں کی۔ اور تمام زندگی بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش فرماتے رہے۔

رسول اللہ صلعم کی عمر جب بارہ سال کی ہوئی تو حضرت ابو طالب حسب معمول تجارتی قافلہ لے کر ملک شام جانے لگے تو آپ نے بھی ساتھ چلنے کے لئے ضد کی۔ ابو طالب بھلا یہ کیونکر گوارا کر سکتے تھے کہ پیارے بھتیجے کو مکہ میں تنہا چھوڑ جاتے چنانچہ آپ کو بھی ہمراہ لے لیا۔ یہ تجارتی قافلہ جب بصرہ پہنچا تو بحیرہ نامی عیسائی راہب نے آپ کو بغور دیکھ کر حضرت ابو طالب سے کہا کہ "آپ کا یہ بھتیجا نبی آخر الزمان ہے۔ اس میں وہ تمام علامتیں پائی جاتی ہیں جو توریت اور انجیل میں موجود ہیں۔ یہودی ان کے جانی دشمن ہیں۔ انہیں یہودیوں سے بچاؤ۔ مناسب ہے کہ تم ان کو آگے نہ لے جاؤ۔" حضرت ابو طالب کو راہب کی یہ باتیں سن کر بڑی فکر ہوئی اور آپ نے اپنا مال جلدی جلدی وہیں فروخت کر دیا اور اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ نفع ہوگا یا نقصان۔

جنگ میں شرکت

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابو طالب سے بہت محبت تھی چنانچہ قبیلہ قریش اور کنانہ و ہوازن کے قبیلوں کے درمیان عکاظ کے مقام پر ۵۸۸ء

میں جو جنگ ہوئی تھی۔ اس میں آپ اپنے قبیلۂ قریش کی طرف سے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔ یہ جنگ حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔ اس زمانہ میں آپ کی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس جنگ میں آپ نے صرف اس قدر حصہ لیا تھا کہ آپ اپنے چچا زبیر کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ رسول مقبول صلعم کے قبیلہ والوں کو اس جنگ میں شاندار فتح حاصل ہوئی۔

رسول اکرم صلعم کی جوانی

رسول اللہ صلعم تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے جب آپ جوان ہوئے تو آپ نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح تجارت ہی کو ذریعہ معاش بنایا، اور پھر مختلف تجارتی قافلوں کے ہمراہ قریب کے علاقوں میں مال تجارت لے کر آنے جانے لگے۔ آپ ابتدا ہی سے نہایت ہی ایماندار اور بے حد خوش معاملہ تھے۔ چنانچہ کاروباری معاملات میں آپ کی دیانت اور خوش معاملگی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ آپ نہ صرف مکہ میں بلکہ سارے عرب میں "صادق القول" اور "امین" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

اسی زمانہ میں مکہ میں حضرت خدیجہ نامی ایک مالدار بیوہ خاتون رہتی تھیں۔ یہ خاتون کافی مالدار تھیں۔ اور خاندانی پیشہ تجارت تھا چنانچہ شام عراق اور یمن کے ممالک سے ایک بڑے پیمانے پر تجارت کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے جب رسول اللہ صلعم کی امانت اور دیانت کی شہرت سنی تو اپنا سارا کاروبار آپ کے سپرد کر دیا۔ رسول اللہ صلعم کی اعلےٰ کارکردگی اور دیانت کی وجہ سے بی بی خدیجہ کو اس قدر فائدہ ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔

رسول اکرم کا حضرت خدیجہ سے نکاح

رسول اللہ صلعم کی دیانت، شرافت اور خوش معاملگی نے تو پہلے ہی بی بی خدیجہ کو مداح بنا دیا تھا۔ لیکن بی بی خدیجہ کے غلاموں اور کارکنوں نے جب ان سے آپ کے وہ معجزات بیان کئے جو انہوں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوران سفر میں دیکھے تھے تو وہ رسول اللہ صلعم کی اور بھی گرویدہ ہو گئیں۔ اور اس بات کی خواہش مند ہوئیں کہ رسول اکرم آپ سے نکاح فرمالیں۔

حضرت خدیجہ اس سے قبل دو نکاح کر چکی تھیں اور ان کے دونوں شوہر فوت ہو چکے تھے۔ ان کے حسن و جمال اور عقل و دانش کی بہت تعریف تھی۔ ان اوصاف کی بنا پر اکثر عمائد نے ان سے نکاح کی درخواست کی تھی۔ لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ مگر حضور کے اوصاف نے انہیں ایسا گرویدہ بنا دیا کہ وہ خود ہی اپنی لونڈی نفیسہ کے ذریعہ حضور کو نکاح کا پیغام دینے پر مجبور ہو گئیں۔ رسول مقبول صلعم نے اپنے چچا حضرت ابو طالب سے مشورہ کرنے کے بعد اس پیغام کو قبول کر لیا۔ اور اس طرح آپ کا حضرت خدیجہ کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ حضرت ابو طالب نے ۵۰۰ درہم مہر کے ادا کئے۔ اور نکاح کا خطبہ پڑھا۔ ایجاب و قبول حضرت خدیجہ کے چچا نے کرایا

نکاح کے وقت رسول اللہ صلعم کی عمر ۲۵ سال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ کے ساتھ آپ کو بے حد محبت تھی۔ نکاح کے بعد وہ پچیس سال تک زندہ رہیں۔ اور ۱۰ ارمضان ۱۰ نبوت میں انتقال کیا۔ حضرت خدیجہ کی زندگی میں رسول اللہ صلعم نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کے چار بیٹیاں اور تین بیٹے پیدا ہوئے۔ بیٹیوں کے نام یہ ہیں۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہ اور بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ قاسم۔ طیب۔ طاہر مگر یہ تینوں بیٹے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے اولاد کا سلسلہ صرف حضرت فاطمہ سے چلا

قبائل عرب میں غیر معمولی عزت

رسول اکرم اپنی شرافت، پاکبازی اور عام حسن اخلاق کی وجہ سے نہ صرف قبیلہ قریش میں بلکہ عرب کے جملہ قبائل میں بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، آپ کی دیانت، امانت۔ صداقت اور راستبازی کا سارے ملک میں شہرہ تھا۔ چنانچہ ملک عرب کے جملہ قبائل نے متفقہ طور پر آپ کو "صادق" اور "امین" کا خطاب عطا کر دیا تھا۔ یعنی آپ ہر جگہ صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

آپ نے اگرچہ کسی دنیاوی درسگاہ میں تعلیم نہیں حاصل کی تھی لیکن پھر بھی آپ محض فیضانِ الٰہی کی بنا پر علم، عقل اور سوجھ بوجھ کے معاملہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ اور نہایت ہی خوش مزاج تھے۔ آپ کا اخلاق نہایت ہی پاکیزہ تھا۔ دوست دشمن سب کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے تھے۔ لغویات کبھی منہ سے نہ نکالتے تھے حقوق کے فیصلہ کے وقت امیر، غریب، عزیز اور غیر میں کبھی کوئی امتیاز نہیں فرماتے تھے مساکین اور مظلوموں کے بہت بڑے ہمدرد تھے۔ بنی نوعِ انسان کی خدمت کے لئے ہر وقت سینہ سپر رہتے تھے۔ قرآن کریم نے آپ کی اسی صفت کے متعلق ارشاد فرمایا فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ آپ خدا کی رحمت سے بہت رقیق القلب واقع ہوئے ہیں۔ اگر آپ غلیظ القلب ہوتے تو کوئی بھی آپ کے گرد نہ ٹھہرتا۔

رسول مقبول صلعم کا سب سے پہلا قومی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ۵۹۱ء میں مظلومین کی امداد کے لئے ایک ایسی تحریک کو خوب ترقی دی جس کا مقصد یہ تھا کہ ملک سے بدامنی دور ہو۔ قتل و خون اور غارتگری سے ملک کو بچایا جائے۔ مظلوموں کی امداد کی جائے۔ ظالموں کو سزا دی جائے۔ غریبوں اور مسافروں کی امداد اور حفاظت کی جائے یہ تحریک تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔

رسول اکرم کی بے مثال دانشمندی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دانشمندی اور غیر معمولی عظمت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۳۵ ولادت میں جب خانہ کعبہ کی مرمت کے بعد سنگ اسود کے نصب کئے جانے کا وقت آیا اور اس پر

آپس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ تو جملہ قبائل کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکَم بنایا اور طے کیا کہ جو فیصلہ محمد (صلعم) کریں گے وہ ہمیں منظور رہے۔" اس جھگڑے کی تفصیل یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی دیواریں جا بجا سے شق ہوگئی تھیں۔ ان دیواروں کو گرانے کے بعد جب نئے سرے سے خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ سنگِ اسود کو کون نصب کرے۔ عرب کے مختلف قبائل کے سرداروں میں سے ہر سردار یہی چاہتا تھا کہ سنگ اسود کو خانہ کعبہ میں نصب کرنے کی عزت صرف اسی کو حاصل ہو۔ اس پر مختلف قبائل کی تلواریں میان سے نکل آئیں آخر یہ طے پایا جو شخص کل صبح سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو اسی کو ثالث بنالیا جائے۔ خدا کی قدرت کہ دوسرے دن سب سے پہلے داخل ہونے والے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ قریش نے جب آپ کو دیکھا تو سب نے بالاتفاق کہا کہ ہم محمد بن عبداللہ کو ثالث بناتے ہیں۔ یہ امین ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اب ضرور یہ جھگڑا طے ہو جائے گا آنحضرت نے واقعات معلوم کیے اور ایک اتنا بڑا جھگڑا جس پر عرب کے تمام قبائل کی تلواریں میان سے نکل چکی تھیں۔ اسے رسول مقبول صلعم نے ایسی آسانی کے ساتھ طے کر دیا کہ آپ کی دانشمندی کو دیکھ کر اس زمانہ کے بڑے سے بڑے دانش مند بھی حیران رہ گئے۔ اس قضیہ کو طے کرنے کے لیئے آپ نے ایک چادر بچھائی اس پر سنگ اسود کو اپنے ہاتھ سے رکھ دیا پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کے کنارے کو پکڑ لو اور اٹھاؤ۔ چنانچہ تمام سرداروں نے مل کر اس چادر کو اٹھا لیا جس میں کہ سنگ اسود رکھا ہوا تھا جب یہ سردار اس مقام پر جہاں سنگِ اسود نصب ہونا تھا اسے لے آئے تو رسول اللہ صلعم نے سنگِ اسود کو خود اٹھا کر رکھ دیا اور اس طرح آپ نے اپنی دانشمندی سے تمام سرداروں کو سنگِ اسود کے نصب کرنے میں شریک ہونے کا اعزاز ایک ساتھ عطا کر دیا۔ اور یہ بڑا ہنگامہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اور تمام قبائل کے سردار خوش ہوگئے۔

مال و متاع سے بے نیازی

رسول اللہ صلعم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ مال تجارت میں آپ کو جتنا بھی نفع ہوتا اس کا بیشتر حصہ رشتہ داروں۔ غریبوں مسکینوں یتیموں اور مسافروں کی امداد پر صرف کر دیتے تھے۔ آپ نے اپنی ضرورت سے زیادہ مال اپنے پاس کبھی نہیں رکھا۔ آپ کی اعزہ پروری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے جب دیکھا کہ آپ کے چچا ابو طالب عیالدار ہونے کی وجہ سے مالی اعتبار سے پریشان رہتے ہیں تو آپ نے ان کا بار ہلکا کرنے کے لیئے ان کے لڑکے حضرت علیؓ کو پرورش کے لیئے خود لے لیا۔ اور اولاد کی طرح ان کی پرورش و تربیت فرمائی

اسی طرح آپ غلاموں پر بھی بے حد مہربانی فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے غلام زید بن حارث کو آزاد کر دیا تھا۔ اور ان کے ساتھ اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ زید ایک معزز عیسائی خاندان سے تعلق

رکھتے تھے جو آزاد ہونے کے بعد مرتے دم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے۔ زید بن حارث کے علاوہ بھی آپ نے اپنے تمام دوسرے غلاموں کو آزاد کردیا تھا۔ جن کی تعداد چھبیس تیس کے قریب تھی۔

حسنِ سلوک کے معاملہ میں آپ کے سامنے مسلم اور غیر مسلم کا کوئی سوال نہ تھا۔ آپ ہر شخص کے ساتھ انتہائی نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ معذور اور مجبور عورتوں کا سودا تک بازار سے لادیتے تھے۔ راستہ میں لوگ آپ کا دامن پکڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور آپ ان کی باتیں بڑے اطمینان کے ساتھ سنتے تھے۔ ہر مظلوم اور مجبور کی امداد کے لئے آپ ہمیشہ مستعد نظر آتے ہیں۔ غرض کہ آپ کے اعلےٰ کردار دیانت، شفقت اور حسنِ سلوک کی بنا پر آپ کو سارے ملکِ عرب میں نبوت سے قبل بھی بے حد عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

عبادت اور نبوت

رسول مقبول صلعم کی عمر جب ۳۴ یا ۳۵ سال کی ہوگئی تو آپ زیادہ تر گوشہ نشینی کی زندگی گذارنے لگے۔ اور آپ کی طبیعت میں عبادتِ الٰہی کا شوق دن بدن بڑھنے لگا۔ آپ کے اکثر رشتہ دار اگرچہ بت پرستی کی لعنت میں مبتلا تھے لیکن آپ کو فطری طور پر بت پرستی سے نفرت تھی۔ خدائے واحد کی پرستش کا جذبہ آپ کے قلب میں روزِ اول ہی سے موجود تھا۔ لہٰذا آپ کا زیادہ تر وقت عبادتِ الٰہی اور رموزِ خداوندی کے سمجھنے میں صرف ہونے لگا۔ چالیس سال کی عمر کے قریب تو آپ کا یہ مستقل دستور ہوگیا کہ آپ مکہ کے تین میل کے فاصلے پر غارِ حرا میں چلے جاتے اور وہاں کئی کئی دن تک مسلسل عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے یہاں تک کہ آپ کو آثارِ نبوت کی روشنی اور چمک دکھائی دینے لگی اور سچے خواب نظر آنے لگے۔

نبی اکرم کی عبادت و ریاضت جب اوجِ کمال پر پہنچ گئی اور وہ تمام روحانی قوتیں جو خدائے تعالےٰ نے آپ کی فطرت میں ودیعت فرمائی تھیں عبادت و ریاضت کی کثرت سے اچھی طرح ابھر آئیں اور آپ میں نبوت کی گراں قدر ذمہ داری سنبھالنے کی پوری طرح اہلیت اور صلاحیت پیدا ہوگئی تو خدائے عزوجل نے حضرت جبرئیل امین کو آپ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کئے جانے کا پیغام سنادیں۔ چنانچہ ایک روز جب کہ آپ حسبِ معمول غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے۔ حضرت جبرئیل انسانی شکل میں آپ کے سامنے آئے اور آپ کو ایک ریشمی کپڑا دکھایا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور قرآن پاک کی آیت "اقرأ" لکھی ہوئی تھی اور آپ سے کہا کہ "پڑھیئے" آپ نے جواب دیا کہ "میں پڑھنا نہیں جانتا" حضرت جبرئیل نے آپ کو پہلو میں لے لیا اور دو مرتبہ زور آہستہ سے دبایا جس سے آپ کے دل و دماغ میں علومِ ظاہری و باطنی کا بے پایاں سمندر

فیضانِ الٰہی سے موجزن ہوگیا۔ اور آپ قدرتِ الٰہی سے پڑھنے لگے جب آپ سورہ اقرا پڑھ چکے تو حضرت جبرائیل نے آپ سے عرض کیا۔ "اے محمدؐ" میں اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔ میرا نام جبرائیل ہے۔ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو یہ بشارت سنا دوں کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے منصب نبوت پر سرفراز کیا ہے۔ یہ واقعہ ۲ فروری ۶۱۱ء کو ظہور میں آیا تھا جب کہ آنحضرت کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد وقتاً فوقتاً وحی کی صورت میں آپ پر قرآن پاک نازل ہوتا رہا جس میں کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے مکمل دستور العمل موجود ہے۔ اس موقعہ پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے۔ کہ منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد صرف دو رکعت نماز مسلمانوں پر فرض تھی۔ لیکن معراج کے بعد مسلمانوں پر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوگئیں۔

تبلیغ اسلام

نزولِ وحی کے بعد آپ نے اسلام کی دعوت سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کی۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں۔ اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضور صلعم کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثؓ نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ جو آپ کے بچپن کے ساتھی اور گہرے دوست تھے مسلمان ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کے سب حضرت رسولِ اکرم کے گھر کے آدمی تھے جو آپ کی اندرونی حالت سے بخوبی واقف تھے۔ ان گھر کے رازداروں کا سب سے پہلے آپ پر ایمان لانا آپ کی صداقت اور راست بازی کا ناقابلِ انکار ثبوت ہے۔

حضرت ابوبکرؓ مالدار ہونے کے علاوہ چونکہ مکہ میں بہت با اثر تھے۔ اس لیے آپ کے اسلام میں داخل ہونے سے بے حد فائدہ پہنچا۔ چنانچہ حضرت عثمان بن عفانؓ۔ حضرت طلحہؓ بن زبیر۔ حضرت سعد بن وقاصؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب و کوشش سے اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ اسلام قبول کرنے سے قبل بھی اپنی سچائی اور دیانت کے لئے مکہ میں بے حد مشہور تھے۔ اور آپ کو فطری طور پر بت پرستی سے لگاؤ نہ تھا۔ غرضیکہ اسلام رفتہ رفتہ مکہ میں پھیلنے لگا۔ حضرت خباب بن ارتؓ۔ عمار بن یاسرؓ۔ سعید بن زیدؓ عبداللہ بن مسعودؓ۔ عثمان بن مظعون۔ ابوعبیدہ بن جراحؓ۔ صہیبؓ اور ارقمؓ جیسے بلند پایہ حضرات بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ رسول اللہ صلعم برابر تین سال تک اسلام کی دعوت خفیہ طریقہ پر لوگوں کو دیتے رہے۔ ان تین سال میں مسلمانوں کی تعداد صرف انتالیس تک پہنچ سکی تھی۔

بت پرستی کی علانیہ مخالفت

نبوت کے چوتھے یعنی ۴۴ میلادی ۶۱۳ء میں جب رسول اللہ صلعم کو اللہ جل شانہٗ کی جانب سے حکم ملا کہ وہ کھلم کھلا لوگوں کو دینِ اسلام کی دعوت دیں تو آپ نے کفار اور مشرکین کی مخالفت اور طاقت کی پرواہ کئے بغیر کھلم کھلا خدا پرستی

کے حق میں اور بت پرستی کے خلاف علانیہ تبلیغ شروع کر دی۔

ایک روز آپ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر توحید باری کی تعلیم دینے کی غرض سے یا معشر القریش کہہ کر آواز دی جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے۔ تو کیا تم یقین کرو گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر جواب دیا کہ "ہم ضرور یقین کریں گے۔ کیونکہ ہم نے تمہاری زبان سے بجز سچ کے کبھی کوئی جھوٹ کی بات نہیں سنی۔" اس پر آپ نے فرمایا کہ "اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو پھر میں کہتا ہوں کہ اگر تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا"

عرب کی وہ قوم جو صدیوں سے بت پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی اسے رسول مقبول صلعم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات سخت ناگوار گذرے چنانچہ سب لوگ ناراض ہو کر واپس چلے گئے۔ عرب کے جملہ قبائل رسول اللہ صلعم کی صداقت اور سچائی کے معترف ضرور تھے اور ان کے دلوں میں حضور صلعم کی عزت بھی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ کہ کوئی شخص ان کے بتوں کو برا کہے اور ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرے۔

اس واقعہ کے چند دنوں کے بعد آپ نے ایک دعوت کا انتظام کیا۔ اور اپنے تمام قرابت داروں کو جمع کر کے فرمایا کہ۔ "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا کی نعمتوں سے تمہیں مالا مال کر دے گی۔ اے لوگو! اس بارِ گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا" آپ کا یہ ارشاد سن کر کوئی کچھ نہ بولا۔ سب خاموش رہے۔ صرف حضرت علیؓ جو بہت کم سن تھے اٹھے اور آپ سے جواب دیا کہ "اگرچہ مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے۔ میری ٹانگیں کمزور ہیں میں نوعمر بھی ہوں مگر پھر بھی میں آپ کا ساتھ دوں گا" حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر سب کے سب مذاق اڑاتے ہوئے اٹھ کر چل دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت نے تبلیغ کے کام کو اتنا پھیلا دیا کہ بھرے جلسوں میں۔ عام تقریبوں میں۔ پرائیویٹ صحبتوں میں غرضکہ جہاں بھی رسولِ اکرم کو موقعہ ملتا تھا آپ تبلیغ اور اشاعت اسلام کی برابر کوشش فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ آپ پر پھبتیاں کسی جاتی تھیں۔ لیکن آپ برابر اپنے کام کو انجام دیئے جاتے تھے۔

رسول اکرم کی شدید مخالفت

کفار مکہ شروع شروع میں تو رسولِ اکرم صلعم کی تبلیغی سرگرمیوں کو غیر اہم خیال کرتے ہوئے برداشت کرتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضورِ انور نے باقاعدہ ان کے آبائی مذہب یعنی بت پرستی کے خلاف جہاد شروع کر دیا ہے تو ان کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب نبی محترم نے خاص حرم کعبہ میں یعنی بت خانہ میں جا کر بت پرستی کی مخالفت کی اور نعرۂ توحید بلند کیا تو کفارِ مکہ آپے سے باہر ہو کر حضور اکرم پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ حارث بن حالہ اسی ہنگامہ میں آنحضرت کے بچانے کی کوشش میں شہید ہو گئے تھے۔ حارث پہلے شخص تھے جن کا

خون راہِ خدا میں اسلام کی خاطر زمین پر گرا۔ مختصر یہ کہ کفارِ مکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے آپس میں مشورے شروع کر دیئے۔

کفارِ مکہ کا اب اس کے سوا اور کوئی کام نہ تھا کہ وہ رسولِ مقبول کے خلاف رات دن سازشیں کرتے رہیں اور رسول اللہ صلعم کے ساتھیوں کو توڑ کر آپ کو بالکل بے یار و مددگار بنا دیں۔ رسولِ مقبول صلعم کے سب سے بڑے سرپرست ان کے چچا حضرت ابو طالب تھے۔ اور چونکہ ابھی تک انہوں نے بظاہر اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا۔ اس لئے مکہ والوں نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ مذہب کے نام پر چچا کو بھتیجے کے خلاف مشتعل کر کے رسول اللہ صلعم کو بالکل بے یار و مددگار بنا دیا جائے۔ لیکن اس کوشش میں جب کفارِ مکہ کو ناکامی ہوئی تو وہ حضرت ابو طالب کے بھی دشمن ہو گئے۔ اور انہوں نے حضرت ابو طالب کو دھمکی دی کہ "یا تو اپنے بھتیجے کی حمایت سے کنارہ کش ہو جاؤ ورنہ پھر مقابلہ کے لئے میدان میں آ جاؤ۔"

حضرت ابو طالب نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے زیادہ نازک صورت کرتا جا رہا ہے۔ تو آپ نے بھتیجے سے کہا کہ "بیٹا اپنے کمزور چچا پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ اٹھا نہ سکے۔ باپ دادا کے پرانے مذہب کو برا کہہ کر اس طرح ساری قوم کو اپنے اور اپنے چچا کا دشمن نہ بناؤ۔" اپنے مہربان اور سرپرست چچا کی زبان سے یہ الفاظ سن کر رسولِ اکرم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب آپ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ آپ نے چچا سے کہا کہ "عمِ محترم خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور مہتاب لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ تم اسلام کی تبلیغ بند کر دو تب بھی میں اپنے فرض کو اس وقت تک ترک نہیں کروں گا۔ جب تک کہ یا تو کامیاب نہ ہو جاؤں یا اس راہ میں میرا خاتمہ نہ ہو جائے اگر آپ بھی مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں تو چھوڑ دیجئے" اللہ کے رسول نے یہ جملے ایسے عزمِ راسخ کے ساتھ کہے کہ حضرت ابو طالب کے دل پر بے حد اثر ہوا اور آپ نے کہا اے میرے بھتیجے جاؤ اور جو بات تم کو محبوب ہے آزادانہ طور پر کہو۔ خدا کی قسم میں کبھی تمہیں دشمنوں کے حوالہ نہیں کروں گا۔

لالچ دینے کی کوشش

کفارِ مکہ کے لئے یہ چیز بڑی تعجب انگیز تھی کہ رسولِ اکرم طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں لیکن پھر بھی اپنے ارادہ سے باز نہیں آتے۔ جب انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ دھمکیوں اور سختیوں سے کام نہیں چلے گا تو حضور اکرم کو بڑے سے بڑا دنیاوی لالچ دینے کی کوشش کی گئی۔ کفارِ مکہ کو یقین تھا کہ ان کی یہ ترکیب ضرور کامیاب ثابت ہو گی۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ نے عمائدین مکہ کی طرف سے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "اے میرے بھتیجے محمد ہم تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرنے آئے ہیں۔ امید ہے کہ تم اسے ضرور قبول کر لو گے۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اگر اس سے تمہارا مقصد مال و دولت جمع کرنا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اتنی

دولت فراہم کر دیں گے کہ نہ صرف تم مالا مال ہو جاؤ گے۔ بلکہ ہم میں سے کسی کے پاس بھی اتنی دولت نہ نکل سکے گی۔ اگر تمہیں عزت کی ضرورت ہے۔ تو ہم تم کو اپنا سردار مانے لیتے ہیں۔ اگر تمہیں حکومت کی خواہش ہے تو ہم تم کو عرب کا امیر اور بادشاہ بنائے دیتے ہیں۔ اور وعدہ کرتے ہیں کہ کوئی کام کبھی بھی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں کریں گے اور اگر تمہیں کسی عورت کی ضرورت ہے تو ہم خوبصورت سے خوبصورت عورت تمہارے لئے فراہم کر دیں گے۔ یا اگر کوئی حسین و جمیل عورت آپ پسند کر چکے ہیں تو وہ بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ ہم سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ تم ہمارے معبودوں اور دیوتاؤں کی مخالفت ترک کر دو۔"

عتبہ بن ربیعہ کو پوری امید تھی کہ رسول اکرم ہماری اس شاندار پیش کش کو ضرور قبول کر لیں گے۔ لیکن جب اس نے حضور کا جواب سنا تو وہ حضور کی بے لوثی اور حق پرستی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حضور نے اس پیشکش کے جواب میں فرمایا کہ جو کچھ تم نے پیش کیا ہے ان میں سے کسی ایک چیز کی بھی تمنا نہیں رکھتا۔ مجھے مال، عزت دولت، حکومت اور عورت کوئی چیز بھی درکار نہیں" اور یہ فرمانے کے بعد آپ نے سورۂ حٰم کی چند آئتیں تلاوت فرمائیں۔ جن میں خدا کی وحدانیت کا ذکر تھا۔ عتبہ نہایت غور کے ساتھ ان آیتوں کو سنتا رہا۔ رسولِ اکرم کے اعلائے کلمۃ الحق اور ان آیتوں کا اس کے قلب پر بے حد اثر پڑا۔ اس نے جا کر عمائدین مکہ سے کہا کہ اے شرفائے عرب محمدؐ نے تمہاری پیش کش کی جانب توجہ تک نہیں کی۔ میری رائے ہے کہ ان کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دینا چاہیئے۔ عمائدین مکہ نے عتبہ کو شبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ تم پر بھی محمدؐ کا جادو چل گیا

ظلم و ستم کی ابتدا

کفارِ مکہ کی یہ آخری تدبیر بھی جب ناکام ہو گئی تو ان کا غیظ و غضب انتہا کو پہنچ گیا۔ انہوں نے آقائے دوجہاں اور آپ کے ماننے والوں پر ایسے ایسے ظلم و ستم کرنے شروع کئے جن پر انسانیت رہتی دنیا تک شرماتی رہے گی۔

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صحنِ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کافر نے آپ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر ایسی بے دردی سے کھینچا کہ آپ کا دم گھٹنے لگا۔ اسی طرح ایک دن آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ کفار نے آپ پر سنگ باری کر کے بری طرح زخمی کر دیا۔ ایک مرتبہ آنحضرت خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کافر نے آپ کی پشت پر غلاظت کا ڈھیر لا کر ڈال دیا۔ غرضکہ کفارِ مکہ کو جب بھی موقعہ ملتا وہ حضور کو سخت سے سخت اذیت پہنچائے بغیر باز نہیں آتے تھے۔

رسول مقبول صلعم کے علاوہ آپ کے ماننے والوں پر بھی وہ ظلم و ستم کئے گئے جن کے تصور سے بھی کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ رسولِ اکرم کے محبوب صحابی اور مؤذن حضرت بلال حبشیؓ کو ٹھیک دوپہر کے وقت جب کہ عرب کی ریگستانی زمین آگ کی طرح تپتی ہے گرم ریت پر لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔

پھر ان کے گلے میں رسی ڈال کر گرم ریت پر گھسیٹا جاتا تھا۔ اور ان سے کہا جاتا تھا کہ اسلام چھوڑ دو مگر حضرت بلال نے ہر مصیبت برداشت کی مگر اسلام نہیں چھوڑا۔ خباب بن ارت کو ہاتھ پاؤں باندھ کر گرم ریت پر ڈال دیا جاتا تھا۔ اور گرم لوہے سے ان کی پشت کو داغا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں اتنا مارا گیا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت یاسر نے جب اسلام قبول کیا تو ابوجہل نے ان کو پہلے تو نہایت سنگدلی سے کلہاڑی سے زخمی کیا اور پھر ان کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ حضرت عمار کی والدہ سمیہ کے برچھیاں مار مار کے کہا گیا کہ اسلام ترک کر دو۔ جب انہوں نے اسلام ترک نہ کیا تو ان کا کام تمام کر دیا گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر جب اسلام لائے تو ان کے رشتہ داروں نے انہیں اس قدر مارا کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان بن عفان نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے قرابت داروں نے انہیں بے حد پریشان کیا اور پھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ حضرت زبیر بن عوام جب مسلمان ہوئے تو ان کے چچا نے پہلے تو رسی سے باندھ کر خوب مارا۔ اس کے بعد چٹائی میں لپیٹ کر دھمکی دی کہ یا تو اسلام ترک کر دو ورنہ ابھی جلا ڈالوں گا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال کو ذرہ برابر بھی جنبش نہ ہوئی۔ غرضکہ جتنے مسلمان تھے ان پر سخت سے سخت مظالم کئے گئے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں نے جانیں دے دیں لیکن اسلام کو ترک نہ کیا۔ رسولِ اکرم اپنے جان نثاروں کی اس تکلیف کو بڑی بے چینی سے دیکھ رہے تھے اور غور کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے لئے کوئی نجات کا راستہ نکالا جائے۔

ہجرت حبش

کفارِ مکہ کے مظالم اور بربریت حد سے زیادہ بڑھ گئی اور مسلمانوں کے لئے مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا تو رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہجرت کر کے حبش چلے جائیں اس زمانہ میں حبش کا بادشاہ نجاشی تھا۔ جو ایک نہایت ہی نیک دل اور انصاف پسند مسیحی حکمران تھا۔ رسول مقبول صلعم کے اس حکم کے بعد اسلام کا ایک چھوٹا سا قافلہ جس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ۵؁ میلادی (۶۱۴؁ء) میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش جا پہنچا۔

کفارِ مکہ کو جب معلوم ہوا کہ کچھ مسلمان ہجرت کر کے حبش چلے گئے ہیں اور وہاں کی حکومت نے ان کی آمد پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تو انہیں بڑی فکر ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مسلمان حبش کے لوگوں کو مسلمان بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور اس طرح یہ مکہ سے باہر بھی طاقت حاصل کر لیں چنانچہ انہوں نے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو بہت سے قیمتی تحائف دے کر شاہِ حبش نجاشی کے پاس روانہ کیا تاکہ یہ دونوں عرب سردار حبش کے بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف جا کر بھڑکائیں۔ چنانچہ انہوں نے حبش پہنچ کر شاہِ حبش سے گذارش کی کہ چند عربوں نے ایک ایسا نیا مذہب اختیار کر لیا ہے جو مسیحیت اور عربوں کے پرانے دین کے بالکل خلاف ہے یہ لوگ آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ آپ کے ملک کے باشندوں کو بھی مسیحیت

کے خلاف ورغلائیں۔ اس لئے ہم کو رؤسائے مکہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ہماری درخواست ہے کہ ان کو ہمارے حوالے کر دیا جائے تاکہ ہم ان کو واپس لے جائیں۔ اور آپ کا ملک اس فتنہ سے محفوظ رہے۔

عرب نمائندوں نے مسیحت اور اسلام کا فرقہ وارانہ سوال اٹھا کر مسلمانوں پر بڑا سخت حملہ کیا تھا ان کو توقع تھی کہ جب شاہِ حبش سے یہ کہا جائے گا کہ دین اسلام مسیحت کے خلاف ہے تو وہ فوراً مسلمانوں کو حبش سے نکال دے گا۔ لیکن کفارِ مکہ کی بدقسمتی دیکھئے کہ جب شاہ حبش نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے نیز اسلامی تعلیم کے متعلق بھی چند سوالات کئے مسلمانوں میں حضرت جعفر ابن ابی طالب بھی موجود تھے وہ آگے بڑھے اور فرمایا۔ ہم لوگ جہالت میں پڑے ہوئے تھے نہ اللہ کو جانتے تھے نہ رسولوں سے واقف تھے۔ پتھروں کو پوجنا۔ مردار جانور کو کھانا۔ برے کام کرنا رشتہ داروں کو ستانا۔ کمزوروں پر ظلم کرنا۔ ان سب خرابیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ نے اپنا ایک رسول بھیجا جس کے نسب کو۔ اس کی سچائی کو۔ اس کی امانت اور پرہیزگاری کو ہم خوب جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اللہ کو ایک جانو۔ اور اس کی عبادت کرو۔ پتھروں کے بتوں کو مت پوجو۔ اس نے ہم کو برے کام کرنے سے منع کیا۔ ظلم وستم سے روکا۔ اور سچ بولنے اور محبت کرنے کا سبق پڑھایا۔ نماز۔ روزہ۔ صدقہ۔ خیرات کا حکم دیا۔ اچھے اخلاق سکھائے قرآن کی تعلیم دی۔ ہم نے اس کی تعلیم کو قبول کر لیا۔ اور مسلمان ہو گئے۔ اور اس کی تعلیم پر عمل کرنا شروع کر دیا اس وجہ سے یہ ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ آخر ہمارے نبی نے ہم کو حکم دیا کہ ہم حبش چلے جائیں اور آپ کی پناہ لے لیں۔ شاہ حبش نے قرآن کی کچھ آیات بھی سنیں اور اس کا اتنا اثر ہوا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آخر بادشاہ نے کہا خدا کی قسم یہ کلام اور حضرت عیسےٰ والا کلام دونوں ایک ہی نور سے نکلے ہیں۔ اور اس کے بعد مکہ والوں کو واپس کر دیا۔ اور مسلمانوں سے کہا تم آرام سے رہو۔ میرے ملک میں جو تم کو ستائے گا اسے تاوان دینا پڑے گا۔ مکہ والوں کو بڑی ذلت کے ساتھ واپس آنا پڑا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

اسلام کی ہمہ گیری رفتہ رفتہ شرفائے مکہ کے دلوں کو تسخیر کرتی چلی جا رہی تھی جس کی وجہ سے کفارِ مکہ بیحد پریشان تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو سارے مکہ میں تہلکہ مچ گیا۔ حضرت عمرؓ جیسی مضبوط شخصیت کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد مسلمانوں میں نئی زندگی اور روح پیدا ہو گئی۔

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اپنی جگہ نہایت ہی دلچسپ ہے۔ قبولِ اسلام سے قبل حضرت عمرؓ اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے۔ حضرت عمرؓ کے خاندان کی ایک لونڈی لبینہ جب احد پر وہ مسلمان ہو گئی اور اس

کا علم حضرت عمرؓ کو ہُوا تو آپ نے اسے بہت مارا اور انتہائی زور دیا کہ وہ اسلام ترک کر دے لیکن اس نے اسلام ترک نہ کیا اس پر حضرت عمرؓ کو طیش آ گیا۔ اور آپ نے یہ طے کیا کہ رسول مقبول صلعم کو قتل کر دیا جائے تاکہ اسلام کا نام ہی مٹ جائے اور یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیئے ختم ہو جائے۔

حضرت عمرؓ غصہ میں بھرے ہوئے اور ہاتھ میں تلوار لیئے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی طرف جا رہے تھے کہ نعیم بن عبداللہ انہیں راہ میں ملے اور پوچھا۔ اے عمر کہاں جا رہے ہو۔ کہنے لگے محمد کو قتل کرنے کے لیئے۔ نعیم نے کہا محمدؐ کو بعد میں قتل کرنا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ کیونکہ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ پلٹے اور سیدھے بہن کے ہاں پہنچے تو وہ قرآن مجید پڑھ رہی تھیں۔ آپ کے جاتے ہی وہ خاموش ہو گئیں اور قرآن مجید کا جو حصہ آپ کے پاس تھا اسے چھپا دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو وہ اور بھی برافروختہ ہو گئے۔ اور انہوں نے بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا اور اسلام کے چھوڑنے پر زور دیا لیکن یہ دونوں جب اسلام سے نہ پھرے تو ان کی ہمت اور استقلال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نرم پڑ گئے اور انہوں نے خواہش کی کہ ان کو بھی قرآن مجید کی وہ عبارت سنائی جائے جسے کلام الٰہی بتایا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی نے پہلے تو تامل کیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے زیادہ زور دیا تو انہوں نے قرآن مجید کی عبارت پڑھ کر سنا دی۔ قرآن مجید کی عبارت سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اور آپ بے اختیار پکار اٹھے واقعی یہ کلام جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اور اسلام سچا مذہب ہے۔" اور آپ نے اسی وقت کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد اسلام قبول کر لیا پھر آپ آستانۂ نبوی پر حاضر ہوئے دروازہ پر دستک دی۔ صحابہ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا "عمر بن الخطاب" حضورؐ نے حکم دیا "دروازہ کھول دو"

دروازہ کھلا تو دیکھا حضرت عمرؓ شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ صحابہ نے چاہا کہ مزاحمت کریں اور ان کو داخل نہ ہونے دیں لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا "آنے دو۔ اگر خلوص کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔" حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے اور فرمایا "اے عمر کب تک ستاؤ گے؟" یہ سن کر حضرت عمرؓ رونے لگے۔ اور کہا "یا رسول اللہ میں ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے لیئے حاضر ہُوا ہوں" اور یہ کہہ کر باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے پر آپ نے بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اور آپ کے ساتھ ہی صحابہ کرام نے ایسے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ جس سے مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمانوں کی قوت کافی بڑھ گئی۔ اس سے قبل مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ وہ علانیہ اپنے مذہبی ارکان ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو ان کے لیئے قطعی ناممکن تھا لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد دفعتہً حالت بدل گئی۔ اب مسلمان کھلم کھلا مذہبی ارکان ادا کرنے

لگے اور نماز پڑھنے لگے۔ حضرت امیر حمزہؓ آنحضرت کے چچا تھے۔ اور حضرت عمرؓ سے چند روز پیشتر مسلمان ہوئے تھے۔

رسول اکرمؐ کا بائیکاٹ

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ سخت ترین رکاوٹوں کے باوجود اسلام برابر پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے برگزیدہ سردار بھی حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔ اور بیرونی ممالک کے بادشاہوں نے بھی مسلمانوں کو پناہ دینی شروع کر دی ہے تو انہوں نے رسول اللہ صلعم کے خاندان کو شدید مشکلات میں مبتلا کرنے کی غرض سے یہ طے کیا کہ:

"کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ تو قرابت پیدا کرے گا۔ اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کی خرید و فروخت کرے گا۔ اور نہ ان سے کسی قسم کا میل جول رکھے گا۔ اور نہ ان کے پاس اس وقت تک کھانے پینے کا سامان جانے دے گا جب تک کہ وہ محمدؐ کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں"۔

کفار کے اس عدم تعاون کے فیصلے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے لئے مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ آنحضرت کے چچا حضرت ابو طالب سارے خاندان کو لے کر "شعب ابی طالب" نامی اس احاطہ میں پناہ گزین ہو گئے جو مکہ کے قریب ایک پہاڑ میں واقع تھا۔ رسول مقبول صلعم کو تین سال تک اسی غیر آباد علاقہ میں زندگی گذارنی پڑی۔ یہ زمانہ اس خاندان کے لئے سخت ترین زمانہ تھا جب کہ اس خاندان کے افراد کو درختوں کے پتے کھا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے بھوک اور پیاس سے تڑپا کرتے تھے۔ تین سال کے بعد اللہ تعالٰے نے اپنا فضل فرمایا۔ عہد نامہ جو کعبہ کی دیوار پر لٹکایا گیا تھا اسے دیمک نے چاٹ لیا۔ مگر جہاں اللہ اور اس کے رسول کا نام تھا وہ جگہ باقی رہ گئی۔ اللہ تعالٰے نے بذریعہ وحی اس واقعہ کی خبر آنحضرت کو دی۔ آپ نے اپنے چچا ابو طالب سے بیان کیا۔ وہ مکہ میں آئے اور کافروں سے فرمایا کہ میرے بھتیجے نے خبر دی ہے کہ عہد نامہ دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ کافروں نے جب دیکھا تو واقعی بات درست تھی۔ آخر ان کو اپنی پابندیاں اٹھانا پڑیں۔ اور رسول اکرمؐ مع رشتہ داروں کے مکہ میں رہنے لگے۔

اسی زمانہ میں ایک تازہ پریشانی یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلعم کے سرپرست اور چچا ابو طالب جن سے کہ کفار مکہ دبتے تھے۔ سنہ ۵۱ میلادی دسمبر ۶۲۰ء میں رحلت فرما گئے۔ اور چند ہی روز بعد آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ جن سے کہ رسول اللہ صلعم کو بے حد محبت تھی انتقال فرما گئیں۔ انتقال کے وقت حضرت خدیجہ کی عمر ۶۵ سال تھی آپ نے ۲۵ سال رسول اللہ صلعم کی رفاقت میں زندگی گذاری۔

طائف کا سفر

آپ کے چچا حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد مکہ میں آپ کے خلاف اس قدر مخالفت بڑھی کہ آپ کا مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ آپ

اہل مکہ سے تنگ کر ۵۲ھ میلادی دسمبر ۶۲۱ء میں طائف روانہ ہو گئے۔ رسولِ مقبول صلعم کا خیال تھا کہ وہاں آپ کو امن مل جائے گا۔ لیکن وہاں مکہ سے بھی زیادہ مخالفت پائی گئی جب آپ طائف میں داخل ہوئے تو وہاں کے باشندوں نے آپ کی سخت مخالفت کی اور دشمنانِ اسلام نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا۔ آخر آپ مجبور ہو کر مکہ واپس آ گئے۔ مکہ واپس آنے کے بعد کفار مکہ نے پہلے سے بھی زیادہ آپ کو ستانا شروع کر دیا لیکن آپ بڑے صبر و استقلال سے تمام تکلیفیں برداشت کرتے رہے۔

اسی زمانہ میں رسول اللہ صلعم کو آسمانوں کی اور جنت و دوزخ کی سیر کرائی گئی۔ جسے معراج کہتے ہیں۔ اسی معراج کے موقعہ پر مسلمانوں کے لئے پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی ورنہ اس سے قبل مسلمان صرف ایک وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ اور اسی زمانہ میں آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح فرمایا۔

ہجرت رسولِ اکرم

رسولِ مقبول صلعم کا دستور تھا کہ جب ملکِ عرب کے مختلف قبائل حج کے زمانہ میں دور دور سے آکر مکہ میں ٹھہرتے تھے۔ تو آپ ان کے پاس جا کر اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی اس تبلیغ کی وجہ سے مدینہ کے بہت سے با اثر قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے مدینہ کے مسلمانوں کو احکام اسلام سکھانے اور غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دینے کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھی مدینہ میں مستقل قیام کی اجازت دے دی۔ حضرت مصعبؓ کی کوششیں کامیاب ثابت ہوئیں اور اسلام مدینہ سے قبا تک پھیلتا چلا گیا۔

مدینہ والے رسول اللہ صلعم کے سچے عاشق تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ مکہ میں ان کے رسول کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ بے حد زیادتیاں کی جا رہی ہیں تو مسلمانانِ مدینہ کا ایک وفد مکہ آیا اور رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ چلنے کی دعوت دی۔ جس کو رسولِ صلعم نے قبول فرما لیا۔ چنانچہ مکہ میں جتنے بھی مسلمان تھے وہ تھوڑے تھوڑے کر کے مدینہ چلے گئے۔ مکہ میں صرف رسول اللہ صلعم۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت علیؓ اور چند صحابہ رہ گئے۔

کفار مکہ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان ہجرت کر کے مدینہ کی طرف برابر چلے جا رہے ہیں۔ اور مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان مدینہ میں جمع ہو کر طاقت حاصل کر لیں اور کفار مکہ کے لئے ان کا وجود ایک مستقل مصیبت بن جائے۔ چنانچہ اس تازہ صورتِ حال پر غور کرنے کے لئے کفار مکہ کا ایک خفیہ جلسہ منعقد ہوا جس میں یہ طے پایا کہ رسول اللہ صلعم کو مکہ سے مدینہ جانے کا موقعہ ہرگز نہ دیا جائے بلکہ صبح کو جب وہ مکان سے نکلیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ اور اس طرح مسلمانوں کے زور کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا

جانتے اللہ تعالیٰ کافروں کی سازشوں کو دیکھ رہا تھا اس نے کفار مکہ کے ناپاک ارادوں سے اپنے حبیب کو بذریعہ وحی مطلع فرما دیا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو گیا ہے۔ میں مدینہ روانہ ہو رہا ہوں۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ اور صبح کو وہ سب امانتیں جو میرے پاس رکھی ہوئی ہیں بحفاظت ان کے مالکوں کو پہنچا دینا۔ حضرت علیؓ کو امانتیں سپرد کرنے کے بعد جب رسول اللہ صلعم روانہ ہوئے تو کفار مکہ آپ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ مگر قدرت خداوندی سے کفار کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا اور حضور انور سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے بلا خوف و خطر مکان سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کے مکان سے ساتھ لے کر غار ثور میں جا پناہ گزیں ہوئے۔ یہ غار مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ کفار صبح تک حضورؐ کے مکان کا محاصرہ کئے رہے۔ صبح کو جب حضور اکرم مکان سے باہر تشریف نہیں لائے اور ان کو پتہ چلا کہ آپ بچ کر نکل گئے ہیں۔ تو انہوں نے ہر طرف سانڈنی سوار اور گھوڑے دوڑائے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی حضورؐ کا سر مبارک کاٹ کر لائے گا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔

رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تین دن تک غار ثور میں پناہ گزیں رہے۔ اسما بنت ابوبکرؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھی۔ اور عبداللہ بن ابوبکر رات کے وقت غار میں پہنچ کر شہر کے حالات سے آپ کو مطلع کر دیتے تھے آخر چوتھے روز حضورؐ مع حضرت ابوبکرؓ کے غار سے باہر نکلے اور ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جو حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کی غرض سے پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھیں۔ یہ اونٹنیاں عین وقت پر غار کے قریب پہنچا دی گئی تھیں۔

رسول اکرم کا مدینہ میں استقبال

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع مدینہ میں چونکہ پہلے ہی سے پہنچ چکی تھی۔ اس لئے عاشقانِ رسول برابر کئی دن سے صبح سے لے کر شام تک حضورؐ کی آمد کا انتظار کرتے تھے۔ اور جب دن چھپ جاتا تھا تو مایوس ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔ چنانچہ جس روز رسول اکرم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے اس روز بھی عاشقانِ رسول دوپہر تک آپ کا انتظار کر کے واپس جا چکے تھے لیکن ایک یہودی نے جب آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو پہچان لیا اور مسلمانوں کو حضور کی تشریف آوری سے مطلع کر دیا۔ یہ مسرت بخش اطلاع پاتے ہی مسلمان اپنے پیارے نبی کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ اور خوشی سے نعرے بلند کرنے لگے۔ ساری فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ اور عاشقانِ رسول پروانوں کی طرح حضورؐ کے گرد جمع ہو گئے۔

رسول اللہ صلعم مدینہ سے باہر قبا ہی میں ٹھہر گئے کیونکہ آپ کو حضرت علیؓ کی آمد کا بڑی بے چینی سے ساتھ انتظار تھا۔ آپ اس وقت تک شہر مدینہ کے باہر ہی مقیم رہے جب تک کہ حضرت علیؓ بخیریت آپ سے نہ آن ملے

قبا میں قیام کے دوران میں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر میں خود مزدوروں کے ساتھ کام کیا حضورؐ کا مسجد کی تعمیر میں بذاتِ خود حصہ لینا تھا کہ مسلمانوں نے پوری تن دہی سے مسجد کے بنانے کا کام شروع کر دیا۔ اور اس طرح چودہ دن کے اندر اندر یہ تاریخی مسجد تعمیر ہوگئی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ جس کے یومِ تاسیس کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔ قبا میں چودہ روز قیام کے بعد رسول اللہ صلعم حضرت علیؓ کو ہمراہ لے کر شہر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا جب آپ بنی سالم کے محلہ میں پہنچے تو دوپہر ہو چکی تھی حضرت جبرائیل وحی لے کر آئے اور کہا کہ اس وقت سے جمعہ مسلمانوں پر فرض کیا جاتا ہے۔ آپ نے جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی نماز سے پہلے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ جس میں مسلمانوں کو خالص خدا پرستی، پرہیزگاری اور راستبازی کی ہدایت کی گئی تھی۔ یہ آنحضرت کی سب سے پہلی نماز جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر جب آپ شہر مدینہ سے گذرے تو انصار ہاتھ باندھے ہوئے دونوں طرف صف بستہ دکھائی دیتے تھے اور پردہ نشین عورتیں اور کمسن لڑکیاں چھتوں پر کھڑی ہوئی حضورؐ کی آمد کی خوشی میں گیت گا رہی تھیں۔ غرضکہ آپ کی آمد کے موقعہ پر سارا مدینہ خوشی اور مسرت سے جھوم رہا تھا۔ اور ہر طرف سے مرحبا مرحبا کی آوازیں اُٹھ رہی تھیں۔

مدینہ کا ہر شخص اس بات کا متمنی تھا کہ رسول اللہ صلعم کی میزبانی کا شرف کسی طرح اسے حاصل ہو جائے چنانچہ لوگوں نے جب حضور صلعم سے اس خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ میری اونٹنی حکمِ الٰہی سے جہاں بیٹھ جائے گی۔ میں وہیں قیام کروں گا۔ چنانچہ اونٹنی چلتے چلتے جب حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے پاس پہنچی تو خود ہی بیٹھ گئی اور اس طرح میزبانی کی یہ سعادت حضرت ابوایوب انصاری کو حاصل ہوئی آپ نے ان ہی کے ہاں اس وقت تک قیام کیا جب تک کہ آپ کے لئے مسجد اور رہنے کا مکان نہیں بن گیا۔

رسولِ اکرم کی سیاسی و اخلاقی سرگرمیاں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد اسلام اور پیغمبر اسلام کی زندگی کا ایک نہایت ہی عظیم الشان اور شاندار دور شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول اکرم کے مدینہ میں قدم رکھنے کے بعد ہی سے اسلام پھولا پھلا اور بڑھا۔ اور اسے اس قدر وسعت اور ہر دلعزیزی ہوئی کہ مسلمان مختصر سے عرصہ میں آدھی دنیا پر چھا گئے رسول اللہ صلعم اپنی عمر کے ترپن سال اور نبوت کے تیرھویں سال آٹھ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کو قبا میں داخل ہوئے تھے۔ یہی وہ مبارک تاریخ ہے جس سے کہ اسلام کا عروج شروع ہوا۔ مسلمانوں کا سال ہجری بھی اسی مبارک سال سے شروع ہوتا ہے۔ جس سال کہ رسول اللہ صلعم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔ سال ہجری در حقیقت مسلمانوں کے عروج و ترقی کی خوش خبری یادگار ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں قیام فرمانے کے بعد رسولِ مقبول صلعم نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھی۔ جس جگہ مسجد کی تعمیر شروع کی گئی وہ حضرت ابوایوب انصاری کے دو رشتہ دار یتیم بچوں کی زمین تھی۔ جس میں کچھ کھجور کے درخت اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ رسولِ مقبول صلعم نے اس زمین کو پسند فرمانے کے بعد ان یتیم بچوں اور ان کے سرپرستوں کو بلا کر فرمایا کہ "اگر تم لوگوں کا کوئی حرج نہ ہو تو یہ زمین ہم کو قیمتاً دے دو۔" وہ بولے "ہمیں بیچنا منظور نہیں ہم چاہتے ہیں کہ بلا قیمت نذر کر دیں۔ اور اس کا اجر خدا کے یہاں حاصل کریں۔" ——— مگر حضورؐ بلا قیمت زمین لینے پر تیار نہ ہوئے تو یہ لوگ مجبوراً قیمت لینے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے فوراً زمین کی قیمت ادا کر دی۔ زمین کا جب سودا ہو گیا تو کھجور کے درخت کاٹ دیئے گئے۔ مشرکین کی قبریں ہموار کر دی گئیں۔ اور مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا۔ جس طرح قبا کی مسجد کی تعمیر میں آقائے دوجہان نے مزدوروں کے ساتھ خود کام کیا تھا۔ اسی طرح آپ مسجد نبوی کی تعمیر میں بھی بنفس نفیس مزدوروں کے ساتھ شریک رہے اور آپ ہی کی طرح مہاجرین اور انصار بھی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس وقت تک اس کام میں لگے رہے جب تک کہ مسجد نبوی اور اور مسجد کے متصل رسول اللہ صلعم کے لئے ایک مختصر سا مکان تعمیر نہ ہو گیا۔

رسول اللہ صلعم ابھی حضرت ابوایوب انصاری ہی کے مکان میں مقیم تھے کہ آپ نے حضرت زید بن حارث کو مکہ روانہ کیا تاکہ وہ حضورؐ کی صاحبزادیوں اور حرم نبوی کو لے آئیں۔ صاحبزادیوں میں حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ہمراہ حبش میں تھیں۔ حضرت زینب کو ان کے شوہر ابوالعاص نے جانے نہ دیا۔ لہٰذا زید بن حارث حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت ام کلثوم، حضرت سودہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت اسامہ بن زید کو لے کر مدینہ آ گئے۔ حضرت عائشہ بھی اپنے بھائی عبداللہ بن ابی بکر کے ساتھ مدینہ آ گئیں۔ ان سب کے آنے کے بعد رسول اللہ صلعم اپنے اس مکان میں قیام پذیر ہو گئے۔ جو مسجد نبوی کے متصل تعمیر کیا گیا تھا۔

مہاجرین و انصار میں رشتۂ اخوت

رسولِ مقبول صلعم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کا ایک ایسا رشتہ قائم کر دیا جس کے بعد انصار مہاجرین کے لئے اور مہاجرین انصار کے لئے حقیقی بھائی بن گئے۔ اور اس رشتۂ اخوت کی بنا پر مہاجرین اور انصار ایسے متحد ہو گئے کہ پھر اس کے بعد دنیا کی کوئی طاقت بھی ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکی۔

یہ رشتۂ اخوت جو تاریخ میں "عہد مواخات" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مہاجرین مکہ جو اسلام

کی خاطر اپنا گھر بار، مال و زر اور دولت و ثروت چھوڑ کر مدینے میں آ گئے تھے۔ وہ اگرچہ انصار کے گھروں میں بطور مہمان مقیم تھے لیکن وہ ان کے عزیز تھے نہ رشتہ دار تھے اس لیئے رسول اللہ صلعم چاہتے تھے کہ ان میں آپس میں کوئی ایسا رشتۂ اخوت قائم کر دیں جو خون کے رشتہ کی طرح مستحکم ہو چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد حضور اکرم نے مہاجرین اور انصار کو جمع فرما کر حسب ذیل تقریر فرمائی۔

"اے انصار یہ مہاجر جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ تمہارے بھائی ہیں۔ یہ بے سرو سامان اور پریشان ہیں۔ یہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ دست و بازو سے کام لیئے بغیر وقت گذاریں اور کوئی کام نہ کریں۔ لیکن ان کے پاس نہ سرمایہ ہے اور نہ اثاثہ ہے۔ ضرورت ہے کہ تم ان کی عملی امداد کرو۔ تاکہ پھر تم سب اللہ اور اس کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر خوشحالی کی زندگی گذارو"

اس تقریر کے بعد رسولِ مقبول صلعم نے مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخصوں کو بلا کر فرمایا کہ تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اس عہدِ مواخات کے بعد ہر انصاری بھائی نے اپنے مہاجر بھائی کو ساتھ لے جا کر اپنا نصف مال اسے دیدیا۔ یہاں تک کہ جس انصاری کے پاس دو بیویاں تھیں اس نے ایک بیوی کو طلاق دے دی اور اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ تم اس سے نکاح کر لو۔ رسولِ مقبول صلعم کا قائم کردہ بھائی چارہ کا یہ رشتہ آگے چل کر بالکل حقیقی بھائی کا رشتہ بن گیا چنانچہ کوئی انصاری اگر مر جاتا تھا اور اس کے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی تو اس کی تمام جائداد اور مال مہاجر بھائی کو ملتا تھا۔ اور متوفی کے غیر مسلم بھائی اور قریبی رشتہ دار حقِ وراثت سے محروم ہو جاتے تھے۔

دینی اور اخلاقی نقطۂ نظر کے علاوہ رسولِ مقبول کا یہ اقدام سیاسی اعتبار سے بھی بہت اہم تھا آپ نے اس رشتہ اخوت کے ذریعہ مہاجر و انصار کے فرق کو مٹا کر مسلمانانِ مدینہ کی اجتماعی طاقت کو نہایت ہی مستحکم کر دیا تھا جس سے کہ آگے چل کر بے اندازہ فوائد پہنچے۔

غیر مسلموں سے معاہدہ انصار اور مہاجرین میں رشتۂ اخوت قائم کرنے کے بعد رسولِ مقبول صلعم تمام باشندگان مدینہ کو بلا امتیازِ مذہب و ملت متحد کرنے کی جانب متوجہ ہوئے تاکہ مدینہ کے ہزاروں باشندے متحد ہونے کے بعد ایک ایسی مستحکم طاقت بن جائیں جس کے ذریعہ آسانی کے ساتھ بیرونی مخالفین اور دشمنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اس اہم مقصد کے پیشِ نظر آنحضرت صلعم نے تمام باشندگانِ مدینہ کے درمیان جن میں مسلمان اور یہود و مشرکین وغیرہ سب ہی شامل تھے ایک باہمی معاہدہ کرا دیا جس کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ باشندگانِ مدینہ بلا امتیاز مذہب و ملت

ایک دوسرے کے ساتھ مل کر امن اور سکون کی زندگی گزاریں گے اور اگر کوئی بیرونی حملہ آور مدینہ پر حملہ کرے گا تو سب مل کر دشمن کا جان و مال سے مقابلہ کریں گے۔ اس عہد نامہ پر مدینہ کے تقریباً تمام قبائل کے سرداروں نے دستخط کر دیئے عہد نامہ میں جو شرائط قائم کی گئی تھیں وہ یہ تھیں۔

(۱) مدینہ پر جب کوئی بیرونی دشمن حملہ کرے گا تو تمام مدینے والے مل کر اس کی مدافعت اور مقابلہ کریں گے۔

(۲) جنگ کے اخراجات اور فوائد میں تمام باشندگان مدینہ بحق مساوی شریک سمجھے جائیں گے۔

(۳) مدینہ کے یہودی قریش مکہ یا ان کے آدمیوں کو مسلمانوں کے خلاف پناہ نہیں دیں گے۔

(۴) باشندگانِ مدینہ میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کے دین و مذہب اور جان و مال سے تعرض نہیں کرے گا۔

(۵) باشندگانِ مدینہ کے دو فریقوں میں اگر کسی بات پر کوئی جھگڑا ہو گا اور وہ خود آپس میں اس جھگڑے کو طے کرنے میں ناکام رہیں گے۔ تو ان کا فیصلہ رسول اللہ صلعم خود فرمائیں گے جو ناطق اور دونوں فریقوں کے لیئے قابل تسلیم ہو گا۔

(۶) جن قبیلوں یا قوموں سے مدینہ کے یہودیوں کا معاہدہ ہے اور وہ مدینہ کے یہودیوں کے دوست ہیں مسلمانانِ مدینہ بھی ان کو اپنا دوست سمجھیں گے اور دوستوں کی طرح ان کے ساتھ رعایت اور سلوک کریں گے۔

(۷) اسی طرح جو قبیلے مسلمانوں کے دوست ہیں مدینہ کے یہودی بھی ان کے ساتھ دوستانہ سلوک کریں گے۔

(۸) مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا حرام سمجھا جائے گا۔ مظلوموں کی امداد بلا امتیاز مذہب و ملت سب پر فرض ہو گی۔

مدینہ کے غیر مسلموں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاہدہ ایک ایسا اہم قدم تھا کہ جس نے نہ صرف تمام باشندگان مدینہ کو متحد کر دیا بلکہ اس معاہدہ کی رُو سے غیر مسلموں نے بھی رسول اللہ صلعم کی سیادت اور سرداری کو تسلیم کر لیا۔

قرب و جوار کے قبائل سے اتحاد

جب مدینہ کے باشندوں میں مندرجہ بالا عہد نامہ کے ذریعہ کامل اتحاد ہو گیا تو رسول اللہ صلعم مدینہ کے گرد و پیش کے علاقوں کے قبائل کو متحد کرنے کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس مقصد کے لیئے آپ خود ایک ایک گاؤں اور قصبہ میں تشریف لے گئے اور آپ نے مختصر سی مدت میں مدینہ کے گرد و نواح کے تمام علاقوں کے متعدد قبائل سے بھی ایک عہد نامہ پر دستخط لے لیئے جس کی رُو سے باشندگان مدینہ اور مفصلاتِ مدینہ کے جملہ قبائل کے مابین جو عہد نامہ مرتب ہوا اس میں یہ شرائط طے پائیں۔

(۱) سب مل کر بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور آپس کی خونریزی سے باز رہیں گے۔

(۲) جنگ کے نفع اور نقصان میں باشندگانِ مدینہ کے ساتھ برابر کے شریک سمجھے جائیں گے۔

(۳) ایک دوسرے کے دشمن قبائل یا افراد کو نہ پناہ دیں گے اور نہ ان کی کسی قسم کی امداد کریں گے۔

(۴) غریبوں، مظلوموں اور مجبوروں کی امداد سب پر یکساں فرض ہوگی۔

گویا اس دوسرے عہدنامہ کے ذریعہ رسولِ مقبول صلعم نے مدینہ کے علاوہ قرب وجوار کے علاقہ کے باشندوں کو بھی اتحاد کی مضبوط زنجیر میں جکڑ لیا اور اس طرح حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر سے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ اس علاقہ کے تمام باشندوں کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

عبداللہ بن ابی کی منافقانہ شرارت

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلعم کی ہردلعزیزی اور اسلام کی روز افزوں ترقی کا حال جب کفارِ مکہ کو معلوم ہوا تو وہ دن رات مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدابیر سوچنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ کے ایک مشرک سردار عبداللہ بن ابی کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا شروع کیا۔ رسولِ مقبول صلعم کی آمد سے قبل عبداللہ بن ابی کا مدینہ میں اتنا رسوخ تھا کہ مدینہ کے اکثر قبائل اسے بادشاہ تک بنانے کے لیئے بالکل آمادہ تھے یہاں تک کہ اس کے لیئے ایک تاج بھی انہوں نے تیار کرالیا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی دانشمندی اور تدبر کے سامنے اس کی بادشاہی اور اثرات خواب وخیال ہوگئے۔ اس لیئے وہ رسولِ اکرم اور مسلمانوں کا شدید مخالف بن گیا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی نے کچھ تو کفارِ مکہ کے اکسانے پر اور کچھ ذاتی عناد کی بنا پر مدینہ کے مشرکوں کو جمع کرکے ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لیئے آمادہ کرلیا۔ رسولِ مقبول صلعم کو جب اس سازش کا علم ہوا تو آپ فوراً مشرکین کے مجمع میں جا پہنچے اور اپنی جادو اثر تقریر کے ذریعہ نہ صرف مدینہ کو خونریزی سے بچا لیا بلکہ اس ساری سازش کو پاش پاش کرکے رکھ دیا جو مسلمانوں کے مٹانے کے لیئے درپردہ کی جارہی تھی۔ غرضکہ رسولِ اکرم مختصر سی مدت میں مدینہ کے جملہ قبائل پر اس طرح حاوی ہوگئے تھے کہ کوئی قبیلہ بھی خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو حضور کے حکم سے سرتابی کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

اذان کی ابتدا اور نماز باجماعت

ایک طرف تو رسول اللہ صلعم کی سیاسی سرگرمیاں جاری تھیں۔ دوسری جانب آپ مسلمانوں کو عبادتِ الٰہی کی جانب بھی برابر توجہ دلاتے رہتے تھے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی اسی وقت سے مسلمانوں پر دو رکعت نماز فرض ہوگئی تھی۔ اور اس کے بعد جب معراج ہوئی تو پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوگئیں لیکن ابھی تک جماعت سے نماز پڑھنے کا قاعدہ مقرر نہیں ہوا تھا۔ لوگ

آگے پیچھے مسجد میں آتے تھے اور علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیتے تھے۔ آنحضرت صلعم کو یہ انتشار پسند نہ تھا۔ کیونکہ اس انتشار کی وجہ سے نماز کا جو اہم مقصد تھا یعنی وحدت و اجتماع وہ پورا نہیں ہو رہا تھا۔ لہذا حضور نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیئے جائیں جو نماز باجماعت کے لئے وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لایا کریں بعض نے یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو جمع کرنے کے لئے ناقوس بجایا جائے لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔

اسی رات کو حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آؤ میں تمہیں اذان کے کلمات سکھا دوں۔ تاکہ تم نماز کے لئے مسلمانوں کو جمع کر سکو۔ پھر انہوں نے اذان کے کلمات ان کو سکھا دیئے۔ صبح کو جب بیدار ہوئے تو دونوں حضرات نے آگے پیچھے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے خواب کا حال بیان کیا تو حضورؐ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا سبحان اللہ بیشک یہ خواب من جانب اللہ ہے۔ پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ تم خوش آواز ہو اٹھو اور اذان دو۔ چنانچہ اس کے بعد سے اذان اور نماز باجماعت کا قاعدہ اسلام میں جاری ہو گیا۔

اب تک کے واقعات پڑھنے کے بعد آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ رسولِ اکرمؐ نے مدینہ تشریف لا کر کس طرح مخالفینِ اسلام کے مقابلہ کے لئے ایک مضبوط محاذ قائم کر لیا تھا۔ رسولِ مقبول صلعم کی سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ مدینہ آ کر تبلیغی سرگرمیاں بھی بے حد بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ اسی سال یہودیوں کے راہنما اور زبردست عالم عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ جو آتش پرست تھے اسی سال مسلمان ہوئے ان کے علاوہ مدینہ کے بہت سے مقتدر حضرات حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یعنی مدینہ آنے کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔

مدینہ پر حملہ کی تیاریاں

کفار قریش نے یوں تو رسول اللہ صلعم کی ہجرت کے فوراً بعد ہی سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ لیکن ان کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسولِ مقبول صلعم کو دن بدن مدینہ میں غیر معمولی کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ نیز آپ نے مدینے اور مضافاتِ مدینے کے جملہ قبائل کو متحد کر کے ایک نہایت ہی مضبوط محاذ قائم کر لیا ہے۔ تو کفارِ مکہ کو بے حد فکر ہوئی اور انہوں نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں اور بھی تیز کر دیں۔ چنانچہ مکہ کا ایک سردار کرز بن جابر مدینہ سے متصل ایک چراگاہ پر چھاپہ مار کر مسلمانوں کے بہت سے اونٹ بکڑ لے گیا۔ مدینہ پر مکہ کے سردار کے اس حملہ کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ مدینہ والوں کو یہ جتا دیا جائے کہ کفار میں اتنی طاقت موجود ہے۔ کہ وہ تین سو میل کا سفر طے کر کے بھی مسلمانانِ مدینہ پر بڑی آسانی کے ساتھ چھاپہ مار سکتے ہیں۔

رسولِ مقبول صلعم بھی کفارِ مکہ کی جانب سے بے فکر نہیں تھے۔ آپ کو ۲ھ میں یہ اطلاع ملی کہ مکہ والوں نے ملکِ شام میں ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ محض اس غرض کے لیئے روانہ کیا ہے۔ کہ اس تجارتی قافلہ کے ذریعہ جتنا بھی نفع ہو وہ سارے کا سارا اس جنگ کے لیئے وقف کر دیا جائے جو وہ مسلمانوں کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں۔ تمام اہل مکہ نے دل کھول کر اپنے اپنے مال اس تجارتی قافلہ کے حوالے کر دیئے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیئے زیادہ سے زیادہ نفع اور مال حاصل ہو سکے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اطلاع کے ملتے ہی دس بارہ آدمیوں کو تفتیشِ حال کے لیئے شام کی سرحد پر روانہ کر دیا۔ اتفاق سے مکہ کے قافلے کے کچھ لوگ جو شام سے مالِ تجارت لا رہے تھے ان کا مسلمانوں سے تصادم ہو گیا۔ اور اس تصادم میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مکہ کا ایک آدمی عمرو بن حضر مارا گیا جس کی وجہ سے کفارِ مکہ اور بھی مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے عمرو بن حضر کے خون کا انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اصل بات یہ ہے کہ کفارِ مکہ مدت سے اس فکر میں تھے کہ ان کو مدینہ پر حملہ کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے۔ چنانچہ عمرو بن حضر کے مارے جانے کے بعد ان کے لیئے مسلمانانِ مدینہ پر حملہ کرنے کا جواز ہاتھ آگیا تھا۔

پہلی لڑائی جنگ بدر

جنگ بدر مسلمانوں کی سب سے پہلی لڑائی ہے جو بدر کے میدان میں رسول اللہ صلعم کی سرکردگی میں اسلام کی حفاظت کے لیئے لڑی گئی۔ یعنی مسلمانوں کو تاریخ میں جو سب سے پہلے لڑائی لڑنی پڑی وہ یہی لڑائی ہے۔ اس جنگ میں سپہ سالاری کے فرائض خود رسولِ مقبول صلعم نے انجام دیئے تھے۔ اس جنگ کی کئی خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ جنگ زبردستی مسلمانوں کے سامنے لائی گئی اور ان کو لڑنے پر مجبور کیا گیا۔ حالانکہ مسلمان لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے۔ کہ مسلمانوں نے یہ جنگ جارحانہ مقصد کے لیئے نہیں بلکہ مدافعت کے لیئے لڑی تھی۔ اور صرف اپنا بچاؤ مقصود تھا۔ اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد مخالفین کے مقابلہ میں ایک تہائی تھی اور مسلمانوں کو اس پہلی ہی جنگ میں ایسی عظیم الشان فتح ہوئی کہ دنیا حیران رہ گئی۔

اس جنگ کی تفصیل یہ ہے کہ کفارِ مکہ جو مسلمانانِ مدینہ سے جنگ کرنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے۔ جب ان کو عمرو بن حضر کے مارے جانے کے بعد مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ تو وہ فوراً ہی ایک بہت بڑا لشکر لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ ان کا لشکر ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا جس میں سو سواروں کا ایک رسالہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ رؤسائے قریش کی ایک بہت بڑی تعداد بھی اس لشکر میں شریک تھی۔ غرضکہ دشمنانِ اسلام کا یہ لشکر مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیئے بڑے اہتمام کے ساتھ عتبہ بن ربیعہ کی سرکردگی میں روانہ ہو کر بدر میں خیمہ زن ہو گیا بدر ایک گاؤں ہے جو مدینہ منورہ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

رسولِ مقبول صلعم کو جب پتہ چلا کہ کفارِ مکّہ بدر میں آن پہنچے ہیں تو آپ نے تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کرنے کے بعد ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور جہاد کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا "مکّہ والوں نے تم سے لڑنے کے لئے اپنے منتخب آدمی بھیجے ہیں ان سے مقابلہ کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر مہاجرین نے بڑی جرأت کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادگی کا اظہار کیا مہاجرین کا جواب سننے کے بعد رسول مقبول صلعم انصار کی جانب متوجہ ہوئے اور آپ نے انصار کو غور سے دیکھتے ہوئے فرمایا کہ "تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے" انصار نے مہاجرین سے بھی زیادہ جرأت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کا رسول تو کفار کے مقابلہ کے لئے جائے اور ہم گھروں میں بیٹھے رہیں۔ اگر آپ ہم کو حکم دیں گے تو ہم سمندر میں کود پڑیں گے۔" مہاجرین اور انصار کی یہ ہمت و جرأت دیکھ کر رسولِ اکرم نے مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا۔

جانبازوں کی مختصر فوج

۱۲ رمضان ۲ھ کو رسولِ اکرم اپنے مختصر سے لشکر کو لیکر شہر سے باہر نکلے تھوڑی دور چل کر جب آپ نے اپنی چھوٹی سی فوج کا جائزہ لیا تو اس میں کچھ کم عمر لڑکے بھی شامل تھے جو واپس کر دیئے گئے۔ عمیر بن ابی وقاص بھی کمسن تھے جب ان سے واپس جانے کے لئے کہا گیا تو رو پڑے اور پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تاکہ بلند قامت معلوم ہوں۔ حضورؐ اس کمسن سپاہی کے شوقِ جہاد کو دیکھ کر مسکرائے اور آپ نے اسے جنگ میں حصہ لینے کی اجازت دے دی۔ اس کمسن سپاہی سمیت فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور دو سو ترپن انصار تھے۔

اسلامی لشکر کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ اس پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین اور چار چار آدمی سوار تھے۔ خود رسول اللہ صلعم جس اونٹ پر تشریف فرما تھے اس پر بھی حضور صلعم کے علاوہ دو تین شخص اور بھی سوار تھے بعض مجاہدین پیدل ہی تھے معمولی ہتھیار بھی سب کے پاس پورے نہ تھے کسی کے پاس تلوار تھی تو نیزہ اور کمان نہ تھی۔ اور کسی کے پاس نیزہ تھا تو تلوار نہ تھی۔ اس کے علاوہ مسلمان عام طور پر غریب۔ غیر مطمئن اور ضعیف تھے۔ اس کے برخلاف کفار سب کے سب زرہ پوش۔ تمام ہتھیاروں سے مسلح اور جوان و توانا تھے۔

یہ بے سروسامان مجاہدینِ اسلام اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے جب میدانِ بدر میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کفارِ مکّہ میدانِ بدر کے جنگی اعتبار سے اچھے اچھے مقامات پر قابض ہو چکے ہیں۔ بیچارے مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہاں نہ کوئی چشمہ تھا اور نہ کنواں تھا۔ زمین اس قدر ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں دھنسے چلے جا رہے تھے صحابیوں نے رائے دی کہ آگے بڑھ کر چشموں پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور آس پاس کے کنویں بیکار کر دیئے جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔

جب رات ہوگئی تو تمام صحابہ سو گئے لیکن آقائے دو جہاں صبح تک بیدار اور مصروفِ دعا رہے۔ صبح کو سب نے نماز ادا کی اور نماز کے بعد رسول اللہ صلعم نے جہاد کے موضوع تقریر فرمائی۔ اور پھر صف بندی شروع کر دی۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک تیر تھا جس کے اشارے سے آپ صفیں قائم فرماتے رہے۔ جب حضور صف آرائی سے فارغ ہو گئے تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں رو رو کر دعا کی کہ الٰہی اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔" پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی جس کے بعد آپ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور اسی غنودگی کے عالم میں آپ کو بشارت ملی کہ مسلمان فتح یاب ہوں گے۔ اس خوشخبری کے بعد آپ مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ کفار کو شکست ہوگی۔ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔" مختصر یہ کہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو میدان کا رزار گرم ہوگیا۔

میدانِ بدر میں مجاہدین کی معرکہ آرائی

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ سب سے پہلے عمرو بن حضر کا بھائی عامر بن حضر جو اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا آگے بڑھا اور اس نے للکار کر اپنا مدِمقابل طلب کیا۔ پھر عتبہ۔ شیبہ اور ولید جو مشہور جنگجو تھے میدان میں آئے۔ جن کے مقابلہ کے لئے حضرت علیؓ۔ حضرت حمزہؓ اور عبیدہ بن الحرث آگے بڑھے اس انفرادی مقابلہ میں عتبہ اور ولید تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کے ایسا کاری زخم لگایا کہ عبیدہؓ گر پڑے فوراً حضرت علیؓ آگے بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے شیبہ کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہ بن الحرث کو جو بہت بری طرح زخمی ہوئے تھے۔ کندھے پہ اٹھا کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لے آئے۔ عبیدہؓ نے حضور صلعم سے پوچھا کہ کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا؟ حضورؐ نے فرمایا "تم نے شہادت پائی"۔ یہ سنتے ہی حضرت عبیدہؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

انفرادی جنگ کے بعد اجتماعی جنگ چھڑ گئی۔ دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں اور بری طرح خونریزی ہونے لگی۔ دو انصاری نوجوان معوذؓ اور عفراؓ ابوجہل کی تاک میں تھے۔ انہوں نے نظر پڑتے ہی ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔ ابوجہل کا لڑکا معوذؓ پہ جھپٹ پڑا اور تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ ان کا ہاتھ شانہ سے کٹ کر الگ ہو گیا صرف تسمہ لگا رہ گیا۔ مگر معوذ پھر بھی لڑتے رہے۔ لیکن کٹا ہوا ہاتھ چونکہ تلوار چلانے میں مزاحم ہو رہا تھا اس لئے تسمہ کو کاٹ کر کٹا ہوا ہاتھ الگ کر دیا۔ ابوجہل اور عتبہ کے قتل ہوتے ہی کفارِ مکہ کے لشکر میں بددلی پھیل گئی۔ صفیں درہم برہم ہو گئیں اور کفار بھاگنے لگے۔ اس جنگ میں کفارِ مکہ کے تقریباً تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ سالارِ لشکر عتبہ بن ربیعہ شیبہ۔ ابوجہل۔ زمعہ بن اسود۔ عاص بن ہشام اور امیہ بن خلف مع ان سرداروں کے کفار کے ستر آدمی کام آئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں میں سے صرف

چودہ شخصوں نے شہادت پائی جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ غرض کہ اسلام کی یہ سب سے پہلی جنگ مسلمانوں کی شاندار فتح پر ختم ہوئی اور کفار کو کثرتِ تعداد کے باوجود بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

اس لڑائی کے دوران میں رسولِ مقبول صلعم کی حالت یہ تھی کہ کبھی تو آپ بارگاہِ الٰہی میں سربسجود دکھائی دیتے تھے اور فتح کے لئے والہانہ انداز میں دعائیں فرماتے تھے۔ اور کبھی لشکرِ اسلام میں آکر ان کی ہمتیں بڑھاتے تھے۔ رسولِ مقبول صلعم اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے کس قدر مضطرب اور بے چین تھے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو اس وقت آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ زوجہ حضرت عثمانؓ غنی لبِ دم تھیں۔ لیکن آپ اپنے لختِ جگر کو اس نازک حالت میں چھوڑ کر راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ بدر کی فتح کے دوسرے روز ۱۸ رمضان المبارک کو جبکہ رسول اللہ صلعم میدانِ جنگ ہی میں تھے کہ آپ نے ایک مسلمان کو فتح کی خوشخبری سنانے جب مدینہ بھیجا تو حضرت رقیہ کو مسلمان دفن کر کے واپس آ رہے تھے۔

قیدیوں سے مسلمانوں کا سلوک

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد رسولِ مقبول صلعم نے تمام مالِ غنیمت بحصہ مساوی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اسیرانِ جنگ میں سے عقبہ بن ابی اور نضر بن حارث جو رسول اللہ اور اسلام کے بہت بڑے دشمن تھے ان کو قتل کر دیا گیا۔ باقی اسیرانِ جنگ کو مدینہ لایا گیا جن میں حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے بھائی عقیلؓ اور رسول اللہ صلعم کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ تمام اسیرانِ جنگ کو قتل کر دیا جائے۔ مگر حضور نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آنا یہاں تک کہ خود بھوکے رہنا مگر ان کو پیٹ بھر کر کھلانا۔

اسیرانِ جنگ میں سے ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو عام مجمعوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ اس کے نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے تاکہ یہ آپ کے خلاف پھر کبھی تقریر نہ کر سکے۔ حضور صلعم نے فرمایا "اگرچہ میں نبی ہوں لیکن پھر بھی اگر کسی کا عضو بیکار کر دوں گا تو اس کے لئے روزِ قیامت جوابدہ ہوں گا"۔ قیدیوں کے پاس کپڑے نہیں تھے ان سب کو آنحضرت نے کپڑے دلوائے۔ رسولِ مقبول صلعم نے چونکہ صحابہ کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ اسیرانِ جنگ کے ساتھ محبت اور مروت کا سلوک کریں اس لئے صحابہ ان کی خوب خاطر مدارات کرتے تھے اور کسی طرح کی تکلیف نہیں پہنچنے دیتے تھے۔

قیدیوں میں ایک شخص عزیز بن عمر بھی تھا جو لشکرِ کفار کا علمبردار تھا۔ عزیز کا بیان ہے کہ مجھے گرفتار کر کے مدینہ کی طرف لاتے ہوئے انصاری ساتھ میں جب کھانا کھانے بیٹھتے تھے تو مجھے ساتھ بٹھا لیتے تھے۔ یہ روٹی تو مجھے

دے دیتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گذارہ کر لیتے تھے۔ یہیں شرما کر روٹی ان میں سے کسی کو دیتا تو وہ پھر مجھ ہی کو واپس کر دیتا تھا۔" غرض کہ رسولِ مقبول صلعم کی ہدایت کے مطابق صحابہ نے اسیرانِ جنگ کے ساتھ ایسا عمدہ سلوک کیا کہ اس کی مثال اس سے قبل کی تاریخ میں مفقود ہے۔ اسیرانِ جنگ کے عزیزوں نے جب فدیہ دے کر قیدیوں کو واپس لینا چاہا تو مسلمانوں نے خوشی کے ساتھ ان کو واپس کر دیا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں سے ایک بھی ایسا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے کہ کسی قوم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک کیا ہو۔

بعض اسیرانِ جنگ ایسے بھی تھے جن کا کوئی عزیز یا رشتہ دار فدیہ دینے کے لئے تیار نہ ہوا۔ ان کو رسول اللہ صلعم کے حکم سے فدیہ لئے بغیر ہی آزاد کر دیا گیا۔ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے مگر زرِ فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاؤ اور آزاد ہو جاؤ۔ غرضکہ مسلمانوں نے اسیرانِ جنگ کے لئے ایسی سہولتیں پیدا کر دی تھیں جن کی کفارِ مکہ کو ہرگز توقع نہ تھی۔ اسیرانِ جنگ کے ساتھ اس شریفانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ اسیرانِ جنگ نے تو اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور کچھ بعد میں اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ حضور نے اپنے چچا حضرت عباس سے فرمایا تم مالدار ہو اپنے فدیہ کے ساتھ کچھ دوسرے لوگوں کا بھی فدیہ ادا کرو۔ حضرت عباس نے جواب میں کہا میں غریب ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا کیا وہ سونا بھول گئے جو مدینہ آتے وقت اپنی بیوی کو دے آئے تھے۔ حضرت عباس پر اس حقیقت حال کا بہت اثر ہوا اور مکہ سے دوبارہ واپس آکر داخلِ اسلام ہو گئے۔ اس طرح حضور کے داماد ابو العاص کو ان کی بیوی حضرت زینب نے اپنا ہار بھیج کر چھڑایا مگر مسلمانوں نے اس ہار کے لینے سے انکار کر دیا اور ابو العاص کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ اور کہا تمہارا فدیہ یہ ہے کہ تم جاتے ہی حضرت زینب کو مدینہ بھیج دو۔ انہوں نے اپنا وعدہ وفا کیا اور پھر خود بھی مسلمان ہو گئے۔

ابوسفیان کا ناکام حملہ

بدر کے میدان میں کفار کی شکست باشندگانِ مکہ کے لئے بہت بڑا سانحہ تھا چنانچہ ابولہب نے اس شکست کے صدمہ میں جان دیدی۔ کفارِ مکہ نے اس توقع میں مسلمانانِ مدینہ سے جنگ کی تھی کہ وہ اس جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیں گے لیکن جب خلافِ توقع کفارِ مکہ کو شکست ہو گئی اور ان کے تقریباً تمام بڑے بڑے سردار اس جنگ میں مارے گئے تو مکہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ لوگ حیران تھے کہ مدینہ کے مٹھی بھر مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں سے آ گئی کہ انہوں نے بے سروسامانی اور تعداد کی کمی کے باوجود مکہ کے مشہور شمشیر زنوں کو نیچا دکھا دیا۔

بدر کی جنگ کے بعد کفارِ مکہ نے ابوسفیان بن حرب اموی کو اپنا نیا سردار منتخب کر لیا۔ ابوسفیان ایک لائق سپہ سالار تھا چنانچہ جنگِ بدر کے بعد کفارِ مکہ کی مسلمانوں سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں ہیں وہ زیادہ تر ابوسفیان ہی کی سرکردگی میں لڑی گئی ہیں۔ ابوسفیان نے سپہ سالاری کے عہدہ کو قبول کرنے کے بعد یہ عہد کیا کہ "میں جب تک

مسلمانانِ مدینہ سے مقتولین بدر کے خون کا انتقام نہیں لے لوں گا۔ اس وقت تک نہ نہاؤں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا۔

اس عہد کے چند ہی روز بعد ابو سفیان دو سو منتخب سواروں کا دستہ لے کر خفیہ طریقہ پر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ اس کی بڑی خاطر مدارات کی اور مدینہ کے سربستہ رازوں سے آگاہ کیا۔ مدینہ کے راز معلوم کرنے کے بعد ابو سفیان نے واپس جاتے ہوئے عریض کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں اس کے مکانات اور کھیتوں کو آگ لگادی۔ اور ایک انصاری کو بھی قتل کر دیا۔ رسول مقبول صلعم کو جب ابو سفیان کے اس بزدلانہ حملہ کی اطلاع ملی تو آپ اس کے تعاقب میں لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔ لیکن حضورؐ کی آمد کی اطلاع سنتے ہی وہ ایسا بدحواس ہو کر بھاگا کہ ستوؤں کے سینکڑوں تھیلے جو سپاہیوں کے استعمال کے لئے ساتھ لائے تھے انہیں بھی وہ چھوڑ گیا۔ اس معرکہ میں کفار عرب چونکہ ستو کے تھیلے چھوڑ کر بھاگے تھے اس لئے یہ معرکہ تاریخ میں "معرکہ سویق" کے نام سے مشہور ہے۔ سویق عربی زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔

۲ھ کے اہم واقعات

اسی سال کے ابتدا میں تبدیلِ قبلہ کا ایک اہم واقعہ پیش آیا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت سے قبل رسول اللہ صلعم اور تمام مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے چنانچہ مدینہ تشریف لانے کے بعد بھی تقریباً سولہ مہینے تک رسولِ اکرم بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن رسول اللہ صلعم دل سے اس بات کو پسند کرتے تھے کہ خانہ کعبہ جو زمانہ دراز سے توحید کا مرکز ہے قبلہ بن جائے۔ چنانچہ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ خداوندا کعبہ کو قبلہ بنا دے۔ یہ چیز قابل غور ہے کہ آپ نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب خانہ کعبہ پر کفار مکہ کا قبضہ تھا۔ اور وہاں سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روز اول ہی سے یہ یقین کامل تھا کہ ایک روز ضرور خدا کا سب سے بڑا گھر دوبارہ بن کر رہے گا۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی اور پندرہ رجب ۲ھ کو قرآن مجید کی ایک آیت نازل ہوئی جس کا مفہوم یہ تھا۔

"اے رسولِ عربی تم اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو۔ اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اسی طرف منہ پھیرو (پارہ سیقول سورۂ بقر)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انحضرت نے مسجد نبوی اور مسجد قبا کے رخ کو بیت المقدس سے پھیر کر کعبہ کی طرف بدل دیا۔ ان مسجدوں کے رخ بدلنے کے لئے نئے سرے سے انہیں تعمیر کرنا پڑا۔ آپ نے حسب معمول ان مسجدوں کی تعمیر میں بھی تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کیا۔ تبدیلِ قبلہ کا یہ واقعہ یہودیوں پر کاری ضرب تھی۔ یہودیوں کی ایک بڑی تعداد منافقانہ طور پر مسلمانوں کے ساتھ شامل تھی۔ یہ دل سے تو یہودی تھے مگر بظاہر

مسلمان بن گئے تھے چنانچہ یہ نمازیں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے لیکن تبدیل قبلہ کے بعد چونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کا قبلہ الگ الگ ہو گیا۔ اس لئے یہودیوں کی منافقت کا سارا راز فاش ہو گیا۔ اور اب ان کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کی جانب رخ کر کے نماز ادا کریں۔ منافقت کے اس راز کے فاش ہونے کے بعد یہودی بری طرح برہم ہو گئے۔ وہ کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گئے۔ اور انہوں نے تبدیل قبلہ کے معاملہ پر مسلمانوں کو ورغلانے اور بھڑکانے کی انتہائی کوشش کی مگر مسلمانوں کے دلوں پر جن میں عشقِ رسول جاگزیں ہو چکا تھا کوئی اثر نہ ہوا الغرض کہ سچے مسلمان بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے۔

اسی سال قرآن پاک کی ایک آیت نازل ہونے پر مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اور اسی سال صدقہ فطر اور عید کی نماز واجب قرار دی گئی۔ چنانچہ مسلمانوں نے پہلی مرتبہ عید کی نماز اسی سال عیدگاہ میں باجماعت ادا کی اور اسی سال رسول اللہ صلعم نے اپنی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرؓا کا عقد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سوا سو درہم زر مہر پر کیا جہیز میں آپ نے ایک چارپائی، ایک چمڑے کا گدا ایک چھاگل۔ دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے دیئے تھے۔ یعنی خاتونِ جنت کا یہ مختصر سا غریبانہ جہیز تھا۔ جو ہمیشہ غریب مسلمانوں کی ہمت افزائی کرتا رہے گا۔

رسول مقبول کے قتل کی سازش

مسلمانوں کے خلاف کفار مکہ کی سازشیں یوں تو روزِ اول ہی سے جاری تھیں لیکن بدر کے میدان میں شکست کی ذلت اٹھانے کے بعد ان کی تمام تر توجہ مسلمانوں کو مٹانے کے لئے وقف ہو گئی۔ جنگ بدر کے بعد سب سے پہلی بزدلانہ سازش جو کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ رسولِ مقبول کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک شخص عمیر بن وہب کو اس بات کے لئے آمادہ کیا گیا کہ وہ زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے حضور اکرم کا خاتمہ کر دے۔ عمیر جب اس ناپاک مقصد کے لئے مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ کو اس کی حرکات و سکنات پر کچھ شبہ ہوا اور وہ عمیر کو پکڑ کر رسول اللہ صلعم کے پاس لے گئے۔ حضور نے عمیر سے پوچھا کہ "تم کس مقصد کے لئے آئے ہو" عمیر نے جواب دیا کہ "میرا بیٹا قیدیوں میں شامل ہے اسے رہا کرانے آیا ہوں۔ آپ مجھ پر رحم کریں اور میرے بیٹے کو آزاد کر دیں"۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "سچی بات کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھے قتل کرنے آئے ہو"۔ اس کے بعد حضورؐ نے دس خفیہ سازش کی تمام سرگذشت سنا دی جو حضور صلعم کے قتل کے بارے میں ہوئی تھی۔ عمیر قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ "میں مسلمان ہوتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اس سازش کا علم ابوسفیان اور میرے سوا کسی کو نہیں تھا آپ کو اس کا علم ہو جانا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ بلاشبہ سچے رسول ہیں اور آپ کا رب آپ کو

تمام حالات سے مطلع فرماتا رہتا ہے۔

کفارِ مکہ سے دوسرا مقابلہ

کفارِ مکہ نے جنگ بدر کے بعد مسلمانوں پر جو دوسرا بڑا حملہ کیا وہ تاریخ میں جنگ احد کے نام سے مشہور ہے۔ اس بڑے حملہ کی تیاریاں اگرچہ جنگ بدر کے فوراً بعد سے شروع ہو گئی تھیں۔ لیکن یہ حملہ ۳ھ میں کیا گیا۔ اس حملہ کے لئے کفارِ مکہ نے ایک طرف تو بے اندازہ دولت جمع کی تھی۔ دوسری طرف مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور یہ طے پایا کہ جیسے ہی کفارِ مکہ حملہ کریں گے۔ یہودی اور منافق پانچویں کالم کے فرائض انجام دیتے ہوئے مدینہ میں ہنگامے برپا کر کے مسلمانوں کی طاقت کو پاش پاش کر دیں گے۔ تاکہ اندرونی اور بیرونی طور پر مسلمانوں کو ایک عظیم پریشانی کا سامنا کرنا پڑے اور وہ مقابلہ سے عاجز آکر ہتھیار ڈال دیں۔ حضور صلعم کے چچا حضرت عباسؓ اگرچہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن ابھی تک مکہ ہی میں تھے۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مکہ میں مدینہ پر حملہ کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں تو آپ نے فوراً قاصد کے ذریعہ تمام حالات سے نبی صلعم کو مطلع کر دیا رسول اللہ صلعم نے فوراً مجلسِ مشاورت منعقد کی اور مدافعت کی تیاریوں کے مسئلہ پر غور کرنے لگے۔ ایک طبقہ کی رائے تھی کہ مدینہ میں محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے دوسرا طبقہ چاہتا تھا کہ کھلے میدان میں بہادروں کی طرح جنگ کی جائے۔ یہ بحث جاری ہی تھی کہ رسول اللہ صلعم گھر گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے جس کا مطلب صاف تھا کہ مسلمانوں کو کھلم کھلا میدان جنگ میں جا کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ مجلسِ مشاورت ختم بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ اطلاع ملی کہ کفارِ مکہ کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے اور مدینہ کی چراگاہوں کو اس نے برباد کرنا شروع کر دیا ہے۔

کفارِ مکہ اس مرتبہ بہت بڑی تیاریوں کے ساتھ آئے تھے تین چار ہزار سپاہیوں اور بے اندازہ سامانِ جنگ کے علاوہ ان کے ہمراہ جادو بیان شاعر بھی تھے جو اپنی پرجوش نظموں سے سپاہیوں میں جوش پیدا کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ عورتیں بھی تھیں جو سپاہیوں کو مرنے والوں کے نام لے لے کر غیرت اور جوش دلا رہی تھیں۔ کفارِ مکہ نے آنے کے ساتھ ہی مدینہ کے قریب احد کی پہاڑی کو اپنا فوجی کیمپ قرار دے دیا تاکہ پہاڑی پر محفوظ رہ کر آسانی کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

مسلمانانِ مدینہ کے پاس نہ تو کافی سپاہی تھے اور نہ سامانِ جنگ۔ اس کے علاوہ ان کو اچانک اس جنگ کے لئے تیاری کرنی پڑی تھی۔ لیکن پھر بھی ان کے حوصلے بہت بلند تھے دشمن اگرچہ ان کے گھر میں گھس آیا تھا مگر مجاہدین کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مدینہ کے عام باشندوں میں بھی کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں تھی۔ رسولِ مقبول صلعم بڑے اطمینان کے ساتھ مدینہ میں اپنی فوجوں کو ترتیب دے رہے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ آپ ایک ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر کفارِ مکہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی منافق جو کفار سے ملا ہوا تھا وہ بھی تین سو کی جمعیت لئے ہوئے

لشکر اسلام کے ساتھ تھا۔ لیکن وہ یہ کہہ کر مع اپنی جمعیت کے واپس چلا گیا کہ چونکہ رسول اللہ صلعم نے میری رائے کو منظور نہیں کیا اس لئے میں اس جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اصل میں اس کا منشا یہ تھا کہ لشکر اسلام میں بددلی پیدا کرے گو اس کے چلے جانے کے بعد کل سات سو مجاہد رہ گئے تھے لیکن ان کے حوصلے بدستور بلند تھے۔ ان سات سو مجاہدین میں سے بھی ایسے تمام کم عمر لڑکوں کو واپس کر دیا گیا تھا جو محض جوشِ اسلامی کی بنا پر مجاہدین میں شامل ہو گئے تھے۔ غرضکہ مجاہدین کی یہ مختصر سی فوج کفار کے عظیم الشان لشکر کے مقابلہ کے لئے سرکارِ دو عالم کی سرپرستی میں آگے بڑھی اور کفار کے مقابلہ پر پہنچ کر جم گئی۔ چونکہ پشتِ احد کی طرف سے یہ اندیشہ تھا کہ کفار حملہ نہ کر دیں اس لئے پچاس تیر انداز کوہِ احد کی پشت کی جانب متعین کر دیئے گئے اور ان کو حکم دے دیا گیا کہ خواہ لڑائی میں فتح بھی کیوں نہ ہو جائے لیکن وہ بغیر حکم ثانی کے اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔

مسلمانوں کی فتح

لڑائی شروع ہونے سے قبل فریقین کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئیں۔ کفارِ مکہ کی عورتیں اپنی فوجوں میں حوصلہ پیدا کرنے کے لئے نہایت ہی اثر انداز میں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ اور مقتولین بدر کی مظلومیت پر نوحہ خوانی کر کے فوجوں میں جوش بڑھا رہی تھیں۔ عرب کے دستور کے مطابق پہلے تو انفرادی جنگ شروع ہوئی یعنی جانبین کے لشکروں سے ایک ایک آدمی آتا تھا اور مقابلہ ہوتا تھا۔ اس انفرادی جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حمزہ کے مقابلہ پر جو بھی آیا موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

لیکن یہ حالت زیادہ دیر نہ رہی اور پھر انفرادی جنگ کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ فریقین پوری طاقت کے ساتھ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے کفار کی فوج کے قلب میں گھس کر ایک تہلکہ برپا کر دیا۔ یہ مردان سیف جدھر بھی جاتے تھے صفیں کی صفیں صاف کرتے چلے جاتے تھے یہی عالم دوسرے مجاہدین اسلام کا تھا۔ کفار بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کر رہے تھے جنگ پورے زور شور کے ساتھ جاری تھی۔ کہ ایک حبشی نے جس کا نام وحشی تھا ایک چھوٹا سا نیزہ جسے حربہ کہتے ہیں حضرت حمزہؓ کے اس طرح تاک کر مارا کہ آپ کی ناف میں پیوست ہو گیا اور آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا جوش اور بھی بڑھ گیا اور مسلمانوں نے پوری طاقت کے ساتھ کفار پر حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ خواتین قریش جو اشعار گا گا کر فوجوں کو ابھار رہی تھیں اس بھگدڑ میں اپنے ہی سپاہیوں کے پیروں تلے بری طرح کچلی گئیں۔ غرضکہ مسلمانوں کو پوری طرح کفار پر نہ صرف غلبہ ہو گیا بلکہ فتح حاصل ہو گئی۔

نافرمانی کا انجام

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفار شکست کھا چکے ہیں تو ان کو یقین ہو گیا کہ اب میدان ہم نے جیت لیا ہے۔ اور کفار مکہ کو پوری ہزیمت ہو گئی ہے۔ لہذا وہ میدان

چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ ۵۰ تیر انداز بھی جو کوہ اُحد کی پشت پر حفاظت کے لئے متعین کئے گئے تھے اپنا مورچہ چھوڑ کر لوٹ کی جانب متوجہ ہو گئے۔ عبد اللہ بن جبیر نے ان کو ہر چند روکنا چاہا مگر نہ رُکے ان تیر اندازوں کا مورچہ سے ہٹنا تھا کہ کفار مکہ کو مجاہدین اسلام پر حملہ کرنے کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ مشہور بہادر اور عرب سردار خالد بن ولید نے جو کفار کی جانب سے لڑ رہے تھے پوری طاقت کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا۔ عقب سے حملہ ہونا تھا کہ جنگ کا رخ بدلنے لگا یعنی وہی مسلمان جن کو کہ سو فیصدی فتح حاصل ہو چکی تھی نرغہ میں آ گئے۔ عبد اللہ بن جبیر نے ہر چند چاہا کہ وہ کفار کے اس حملہ کو کسی طرح روک دیں لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ اور وہ اس کوشش میں شہید ہو گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر جو رسول اللہ صلعم کے ہم شبیہ تھے جب لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تو کفار یہ سمجھے کہ انہوں نے حضورِ اکرم کو جام شہادت پلا دیا ہے چنانچہ ابن قمہ نے ایک بلند مقام پر چڑھ کر حضورؐ کی شہادت کا اعلان بھی کر دیا جس سے کہ کفار کے دل بڑھ گئے اور مسلمانوں میں بری طرح سراسیمگی اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

چہرہ مبارک پر حملہ

حضورِ اکرم کی شہادت کا اعلان مجاہدینِ اسلام کے لئے بہت بڑی بات تھی چنانچہ اس افواہ کی وجہ سے بڑے سے بڑے اور بہادر سے بہادر مسلمان کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ اس موقعہ پر رسولِ اکرم چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوتے تھے اور تنہا مقابلہ فرما رہے تھے چند قدم کے فاصلہ پر آپ کے چند جان نثار بڑی ثابت قدمی سے کفار کی طرف سے آنے والے تیروں کو روک رہے تھے۔ ان میں سے کعب بن مالک کی نظر سب سے پہلے رسولِ اکرم پر پڑی تو انہوں نے چلا کر کہا کہ مسلمانو گھبراؤ نہیں رسول اللہ صلعم یہاں موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کے مردہ دلوں میں پھر نئے سرے سے زندگی پیدا ہو گئی۔ لیکن ساتھ ہی کفار بھی بُری طرح سے ٹوٹ پڑے۔ ایک کافر نے آپ کے قریب پہنچ کر آپ پر وار کیا تو حضور کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ ایک دوسرے کافر نے جو موقعہ کی تلاش میں تھا رسول اکرم کے قریب آ کر ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ آپ کے خود کے دو حلقے آنکھ کے نیچے رخسار مبارک کی ہڈی کے پاس گھس گئے جن کو بڑی مشکل سے نکالا گیا۔

مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو چکی تھی۔ مسلمان دس دس اور بارہ بارہ کی ٹولیوں میں بٹنے کے بعد جا بجا کفار کے نرغہ میں تھے اور ان کو اتنا موقع ہی نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلعم کی امداد کے لئے پہنچتے۔ ادھر کفار کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اجتماعی طور پر اپنی ساری طاقت رسول مقبول صلعم پر حملے کرنے پر لگا دی تھی۔ جب عاشقانِ رسول نے دیکھا کہ کفار مکہ حضور کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں تو انہوں نے آپ کے گرد حلقہ ڈال لیا۔ حضرت ابو دجانہؓ نے آپ کی طرف منہ کر کے اپنی پشت کو سپر بنا لیا۔ تاکہ جو تیر بھی آئے وہ ان کے جسم پر لگے۔ چنانچہ ان کی پشت تیروں

سے چھلنی ہوگئی مگر وہ اسی طرح سپر بنے کھڑے رہے۔ حضرت سعد بن وقاص۔ حضرت ابو طلحہ۔ حضرت زبیر۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رسول مقبول کی حفاظت کے لئے دیوار آہنی بن کر کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور صلعم کی حفاظت کرتے ہوئے حضرت ابو طلحہ کا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ اور کئی صحابی آپ کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ایک شقی نے دور سے حضورؐ کے پتھر مارا جس سے آپ کا لب مبارک زخمی ہو گیا۔ اور نیچے کا ایک دانت بھی شہید ہو گیا۔ اس موقعہ پر حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکرؓ کی ثابت قدمی تاریخ اسلام کا سنہرا کارنامہ ہے۔

مسلمانوں کی دوبارہ شکست

مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں اگرچہ ہر جگہ کفار سے اس طرح گھر گئی تھیں کہ ان کا کفار کے پنجہ سے نکلنا ناممکن ہو گیا تھا اور یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی۔ لیکن جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ دشمنانِ اسلام نے رسولِ مقبول صلعم کو نرغہ میں لے رکھا ہے تو وہ اپنی جانوں پر کھیل کر حضورؐ کے گرد جمع ہونے لگے یہاں تک کہ حضورؐ کے گرد پھر ایک بار مجاہدین اسلام کی ایک بہت بڑی جمعیت مجتمع ہو گئی۔ اور اس جمعیت نے متحد ہو کر جب پوری طاقت سے کفار پر حملہ کیا تو کفار پیچھے ہٹنے لگے۔ کفار کے پیچھے ہٹتے ہی حضورِ اکرم کے مشورہ سے مسلمانوں نے فوراً ایک پہاڑی پر چڑھ کر نیا مورچہ قائم کیا تاکہ پشت کی جانب سے پہاڑی کے ذریعہ حفاظت ہوتی رہے۔ اور سامنے کی جانب سے بے فکری کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اس نئے مورچے کا قائم ہونا تھا کہ کفار کی ہمتیں پست ہو گئیں انہوں نے اگرچہ کئی مرتبہ سنبھل سنبھل کر سخت حملہ کیا مگر انہیں بری طرح ناکامی ہوئی۔ کفارِ مکہ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں رسول اللہ صلعم کی امداد کے لئے مسلمانوں کی کوئی تازہ دم فوج مدینہ سے نہ آ جائے۔ اس لئے کفارِ مکہ کا سردار ابو سفیان یہ کہہ کر میدان سے چل دیا کہ ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا۔ حضورِ اکرم نے مسلمانوں سے فرمایا ان سے کہہ دو ہم کو تمہارا یہ چیلنج منظور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ابتدا ہی میں مسلمان جنگ سے پیٹ پھیر کر لوٹ میں نہ لگ گئے ہوتے تو وہ کفار پر فتحیاب ہو ہی چکے تھے۔ لیکن رسولِ اکرم کی ہدایت پر کاربند نہ رہنے کا یہ انجام کہ اس نافرمانی نے ان کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ رسولِ اکرم بھی اس جنگ میں زخمی ہو گئے۔ اور بے شمار مہاجرین و انصار کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ کفار مکہ کو اس جنگ میں بے اندازہ نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے بیس بائیس کے قریب سردار اس جنگ میں کام آ گئے۔ کفار مکہ کو بڑی ندامت تھی کہ وہ مکہ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ جب کہ وہ اپنے بہترین سرداروں کو کٹوا کر جا رہے ہیں۔ اور ان کو ایک مسلمان کو بھی قیدی بنا

کر لیجانے کا موقعہ ہاتھ نہیں آسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ کی کامیابی کا انحصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جرأت اور ثابت قدمی ہے۔ اور آپ جان کی بازی لگا کر میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے۔ ورنہ مسلمانوں کی غلطی کی بنا پر کفار تو کامیاب ہو چکے تھے اور اس کے بعد نہ جانے مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا اور مدینہ کے باشندوں کو کفار کے ہاتھوں کیسے کیسے مظالم سہنے پڑتے۔ لیکن قدرت خداوندی سے آخر میں مسلمان سنبھل گئے اور کفار مکہ کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اس جنگ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس میں مسلمان عورتوں نے بھی بڑی بہادری اور سرفروشی کا ثبوت دیا۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ سب سے زیادہ پیش پیش تھیں۔ انہوں نے زخمیوں کی بڑی امداد کی تھی۔ حضرت فاطمہ اپنے ہاتھ سے رسول اکرم کے زخم کو دھو رہی تھیں اور حضرت علیؓ پانی ڈال رہے تھے۔ خون بند نہیں ہوتا تھا آخر ٹاٹ کا ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دیا گیا۔ رسول مقبول صلعم نے اس خوفناک جنگ کے بعد شہدا کی لاشوں کو دفن کرایا کفار نے بعض شہدا کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کے کان ناک وغیرہ کاٹ کر اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔ ان کی آنکھیں نکال لی تھیں اور جگر نکال کر دانتوں سے چبا لیا تھا۔ تمام شہدا بغیر غسل کے ایک ایک قبر میں دو دو دفن ہوئے۔ شہدا کے دفن کے بعد جب رسول مقبول مدینہ میں داخل ہوئے تو بوڑھے بچے اور عورتیں سب ہی رسول اکرم کی زیارت کے لئے بیتاب تھے۔ کیونکہ مدینہ میں بھی حضور کی شہادت کی افواہ پھیل چکی تھی۔ جب عاشقانِ رسول نے اپنی آنکھوں سے اپنے پیارے محبوب کو دیکھ لیا تو اطمینان ہو گیا۔

آنحضرت نے شہدا کی لاشوں کو دیکھا اور حضرت حمزہ کی لاش دیکھ کر فرمایا۔ میری آنکھوں نے ایسا دردناک منظر کبھی نہیں دیکھا۔ آپ اپنے چچا امیر حمزہ کو اکثر یاد کیا کرتے تھے ان کے قاتل وحشی کو مسلمان ہونے کے بعد سامنے سے ہٹا دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ تم کو دیکھ چچا یاد آجاتے ہیں۔

۳ھ کے اہم واقعات

جنگِ احد میں چونکہ مسلمانانِ مدینہ کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے یہودیوں کی جرأت بے حد بڑھ گئی تھی اور انہوں نے کھلم کھلا مسلمانوں کی مخالفت شروع کر دی تھی۔

۳ھ کا ایک اہم واقعہ یہ بھی ہے کہ اسی سال ۱۵ رمضان المبارک کو حضرت امام حسنؓ کی ولادت ہوئی تھی رسول مقبول صلعم نے اسی سال اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا حضرت عثمان غنی کے ساتھ نکاح کیا اور اسی سال حضور نے حضرت عمرؓ کی بیوہ صاحبزادی حضرت حفصہ سے خود نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہ کے پہلے شوہر جنگِ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ آیت میراث بھی اسی سال نازل ہوئی جس میں ذوی الارحام کے حقوق تفصیل سے بیان کئے گئے

اب تک یہ دستور تھا کہ مسلمان مشرکہ عورتوں سے نکاح کر سکتے تھے لیکن اس سال اس رشتہ کو حرام قرار دیدیا گیا

۴ھ کے اہم واقعات

کفارِ مکہ کا سردار ابوسفیان احد کی جنگ کے خاتمہ پر یہ کہتا ہوا بھاگا تھا کہ ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا۔" مسلمانوں نے بخوشی یہ چیلنج قبول کر لیا تھا لیکن کفارِ مکہ مسلمانوں سے کچھ ایسے خائف ہو گئے تھے کہ وہ مسلمانوں پر اس دھمکی کے باوجود اس سال کوئی بڑا حملہ تو نہ کر سکے لیکن ان کی اور ان کے ہمنوا یہودیوں کی شرارتیں مسلمانوں کے خلاف بدستور جاری رہیں۔ لہذا ہم ذیل میں ان اہم واقعات کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جو ۴ھ میں پیش آئے۔ تاکہ آپ مخالفین اسلام کی خفیہ اور علانیہ کارروائیوں سے واقف ہو سکیں۔

قطن میں قبیلہ بنی اسد کا فتنہ۔ محرم ۴ھ میں رسولِ مقبول صلعم کو اطلاع ملی کہ قطن میں قبیلہ بنی اسد کے بہت سے مفسد جمع ہیں جو مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی آپ نے ڈیڑھ سو مسلمانوں کی جمعیت ابوسلمہؓ کے ہمراہ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دی۔ مسلمان مجاہدین نے وہاں پہنچ کر ان کو مغلوب کر لیا اس معرکہ کے بعد قبیلہ اسد زمانہ دراز تک سر نہ اٹھا سکا۔

مسلمانوں کا دھوکہ سے قتل۔ مخالفینِ اسلام کو کھلم کھلا تو مسلمانوں کے مقابلہ کی ہمت نہ تھی اس لئے وہ مسلمانوں کے خلاف درپردہ بزدلانہ سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ بنی ہذیل کے سردار ابوسفیان نے چند منافقوں کو رسول مقبول صلعم کے پاس بھیجا انہوں نے بظاہر اسلام قبول کرنے کے بعد حضور سے یہ درخواست کی کہ چونکہ ہمارے قبیلہ کے بہت سے آدمی اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں اس لئے آپ ہمارے ساتھ کچھ ایسے حضرات بھیجئے جو اسلام کی تعلیم دے سکیں۔ حضور نے ان عیاروں کے ساتھ دس صحابیوں کو روانہ کر دیا جب یہ صحابی قبیلہ ہذیل کے ایک تالاب پر پہنچے تو پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت دو سو آدمیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ صحابی بھی مقابلہ پر آ گئے ان میں آٹھ شہید ہو گئے جو دو صحابی باقی رہ گئے ان کو گرفتار کر کے مکہ لے گئے۔ اور انہیں بڑی بیدردی کے ساتھ قتل کیا۔ اسی طرح کفار نے دھوکہ سے ستر صحابیوں کو نجد لے جا کر شہید کر دیا تھا۔ یہ ستر کے ستر صحابی قاری اور قرآن مجید کی آیتوں کے حافظ تھے۔

قتل حضور کی دوسری سازش

ایک مرتبہ دو مظلوموں کے خون بہا کے مطالبہ کے لئے رسول مقبول صلعم مع حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے جب یہود بنونضیر کی بستی میں تشریف لے گئے تو بنونضیر کے یہودیوں نے آپ کو اپنے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں ایسی جگہ بٹھا دیا جس کے اوپر ایک منڈیر تھی اور منڈیر پر ایک بڑا پتھر اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ اسے ذرا سے اشارہ پر نیچے گرایا جا سکتا تھا۔ بنونضیر کے سرداروں نے یہ طے کیا تھا کہ ایک شخص قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر اس

پتھر کو یہ نیچے گرادے تاکہ محمد اور اس کے تینوں ساتھیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ جو شخص اس شرارت پر امور کیا گیا وہ پتھر گرانے والا ہی تھا کہ حضورؐ کو خدائے تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہودیوں کے اس ناپاک منصوبہ سے مطلع کر دیا اور آپ فوراً وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام کو ساتھ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

بنو نضیر جنگ کے لئے آمادہ:۔ بنو نضیر نے رسول اللہ صلعم کے قتل کی سازش کر کے اس عہد نامہ کی خلاف ورزی کی تھی جو وہ مسلمانوں سے کر چکے تھے۔ رسول مقبول صلعم نے ان کو متنبہ کیا کہ وہ نیا عہد نامہ لکھیں۔ جب انہوں نے جدید عہد نامہ لکھنے سے انکار کیا تو ان کو حکم دیا گیا کہ دس روز کے اندر اندر وہ بستی کو خالی کر کے چلے جائیں۔ اس حکم کے جواب میں جب بنو نضیر جنگ پر آمادہ ہو گئے تو رسولِ مقبول صلعم نے بھی ایک مختصر سی فوج اور صحابہ کو ساتھ لے کر ماہ ربیع الاوّل ۴ھ میں ان پر چڑھائی کر دی۔ بنو نضیر مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ میں محصور ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی اور مدینہ کے دوسرے منافقین چونکہ یہودیوں کی پشت پناہی کر رہے تھے اس لئے ان کی ہمتیں بڑھی ہوئی تھیں۔ مگر پندرہ روز کے بعد ہی یہودی گھبرا گئے۔ اور انہوں نے عبداللہ بن ابی (منافق) کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ اگر ہماری جان بخشی کی جائے تو ہم جلاوطن ہونے پر آمادہ ہیں۔ رسول مقبول صلعم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور فرمایا اگر فوراً گاؤں چھوڑ کر چلے جاؤ گے تو تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ سوائے ہتھیاروں کے وہ تمام مال و اسباب اونٹوں پر لادا جا سکتا ہے لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہتھیاروں کے علاوہ اپنا تمام مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر لے گئے اور چلتے وقت اپنے مکانوں کو یا تو مسمار کر گئے یا آگ لگا گئے۔ ان میں سے کچھ تو خیبر کے علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے اور کچھ شام کی طرف چلے گئے۔ حضور صلعم نے ان کے ہتھیار مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے مگر جو یہودی مسلمان ہو گئے تھے ان کو بدستور اپنے گھروں میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ اور ان کا مال و اسباب بھی بدستور ان کے قبضہ ہی میں رہا۔

بنو محارب اور بنو ثعلبہ کی شرارت:۔ اسی زمانہ میں رسول مقبول صلعم کو اطلاع ملی کہ بنو محارب اور بنو ثعلبہ جو قبیلہ بنی غطفان سے تعلق رکھتے ہیں مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس اطلاع کے پاتے ہی حضورِ اکرم حضرت عثمانؓ کو مدینہ کا عامل مقرر کر کے اور چار سو صحابہ کو ساتھ لے کر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ ایک نخلستان میں جمع تھے جوں ہی ان کو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر ان کی سرکوبی کے لئے آ رہا ہے تو بڑے بغیر فرار ہو گئے۔ اور اس طرح یہ معرکہ خونریزی کے بغیر ہی ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۴ھ کو پیش آیا تھا۔

میدانِ بدر میں اسلامی فوجیں:۔ جنگ احد کے واقعات کے سلسلہ میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جنگ احد کے خاتمہ پر کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان نے آئندہ سال بدر کے میدان میں مسلمانوں کو لڑنے کے لئے جو چیلنج دیا

تھا وہ مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔ ابو سفیان نے یہ چیلنج دے تو دیا تھا مگر اب مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی ہمت باقی نہیں تھی اس لئے جنگ سے وہ کترا رہا تھا۔ رسولِ مقبول صلعم چونکہ اس چیلنج کو قبول کر چکے تھے اس لئے آپ ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کا لشکر لیکر رجب ۴ھ میں بدر کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس لشکر کے سپہ سالار حضرت علیؓ تھے۔

کفارِ مکہ کے سردار ابو سفیان کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر بدر کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ تو وہ بھی مقابلہ کے لئے دو ہزار کا لشکر لیکر چل دیا لیکن عسفان کے مقام پر پہنچ کر جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر میں اس مرتبہ ڈیڑھ ہزار جانباز موجود ہیں تو یہ بہت گھبرایا کیونکہ کفارِ مکہ بدر اور احد کی لڑائیوں میں دیکھ چکے تھے کہ تھوڑی اور چوتھائی مسلمان بھی ان پر غالب آجاتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ مسلمان مجاہدین کی تعداد کفار کے لشکر سے تھوڑی ہی کم تھی۔ تو ابو سفیان نے سمجھ لیا کہ اسے یقینی طور پر شکست ہو جائے گی۔ لہٰذا وہ مقام عسفان ہی سے یہ کہہ کہ مکہ واپس چلا گیا کہ ہم اس سال قحط سالی کی وجہ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ کفار کا یہ لشکر جب لڑے بغیر ہی مکہ میں واپس آیا تو مکہ والوں نے ان کا خوب مذاق اڑایا۔ رسولِ مقبول صلعم بدر میں اپنے لشکر کو لیے ہوئے کفار کے لشکر کے انتظار میں ایک ہفتہ تک ٹھہرے رہے جب آپ کو معلوم ہوا کہ کفار مقابلہ کے بغیر ہی بھاگ گئے ہیں تو آپ بھی مدینہ واپس آگئے۔

چند دوسرے واقعات:۔ اسی سال ماہ شعبان میں امام حسینؓ پیدا ہوئے۔ اسی سال ازواج مطہرات میں سے حضرت زینب بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا۔ اسی سال آنحضرت صلعم نے عبد السلام مخزومی کی وفات کے بعد ان کی بیوی امّ سلمہ سے نکاح کیا۔ اسی سال ایک آیت کے نازل ہونے پر شراب حرام ہوئی اور مدینہ میں اس حکم پر پہلے عمل کرنے والے حضرت طلحہ انصاری ہیں۔

ایک عیسائی کی شرارت

رسولِ مقبول صلعم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد اگرچہ انتہائی تدبر اور ہوشمندی سے گذشتہ چار سال کے اندر مسلمانوں کی طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا۔ لیکن پھر بھی آپ کو دشمنوں کی نئی نئی سازشوں سے برابر دوچار ہونا پڑ رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ گو مدینہ اور مدینہ کے گرد و پیش کے غیر مسلم قبائل بظاہر رسولِ مقبول کی سیادت اور سرداری کو تسلیم کرتے تھے لیکن وہ دلوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت عناد رکھتے تھے چنانچہ ان کو جب بھی موقعہ ملتا تھا وہ کوئی نہ کوئی نیا فتنہ ضرور کھڑا کر دیتے تھے۔

پانچویں ہجری کے آغاز میں مسلمانانِ مدینہ کے خلاف اسی قسم کا ایک شدید فتنہ یہودیوں کی طرح عیسائیوں کی جانب سے اچانک کھڑا ہو گیا۔ اس فتنہ کی تفصیل یہ ہے کہ دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر بن الملک عیسائی نے مدینہ منورہ

پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر عظیم جمع کر لیا۔ دومۃ الجندل دمشق اور مدینہ کے درمیان سرحد شام پر واقع تھا۔ اس حاکم نے حملہ سے قبل یہ شرارت شروع کی کہ مسلمانوں کے جو قافلے مدینہ سے بغرض تجارت شام کی طرف جاتے تھے ان کو یہ لوٹ لیتا تھا۔ رسول مقبول صلعم نے سوچا کہ اگر عیسائیوں کا یہ فتنہ برابر بڑھتا گیا تو کوئی تعجب نہیں کہ یہود اور منافقین بھی اس فتنہ میں شامل ہو جائیں اور مسلمانوں کے لئے نئی مشکلات پیدا کر دیں۔ لہٰذا آپ مجاہدین اسلام کا ایک لشکر لے کر دومۃ الجندل کے عیسائی حاکم کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے۔ عیسائی حاکم کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا۔ اور اس طرح یہ عیسائی فتنہ خونریزی کے بغیر ہی دب گیا۔

قبیلہ بنو مصطلق کے سردار کو شکست

کفار مکہ کا یہ دستور تھا کہ وہ عرب کے مختلف قبائل کو برابر رسولِ مقبول صلعم اور مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کو چین میسر نہ آ سکے اور ان کی طاقت کو برابر دھکا لگتا رہے چنانچہ پانچویں ہجری کے وسط میں کفار مکہ نے قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے آمادہ کر لیا اور اس نے عرب کے مختلف قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

رسولِ مقبول صلعم کو جب اس شرارت کی اطلاع ملی تو آپ مجاہدین کا ایک لشکر لے کر ۴ شعبان ۵ھ کو روانہ ہو گئے۔ مسلمانانِ مدینہ کو چونکہ لڑائیوں میں پے در پے حاصل ہو رہی تھیں۔ اور مالِ غنیمت نے بڑی حد تک مسلمانانِ مدینہ کی مالی حالت بھی درست کر دی تھی۔ اس لئے مشہور منافق عبداللہ بن ابی بھی مالِ غنیمت کی طمع میں اس لشکر کے ساتھ شامل ہو گیا۔ یہ عبداللہ بن ابی وہی منافق ہے جو جنگ احد کے موقعہ پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر راستہ سے لوٹ گیا تھا۔ منافقین چونکہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور ان کو تمام اسلامی حقوق حاصل تھے۔ اس لئے ان کو شریک لشکر ہونے سے منع بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اس مرتبہ عبداللہ بن ابی بھی لشکر اسلام کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مسلمان اگرچہ عبداللہ بن ابی کی منافقانہ سرگرمیوں سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن رسول مقبول صلعم کی رواداری کی بنا پر وہ کچھ نہ کہہ سکے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اسلامی لشکر منزلیں طے کرتا ہوا جب حارث بن ضرار کے علاقے میں داخل ہوا تو وہ بہت گھبرایا لیکن اسے مجبوراً چشمہ مریسیع کے کنارے لشکر اسلام سے مقابلہ کرنا پڑا۔ حارث بن ضرار کے پاؤں مسلمانوں کے پہلے ہی حملے میں اکھڑ گئے۔ اور اسے شکست ہو گئی۔ اس کے بہت سے آدمی مارے گئے اور چھ سو کے قریب گرفتار ہو گئے۔ گرفتار شدگان میں حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھی جس نے مسلمان ہونے

کے بعد رسول مقبول صلعم سے نکاح کی درخواست کی۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور اس نکاح کے بعد تقریباً تمام قیدی رہا کر دیئے گئے جن میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا۔

اس فتح کے بعد جب لشکرِ اسلام مدینہ کی جانب واپس ہوا تو عبداللہ بن ابی اور منافقوں نے حسبِ معمول اپنی منافقانہ سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ان بدبختوں نے ایک نئی چال یہ چلی کہ انصار اور مہاجرین کے سوال کو خوب ابھارا۔ اور اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ مہاجرو انصار میں تفریق پیدا ہو جائے۔ اسی بدباطن منافق نے اس سفر کے دوران میں حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تھی۔ جس کی وجہ سے نہ صرف عام مسلمان بلکہ خود عبداللہ بن ابی کا بیٹا بھی اس کے خلاف اس قدر مشتعل ہو گیا تھا کہ اس نے اور دوسرے مسلمانوں نے رسولِ مقبول صلعم سے اس منافق کے قتل کی اجازت طلب کی تھی چنانچہ عبداللہ کے بیٹے نے خود رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ عبداللہ بن ابی یعنی میرے باپ کے سر کاٹنے کی خدمت میرے سپرد کی جائے تاکہ میں اس کا سر کاٹ کر دنیا کو یہ بتا سکوں کہ ایک سچے مسلمان کے لیئے باپ سے کہیں زیادہ اسلام پیارا ہے لیکن حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت کسی کو بھی نہیں دی۔ حضرت عائشہ پر تہمت لگانے کا واقعہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

جنگ خندق کا معرکہ

تاریخ اسلام میں خندق کی لڑائی کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس لڑائی میں رسول اللہ صلعم اور مٹھی بھر مسلمانوں کو چوبیس ہزار کفار اور یہودیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ یہ لڑائی ماہِ ذیقعدہ ۵ھ میں مدینہ سے بالکل متصل ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے چونکہ اس جنگ میں پہلی مرتبہ خندق کھود کر کفار کا مقابلہ کیا تھا اس لیئے یہ جنگ خندق کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے اس کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔

اس جنگ کے محرک اول قبیلہ بنو نضیر کے وہ شرارت پسند یہودی تھے جن کی فتنہ پردازیوں پر ہم اس سے قبل روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب بنو نضیر نے دھوکہ سے رسول اللہ صلعم کو قتل کرنا چاہا اور جنگ کے لیئے آمادہ ہو گئے تو حضورؐ نے ان کو بستیاں چھوڑنے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ وہ مدینہ کے علاقہ سے نکلنے کے بعد خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔

رسولِ مقبول صلعم اور مسلمانوں سے ان کو کیونکہ فطری طور پر عناد تھا اور جلاوطن کیئے جانے کے بعد تو یہ مسلمانوں کے اور بھی دشمن ہو گئے تھے اس لیئے انہوں نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیئے ایک نہایت ہی وسیع اسکیم تیار کی جس کا مقصد اور منشا یہ تھا کہ عرب نے تمام قبائل متحد ہو کر رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کر دیں۔

اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قبیلہ بنو نضیر کے سردار سب سے پہلے ان کفارِ مکہ کے پاس گئے جو رسول مقبول صلعم اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ اور انہوں نے کفار سے کہا کہ اگر تم پوری طرح ہم کو مدد دو تو ہم اسلام کو ہمیشہ کے لئے جڑ اور بنیاد سے کھود کر پھینک دیں۔ کفارِ مکہ جو بہت پہلے سے اپنے سینہ میں اسلام کے خلاف آتش حسد دبائے بیٹھے تھے فوراً تیار ہو گئے۔ جب کفارِ مکہ ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے تو یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم خیبر کی نصف آمدنی تمہیں دیا کریں گے، یہ بھی آمادہ ہو گئے۔ بنو اسد چونکہ غطفان کے حلیف تھے اس لئے وہ بھی مل گئے۔ بنو سلیم سے قریش مکہ کی قرابت تھی اس وجہ سے وہ بھی ساتھی بن گئے۔ بنو سعید کا قبیلہ چونکہ بنو نضیر کا حلیف تھا اس لئے یہودیوں کے ساتھ وہ بھی مل گیا۔ غرضیکہ عرب کے بے شمار قبائل مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے۔ اور انہوں نے چوبیس ہزار کا عظیم الشان لشکر تیار کر لیا جو بڑے ساز و سامان کے ساتھ ابو سفیان کے زیر کمان مدینہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ روانگی سے قبل تمام قبائل کے سردار خانہ کعبہ میں گئے اور انہوں نے قسمیں کھائیں کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم مسلمانوں کو مٹانے کے لئے میدانِ جنگ میں ڈٹے رہیں گے۔ اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ اسلام کا نام و نشان دنیا سے نہیں مٹا دیں گے۔

مخالفین اسلام نے ان تمام تیاریوں کے باوجود اس بات کی بڑی احتیاط رکھی کہ ان کے ناپاک ارادوں کا قبل از وقت مسلمانوں کو علم نہ ہونے پائے۔ چنانچہ رسول مقبول صلعم کو اس سازش کی اطلاع اس وقت ملی جب کہ مکہ سے مدینہ کے لئے کفار اور یہودیوں کی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی حضور نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور جنگ کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ جنگ سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا کچھ مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور اس کے گرد خندق کھودی جائے۔ تمام صحابہ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور خندق کھودنے کا کام شروع ہو گیا۔ تین ہزار صحابہ اس کام میں مصروف ہو گئے اور تقریباً پندرہ روز میں فوجی مرکز کے گرد ایک نہایت ہی لانبی چوڑی خندق تیار ہو گئی۔ خندق کے تیار ہونے کے بعد عورتوں کو تو ایک مضبوط قلعہ میں محفوظ کر دیا گیا اور مسلمان کفار کے مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔

۲۱ ذیقعدہ ۵ھ کو دشمنانِ اسلام کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔ اور اس نے ۲۲ ذیقعدہ کو تین طرف سے سارے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ دشمنانِ اسلام کے لشکر کی تعداد چوبیس ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد بالکل محدود تھی۔ لیکن مسلمانوں کے حوصلے بدستور بلند تھے اور وہ اسلام کی حفاظت کا عزم مصمم کر چکے تھے اس موقع پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ کے نام سے آباد تھا جس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں

نہ شریک ہونے کا عہد کر رکھا تھا۔ لیکن جوں ہی دشمنانِ اسلام کا لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو یہ قبیلہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اور اس طرح دشمنان اسلام کی تعداد اور طاقت اور بھی بڑھ گئی۔

مخالفین اسلام یہ چاہتے تھے کہ پوری قوت کے ساتھ اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑیں لیکن خندق نے ان کے حوصلے پست کر دیئے۔ وہ خندق کے جس حصہ کو بھی پار کرنے کی کوشش کرتے تھے مسلمان آگے بڑھ کر خندق پار کرنے والوں کو تہ تیغ کر دیتے تھے یعنی انتہائی کوشش کے باوجود مسلمانوں نے کسی ایک دشمن کو بھی خندق پار کرنے کا موقعہ نہ دیا۔ ایک مرتبہ دو تین کافر ایسی جگہ سے جہاں خندق کم چوڑی تھی گھوڑوں کو کود اکر اندر پہنچ گئے تھے ان خندق پار کرنے والوں میں مشہور جنگجو عمرو بن عبدود بھی تھا جسے دو ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا مگر حضرت علیؓ نے ایک ہی ہاتھ میں اس کا صفایا کر دیا اس کے دوسرے ساتھی جان بچا کر فرار ہو گئے۔ اب کفار کا کام اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں پر تیر اور پتھر برساتے رہیں۔ الغرض محاصرہ کے اس سلسلہ نے اتنا طول پکڑا کہ کافر نہ صرف پریشان ہو گئے بلکہ کھانے پینے کی دشواریاں بھی پیدا ہو گئیں۔ اور وہ تنگ آکر جنگ سے جی چرانے لگے۔ کفار مکہ جب تنگ آ گئے تو انہوں نے مسلمانوں کو خندق سے باہر نکالنے کے لئے یہ بزدلانہ اسکیم سوچی کہ اس قلعہ پر حملہ کر دیا جائے جس میں کہ مدینہ کی عورتیں محصور ہیں تاکہ اس حملہ کے بعد مسلمانانِ مدینہ خندق سے نکل کر مقابلہ پر میدان میں آجائیں چنانچہ ایک یہودی فوراً قلعہ کے پھاٹک پر جا پہنچا اور کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر داخل ہوگیا۔ رسولِ مقبول صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہ نے اتفاق سے اسے دیکھ لیا اور خیمہ کی چوب اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا جب وہ بے ہوش ہوگیا تو حضرت صفیہ نے فوراً ہی خنجر سے اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے اس دروازہ کی طرف پھینک دیا جہاں اس کے بہت سے ساتھی حملہ کے لئے تیار کھڑے تھے۔ جب اپنے رفیق کا کٹا ہوا سر ان لوگوں کے سامنے آگرا تو ان کو یقین ہوگیا کہ اس قلعہ میں عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد میں اسلامی فوج بھی موجود ہے لہذا ان کو قلعہ پر حملہ کی ہمت نہ ہوئی اور وہ واپس چلے گئے۔

مسلمانانِ مدینہ تقریباً ایک ماہ تک خندق کے اندر محصور رہے خندق کے کسی حصہ سے بھی جب کفار اندر گھسنے کی کوشش کرتے تھے تو یہ ان کا آگے بڑھ کر فوراً کام تمام کر دیتے تھے۔ کفار مکہ کا خیال تھا کہ مسلمان زیادہ مدت تک محصور نہیں رہ سکیں گے کیونکہ کفار نے رسد اور کمک کے سارے راستے بند کر دیئے تھے۔ لیکن مسلمان ہر تکلیف برداشت کرتے رہے مگر ان کے عزم و استقلال میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضورؐ کو کرتہ اٹھا کر دکھایا تو اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ لیکن جب آپ نے اس صحابی کو اپنا کرتہ اٹھا کر دکھایا تو ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

محاصرہ جس قدر طول پکڑتا جا رہا تھا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جا رہے تھے۔ کیونکہ محاصرہ کی طوالت کی بنا

پر ایک طرف تو رسد ختم ہوتی جا رہی تھی اور دوسری طرف محاصرہ کرنے والے قبائل میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ اختلاف کی وجہ سے قبیلہ بنو قریظہ محاصرین سے الگ ہو گیا۔ اور اس نے کفار کے سپہ سالار ابو سفیان کو مطلع کر دیا کہ اب ہم سے کسی ہمدردی کی امید نہ رکھنا۔ اسی طرح دوسرے قبائل بھی دل برداشتہ ہونے کے بعد علیحدگی پر آمادہ ہو گئے۔

غیبی امداد محاصرہ کے دوران میں ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ پیش آیا کہ جس کی وجہ سے مخالفین اسلام کے پاؤں خود بخود اکھڑ گئے محاصرہ کو ستائیسواں دن تھا کہ اچانک ایسا خوفناک طوفان آیا کہ ہر طرف تاریکی چھا گئی خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں۔ چولہوں پر جو دیگیں چڑھی ہوئی تھیں وہ اوندھی ہو گئیں اور خیموں کے گرنے سے بے شمار کفار مجروح ہو گئے۔ اس خوفناک طوفان سے کفار کچھ ایسے بدحواس ہوئے کہ راتوں رات میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ یعنی قدرت خداوندی سے چوبیس ہزار کا وہ عظیم الشان لشکر جو ایک مدینہ تو کیا پورے ملک عرب کو فتح کر سکتا تھا۔ ناکام و نامراد لوٹ گیا اور خدا نے اپنے محبوب بندوں کو اپنی رحمت سے بہت بڑی کامیابی عطا فرمائی۔

۵ھ کے اہم واقعات ہجرت کے پانچویں سال میں خندق کی اس جنگ کے علاوہ جو اہم واقعات پیش آئے وہ یہ ہیں۔

قبیلہ بنو قریظہ کو بدعہدی کی سزا:۔ خندق کی لڑائی سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلعم قبیلہ بنو قریظہ کی جانب متوجہ ہوئے کیونکہ انہوں نے معاہدہ کے باوجود نہایت ہی نازک وقت میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ چنانچہ رسول اکرم کے حکم سے مسلمانوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔ جب یہ تنگ آ گئے تو انہوں نے رسول مقبول صلعم کی خدمت میں ایک درخواست بھیجی اور اس میں لکھا کہ ہم سعد بن معاذ انصاری کو اپنا حکم تسلیم کرتے ہیں وہ ہمارے دوست ہیں۔ وہ جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور بنی قریظہ کی خواہش کے مطابق سعد بن معاذ کو حکم بنا دیا گیا۔

سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ دیا کہ جن لوگوں نے عہد شکنی کی ہے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ جنگی قیدیوں جیسا سلوک ہونا چاہیئے۔ اور ان کے مال و اسباب کو مال غنیمت میں شامل کیا جائے چنانچہ عہد شکنی کرنے والے قتل کئے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ اور مال و اسباب مال غنیمت قرار دے دیا گیا غرض کہ اس طرح یہ غدار قبیلہ ختم ہو گیا اور اپنے کئے کی سزا کو پہنچ گیا۔

عورتوں کے لئے پردہ کا حکم:۔ اب تک مسلمان عورتیں آزادانہ طور پر بے پردہ باہر نکلا کرتی تھیں۔ اسی سال جب عورتوں کے لئے پردہ کا حکم نازل ہوا تو وہ پردہ میں بیٹھ گئیں۔

متبنیٰ اولاد کی وراثت سے محرومی:۔ اس سے قبل عرب میں یہ عام دستور تھا کہ جب وہ کسی کو متبنیٰ بنا لیتے تھے تو اسے اولاد کے برابر حقوق حاصل ہو جاتے تھے چنانچہ اسی سال قرآن مجید کی ایک آیت کے نازل ہونے پر متبنیٰ کو حقوقِ وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ اور اس رسمِ بد کو مٹانے کے لئے رسول اللہ صلعم نے اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ زید کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کر لیا۔

زنا کرنے کی سزا:۔ اسی سال زنا کی سزا سو درے مقرر کی گئی اور پرہیزگار عورتوں اور مردوں پر زنا کی تہمت لگانے والے شخص کے لئے بھی اسی درے سزا مقرر کی گئی۔

نماز کے لئے تیمم کی اجازت:۔ اس سال تیمم کے احکامات نازل ہوئے اور انہیں اجازت دی گئی کہ اگر پانی ملنے کی کوئی صورت نہ ہو تو مسلمان نماز پڑھنے کے لئے تیمم کر سکتے ہیں۔

رسول اکرمؐ کی عمرہ کے لئے روانگی

ہجرت کے چھٹے سال کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ رسول مقبول صلعم نے جب خانہ کعبہ کی زیارت کرنا چاہی تو کفار نے سخت مزاحمت کی اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شوال ۶ھ میں رسول اللہ صلعم نے خواب میں دیکھا کہ آپ خانہ کعبہ میں صحابہ کرام کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ مکہ سے نکلنے کے بعد چونکہ رسول مقبول صلعم اور صحابہ کرام کو خانہ کعبہ کی زیارت کا شرف چھ سال سے حاصل نہیں ہوا تھا اس لئے سب کی یہ دلی آرزو تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو کعبہ کی زیارت اور طواف کیا جائے چنانچہ جب رسول مقبول صلعم نے خواب میں اپنے آپ کو خانہ کعبہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اسے منشائے الٰہی سمجھتے ہوئے آپ نے اور صحابہ کرام نے عمرہ یعنی زیارت کعبہ کا پکا ارادہ کر لیا۔ غرضکہ ماہ ذیقعدہ ۶ھ میں رسول اکرمؐ ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ سب نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانی کے ستر اونٹ ہمراہ لئے۔ احرام کا باندھنا اور قربانی کے اونٹوں کا ساتھ لینا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عمرہ کرنا چاہتے تھے اور آپ کی نیت کسی سے جنگ کرنا نہیں تھی۔

عربوں کا یہ پرانا قاعدہ اور دستور تھا کہ وہ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی خانہ کعبہ کی زیارت سے نہیں روکتے تھے کیونکہ خانہ کعبہ پر تمام عربوں کا خواہ وہ عرب کے کسی خطہ میں کیوں نہ رہتے ہوں یکساں حق تصور کیا جاتا تھا۔ اسی پرانے دستور کے مطابق رسولِ اکرمؐ اور آپ کے ساتھی عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہو گئے۔ کفار مکہ مسلمانوں سے چونکہ بہت زیادہ خائف تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ حضورؐ مع چودہ سو صحابہ کے مکہ تشریف لا رہے ہیں تو ان میں گھبراہٹ اور ہلچل پیدا ہو گئی۔ فوراً مکہ میں مجلسِ مشاورت منعقد کی گئی جس میں یہ طے پایا کہ رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھیوں کا مکہ میں آنا چونکہ خطرناک ہے اس لئے ان کو ہرگز مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

مجلس مشاورت کے بعد فوراً ہی عرب کے مختلف قبائل کے نام پیغامات بھیجے گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ پر قبضہ کرنے آرہے ہیں۔ فوراً مدد کے لئے مکہ پہنچ جاؤ۔ ان پیغامات کے ملتے ہی مختلف قبائل مکہ کے لئے روانہ ہوگئے اور مکہ کے باہر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک بہت بڑی فوج جمع ہوگئی۔

بیعت رضوان میں صحابہ کا جوش

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حدیبیہ میں پہنچے تو مکہ والوں کی طرف سے ایک شخص نے آکر آپ کو روک دیا اور کہا کہ مکہ والے آپ کو ہرگز مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ رسول مقبول نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ وہ کسی نہ کسی طرح کفار مکہ کو مطمئن کردیں اور یقین دلادیں کہ مسلمان لڑنے یا مکہ پر قبضہ کرنے کے لئے نہیں آئے بلکہ ان کا منشا اور مقصد صرف یہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل کریں۔ جب یہ معاملہ کسی طرح بھی طے نہیں ہوا تو آپ نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بناکر عمائدین مکہ کے پاس بھیجا۔ حضرت عثمانؓ کا کفار مکہ کے گڑھ میں تن تنہا جانا اگرچہ خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن آپ بے دریغ چلے گئے۔ اور آپ نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ کفار اپنی ضد سے باز آجائیں مگر کفار اپنی ضد پر بدستور اڑے رہے۔

حضرت عثمان غنی کو چونکہ مکہ میں کفار سے گفتگو کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا اس لئے یہ مشہور ہوگیا کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گئے۔ جب یہ اطلاع رسول اللہ صلعم کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو جب تک ہم ان کے خون کا بدلہ نہ لے لیں گے یہاں سے نہیں جائیں گے۔ یہ کہہ کر حضورؐ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی یہ بیعت تاریخ میں "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت عثمانؓ واپس تشریف لے آئے تو مسلمانوں کو اطمینان ہوگیا۔

کفار مکہ کی بے جا ضد اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ سے چونکہ مسلمانوں میں غیر معمولی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے کفار کو بڑی فکر پیدا ہوئی اور انہوں نے سہیل بن عمر کو اپنا نمائندہ بناکر رسول اللہ صلعم کے پاس بھیجا۔ سہیل نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر کہا کہ مکہ والے چاہتے ہیں کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں لیکن آئندہ سال آکر آپ خوشی سے حج کرسکتے ہیں۔ مسلمانوں کا جوش چونکہ دم بدم بڑھ رہا تھا اور رسول اللہ صلعم یہ محسوس فرمارہے تھے کہ اگر طاقت کے بل پر عمرہ ادا کیا گیا تو کوئی تعجب نہیں کہ خانہ کعبہ میں ہی کشت وخون شروع ہوجائے جسے آپ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے لہٰذا آپ نے معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لئے آئندہ سال حج کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے اور اسی غرض کے لئے آپ نے کفار مکہ کے نمائندہ سہیل کے ساتھ ایک عہدنامہ کرلیا جو تاریخ میں صلحنامہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے جس میں حسب ذیل شرائط قائم کی گئیں۔

صلحنامہ حدیبیہ کی شرائط

(۱) مسلمان اس سال عمرہ ادا کئے بغیر چلے جائیں گے اور آئندہ سال حج کی غرض سے آئیں گے اور سوائے تلوار کے جو میان میں ہوگی اور کوئی ہتھیار لگا کر مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان کو صرف تین دن تک حرم میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی۔

(۲) اس عہد نامہ کے ذریعہ فریقین باہمی صلح کا اقرار کرتے ہیں۔ صلح کی مدت دس سال ہوگی اس دس سال میں کوئی فریق دوسرے فریق کے جان و مال سے تعرض نہیں کرے گا۔ دونوں فریق باہم امن و امان کے ساتھ رہیں گے۔

(۳) عرب کی ہر ایک قوم اور ہر ایک قبیلہ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی خوشی اور مرضی کے ساتھ جس فریق کے ساتھ چاہے ہم عہد ہو جائے۔ ہم عہد قبائل پر بھی صلحنامہ کی یہ شرطیں اسی طرح عائد ہوں گی جس طرح کہ فریقین پر نیز دونوں فریق دیگر قبائل سے بھی معاہدہ کرنے اور ان کو اپنا حلیف بنانے کے معاملہ میں آزاد ہوں گے۔

(۴) اگر قریش (کفار مکہ) میں سے کوئی شخص بلا اجازت مسلمانوں کے یا ان کے حلیف قبائل کے پاس چلا جائے گا تو مسلمانوں کو اسے قریش کی طرف واپس کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان قریش یا ان کے حلیف قبائل کے پاس آجائے گا تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

اس معاہدہ کی آخری شرط سے چونکہ مسلمانوں کی کمزوری کا اظہار ہوتا تھا اس لئے اسے اکثر صحابہ نے سخت ناپسند کیا گو بظاہر یہ شرط مسلمانوں کی کمزوری کا پتہ دے رہی ہے لیکن بعد کو اندازہ ہوا کہ یہ شرط کمزوری پر محمول نہیں تھی۔ بلکہ اس میں زبردست مصلحت پوشیدہ تھی جس کے نتائج بعد کو ظاہر ہوئے۔

سہیل جس نے کہ کفار کی جانب سے مندرجہ بالا عہد نامہ پر دستخط کئے تھے اس کا بیٹا ابو جندل مسلمان ہو گیا تھا کفارِ مکہ اسے سخت تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ جب یہ صلحنامہ مرتب ہو چکا تو وہ کفار کی قید سے بھاگ کر کسی طرح رسول مقبول صلعم کی خدمت میں آگیا اور (اپنی) مظلومی کی داستان بیان کرتے ہوئے حضور سے خواہش کی کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ آنحضرت نے سہیل سے کہا کہ اگرچہ معاہدہ مکمل ہو چکا ہے لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ابو جندل کو میرے پاس رہنے دو۔ سہیل نے انکار کر دیا تو رسولِ اکرم نے ابو جندل کی طرف دیکھ کر فرمایا "صبر اور ضبط سے کام لو اللہ تعالٰے تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا۔ بہر حال اب صلح ہو چکی ہے اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔" ابو جندل یہ سوال سن کر خاموش ہو گیا۔ اور دوبارہ کفار کی پارٹی میں چلا گیا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کی محبت اور جوش کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت نے حضرت علی سے معاہدہ لکھواتے وقت فرمایا۔ لکھو من محمد رسول اللہ۔ سہیل نے کہا ہم آپ کو رسول اللہ

نہیں مانتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا اچھا رسول اللہ کاٹ کر عبداللہ لکھو۔ حضرت علیؓ کے چہرے پہ بل پڑ گئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ نہیں ہو سکتا کہ میں رسول اللہ کے لفظ کو اپنے ہاتھ سے کاٹ دوں آخر رسولِ اکرم نے خود ہی اس کام کو انجام دیا۔

ایک انقلابی پارٹی کا قیام

صلح حدیبیہ کے بعد ایک شخص ابو بصیر جو مکہ میں اسلام قبول کر چکا تھا جب مکہ سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوا تو کفارِ مکہ نے اپنے دو آدمی آنحضرت کی خدمت میں بھیج کر مطالبہ کیا کہ معاہدہ کے مطابق ابو بصیر کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ آپ نے حسبِ معاہدہ ابو بصیر کو کفار کے آدمیوں کے ہمراہ واپس روانہ کر دیا۔ ابو بصیر نے راستہ میں بڑی چالاکی کے ساتھ ان لوگوں کو قتل کر دیا جو اس کو مکہ واپس لئے جا رہے تھے اور پھر بھاگ کر سمندر کے کنارے عیص میں آباد ہو گیا اور وہاں اس نے اپنی ایک انقلابی پارٹی بنالی۔ ابو جندل جو کفار کے مظالم سے مکہ میں پریشان ہو رہے تھے انہیں جب ابو بصیر کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو وہ بھی قید سے بھاگ کر ابو بصیر کی پارٹی میں آکر شامل ہو گئے اس کے بعد جو شخص بھی مکہ میں مسلمان ہوتا تھا مکہ سے بھاگ کر ابو بصیر کی پارٹی میں شامل ہو جاتا چنانچہ رفتہ رفتہ ان کا ایک بہت بڑا گروہ مقام عیص میں جمع ہو گیا۔

اس گروہ کی طاقت جب بہت زیادہ بڑھ گئی تو انہوں نے کفار مکہ کے ان قافلوں پہ چھاپے مارنے شروع کئے جو بغرضِ تجارت شام جایا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس انقلابی گروہ کی وجہ سے مکہ والوں کے لئے شام سے تجارت کرنا ناممکن ہو گئی جب کفار مکہ ان انقلاب پسند مسلمانوں سے تنگ آ گئے تو انہوں نے رسول مقبول صلعم سے گذارش کی کہ وہ عیص کے انقلاب پسندوں کو مدینہ بلالیں۔ حضور نے فرمایا کہ ہمارے لئے ایسا کرنا صلحنامہ کی چوتھی دفعہ کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے۔ اس پر کفار مکہ نے پیغام بھیجا کہ ہم صلحنامہ کی چوتھی دفعہ کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اب جو شخص مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ جائے گا ہم اس کو ہرگز واپس نہیں لیں گے۔ مہربانی فرما کر جس طرح بھی ممکن ہو آپ ابو بصیر اور اس کی پارٹی کے لوگوں کو اپنے پاس مدینہ میں بلا لیجئے۔ آپ نے کفار مکہ کی اس درخواست کو منظور کر لیا اور ابو بصیر کے پاس پیغام بھیجا کہ تم مع اپنی جماعت کے مدینہ چلے آؤ۔ ابو بصیر کو جس وقت حضور صلعم کا یہ فرمان ملا وہ سخت بیمار تھے۔ اس لئے ابو جندل اور پارٹی کے دوسرے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ اس حکم کی تعمیل میں فوراً مدینہ چلے جائیں چنانچہ ابو بصیر کا تو انتقال ہو گیا اور ابو جندل اور ان کی پارٹی کے دوسرے لوگ مدینہ چلے آئے۔

بادشاہوں کے نام دعوت اسلام

حدیبیہ کے صلحنامہ کے بعد جب رسول اللہ صلعم کفار مکہ کے حملوں کی جانب سے بے فکر ہو گئے تو آپ نے

اپنی تمام تر جد و جہد تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دی۔ چنانچہ آپ نے چھٹی ہجری میں ایک طرف مختلف ممالک میں عوام کو اسلام سے روشناس کرنے کے لئے تبلیغی وفود روانہ فرمائے۔ دوسری جانب مختلف بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔

نجاشی، شاہ حبش کے نام

شاہِ حبش نجاشی پہلے ہی سے اسلام کی جانب جھکا ہوا تھا اور اس نے ہی سب سے پہلے مہاجر مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ حضورِ اکرم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمیری کو اس بادشاہ کے پاس اپنا خط دے کر روانہ کیا۔ حضرت عمرو ضمیری نے جب بھرے دربار میں حضورؐ کا نامہ مبارک دیا تو وہ اس خط کا احترام کرنے کی غرض سے تخت سے نیچے اتر آیا۔ نامہ مبارک کو آنکھوں سے لگایا۔ پھر خط کو بڑے ادب کے ساتھ سننے کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور آنحضرت کی رسالت کا صدق دل سے اقرار کیا اور کہا کہ "میں مجبور ہوں ورنہ خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت کا شرف حاصل کرتا"۔ اس کے بعد نامہ مبارک کا جواب لکھوایا۔ جس میں مسلمان ہونے کی خوشخبری اور اطاعت کا اقرار تھا۔

ہرقل، قیصر روم کے نام

قیصر روم کی حکومت مشرق و مغرب میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا شمار صف اول کے بادشاہوں میں تھا۔ رسول مقبول صلعم نے حضرت دحیہ کلبی کے ذریعہ اسے خط بھیجا جس میں کہ دعوت اسلام دی گئی تھی۔ قیصر روم نے بڑے احترام کے ساتھ آپ کا نامہ مبارک سنا اور بڑی دیر تک رسولِ اکرم کے حالات معلوم کرتا رہا اس کے بعد کہا کہ "مجھ کو یہ علم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں ان کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں میں اگر وہاں جا سکتا تو خود ان کے قدم چومتا"۔ قیصر روم کے ان عقیدتمندانہ خیالات کو سن کر اہل دربار اور مسیحی علما نہایت برہم ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر قیصر روم نے دربار برخاست کر دیا۔ جب تخلیہ ہوگیا تو ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی سے کہا کہ "میں جانتا ہوں کہ عربی پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں لیکن میں اپنی جان اور حکومت کے خوف سے کھلم کھلا ان کا مذہب اختیار نہیں کر سکتا۔"

کسریٰ، شاہ ایران کے نام

رسول اللہ صلعم کے زمانہ نبوت میں خسرو پرویز ایران کا بادشاہ تھا۔ اس کی حکومت مشرق کے بیشتر حصہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس بادشاہ کے نام عبداللہ بن حذافہ رسول اکرم کا نامۂ مبارک لے کر گئے تھے۔ اسے بھی دوسرے بادشاہوں کی طرح دعوت اسلام دی گئی تھی۔ جب عبداللہ بن حذافہ نے شہنشاہِ ایران کو حضور کا خط دیا تو اسی وقت اس کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ خط سننے کے بعد وہ بری طرح برہم ہوا اور اس نے کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو ایسی بات

لکھتا ہے"۔ یہ کہہ کر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا اور والیٔ یمن کو لکھا کہ عرب کے مدعیٔ نبوت کو میرے پاس بھیجدو"۔ اس کے آدمیوں نے مدینہ پہنچ کر حضورِ اکرم سے کہا کہ "تم کو شہنشاہ عالم نے طلب کیا ہے"۔ اگر اس کے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر ڈالے گا"۔ شہنشاہ دو عالم نے جواب دیا "جاکر اس سے کہہ دو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔ اور کسریٰ کی سلطنت پاش پاش ہو جائیگی یہ پیغام اس تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ خود خسرو پرویز کے بیٹے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔

عزیز مصر کے نام

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جب عزیز مصر کو رسولِ مقبول کا نامہ مبارک دیا تو اس نے بڑی تعظیم سے آنکھوں سے لگایا۔ از اول تا آخر بڑے غور کے ساتھ پڑھا اور کہا کہ "میں پیغمبر عربی کی صداقت کا اعتراف کرتا ہوں اور ان کو پیغمبر برحق یقین کرتا ہوں۔ لیکن مجھے ارکان سلطنت کی طرف سے بغاوت کا خوف ہے۔ اس لئے میں علی الاعلان اسلام قبول نہیں کر سکتا"۔ اس بادشاہ نے بہت سے قیمتی تحائف اور ایک خط بھی حضور اکرم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ جس میں صاف الفاظ میں آپ کی رسالت کا اقرار کیا تھا مگر حکومت کے لالچ نے اس بادشاہ کو کھلم کھلا اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

دیگر امرائے سلطنت کے نام

مندرجہ بالا بادشاہوں کے علاوہ رسول اللہ صلعم نے شاہ بحرین۔ شاہِ عمان۔ شاہ یمامہ۔ شاہ یمن اور دیگر امرائے سلطنت کے نام بھی اسی قسم کے خطوط روانہ کئے تھے۔ جن کے ذریعہ ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ شاہ عمان اور دیگر سلاطین نے آپ کا خط پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ غرضکہ ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی تمام بادشاہوں اور حکمرانوں نے آپ کی رسالت کا اقرار کر لیا تھا۔ مختصر یہ کہ دنیا کے تقریباً تمام بادشاہوں اور امرا نے پہلے ہی پیغام پر آقائے دو جہاں کے سامنے گردنیں جھکا دی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی پھیلنے لگا۔ اس کے بعد جب مسلمان تبلیغ کے خیال سے ان ممالک میں پہنچے اور اسلامی تعلیمات کو پھیلانا شروع کیا تو ہزاروں آدمیوں نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

رسولِ اکرم نے جن بادشاہوں کو پیغام حق دیا تھا ان میں سے اکثر و بیشتر بادشاہ ایسی بے پناہ طاقت کے مالک تھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مخالفت پر آمادہ ہو جاتا تو وہ مدینہ تو کیا سارے عرب کو اجاڑ کر رکھ دیتا۔ لیکن رسول اللہ صلعم انتہائی جرأت سے کام لے کر ان کو پیغام حق دیتے ہیں۔ ان کو ان کے آبائی دین سے ہٹنے کی ترغیب دیتے ہوئے ان کے سامنے ایک نیا دین پیش کرتے ہیں اور یہ سب کے سب گردنیں جھکا دیتے ہیں یہ اسلام کا وہ غیر فانی معجزہ ہے جس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

جنگ خیبر کی معرکہ آرائی

جنگ خیبر جو ساتویں ہجری میں رسول اللہ صلعم کی سرکردگی میں عرب کے

یہودیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ اسے اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ اسی جنگ کے بعد مسلمانوں کے عروج کی ابتدا ہوئی۔ اور اس جنگ میں فتحیاب ہونے کے بعد مسلمانان مدینہ جزیرہ نمائے عرب کی اتنی بڑی طاقت بن گئے کہ پھر ان سے نہ کفارِ مکہ آنکھ ملا سکے۔ اور نہ منافقینِ عرب ہی ان کے مقابلہ پر آ سکے۔

خیبر مدینہ سے تقریباً دو سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ علاقہ اگرچہ زمانہ دراز سے یہودی آبادی کا بہت بڑا مرکز تھا لیکن یہودی قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ کو جب مدینہ کے علاقہ سے رسول اکرم اور مسلمانوں نے نکالا تو یہ سب خیبر میں آکر آباد ہو گئے۔ لہٰذا اس علاقہ میں یہودیوں کی طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ مدینہ سے جلاوطن ہونے والے یہودی قدرتی طور پر مسلمانوں سے بغض اور عناد رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے خیبر میں آباد ہونے کے بعد وہاں ہزاروں مقامی یہودیوں کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ مکہ کے بعد مسلمانوں کی مخالفت اور عداوت سے بڑا مرکز خیبر بن گیا۔

یہودی یوں تو روزِ اوّل ہی سے مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ لیکن ان کی یہ دشمنی جنگ خندق کی ناکامی کے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ مزید برآں رسول مقبول صلعم نے جب بعض شرارت پسند یہودی قبائل کو مدینہ سے جلاوطن کیا تو یہودی اور بھی مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے جنگ خندق کی طرح مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے عرب کے بہت سے ان قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو مسلمانوں سے بغض و عناد رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ہی خاص مدینہ کے منافقوں سے بھی سازباز کر لی جس کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی تمام نقل و حرکت کی اطلاعیں برابر ملتی رہتی تھیں۔ بغرضکہ یہودیوں نے مختصر سے عرصہ میں جوڑ توڑ کر کے بیس ہزار کے قریب لشکر جمع کر لیا جس میں کہ بڑے بڑے نامور بہادر اور جنگجو سردار شامل تھے۔ اس کے علاوہ جنگ کے لئے بے اندازہ سامان بھی فراہم کر لیا۔ اور اس طرح یہودیوں نے اپنے ہمنوا منافقوں کو بھی ساتھ ملا کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مکمل تیاریاں کر لیں۔ رسول مقبول صلعم کو جب یہودیوں کے ارادوں کا علم ہوا تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہودی پہل کرنے کے بعد جنگ خندق کی طرح مسلمانوں کو مدینہ میں آکر محصور نہ کر لیں۔ لہٰذا آپ نے طے کیا کہ یہ جنگ مدینہ کی بجائے خود یہودیوں کے گھر میں گھس کر لڑی جائے اس فیصلہ کے بعد رسول اکرم سولہ سو جان نثارانِ اسلام کو ساتھ لے کر مدینہ سے خیبر کی جانب روانہ ہو گئے اور مقام صہبا میں جو خیبر سے متصل ہے جا کر پڑاؤ ڈال دیا۔

یہودیوں کے پاس اگرچہ بہترین ساز و سامان سے آراستہ بیس ہزار کا لشکر موجود تھا لیکن مسلمانوں کی ہیبت ان پر کچھ ایسی طاری ہوئی کہ کھلے میدان میں لڑنے کی وہ ہمت نہ کر سکے۔ اور انہوں نے طے کیا کہ وہ قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے۔ انہوں نے غالباً اسی غرض کے لئے پہلے ہی سے چھ سات نہایت ہی مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کر لئے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ قلعہ ناعم۔ قلعہ قموص۔ قلعہ سالم۔ قلعہ قطاۃ۔ قلعہ قصارۃ۔ قلعہ شق۔ قلعہ مربطہ اور

قلعہ نشین یہودیوں نے ان قلعوں میں محصور ہونے کے بعد قلعوں کے دروازے بند کر لئے اور قلعہ بند ہو کر اسلامی لشکر کا مقابلہ شروع کیا ان قلعوں کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خیبر کے ہزاروں شہریوں کے علاوہ اطراف سے مخالف اسلام قبائل کی آئی ہوئی تقریباً بیس ہزار فوج ان قلعوں میں موجود تھی۔

حضرت علی فاتح خیبر

یہودیوں کا خیال تھا کہ مسلمان ان فولادی قلعوں کو توڑنے میں ناکام رہیں گے اور محاصرہ سے تنگ آ کر خود ہی واپس چلے جائیں گے۔ لیکن مسلمانوں نے یہودیوں کی توقع کے خلاف ایک ایک کر کے اس تیزی کے ساتھ قلعے فتح کرنے شروع کر دیئے کہ یہودی حیران رہ گئے چنانچہ مختصر سی مدت میں مسلمانوں نے سات قلعوں میں سے چھ قلعے فتح کر لئے۔ مگر آخری قلعہ جو سب سے بڑا تھا اس کے فتح کرنے میں بہت سے صحابہ کو قوت آزمائی کرنا پڑی جب کافی دیر ہو گئی اور کسی طرح قلعہ فتح نہیں ہوا تو آنحضرت نے مسلمانوں سے فرمایا کہ کل میں اسلامی جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول دونوں محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ صبح کو آپ نے فرمایا۔ علیؓ کو بلاؤ۔ حضرت علی آئے مگر آنکھوں میں تکلیف تھی اور کپڑا بندھا تھا آپ نے دعائے صحت فرمائی اور جھنڈا ہاتھ میں دے کر فرمایا جاؤ خدا تمہارے ہاتھ پر فتح دیگا حضرت علی آگے بڑھے اور اس زور سے حملہ کیا کہ تھوڑی دیر کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ اور فاتح خیبر کے لقب سے سرفراز کئے گئے۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد مسلمان مدینہ منورہ سے لے کر خیبر تک کے وسیع علاقے کے مالک و مختار بن گئے یعنی فتح خیبر کے بعد مدینہ نے باقاعدہ ایک چھوٹی سی اسلامی سلطنت کی حیثیت حاصل کر لی۔

خیبر کے اس معرکہ کے بعد یہودیوں نے رسول مقبول صلعم سے درخواست کی کہ خیبر کی زمین بدستور ہمارے قبضہ میں ہی رہنے دی جائے ہم پیداوار کا نصف حصہ بطور ٹیکس کے ادا کرتے رہیں گے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی۔ رسول اللہ صلعم فتح کے بعد تقریباً پندرہ روز تک خیبر ہی میں رہے۔ آپ نے فتح کے بعد یہودیوں کے ساتھ نہایت ہی نرم سلوک کیا لیکن اس کے باوجود بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے آنحضرت صلعم کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی تو آپ نے یہ دعوت قبول فرما لی۔ شام کو وہ کھانا لے کر آئی اور رسول اللہ صلعم کے سامنے رکھ کر چلی گئی۔ اس وقت جتنے بھی صحابہ موجود تھے حضورؐ نے سب کو شریک دعوت کر لیا اور کھانا شروع کیا۔ آپ نے پہلا ہی لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ اس کھانے میں زہر ہے یہ سنتے ہی سب صحابہ دست کش ہو گئے۔ لیکن حضرت بشر بن البراء نے کئی لقمے کھا لئے تھے اس لئے وہ اس کے اثر سے شہید ہو گئے آنحضرت نے زینب کو بلا کر پوچھا تو اس نے جرم کا اقبال کر لیا اور وہ وارثانِ بشر کے حوالے کر دی گئی۔ بعض مورخوں کا تو یہ کہنا ہے کہ وارثانِ بشر نے اسے اس لئے قتل نہیں کیا کیونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی اور بعض کا کہنا ہے کہ اسے قصاص میں قتل کر دیا گیا تھا اور یہ آخری قول ہی درست ہے

فدک کی فتح

رسولِ مقبول صلعم خیبر سے مدینہ کی طرف واپسی کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ملکِ حبش سے واپس آنے والے مہاجرین کا قافلہ۔ شاہِ حبش کا خط اور تحائف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حبش کا ایک قافلہ جس میں حضرت عثمان غنی، حضورؐ کی صاحبزادی اور دوسرے مسلمان تھے وہ تو پہلے ہی آچکا تھا۔ اس نئے قافلہ میں جو مسلمان حبش میں رہ گئے تھے وہ بھی سب آگئے۔ آپ ان کے آنے سے بے حد خوش ہوئے۔

خیبر سے واپسی کے راستہ میں ایک مقام فدک تھا جو خیبر کے قریب ہی تھا۔ فدک کے یہودیوں نے رسول اللہ صلعم کے پاس خود پیغام بھیجا تھا کہ ہم کو صرف جانوں کی امان دے دی جائے۔ مال و اسباب کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم نے ان کی اس درخواست کو منظور کر لیا تھا چنانچہ فدک کے علاقہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ چونکہ فدک کا علاقہ بغیر لڑے ہوئے ہاتھ آیا تھا لہٰذا بلا تقسیم جیسا کہ خدا کا حکم تھا۔ خدا اور رسول کا مال سمجھا گیا۔ یعنی اس کی آمدنی رسول مقبول صلعم کے متعلقین کے لئے وقف کر دی گئی۔

وادی القریٰ کی فتح

فدک کی تسخیر کے بعد لشکرِ اسلام جب وادی القریٰ کی جانب بڑھا تو یہودیوں نے مسلمانوں پر تیر اندازی شروع کر دی چنانچہ ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ آخر انہوں نے بھی زمینوں کی نصف آمدنی دینے کا وعدہ کر کے اطاعت قبول کر لی۔

خیبر کا علاقہ بے حد زرخیز تھا اور وہاں کے یہودی بھی بے حد مالدار تھے خیبر کی فتح کے بعد اموال غنیمت اور زرعی زمینیں جب مسلمانوں میں تقسیم ہوئیں تو مہاجرین کی پریشان حالی اور افلاس سب دور ہوگیا یہاں تک کہ بہت سے مہاجرین نے جائدادیں بھی بنالیں۔ غرضکہ تقریباً تمام مہاجرین انصار کی مالی امداد سے بے نیاز ہو گئے۔ خیبر کی زمینوں میں سے رسول مقبول صلعم کے حصہ میں فدک کی جو جائداد آئی تھی اس سے آپ اپنے رشتہ داروں، یتیموں اور مفلس مسلمانوں کی پرورش فرمایا کرتے تھے۔

خیبر سے مدینہ واپس آنے کے بعد رسول اللہ صلعم ان سرکش اور مغرور قبائل کی جانب متوجہ ہوئے جو کبھی تو کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر اور کبھی یہودیوں کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا کرتے تھے آپ نے ایک ایک کر کے تمام غدار قبائل کو زیر کر لیا۔ اور اس طرح اس سارے فتنہ کو دبا دیا جو زمانہ دراز سے مسلمانوں کی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ درحقیقت خیبر میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی اور فتنہ پرداز قبائل کی سرکوبی کفارِ مکہ کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا۔ کیونکہ ان عظیم الشان فتوحات کے بعد کفارِ مکہ کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

عمرہ کے لئے روانگی

حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ آئندہ سال رسول اللہ صلعم

مکہ آکر عمرہ یعنی چھوٹا حج ادا کریں گے۔ اس معاہدہ کے مطابق خیبر کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ان تمام صحابہ کرام کو سفر کی تیاری کا حکم دے دیا۔ جو گذشتہ سال عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آپ کے ساتھ مکہ کی جانب گئے تھے مگر کفارِ مکہ کی مزاحمت کی وجہ سے عمرہ ادا نہیں کر سکے تھے۔

اس حکم کے ملتے ہی صحابہ سفر کے لئے تیار ہو گئے اور ۲ ذیقعدہ ۷ھ کو یہ قافلہ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ معاہدہ حدیبیہ کی ایک دفعہ چونکہ یہ بھی تھی کہ مسلمان مسلح ہو کر مکہ میں نہیں آئیں گے صرف اپنے ساتھ تلواریں لا سکیں گے۔ اس لئے مسلمانوں نے تمام ہتھیار اتار دیئے اور صرف تلواریں حمائل کئے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے رسول مقبول صلعم لبیک کہتے ہوئے حرم کی جانب بڑھے اور مسجد الحرام میں داخل ہو کر آپ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور طواف کیا۔ صحابہ کرام نے بھی اس موقعہ پر آپ کی تقلید کی۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ متعدی کے ساتھ دوڑتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرو۔ تاکہ کفارِ مکہ مسلمانوں کی عقیدت اور جفاکشی کو اچھی طرح محسوس کر لیں۔

رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں نے مکہ میں تین دن قیام کیا۔ ارکان عمرہ سے فارغ ہو کر آپ نے عباس بن عبد المطلب کی بیوہ اور ام افضل کی ہمشیرہ میمونہ بنت حارث سے اسی موقعہ پر نکاح کیا تھا۔ تین دن گذرنے پر کفارِ مکہ کے نمائندے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے پیغمبر سے کہو کہ شرط پوری ہو چکی ہے۔ اور تین دن گذر چکے ہیں۔ حضرت علیؓ نے رسولِ مقبول صلعم سے کہا تو آپ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی کہ اگر وہ عہد شکنی کرنا چاہتے تو آسانی سے مکہ پر قابض ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے ایفائے عہد کو مقدم رکھا اور بلا تامل واپس چلے آئے۔

عمر بن عاص اور خالد بن ولید کا قبولِ اسلام

عمر بن عاص اور خالد بن ولید کو کفارِ مکہ میں بہت بڑی عظمت حاصل تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ان دونوں کو کفار کی طاقت کا ستون خیال کیا جاتا تھا۔ ساتویں ہجری کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں مقتدر حضرات نے اسلام قبول کر لیا۔ عمر بن عاص۔ خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ یہ تینوں سردار اسلام قبول کرنے کے لئے مکہ سے مدینہ آئے اور رسول مقبول صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ ان تینوں کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی

۷ھ کے اہم احکامات

ساتویں ہجری میں آیاتِ قرآنی کے نزول کے بعد جو فقہی احکامات مسلمانوں کے لئے جاری ہوئے وہ یہ تھے۔

(۱) اس سے قبل عرب کے باشندے پنجہ سے کھانے والے پرندوں کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے تھے لیکن اس سال سے ان پرندوں کا گوشت حرام قرار دے دیا گیا۔

(۲) عربوں میں درندوں کا گوشت کھانے کا رواج بھی زمانہ دراز سے چلا آرہا تھا اب درندے بھی حرام ہو گئے۔ نیز گدھا اور خچر بھی حرام قرار دے دیا گیا۔

(۳) متعہ کا عرب میں عام رواج تھا اسی سال متعہ بھی حرام ہوا۔ یہ دونوں حکم جنگ خیبر کے موقعہ پر دیئے گئے تھے۔

رومیوں سے پہلی جنگ

ہجرت کا آٹھواں سال شروع ہو چکا تھا۔ مسلمان سرزمین عرب کی سب سے بڑی طاقت بن چکے تھے۔ کفار مکہ۔ یہودان خیبر اور منافقین مدینہ گو مسلمانوں کے خلاف اپنی تمام ریشہ دوانیوں میں ناکام ہو چکے تھے۔ لیکن اب بھی مسلمانوں کی جانب سے غافل نہ تھے۔ جب ان دشمنان اسلام نے یہ دیکھ لیا کہ اب عرب میں کوئی قبیلہ اور کوئی جماعت ایسی نہیں رہی جو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکے تو ان شرارت پسندوں نے ایران اور روم کے بادشاہوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور ان کو توجہ دلائی کہ اگر ابتدا ہی میں عرب سے مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیا گیا تو ان کا وجود آگے چل کر روم اور ایران کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جائے گا۔ شاہ ایران تو پہلے ہی بگڑا ہوا تھا۔ اب شاہ روم اور رومی حکام بھی مسلمانوں کے مخالف بن گئے۔

مخالفین اسلام کی ان تازہ ریشہ دوانیوں کو بے اثر بنانے کے لئے رسول اللہ صلعم پہلے ہی مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط روانہ کر چکے تھے۔ جن میں کہ ان کو اسلام کی امن پسندی کا یقین دلایا گیا تھا۔ اسی قسم کا ایک خط دے کر حارث بن عمر کو حاکم بصرہ کے پاس روانہ کیا گیا تھا۔ حارث ابھی بصرے پہنچے ہی تھے کہ موتہ کے رومی حاکم شرجیل غسانی نے حارث کو گرفتار کر لیا اور یہ معلوم کر کے کہ یہ حاکم بصرہ کے پاس رسول مقبول صلعم کا خط لے کر جا رہے ہیں ان کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلعم کے نامہ بر کی شہادت کوئی معمولی بات نہ تھی اس سے مسلمانوں میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا۔ رسول مقبول صلعم کو بھی اس واقعہ سے بے حد رنج پہنچا۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فوراً تین ہزار مسلم جانبازوں کا ایک لشکر شرجیل حاکم موتہ کی سرکوبی کے لئے زید بن حارثہ کی سرکردگی میں روانہ کر دیا۔

شرجیل غسانی حاکم موتہ کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر حارث بن عمر کے قتل کا انتقام لینے کے لئے آرہا ہے تو اس نے بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کا لشکر جرار تیار کر لیا۔ رومی فوجوں میں مزید ہمت اور جرأت پیدا کرنے کے لئے خود قیصر روم موتہ سے کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہو گیا۔ مختصر یہ کہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ گئی۔

موتہ میں مسلمانوں کا جذبہ شہادت

عیسائیوں اور مسلمانوں کی یہ تاریخی جنگ موتہ کے میدان

میدان میں لڑی گئی تھی۔ اس جنگ میں ایک طرف تو ان رومی عیسائیوں کا ایک لاکھ کا لشکر جرار تھا جن کی سلطنت مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اور دوسری طرف صرف تین ہزار اسلامی سرفروش تھے جو پوری طرح آلات حرب سے بھی مسلح نہ تھے۔ اسی لشکر اسلام میں حضرت خالد بن ولید مسلمان ہونے کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں کی جانب سے لڑے تھے۔

تین ہزار مسلمانوں کا اتنے بڑے لشکر جرار کے ساتھ ٹکرانا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن مجاہدین اسلام کی حالت یہ تھی کہ وہ قلت سامان کے باوجود دشمن کے لشکر کے قلب میں گھس گھس کر حملے کر رہے تھے۔ اور آگے بڑھ بڑھ کر اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش کر رہے تھے اس خوفناک جنگ میں جب تین بڑے بڑے اسلامی سپہ سالار زید بن حارث، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو لشکر اسلام کی سپہ سالاری حضرت خالد بن ولید کے سپرد کی گئی۔ آپ کے سپہ سالار ہونے سے قبل مسلمانوں کو بری طرح ہر مورچہ پر شکست ہو رہی تھی لیکن جوں ہی علم اسلام آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ جنگ کا رخ بدلنے لگا۔ حضرت خالد بن ولید نے مختلف ٹکڑیوں میں مختصر سی اسلامی فوج کو تقسیم کر کے اس قابلیت کے ساتھ رومیوں کے لشکر عظیم پر حملہ کیا کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کو بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔ اسی تاریخی جنگ کے موقعہ پر رسول مقبول صلعم نے حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب عطا کیا تھا۔

عیسائیوں اور مسلمانوں کی اس سب سے پہلی اور عجیب وغریب جنگ کو دنیا کی تاریخ میں ایک معجزہ خیال کیا جاتا ہے۔ جبکہ مٹھی بھر مسلمانوں نے دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے ایک لاکھ منظم لشکر کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مخالفین اسلام نے رومی عیسائیوں اور مسلمانوں کی یہ جنگ اس لئے کرائی تھی تاکہ مسلمان تباہ ہو جائیں۔ لیکن اس جنگ کا یہ خوشگوار نتیجہ نکلا کہ ایک طرف تو مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو زیر کر سکتے ہیں۔ دوسری جانب غیر ممالک کے حکمرانوں پر بھی مسلمانان مدینہ کی قوت اور طاقت کی دھاک بیٹھ گئی۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضور اکرم نے جب زید بن حارث کو روانہ کیا تو فرمایا اگر زید شہید ہو جائیں تو علم اسلام جعفر لیں اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں۔ اس لڑائی کا حال آنحضرت مدینہ میں دیکھ رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اب زید شہید ہوئے اب عبداللہ شہید ہوئے۔ اس کے بعد آپ حضرت جعفر کے گھر گئے اور ان کے یتیم بچوں کو پیار کیا اور بیوی کو شہادت کی خبر سنائی

کفار مکہ کی معاہدہ شکنی

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ چھٹی ہجری میں صلح حدیبیہ کے نام سے کفار مکہ اور مسلمانوں میں دس سال کے لئے صلح کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو

سے یہ قرار پایا تھا کہ دس سال تک دونوں فریق ایک دوسرے کے جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے۔ اور جو قبائل فریقین کے حلیف بن جائیں گے وہ بھی ایک دوسرے کے جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے۔ اور اسی طرح اس عہدنامہ کے پابند ہوں گے جس طرح کہ دونوں فریق پابند ہیں۔

عرب کے دو مشہور قبائل بنو خزاعہ اور بنو بکر میں آپس میں برابر خانہ جنگی رہتی تھی۔ لیکن صلح حدیبیہ کے بعد جب قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اور قبیلہ بنو بکر کفارِ مکہ کے ساتھ مل گیا تو اس صلحنامہ کی رو سے ان دونوں کی خانہ جنگی بھی ختم ہوگئی۔ اور یہ دونوں قبیلے امن سے اپنی زندگی گزارنے لگے۔

تقریباً دو سال تک تو یہ دونوں قبیلے امن سے رہے لیکن آٹھویں ہجری میں قبیلہ بنو بکر کی نیت بگڑی اور اس کے سردار نوفل بن معاویہ نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ کفارِ مکہ کا فرض تھا کہ وہ معاہدہ کے مطابق اپنے ساتھی قبیلے بنو بکر کو اس جارحانہ اقدام سے روکتے اور قبیلہ بنو خزاعہ پر جو رسول مقبول صلعم کی پناہ میں آگیا تھا، بنو بکر کو حملہ نہ کرنے دیتے لیکن انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے حملہ کرنے والوں کی خوب ہمت افزائی کی۔ چنانچہ ان کو نہ صرف ہتھیار اور سامانِ حرب دیا گیا بلکہ جب قبیلہ بنو بکر نے قبیلہ خزاعہ پر حملہ کیا تو کفارِ مکہ کے خود اپنے سردار صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ بھی اس حملہ میں بنو بکر کے ساتھ شامل ہو گئے اور بنی خزاعہ کا قتل عام شروع کر دیا۔

یہ بزدلانہ حملہ رات کے وقت ایسی حالت میں کیا گیا تھا جبکہ بنی خزاعہ غافل پڑے ہوئے سو رہے تھے بنو خزاعہ جب اس اچانک حملہ کا مقابلہ نہ کر سکے تو جان بچانے کے لئے حرم میں جا چھپے لیکن کفار مکہ اور بنو بکر نے ان کو وہاں بھی نہیں چھوڑا۔ چنانچہ اس ہنگامہ میں بنو خزاعہ کے پچیس تیس آدمی مارے گئے جن میں سے بعض بیت اللہ کے اندر قتل کئے گئے تھے۔

کفار مکہ کی اس معاہدہ شکنی اور قبیلہ بنو بکر کی قبیلہ بنو خزاعہ کے ساتھ اس زیادتی کی فریاد مظلوم قبیلہ والوں نے جب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کی تو آپ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ نے ان لوگوں کو تسلی تشفی دے کر فرمایا کہ ہم تمہاری امداد کو ضرور پہنچیں گے اس حادثہ کے فوراً ہی بعد آپ نے کفار مکہ کے پاس قاصد روانہ کیا اور مندرجہ بالا واقعہ پر اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے مطالبہ کیا کہ:۔

"قبیلہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا دیا جائے۔ بنو بکر کی حمایت سے قریش مکہ خود علیحدہ ہو جائیں اور اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ دس سال کے لئے حدیبیہ کا جو صلحنامہ ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔"

رسول اللہ صلعم کا یہ پیغام لے کر قاصد جب کفار مکہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے نہایت غرور اور تکبر

کے ساتھ جواب دیا "ہم محمدؐ کے محکوم نہیں ہیں۔ ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ہم نے جو چاہا کیا۔ ہم کو معاہدہ کی پروا نہیں ہے۔ جاؤ ہم اس معاہدہ کو منسوخ کرتے ہیں" یہ تلخ جواب لیکر قاصد مدینہ آ گیا۔ اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس متکبرانہ جواب سے مطلع کیا تو آپ نے اسی وقت مکہ پر چڑھائی کی تیاریوں کا حکم دے دیا۔

حماقت کا احساس

اسلامی قاصد کے واپس چلے جانے کے بعد کفارِ مکہ نے جب اپنے جواب کی نامعقولیت اور حماقت پر غور کیا تو ان کو بڑی فکر ہوئی کیونکہ انہوں نے اس طرح خود ہی مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کی دعوت دے دی تھی چنانچہ مسلمانوں کے حملہ سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے سردار ابو سفیان کو سفیر بنا کر رسول مقبول صلعم کی خدمت میں معاہدہ کی تجدید کی درخواست پیش کی تو آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابو سفیان بارگاہ رسالت سے مایوس ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور مدینہ کے تمام باا ثر حضرات کی خوشامدیں کرتا پھرا لیکن کسی نے اسے منہ نہ لگایا۔ آخر وہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔

رسول اکرم صلعم کا مکہ میں فاتحانہ داخلہ

مکہ پر حملہ کرنے کے لئے جب جملہ انتظامات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے تو ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو دس ہزار کا اسلامی لشکر فتح مکہ کی غرض سے رسول اللہ صلعم کی قیادت میں روانہ ہو گیا۔ اور مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر وادی مرّ الظہران میں پہنچ کر ٹھہر گیا۔ خیمے گاڑ دیئے گئے اور سامان اونٹوں سے اتار لیا گیا۔ اسلامی لشکر اگرچہ بالکل قریب پہنچ چکا تھا لیکن مکہ والے ابھی تک مسلمانوں کے حملہ سے قطعی بے خبر تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام کارروائی اس قدر رازداری اور سرعت کے ساتھ کی گئی تھی کہ کفارِ مکہ کو آخر وقت تک مسلمانوں کے ارادوں کا علم نہ ہو سکا۔

مرّ الظہران کے چرواہے جب مکہ پہنچے اور ان کے ذریعہ مکہ والوں کو علم ہوا کہ ایک بہت بڑا لشکر اس علاقے میں خیمہ زن ہے۔ تو کفار بہت گھبرائے اور انہوں نے تحقیق حال کے لئے ابو سفیان اور چند دوسرے سرداروں کو روانہ کیا۔ یہ لوگ ادھر ادھر گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلانے میں معروف تھے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ لیا اور گرفتار کر کے کشاں کشاں خیمہ نبوی میں لے آئے۔ ابو سفیان سب سے بڑا دشمنِ اسلام تھا وہ مسلمانوں کے خلاف تقریباً تمام لڑائیوں میں سب سے زیادہ پیش پیش رہا تھا۔ اور مسلمانوں کو اس کی ذات سے بے حد نقصان پہنچا تھا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ حکم دیجئے کہ میں اس کافر کی گردن اڑا دوں۔ لیکن حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ "میں اس سے کوئی انتقام نہیں لینا چاہتا اس کو چھوڑ دو۔ ابو سفیان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس جیسے دشمنِ اسلام پر یہ رحم و کرم۔ اس زم

سلوک کا نتیجہ کہ اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے اس سے کہا کہ تم جا کر اہل مکہ کو میرے ارادہ سے مطلع کر دو کہ ہمارا مقصد انتقام یا خونریزی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد اعلائے کلمۃ الحق ہے پس جو لوگ ہم پر تلوار اٹھائیں گے۔ صرف وہی قتل کئے جائیں گے اور جو ہم پر ہتھیار نہیں اٹھائیں گے ہم ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کریں گے۔ اس کے علاوہ جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہو جائے وہ پناہ میں ہے۔ اور جو اپنا دروازہ بند کرے گا اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزیں ہو گا اسے بھی پناہ مل جائے گی۔

مکہ پہنچ کر ابوسفیان نے رسول مقبول صلعم کا پیغام مکہ والوں تک پہنچا دیا اور ان سے کہا اے لوگو محمد صلعم کے ساتھ فدا کارانِ اسلام کا اتنا بڑا لشکر ہے جس کا مقابلہ ہم کسی طرح بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ ہم اطاعت قبول کر لیں اور ہر قسم کے مقابلہ کے خیال کو دل سے نکال دیں۔ ابوسفیان جیسے مخالف اسلام کی زبان سے یہ کلمات سن کر کفار مکہ اپنی زندگیوں سے مایوس ہو گئے اور گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے اب ان کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ بانیٔ اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔

دوسرے دن لشکر اسلام نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ کسی مزاحمت کے بغیر مکہ میں داخل ہونا شروع کیا۔ یہ منظر بڑا ہی پُر عظمت اور پُر شکوہ تھا کہ مہاجرین و انصار اور مسلمانوں کا ہر قبیلہ علیحدہ علیحدہ اپنے جھنڈے لئے ہوئے اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا مکہ میں داخل ہو رہا تھا۔ آقائے دوجہان محمد صلعم کی سواری لشکر اسلام کے عین وسط میں تھی۔ ایک دن وہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کو انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں مکہ سے نکلنا پڑا تھا اور ایک آج کا دن تھا کہ حضور شاہانہ عظمت کے ساتھ پھر اپنے گھر میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت آپ والہانہ انداز میں بار بار اپنی زبان مبارک سے اپنے مولا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ اور آپ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

آپ نے اسلامی لشکر کو سخت تاکید کر دی تھی کہ خونریزی تو درکنار کسی کو خراش تک نہ آئے۔ چنانچہ اسلامی لشکر انتہائی ضبط اور احتیاط سے کام لیتا ہوا مکہ میں داخل ہو گیا۔

آقائے دوجہان شاہانہ دبدبہ کے ساتھ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اور سر جھکائے ہوئے اپنے مرکب پر سوار تھے۔ مکہ میں داخل ہونے کے ساتھ ہی آپ خانہ کعبہ کی طرف تشریف لے گئے جب آپ خانہ کعبہ کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جسے سن کر پورے لشکر نے نعرہ توحید بلند کیا اور سارا مکہ توحید الٰہی کے نعروں سے گونج اٹھا۔ آپ نے سواری ہی پر سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے جو اسی وقت آپ کے حکم سے باہر پھنکوا دیئے گئے۔ کعبہ کے بتوں سے پاک ہونے پر آپ نے یہ

آیت پڑھی جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا یعنی "حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کی چیز ہے" حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جب خانہ کعبہ سے تصویروں کو مٹا دیا اور خانہ کعبہ تمام آلائشوں سے پاک ہو گیا تو نبی کریم اندر داخل ہوئے اور نماز پڑھی لیکن بخاری میں نماز کا پڑھنا مذکور نہیں ہے صرف تکبیروں کا ذکر ہے اس کے بعد خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آپ نے جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

خدائے واحد کے سوا کوئی خدا نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آج اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی اس نے مدد کی۔ اور تمام گروہوں کو اس کے مقابلہ میں شکست دی۔ میں نے زمانۂ جاہلیت کی تمام رسموں کو پاؤں تلے مسل دیا ہے۔ صرف بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو آب زمزم کا پلانا برقرار رکھا گیا ہے۔ اے گروہ قریش تم کو اللہ نے زمانہ جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا پر فخر کرنے سے منع کر دیا ہے۔ کل آدمی آدم سے پیدا ہوئے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ "لوگو میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں پہچان لئے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ خدا دانا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

جس وقت آپ یہ تقریر فرما رہے تھے تو مکہ کے تمام ظالم اور جابر شرم اور خوف سے گردن جھکائے ان ارشادات کو سن رہے تھے یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے کہ ہمیشہ رسول مقبول صلعم اور مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کئے تھے اور جن کے مظالم سے تنگ آ کر رسول اللہ صلعم کو ترک وطن کرنا پڑا تھا۔ حضور نے اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد مجمع کی طرف دیکھا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم لوگ میرے متعلق کیا خیال کرتے ہو آیا میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟"

کفار مکہ یہ سن کر لرز گئے۔ مجمع پر سکوت طاری ہو گیا اور ان لوگوں نے دبی آواز کے ساتھ خوشامدانہ انداز میں جواب دیا "اے صادق! اے امین ہم نے آپ کو ہمیشہ سے رحم دل پایا ہے اور اب بھی آپ سے اسی کی امید رکھتے ہیں۔" آنحضرت نے اس کے بعد پورے مجمع پر رحم انگیز نگاہ ڈالی اور فرمایا اذھبوا وانتم الطلقاء جاؤ تم سب آزاد ہو آج میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لا تثریب علیکم الیوم میں آج تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔

وہ جو سرتاپا مجرم تھے جنہوں نے رسول اللہ اور مسلمانوں کے لئے کوئی انسانیت سوز ظلم اٹھا نہیں رکھا تھا سمجھ رہے تھے کہ عنقریب ان کے قتل عام کا حکم ہونے والا ہے۔ اور ان کو اپنے گناہوں کی سزا ملنے والی ہے

لیکن جب انہوں نے خلاف توقع حضور اکرمؐ کی زبان سے عام معافی کا اعلان سنا تو وہ شرم اور ندامت سے زمین میں گڑ گئے۔ حضورؐ کی اس رحمت اور شفقت کا یہ اثر ہوا کہ اہل مکہ کی بیشتر تعداد اسی وقت حلقہ بگوش اسلام بن گئی۔ حضورؐ عام معافی کے اعلان کے بعد کوہ صفا پر جا بیٹھے اور لوگوں سے خدا اور رسول کی اطاعت پر بیعت لیتے رہے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ اور بیٹے معاویہ نے اسی موقعہ پر اسلام قبول کیا تھا۔

جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو رسول مقبول صلعم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دو۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے نہایت بلند آواز سے اذان دی۔ جس سے سارا کعبہ توحید کی آواز سے گونج اٹھا۔ اور خانہ خدا جو صدیوں سے بت خانہ بنا ہوا تھا پھر ایک بار اللہ کا گھر بن گیا۔

اطراف مکہ سے بتوں کا صفایا

فتح مکہ سے قبل صرف خانہ کعبہ ہی بت خانہ نہیں تھا بلکہ خانہ کعبہ کی طرح بے شمار چھوٹے چھوٹے دوسرے بت خانے بھی اطراف مکہ میں قائم تھے جب حضورؐ خانہ کعبہ کو بتوں کی لعنت سے پاک کر چکے تو آپ نے نواح مکہ کے مشہور بتوں کو توڑنے اور دوسرے بت خانوں کو منہدم کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کئے۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے بنو کنانہ کے عزیٰ نامی بت کو جا کر منہدم کیا۔ حضرت عمرو بن عاص نے بنی ہذیل کے بت سواع کو مسمار کیا۔ حضرت سعد بن زید نے مناۃ نامی بت کو جا کر پاش پاش کیا۔ غرضکہ نواح مکہ میں مختلف قبائل نے اپنے علیحدہ علیحدہ جو بت خانے بنا رکھے تھے وہ سب کے سب منہدم کر دیئے گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور تمام اطراف میں منادی کرا دی کہ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں وہ اپنے گھروں میں کوئی بت باقی نہ رکھیں۔ مکہ اور نواح مکہ کی بیشتر آبادی اگرچہ مسلمان ہو گئی تھی لیکن پھر بھی مکہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو کفر اور بت پرستی کے عقیدہ پر بدستور قائم تھے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا برا سلوک کیا گیا۔ بلکہ ان کو بھی وہی شہری حقوق عطا کئے گئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ رسول اکرمؐ کے اخلاق اور بے مثل رواداری کی وجہ سے یہ سب لوگ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے۔

جنگ حنین

فتح مکہ اور اہل مکہ کے مسلمان ہونے کے بعد عرب کے ان تمام دوسرے قبائل میں سخت ناگواری پیدا ہو گئی تھی جو عرب کے دوسرے حصوں میں آباد تھے اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ ان ہی قبائل میں سے ہوازن اور ثقیف نامی قبائل بھی تھے۔ جن کو طاقت میں قریش مکہ کا مد مقابل خیال کیا جاتا تھا۔ ان قبائل کو فتح مکہ کے بعد یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب مسلمان ان پر حملہ کرنے والے ہیں لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

رسول مقبول صلعم کو جب معلوم ہؤا کہ یہ قبائل جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو آپ مہاجر و انصار اور مکہ کے نومسلموں کا بارہ ہزار کا لشکر لے کر حنین کی جانب روانہ ہو گئے ہوازن اور ثقیف کے قبائل کو جب مسلمانوں کی اس لشکر کشی کا علم ہؤا تو انہوں نے وادی حنین کے دونوں جانب اپنے سپاہیوں کو چھپا دیا اور ہدایت کر دی کہ جیسے ہی لشکر اسلام وادی کے درمیان پہنچے اچانک اس پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اسلامی لشکر جب حنین کی وادی کے درمیان پہنچا تو مخالفین نے کمین گاہوں سے نکل کر اچانک مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ مسلمان چونکہ اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لئے وہ گھبرا گئے۔ اور سب سے بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ مکہ کے وہ نومسلم جو محض مال غنیمت کے لالچ میں اس لشکر کے ساتھ شامل ہو گئے تھے انہوں نے بدحواس ہو کر بھاگنا شروع کیا۔ ان کے بھاگنے کی وجہ سے باقی لشکر کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گنے چنے ساتھیوں کے علاوہ سارا لشکر منتشر ہو گیا۔

رسول مقبول صلعم نے جب یہ نازک حالت دیکھی تو آپ پتھر کی چٹان کی طرح ایک جگہ قائم ہو گئے اور چند ساتھیوں کو اپنے ہمراہ لے کر آپ نے ہر چہار طرف مخالفین پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ لڑ بھی رہے تھے۔ مسلمانوں کو اپنی طرف بلا بھی رہے تھے اور مسلمانوں کی ہمت بھی بندھا رہے تھے آپ کی اس غیر معمولی جرأت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت پھر آپ کے گرد جمع ہو گئی۔ اس جمعیت کو ساتھ لے کر اور نعرۂ تکبیر بلند کرنے کے بعد جب اپنے مخالفین پر پوری طاقت سے حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ پھر کیا تھا سارا منتشر لشکر جمع ہو گیا۔ اور گھمسان کی لڑائی کے بعد مخالفین کو بری طرح شکست ہو گئی۔ ان کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اور بے اندازہ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ چنانچہ اس لڑائی میں چھ ہزار قیدی۔ ۲۴ ہزار اونٹ۔ ۴۰ ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ حالانکہ اس جنگ کے شروع میں مکہ کے نومسلموں نے اپنی بزدلی کی بنا پر سارے لشکر کے اس بری طرح سے پاؤں اکھاڑ دیئے تھے کہ اگر رسول مقبول صلعم اور آپ کے جان نثار ساتھی جیسے حضرت ابوبکر صدیق اور جناب علی کرم اللہ وجہہ نے انتہائی جرأت سے کام لے کر جنگ کا نقشہ بدل نہ دیا ہوتا تو مسلمانوں کا اس جنگ میں فتحیاب ہونا ناممکن تھا۔

مخالفین کے جو سردار اس جنگ میں بچ کر نکل گئے تھے۔ ان کو طائف والوں نے پناہ دے کر شہر کے دروازے بند کر لیئے تھے۔ حضور نے اس جنگ سے فارغ ہوتے کے ساتھ ہی فوراً طائف کی جانب رخ کیا۔ اور جاتے ہی طائف کا محاصرہ کر لیا۔ بیس روز تک طائف کا محاصرہ جاری رہا۔ اس بیس روز کے اندر طائف کے

اردگرد کے علاقوں سے اکثر قبائل خود آ آ کر مسلمان ہوتے رہے۔ طائف کا محاصرہ چونکہ طول پکڑتا جا رہا تھا اس لیے آپ نے اس محاصرہ کو اٹھا لیا اور وہاں سے مراجعت فرما کر بمقام جعرانہ تشریف لائے اور اسی مقام پر اسیران جنگ اور مالِ غنیمت کی تقسیم فرمائی۔

اسی جگہ قبائل ہوازن کی جانب سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو حلیمہ سعدیہ کا واسطہ دے کر معافی کی درخواست کی۔ آپ نے وفد ہوازن سے فرمایا کہ تمہارے جس قدر قیدی میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے میں ہیں وہ سب آزاد سمجھو اور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ سن کر تمام مہاجرو انصار بولے "جو ہمارا حصہ ہے وہ بھی رسول اللہ کا حصہ ہے" اور سب نے ہوازن قبیلہ کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح ہزاروں قیدی ذرا سی دیر میں آزاد ہو گئے۔ انہیں قیدیوں میں شیما بنت حلیمہ سعدیہ یعنی رسول اللہ صلعم کی رضاعی بہن بھی تھیں آپ نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی اور بہت سا مال و متاع دے کر انہیں رخصت کیا۔

۸ھ کے چند واقعات

اسی سال حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت کے صاحبزادے ابراہیم تولد ہوئے تھے۔ رسول مقبول صلعم کو ان سے بے حد محبت تھی۔ لیکن کم و بیش ایک سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت کی صاحبزادی حضرت زینب کا اسی سال انتقال ہوا۔

جنگ تبوک

ہم اس سے قبل بتلا چکے ہیں کہ آٹھویں ہجری میں موتہ کی جنگ میں رومی سردار شرجیل غسانی کے ایک لاکھ لشکر کو صرف تین ہزار مسلمانوں نے بری طرح شکست دے دی تھی۔ اس شکست کے بعد رومی سردار شرجیل اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہ دوسرے رومی سرداروں کو منہ دکھا سکے۔ چنانچہ شکست کی اس ذلت کو مٹانے کے لیے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ایک مرتبہ پھر مسلمانوں سے جنگ کر کے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس غرض کے لیے شرجیل غسانی نے ایک لشکر عظیم فراہم کر کے ہرقل روم سے مزید فوجی امداد طلب کی تو ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر شرجیل غسانی کی امداد کے لیے بھیج دیا۔ شرجیل غسانی نے منافقین مدینہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا تاکہ یہ منافق مسلمانوں کو رومی طاقت سے خوفزدہ کر کے جنگ میں شامل ہونے سے ان کو برابر روکتے رہیں۔ اور ان کے دلوں میں رومیوں کی طاقت کا خوف بٹھاتے رہیں۔

رسول اللہ صلعم کو جب شرجیل غسانی کے ان ارادوں کا علم ہوا تو آپ نے بھی نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس موقعہ پر آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس جنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ مالی امداد دیں۔ حضور کے اس حکم پر ہر طرف سے سامان کے ڈھیر لگنے لگے۔ تقریباً ہر مسلمان نے اپنا نصف

اثاثہ دے ڈالا غرضکہ یاران اسلام نے کس دریادلی سے اس جنگی امداد میں حصہ لیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان غنی نے ۹سو اونٹ اور سو گھوڑے مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار طلائی دیئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا تمام مال و اسباب لاکر چندہ میں دے دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق نے اپنا نصف مال لاکر حاضر کر دیا تھا۔ آنحضرت نے جناب ابوبکرؓ کے سامان کو دیکھ کر پوچھا تم نے گھر میں بھی کچھ چھوڑا یا سب لے آئے۔ تو جواب دیا۔ گھر میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ یہی وہ لڑائی تھی جس میں غریبوں نے بھی اپنا سب کچھ لاکر حضور کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ جب اس طرح جنگ کے لیئے بہت بڑا سرمایہ فراہم ہوگیا تو رسول اکرم تیس ہزار مجاہدین اسلام کے لشکر کو لیکر رجب ۹ھ میں مدینہ سے سرحد شام کی جانب روانہ ہوگئے چونکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ رومی سلطنت کے ساتھ یہ عظیم الشان جنگ خود رومیوں کے گھر میں گھس کر لڑی جائے اس لیئے یہ لشکر سرحد شام پر پہنچنے کے بعد چشمہ تبوک پر خیمہ زن ہوگیا۔ تبوک مدینہ سے چودہ پندرہ منزل پر تھا۔

مجاہدین اسلام کا خیال تھا کہ ان کو سلطنت روما کے لشکر عظیم سے بڑی زبردست ٹکر لینی ہوگی۔ لیکن یہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ میدان صاف تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ روم اور شرجیل غسانی پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ انہیں مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی جرات نہ ہوئی حالانکہ اسلامی لشکر کی جانب سے رومی سرداروں کو بار بار مقابلہ کی دعوت دی گئی۔ حضور اکرم نے بیس دن تک رومیوں کے انتظار میں تبوک میں قیام کیا۔ لیکن جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ عیسائی مسلمانوں سے لڑنا ہی نہیں چاہتے۔ تو آپ نے بھی پہل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔

تبوک کے دوران قیام میں سرحدی علاقے کے بے شمار عیسائی سرداروں نے رسول اللہ صلعم کی اطاعت قبول کرلی اور جزیہ ادا کرنا منظور کر لیا۔ چنانچہ ایلا کا حاکم یوحنا جربا اور اذرح کے امرا اور دومتہ الجندل کا حاکم اکیدر اور دوسرے بہت سے عیسائی سردار آپ کے اطاعت شعاروں میں داخل ہوگئے۔ ان کی اطاعت قبول کرنے کے بعد آپ مدینے واپس تشریف لے آئے۔ تبوک کی جنگ آخری جنگ تھی جس میں آقائے دوجہاں نے خود بنفس نفیس شرکت فرمائی تھی اس کے بعد حضور اکرم نے کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔

۹ھ کے واقعات

اسی سال مسلمانوں کے لیئے زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور تحصیل زکوٰۃ کے لیئے عمال مقرر ہوئے اور اسی سال سود کو حرام قرار دیا گیا۔

حج بھی اسی سال فرض ہوا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امیرالحج بنا کر روانہ فرمایا اور خود بعض ملکی معاملات کی وجہ سے نہیں جاسکے۔ اسی سال سورہ برأت کی چالیس آئتیں نازل ہوئیں

جن میں یہ حکم تھا کہ مشرکین مسجد حرام کے پاس نہ جائیں۔ چنانچہ مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی اور اعلان کر دیا گیا کہ چار مہینے کے بعد خدا اور رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ اس اعلان کو سن کر مکہ میں جو لوگ ابھی تک شرک پر قائم تھے وہ بھی اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور ہر طرف سے قبائل جوق در جوق آ کر مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔

قبائل کا قبول اسلام

ہجرت کے دسویں سال کو تاریخ اسلام میں اس وجہ سے خاص اہمیت حاصل ہے کہ اس سال عرب کے جتنے قبائل نے اسلام قبول کیا اس کی مثال اسلام کی گذشتہ تاریخ میں مفقود ہے۔ یوں تو نویں ہجری ہی سے عرب کے مختلف قبائل داخل اسلام ہونے کے لئے مدینہ میں آنے شروع ہو گئے تھے لیکن دسویں ہجری میں تو اس کثرت سے اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ میں مختلف قبائل کے وفود آئے کہ صبح سے شام تک مسلمان ہونے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

مکہ اور مدینہ سے لے کر سرحد شام تک تو اسلام پہلے ہی پھیل چکا تھا۔ اب یمن اور سرزمین عرب کے دور دراز مقامات میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔ رسول مقبول صلعم نے بہت سے مقامات پر تبلیغ اسلام کے لئے جن مبلغین کو بھیجا تھا ان کی وجہ سے بھی اسلام کو بے حد ترقی ہوئی اور دسویں ہجری کے اندر اندر جزیرہ نمائے عرب میں اسلام مشرق و مغرب تک اور شمال سے جنوب تک پھیل گیا۔ اور اس ملک کے اکثر قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔

رسول مقبول کا آخری حج

دسویں ہجری میں رسول اللہ صلعم نے جو حج فرمایا ہے۔ وہ آپ کا آخری حج ہے۔ جب ذیقعد ۱۰ھ میں آپ مدینہ منورہ سے حج کی غرض سے بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ جانے والے حجاج کا اتنا بڑا مجمع تھا کہ مورخین کا بیان ہے — ان کی تعداد کسی طرح بھی لاکھ سوا لاکھ سے کم نہ تھی۔ حضور نے اس تاریخی حج کے موقعہ پر جو خطبہ فرمایا وہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ جس میں کہ آپ نے اپنی رحلت کی پیشین گوئی فرما دی تھی اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔

"اے لوگو! میری باتوں کو بہت توجہ سے سنو۔ مجھ کو یقین نہیں کہ میں آئندہ سال اس مقام پر تم سے پھر مل سکوں گا جیسے کہ اس دن اور اس مہینہ میں خونریزی حرام ہے۔ اسی طرح تمہارا خون۔ تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر حرام ہے تم کو چاہئے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر دیا کرو۔ دوسروں پر ظلم نہ کرو تاکہ تم پر بھی ظلم نہ کیا جائے

سود حرام ہے ۔ اب شیطان کی پرستش اس سرزمین پر نہیں ہوگی ۔ مگر چھوٹے چھوٹے امور میں اس کی اطاعت کی جائے گی ۔ لہٰذا تم شیطان کی اطاعت سے بچے رہنا ۔ مسلمانو! عورتوں کا اسی طرح تم پر حق ہے جیسا کہ تمہارا عورتوں پر ہے ۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے نبی کی سنت جب تک تم کتاب اور سنت پر عمل کرو گے گمراہ نہ ہو گے ۔ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔ کسی مسلمان کے لیئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کے مال میں تصرف کرے ۔ تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو "

تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے پوچھا ۔ بتاؤ کہ میں نے احکام الٰہی تم تک پہنچا دیئے " تم سب گواہ رہنا " پھر ارشاد فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ دوسروں تک میری نصیحت پہنچا دیں "

اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا یعنی ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ۔ اور دین کے لحاظ سے تمہارے لیئے اسلام کو پسند کیا ۔ اس آیت کے نزول پر بہت سے مسلمان خوش ہوئے کہ دین اسلام کی آج تکمیل ہو گئی ۔ اور ہم خدا کی اتنی بڑی نعمت کا اتمام اپنی زندگی میں دیکھ رہے ہیں ۔ لیکن بہت سے صحابہ اس راز کو سمجھ گئے کہ رسول اکرم کی جدائی کا زمانہ قریب آگیا ہے ۔ کیونکہ جس مقصد کے لیئے حضور تشریف لائے تھے وہ پورا ہو چکا ہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو یمن میں تبلیغ اسلام کے لیئے گئے ہوئے تھے وہ بھی یمن سے آکر رسول اللہ صلعم کے ساتھ اس آخری حج میں شریک ہو گئے تھے ۔ اس موقعہ پر بعض غلط فہمیوں کی بنا پر جب رسول مقبول صلعم سے چند الفاظ میں حضرت علیؓ کی شکائتیں کی گئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ یعنی جو میرا دوست ہے وہ علی کا دوست ہے اور جو علی کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے " یہ سن کہ معترضین خاموش ہو گئے اور رسول اکرم حج کے بعد مدینہ واپس چلے گئے یہ آپ کا آخری حج اور مکہ کا آخری سفر تھا ۔

حج سے واپس آنے کے بعد آپ کی حالت میں نمایاں تغیر پیدا ہو گیا تھا ۔ آپ کا زیادہ تر وقت تسبیح و تہلیل میں بسر ہونے لگا تھا اسی زمانہ میں آپ شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح کہ ایک دور دراز سفر کرنے والا اپنے قریبی اعزا سے جدا ہوتا ہے ۔ پھر اس کے بعد آپ نے مسلمانوں کے سامنے حسب ذیل تقریر فرمائی ۔

اے لوگو! میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک۔ مجھ کو اس بات کا مطلق خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اور اس کے لئے آپس میں ایک دوسرے کا کشت و خون نہ کرو اور پھر اس طرح ہلاک نہ ہو جاؤ جس طرح کہ تم سے پہلے کی قومیں ہلاک ہو گئی ہیں:

یہ ہیں سرکار دو عالم کی مختصر تقریر کے وہ الفاظ جس میں آپ نے اپنی وفات کی پیشین گوئی فرمادی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ اندیشہ بھی ظاہر کر دیا تھا جو بعد کو بہت حد تک درست ثابت ہو چکا ہے۔

رسول اکرمؐ کی بیماری

رسول مقبول صلعم کی بیماری کا سلسلہ محرم ۱۱ھ ہی سے شروع ہو گیا تھا ابتدا میں آپ کو معمولی سا بخار ہو گیا تھا جس میں زیادتی ہوتی چلی گئی لیکن ماہ صفر کے آخری ہفتہ میں آپ کی طبیعت کسی قدر سنبھل گئی تھی۔ اسی زمانہ میں مدینہ میں خبریں آ رہی تھیں کہ رومی عیسائی عرب پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خود عرب کے عیسائی رومی عیسائیوں کو برابر حملہ کی ترغیب دے رہے تھے اور ان کو فوج کشی کے لئے ابھار رہے تھے۔

رسول مقبول صلعم کی بیماری میں اگرچہ بظاہر افاقہ معلوم ہوتا تھا مگر کمزوری بے حد بڑھ گئی تھی۔ اور مرض بدستور موجود تھا لیکن اس کمزوری اور علالت کے باوجود آپ حکومت اسلامیہ کی جانب سے بے فکر نہ تھے چنانچہ آپ نے علالت کے دوران ہی میں رومی عیسائیوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں کا حکم دے دیا صفر کی آخری تاریخوں میں اگرچہ آپ کے مرض نے شدت اختیار کر لی تھی۔ لیکن پھر بھی آپ نے اپنی نگرانی میں لشکر اسلام کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا اور پھر اسامہ بن زید کو سالار لشکر بنا کر عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ اور ہدایت کر دی کہ وہ سرحد شام پر پہنچ کر پہلے تو رومی عیسائیوں کی فوج سے مقابلہ کریں اس کے بعد شام کی فتح کی جانب متوجہ ہوں تاکہ شام کی طرف سے بار بار عرب پر حملہ کا جو اندیشہ رہتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ درحقیقت حضور اکرم چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو میں اپنی حیات میں ان تمام خطروں کی طرف سے مسلمانوں کو مطمئن کر دوں۔ جو سلطنت اسلامیہ کے لئے پریشانی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

رسول مقبول صلعم نے اس جنگ کے لئے تمام جلیل القدر صحابہ کو اسامہ بن زید کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ اور دوسرے مقتدر صحابہ اسامہ بن زید کے ہمراہ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضور اکرم کی علالت نے چونکہ شدت اختیار کر لی تھی اس لئے بعد کو آپ نے حضرت علی اور حضرت عباسؓ کو تو اپنی تیمارداری کے لئے مدینہ میں روک لیا اور باقی تمام

صحابہ اسامہ بن زید کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

لشکرِ اسلام جوں ہی مدینہ سے روانہ ہُوا تو رسول اللہ صلعم کی علالت نے تشویشناک صورت اختیار کر لی۔ جب حضور کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی تو صحابہ کرام اور مجاہدین کا یہ دل نہ چاہا کہ وہ اپنے پیارے نبی کو چھوڑ کر جائیں لیکن حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی لہٰذا لشکرِ اسلام مدینہ سے چل کر ایک کوس کے فاصلہ پر جا کر ٹھہر گیا۔ تاکہ جب حضور اکرم کی طرف سے کسی قدر اطمینان ہو جائے تب آگے بڑھا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور اکثر صحابہ کرام رسولِ مقبول صلعم کی خیریت معلوم کرنے کے لیئے مدینہ آ جاتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے غرضیکہ لشکرِ اسلام حضور کی علالت کی وجہ سے مدینہ سے باہر رکا رہا۔

بیماری کی شدت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری برابر بڑھتی جا رہی تھی اور نازک لمحات قریب آتے جا رہے تھے آخر آپ تمام ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ پھر آپ نے حجرہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے ایک نہایت ہی جامع تقریر فرمائی جس میں کہ مسلمانوں کے لیئے بہت سی قابلِ قدر نصیحتیں تھیں۔ اس کے بعد آپ نے وصیت فرمائی کہ "مجھ کو میرے قریبی رشتہ دار غسل دیں۔ اور اس کے بعد میرا جنازہ میرے حجرہ میں رکھ کر سب لوگ باہر چلے جائیں اس وقت میں اپنے اللہ کے سامنے ہوں گا اور فرشتے میری نمازِ جنازہ پڑھیں گے۔ اس کے بعد پھر اہلِ بیت نماز پڑھیں۔ پھر سب مسلمان گروہ در گروہ نماز ادا کریں۔ پہلے میرے خاندان سے مرد نماز پڑھیں۔ بعد ازاں ان کی عورتیں" یہ فرمانے کے بعد آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں واپس چلے گئے۔

بیماری کے آخری تین ایام میں جب آپ بالکل صاحبِ فراش ہو گئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی جگہ امامت کے فرائض انجام دیں۔ حضرت ابوبکرؓ مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور کو کچھ افاقہ محسوس ہُوا اور آپ مسجد میں تشریف لے آئے۔ آپ کے آنے پر حضرت ابوبکرؓ نے حالت نماز ہی میں امام کی جگہ آپ کے لیئے خالی کرنی چاہی تو آپ نے مونڈھا پکڑ کر ان کو وہیں کھڑا کر دیا۔ اور خود ان کی اقتدا میں نماز ادا کی اور ادائے نماز کے بعد پھر حجرہ میں واپس تشریف لے گئے۔

آپ نے رحلت سے قبل ہدایت فرمائی "جب وفود آئیں تو ان کو صلہ اور انعام سے ضرور خوش کیا کرنا مشرکین کو جزیرۃ العرب سے بالکل خارج کر دینے کی کوشش کرنا۔ اسامہ کے لشکر کو ضرور روانہ کر دینا۔ انصار کے ساتھ ہمیشہ نیک سلوک کرنا ان کی غلطیوں سے درگذر کرنا" اتنا فرمانے کے بعد کرب اور بے چینی بڑھ گئی۔ اور حضور اکرم بے ہوش ہو گئے۔ حضور اکرم کا کل مال و متاع پانچ یا چھ دینار تھے آپ کے حکم سے وہ بھی خیرات کر دیئے گئے تاکہ آپ جب رحلت فرمائیں تو کوئی اثاثہ دنیا میں چھوڑ کر نہ جائیں۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ کی طبیعت پھر کچھ سنبھلی تو آپ نماز فجر کے وقت سر مبارک پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے اس وقت حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے اس مرتبہ بھی پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر آپ نے روک دیا اور دائیں طرف بیٹھ کر نماز ادا کی۔ بعد نماز آپ نے لوگوں کے سامنے تقریر فرمائی۔ جب آپ وعظ ختم کر چکے تو واپس مکان میں تشریف لے گئے۔

وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے کے بعد جب مکان چلے گئے تو رسول مقبول صلعم کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی آپ کے داہنے بائیں حضرت فاطمہؓ اور جناب علیؓ بیٹھے تھے۔ اور پاس ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا۔ آپ اپنا دست مبارک اس سے تر کر کے چہرہ مبارک پر پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے اللھم اعنی علی سکرات الموت۔ "اے اللہ سکرات موت میں میری مدد کر" اس وقت حضرت فاطمہ کی نظریں آپ کے چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ یکایک آپ کی آنکھیں پھر گئیں۔ آپ اس وقت اپنی زبان مبارک سے بار بار فرما رہے تھے۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ غرض کہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دسمبر ۶۳۲ء بروز پیر دوپہر کے قریب آفتاب رسالت غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کے انتقال کی خبر سن کر حضرت ابوبکرؓ دوڑے ہوئے آئے اور سیدھے حجرہ مبارک میں گئے آپ کے رخ انور سے چادر اٹھا کر بغور دیکھ کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور بہت روئے۔ حضرت عمرؓ کی حالت یہ تھی کہ انتہائی غم کی وجہ سے آپ کا دماغی توازن درست نہیں رہا ان کو اس بات کا یقین ہی نہیں آتا تھا کہ رسول اللہ صلعم بھی اس دنیا سے رحلت فرما سکتے ہیں۔ وہ غصہ سے تلوار لئے ہوئے گھوم رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے "منافقوں کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلعم انتقال فرما گئے حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس موسیٰ کی طرح گئے ہیں۔ اگر کسی شخص نے بھی یہ کہا کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے ہیں تو میں تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت عمرؓ پر یہ کیفیت بڑی دیر تک طاری رہی آخر بڑی مشکل سے حضرت ابوبکرؓ نے تسلی دی مگر خود بھی روتے جاتے تھے۔

رسول مقبول صلعم کی وصیت کے مطابق حضرت علیؓ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے کروٹ بدلواتے جاتے تھے۔ جب آپ کو غسل دے چکے تو صحابہ میں دفن کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا۔ بعض کہتے تھے آپ کو مسجد نبوی میں دفن کیا جائے۔ اور بعض کی رائے تھی کہ آپ کو آپ کے مکان میں دفن کیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ ہر ایک نبی اسی جگہ دفن کیا گیا ہے جہاں اس کی روح قبض کی گئی ہے۔ لہذا آپ کو وہیں دفن کیا جائے جہاں آپ کا انتقال

ہوئے۔ سب نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا چنانچہ حضرت عائشہ رضؓ کے مکان میں اسی جگہ آپ کے لئے بغلی قبر کھود دی گئی۔ جہاں حضورؐ نے رحلت فرمائی تھی۔

تجہیز و تکفین کے اہتمام کے بعد نماز جنازہ شروع ہوئی اول خاندان کے مردوں نے پھر عورتوں اور لڑکوں نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد گروہ در گروہ آتے تھے۔ اور نماز جنازہ ادا کرتے جاتے تھے۔ اسامہ بن زید اور سارا اسلامی لشکر بھی آپ کے انتقال کے بعد مدینہ چلا آیا تھا۔ فوجی علم رسول مقبول صلعم کے حجرہ مبارک کے سامنے کھڑا کر دیا گیا تھا اور لشکر اسلام نے مختلف جماعتوں میں بٹ بٹ کر نماز ادا کی۔ غرضکہ نماز جنازہ کا سلسلہ دو سرے روز تک برابر جاری رہا۔ دوسرے دن بروز منگل ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ (۶۳۲ء) کو گویا یہ سب سے بڑا خزانہ حضرت عائشہ کے حجرہ کی پاک زمین کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے قبر کھودی تھی اور آخر میں حضرت بلالؓ نے ایک مشکیزہ پانی قبر پر چھڑک دیا۔

شہنشاہ دو جہاں نے رحلت کے بعد جو میراث چھوڑی وہ چند پرانے کپڑے تھے ایک سفید خچر تھا اور کچھ ہتھیار تھے اور تھوڑی سی زمین تھی جو غربا کی امداد کے لئے وقف تھی۔

مقصد بعثت کی تکمیل

خداوند عالم نے رسولِ مقبول صلعم کو جس اہم مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا تھا وہ مقصد پورا ہو چکا تھا۔ آپ نے دنیا میں تشریف لانے کے بعد معصیت اور ظلم و ستم سے بھری ہوئی دنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ آپ کی حیاتِ طیبہ اور زندگی کے اہم کارناموں پر جب غور کیا جاتا ہے۔ تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے تین مندرجہ ذیل اہم مقاصد تھے جنہیں آپ نے حسن و خوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا اور ایک ایسی قوت پیدا کر دی جو کبھی فنا نہیں ہو سکتی

(۱) آپ بنی نوع انسان کو بت پرستی۔ ستارہ پرستی۔ اور شرک سے نجات دلا کر دعوت حق دینے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے چنانچہ آپ نے انتہائی ناسازگار حالات کے باوجود دنیا سے کفر و شرک اور بے دینی کو مٹا کر دنیا کے کونے کونے میں توحید کی روشنی پھیلا دی۔

(۲) آپ کی آمد کا مقصد دین حنیف سے لوگوں کو روشناس کرنے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ دنیا میں ایک ایسی حکومت الہیہ قائم کی جائے جس میں کہ تمام بنی نوع انسان کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے اور کوئی کسی کا حق نہ مار سکے۔ چنانچہ آپ نے سلطنت اسلامیہ کے نام سے حکومت الہیہ کی بنیاد قائم کر دی۔

(۳) آپ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ کل بنی نوع انسان کے لئے شرافت، انسانیت۔ خلوص۔ ایثار اور محبت کا ایک نمونہ بن کر تشریف لائے تھے تاکہ آپ کے تمثیلی کردار سے دنیا کے لئے اخلاق اور انسانیت کا ایک مکمل دستور تیار ہو۔ اور بنی نوع انسان کے افراد آپ کی حیات طیبہ کو سامنے رکھ کر تمام دینی اور دنیاوی

معاملات میں صحیح راہنمائی کر سکیں۔ چنانچہ یہ مقصد بھی پورا ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ایک ایسا دستور العمل تیار کر دیا تھا جو بنی نوع انسان کے لئے آج بھی بہترین شمع ہدایت ہے۔

یہ تھے وہ اہم مقاصد جن کے لئے آپ دنیا میں تشریف لائے تھے اور ان مقاصد کے پایہ تکمیل کو پہنچ جانے کے بعد آپ دنیا سے اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے۔

رسول اکرم کا اعلیٰ کردار

رسول مقبول صلعم کے بلند کردار کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کا کردار ایک ایسا تمثیلی کردار ہے جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ آپ سراپا ایثار اور قربانی کا ایک مجسمہ تھے کون نہیں جانتا کہ رسول اکرم سب سے بڑے دینی راہنما ہونے کے ساتھ شہنشاہ وقت بھی تھے، لیکن آپ نے ہمیشہ بادشاہت پر درویشی اور فقیری کو ترجیح دی ہے اور عیش و آرام اور مال و متاع کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ایسی حالت میں جب کہ نئی نئی فتوحات کے بدولت بے اندازہ دولت مدینہ میں چلی آ رہی تھی آپ کی غربت کا یہ عالم تھا کہ ہفتوں آپ کے ہاں چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی، صرف کھجوروں پر گذارہ ہوتا تھا۔ اکثر اوقات آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو کئی کئی وقت بھوکا رہنا پڑتا تھا، آپ کے جسم پر ایک سے زیادہ کپڑوں کا جوڑا نہیں ہوتا تھا۔ آپ کا بستر چمڑے اور ٹاٹ کا تھا لیکن اسی کے ساتھ آپ کی فیاضی اور جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ جو مال بھی آپ کے پاس آتا تھا آپ اسے فوراً غریبوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ اور اپنے لئے اس میں سے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں رکھتے تھے دوستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے آپ دشمنوں کے ساتھ بھی رحم و مروت سے پیش آتے تھے۔ انصاف کے معاملہ میں آپ غیروں اور اپنوں میں کوئی فرق کرنا روا نہیں رکھتے تھے۔

جنگ ایک ایسی بری چیز ہے کہ اس کی لپیٹ میں آنے کے بعد بڑی سے بڑی مہذب قومیں بھی تہذیب اور انسانیت کا دامن چھوڑ دیتی ہیں۔ لیکن رسول مقبول صلعم کا یہ امتیازی کردار ہے کہ آپ نے جنگ کے ہنگامی حالات میں بھی کبھی تہذیب اور انسانیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ آپ نے ہمیشہ جارحانہ حملوں سے پرہیز کیا ہے۔ جنگ کے دوران میں لشکر کے سپاہیوں کے لئے آپ کی سخت ہدایت تھی کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اگر لشکریوں کی غلطی سے کوئی عورت زخمی ہو گئی ہے یا کسی معذور انسان کو کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے تو آپ بے حد ناراض ہوتے تھے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ آپ نے جیسا ہمدردانہ سلوک کیا ہے اس کی مثال اس سے قبل کی دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے۔ مفتوحین کے ساتھ بھی آپ کا طرز عمل نہایت ہی ہمدردانہ ہوا کرتا تھا۔ ان کے آرام کا خیال رکھتے اور ان کو ہر قسم کی معاشرتی اور مذہبی آزادی آپ عطا فرما دیتے تھے۔

حضورِ اکرم اگرچہ شہنشاہ دو جہان تھے لیکن آپ کی طبیعت میں انتہا درجہ کی سادگی تھی آپ اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑے دھو لیتے تھے۔ اپنے جوتوں کی خود مرمت فرما لیتے تھے۔ پڑوس کی غریب عورتوں کا سودا لا دیتے تھے۔ ہر مظلوم اور مجبور کے آپ کام آتے تھے کبھی بھولے سے بھی آپ کی زبان مبارک سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جس سے کہ کسی کی دل شکنی ہوئی ہو۔ کفار اور یہود نے ہمیشہ آپ کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں لیکن اس کے جواب میں آپ نے ہمیشہ ان کے ساتھ رحم و مروت کا برتاؤ کیا۔

طلوعِ اسلام سے قبل خاندانی تفاخر کا مرض اتنا بڑھ گیا تھا کہ ہر خاندان اور قبیلہ میں فرعون اور نمرود دکھائی دیتے تھے جو اپنے سوا دوسرے انسانوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے ساتھ انتہائی غیر شریفانہ برتاؤ کرتے تھے۔ آپ نے دنیا میں آنے کے بعد خاندانی تفاخر کو مٹا دیا۔ اور کل بنی نوعِ انسان کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ نہ کوئی چھوٹا رہا نہ بڑا۔ اسی طرح طلوعِ اسلام سے قبل عورتوں کو جانوروں سے بدتر خیال کیا جاتا تھا۔ آپ نے عورت کو مرد کی برابری کا درجہ عطا فرما دیا۔ حضور کی تشریف آوری سے پہلے بیوہ عورتیں بڑی کس مپرسی کی حالت میں تھیں۔ لوگ ان سے نکاح ثانی کرنا باعثِ ذلت خیال کرتے تھے۔ آپ نے بیوہ عورتوں کی حمایت کی اور عقد بیوگان کی تحریک سارے ملک میں جاری کر دی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رض کے علاوہ آپ نے جتنی بھی عورتوں سے نکاح کیا وہ سب کی سب یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ۔ غلاموں، مزدوروں، اور نوکروں کے ساتھ بھی آپ نے ہمیشہ انتہائی محبت کا برتاؤ کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر کے ان کو برابری کا درجہ عطا کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلعم کی حیاتِ مقدسہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہر انسان کے لئے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو یکساں شمعِ ہدایت ہے۔ آپ ایک پیغمبر بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آپ ہفتوں اور مہینوں اس طرح عبادت کیا کرتے تھے۔ کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی جب دینِ حق کے لئے جنگ کا موقعہ آ جاتا تھا تو میدان جنگ میں سب سے زیادہ بہادر نظر آتے تھے آپ دینِ حق کے علمبردار بھی تھے اور ایک باعمل دنیادار بھی۔ چنانچہ آپ دینِ حق کے لئے جہاں جان کی بازی لگا دیتے تھے وہاں عام لوگوں کی طرح دنیاوی کاموں سے بھی پوری دلچسپی لیتے تھے۔ بیوی بچوں سے بے اندازہ محبت کرتے تھے اور اسبابِ معیشت کے لئے بھی سرگرم عمل دکھائی دیتے تھے۔ آپ بنی نوعِ انسان کے مخدوم بھی تھے اور خلقِ خدا کے خادم بھی۔ غرضکہ تنہا آپ کی ذاتِ مبارک میں جتنی صفات پائی جاتی ہیں وہ آج تک کسی انسان میں نہیں پائی گئیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر کوئی انسان دنیا میں تمثیلی انسان بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے بہترین طریقہ کار یہ ہے کہ وہ رسولِ اکرم کے نقشِ قدم پر چلنے کی

کوشش کرے۔

رسولِ اکرمؐ کی ازواج مطہرات

رسولِ مقبول صلعم کی ازدواجی زندگی پر جب گہری نظر ڈالی جاتی ہے تو آپ کی ازدواجی زندگی بھی بڑے عجیب وغریب اور نفس کشی کا ایک نادر نمونہ دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کا ہر شخص خواہ وہ کتنا بڑا عابد وزاہد کیوں نہ ہو۔ اس کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کی شریک حیات جوان اور ہم عمر ہو۔ لیکن حضور اکرمؐ نے اس فطری خواہش کے خلاف عین عالم شباب میں جب کہ آپ کی عمر ۲۵ سال تھی چالیس سالہ بیوہ حضرت خدیجہؓ سے نکاح فرما کر رؤسائے عرب جو نکاح بیوگان کے مخالف تھے اور مطلقہ عورتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے لئے ایک نمونہ اور مثال قائم فرما دی۔

حضرت خدیجہؓ کے دو شوہر اس سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ ان کا زمانہ شباب ختم ہو چکا تھا لیکن رسولِ اکرمؐ نے اپنی جوانی۔ اور جوانی کے بعد تک کا سارا زمانہ ہنسی خوشی ان ہی کے ساتھ گذار دیا۔ یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۵ سال زندگی گذارنے کے بعد جب حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا تو ان کی عمر ۶۶ سال تھی۔

حضرت خدیجہؓ جب تک زندہ رہیں رسولِ مقبول صلعم نے دوسری شادی نہیں کی لیکن حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد مختلف مصالح کی بنا پر مختلف اوقات میں آپ نے مزید دس شادیاں کیں۔ لیکن ان دس شادیوں میں بھی بجز حضرت عائشہ صدیقہ کے جن معزز خواتین سے آپ نے نکاح فرمایا وہ سب کی سب یا تو بیوہ تھیں یا ان کے شوہروں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ اور یہ تمام کی تمام شادیاں آپ نے اس بڑھاپے کے زمانہ میں کیں۔ جبکہ آپ کی عمر مبارک پچاس سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ آپ کی ازواج مطہرات جن کی مجموعی تعداد گیارہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر ان کے حالات بیان کر دیئے جائیں۔

۱۔ حضرت خدیجہؓ

یہ خاندان قریش کی ایک نیک اطوار اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھیں۔ طاہرہ ان کا لقب تھا۔ پانچویں پشت میں رسول اکرمؐ سے ان کا شجرۂ نسب مل جاتا ہے۔ رسول اللہ صلعم سے نکاح کرنے سے قبل ان کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ اور رسول اللہ صلعم کی عمر پچیس سال تھی۔ رسول صلعم کے جتنی بھی اولادیں ہوئیں وہ ایک صاحبزادے کے علاوہ ان ہی کے بطن سے ہوئی ہیں۔ حضور ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگرچہ میں نے حضرت خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو ان پر بے حد رشک آتا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلعم ہمیشہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور ان کے اخلاق وعادات یاد کیا کرتے تھے آپ نے ۱۰ رمضان سنہ ۱۰ نبوت

میں انتقال کیا۔

۲۔ حضرت سودہؓ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آنحضرت نے سودہ بنت زمعہ کے ساتھ نکاح کیا۔ یہ ابتدائے اسلام میں مشرف بااسلام ہو چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے پہلے شوہر سکران بن عمرو کے ساتھ حبش کی ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ حبش سے واپسی کے بعد جب ان کے شوہر رحلت کر گئے تو آپ رسول اللہ صلعم کی زوجیت میں آگئیں۔ ان کے زمانہ وفات کے بارے میں مورخوں میں بڑا اختلاف ہے۔ لیکن عام رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ۲۳ھ میں انہوں نے رحلت فرمائی۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ نبوت کے دسویں سال رسول اللہ صلعم نے ان سے مکہ میں نکاح کیا۔ اس کے تین سال بعد مدینہ میں رخصتی ہوئی۔ حضور اکرم کو ان کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ آپ کی زندگی بڑی پاکیزہ اور علم و فضل میں بڑی کاملہ تھیں۔ صحابہ کرام آپ سے اکثر مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ آپ بڑے بڑے مشکل مسائل کو حل کر دیا کرتی تھیں۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آپ کو تفسیر، حدیث، اسرار شریعت اور ادب میں کمال حاصل تھا۔ شعرائے عرب کے بے شمار قصائد ان کو زبانی یاد تھے۔ آنحضرت کی رفاقت میں نو سال زندگی گذاری حضورؐ کے بعد ۴۸ سال زندہ رہیں۔ اور پھر ۱۷ رمضان ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔ یہ امیر معاویہؓ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز پڑھائی۔

۴۔ حضرت حفصہؓ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کے شوہر جنگ بدر میں زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گئے تھے۔ شوہر کی موت کے بعد یہ رسول اللہ صلعم کی زوجیت میں آگئیں۔ ۴۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۵۔ حضرت زینبؓ چونکہ یہ فقرا اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھیں۔ اس لئے اُمّ المساکین ان کی کنیت ہو گئی تھی۔ جب ان کے پہلے شوہر جنگ احد میں شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلعم نے ان سے نکاح فرمایا۔ لیکن نکاح کے دو تین مہینے بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ ہی دو ایسی بیویاں ہیں جن کا رسول اکرم کی زندگی ہی میں انتقال ہوا۔ ان کے سوا باقی تمام بیویوں کی وفات رسول اللہ صلعم کے بعد ہوئی۔

۶۔ حضرت اُمّ سلمہؓ ان کا اصلی نام ہند ہے۔ اُمّ سلمہ کنیت ہے۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن اسد رسول اللہ کے رضاعی بھائی تھے۔ جنگ احد میں

چند زخم ایسے لگے تھے کہ جانبر نہ ہو سکے۔ شوہر کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم کے نکاح میں آ گئیں۔ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضؓ کے بعد علم و فضل میں ان ہی کا مرتبہ ہے ان کی وفات کے بارے میں بھی مورخوں میں بڑا اختلاف ہے لیکن عام رائے یہ ہے کہ آپ کا انتقال سنہ ۶۱ھ میں ہوا۔

۷۔ حضرت زینب رضؓ

یہ آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ رسول صلعم نے ان کی شادی اپنے متبنیٰ اور غلام حضرت زید بن حارث کے ساتھ کر دی تھی لیکن شادی کے بعد دونوں کے تعلقات بگڑ گئے۔ اور طلاق ہو گئی۔ رسول اللہ نے چونکہ خود یہ رشتہ کرایا تھا اس لئے اس طلاق سے آپ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ طلاق کے بعد حضرت زینب کی افسردگی نہیں دیکھ سکے چنانچہ آپ نے ان کے تزکیہ قلب کے لئے خود ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت زینب بہت ہوشیار اور دستکار خاتون تھیں۔ اپنے دست و بازو سے خود کماتی تھیں۔ اور اسے راہ خدا میں صرف کر دیتی تھیں۔ یہ بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ رسول اللہ صلعم کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا انہوں نے سنہ ۲۰ھ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

۸۔ حضرت جویریہ رضؓ

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ ان کے شوہر مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے مارے گئے اور قبیلہ بنی مصطلق کی شکست کے بعد جب بہت سے لونڈی غلام گرفتار کر کے لائے گئے اور مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے تو یہ ثابت بن قیس انصاری کے حصہ میں آئی تھیں۔ امیر کبیر کی بیٹی تھیں۔ غلامی کو غیرت نے گوارا نہیں کیا ۹ اوقیہ سونے کے بدلے ثابت سے رہائی کی شرط طے پا گئی۔ مگر پاس کچھ نہ تھا حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نازک وقت میں مدد کی طالب ہوئیں حضور نے بطور امداد یہ رقم دے کر رہائی دلا دی سب سے حد متاثر ہوئیں اور پھر دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے اپنی خدمت کے لئے قبول کریں۔ لہٰذا آنحضرت نے ان سے نکاح کر لیا۔ سنہ ۵۰ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

۹۔ حضرت ام حبیبہ رضؓ

اصل نام رملہ ہے۔ اور ام حبیبہ کنیت ہے۔ خاندان قریش سے تھیں۔ یہ اور ان کے شوہر عبداللہ بن جحش اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے۔ حبش جا کر چونکہ ان کے شوہر نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے علیحدگی ہو گئی جب رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ ان کی طرف سے خالد بن سعید اموی وکیل مقرر ہوئے اور شاہ نجاشی نے رسول اللہ صلعم کی طرف سے وکالت کی۔ چار سو دینار مہر پر عقد ہو گیا۔ شاہ نجاشی نے رسول اللہ صلعم کی طرف سے مہر کی رقم اسی وقت ادا کر دی۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ کو شرجیل بن حسنہ کے ہمراہ آنحضرت کی خدمت میں مدینہ بھیجا

سنہ ۵۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

۱۰۔ حضرت میمونہ رض ان کے باپ کا نام حارث تھا۔ یہ خالد بن ولید کی خالہ تھیں۔ ان کے پہلے شوہر نے سبب طلاق دے دی تو انہوں نے ابو درہم سے نکاح کر لیا۔ لیکن ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ رسول اللہ صلعم کے نکاح میں آ گئیں۔ حضرت میمونہ رض نے سنہ ۵۱ھ میں وفات پائی۔

۱۱۔ حضرت صفیہ رض اصل نام زینب ہے۔ صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ نسلاً اور مذہباً یہودی تھیں۔ ان کا باپ قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ ان کے پہلے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ دوسرا شوہر جنگ خیبر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا اور یہ گرفتار ہونے کے بعد غلام بنائی گئیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے مال غنیمت کے ساتھ ان کو بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ مگر چند مسلمانوں نے عرض کیا کہ یہ سردار کی بیٹی ہیں۔ مناسب ہے کہ آپ خود ان سے نکاح فرمالیں۔ آخر آنحضرت نے مسلمانوں کی درخواست قبول کرتے ہوئے اپنی زوجیت میں قبول کر لیا۔ آپ نے سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔

اولاد رسول صلعم رسول اللہ صلعم کی خانگی زندگی اول سے لے کر آخر تک نہایت ہی صبر آزما سانحات سے پر ہے۔ ابھی آپ بطن مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ چھ سال ہی کی عمر میں تو مادر شفقت کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے سرپرست دادا بھی داغ جدائی دے گئے۔ چچا کی زیر نگرانی سخت تکالیف برداشت کر کے جوان ہوئے تو اولاد کے صدموں پر صدمے برداشت کرنے پڑے جو آخر زمانہ شریف تک جاری رہے۔ دو صاحبزادے پیدا ہوئے وہ بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ چار صاحبزادیوں میں سے تین آپ کی زندگی ہی میں عین شباب کے عالم میں رحلت فرما گئیں صرف آپ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا زندہ ہیں۔ وہ بھی آپ کی وفات کے چھ ماہ بعد آپ کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کرتے ہوئے انتقال کر گئیں۔

رسول اکرم کی اولاد کی تعداد کے بارے میں اگرچہ مورخوں میں اختلاف ہے لیکن ان چھ کے بارے میں سب متفق ہیں۔ حضرت قاسم۔ حضرت زینب۔ حضرت رقیہ۔ حضرت ام کلثوم۔ فاطمۃ الزہرا۔ حضرت ابراہیم۔ آپ کی تمام صاحبزادیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور ہجرت سے بھی مشرف ہوئیں۔ صاحبزادوں کا کم عمری ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ بعض مورخین دو بیٹوں کا نام اور لکھتے ہیں۔ طاہر و طیب۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ کی آٹھ اولادیں ہوئیں چار بیٹے اور چار بیٹیاں۔ آپ کی اولادوں میں سے صرف حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے تھے باقی تمام اولادیں حضرت خدیجہ کے بطن سے ہوئیں۔

۱۔ حضرت قاسم یہ سب سے پہلے صاحبزادے تھے۔ نبوت سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ بعض کے نزدیک صرف سات دن زندہ

رہے بعض نے لکھا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔ حضور اکرم کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔

۲۔ حضرت زینب رضؓ

یہ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوئی تھی۔ جو ابتدا میں کفارِ مکہ کے حامی تھے لیکن بعد کو اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت زینب کا رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔

۳۔ حضرت رقیہ رضؓ

یہ حضرت زینب کے بعد پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی۔ بعثت کے بعد مخالفت کی بنا پر ابولہب نے آپ کو طلاق دلوادی۔ طلاق کے بعد حضرت عثمان غنی رضؓ سے ان کی شادی ہوگئی۔ جنگ بدر کے دن مدینہ طیبہ میں انتقال فرمایا۔

۴۔ حضرت ام کلثوم رضؓ

یہ حضرت رقیہ سے چھوٹی تھیں۔ ان کی شادی بھی قبل از اسلام ابولہب کے دوسرے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی ان کو بھی ابولہب نے بیٹے پر زور دیکر طلاق دلوا دی تھی۔ حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان کا دوسرا نکاح حضرت عثمان غنی کے ساتھ کر دیا تھا۔ نکاح کے چھ سال بعد تک زندہ رہیں۔ ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

۵۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ

یہ رسول مقبول صلعم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ جو نبوت کے پہلے سال پیدا ہوئی تھیں۔ جب ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو حضورؐ نے ان کی شادی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کر دی۔ حضور کی تمام اولاد میں چونکہ یہی باقی رہ گئی تھیں اس لئے حضور صلعم ان سے اور ان کی اولاد سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اور ان کی اولاد کو اپنی ہی اولاد تصور فرماتے تھے حضرت فاطمہ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسنؓ۔ حسینؓ۔ محسن۔ زینب۔ ام کلثوم۔ بعض نے ایک اور صاحبزادی رقیہ کا بھی نام لکھا ہے۔ حضرت محسن کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے حالات سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ صاحبزادیوں کے نکاح میں اختلاف ہے مگر اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت زینب کا عقد حضرت عبداللہ بن جعفر کے ساتھ ہوا تھا۔ رسولِ مقبول صلعم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ نے ۳ رمضان ۱۱ھ میں انتقال فرمایا۔

۶۔ حضرت ابراہیم رضؓ

یہ رسول اکرم کے آخری صاحبزادے ہیں ۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ماں کا نام ماریہ قبطیہ ہے پیدائش کے بعد رسول اکرم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا۔ اور بالوں کی برابر چاندی خیرات کی۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم دس مہینے زندہ رہے۔ اور بعض کے نزدیک سات ماہ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ جب ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی تو حضور اکرم نے گود میں اٹھا لیا

اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور کو ان سے بے حد محبت تھی۔ ان کے انتقال کے روز اتفاق سے سورج گرہن ہو گیا تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ حضرت ابراہیم کی وفات کا سبب ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں کسی کی موت کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔

رسول اکرمؐ کے پاکیزہ عادات

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر نظر جاتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاکیزہ اخلاق وعادات تاریخ کی کتابوں میں اسی طرح موجیں مار رہے ہیں جس طرح بے پایاں سمندر موجزن ہوتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اس کتاب کے ناظرین کے سامنے وہ سب کچھ بیان کر دیا جائے جو انسانی زندگی میں کسی اور جگہ نہیں آتا ہے۔ لیکن اس مختصر سی کتاب میں چونکہ اتنی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم تاریخ اسلام کے اس مقدس باب کو صرف حضور اکرمؐ کے چند پاکیزہ خصائل بیان کرنے کے بعد ختم کرنے پر مجبور ہیں۔ آپ کی مقدس زندگی کے ہزاروں واقعات میں سے ذیل کے جو چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں ان سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا کردار کس قدر اعلےٰ اور بلند تھا اور آپ نے دنیا کے سامنے ضبط نفس۔ ایثار۔ انسانیت۔ اخلاق اور محبت کا کیسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔

عبادت وریاضت

عبادت وریاضت سے آپ کے شغف کا یہ عالم تھا کہ اکثر اوقات صرف دوگانہ نفل میں ساری ساری رات گذار دیتے تھے۔ اور اس طرح قیام فرماتے تھے کہ پائے مبارک ورم کر جاتے تھے۔ آپ راتوں کا بیشتر حصہ ذکر و نماز میں جاگ کر گذار دیا کرتے تھے۔ حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ آپ کی دونوں پنڈلیاں کھڑے کھڑے ورم کر جاتی تھیں۔

عبادتِ الٰہی میں آپ اگرچہ اس قدر محو ہو جایا کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ بے حس اور بے جان پیکر ہیں۔ مگر پھر بھی اگر کوئی اس حالت میں آپ کی خدمتِ اقدس میں آ جاتا تھا تو آپ اپنی نماز کو مختصر کر دیتے تھے۔ اور اس سے پوچھتے تھے کہ "تم کو مجھ سے کوئی کام ہو تو کہو" اور اس کے کام کے لئے چلے جاتے تھے یعنی عبادت کے ساتھ خدمتِ خلق کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا۔

آپ اگرچہ عبادت کے لئے خود محنت شاقہ برداشت کرتے تھے لیکن دوسروں کو تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ اتنی عبادت کرنی چاہئے جو آسانی کے ساتھ ہو سکے۔

اللہ پر توکل

آغاز اسلام میں چونکہ کفار آپ کے درپے آزار تھے اس لئے صحابہ نے آپ کے مکان کے گرد پہرا لگوا دیا تھا۔ آپ نے اس پہرہ کو موقوف کر دیا اور فرمایا کہ "پہرہ کی حاجت نہیں ہے میری حفاظت کا ذمہ خدا نے لے رکھا ہے۔"

آپ کے توکل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایسی حالت میں جب کہ سارا ملک عرب آپ کے خون کا پیاسا تھا اور آپ کی گرفتاری کے لئے بڑے بڑے انعامات کا اعلان ہو چکا تھا آپ صرف ایک ساتھی کو لے کر مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ راستہ میں چپہ چپہ پر آپ کے دشمن موجود ہیں ذرا بھی نہیں گھبرائے یہاں تک کہ آپ صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئے۔

آزادی کے سب سے بڑے علمبردار

ایسے زمانہ میں جب کہ دنیا کے کونے کونے میں شہنشاہیت کا غلغلہ تھا۔ ہر امیر اور فرمانروا فرعون اور نمرود بنا ہوا تھا۔ اور حکمرانوں کے ہاتھوں ان کی رعایا پر بے پناہ مظالم ہو رہے تھے۔ آپ نے پہلی مرتبہ دنیا کو جمہوری طرزِ حکومت سے روشناس کیا اور شہنشاہیت کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ آپ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ بنی نوع انسان کو آزاد ہونا چاہیئے۔ اور کوئی انسان کسی انسان کا غلام نہ رہے۔ یہی وہ اعلیٰ خیال ہے جس کی وجہ سے آپ دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلے آزادی کے علمبردار تصور کئے جاتے ہیں۔

نبی اکرم بحیثیت حکمران

طلوع اسلام سے قبل جب کوئی فاتح کسی ملک کو فتح کرتا تھا تو مفتوحہ اقوام کا بری طرح قتلِ عام ہوتا تھا۔ اور اس مفتوحہ قوم کو جبریہ حکومت کا مذہب قبول کرنا پڑتا تھا۔ مفتوحہ اقوام کے بوڑھوں، مریضوں، بچوں اور عورتوں تک کو تہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے دنیا میں آکر بحیثیت ایک سپہ سالار اور فرمانروا کے جو اعلیٰ کردار پیش کیا ہے اس کی مثال اس سے قبل کی تاریخ میں مفقود ہے۔ آپ نے اسلامی سپہ سالاروں کو سخت ہدایت کر رکھی تھی کہ مفتوحہ اقوام کے بوڑھوں، مریضوں، بچوں اور عورتوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ مذہب کے معاملہ میں ہرگز جبر سے کام نہ لیا جائے۔ مکانات کو اور ہری بھری کھیتوں کو نہ جلایا جائے۔ اسیرانِ جنگ کے ساتھ انتہائی نرمی اور محبت کا سلوک کیا جائے۔

تبلیغ اسلام کا پیارا طریقہ

آغاز اسلام میں اشاعت اسلام کے لئے آپ خود مختلف قبائل میں جا کر دین اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ جب اسلام میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے عرب کے کونے کونے میں اور نیز دیگر ممالک میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے سینکڑوں وفود روانہ کئے۔ مبلغین کو ہدایت تھی کہ وہ لوگوں کو نرمی اور محبت سے اسلام کی طرف دعوت دیں۔ سختی ہرگز اختیار نہ کریں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختصر سے عرصہ میں اسلام دور دور تک پھیل گیا۔ اور بڑے بڑے مخالف گروہ بھی آپ کے حسن تبلیغ سے اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ایفائے عہد

ایک مرتبہ شہر مکہ میں حضور اکرمؐ کو کسی شخص نے راستہ میں روک کر کہا کہ "آپ یہیں ٹھہریں مجھ کو آپ سے ایک ضروری کام ہے" آپ نے وعدہ فرمالیا۔ وہ شخص چلا گیا اور اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ وہ آپ کو کھڑا کر کے چلا آیا ہے۔ یہاں تک کہ دوسرا دن ہوگیا۔ مگر آپ بدستور وہیں کھڑے رہے رجب دوسرے دن وہی شخص اتفاق سے اسی راستہ سے گذرا اور حضورؐ کو کھڑا ہوا دیکھا تو اسے بیحد شرمندگی ہوئی اور نہایت عاجزی کے ساتھ آپ سے معذرت کرنے لگا آپ نے فرمایا "کوئی بات نہیں ہے بھول چوک انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں کفار مکہ کی جانب سے ابورافعؓ کسی معاملہ میں قاصد بناکر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں مدینہ بھیجے گئے۔ مدینہ آنے کے بعد آپ رسولِ مقبول صلعم کی ذات اقدس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ "اب میں آپ کے پاس سے نہیں جاؤں گا مجھ کو مسلمان کر لیجئے" حضورؐ نے فرمایا "ابورافع ہم ایسی بدعہدی نہیں کرسکتے کہ قاصد کو روک لیں۔ اب تم جاؤ اگر تمہارے دل میں اسلام قبول کرنے کا خیال باقی رہے تو پھر واپس چلے آنا" ابورافع اس وقت تو چلے گئے لیکن دوبارہ حاضر خدمت ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

عدل وانصاف

عدل وانصاف کے معاملہ میں آپ کے لئے دوست، دشمن، مسلم اور غیر مسلم سب برابر تھے آپ کسی حالت میں بھی کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مکہ میں خاندانِ قریش کی ایک عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا چوری کی۔ یہ معاملہ دربار رسالت میں پہنچا۔ عمائدین قریش نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ خاندان قریش کی عورت ہے شاید رسول اللہ صلعم اس کے ساتھ رعایت سے پیش آئیں۔ اسامہ بن زید سے جو حضورؐ کو بہت عزیز تھے سفارش کرائی۔ ان کی سفارش کے جواب میں آنحضرت نے فرمایا کہ "اسامہ کیا تم حدودِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ اگر فاطمہ بنت محمد (صلعم) بھی ایسا کرتی تو میں اس پر بھی حد جاری کرتا" چنانچہ اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا آپ نے حکم دیدیا۔

ایک دن ایک یہودی جس کے حضورؐ مقروض تھے تقاضے کے لئے آیا اور سختی سے مطالبہ کرنے لگا حضرت عمر فاروقؓ کو بہت برا معلوم ہوا۔ انہوں نے اسے جھڑک دیا حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا "عمر تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتے، مجھ سے حسنِ ادائیگی کے لئے کہتے اور اسے حسنِ تقاضہ سکھاتے" پھر حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ "اس کا قرض ادا کر دو اور بیس صاع یعنی ڈیڑھ من جو زیادہ دینا کیونکہ تم نے اسے بلاوجہ دھمکایا ہے"۔

مدینہ میں ایک مسلمان اور یہودی میں جھگڑا ہوگیا۔ یہودی سچائی پر تھا۔ اس نے مسلمان سے کہا کہ "چلو

تمہارے ہی پیغمبر جو فیصلہ کردیں وہ مجھ کو منظور ہے" یہ دونوں دربار رسالت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے سارا معاملہ سننے کے بعد اس بات کا مطلق خیال نہیں کیا۔ کہ فریقین میں کوئی مسلمان ہے۔ اور یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

ایک انصاری کی زرہ چوری ہو گئی۔ اس زرہ کی چوری کا الزام ایک مسلمان اور ایک یہودی دونوں پر تھا۔ اصل چور دراصل مسلمان ہی تھا۔ یہودی کا تو صرف اتنا قصور تھا کہ اس نے یہ زرہ رہن رکھ لی تھی۔ یہ معاملہ دربار رسالت میں پہنچا۔ مسلمانوں کی یہ کوشش تھی کہ یہودی مجرم قرار دیا جائے اور مسلمان کو چھوڑ دیا جائے مگر حضور نے معاملہ کو سننے کے بعد یہودی کو رہا کر دیا اور مسلمان کو سزا کا حکم دے دیا۔

یہودیوں کے ایک قبیلہ کے لوگوں میں جب آپس میں کچھ جھگڑا پیدا ہوا تو ان میں سے ایک فریق کے ممتاز لوگوں نے حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ یہود کے علما اور سردار ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو جائیں گے تو تمام یہودی اسلام قبول کر لیں گے۔ ہماری قوم کے کچھ جھگڑے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان جھگڑوں میں آپ کو حکم بنائیں۔ اگر آپ نے ہمارے حق میں فیصلہ کر دیا تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔" حضور نے جواب دیا "خواہ تم اسلام قبول کرو یا نہ کرو لیکن میرے لیئے یہ ناممکن ہے کہ میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے جانے دوں۔ میں وہی فیصلہ دوں گا جو حق ہوگا۔ خواہ وہ تمہارے موافق پڑے یا مخالف"

فروتنی اور انکسار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ دین و دنیا کے بادشاہ تھے۔ لیکن آپ کی ذات میں فروتنی اور انکسار بے حد پایا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کیا کرو جس طرح کہ عیسیٰ ابن مریم کو نصاریٰ نے حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے" ایک مرتبہ آپ باہر سے تشریف لائے تو سب صحابہ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا "جیسے عجمی آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم کے لیئے کھڑے ہو جاتے ہیں اس طرح تم کو کھڑا نہیں ہونا چاہیئے" آپ اپنے اصحاب میں بالکل ملے جلے رہتے تھے۔ اور مجلس میں جہاں بھی جگہ مل جاتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ نوکروں کے کام میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ اور ان کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے اس کی حالت دیکھ کر فرمایا "تم اس قدر کیوں ڈر رہے ہو۔ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ بلکہ خاندان قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے۔ اس نے مطلب عرض کیا تو آپ نے اس کی ضرورت پوری کر دی اور صحابہ سے فرمایا کہ اے لوگو تم کو چاہیئے کہ دوسروں کے کام نکالو۔ کوئی شخص اپنے آپ کو دوسرے سے اونچا نہ سمجھے اور نہ فخر کرے کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو"

مدینہ منورہ کی گلیوں میں جاتے ہوئے بیوہ اور ضعیف عورتیں، مصیبت زدہ لوگ۔ لونڈی۔ غلام اور چھوٹے لڑکے آپ کا دامن پکڑ لیتے تھے۔ آپ وہیں کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور جب تک وہ خود نہیں ہٹتے تھے آپ بھی کھڑے رہتے تھے۔ بیچاری دکھیا عورتیں جب آپ سے اپنا دکھ بیان کرتی تھیں تو آپ بڑی ہمدردی سے ان کی باتیں سنتے تھے اور ان کو تسلی دیتے تھے بازار سے ان کا سودا تک لا دیتے تھے۔

شانِ فیاضی

فیاضی اور دریادلی کے معاملہ میں آپ سرتاپا جود و سخا کا مجسمہ تھے۔ اگرچہ آپ کو غیر مستحق سائلوں کا سوال کرنا برا معلوم ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی آپ نے کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔ اگر کبھی سائل کو دینے کے لئے کچھ پاس نہ ہوتا تھا تو اس طرح اس سے عذر فرماتے تھے جیسے کوئی شخص اپنے کسی قصور کی معافی مانگ رہا ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین۔ سب سے زیادہ بہادر۔ اور سب سے زیادہ سخی تھے" حضورؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "اگر احد کے پہاڑ کی برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہو گا کہ میں رات گذارنے سے قبل سب راہِ خدا میں خرچ کر دوں اور اگر بچاؤں تو صرف اتنا جو ادائے قرض کے لئے ضروری ہو۔"

حضرت خدیجہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور کے پاس نوے ہزار درہم آئے۔ جن کا آپ کے سامنے بوریئے پر ڈھیر لگا دیا گیا۔ آپ نے ان سب درہموں کو تقسیم کر دیا اور کسی سائل کو محروم نہیں کیا لیکن اس شام آپ کے گھر میں کھانے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

جنگ حنین سے جب آپ واپس آئے تو عرب کے غربا نے آکر آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سوال کر کے حضورؐ کو یہاں تک تنگ کیا کہ آپ ایک درخت سے چمٹ گئے۔ اور لوگ آپ کی چادر تک اچک کر لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ "لوگو میری چادر تو دے دو۔ اگر میرے پاس ان ببولوں کے کانٹوں کے برابر بھی مال سے لدے ہوئے اونٹ ہوتے تب بھی میں سب کے سب تمہیں دے دیتا" اس موقعہ پر آپ نے پانچ لاکھ درہم تقسیم کئے تھے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے۔ تم میرے نام پر قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔" آپ پر جو قرضہ رہتا تھا وہ عموماً اسی قسم کا قرض ہوتا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا "خداوند کریم نے آپ کو یہ تکلیف ہرگز نہیں دی کہ آپ اپنی قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔" حضور انور ان کی اس بات کو سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک بچہ نے عرض کیا کہ میری

ماں نے آپ کا پیراہن مبارک مانگا ہے۔ آپ فوراً گھر میں تشریف لے گئے اور جسم اطہر سے پیراہن اتار کر اسے دے دیا اس کے سوا کیونکہ آپ کے پاس کوئی دوسرا پیرہن نہیں تھا۔ اس لئے آپ برہنہ جسم گھر میں بیٹھے رہے۔ جب نماز کے وقت آپ باہر تشریف نہیں لائے تو سب کو تشویش ہوئی۔ گھر میں حاضر ہو کر دیکھا تو آپ برہنہ تشریف رکھتے تھے۔

مالک کونین کی شانِ فقیری

رسولِ مقبول صلعم اگرچہ عرب کے بادشاہ تھے۔ ہر چہار طرف سے آپ کی خدمتِ اقدس میں مالِ غنیمت چلا آ رہا تھا جس کو آپ انتہائی فراخ حوصلگی کے ساتھ مستحقین اور غربا میں تقسیم فرما رہے تھے لیکن خود آپ کے گھر کی حالت یہ تھی کہ کئی کئی وقت بھوک کی حالت میں گذر جاتے تھے یہاں تک کہ کبھی جسم پر کپڑا بھی نہیں ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "رسول مقبول صلعم نے کبھی پے در پے دو دن تک پیٹ بھر کر جو کی روٹی نہیں کھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی"۔ حضرت نعمانؓ کہتے ہیں کہ "خیبر کی جنگ کے زمانہ میں مقام صہبا میں نبی کریم صلعم کے پاس سوائے ستو کے کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے ان کو گھولا اور ہم سب نے مع حضور صلعم کے پیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورِ اکرم جس بچھونے پر آرام فرماتے تھے وہ چمڑے کا تھا۔ اور اس کے اندر روئی کی جگہ کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک روز ایک انصار کی بیوی ہمارے گھر آئیں تو حضور کے بستر کو دیکھ کر افسوس کیا اور انہوں نے ایک عمدہ بستر حضور کے لئے بھیجدیا۔ جب آنحضرت گھر میں تشریف لائے تو آپ نے دریافت کیا کہ "عائشہ یہ نئی چیز تمہارے ہاں کہاں رکھی ہے"۔ میں نے عرض کیا حضور فلاں انصاریہ نے آپ کے لئے بستر بھیجا ہے" آپ نے حکم دیا کہ "اسی وقت اس بستر کو واپس کر دو یہ ہمارے کام کا نہیں ہے خدا کی قسم اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ چلتے"۔

حضرت حفصہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں حضور کیسے بستر پر استراحت فرمایا کرتے تھے" تو ام المومنین نے جواب دیا کہ "ایک ٹاٹ تھا جسے ہم دہرا کر کے بچھا دیا کرتے تھے ایک دن میں نے اس کی چار تہیں کر کے حضورؐ کے نیچے بچھا دیا تاکہ نرم رہے۔ صبح اٹھ کر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ "رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا"۔ میں نے عرض کیا "وہی ٹاٹ جو روز بچھاکرتا ہے البتہ کل شب میں نے اس کی چار تہیں کر دی تھیں تاکہ نرم ہو جائے"۔ ارشاد ہوا کہ "اسے ویسا ہی کر دینا کیونکہ اس کی نرمی رات کو میری نماز میں ڈھیل ڈال رہی تھی۔

سرور دو عالم کے پاس جو عبا تھی آپ جہاں تشریف لے جاتے دوہری کر کے اسی کو اپنے نیچے بچھا

لیتے تھے۔ آپ اکثر چٹائی پر بھی سو رہتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ چٹائی کے نشان آپ کی پسلیوں پر دیکھ کر مجھے رونا آتا تھا۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اس وقت چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے جب اٹھ کر بیٹھے تو جسم پر چٹائی کے نشان بن گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بہت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ سرکار نے فرمایا "اللہ تعالے نے میرے سامنے پہاڑوں کو پیش کر کے فرمایا کہ اے محبوب اگر کہو تو ان کو سونا بنا دوں مگر میں نے منظور نہیں کیا۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ "کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینہ مہینہ بھر ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی کیونکہ ہمارے پاس کوئی پکانے کی چیز نہیں ہوتی تھی۔ صرف کھجوروں اور پانی سے گذر اوقات ہوتی تھی۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضورؐ نے انتقال فرمایا میرے پاس تھوڑا سا جو کا آٹا اور نصف وسق جو تھے اس کے سوا کھانے پینے کی کوئی شے یا روپیہ پیسہ ہمارے گھر میں نہیں تھا۔"
رسولِ مقبول صلعم کا جب انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیوند لگی ہوئی ایک چادر اور ایک موٹا تہ بند دکھا کر فرمایا کہ "ان ہی دو کپڑوں میں جو ہمارے گھر میں تھے نبی کریم صلعم کی روح قبض کی گئی ہے۔

ہمدردی، نرمی اور شفقت

محمد رسول اللہ صلعم کے سینہ میں ہمدردی، نرمی اور محبت کا ایک بے پایاں سمندر موجزن تھا۔ آپ دنیا کے کسی متنفس کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے تھے۔ دوستوں، قرابت داروں اور متعلقین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی ہمیشہ محبت اور نرمی کا سلوک فرماتے تھے۔

عبداللہ بن ابی مدینہ کا بہت بڑا منافق اور رسول اللہ صلعم کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ یہ برابر رسولِ مقبول صلعم کے خلاف کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کرتا رہتا تھا۔ جب یہ منافق مرا تو آپ سے اس کے جنازہ پر نماز پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ صحابہ کا خیال تھا کہ آپ صاف انکار کر دیں گے لیکن صحابہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ نے اس سب سے بڑے دشمن کے جنازہ پر نہ صرف نماز پڑھی بلکہ اس کے کفن کے لئے اپنا پیراہن مبارک بھی عطا کر دیا۔ یہ تھا اپنے بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ حضور اکرم کا سلوک جس کی نظیر دنیا کے بڑے سے بڑے میں تلاش کے باوجود نہیں پائی جا سکتی۔ سرکار دوعالم کی شفقت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ہر شخص

یہی سمجھتا تھا کہ اسی سے آپ کو سب سے زیادہ محبت ہے۔ آپ کی عادت تھی کہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد ہر ایک اصحابی کا حال دریافت فرماتے تھے۔ اور جب آپ کو پتہ چلتا تھا کہ کوئی صحابی پریشان یا بیمار ہے تو فوراً اس کی امداد اور اعانت کے لئے خود پہنچ جاتے تھے۔

عام بچوں کے ساتھ اور خصوصاً یتیم بچوں سے آپ کو بے حد محبت تھی۔ جب کوئی نئی چیز آتی تو حضور صلعم بچوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ بچوں کو کاندھوں پر بٹھا لیا کرتے تھے اور تھوڑی دور چلتے رہا کرتے تھے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا سلوک نہایت ہی عمدہ اور قابل تقلید تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے اصحابہ سے فرمایا کہ "جیسا تم آپ کھاؤ پہنو ویسا ہی اپنی بیویوں کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔ خبردار ان کو کبھی نہ مارنا اور نہ ذلیل خیال کرنا" ایک بار آپ نے اپنی بیوی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی خاطر شہد کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ ان دونوں کو شہد کی خوشبو پسند نہ تھی۔ یعنی ازواج مطہرات کی آپ اس قدر دلداری کرتے تھے کہ جو چیز ان کے خلاف طبع ہوتی تھی۔ اس کو خود بھی ترک فرمادیتے تھے۔

حضرت اسود رضؓ کہتے ہیں کہ "میں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور اکرم گھر میں کیا کام کیا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ "حضرت گھر والوں کے کام میں ہاتھ بٹانے میں مصروف رہتے تھے" آپ نے کبھی اپنے خادم اور عورت کو نہیں مارا۔

اسی طرح آپ اولاد کے ساتھ بھی بڑی شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے آپ کو غیر معمولی محبت تھی۔ اور حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ آپ کے صحیح معنوں میں لخت جگر تھے۔ ایک مرتبہ رسول مقبول صلعم حضرت امام حسنؓ کو پیار کر رہے تھے۔ ایک اعرابی جو آپ کی خدمت میں حاضر تھا اس نے عرض کیا کہ "آپ اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ حالانکہ میرے دس بیٹے ہیں میں تو کسی کو اس طرح پیار نہیں کرتا" آپ نے فرمایا "اگر خدا نے تیرے دل سے رحم اور محبت کو نکال لیا ہے تو اس کا میرے پاس کیا علاج ہے"

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور صحابیوں کی جماعت آپ کے پیچھے کھڑی تھی کہ حضرت امام حسینؓ آئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو وہ آپ کی پشت مبارک پر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے جب تک وہ خود نہ اٹھ گئے حضور نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا۔ نماز کے بعد صحابہ نے حضرت امام حسینؓ سے کہا کہ "تم کیسے بیباک ہو گئے ہو کہ ہمارے نبی کی پشت پر بیٹھ جاتے ہو" آپ نے فرمایا کہ "انہیں نہ کہو یہ جو کچھ بھی کریں ہمیں منظور ہے"

رسولِ مقبول نہایت ہی خوش اخلاق اور ہنس مکھ تھے۔ خوش طبعی اور شگفتہ مزاجی آپ کو بے حد مرغوب تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا کہ "قیامت کے دن میرے پیارے اور مجھ سے نزدیک بیٹھنے والے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔"

غرضکہ رسول اللہ کی زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جاتی ہے۔ آپ ایک مکمل انسان دکھائی دیتے ہیں۔ اور آپ میں اتنی خوبیاں نظر آتی ہیں کہ ابتدائے دنیا سے لے کر اس وقت تک کسی ایک انسان میں نہیں پائی گئیں۔

حصّہ سوم

حالاتِ حکومت خلیفۂ اوّل

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سنہ ۱۱ھ (۶۳۲ء) سے سنہ ۱۳ھ (۶۳۴ء)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

رسول اکرمؐ کی وفات کا زمانہ حالات کے لحاظ سے انتہائی نازک زمانہ تھا۔ کیوں کہ منافقین اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے پہلے ہی سے موقعہ کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ مگر صحابہ کرامؓ کی ہوشمندی اور اسلام دوستی نے وقت کی نزاکت کو شدت سے محسوس کیا۔ اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد فوراً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کر کے خلافت پر بیعت کر لی۔ صحابہ کی بروقت دانشمندی نے نہ صرف اسلام کی متزلزل بنیادوں کو مضبوط کر دیا بلکہ مسلمانوں میں منافقین کی کوششوں سے جس خانہ جنگی کا احتمال پیدا ہو چکا تھا اسے بھی ختم کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ بلاشبہ خلافت کے لئے تمام صحابہ سے افضل اور موزوں تھے رسول مقبول صلعم کی خواہش بھی یہی تھی۔ کہ آپ کے بعد خلافت کی ذمہ داری حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سپرد کی جائے۔ رسول مقبول صلعم کا ایام علالت میں اپنی جگہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امام مقرر فرمانا اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ اور حضرت ابو بکرؓ کی اقتدا میں نماز پڑھنا حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی جانب کھلا ہوا اشارہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے امام بنا دیئے جانے پر جب حضرت عائشہ رضؓ نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا تھا کہ "میرے باپ اس خدمت کو انجام نہیں دے سکیں گے کیونکہ وہ بے حد رقیق القلب آدمی ہیں آپ حضرت عمرؓ کو امام مقرر فرما دیں" تو آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا کہ "نہیں ابو بکر ہی امامت کریں گے" جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ ہی کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے کہ رسول مقبول صلعم نے اپنی علالت کے دوران میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ "اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں تمہارے باپ کے لئے خلافت نامہ لکھ دوں" پھر خود ہی فرمایا "اچھا اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ مسلمان سوائے ان کے کسی دوسرے کو سردار مقرر نہیں کریں گے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی مشیت بھی یہی ہے" اس کے علاوہ کتب احادیث میں ایسی بیشمار حدیثیں موجود ہیں جن سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا خلیفۂ اول مقرر کیا جانا صاف طور پر ثابت ہے۔

خلافت میں اختلاف | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر بہت جلدی تمام مدینہ میں

پھیل گئی۔ لوگ مسجد نبوی میں آ آ کر جمع ہونے لگے یہ زیادہ تر مہاجر حضرات تھے۔ دوسری طرف خاص مدینہ کے باشندے یعنی انصار ثقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے۔ انصاریوں کی خواہش تھی کہ حضرت سعد بن عبادہؓ انصاری کو حضور اکرم کا جانشین بنایا جائے۔ انصاریوں کے مجمع میں سعد بن عبادہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "خلافت انصاریوں کا جائز حق ہے"۔ ایک انصاری نے جب سوال کیا کہ "کیا مہاجرین انصار کی خلافت کو تسلیم کریں گے؟" تو دوسرے انصاری نے جواب دیا کہ "اگر مہاجرین نے ہمارے خلیفہ کو تسلیم نہیں کیا تو ہم ان کو بزور شمشیر مدینہ سے نکال دیں گے"۔ چند مہاجرین بھی اس مجمع میں موجود تھے وہ اس پر برہم ہو گئے اور اندیشہ ہوا کہ کہیں اس بحث مباحثہ میں تلواریں نہ نکل آئیں۔ فوراً حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جو اس وقت مسجد نبوی میں تھے تمام حالات سے مطلع کیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس پریشان کن خبر کو سن کر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ کو ساتھ لے کر سیدھے انصاریوں کے اجتماع میں تشریف لائے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس نازک موقعہ پر اگر حضرت ابوبکرؓ پہنچنے میں ذرا بھی تاخیر کرتے تو کوئی تعجب نہ تھا کہ مہاجرین و انصار میں خونریزی کی نوبت آ جاتی۔

حضرت ابوبکرؓ نے انصاریوں کے مجمع میں پہنچنے کے بعد دیکھا کہ مسئلہ خلافت پر کافی شور مچا ہوا ہے۔ آپ نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اے انصار تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کو فوراً سردار مقرر نہ کیا گیا تو امورِ دین میں فتور پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لیئے مناسب ہے کہ ہم لوگ اس نازک مسئلہ پر سنجیدگی سے غور و خوض کرنے کے بعد کسی ایک شخص کو اپنا سردار مقرر کر لیں"۔

حضرت سعد بن عبادہؓ نے جواب دیا کہ "جو بزرگی اللہ تعالےٰ نے انصار کو عنایت کی ہے وہ کسی کو حاصل نہیں۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلعم اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی۔ اور ان کے لیئے دشمنوں سے لڑے اور جان و مال فدا کیا۔ جس کی وجہ سے اسلام کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔

سعد بن عبادہ کی تقریر کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "انصار کی بزرگی اور ان کے احسانات میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن قریش کی قوم جو رسول اللہ صلعم کی قوم ہے اللہ نے تمام عرب قوموں پر اس کو فضیلت اور بزرگی دی ہے۔ اس لیئے جب تک ان میں سے لوگ امارت کے قبول کرنے سے انکار نہ کر دیں۔ دوسری قوم میں سے کسی کا سردار ہونا مناسب نہیں۔

حضرت بشیر بن نعمان انصاری نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ "آنحضرت صلعم بے شک قبیلہ قریش میں سے تھے لہٰذا ان کی قوم خلافت کی زیادہ مستحق ہے۔ ہم لوگوں نے بلاشبہ دینِ اسلام

کی نصرت میں نمایاں حصہ لیا ہے اور ہم سابق الایمان ہیں لیکن ہمارا اسلام لانا اور رسول اللہ صلعم کی امداد کے لئے مستعد ہو جانا محض اس لئے تھا کہ خدا ہم سے راضی ہو جاوے۔ ہم نے دنیاوی جاہ و عزت کے حصول کے خیال سے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس لئے ہم خلافت و امارت کے معاملہ میں مہاجرین سے کوئی جھگڑا کرنا پسند نہیں کرتے۔"

بشیر بن نعمان کی اس حق گوئی پر وہ تمام انصاری جو انصار میں خلافت دیکھنا چاہتے تھے بہت برہم ہو گئے اور انہوں نے بشیر بن نعمان پر سخت نکتہ چینی شروع کر دی۔ بشیر بن نعمان نے اپنی قوم کو دوبارہ مخاطب کیا اور فرمایا اے میری قوم میں تمہاری ناراضگی سے متاثر ہو کر حق بات کہنے سے گریز نہیں کر سکتا کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ چیز کسی طرح بھی موزوں نہیں کہ ایک ایسی قوم سے خلافت امارت کے لئے جھگڑا کیا جائے جو بجا طور پر خلافت و امارت کی مستحق ہے۔ اے انصار کیا تم نے سنا نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ الائمۃ من القریش (امام قریش میں سے ہوں گے)"

انصار رسولِ کریم کے سچے عاشق تھے۔ بشیر بن نعمان کی زبان سے ارشادِ رسول کو سنتے ہی ان کی گردنیں جھک گئیں۔ اور وہ نہ صرف خلافت کے دعوے سے دستبردار ہو گئے بلکہ اس طرح مہاجرین اور انصار کا وہ اختلاف جو نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کرتا چلا جا رہا تھا۔ آن واحد میں ختم ہو گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے جب دیکھا کہ انصار بنی قریش کی سرداری پر رضامند ہو گئے ہیں تو انہوں نے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے فرمایا کہ "سرداران قریش میں سے عمرؓ اور ابو عبیدہؓ موجود ہیں۔ تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو امارت کے لئے منتخب کر لو؟" اس پر حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت عمرؓ بولے حضرت ابو بکر صدیقؓ ہم سب سے افضل ہیں۔ لہذا ابو بکر صدیقؓ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا خلافت و امارت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔" یہ فرمانے کے بعد سب سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور ان کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت بشیر بن نعمان رضؓ انصاری نے بیعت کی۔ پھر تو حالت یہ ہوئی کہ چاروں طرف سے لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ غرضکہ تقریباً تمام مہاجرین اور انصار نے متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ انصار میں سے حضرت سعد بن عبادہ نے بیعت نہیں کی۔ اور مہاجرین میں سے صرف وہ لوگ بیعت نہیں کر سکے جو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔

دوسرے روز رسولِ مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھ کر مسلمانوں سے عام بیعت لینا شروع کی مسلمان گروہ در گروہ آتے تھے اور بیعت کرتے

جاتے تھے چنانچہ صحابہ کرام میں سے تقریباً تینتیس ہزار صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ صحابہ کی اس عظیم الشان تعداد کا صرف ڈیڑھ دن میں حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کرنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ صحابہ کرام آپ کی خلافت کے بارے میں بالکل متفق اور متحد تھے۔ اور دل سے چاہتے تھے کہ آپ رسول اکرم کے جانشین قرار دیئے جائیں

حضرت علیؓ کی شکایت

مورخین کی اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے کہ حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے چالیس دن تک حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے خواہشمند تھے۔ بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کو حضرت ابوبکرؓ سے اس بات کی سخت شکایت تھی کہ انہوں نے ثقیفہ بنی ساعدہ کی بیعت کے موقعہ پر ان کو شریکِ مشورہ کیوں نہیں کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلوص اور بے لوثی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مکہ کے مشہور سپہ سالار ابوسفیان نے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بھڑکاتے ہوئے جب یہ کہا کہ "آپ کے ہوتے ہوئے ابوبکرؓ کو خلیفہ بن جانے کا کوئی حق نہ تھا۔ میں نہ صرف آپ کی بیعت کے لئے تیار ہوں بلکہ یہاں تک آمادہ ہوں کہ آپ کا ارشاد پاتے ہی اس سارے میدان کو لشکر سے بھر دوں اور ابوبکرؓ کے لئے عرصہ حیات تنگ کر دوں" ابوسفیان کی زبان سے حضرت ابوبکرؓ کے خلاف یہ ناشائستہ سوال سن کر حضرت علیؓ کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ حضرت علیؓ کے دل میں اگر حضرت ابوبکرؓ کے خلاف ذرہ برابر بھی کدورت ہوتی تو آپ اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھاتے لیکن آپ تو سرتاپا اخلاص اور صداقت کے پیکر تھے ابوسفیان کی اس بات کو سن کر آپ کے تیور بدل گئے۔ اور آپ نے فرمایا "ابوسفیان تمہارے دل سے ابھی تک فتنہ و فساد کا خیال دور نہیں ہوا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایمان لانے کے بعد بھی اس کا اثر باقی ہے۔ جاؤ مجھے تمہاری ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں" حضرت علیؓ کے اس تلخ جواب نے ابوسفیان کو مایوس کر دیا۔ اور وہ اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔

ابوسفیان کی اس مفسدانہ روش سے جب حضرت علیؓ نے یہ محسوس کیا کہ ان کے بیعت نہ کرنے سے فتنہ پردازوں کو مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا کرانے کا موقعہ ہاتھ آ رہا ہے۔ اور وہ در پردہ فتنہ کی کوشش کر رہے ہیں تو آپ اسی وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ "میں آپ کی فضیلت اور استحقاق خلافت کا منکر نہیں ہوں مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو صرف یہ شکایت ہے کہ آپ نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں رسول اللہ صلعم کے قریبی رشتہ داروں سے مشورہ کئے بغیر کیوں مسلمانوں سے بیعت لی۔ آپ اگر ہم کو بھی وہاں بلوا لیتے تو

تو ہم سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے"

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے جواب دیا "رسول مقبول صلعم کے قرابت دار مجھ کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ میں بنی سقیفہ میں بیعت کے لئے نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس غرض کے لئے گیا تھا کہ مہاجرین وانصار میں خلافت کے بارے میں جو جھگڑا پیدا ہو گیا تھا۔ اسے کسی نہ کسی طرح رفع کر دوں۔ اس جھگڑے کے رفع ہونے کے بعد میں نے اپنی بیعت کی خواہش ہرگز نہیں کی تھی بلکہ حاضرین نے خود ہی اچانک میرے ہاتھ پر بیعت شروع کر دی۔ اگر میں اس وقت بیعت کو ملتوی کر دیتا تو اندیشہ تھا کہ مہاجرین وانصار کا یہ جھگڑا دوبارہ کھڑا ہو کر کوئی نیا فتنہ برپا کر دیتا۔ اس کے علاوہ آپ حضرات کو میں اس لئے بھی نہیں بلا سکا کیونکہ آپ تجہیز و تکفین کے کام میں مصروف تھے اور ظاہر ہے کہ یہ کام بھی انتہائی ضروری تھا۔

حضرت ابو بکر صدیق کا عذر معقول تھا چنانچہ واقعات کا علم ہونے کے بعد حضرت علیؓ کو کوئی شکایت باقی نہ رہی اور آپ نے اگلے ہی روز مسجد نبوی میں مجمع عام میں حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی اس موقعہ پر یہ بھی بتا دینا نہایت ضروری ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بھائی اور داماد ہونے کی وجہ سے حضرت علیؓ کو تمام مسلمانوں میں بے حد مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ حضرت علیؓ اگر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر راضی نہ ہوتے تو بڑے سے بڑے فتنے کھڑے ہو سکتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ تو سراپا خلوص کے پیکر تھے ان کو خلافت کی کوئی خواہش نہ تھی۔ وہ تو محض اسلام کا فروغ چاہتے تھے اور اس کے لئے خلافت تو کیا بڑے سے بڑے ایثار کے لئے تیار تھے۔ لہذا فتنہ پردازوں کی انتہائی کوشش کے باوجود آپ نے ہر ایسی چیز سے گریز کیا جس سے اسلام میں ضعف پیدا ہونے کا امکان تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے ابتدائی حالات

حضرت ابو بکرؓ صدیق کی خلافت اور آپ کے زمانہ کی فتوحات پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی پر بھی ہلکی سی روشنی ڈال دی جائے تاکہ تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مسند خلافت پر سرفراز ہونے سے پہلے آپ کی زندگی کیسی تھی اور آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر گہرا تعلق اور سچی محبت حاصل تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق کا اصلی نام عبداللہ عتیق ابن ابو قحافہ" تھا اور ابو بکرؓ آپ کی کنیت تھی صدیق کا خطاب آپ کو رسول اللہ صلعم کی جانب سے ملا تھا۔ کیونکہ آپ نے مخالفین اسلام کی پروا کئے بغیر مردوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلعم کی نبوت کی تصدیق فرمائی تھی۔ اور معراج کے بارے میں بھی آپ نے

بڑی دلیری سے کام لیتے ہوئے حضور اکرم کے قول کی تصدیق کی تھی۔ آپ کی اس صداقت اور سچائی سے متاثر ہو کر رسول اللہ صلعم نے آپ کو "صدیق" کا خطاب عطا کیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خاندان اور رسول اللہ صلعم کا خاندان ایک ہی ہے یعنی آپ رسول اللہ صلعم کے ہم جد ہیں آپ کا سلسلہ نسب چھ پشتوں کے بعد رسول اللہ صلعم کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ حضور اکرم سے دو برس چھوٹے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی طرح آپ بھی مکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے وہیں پرورش پائی تھی اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ آپ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ چنانچہ آپ تجارتی قافلے لے کر قریبی ممالک میں جایا کرتے تھے آپ ایک بڑے تاجر ہونے کے علاوہ قبیلہ قریش کے ممتاز سرداروں میں شمار کئے جاتے تھے۔

آپ نہایت دولتمند اور با اثر تھے۔ زمانہ جاہلیت میں خون بہا اور تاوان کا آخری فیصلہ آپ ہی فرماتے تھے قبیلے کے کسی آدمی کو آپ کے فیصلے سے روگردانی کی طاقت نہیں ہوتی تھی۔ اخلاق و عادات کے اعتبار سے آپ اعلے درجے کے مہمان نواز اور بے حد فیاض طبع تھے۔ دوست اور دشمنوں کی آپ یکساں امداد کرتے تھے۔ آپ کا اخلاق اور کردار نہایت ہی بلند تھا۔ ایام جاہلیت میں عرب اگرچہ کھلم کھلا شراب پیتے تھے لیکن آپ نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ گویا زہد اور پرہیزگاری آپ کی پیدائشی خصلت تھی۔ گو آپ کے آباؤ اجداد بت پرست تھے لیکن بچپن ہی سے آپ کو بت پرستی سے نفرت تھی۔

مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے پہلے رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے تھے۔ آپ رسول مقبول صلعم کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہتے تھے۔ چنانچہ رسول مقبول صلعم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو آپ اپنے تمام اہل و عیال کو اللہ کے نام پر چھوڑ کر حضور کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ آپ تقریباً تمام لڑائیوں میں رسول اللہ صلعم کے دوش بدوش کفار کے مقابلہ پر بڑے بڑے میدانوں میں ثابت قدم رہے۔ اور ہر جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آنحضرت کی حفاظت کی ہے۔ اسلام کی راہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ مسلمان ہوئے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ وہ سب کے سب آپ نے رسول اللہ صلعم پر خرچ کر دیئے۔ جنگ تبوک کے لئے حضور اکرم نے جب مال تصدق کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال و اسباب اسلام پر قربان کر دیا اور اہل و عیال کے لئے ایک درہم بھی باقی نہ رکھا۔

علم اور فضل کے اعتبار سے بھی حضرت ابوبکرؓ کا درجہ نہایت بلند تھا۔ قرآن شریف کا علم آپ کو سب صحابیوں سے زیادہ تھا۔ سنت کے علم میں بھی آپ کامل تھے۔ علم تعبیر میں آپ کو امتیازی درجہ حاصل تھا۔ آپ

تمام اسلامی مسائل کا فیصلہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نہایت ہی فصیح تقریر فرماتے تھے اور بڑے بڑے اہم معاملات کو اتنی سنجیدگی سے حل فرما دیا کرتے تھے جو دوسروں کے لئے ناممکن تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ اگرچہ نہایت ہی دولتمند خاندان سے تعلق رکھتے تھے لیکن آپ کی معاشرت ابتدا ہی سے نہایت سادہ تھی۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد اور اسلام پر اپنی تمام دولت لٹانے کے بعد تو آپ کی سادگی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد دوسرے دن جب آپ چند چادریں تجارت کی غرض سے لئے ہوئے بازار جا رہے تھے تو حضرت عمر رضؓ نے آپ کو روک کر کہا کہ اب آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہو گئے ہیں اگر آپ نے یہ کاروبار جاری رکھا تو پھر خلافت کے کام کس طرح چل سکیں گے اس پر آپ نے فرمایا "اگر میں ایسا نہ کروں گا تو میرے اہل و عیال اپنی گذر اوقات کس طرح کریں گے۔"

حضرت ابو بکر رضؓ کا عذر معقول تھا۔ صحابہ کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ خلیفہ کے معاش کے مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ صحابہ نے یہ سوچتے ہوئے کہ اگر آپ اب بھی تجارت کرتے رہے تو اس سے سلطنت کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔ ایک مجلس شوریٰ منعقد کرنے کے بعد آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا جو اس قدر کم تھا کہ اس میں مشکل ہی سے آپ کا گذارہ ہوتا تھا۔

حضرت ابو بکر رضؓ کے مسند خلافت سنبھالنے کے بعد مسلمانوں نے ہر چند چاہا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ سلطان یا خلیفۃ اللہ کے لقب کا اضافہ کر لیں لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نہ تو سلطان ہوں اور نہ خدا کا خلیفہ ہوں۔ بلکہ اپنے نبی کا خلیفہ اور مسلمانوں کا خادم ہوں اور میرے لئے یہی کافی ہے۔"

حضرت صدیق اکبر کی پہلی تقریر

خلیفہ ہونے کے دوسرے دن ہی مسجد نبوی میں حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے جو پہلی تقریر کی تھی اس سے آپ کے خلوص۔ سچائی اور ایمانی قوت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا

"مسلمانو! مجھے تمہارا سردار بنایا گیا ہے۔ حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں پس اگر میں نیک کام کروں تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں تو تمہارا فرض ہے کہ مجھے سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے مجبور کرو۔ تم لوگ جہاد کو ترک نہ کرنا۔ جب کوئی قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے تو ذلیل ہو جاتی ہے جب تک کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرنا لیکن جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو میرا ساتھ چھوڑ دینا کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔" آپ نے تقریر کے آخر میں مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ مظلوموں کی

امداد اور ظالموں کی سرکوبی سے دریغ نہ کریں۔ نیز کتاب اللہ اور سنت رسول کی پیروی کرتے رہیں کیونکہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ آپ کی اس تقریر میں ہزاروں صحابہ کرام مسجد نبوی میں موجود تھے۔

جھوٹے نبیوں کی بغاوت

رسول مقبول صلعم کی وفات کے بعد چونکہ یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ مسلمانوں کی طاقت پاش پاش ہو چکی ہے۔ اس لئے سارے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت بغاوت برپا ہوگئی۔ اس بغاوت کی بنا پر یہ عام خیال تھا کہ اب اسلامی اقتدار دنیا میں صرف چند روز کا مہمان ہے۔ چنانچہ جب مسلمان یہ دیکھتے تھے کہ باغی قبائل ہر چہار طرف سے مکہ، مدینہ اور طائف کی جانب بڑھے چلے آرہے ہیں تو وہ بھی سراسیمہ ہو جاتے تھے۔ لیکن خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے مقتدر صحابہ کرام کے پائے استقلال کو ذرہ برابر جنبش نہ ہوئی اور وہ مردانہ وار اس فتنہ کو دبانے کے لئے میدان میں آگئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کے لئے نازک ترین وقت تھا۔

مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے جس دلیری اور سرعت کے ساتھ اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی وہ آپ کے دورِ خلافت کا سب سے بڑا اور سب سے اہم کارنامہ ہے۔ اس وقت جزیرہ نمائے عرب کی حالت یہ تھی کہ ایک طرف تو وہ تمام قبائل باغی اور مرتد ہو گئے تھے۔ جنہوں نے کہ مسلمانوں کی طاقت کے خوف سے اسلام قبول کر لیا تھا اور دوسری جانب عرب میں نئے نئے نقلی نبی نمودار ہو گئے تھے جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعوےٰ کر کے عرب کے مختلف علاقوں میں عوام کو گمراہ کر کے سخت ہنگامے برپا کر رکھے تھے۔

مرتدین میں سے ایک بڑا گروہ ایسا بھی تھا جو رسول اللہ صلعم کی رسالت کا تو اقرار کرتا تھا لیکن اس بات کے لئے بضد تھا کہ ارکانِ اسلام میں اس گروہ کی مرضی کے مطابق تبدیلی کر دی جائے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ گروہ زکوٰۃ کی گرانقدر رقم کی ادائیگی کا مخالف تھا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ زکوٰۃ کے رکن کو اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ چنانچہ زکوٰۃ کے مخالفین کے وفود نے جب مدینہ آکر حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن ہم سے زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو حضرت ابوبکرؓ کو اس نامعقول مطالبہ پر سخت غصہ آیا اور آپ نے نہایت طیش کی حالت میں وفود کے نمائندوں سے فرمایا کہ:۔

"کسی دنیاوی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ارکانِ اسلام میں ذرہ برابر بھی تبدیلی کر سکے۔ خدا کی قسم اگر زکوٰۃ کا ایک جانور یا ایک دانہ بھی کوئی قبیلہ ادا نہیں کرے گا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس جواب کو سن کر مرتدین کا جوش مخالفت اور بھی بڑھ گیا۔ اور انہوں نے عوام کو بھڑکا کر ملک کے کونے کونے میں بغاوت کو اسی طرح پھیلا دیا۔

ایک طرف تو مرتدین اور زکواۃ کے مخالفین کی بغاوت برابر بڑھ رہی تھی۔ دوسری جانب نقلی نبیوں کا فتنہ انتہائی خطرناک صورت اختیار کرتا چلا جا رہا تھا۔ نقلی نبیوں کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی خانہ ساز شریعت کے جال میں عرب کے بے شمار قبائل کو پھانس لیا تھا۔ ان نقلی نبیوں نے عیش پسند طبقہ کو اپنی جانب رجوع کرنے کے لئے اپنی شریعت میں عجیب و غریب اور نہایت ہی اخلاق سوز باتیں جاری کر دی تھیں۔ چنانچہ بعض نبیوں نے اپنی امت کو زناکاری اور شراب نوشی کی کھلی اجازت دے دی تھی۔ بعض نے نمازیں معاف کر دی تھیں۔ اور بعض نے اپنے متبعین کے لئے سور کا گوشت کھانا جائز قرار دے دیا تھا۔ غرضکہ وہ ملکِ عرب جس کو رسولِ مقبول صلعم نے سالہا سال کی محنت کوشش اور جدوجہد کے بعد اخلاقی پستی سے نکالا تھا پھر ایک بار قعرِ مذلت میں جا پڑا تھا۔

مرتدین اور نقلی نبیوں کے مقلدین صرف اسلام ہی سے منحرف نہیں ہو گئے بلکہ یہ سب کے سب اسلام کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کے لئے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ گویا ایک طرف تو مرتدین اور نقلی نبیوں کے مقلدین اسلام کو خیرباد کہنے کے بعد بری طرح شرک اور کفر میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اور دوسری جانب یہ سب ان تمام مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کی قسم کھا چکے تھے جو مکہ، مدینہ اور طائف میں اب بھی بدستور دین اسلام پر قائم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر رسولِ مقبول صلعم کی تعلیم نے مسلمانوں میں غیر معمولی استقلال، ہمت اور ذاتِ الٰہی پر کامل بھروسہ کا جذبہ پیدا نہ کر دیا ہوتا تو کفر و شرک اور الحاد کے بے پایاں سیلاب کا مقابلہ کرنا مسلمانوں کے لئے ناممکن تھا۔

مدینہ پر مرتدین کا حملہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب دیکھا کہ مخالفین کی کوششیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور اسلام مرتدین اور نقلی نبیوں کے نرغہ میں آگیا ہے اور ہر طرف سے دشمنانِ اسلام مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے تلے ہوئے ہیں یہاں تک کہ یہ مدینہ کے نواح میں بھی حملہ کی غرض سے جمع ہو گئے ہیں تو آپ نے مدینہ منورہ کے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ وہ جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور دیگر مقتدر صحابیوں کو آپ نے مدینہ منورہ کے گرد گشت لگانے پر مامور کر دیا۔ تاکہ اگر مرتدین اچانک حملہ کریں تو ان کا مقابلہ کسی تاخیر کے بغیر فوراً مدینہ سے باہر ہی کیا جا سکے۔

حضرت ابوبکرؓ اور دیگر صحابہ کی ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود مدینہ مرتدوں کے حملہ سے نہ بچ

سکا۔ چنانچہ قبیلہ عبس۔ قبیلہ ذبیان۔ بنو اسد اور بنو کنانہ کے تمام شریروں نے ملکر کافی سازوسامان اور ایک بڑی جمیعت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا مجاہدین اسلام پہلے ہی تیار تھے فوراً مقابلہ پر آ گئے۔ اور حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کی راہنمائی میں مدینہ سے باہر دشمنوں سے ایسی مردانہ وار جنگ کی کہ تھوڑی ہی دیر میں مرتدوں کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے۔ اور بے شمار آدمی ان کے قتل کئے گئے۔ مگر اس شکست کے باوجود مرتدین چین سے نہیں بیٹھے۔ انہوں نے نہایت عیاری کے ساتھ پلٹ کر ایک دوسرے راستے سے مدینہ پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں مسلمانوں کو شدید جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ حضرت ابو بکرؓ کو جب مرتدین کی اس عیاری اور مسلمانوں کے اس نقصان کا علم ہوا تو وہ خود بنفس نفیس ایک تازہ دم لشکر کے ہمراہ ان شرارت پسندوں کے مقابلہ کے لیے میدان میں آ گئے۔ مرتدین کو بری طرح شکست ہوئی۔ جب مرتدین مقابلہ سے بھاگے تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کا تعاقب کیا۔ ان کی بستیوں میں گھس کر اچھی طرح سے مرتدین کو سزا دی اور ان کی بستیاں قبضہ میں آنے کے بعد مسلمانوں کو دے دی گئیں۔ اور ان کی چراگاہیں مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کے لیے وقف کر دی گئیں۔ رسول مقبول صلعم کی وفات کے بعد یہ پہلی فتح تھی جو مسلمانوں کو مرتدین پر حاصل ہوئی اس فتح نے پھر ایک بار دشمنان اسلام کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔

اسلامی لشکر کی زبردست یورش

مدینہ منورہ پر مرتدین کے اس حملہ کے بعد خلافت اسلامیہ کے اراکین یہ طے کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مرتدین کے سرداروں اور نقلی نبیوں کے خلاف باقاعدہ جنگ شروع کر دی جائے تاکہ ان مرتدوں اور نقلی نبیوں کو پھر۔ مدینہ اور طائف پر حملہ کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر مجاہدین اسلام کے گیارہ لشکر ۱۱ھ میں عرب کے مختلف علاقوں میں روانہ کر دیئے گئے۔ اور سرداران لشکر کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ سرزمین عرب کو جلد سے جلد فتنہ پردازوں سے پاک اور صاف کر دیں اور ان تمام نقلی نبیوں اور مرتدین کو ایسی سخت سزائیں دیں جو پھر کبھی اسلام کے خلاف سر نہ اٹھا سکیں۔

جھوٹے نبی کی شکست

نقلی نبی طلحہ اسدی جس نے کہ سب سے زیادہ فتنہ برپا کر رکھا تھا اس کی سرکوبی کے لیے حضرت خالد بن ولید کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا گیا۔ طلحہ اسدی اپنے زمانہ کا بہت بڑا ابن الوقت تھا۔ یہ ابتداء میں کاہن تھا۔ جب مسلمانوں کا زور بڑھا تو یہ مسلمان بن گیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد یہ نبی بن بیٹھا۔ نجد کے قریب اس کا کیمپ تھا۔ عین اس وقت جب کہ یہ مکہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا حضرت خالد بن ولید نے اس پر اچانک حملہ کر کے اس کے لشکر کو

چاروں طرف سے گھیر لیا۔ طلحہ بڑی مستعدی سے لڑا مگر اسلامی لشکر سے شکست کھا کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد یا تو ماری گئی یا فرار ہوگئی جو باقی رہ گئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ طلحہ اسدی نے بھی حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ آکر دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنی رواداری سے اس کی پچھلی حرکتوں کو معاف کر دیا۔

مالک بن نویرہ کی سرکوبی

مالک بن نویرہ نے اسلام کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے بھی حضرت خالد بن ولیدؓ ہی کو بھیجا گیا۔

مالک بن نویرہ قبیلہ بنو تمیم کا ایک سردار تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات میں اسے بنو تمیم کی چند بستیوں کا حاکم بنا دیا تھا۔ لیکن رسول مقبول صلعم کی وفات کے بعد یہ باغی ہو گیا۔ اور اس نے مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس نے مصلحتاً اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور کی وفات کے بعد اس نے سوچا کہ کیوں نہ مدینہ اور مکہ کو فتح کرنے کے بعد یہاں اپنی بادشاہی قائم کر دی جائے یہ ابھی مدینہ پر حملہ کی تیاریوں ہی میں مصروف تھا کہ حضرت خالد بن ولید کا لشکر اچانک اس پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں لشکروں میں بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی اور جنگ میں مالک بن نویرہ کو شکست ہوگئی اور وہ گرفتار کر لیا گیا۔ اس علاقہ کے جو لوگ اسلام پر قائم تھے ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ لیکن مرتدین کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ مالک بن نویرہ چونکہ بار بار اپنے ملحدانہ خیالات کا اظہار کر چکا تھا۔ اور وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی بہت بڑا مخالف تھا۔ اس لئے جب گرفتار کر کے اسے حضرت خالد بن ولید کے سامنے لایا گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ "تم زکوٰۃ کے کیوں مخالف ہو" اس پر مالک بن نویرہ نے جواب دیا کہ "جب ہم خدا کی عبادت بے خرچ کے کر سکتے ہیں تو پھر زکوٰۃ کیوں دیں" ان ملحدانہ خیالات کو سن کر حضرت خالد بن ولید نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور ضرار بن الازور نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مالک بن نویرہ کی بیوی بے حد حسین تھی مالک بن نویرہ کے قتل کے بعد حضرت خالد بن ولید نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

حضرت خالد بن ولید اس حسین عورت سے نکاح کرنے کے بعد سخت مشکلات میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ ان کے مخالفین نے مدینہ جا کر مالک بن نویرہ کے قتل کے واقعہ کو کچھ ایسی رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مالک بن نویرہ ملحد نہیں تھا۔ بلکہ مسلمان تھا۔ لیکن خالد بن ولید نے اس کی بیوی پر قبضہ جمانے کے لئے اسے خواہ مخواہ قتل کرا دیا۔ یہ معاملہ جب حضرت عمرؓ کے علم میں آیا تو وہ بے حد برہم ہوئے دوسرے صحابی بھی حضرت خالد بن ولید کے مخالف ہو گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ خالد کو معزول کر کے قصاص لیا جائے۔ آخر خالد بن ولید کو دربارِ خلافت میں جواب دہی کے لئے

طلب کیا گیا۔ اور سارے معاملہ کی باقاعدہ تحقیقات کی گئی۔ تو پتہ چلا کہ مالک بن نویرہ واقعی ملحد تھا اور خالد بن ولید نے جو کچھ کیا وہ درست تھا۔

ملکہ سجاح کا دعوائے نبوت

ملکہ سجاح نے اپنے ہی جیسے ایک نقلی نبی مسیلمہ کذاب سے نکاح کر لیا تھا۔ یہ ملک سبا کی ملکہ تھی اور قبیلہ تغلب سے تعلق رکھتی تھی۔ جب اس عورت نے نبی ہونے کا دعوے کیا تو عرب کے کئی قبیلوں نے اس کی نبوت کو تسلیم کر لیا سجاح نے اپنی نبوت کا سکہ جمانے کے لئے اپنی امت کے لئے سور کا گوشت کھانا۔ شراب پینا۔ اور زنا کرنا جائز قرار دے دیا تھا۔ یہ ملکہ چونکہ بے حد عیاش تھی اس لئے اس نے اپنے خانہ ساز مذہب میں عیاشی کے لوازم خصوصیت کے ساتھ شامل کر لئے تھے مسیلمہ کذاب کو اس عورت کے نبی ہونے کا پتہ چلا اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بہت حسین ہے اور آوارہ مزاج ہے۔ تو مسیلمہ نے قاصد کے ہاتھ ایک خط روانہ کیا۔ جس میں لکھا تھا کہ جب محمدؐ زندہ تھے میں نے آدھی نبوت ان کے لئے چھوڑ دی تھی۔ لیکن چونکہ تم بھی نبوت کی دعوے دار ہو اس لئے اب میں آدھی پیغمبری تم کو دے دوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے لشکر کو چھوڑ کر تنہا میرے پاس چلی آؤ۔ تاکہ باقی معاملات ہم زبانی طے کر لیں۔" مسیلمہ کے خط کے جواب میں سجاح خود اس کے پاس پہنچ گئی۔ تین دن اور رات یہ اس کے خیمہ میں رہی اور ان میں ایسی یگانگت اور محبت پیدا ہو گئی کہ دونوں کا نکاح ہو گیا۔ لیکن تین دن کے بعد جب ملکہ سجاح اپنے لشکر میں واپس گئی تو لشکر میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ سجاح نے یہ کہہ کر لشکر کو مطمئن کرنا چاہا کہ "میرے شوہر نے جو بہت بڑے نبی ہیں تم لوگوں کے لئے فجر اور عشا کی نمازیں معاف کر دی ہیں۔" لیکن لشکر میں اس قدر بددلی پھیل چکی تھی کہ سجاح کے لئے اپنی جان بچانا دشوار ہو گیا اور اس طرح اس نبوت کا فتنہ خود بخود ٹھنڈا ہو گیا۔

مسیلمہ پر چڑھائی

مسیلمہ کذاب کا اصل نام مسیلمہ بن حبیب تھا۔ یہ یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک سردار تھا۔ اس نے رسول اللہ صلعم کے زمانہ حیات ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا تھا۔ حضور کی وفات کے بعد یہ سمجھتے ہوئے کہ اب میدان خالی ہے۔ اس نے اپنے خانہ ساز مذہب کو پھیلانا شروع کر دیا۔ اور بہت سے قبائل کو اپنا معتقد بنا لیا۔ دوسرے مخالفینِ اسلام کی طرح چونکہ یہ بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اس کے مقابلے کے لئے ایک لشکر روانہ کر دیا تھا مگر اس لشکر کو جب مسیلمہ کے مقابلہ میں شکست ہو گئی تو اس کی سرکوبی کے لئے بھی حضرت خالد بن ولید ہی کو روانہ کرنا پڑا۔ حضرت خالد بن ولید کے لشکر کی تعداد صرف تیرہ ہزار تھی جبکہ مسیلمہ کا لشکر چالیس ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ یمامہ کے قریب جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا تو دشمن کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا

تھا کہ دشمن مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے مگر حضرت خالد بن ولید نے ایسی قابلیت کے ساتھ اس پر حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں مسیلمہ مارا گیا۔ مسیلمہ کا مارا جانا تھا کہ دشمن کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اس جنگ میں بارہ سو مسلمان شہید ہوئے تھے ——— اور دشمن کے سترہ ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ اس جنگ میں شہداء کے علاوہ مسلمان بڑی تعداد میں زخمی بھی ہوئے اور جن میں بہت سے زخموں کی تاب نہ لا کر انتقال کر گئے بہر حال مسلمانوں نے مسیلمہ کذاب کے لشکر کو درہم برہم کرنے اور اس فتنہ کے ختم کرنے میں بے پناہ شجاعت اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا اور خالد بن ولید باقی ماندہ لشکر اسلام کو لے کر مدینہ واپس آ گئے۔

بحرین میں مرتدین کا قلع قمع

بحرین میں بنو عبد القیس اور بنو بکر بن وائل دو بڑے قبیلے تھے جن کی شاخیں اس علاقہ میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد یہ دونوں قبیلے حضورؐ کی رسالت سے منکر ہو گئے لیکن ان قبیلوں میں سے قبیلہ بنو قیس کے لوگوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا لیکن قبیلہ بنو بکر کے لوگ بدستور مرتد ہی رہے اور انہوں نے حطم کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حطم اور مسلمانوں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں حطم مارا گیا اور بے شمار مرتدین ہلاک ہوئے یا بھاگ گئے جو باقی رہ گئے تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا غرضکہ اس جنگ کے بعد بحرین کا علاقہ بھی مرتدین سے پاک ہو گیا۔

عمّان کے مدعی نبوت کا خاتمہ

رسول اللہ صلعم کی وفات کی خبر سن کر عمّان میں لقیط بن ملک نامی ایک شخص نے اپنی نبوت کے اعلان کے بعد یہ مشہور کر دیا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد خدا نے اسے نبوت کا درجہ عطا کر دیا ہے۔ اہل عمان اور اہل مہرہ مرتد ہونے کے بعد اس عیار پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا کہ ابن الوقت کا فتنہ دن بدن بڑھ رہا ہے تو فوراً اس کی سرکوبی کے لئے ایک اسلامی لشکر روانہ کیا گیا۔ اس نقلی نبی نے ایسی بہادری کے ساتھ اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا کہ اسلامی لشکر میں شکست کے آثار پیدا ہو گئے۔ مگر فوراً ہی اسلامی لشکر سنبھل گیا اور مجاہدین اسلام نے دوبارہ تنظیم کے بعد جب دشمن پر حملہ کیا تو دشمن کو شکست ہو گئی اور اس طرح عمان سے بھی فتنہ ارتداد مٹ گیا۔

عمان کے مرتدین کی سرکوبی کے بعد اسلامی لشکر مہرہ کی جانب متوجہ ہوا جہاں بہت سے قبائل اسلام سے منحرف ہو گئے تھے جب ان کو دوبارہ اسلام کی دعوت دی گئی تو بعض نے تو اسلام قبول کر لیا اور بعض لڑنے مرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آخر اسلامی لشکر کے مقابلہ میں مہرہ کے مرتد قبائل کو بھی شکست اٹھانا

پڑی اور اسلامی لشکر نے اس علاقہ کو بھی ہمیشہ کے لئے شرارت پسندوں اور بے دینوں سے پاک کر دیا۔

یمن میں جھوٹے نبی کی امت

اسود عنسی نامی ایک شخص نے حضورؐ کے زمانہ حیات ہی میں اپنی نبوت کا اعلان کر دیا تھا۔ اگرچہ چند ہی روز کے بعد یہ مرتد اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہونے کے بعد کیفر کردار کو پہنچ گیا تھا مگر پھر بھی اس کے متبعین کی ایک بڑی تعداد یمن میں موجود تھی حضور کی وفات کے بعد اس کے متبعین نے اسود عنسی کو "شہید مذہب" قرار دے کر نئے سرے سے اس کے خانہ ساز مذہب کی تبلیغ شروع کر دی۔ جب ان کا زور زیادہ بڑھا تو خلافت اسلامیہ کو ان کی سرکوبی کے لئے بھی اسلامی لشکر روانہ کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا۔ مرتدین کے لشکر کے سپاہیوں کی تعداد چونکہ اسلامی لشکر سے دگنی اور تین گنی تھی اس لئے مسلمانوں کو ان سے سخت جنگ کرنی پڑی۔ آخر بڑی دشواری کے بعد مسلمانوں نے انہیں زیر کیا۔ اس جنگ میں بے شمار مرتدین قتل ہوئے جو باقی رہ گئے ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے اور کچھ نے بھاگ کر اسلامی لشکر سے جان بچالی۔

یمن کے مرتدین کی تادیب کے بعد اسلامی لشکر قبیلہ بنو کندہ کی جانب متوجہ ہوا۔ یہ قبیلہ بھی مرتد ہو گیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اسلامی لشکر جو اسی فکر میں گھوم رہا تھا جب اسے معلوم ہوا تو اچانک اس پر حملہ کر کے اس قبیلہ کی ساری طاقت کو پاش پاش کر دیا اس قبیلہ کے سردار اور قبیلہ کے آدمیوں کو گرفتار کر کے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو قبیلہ کے سردار اشعث نے اسلام قبول کر لیا۔ سردار کے اسلام قبول کرنے پر حضرت ابوبکرؓ نے سردار اور بنو کندہ کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ان لوگوں پر اس حسن سلوک کا ایسا اچھا اثر ہوا کہ سب نے خود ہی بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مستعدی اور حسن تدبیر نے ایک سال سے بھی کم مدت میں یعنی سنہ ۱۲ھ کے شروع ہونے سے قبل ہی پورے جزیرہ نمائے عرب کو نقلی نبیوں۔ مرتدوں اور باغیوں سے پاک کر دیا۔ اور کفر و الحاد کے اس طوفان کو جو آندھی کی طرح اٹھا تھا انتہائی جرأت سے کام لے کر دبا دیا۔ حضورؐ کی وفات اور حضرت ابوبکرؓ کے مسند خلافت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی یا تو یہ حالت تھی کہ سارا جزیرہ نمائے عرب اسلام کے خلاف صف آرا ہو گیا تھا اور عرب کے بے شمار باشندے اسلام سے منحرف ہو چکے تھے یا ایک سال سے بھی کم مدت میں یہ کیفیت ہو گئی کہ تمام مخالفین نے اسلام کے سامنے گردنیں جھکا دیں۔ ملحدوں اور مرتدوں نے توبہ کے بعد دوبارہ دین اسلام قبول کر لیا اور پھر ایک بار جزیرہ نمائے عرب کے گوشہ گوشہ سے اللہ اکبر

کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

مسلمانوں کا شام پر حملہ

نبی اکرم کی حیات میں جتنی بھی لڑائیاں لڑی گئیں وہ سب عرب تک محدود تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربی قبائل کی مخالفت نے مسلمانوں کو اتنا موقعہ ہی نہیں دیا کہ وہ کسی بیرونی ملک پر حملہ کر سکتے ہاں یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلعم کی یہ دلی خواہش تھی کہ مسلمان ان سرحدی ممالک کی فتوحات کی جانب ضرور متوجہ ہوں جو مسلمانان عرب کو پریشان کرنے کے لئے اپنے پانچویں کالم کے ذریعہ جزیرہ نمائے عرب میں نئے نئے فتنے برپا کرتے رہتے ہیں اس نوعیت کے فتنے شام کی سرحد سے جس پر کہ قیصر روم ہرقل کی حکومت تھی برابر کھڑے ہوتے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے عرب کی نوزائیدہ اسلامی حکومت کے لئے دن بدن خطرہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

رسول مقبول صلعم چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ شام کے علاقہ پر قبضہ جمائے بغیر باشندگانِ عرب اور مسلمانوں کے لئے رومی عیسائیوں کی دست برد اور فتنوں سے محفوظ رہنا ناممکن ہے۔ اس لئے آپ نے اپنی بیماری کے زمانہ ہی میں شام پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس مقصد کے لئے ایک لشکر عظیم تیار کر کے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسے فتح اور نصرت کی خوشخبری دے کر اسے روانہ بھی کر دیا تھا۔ لیکن لشکر کی روانگی کے وقت چونکہ رسول اللہ صلعم کی طبیعت اچانک زیادہ خراب ہو گئی تھی اس لئے یہ لشکر مدینہ سے کچھ فاصلہ پر جا کر اس خیال سے ٹھہر گیا تھا کہ جب حضور کی صحت کی جانب سے ذرا اطمینان ہو جائے تب آگے بڑھا جائے لیکن حضور کی طبیعت دن بدن زیادہ ناساز ہوتی گئی یہاں تک کہ آپ رحلت فرما گئے حضور کی رحلت کے بعد اس لشکر کو منتشر کر دیا گیا۔ اور شام پر حملہ کے خیال کو عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے تمام صحابہ کرام جو خود اس لشکر میں شامل تھے چونکہ یہ جانتے تھے کہ رسول مقبول صلعم کی یہ انتہائی خواہش تھی کہ شام کے علاقہ کو ضرور فتح کیا جائے اس لئے حضرت ابوبکر صدیق نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی شام پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ چونکہ یہ تیاریاں ایسے وقت میں کی جا رہی تھیں جب کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مرتدین کا فتنہ اور اندرونی بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے اکثر و بیشتر صحابہ نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ ایسی نازک حالت میں جب کہ عرب میں اندرونی بغاوت بڑھ رہی ہے۔ سا ور ہر لمحہ مکہ اور مدینہ پر مرتدوں اور باغیوں کے حملہ کا خطرہ ہے شام کے حملہ کو ملتوی کر دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر کسی طرح بھی اس حملہ کو ملتوی کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ سوال نہیں تھا کہ اس وقت شام پر حملہ مناسب ہے یا غیر مناسب۔

بلکہ ان کا مقدس اور اعلیٰ جذبہ تو یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو رسولِ مقبول صلعم کی ملک شام پر حملہ کی اس خواہش کو پورا کریں جسے حضور اپنے ساتھ اس دُنیا سے لے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شام پر حملہ کے مخالفین کو جواب دیا کہ اگر مجھ کو اس بات کا بھی یقین دلا دیا جائے کہ اس لشکر کے روانہ کرنے کے بعد مدینہ کی ساری آبادی قتل کر دی جائے گی اور مجھ کو مدینہ میں تنہا رہ کر بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا تب بھی میں اس لشکر کی روانگی کو ہرگز ملتوی نہیں کروں گا۔ جس کو رسول اللہ صلعم نے روانہ کیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کیونکہ اس لشکر کی روانگی کو سنت رسول اللہ تصور کر رہے تھے اس لئے وہ شدید سے شدید خطرات اور اندیشوں کے باوجود اس کے لئے کسی طرح بھی تیار اور آمادہ نہ تھے۔ کہ شام کے حملہ کو کسی حالت میں بھی موقوف کیا جائے۔ بغرضیکہ آپ نے کچھ مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود حکم دیدیا کہ "تمام وہ لوگ جو رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات میں لشکر اسامہ میں شامل تھے فوراً روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ سے باہر لشکر گاہ میں آکر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ اس حکم کے سنتے ہی اسلامی لشکر جس میں صحابہ کرام بھی ایک بڑی بھاری تعداد میں شامل تھے مدینہ کے باہر اسامہ بن زید کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

اسامہ کی سپہ سالاری پر اعتراض

آقائے دو جہان دنیا میں چھوٹے بڑے کا امتیاز مٹانے کے لئے آئے تھے آپ نے آقا اور غلام کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے شام پر سب سے پہلے اور اہم حملہ کے لئے جب لشکر کو ترتیب دیا تھا تو دیدہ و دانستہ اس لشکر کا سپہ سالار ایک غلام لڑکے کو بنا دیا تھا۔ اسامہ بن زید اسی غلام لڑکے کا نام ہے حضرت ابو بکرؓ نے بھی رسول اللہ صلعم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی غلام لڑکے کو اس لشکر کا سردار برقرار رکھا حالانکہ اس لشکر میں سے بعض لوگوں کو اسامہ بن زید کی سرداری پر شدید اعتراض تھا چنانچہ ان لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "اس بڑی جنگ کے لئے ایک سترہ سالہ غلام کی بجائے اگر کسی صحیح النسب اور پختہ عمر کے آدمی کو سردار مقرر کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔" لیکن خلیفہ رسول جو خود بھی آقا اور غلام کے فرق کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے وہ کسی طرح بھی اسامہ بن زید کی برطرفی پر راضی نہ ہوئے غرضیکہ تمام بڑے بڑے صحابہ کو اس جنگ کے سلسلہ میں اسی غلام لڑکے کی قیادت تسلیم کرنی پڑی۔

حضرت ابو بکرؓ کی بڑی خواہش یہ تھی کہ جس طرح ہو حضور کے نقش قدم پر چلا جائے چنانچہ اسامہ بن زید کی سرداری پر لوگوں کا اعتراض سن کر حضرت ابو بکرؓ نے محسوس کیا کہ اگرچہ اسلام نے خاندانی افتخار کو مٹا دیا ہے لیکن اب بھی عربوں میں تکبر باقی ہے۔ لہٰذا اس تکبر کو دور کرنے کی غرض سے آپ اس غلام

سوار کے گھوڑے کے ہمرکاب پیدل چل کر مدینہ سے لشکر گاہ تک تشریف لائے۔ صرف عرب سرداروں کو یہ جتانے کے لئے کہ جب تمہارا خلیفہ ایک غلام کے ہمرکاب پیدل چل سکتا ہے تو تم کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اور حسب نسب کے اس فخر کو مٹا دینا چاہیئے جو ایام جہالت کی یادگار ہے حضرت ابوبکرؓ کے اس انکسار اور طرزِ عمل نے ان تمام لوگوں کی زبان بندی کر دی جو اسامہ بن زید کی سرداری کو پسند نہیں کر رہے تھے۔

خلیفۃ المسلمین کی سپہ سالار کو نصیحتیں

اسلامی لشکر کے سپہ سالار اسامہ بن زید کو میدانِ جنگ کی جانب روانہ کرتے وقت حضرت ابوبکر صدیق نے جو نصیحتیں کی تھیں ان کو اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہی دس نصیحتیں آگے چل کر اسلامی لشکر کا آئین اور دستور بن گئی تھیں۔ اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان سپاہی کے لئے لازمی اور ضروری ہو گیا تھا۔ ان نصیحتوں سے یہ اندازہ لگانا بہت آسان ہے کہ مسلمانوں کے آئین جنگ میں کس قدر رواداری اور حسن سلوک کا جذبہ پوشیدہ تھا یہ دس تاریخی نصیحتیں یہ تھیں۔

(۱) جس سے جو عہد کرو اسے پورا کرنا۔ بدعہدی سے ہمیشہ بچنا۔ (۲) خیانت اور جھوٹ سے ہمیشہ دور رہنا (۳) جنگ میں بچوں۔ بوڑھوں۔ عورتوں اور بیماروں کو قتل نہ کرنا۔ (۴) پھلدار درختوں کو ہرگز برباد نہ کرنا کھلیانوں اور مکانوں کو آگ نہ لگانا (۵) کھانے کی ضرورت کے سوا اونٹ۔ بکری۔ گائے اور دوسرے چوپایوں کو نہ مارنا (۶) جب کسی قوم پر فتحیاب ہو تو اسے نرمی کے ساتھ اسلام کی جانب دعوت دینا۔ اس پر کسی قسم کی سختی نہ کرنا (۷) مفتوحہ ممالک کے لوگوں کے مراتب کا خیال رکھنا جو عزت کے لائق ہوں ان کی عزت کرنا (۸) وہ یہودی اور عیسائی جو ترکِ دنیا کر کے عبادت خانوں میں بیٹھ گئے ہوں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا اور کسی عبادت خانہ کو برباد مت کرنا (۹) اپنے لشکر کے سپاہیوں پر ہمیشہ مہربان رہنا۔ ان کے تمام معاملات میں انصاف سے کام لینا (۱۰) ان تمام کاموں میں جن کے کرنے کا حکم رسول اللہ صلعم نے تم کو دیا ہے۔ کمی کرنا نہ زیادتی۔ اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں لڑنا اور ذاتی اغراض سے پاک رہنا" یہ ہیں وہ تاریخی نصیحتیں جو آگے چل کر اسلامی لشکر کے لیئے آئین جنگ بن گئی تھیں۔ یہ بات آپ کے علم میں آچکی ہے کہ اسامہ بن زید کے لشکر میں تمام بڑے بڑے صحابہ شامل تھے حضرت ابوبکر جب سپہ سالار اور اسلامی لشکر کو رخصت کرنے لگے تو انہوں نے مدینہ میں اپنی تنہائی کو شدت سے محسوس کیا کیونکہ ملکی معاملات میں کوئی ایک بھی مدبر صحابی ان کے پاس باقی نہیں رہتا تھا کہ جس سے بوقت ضرورت وہ مشورہ کر سکیں۔ اس لئے وہ حضرت عمرؓ کو جو دیگر مجاہدین کی طرح اس لشکر

میں شامل تھے، سپہ سالار لشکر کی اجازت سے اپنے ساتھ لے آئے۔ حضرت عمرؓ کے علاوہ حضرت علیؓ اور دوسرے تمام مقتدر صحابہ رومی عیسائیوں سے جنگ کرنے کے لیے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے اس موقعہ پر یہ غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اگرچہ خلیفۂ وقت تھے اپنے حکم سے جو چاہے کر سکتے تھے لیکن جب آپ نے حضرت عمرؓ کو روکنا چاہا تو فوجی ڈسپلن کو برقرار رکھنے کے لیے انہیں باقاعدہ سپہ سالار اسلام سے اجازت حاصل کرنی پڑی۔ چنانچہ جب سپہ سالار اسلام نے اجازت دے دی۔ تب آپ حضرت عمرؓ کو فوج سے نکال کر اپنے ساتھ لائے۔ صرف اسی ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے مسلمانوں کا نظام سیاست اور نظام حکومت کس قدر مستحکم تھا کہ خلیفۂ وقت بھی ایک اسلامی سپہ سالار کی اجازت کے بغیر خواہ وہ ایک غلام زادہ ہی کیوں نہ ہو فوجی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔

لشکر اسلام کی شاندار فتح

اس زمانہ میں رومی سلطنت کو دنیا میں بہت بڑی حیثیت حاصل تھی۔ عیسائیوں کی یہ عظیم الشان سلطنت مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کی بے جگری اور جرأت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس سب سے بڑی سلطنت کو زیر کرنے کے لیے مٹھی بھر مجاہدین کو لے کر چل کھڑے ہوئے اور انہوں نے دفعتاً شام کی سرحد میں داخل ہو کر رومیوں پر ایسے دلیرانہ حملے کئے کہ مقابلہ تو درکنار انہیں سنبھلنے بھی نہ دیا۔

رومی عیسائی جن کو پہلے ہی سے اسلامی لشکر کی آمد کا علم ہو چکا تھا انہوں نے اگرچہ بے اندازہ فوج اردن اور بلقا کی وادیوں میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع کر رکھی تھی۔ لیکن پھر بھی رومی فوج کثرت کے باوجود چند ہزار مجاہدین کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی۔ یعنی رومیوں کو بری طرح شکست ہو گئی اسامہ بن زید بے شمار مال غنیمت اور قیدیوں کو ساتھ لے کر چالیس دن کے بعد مدینہ واپس آ گئے یہ ۶۳۲ء کا واقعہ ہے۔

شام پر مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا حملہ ایسے نازک وقت پر کیا گیا تھا جب کہ جزیرہ نمائے عرب میں اندرونی بغاوتیں برپا تھیں۔ لیکن اس حملہ کا اثر یہ ہوا کہ وہ مخالفین اسلام جو یہ سمجھ رہے تھے کہ اب مسلمانوں کی طاقت ٹوٹ چکی ہے یہ دیکھ کر سکتہ کے عالم میں رہ گئے کہ مسلمانوں نے شام کی سرحد میں داخل ہو کر روم کی اس عظیم الشان سلطنت کو شکست دے دی جس کے نام سے بڑی بڑی حکومتیں کانپتی تھیں غرض کہ مسلمانوں کی شام پر فتح نے مسلمانوں کی دھاک پھر ایک بار نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں قائم کر دی بلکہ بیرونی حکومتوں کے دلوں میں بھی مسلمانوں کا خوف پیدا ہو گیا۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اگرچہ نبی اکرم دنیا سے جا چکے ہیں مگر مسلمانوں میں تنظیم اتحاد اور جان نثاری کا وہی جذبہ باقی ہے۔

غیر ممالک پر مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا حملہ کچھ ایسی مبارک ساعت میں کیا گیا تھا کہ اس حملہ اور فتح کے بعد

مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ چمکتا ہی چلا گیا۔ اور چمکنا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ یہ حملہ عین رسول اللہ صلعم کی منشا کے مطابق حضورؐ ہی کے ترتیب دیئے ہوئے لشکر نے حضورؐ کی ہدایتوں کے مطابق کیا تھا۔ چنانچہ اس حملہ اور فتح کے بعد اسلام خوب پھولا پھلا اور مختصر سے عرصہ میں مسلمان آدھی سے بھی زیادہ دنیا کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ حضور اکرمؐ ہی کا فیضان تھا۔

رومیوں اور ایرانیوں کو اسلامی حکومت سے تشویش

اسامہ بن زید کے لشکر کو شام میں رومیوں کے مقابلہ پر جو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اس نے نہ صرف رومی عیسائیوں کو بلکہ ایران کے آتش پرستوں کو بھی چوکنا کر دیا چنانچہ اس حملہ کے بعد بیرونی حکومتوں کو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور حوصلہ مندیوں کی وجہ سے کافی پریشانی اور تشویش پیدا ہو گئی۔ اور روم و ایران کی دونوں حکومتیں اس فکر میں مبتلا ہو گئیں کہ عرب کی اس جدید اسلامی حکومت سے اپنے اپنے ممالک کو کیونکر محفوظ رکھا جائے۔

رومی اور ایرانی سلطنتیں یوں تو رسول اللہ صلعم کے زمانہ حیات ہی میں اسلام کی ترقی اور اسلام کی فتوحات کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہی تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں کے لیئے یہ چیز انتہائی پریشان کن بنی ہوئی تھی کہ رسول اکرمؐ کی زیر قیادت عرب کے تمام قبائل ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے تھے۔ اور ان کے پڑوس میں ایک ایسی مستحکم حکومت قائم ہو گئی تھی جو پورے ملک عرب پر حاوی تھی لیکن رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب ملک عرب میں اندرونی بغاوتیں پھوٹ پڑیں تو رومیوں اور ایرانیوں کی یہ تشویش دور ہو گئی تھی اور ان کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ عنقریب یہ جدید اسلامی حکومت پاش پاش ہو جائے گی اور ملک عرب میں پہلے کی طرح پھر طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔ مگر چند ہی روز کے بعد جب رومیوں اور ایرانیوں نے یہ دیکھا کہ ایک طرف تو مسلمان تیزی کے ساتھ اندرونی بغاوتوں کو دباتے چلے جا رہے تھے۔ اور دوسری جانب انہوں نے بیرونی سلطنتوں پر بھی حملے شروع کر دیئے ہیں تو یہ دونوں حکومتیں پھر ایک بار بری طرح سے تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔

رومی اور ایرانی سلطنتوں کے خلاف مسلمانوں کی جنگی سرگرمیوں پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بڑی سلطنتیں جن سے مسلمانوں نے سب سے پہلے ٹکر لی ان کی اس زمانہ میں سیاسی حیثیت کیا تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں سلطنتیں اس زمانہ کی سب سے بڑی حکومتیں تسلیم کی جاتی تھیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک ان ہی دونوں سلطنتوں کے زیر اقتدار تھے۔ گویا آدھی دنیا پر ایرانی قابض تھے اور آدھی دنیا عیسائیوں کے زیر اقتدار تھی اور اس طرح ان دونوں بڑی حکومتوں میں صدیوں سے آپس میں

جنگ جاری تھی۔ چنانچہ حالت یہ تھی کہ کبھی تو ایرانی رومی علاقوں پر قابض ہو جاتے اور کبھی رومی ایرانی علاقوں کو فتح کر لیتے تھے یعنی دنیا کے کروڑوں باشندوں کی قسمتیں ان ہی دو بڑی سلطنتوں کے ساتھ وابستہ تھیں۔

طلوع اسلام کے بعد جب جزیرہ نمائے عرب میں ایک تیسری اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی تو یہ دونوں ہی بڑی حکومتیں تشویش میں مبتلا ہو گئیں اور انہوں نے ایک طرف تو عرب کے اندرونی علاقوں میں فتنے برپا کرنے شروع کر دیئے اور دوسری طرف یہ دونوں سلطنتیں آپس میں متحد ہو کر عرب پر حملے کی تیاریاں کرنے لگیں تاکہ اس تیسری حکومت کو ابھرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد جب ملک عرب میں بغاوتیں شروع ہوئیں تو ان دونوں حکومتوں نے باغیوں کی خوب مدد کی اور ساتھ ہی اپنی فوجیں بھی حملہ کی غرض سے عرب کی سرحدوں پر لا ڈال دیں یعنی رومی عیسائیوں کا لشکر تو شام کی سرحد پر آ کر جمع ہو گیا اور اور ایرانیوں نے عراق میں اپنی فوج لا کر جمع کر دی تاکہ موقع ملتے ہی فوراً ملک عرب پر حملہ کر دیا جائے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو کمزور سمجھتے ہوئے رومی اور ایرانی دونوں ہی عرب پر حملہ کے لئے آمادہ ہیں تو آپ نے اسامہ بن زید کو ایک لشکر دے کر شام کی اس مہم پر روانہ کیا تھا جس کا تذکرہ ہم اس سے قبل کر چکے ہیں جب اس لشکر نے رومیوں پر حملہ کر کے ان کو شکست دے دی تو رومیوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کو جتنا کمزور سمجھ رہے ہیں وہ اتنے کمزور نہیں ہیں۔ چنانچہ اس شکست کے بعد رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقعہ مل گیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک اور دور اندیشی کی اور وہ یہ ہے کہ اسی زمانہ میں ایرانیوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے مثنیٰ ابن حارث کو بھی ایک چھوٹی سی فوج دے کر عراق کی سرحد پر بھیج دیا اور ان کو ہدایت کر دی کہ جب تک عرب کی اندرونی حالت درست نہ ہو جائے ایرانیوں سے کسی جگہ بھی جم کر نہ لڑنا بلکہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر ایرانیوں پر چھاپے مارتے رہنا تاکہ ایرانی اس گوریلا جنگ میں الجھ کر رہ جائیں اور مسلمانوں کو اپنے ملک کی اندرونی بغاوتوں کے دبانے کے بعد ان پر باقاعدہ حملہ کا موقعہ ہاتھ آ جائے۔

حضرت ابو بکرؓ کا یہ طریقہ کار نہایت ہی مؤثر ثابت ہوا۔ نہ تو رومی ہی عرب پر حملہ کر سکے اور نہ ایرانیوں ہی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقعہ مل سکا۔ یہاں تک کہ مسلمان اپنے ملک کی اندرونی بغاوتوں کے دبانے کے بعد بہت جلد اس قابل ہو گئے کہ وہ پوری بے فکری کے اور قوت کے ساتھ بیرونی حکومتوں کا مقابلہ کر سکیں۔

اسلامی لشکر کا شام و عراق پر حملہ

حضرت ابو بکرؓ کی حسن تدابیر اور مسلمانوں کی جان توڑ کوششوں سے اس وقت تک ملک کی اندرونی بغاوتیں

مرچکی تھیں۔ مرتدین کو موت کے گھاٹ اتارا جاچکا تھا۔ اکثر باغی قتل کئے جاچکے تھے اور باقی ماندہ باغیوں نے اپنی گردنیں خلافت اسلامیہ کے سامنے جھکادی تھیں۔ غرض ملک میں ہر طرف امن وامان قائم ہوجانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور صحابہ کرام کو اس بات کا کامل یقین ہوگیا تھا کہ اب خلافت اسلامیہ اس قابل ہے کہ ان رومیوں اور ایرانیوں سے انتقام لے سکے جو زمانہ دراز سے مسلمانوں کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ تو فوراً ہی خلیفۂ اسلام کی جانب سے عرب سرداروں اور مسلم عوام کو دعوت دی گئی کہ وہ شام اور عراق پر حملہ کے لئے مدینہ کے باہر لشکر گاہ میں آکر جمع ہوجائیں۔ چنانچہ عرب سردار اور عرب عوام جوق در جوق جمع ہونے شروع ہوگئے یہاں تک کہ مدینہ کے باہر جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی عرب سرداروں کے خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب دیکھا کہ ہزاروں فداکاران اسلام ان کے اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہیں تو انہوں نے اسلامی لشکر کی ترتیب شروع کی چنانچہ شام پر حملہ کی غرض سے ایک لشکر یزید بن سفیان کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا اس لشکر کا مقابلہ قیصر روم کے ایک بہت بڑے لشکر سے شام کی سرحد پر ہوا اس معرکہ میں قیصر روم کا سردار معہ بارہ سو سپاہیوں کے اسلامی لشکر کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور بہت سا سامان غنیمت ہاتھ آیا جو خلیفۂ اسلام کی خدمت میں مدینہ روانہ کردیا گیا۔ یہ شام پر مسلمانوں کی دوسری شاندار فتح تھی۔ جو ۱۲ھ/۶۳۳ء میں حاصل ہوئی۔

اس کامیابی کے چند ہی روز بعد حضرت عمرو بن عاص کی سپہ سالاری میں ایک اور فوج شام کے لئے روانہ کی گئی اور پھر برابر شام کے لئے فوجیں روانہ ہوتی رہیں۔ شام میں چونکہ بہت سی اسلامی فوجیں جمع ہوگئی تھیں۔ اس لئے شام کے مختلف علاقے مختلف سرداروں کے لئے نامزد کردیئے گئے۔ تاکہ تمام سردار علیحدہ علیحدہ نامزد کردہ علاقوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع کرسکیں۔ حضرت ابوعبیدہ کو حمص اور شام کا فوجی گورنر مقرر کردیا گیا۔ اور تمام دوسرے سپہ سالاران کی ماتحتی میں دے دیئے گئے۔ عمرو بن عاص کی سرگرمیوں کے لئے فلسطین کا علاقہ تجویز کیا گیا۔ جو اس زمانہ میں شام کا ایک صوبہ تھا۔ یزید بن ابی سفیان کے لئے دمشق کا علاقہ نامزد کیا گیا اور شرجیل کو دریائے یردون کے اطراف کا علاقہ سپرد کیا گیا اور ان تمام سپہ سالاروں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ سب کے سب حضرت ابوعبیدہ کی ماتحتی میں جنگی کارروائیاں فوراً شروع کردیں اور دوران جنگ میں ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھیں چنانچہ خلافت اسلامیہ کی ہدایتوں کے مطابق تمام فوجی افسر جنگی کارروائیوں میں مصروف ہوگئے۔

اسلامی لشکر کی کامیابی اس سے قبل یہ بتایا جاچکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک

مختصر سی فوج دے کر حارث بن مثنیٰ کو ۱۱ھ میں عراق کی سرحد پر بھیجدیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو کر ایرانیوں پر چھاپے مارتے رہیں۔ چنانچہ حارث عراق کی سرحد پر موجود تھے۔ اور خلافت اسلامیہ کی ہدایت کے مطابق برابر اس علاقے پر چھاپے مار رہے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد جب مشہور اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن ولید بھی ایک بڑا لشکر لے کر ان کی امداد کے لئے عراق کی سرحد پر جا پہنچے تو عراق کے خلاف باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔

خالد بن ولید کی شمولیت

خلافت اسلامیہ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ فوراً حیرہ اور ابلہ کے علاقے فتح کرنے کی کوشش کریں۔ حیرہ ایک چھوٹا سا ملک تھا جو بابل کے مغرب میں شام کے ریگستانی علاقہ کے کنارے پر تھا اس ملک کا بادشاہ کسریٰ فارس کا باجگذار تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے دس ہزار کے لشکر سے شہر حیرہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر پناہ کی دیواروں کو توڑتے ہوئے اندر گھستے چلے گئے خالد بن ولیدؓ کا یہ ایسا عظیم حملہ تھا کہ کسریٰ کی فوجیں نہ روک سکیں۔ آخر حیرہ کا بادشاہ مارا گیا۔ اور بے شمار فوج تہ تیغ کر دی گئی۔ چند سردار باقی رہ گئے جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کر لی۔ خالد بن ولید نے پورے ملک پر قبضہ کرنے کے بعد ستر ہزار اشرفی سالانہ خراج مقرر کر دیا۔ اور ادائیگی کے لئے سخت تاکید کر دی۔ مورخین کا بیان ہے کہ یہ پہلا خراج تھا جو مسلمانوں نے فتح کے بعد کسی غیر ملک سے وصول کیا یہ ۱۲ھ کا واقعہ ہے۔

خالد بن ولید کا دوسرا حملہ

حیرہ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید ابلہ پر حملہ آور ہوئے اس علاقہ کا حاکم ہرمز نامی ایک آتش پرست تھا جس کی دلیری اور بہادری کی نہ صرف ایران میں بلکہ دور دور کے ممالک میں بھی بڑی شہرت تھی حضرت خالد بن ولید نے تن تنہا میدان میں آنے کے بعد ہرمز کو مقابلہ کے لئے طلب کیا۔ اور دونوں میں بڑی دیر تک سخت مقابلہ ہوتا رہا آخر ہرمز مارا گیا۔ ہرمز دربار ایران کا اتنا بڑا سردار تھا کہ بادشاہوں کی طرح تاج پہنتا تھا۔ اس کا تاج حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ لگا۔ اس تاج کی قیمت ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی۔

ہرمز نے اپنی شکست سے پہلے کسرائے ایران کو امدادی فوج کے لئے لکھا تھا۔ اس نے فوراً ہی اس کی مدد کے لئے ایک عظیم الشان فوج قارن کی سرکردگی میں روانہ کر دی تھی۔ قارن کو جب راستہ ہی میں ہرمز کی شکست اور موت کی اطلاع ملی تو وہ مذار ہی میں ٹھہر گیا۔ خالد بن ولید نے اسے مذار ہی میں آ گھیرا۔ بڑی خونریز جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ تیس ہزار ایرانی کام آئے۔ قارن اور تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ کسرائے ایران کو جب اس شکست کی اطلاع ملی تو اس نے مشہور ایرانی سردار

بہمن جادوبہ کو ایک عظیم الشان لشکر دے کر بھیجا مگر بہمن جادویہ کو بھی خالد بن ولید کے مقابلہ میں بری طرح شکست ہوئی۔

ان فتوحات کے بعد حضرت خالد بن ولید دجلہ اور فرات کی جانب بڑھے اس علاقہ کا جو سردار بھی مقابلہ پر آیا اسے شکست دی۔ حضرت خالد بن ولید نے امغیشیا کا محاصرہ کر لیا۔ شہر امغیشیا والوں نے جب خالد بن ولید کا سختی سے مقابلہ کیا تو انہوں نے یہ سارے کا سارا شہر برباد کر ڈالا۔ اس کے بعد اس لائق سپہ سالار نے شہر انبار، عین التمر، دومۃ الجندل اور عراق کے دوسرے تمام شہروں اور علاقوں کو فتح کرنے کے بعد پورے ملک عراق پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔ مسلمانوں کو یہ شاندار فتح ۱۲ھ (۶۳۳ء) میں حاصل ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ اسلامی فوجوں نے صرف چند ماہ کے اندر اندر اس پورے ملک پر قبضہ جمالیا تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مال غنیمت آیا جس کا پانچواں حصہ اور ہرمز کا تاج تو حضرت خالد بن ولید نے مدینہ روانہ کر دیا اور باقی مال غنیمت حسب دستور فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔

عراق کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید نے کسرائے فارس کو پیغام بھیجا کہ "اسلام قبول کرو یا جزیہ دو اور اگر دونوں سے انکار کرو گے تو فارس کا بھی وہی حشر ہوگا جو عراق کا ہوا ہے۔" جب اسلامی وفد خالد بن ولید کا یہ پیغام لے کر کسرائے فارس کے دربار میں پہنچا تو کسریٰ بڑی بے رخی کے ساتھ پیش آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق کے بعد فارس کے خلاف بھی مسلمانوں نے لشکر کشی شروع کر دی۔ اس لشکر کشی کی تفصیل آگے چل کر آپ پڑھیں گے۔

رسول مقبول صلعم نے حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہؓ کا خطاب دیا تھا۔ عراق کے اس معرکہ میں اس لائق سپہ سالار نے یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ واقعی وہ سیف اللہ ہیں۔ اور رسول مقبول کا دیا ہوا خطاب ایک بڑی جنگی پیش گوئی ثابت ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ میں خالد بن ولید نے جس قابلیت کے ساتھ ایران جیسی مضبوط سلطنت کو ایک محدود لشکر کے ذریعہ سے شکست دی تھی، اس کی مثال سابقہ تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ چنانچہ عراق کی فتح کے بعد نہ صرف مملکت اسلامیہ میں بلکہ ساری دنیا میں خالد بن ولید کی شہرت اور وقعت بے حد بڑھ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ جو خالد بن ولید کے سب سے بڑے سرپرست تھے اور مداح تھے۔ ان کے لئے حضرت خالد بن ولید کی یہ فتوحات بے حد اطمینان بخش تھیں۔ اور وہ ان فتوحات پر بے حد مسرور تھے۔

اسلامی لشکر کو پریشانی کا سامنا

مسلمانوں کو جہاں عراق میں شاندار فتوحات حاصل ہو رہی تھیں وہاں شام میں اسلامی لشکر کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اور

اس ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو عبیدہ نے شام کی اس لڑائی میں اسلامی لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور پھر تینوں کو علیحدہ علیحدہ مقامات پر حملہ کرنے کی ہدایت کر دی تھی۔ لہٰذا اس طرح اسلامی لشکر کی طاقت بٹ گئی اور مسلمانوں کو تقریباً ہر مورچہ پر نہ صرف پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا بلکہ شکست کا منہ بھی دیکھنا پڑا۔

مسلمانوں کی اس شکست سے رومی عیسائیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے اور انہوں نے نئے سرے سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ حضرت ابو عبیدہ اور اسلامی سپہ سالاروں کو جب معلوم ہوا کہ قیصر روم ہرقل کا ایک بہت بڑا تازہ دم لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آ رہا ہے تو وہ بہت گھبرا گئے اور انہوں نے فوراً حضرت ابو بکرؓ کو تازہ کمک کے لئے لکھا تاکہ تازہ کمک آنے کے بعد ہرقل کے اس بے پناہ لشکر کا مقابلہ کیا جا سکے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ابو عبیدہ کی اس گھبراہٹ سے یہ اندازہ لگا لیا کہ شام کا مورچہ حضرت ابو عبیدہؓ کے قابو میں نہیں آ رہا۔ چنانچہ آپ نے فوراً خالد بن ولید کو ہدایت بھیجی کہ وہ عراق کو اپنے ماتحت افسر مثنیٰ بن حارث کے سپرد کر کے فوراً شام کی جانب مع اپنے لشکر کے روانہ ہو جائیں۔ اور شام کی فوجوں کے ساتھ مل کر شام کے علاقہ کی فتح کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔ خالد بن ولید ابھی روانہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ حضرت ابو عبیدہ نے محسوس کیا کہ اگر بصرہ میں موجود اسلامی لشکر بصرہ کا محاصرہ کرے تو بہتر ہو گا چنانچہ انہوں نے سپہ سالار لشکر شرجیل کو حکم دے دیا کہ وہ فوراً بصرہ کا محاصرہ کر لیں مگر یہ تدبیر مفید ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ بصرہ ایک نہایت ہی مضبوط قلعہ کی صورت میں تھا جو چاروں طرف سے فولادی دیواروں سے گھرا ہوا تھا جس کی حفاظت کے لئے ہر وقت بارہ ہزار مسلح نوجوان تیار رہتے تھے۔

ضرورت تو یہ تھی کہ ایسے مضبوط قلعہ پر پوری تیاری کے بعد حملہ کیا جاتا چنانچہ شرجیل نے جب بلا کسی تیاری کے بصرہ کا محاصرہ کرنا چاہا تو رومیوں کا لشکر بصرہ سے نکلا اور اس نے بری طرح اسلامی لشکر کو گھیر کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ عین وقت پر حضرت خالد بن ولید اپنا جھنڈا اڑاتے ہوئے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے مسلمانوں کی کمک کے لئے پہنچ گئے۔ اور رومیوں کو مار مار کر بصرہ کے قلعہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس نازک موقعہ پر اگر حضرت خالد بن ولید نہ پہنچ گئے ہوتے تو شاید مسلمانوں کو رومیوں کے ہاتھوں زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑتا اور ممکن تھا کہ ایک مسلمان بھی ان کے ہاتھوں زندہ بچ کر نہ نکل سکتا۔

بصرہ میں خالد بن ولید کی فتح

حضرت خالد بن ولید کے پہنچ جانے کے بعد شام کے تمام اسلامی

اسلامی لشکروں میں نئی روح اور زندگی پیدا ہوگئی۔ خالد نے تمام لشکروں کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کے گرد ایک نہایت ہی مضبوط حلقہ ڈال دیا۔

بصرہ کا حاکم رومانوس مسلمانوں کی شجاعت اور حوصلہ مندی سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان دن بدن محاصرہ کو مضبوط کرتے چلے جا رہے ہیں تو باشندگان شہر کو مشورہ دیا کہ وہ اطاعت قبول کرلیں کیونکہ اب اطاعت اور صلح کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ لیکن کسی شخص نے بھی رومانوس کی بات نہیں سنی بلکہ سب کے سب رومانوس کے مخالف ہو گئے اور اسے سرداری سے معطل کر کے اسی کے گھر میں قید کر دیا اور ایک دوسرے رومی سردار کو حاکم بنا لیا۔

نیا سردار رومیوں کے ایک بہت بڑے لشکر کو لے کر بصرہ کے قلعہ سے باہر آیا تاکہ اسلامی لشکر کے اس مضبوط محاصرہ کو توڑ دے جس نے کہ سارے بصرہ کو حلقہ میں لے رکھا ہے۔ اسلامی لشکر کی جانب سے فوراً ہی خلیفۂ وقت کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر ایک بڑی جمعیت کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور انہوں نے رومیوں کے لشکر میں گھس کر رومی سردار پر ایسا شدید حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں یہ سردار بری طرح زخمی ہو کر بھاگا۔ پھر کیا تھا گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ حضرت خالد بن ولید بھی عقاب کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے میدانِ جنگ میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ جب بصرہ والوں نے دیکھا کہ مسلمان غالب آتے چلے جا رہے ہیں اور کوئی لمحہ میں بصرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے والا ہے تو سارے بصرہ میں کہرام مچ گیا۔ گرجوں میں گھنٹے بجنے لگے۔ پادری زور زور سے دعائیں مانگنے لگے۔ عورتیں رونے لگیں اور چلانے لگیں اور رومی سپاہی بے تحاشا میدان سے بھاگ کر بصرہ کے قلعہ میں گھس گئے اور دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر قلعہ کے دروازہ پر اپنی فوجیں بٹھا دیں اور اسلامی جھنڈا گاڑ دیا۔ اب دشمن پورے طور پر محصور ہو چکے تھے نہ بھاگ سکتے تھے اور نہ مقابلہ ہی کر سکتے تھے۔

بصرہ کے سابق حاکم "رومانوس" کو بصرہ والوں نے اسی کے گھر قید کر رکھا تھا۔ اس کا مکان بالکل شہر پناہ سے ملا ہوا تھا۔ اس نے رات کے وقت اپنے مکان سے ملی ہوئی شہر پناہ میں نقب لگایا اور رات کی تاریکی میں نکل کر خالد بن ولید کے خیمہ میں آگیا۔ اور خالد بن ولید سے گذارش کی کہ اپنے چند بہادر سپاہیوں کو میرے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ اس نقب کے راستہ قلعہ میں داخل ہو کر شہر پناہ کے دروازے کھول دیں اور جو اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہونے کے لئے تیار کھڑا ہے وہ اندر داخل ہو سکے۔

جب سب انتظامات مکمل ہو گئے تو عبدالرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے قلعہ کے اندر سے اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا۔ نعرہ کا لگنا تھا کہ فوراً قلعے کے دروازے کھل گئے اور اسلامی لشکر بصرہ کے اندر

داخل ہونا شروع ہو گیا۔ شہر میں بڑی خونریز جنگ ہوئی آخر رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس طرح سنہ ۱۲ھ (سنہ ۶۳۳ء) میں بصرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شہر پر قبضہ کے بعد باشندوں کو امان دے دی گئی۔ بصرہ کے سابق حاکم روماؤس نے بصرہ کی فتح کے بعد مجمع عام میں اسلام قبول کر لیا۔ اس کے دیکھا دیکھی اور بھی بہت سے عیسائی داخل اسلام ہو گئے۔ روماؤس کے اسلام قبول کرنے کے بعد خالد بن ولید نے اسے محافظِ مال کا اہم عہدہ عطا کر دیا۔

دمشق کا محاصرہ

بصرہ کی فتح کے بعد اسلامی فوجیں جن کی مجموعی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی۔ خالد بن ولید کی سرکردگی میں دمشق کی جانب روانہ ہو گئیں۔ ریگستان میں زندگی گذارنے والے عرب جب دمشق کے سرسبز اور شاداب علاقوں سے گذرے تو ان کو یہ محسوس ہوا جیسے وہ جنت میں آ گئے ہوں۔ ہر طرف سبزہ لہلہا رہا تھا۔ فضا پھولوں کی خوشبو سے معطر تھی۔ ہوائیں دل کو موہ لینے والی خنکی اور تازگی موجود تھی۔ عرب سپاہیوں نے جب اس پر کیف فضا میں قدم رکھا تو ان کے دل مسرت سے جھومنے لگے۔

دمشق کے اونچے مینار اور خوشنما برج دور سے ایک خاص سماں پیدا کر رہے تھے عرب سپاہی ان میناروں اور برجوں کی جانب بڑھے چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے دو رومی سردار ایک بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھے چلے آ رہے ہے۔ ان سرداروں کا نام عزرائیل اور کیلوس تھا ان دونوں سرداروں نے اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح مجاہدین اسلام کو دمشق کی جانب بڑھنے سے روک دیں۔ لیکن ایک مختصر سی جنگ کے بعد ان دونوں رومی افسروں کو اندازہ ہو گیا کہ پرجوش مسلمانوں کے سیلاب کو روکنا ناممکن ہے۔ مختصر سی جنگ کے بعد عیسائیوں کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ کیلوس اور عزرائیل گرفتار ہو گئے۔ خالد بن ولید نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ جس پر ان دونوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ان دونوں کے سر کاٹ کر شہر کی دیوار پہ اہل دمشق کو خوفزدہ کرنے کے لئے پھینک دیئے گئے اور دمشق کا محاصرہ کر لیا گیا۔

اسلام یا اطاعت

دمشق کا محاصرہ دن بدن سخت ہوتا چلا جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے شہر کے باشندے گھبرا رہے تھے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی فوج بھی بہت کم ہو گئی تھی کیونکہ جو سپاہی بھی مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلتے تھے وہ مارے جاتے تھے۔ عیسائیوں میں اب اتنی تاب باقی نہیں رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے محاصرہ پر صبر کر سکیں۔ ان کی نگاہوں کے سامنے سوائے موت کے اور کوئی نقشہ نہیں تھا آخر تنگ آ کر کچھ عیسائیوں نے حضرت خالد بن ولید سے گذارش کی کہ ایک ہزار

اشرفی اور دو سو ریشمی تھان لے لیجئے اور محاصرہ اٹھا لیجئے۔" انہوں نے جواب دیا "دنیاوی لالچ ہمارے لئے بے معنی چیز ہے۔ اگر رہائی چاہتے ہو تو اسلام لاؤ۔ یا اطاعت کرنے کے بعد جزیہ دو۔"

ایک لاکھ رومیوں سے مسلمانوں کا مقابلہ

محاصرہ بدستور جاری تھا کہ حضرت خالد بن ولید کو اطلاع ملی کہ قیصر روم نے دمشق کو بچانے کی غرض سے ایک لاکھ رومیوں کا لشکر جرار وردان حاکم حمص کی سرکردگی میں روانہ کر دیا ہے۔ فوراً تجویز ہوئی کہ خالد بن ولید کے بھائی ضرار کی سرکردگی میں ایک ہزار منتخب مجاہدین کا دستہ رومیوں کے لشکر کو راستہ میں روکنے کے لئے اور ان کو مسلمانوں سے خوفزدہ کرنے کے لئے بھیج دیا جائے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ باقاعدہ جنگ نہ کرنا بلکہ ترتیب سے اپنے پہلو بچاتے ہوئے ان کو روکنے اور الجھانے کی کوشش کرنا۔ ایک ہزار مجاہدین کی اس مختصر سی فوج نے جب رومیوں کے لشکر جرار کو آتے ہوئے دیکھا تو بجائے اس کے کہ یہ خوفزدہ ہوتے اپنے اسلامی جوش کو قابو میں نہ رکھ سکے اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اگر ہماری تعداد کم ہے تو کیا ہے۔ تھوڑے سے مسلمان بھی بڑے سے بڑے مشرکوں کے لشکر کو شکست دینے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ مٹھی بھر مسلمانوں نے قیصر روم کے ٹڈی دل لشکر پہ حملہ کر دیا اور قلب لشکر میں گھس کر رومی سردار کے ہاتھ سے مسیحی جھنڈا چھین لیا۔ یہ جھنڈا صرف جھنڈا ہی نہیں تھا بلکہ ایک جواہرات سے مرصع صلیب بھی تھی۔ جس پر عیسائی جھنڈا لہرا رہا تھا۔

صلیب کا چھننا تھا کہ عیسائی پوری طاقت کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ خالد بن ولید کے بھائی ضرار نے بڑی بے جگری سے جنگ کی یہاں تک کہ جب نیزہ ٹوٹ گیا تو بغیر ہتھیار ہی کے لڑتے رہے مگر اس حالت میں کب تک لڑ سکتے تھے آخر کار گرفتار ہو گئے۔ عیسائیوں نے فوراً انہیں حمص کی جانب روانہ کر دیا۔ مسلمان سپاہیوں میں ان کی گرفتاری سے کمزوری پیدا ہو گئی لیکن رفیع نے فوراً ضرار کی جگہ سنبھال کر ایسی پر جوش تقریر کی کہ مسلمانوں کے حوصلے نئے سرے سے بلند ہو گئے۔ اور مٹھی بھر مسلمان پھر عیسائیوں کے ٹڈی دل لشکر سے ٹکرانے لگے۔ اسی دوران میں خالد بن ولید بھی اپنے لشکر کو لے کر آن پہنچے۔ خالد بن ولید کے آتے ہی جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ خالد کی فوج اگرچہ مشکل سے تیس ہزار تھی لیکن اس نے رومیوں کے لشکر کے چھکے چھڑا دیئے۔ یہ جنگ جاری ہی تھی کہ اسلامی مجاہدین کا ایک دستہ جو رفیع کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا تھا۔ ضرار کا پتہ لگا کر اور حملہ کر کے ضرار کو چھڑا لایا۔ ضرار کے واپس آنے کے بعد ساری فوج میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور ہر سپاہی اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کرنے لگا۔

خالد۔ ضرار اور رفیع تینوں نے لشکر اسلام کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد نئے سرے سے جب

پوری طاقت کے ساتھ رومی عیسائیوں کے لشکر پر حملہ کیا تو رومیوں کا سردار وردان میدان سے فرار ہوگیا ساٹھ ہزار کے قریب رومی قتل ہوئے اور بے حساب مالِ غنیمت، خزانہ، ہتھیار، اسباب اور گھوڑے مسلمانوں کے ہاتھ آئے یعنی اس جنگ کی بدولت نہ صرف مسلم لشکر مالا مال ہوگیا بلکہ اسلامی فوج بہترین آلات سے بھی آراستہ ہوگئی۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد خالد مع اپنے لشکر کے دمشق واپس آگئے اور اس اسلامی فوج سے آن ملے جو دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔

ستر ہزار تازہ دم عیسائیوں سے مقابلہ

مسلمانوں کے ہاتھوں رومیوں کے سب سے بڑے لشکر کی تباہی قیصر روم کے لئے ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ اس عظیم الشان لشکر کی شکست کے بعد قیصر روم کو محسوس ہونے لگا تھا کہ اب پرجوش مسلمانوں سے سلطنت روما کا بچانا آسان نہیں۔ اس تازہ شکست نے اسے مسلمانوں کے خلاف بری طرح مشتعل کر دیا تھا چنانچہ اس نے فوراً ہی ستر ہزار کا ایک تازہ دم لشکر مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے اسی رومی سردار وردان کی سرکردگی میں روانہ کر دیا جس کو کہ پچھلی جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں بری طرح شکست ہوچکی تھی۔

خالد بن ولید اور حضرت ابو عبیدہ کو جب دشمن کے اس نئے لشکر کی اطلاع ملی تو یہ بڑے فکر میں پڑ گئے کیونکہ مسلمانوں کے پاس اب اتنی فوج نہیں رہی تھی کہ ایک ہی وقت میں دمشق کا محاصرہ بھی کیا جا سکے اور دشمن کے ایک نئے تازہ دم لشکر سے بھی لڑا جا سکے۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ دمشق کا محاصرہ اٹھا لیا جائے اور مسلمانوں کی ساری فوج مل کر ایک ساتھ رومیوں کے تازہ دم لشکر سے مقابلہ کرے۔

دمشق کا محاصرہ اٹھانے کے بعد مسلمانوں کو ایک نئی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ جب محاصرین کی ایک بڑی تعداد جا چکی اور تھوڑے سے مسلمان رہ گئے۔ جن میں عورتیں بھی تھیں تو دمشق کے قلعہ کی رومی فوج ان پر پل پڑی۔ انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ خیموں اور اسباب کو لوٹ لیا۔ اور مسلمان عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے گرفتار ہونے والی عورتوں میں ضرار کی بہن خائلہ بھی شامل تھیں۔

خائلہ اپنے بھائی ضرار کی طرح بڑی بہادر تھیں۔ انہوں نے اس نازک وقت میں بڑا کام کیا اور ساتھ والی تمام عورتوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ عیسائیوں کے ہاتھوں جس طرح بھی بن پڑے اپنی آبرو کو بچایا جائے خواہ اس کے لئے ہم کو اپنی جان ہی کیوں نہ قربان کرنی پڑے چنانچہ خائلہ کی تقریر نے وہ اثر کیا کہ سب عورتیں خیموں کے بانسوں سے مسلح ہوگئیں اور انہوں نے ایک حلقہ کی شکل بنالی تاکہ جس طرف سے بھی کوئی ان کی طرف آئے یہ اسے بانسوں سے ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ رومی سپاہی جب ان کے قریب آئے تو انہوں نے بانسوں سے مار مار کر ان کو ختم کر دیا اور معاملہ یہاں تک بڑھا کہ رومی سردار نے حکم دے دیا کہ ان عورتوں پر حملہ کر

کے انہیں تہہ تیغ کر دیا جائے۔

ان عورتوں کی خوش نصیبی تھی کہ جوں ہی رومی سپاہی ان پر حملہ کرنے والے تھے تو اچانک خالد بن ولید ضرار، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور رفیع ایک بڑے اسلامی لشکر کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ اسلامی لشکر نے تقریباً تمام اس رومی فوج کو کاٹ کر رکھ دیا جو عورتوں کو تہ تیغ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چونکہ دمشق کے قلعہ کے چھ ہزار سواروں میں سے بہت ہی کم زندہ واپس جا سکے۔ اسلامی لشکر کے آنے کے بعد مسلمان عورتوں نے بھی تلواریں سنبھال لیں اور انہوں نے بھی جی کھول کر ان رومی عیسائیوں سے انتقام لیا جو ان کو گرفتار کر کے لے چلے تھے۔ مسلمانوں نے دمشق کے قلعہ کے دروازے تک رومیوں کا تعاقب کیا اس کے بعد اسلامی لشکر مع عورتوں کے اپنی منزل پر واپس چلا گیا۔

خالد بن ولید کی ہوشمندی

رومی عیسائیوں کا ستر ہزار کا وہ لشکر جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اجنادین کے مقام پر مقیم تھا مجاہدین اسلام جو رومیوں کے اس عظیم الشان لشکر سے مقابلہ کے لئے آئے تھے ان کے حوصلے بے حد بلند تھے اور بلا کا اسلامی جوش ان میں موجود تھا۔

مسلمانوں کے اسلامی جوش کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس جنگ میں صرف مرد ہی آمادۂ جہاد نہیں تھے بلکہ ضرار کی بہن خولہ۔ عفیرہ اور ان کے ساتھ کی بہت سی عورتیں بھی ہتھیاروں سے آراستہ دکھائی دے رہی تھیں۔ حضرت خالد بن ولید نے ان عورتوں کو دو دستوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک دستہ کا کام تو یہ تھا کہ وہ اسلامی لشکر کے سامان کی حفاظت کرے اور دوسرا دستہ اس بات پر متعین کیا گیا تھا کہ جو مسلمان میدانِ جنگ سے گھبرا کر یا جان چرا کر بھاگے اسے یہ عورتیں روکیں اور اگر ضرورت ہو تو شدید سزا بھی دیں۔

جب اسلامی لشکر جنگ کے لئے بالکل تیار ہو گیا تو سب سے پہلے خالد کے بھائی ضرار میدان میں آئے اور انہوں نے ایک مختصر سی جمعیت کو ساتھ لے کر رومیوں پر حملہ بول دیا۔ بڑی دیر تک جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ رومیوں کو جب یہ محسوس ہوا کہ اس مرتبہ بھی ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا تو انہوں نے یہ طے کیا کہ اب مقابلہ سے کامیابی نہیں ہوگی بلکہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہیئے اور مسلمانوں کے پاس صلح کا پیغام بھیج کر پہلے جنگ کو روک دیا جائے اور اس کے بعد جب خالد بن ولید صلح کی بات چیت کرنے کے لئے آئیں تو انہیں دھوکہ سے قتل کر دیا جائے چنانچہ رومی لشکر کی طرف سے قاصد نے آ کر حضرت خالد بن ولید سے کہا کہ ہمارا سپہ سالار وردان جنگ کی بجائے صلح چاہتا ہے۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ کل صبح تک کے لئے جنگ ملتوی کر دی جائے اور صبح سویرے ہمارے

سپہ سالار کے خیمہ میں آ کر صلح کے معاملات طے کر لیے جائیں خالد بن ولید نے جواب دیا ہم کو صلح منظور ہے۔ ہم صبح ہی وردان کے خیمہ میں آ جائیں گے اور صلح کی تفصیلات طے کریں گے۔" غرضکہ جنگ ملتوی ہوگئی۔

رومی سپہ سالار وردان نے رات ہی کو دس منتخب رومی سپاہیوں کو اپنے خیمہ کے گرد متعین کر دیا تھا۔ تاکہ جب صبح کو خالد بن ولید اس کے خیمہ میں آئیں تو یہ سپاہی اشارہ پاتے ہی ان کا خاتمہ کر دیں۔ خالد بن ولید وردان کی چال کو خوب سمجھ رہے تھے انہیں پہلے ہی سے اپنے جاسوسوں کی معرفت تمام اندرونی سازش کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے رات ہی کو ضرار کے ہمراہ اپنے آدمی بھیج کر ان دسوں سپاہیوں کو جنہیں قاتلانہ حملہ کے لئے متعین کیا گیا تھا سوتے ہوئے قتل کرا دیا اور مجاہدین اسلام کو رومی سپاہیوں کا لباس پہنا کر ان کی جگہ متعین کر دیا۔ خالد بن ولید جب اپنی ہوشمندی سے رومیوں کی سازش کو ناکام بنانے کے بعد صبح کو جب وردان کے خیمہ میں پہنچے تو وردان نے صلح کی بات کرنے کی بجائے مسلمانوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ کیونکہ وردان کا منشا صلح کرنا نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھا۔ اس کی نامعقول گفتگو کو سن کر حضرت خالد بن ولید جوش میں آ گئے۔ انہوں نے کہا کہ "ہم میں اور تم میں کون بہتر ہے۔ اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔" اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر رومی سپہ سالار کا گلا پکڑ لیا۔ اس پر وردان نے گھبرا کر اپنے آدمیوں کو پکارا تو مسلمان رومی لباس پہنے ہوئے سامنے آ گئے ان ہی میں ضرار بھی تھے۔ وردان ضرار اور دوسرے مسلمانوں کو رومی لباس میں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے چلانا شروع کیا کہ "مجھ پہ رحم کرو۔ مجھ پر رحم کرو۔" خالد نے جواب دیا کہ "ہم لوگوں کے پاس اس شخص کے لیئے رحم نہیں ہے۔ جس کی زبان اس کے دل کے ساتھ نہ ہو اور وہ مکر سے کام لینا چاہے" آخر ضرار نے ایک ہاتھ مار کر وردان کا سر اتار لیا۔ اور رومی لشکر کی طرف اسے پھینک کر اپنے لشکر میں آ گئے اور اسی وقت جنگ شروع ہو گئی۔

رومی سردار کا قتل ہونا تھا کہ سارے رومی لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ رومی فوج بغیر لڑے ہی جب بھاگنی شروع ہوئی تو مجاہدین اسلام نے چاروں طرف سے گھیر کر ان کی بہت بڑی تعداد کو ختم کر دیا۔ جو باقی رہ گئے ان میں سے کچھ تو قیصریہ کی جانب فرار ہو گئے اور کچھ انطاکیہ اور دمشق چلے گئے غرضکہ اس طرح ایک سپاہی ضائع کئے بغیر مسلمانوں کو رومیوں کے ستر ہزار لشکر پر فتح حاصل ہو گئی۔ رومیوں کے لشکر کے پاس جتنا بھی ساز و سامان تھا وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ جس میں سونے چاندی کے برتن اور جواہرات سے جڑی ہوئی صلیب بھی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب مسلمانوں کی اس فتح کی خبر سنائی گئی تو آپ نے اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا اور خالد بن ولید کو ان کی کامیابی پر مبارک باد دی۔

مکہ اور مدینہ کے وہ مسلمان جو ابتداً ایسی لڑائیوں میں حصہ لینے سے کتراتے تھے جب انہوں

نے دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح پر فتح حاصل ہو رہی ہے۔ اور مدینہ میں مالِ غنیمت کے انبار لگے جا رہے ہیں تو ان سب نے بھی خواہش کی کہ ان کو بھی مجاہدین کے لشکر میں شامل کر لیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ ان کو شامل کرنے کے خلاف تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کل تک جہاد سے جان چرا رہے تھے۔ آج ذاتی نفع کی خاطر یہ ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن قریش مکہ نے جب ابو سفیان کو اپنا سردار بنا کر خلیفہ وقت سے التجا کی تو حضرت ابو بکرؓ نے از راہ مروت ان کو لشکر اسلام میں شامل ہونے کی اجازت دے دی اور قریش مکہ کا ایک لشکر ابو سفیان کی سرکردگی میں مجاہدین اسلام کی امداد کے لئے شام کی جانب روانہ کر دیا گیا۔

دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ

اجنادین کے مقام پر رومی عیسائیوں کو شکست دینے کے بعد اسلامی لشکر دمشق کی جانب بڑھا اور حضرت خالد بن ولید اور دوسرے اسلامی سپہ سالاروں نے دوبارہ دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

دمشق کے باشندوں کو کیونکہ سنبھلنے کا کافی موقعہ مل گیا تھا اس لئے انہوں نے دمشق کے قلعہ کے اندر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ اس کے علاوہ عیسائیوں نے دمشق کی دیواروں پر پتھر برسانے والی مشینیں بھی لگا دی تھیں۔ تاکہ ان مشینوں کے ذریعہ وہ مسلمانوں پر اچھی طرح سنگ باری کر سکیں۔ دمشق کے قلعہ کی فوجوں کی راہنمائی اس مرتبہ قیصر روم ہرقل کا داماد ٹامس کر رہا تھا۔ رومیوں کی جنگ باقاعدہ نہیں تھی۔ وہ موقعہ محل دیکھ کر قلعہ سے باہر آتے اور پھر قلعہ میں گھس جاتے چنانچہ ٹامس ایک بڑے لشکر کو لے کر قلعہ سے باہر مقابلہ کے لئے آگیا۔ اور خونریز جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں جہاں ہزاروں عیسائی مارے گئے وہاں بے شمار مسلمان بھی شہید ہوئے۔ ان شہید ہونے والوں میں آبان بن زید بھی تھے جو ٹامس کے زہر آلود تیر سے زخمی ہونے کے بعد شہید ہو گئے تھے۔ آبان بن زید کی بیوہ جو لشکر اسلام کے ساتھ موجود تھی جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا شوہر ٹامس کے تیر سے شہید ہو گیا ہے تو وہ بھی انتقام لینے کے لئے میدان میں آگئی۔ اور اس نے تاک کر ٹامس کے ایک ایسا تیر مارا جو اس کی آنکھ کے اندر اتر گیا۔ رومی اسے اٹھا کر قلعہ میں لے گئے لیکن ٹامس مرہم پٹی کرانے کے بعد پھر میدان میں آگیا۔ اور اسلامی لشکر کے ساتھ گھمسان کی جنگ چھڑ گئی اس جنگ میں آبان بن زید کی بیوہ نے اپنی بے خطا تیر اندازی سے بے شمار رومیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ عیسائیوں نے یہی دستور بنا لیا تھا کہ انہیں جب بھی موقعہ ملتا تھا وہ ٹامس کی سرکردگی میں قلعہ سے باہر آجاتے تھے اور شکست کے بعد پھر قلعہ بند ہو جاتے تھے۔ جب عیسائیوں نے یہ دیکھ لیا کہ ان کو شکستوں پر شکستیں ہو رہی ہیں تو ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ مسلمانوں کے ستر روزہ محاصرہ کے بعد شہر کے باشندوں میں یارائے ضبط نہ رہی۔ اہل شہر نے آخر تنگ کر خالد بن ولید سے صلح کے لئے مہلت

چاہی۔ لیکن خالد بن ولید نے ان کے مطالبہ کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔ وہ شہر کو تلوار کے زور سے فتح کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی فوج کے ہاتھ مال غنیمت آسکے۔

ابوعبیدہؓ کی نیک دلی

باشندگانِ دمشق جب صلح کے معاملہ میں حضرت خالد بن ولید کی جانب سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ حضرت ابوعبیدہ کے مزاج میں نرمی ہے۔ ان سے گذارش کی کہ وہ باشندگان دمشق کی جانب سے صلح قبول فرمالیں۔ اس غرض کے لئے رات کی تاریکی میں دمشق کے ایک سو معززین جن میں پادری بھی تھے حضرت ابوعبیدہؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہ نے یہ سوچ کر کہ دمشق کا محاصرہ ختم ہی ہونے میں نہیں آتا۔ جنگ موقوف کرنے اور صلح قبول کرنے کے لئے ایک معاہدہ کر لیا جس کی شرائط یہ تھیں۔

"شہر دمشق کا قبضہ مسلمانوں کو دے دیا جائے گا اور مخالفت موقوف کر دی جائے گی۔ جو اسلام قبول کریں گے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اور جو اسلام قبول نہیں کریں گے ان کو جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ جو باشندے شہر چھوڑ کر جانا چاہیں گے۔ وہ اپنا مال و اسباب لے جا سکتے ہیں۔ ان کے گرجے ان کے لئے چھوڑ دیئے جائیں گے۔"

حضرت ابوعبیدہ نے اگرچہ اس معاہدہ پر اس لئے دستخط نہیں کئے تھے کیونکہ وہ سالار لشکر نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے زبانی وعدہ کر لیا تھا اور عیسائیوں کو یقین دلا دیا تھا کہ سب مسلمان اس معاہدہ کی شرائط کو مان لیں گے۔ چنانچہ اس معاہدہ کے تحریر ہونے کے بعد ابوعبیدہ ایک سو آدمیوں کو ساتھ لے کر دمشق کے شہر میں قبضہ حاصل کرنے کے لئے داخل ہو گئے۔

دمشق بہت بڑا شہر تھا یہ میلوں کے اندر پھیلا ہوا تھا اس کے ایک دروازہ سے تو حضرت ابوعبیدہ صلح کی شرائط لے کر داخل ہوئے۔ اور دوسرے حصہ سے یسوع نامی پادری کی رہنمائی کی مدد سے خالد بن ولید نے شہر پناہ کے ایک پوشیدہ راستہ سے ایک سو مجاہدین کو قلعہ کے اندر داخل کر دیا۔ جنہوں نے اندر پہنچ کر قلعہ کا مشرقی دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کا کھلنا تھا کہ خالد بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے ہوئے شیر ببر کی طرح عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے اور قتل عام کرتے ہوئے مریم کے گرجا تک جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر جب انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کو دیکھا کہ کھڑے ہوئے ہیں۔ تلوار میان میں ہے۔ عورتیں اور بچے انہیں گھیرے ہوئے ہیں۔ تو خالد بن ولید حیران رہ گئے۔

حضرت عبیدہ نے خالد کو غضب ناک حالت میں دیکھا تو آپ نے دوڑ کر ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا کہ "خالد خونریزی بند کر دو۔ خدا نے یہ شہر ہم کو صلح کے ذریعے دلوایا ہے۔" خالد بن ولید نے غصہ سے جواب

دیا۔" ایسا ہرگز نہیں ہے ہم نے اس کو تلوار کے زور سے فتح کیا ہے۔ اور ہم کسی کو بھی پناہ نہیں دے سکتے" ابو عبیدہ بولے "مگر ہم نے تو اس شہر کے باشندوں کو ایک عہد نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیدیا ہے" یہ خالد نے نہایت ہی سخت لہجہ میں جواب دیا "سپہ سالار افواج کے ہوتے ہوئے آپ کو کیا حق حاصل تھا کہ ہماری مرضی کے بغیر اس قسم کا عہد نامہ لکھ کر دیں۔ ہم اس عہد نامہ کو نہیں مانتے۔ اب ہم اس شہر کے ایک ایک باشندے کو قتل کریں گے۔"

غلطی کا اعتراف

حضرت ابوعبیدہ اپنے کئے پر بے حد نادم تھے۔ واقعی انہوں نے سپہ سالارِ افواج کے علم میں لائے بغیر اس قسم کا عہد نامہ کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت خالد بن ولید سے کہا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ مسلمانوں کی بھلائی اور نیک جذبہ کے ماتحت کیا ہے۔ اگر اس عہد نامہ پر عمل نہیں کیا جائے گا تو غیر مسلموں کو یہ تو پتہ چلے گا نہیں کہ غلطی کس کی ہے۔ لیکن یہ مشہور ہو جائے گا کہ مسلمان اپنے عہد کی پابندی نہیں کرتے اس طرح مسلمان قوم بدنام ہو جائے گی۔ اسلام کی خاطر اور ایک مسلمان کے وعدہ کی لاج رکھنے کے لئے میری اس غلطی سے درگذر کرو۔

اسلام کا نام آتے ہی خالد بن ولید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ چنانچہ اس عہد نامہ کو بحالت مجبوری حضرت خالد بن ولید نے بھی منظور کر لیا۔ شہر کے باشندوں کو امان دے دی گئی۔ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے اعلان کر دیا کہ جو عیسائی ترک وطن کرنا چاہیں وہ تین دن کے اندر اندر چلے جائیں وہ اپنے ساتھ اپنا تمام مال اور اسباب لے جا سکتے ہیں۔ اس اعلان کے بعد قیصر روم ہرقل کی بیٹی۔ ہرقل کا داماد ٹامس رومی سردار اور تمام بڑے بڑے امراء دمشق سے ترکِ وطن کر کے اور اپنا لاکھوں روپیہ کا سامان لے کر انطاکیہ اور شام کے دوسرے علاقوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ جو رہ گئے انہوں نے یا تو جزیہ دینا منظور کر لیا یا اسلام قبول کر لیا۔ اور دمشق پر سنہ ۱۳ھ (سنہ ۶۳۴ء) میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت خالد بن ولید چونکہ اس بات کے شدید مخالف تھے کہ ہرقل کے داماد ٹامس اور ان عیسائی سرداروں کو رہائی دی جائے جنہوں نے مسلمانوں کو بے حد پریشان کیا تھا اس لئے تین دن کی مہلت کی مدت جب گذر گئی تو یہ دمشق کے عیسائی امراء کے تعاقب میں برق و باد کی طرح روانہ ہو گئے۔ ان کو راستہ میں جا پکڑا۔ عیسائی امراء کا یہ قافلہ اگرچہ رومی سلطنت کی حدود کے اندر داخل ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ بھوکے عقاب کی طرح مع اپنے لشکر کے ان پر جا پڑے۔ ٹامس بھی پانچ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آ گیا اور بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ ہرقل کا داماد ٹامس اور رومیوں کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ساز و سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور ہرقل کی بیٹی کو گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں ایک بوڑھے پادری کی سفارش

سے ہرقل کی بیٹی کو رہا کر دیا۔ اس حملہ میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور ربیع بھی خالد کے ساتھ تھے۔ اس معرکہ سے فارغ ہو کر خالد بن ولید بے اندازہ مال غنیمت لیکر دمشق کی جانب مع اپنی مختصر سی فوج کے روانہ ہوئے اور دمشق کے اسلامی لشکر سے آن ملے۔

حضرت صدیق اکبر کی بیماری

جس زمانہ میں کہ اسلامی فوجیں دمشق کے محاصرہ میں مصروف تھیں اسی زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ بیمار ہو گئے آپ کی بیماری کے بارے میں الفدا اور دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ "ایک یہودی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پکا ہوا گوشت بھیجا تھا۔ اس کو آپ حارث بن کلاہ کے ساتھ تناول فرما رہے تھے کہ حارث کو کچھ شبہ ہوا اور حارث نے کہا" خلیفہ رسول اللہ آپ اسے نہ کھایئے مجھے شبہ ہے کہ اس میں زہر کی آمیزش ہے۔ حارث کے کہنے پر حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا تھا لیکن اسی روز سے یہ دونوں حضرات بیمار رہنے لگے۔ اور ان کی صحت گرنے لگی یہاں تک کہ ایک سال کے اندر اندر ایک ہی دن ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ مگر آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ "ایک روز جب کہ سردی زیادہ تھی آپ نے غسل فرما لیا اور اس کی وجہ سے آپ کو بخار آ گیا جو برابر بڑھتا چلا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیماری نے جب شدت اختیار کر لی اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اب میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ تو آپ کو اس کی فکر ہوئی کہ کہیں ان کے بعد خلافت کے لئے مہاجرین و انصار کا پرانا جھگڑا نہ کھڑا ہو جائے اور اس جھگڑے کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ لہٰذا آپ نے یہ طے کیا کہ اپنی زندگی ہی میں جانشین نامزد کر کے اس فتنہ اور جھگڑے کو ختم کر دیں۔ چنانچہ کافی غور و خوض کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا جائے۔ لیکن نامزد کرنے سے قبل آپ نے علیحدہ علیحدہ بلا کر حضرت عثمان غنی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوف اور دوسرے تمام مقتدر صحابہ کرام سے حضرت عمرؓ کے بارے میں جب رائے لی تو سب ہی نے اس انتخاب کو پسند کیا۔ صرف حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی درشتی مزاجی کے بارے میں اندیشہ کا اظہار کیا تو اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "خلافت کا بار ان کے مزاج میں نرمی پیدا کر دے گا۔ غرض کہ جب حضرت ابوبکرؓ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ سب ہی حضرت عمرؓ کے انتخاب سے مطمئن ہیں تو آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر ذیل کا وصیت نامہ لکھوایا۔

جناب صدیقؓ کی تحریری وصیت

یہ وصیت نامہ ابوبکر بن قحافہ نے اپنے آخر عہد دنیا اور شروع عہد آخرت میں اس

وقت لکھوا دیا ہے جب کہ کافر بھی ایمان لے آتا ہے۔ اور کاذب بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے مسلمانوں پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اور میں نے مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری اسی میں سمجھی ہے۔ پس عمر نے اگر صبر اور عدل سے کام لیا تو میرا ان کے بارے میں قیاس درست نکلا اور اگر کسی قسم کی برائی کی تو مجھ کو علم غیب نہیں تھا۔ میں نے تو جو کچھ کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کی بہتری اور بھلائی کے قصد سے کیا ہے۔"

وصیت نامہ جب لکھا جا چکا تو حضرت ابو بکر نے اس پر اپنی مہر لگا دی اور حکم دیا کہ اسے لے جا کر صحابہ کے عام مجمع میں سنا دو۔ صحابہ کی ایک بڑی تعداد باہر جمع تھی۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق وصیت نامہ، مجمع عام میں پڑھ کر سنا دیا گیا۔ اس کے بعد آپ نے خود صحابہ کے روبرو تشریف لا کر فرمایا "میں نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہیں بنایا ہے، بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو میرے نزدیک تم سب سے بہتر ہے، اور یہ انتخاب میں نے صرف اپنی رائے سے نہیں کیا ہے بلکہ تمام صائب الرائے حضرات سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کیا تم سب بھی عمر کے خلیفہ ہونے پر راضی ہو" سب نے بالاتفاق اس انتخاب کی تائید کی۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے ایک مختصر سی تقریر میں مسلمانوں کو بہت سی نصیحتیں کرتے ہوئے کہا کہ "تم سب کا فرض ہے کہ عمر کا کہنا مانو اور ان کی اطاعت کرو۔"

انتخاب خلیفہ کے اس اعلان کے بعد حضرت ابو بکرؓ اندر تشریف لے گئے۔ اور حضرت عمرؓ کو بلا کر ضروری ہدایتیں دیں۔ حضرت عمرؓ اس اہم ذمہ داری سے خوش نہیں تھے۔ آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ "مجھ پر یہ بوجھ نہ ڈالیے" حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ "میں جانتا ہوں کہ تم کو خلافت کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن وقت کا تقاضا یہی ہے کہ یہ ذمہ داری تمہارے ہی سپرد کی جائے" یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

اللہ اللہ کیا جذبہ خلوص تھا کہ آخری وقت میں جب کہ ہر شخص کو اپنے متعلقین کی فکر ہوتی ہے حضرت ابو بکرؓ ان کی طرف سے بالکل لاپرواہ تھے۔ اس وقت بھی آپ کو مسلمانوں کی اور مملکت اسلامیہ کی فکر دامن گیر تھی۔ چنانچہ اس آخری وقت میں آپ نے اپنے جانشین حضرت عمرؓ کو وصیت فرمائی کہ "میرے مرنے کے بعد پہلا کام یہ کرنا کہ ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے عراق فوجیں بھیج دینا" اس وصیت کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ آپ کے انتقال سے ایک روز پہلے مثنیٰ بن حارث نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تشویشناک اطلاع دی تھی کہ حکومت ایران مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایسی زبردست تیاریاں کر رہی ہے جس سے نہ صرف

سلمان بلکہ ملک عرب کے لئے بھی شدید خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔" جس وقت آپ کو یہ اطلاع دی گئی تھی۔ گو اس وقت آپ کی حالت بے حد نازک تھی۔ لیکن آپ نے ایسی حالت میں بھی جملہ تفصیلات معلوم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کو ہدایت کی کہ "ایران کی جانب سے غافل نہ رہنا۔ اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رکھنا۔ مثنیٰ ابن حارث کی امداد کے لئے جلد سے جلد تازہ دم لشکر عراق بھیج دینا۔ تاکہ ایرانیوں کو عراق و عرب کی جانب رخ کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ سبحان اللہ کیا جذبہ اسلام تھا کہ دنیا سے جاتے ہوئے بھی اس بات کی فکر تھی کہ کہیں اس مملکت اسلامیہ پر کوئی آنچ نہ آجائے جس کی بنیاد آقائے دو جہان رسول اللہ صلعم نے رکھی تھی۔ اور جسے بڑی دشواریوں کے بعد خود آپ نے مضبوط کیا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا انتقال

دوران علالت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی غیر معمولی مصروفیات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اچانک آپ کی حالت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ یہاں تک کہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ (۶۳۴ء) کو بعد مغرب ۶۳ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ جس وقت آپ کا انتقال ہوا ہے عین اسی وقت اسلامی فوجیں دمشق میں داخل ہو رہی تھیں۔ آپ نے سوا دو برس خلافت کی۔ انتقال کے وقت آپ کے والدین زندہ تھے۔ آپ کے والد کی عمر ۹۷ برس کی تھی۔ لیکن لائق بیٹے کے صدمہ میں چند ہی روز بعد وہ بھی راہئ ملک عدم ہو گئے۔

اولاد

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی چار بیویاں تھیں جن سے بہت سی اولادیں پیدا ہوئیں۔ رسول اللہ صلعم کی پیاری بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی ہی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر بڑے بہادر اور لائق سپہ سالار تھے۔ ابتدائی دور کی اسلامی فتوحات میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا ایک واقعہ تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ جنگ بدر میں جب یہ مسلمان نہیں ہوئے کفار مکہ کے ساتھ لڑنے آئے تھے میدان بدر میں خوب لڑے۔ مسلمان ہونے کے بعد اپنے والد سے کہنے لگے کہ بدر میں آپ میری تلوار کی زد پر آگئے تھے۔ مگر میں نے باپ سمجھ کر ہاتھ روک لیا۔ جناب صدیق نے فرمایا اگر میں تم کو دیکھ لیتا تو ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ یہ حضرت خالد بن ولید کے دست راست تھے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد بن ابی بکر بھی بہت مشہور ہیں۔ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم آپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کی خبر پر تمام ملک عرب میں کہرام سا مچ گیا اور وفات نبوی کا دل خراش منظر پھر ایک بار نگاہوں کے سامنے آگیا۔ دوست دشمن سب آپ کی خوبیوں کے یکساں معترف تھے۔ رسول مقبول صلعم کے بعد کسی انسان میں اتنی خوبیاں نہیں دیکھی گئیں جتنی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ میں تھیں۔

خدمتِ قرآن کا عظیم کارنامہ

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے عہد حکومت کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ ہی کے زمانہ میں قرآن مجید کے منتشر مضامین کو کتابی صورت دی گئی۔ رسول اللہ صلعم کے زمانۂ حیات میں تو صحابہ کرام نے قرآن مجید کو یکجا طور پر جمع کرنے کی اس لئے ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ ان کے پاس خود ہادیٔ قرآن موجود تھا۔ چنانچہ قرآن مجید کی جس آیت اور جس حکم کے بارے میں وہ استفسار کرتے تھے ان کو شافی اور کافی جواب مل جاتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی وفات کے فوراً ہی بعد یہ محسوس کیا جانے لگا کہ قرآن مجید کے منتشر ذخیرہ کو یکجا کر لیا جائے۔ چنانچہ جنگ یمامہ میں جب ایسے بہت سے صحابی شہید ہو گئے جنہیں قرآن مجید کی آئتیں حفظ تھیں تو حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے کہا کہ کشت و خون کا یہ سلسلہ اگر اسی طرح جاری رہا تو اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن مجید کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کی تمام آئیتوں کو یکجا کر کے تحریر کرا لیں؛

حضرت عمر فاروق رضؓ کی قرآن مجید کو یکجا لکھوانے کی اس تجویز پر پہلے تو حضرت ابو بکر صدیق کو اعتراض ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جو حضور اکرم نے اپنی زندگی میں نہ کیا ہو۔ اس لئے آپ نے حضرت عمر رضؓ کے جواب میں فرمایا کہ جب رسول اکرم نے ایسا نہیں کیا تو میں کیوں کروں ؟ لیکن بعد میں جب حضرت ابو بکر رضؓ نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا تو آپ اس کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور آپ نے رسول اللہ صلعم کے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت کو بلا کر سارا قرآن مجید یکجا کر کے ایک جگہ لکھنے کا حکم دے دیا۔ حضرت زید بن ثابت نے پتھر کے ٹکڑوں۔ اونٹ کی ہڈیوں۔ ہرن کی جھلیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی تمام آیات قرآنی کو جمع کیا۔ اس کے علاوہ حافظوں کے سینوں میں جو آئتیں محفوظ تھیں ان کو بھی سپرد قلم کیا۔ اور اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی قائم کردہ ترتیب کے مطابق قرآن مجید کی کتابت شروع کر دی۔ جہاں تک قرآن مجید کی ترتیب کا تعلق ہے رسول اللہ صلعم خود اپنی زندگی ہی میں اسے پایہ تکمیل کو پہنچا چکے تھے چنانچہ جب کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ "اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ لکھ لو" آپ نے سورتوں کے نام تک تجویز کر دیئے تھے۔ اس لئے حضرت زید بن ثابت کو قرآن مجید کی ترتیب قائم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اور انہوں نے بڑی احتیاط اور تجسس کے بعد اس اہم کارنامے کو انجام دے دیا جب پورا قرآن مجید ضبط تحریر میں آگیا تو یہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو دے دیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد یہ گنج گراں مایہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے سپرد ہوا اور اس کے بعد ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ کی تحویل میں رہا۔

عہد صدیقی پر سرسری نظر

پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور اکرم کی وفات کے بعد نقلی نبیوں اور مرتدین نے مل کر اسلام کے خلاف ایک عظیم طوفان برپا کر دیا تھا جس کی وجہ سے یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ اب سرزمین عرب میں اسلام کا قائم اور برقرار رہنا آسان نہیں۔ لیکن اسلام جو دنیا میں قائم اور برقرار رہنے کے لئے آیا تھا۔ اسے بھلا کون سی دنیاوی طاقت نقصان پہنچا سکتی تھی۔ چنانچہ خداوند تعالےٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور صحابہ کرام میں اس طوفان کے مقابلہ کا حوصلہ پیدا کر دیا، اور اس حوصلہ کی بدولت۔ کفر و الحاد کا یہ سیلاب خس و خاشاک کی طرح راستہ سے ہٹ گیا۔ گرد آلود فضا صاف ہو گئی۔ اور اسلام پھر ایک بار پورے جاہ و جلال کے ساتھ روشن اور درخشاں دکھائی دینے لگا۔ یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس نازک دور میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جس حوصلہ مندی اور بے جگری کا ثبوت دیا ہے وہ صرف تائید غیبی تھی ورنہ ایسے مواقع پر کسی انسان کا ثابت قدم رہنا کوئی آسان کام نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اندرونی فتنوں اور بغاوتوں کو دبانے کے بعد جب بیرونی فتوحات کی جانب رخ کیا تو اس میں بھی آپ کو نہایت شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ آپ نے بیک وقت دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں یعنی سلطنت روما اور سلطنت ایران سے ٹکر لی۔ اور صرف ٹکر ہی نہیں لی بلکہ ان کو تقریباً ہر مورچہ پر شکست دے کر مملکت اسلامیہ کی حدود کو عراق اور شام تک پھیلا دیا تھا۔ حضور اکرم کی ہدایت کے مطابق آپ نے بیرونی فتوحات کا سلسلہ کچھ ایسی نیک ساعت میں شروع کیا تھا کہ مسلمانوں کو نہ صرف حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں بلکہ ان کے جانشینوں کے عہد حکومت میں بھی برابر فتوحات پر فتوحات حاصل ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ مسلمان نصف دنیا سے بھی زائد کے مالک و مختار بن گئے۔

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے جس حکومت کو ہاتھ میں لیا وہ اسلام میں بالکل نئی اور پہلی حکومت تھی نہ باقاعدہ کوئی نظام تھا اور نہ ہی مرتب دستور تھا۔ لیکن پھر بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مملکتِ اسلامیہ کا جو نظام اور دستور مرتب کیا وہ اپنی جگہ سب سے زیادہ مکمل۔ پائدار اور غیر فانی دستور ہے۔ یعنی آپ جو کچھ بھی کرتے تھے وہ قرآن پاک اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں کرتے تھے۔ آپ کی جہانبانی جنگ صلح۔ مفتوحین کے ساتھ برتاؤ۔ مسلمانوں کے حقوق اور معاملات۔ غرضیکہ جملہ امور کا فیصلہ آپ اسی آسمانی دستور کے مطابق کرتے تھے اور آپ کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی تھی کہ کسی معاملہ میں بھی قرآن مجید کے احکامات اور رسولِ مقبول صلعم کے معمولات سے سرمو فرق نہ آنے پائے۔ ذرہ برابر انحراف نہ کیا جائے۔

قرآن پاک اور سنت رسول اللہ چونکہ ہر معاملہ میں اپنی جگہ مکمل دستور ہے اس لئے حضرت ابو بکر صدیقؓ

کو اپنے دورِ حکومت میں کسی دنیاوی دستور کے ترتیب دینے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور آپ نے اسی دستور کے ماتحت مختصر سے عرصہ میں مملکتِ اسلامیہ میں وہ ترقیاں کر کے دکھا دیں۔ جو سالہا سال میں بھی ناممکن تھیں۔ مملکت اسلامیہ کے نئے نئے صوبے بن گئے جن میں باقاعدہ شرعی نظام حکومت اور شرعی احکامات جاری ہو گئے ان صوبوں میں جو حکام بھی مقرر کئے جاتے تھے ان کا پہلے قرآن اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں امتحان لے لیا جاتا تھا۔ جب وہ حکومت کرنے کی صلاحیتوں میں پورے اترتے تو ان کو حکومت سپرد کر دی جاتی تھی۔ اور پھر ان کو یہ نصیحت کر دی جاتی تھی کہ ہر معاملہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ملحوظ رکھیں۔ اس کے ساتھ عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ مملکت کے باشندوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی ہر قسم کے پورے حقوق حاصل تھے ان کی خانقاہوں اور عبادت خانوں کو کوئی ہاتھ تک نہیں لگا سکتا تھا۔ ان کو اپنے تحفظ کے لئے قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت تھی وہ آزادانہ اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لئے ناقوس بجا سکتے تھے اور اپنے تہواروں کے موقعہ پر صلیب تک کا جلوس نکال سکتے تھے۔ ان سے جزیہ کی جو رقم لی جاتی تھی وہ اس رقم کے مقابلہ میں بہت کم تھی جو مسلمانوں سے بطور زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی یعنی غیر مسلم مردوں سے صرف فی کس دس درہم جزیہ لیا جاتا تھا۔ لیکن جو غریب تھے ان کے لئے جزیہ کی ادائیگی معاف تھی۔ غرضیکہ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ حکومت میں گو مملکت اسلامیہ ایک نئی مملکت تھی۔ مگر اس میں وہ تمام صلاحیتیں پائی جاتی تھیں جو پرانی سے پرانی حکومتوں میں بھی ناپید تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ حکومت میں چونکہ بیرونی ممالک کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور بڑی بڑی رقمیں خراج اور مالِ غنیمت کے ذریعہ خلافت اسلامیہ کو وصول ہونے لگی تھیں۔ اس لئے روپیہ پیسہ کی بھی کمی نہیں تھی۔ لیکن یہ روپیہ پیسہ انتظام حکومت۔ فوجی اخراجات اور عوام کی ضرورتوں کے لئے وقف تھا چنانچہ حالت یہ تھی کہ آمدنی کی ایک ایک پائی حکومت اور رعایا کی فلاح اور بہبود پر صرف کر دی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں فارغ البالی اور خوشحالی بڑھتی چلی گئی۔ اور عوام کے دلوں میں مملکت اسلامیہ کے لئے اس قدر اعتماد پیدا ہو گیا کہ ہر شخص اسے خود اپنی حکومت سمجھنے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ حکومت کی مدت کل سوا دو سال ہے یہ سوا دو سال کا زمانہ قوموں کی تاریخ میں سوا دو لمحوں کی برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس مختصر سے وقفہ میں نہ صرف مملکت اسلامیہ کی بنیادوں کو مستحکم کر دیا بلکہ ایک ایسا کامیاب دستور العمل مسلمانوں کے لئے تجویز کر دیا جس پر کاربند ہونے کے بعد مسلمان ترقی کے میدان میں برابر آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور بڑی سے بڑی طاقتیں ان کے راستہ میں مزاحمت نہ کر سکیں۔

اخلاق و عادات اور متفرق واقعات

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کردار اس قدر بلند ہے کہ اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ ذیل میں ہم آپ کی زندگی سے متعلق چند واقعات درج کرتے ہیں جن سے آپ کے بلند کردار اور اخلاق و عادات کا بہت کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ایثار

۹ھ کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے نہایت ہی نازک وقت تھا۔ قیصر روم نے مسلمانوں کو مٹانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ اس موقعہ پر مسلمانوں نے بے سرو سامان لشکر کی درستی کے لئے باہم چندہ دیا۔ حضرت عثمانؓ نے بہت کچھ نقد جنس دیا حضرت عمرؓ نے اپنے سارے مال و اسباب کا نصف حصہ تو اہل وعیال کے لئے رکھ لیا اور نصف اس کار خیر میں دے دیا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنا تمام مال و اسباب لے کر دربار نبوی میں حاضر ہو گئے۔ رسول اکرم نے پوچھا کچھ اہل و عیال کے لئے بھی رکھ لیا ہے عرض کیا اہل و عیال کے لئے میرا خدا اور اس کا رسول کافی ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر ایثار کی مثال کوئی پیش کر سکتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اسلام کے سچے فدائی تھے۔ مال کی محبت تو در کنار اولاد بھی ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کا واقعہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں۔

بیت المال سے قلیل تنخواہ

حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ ہو گئے تو صحابہ کے زور دینے پر بیت المال سے روزانہ صرف پانچ درہم لیا کرتے تھے۔ جس میں کہ ان کا مشکل سے گزارہ ہوتا تھا۔ چنانچہ جب آپ کا انتقال ہوا تو ترکہ میں ایک لونڈی دو اونٹ چھوڑے تھے یہ تھا اس بادشاہ وقت کا سارا اثاثہ۔ اور اس کے لئے بھی وصیت یہ تھی کہ "اسے میرے بعد بیت المال میں داخل کر دیا۔"

انکساری کی انتہا

جب مسلمانوں کا کوئی لشکر مدینہ سے روانہ ہوتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ کا یہ دستور تھا کہ تھوڑی دور تک سالار لشکر کے ہمرکاب ضرور پیدل چلتے تھے چنانچہ جب شام کی فتح کے لئے اسامہ کی زیر سرکردگی لشکر روانہ ہوا تو اسامہ تو گھوڑے پر سوار تھے اور آپ پاپیادہ ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ اسامہ نے عرض کی کہ حضور بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اتر پڑوں۔ فرمایا "ایسا ہرگز نہ کرنا اس سے مجھے رنج ہوگا کیا تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ میں بھی چند قدم چل کر جہاد کے ثواب میں شریک ہو جاؤں۔ یہ ہے بادشاہ وقت کے انکسار کی ایک ادنیٰ جھلک۔

پرانے کفن کی وصیت

حضرت ابوبکر صدیقؓ اگرچہ مملکت اسلامیہ کے بادشاہ تھے لیکن آپ کے انتقال کے بعد آپ کو پرانے اور استعمال شدہ کپڑوں کا کفن آپ کی وصیت کے مطابق

دیا گیا۔ آپ کی حالت جب زیادہ نازک ہوئی تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو وصیت کی کہ عائشہ دیکھو یہ میرے دو پرانے کپڑے ہیں مجھے غسل دے کر ان دونوں پرانے کپڑوں ہی میں کفنا دینا ۔ کیونکہ مردہ کی نسبت زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ حاجت ہے۔ میں اگر اچھے اور نئے کپڑے میں کفنایا گیا تو کچھ بڑھ نہ جاؤں گا۔ اور اگر پرانے اور بوسیدہ کپڑوں میں کفنایا گیا تو گھٹ نہیں جاؤں گا۔ دنیا کی تاریخ سے کیا ایسی سادگی کی مثال ایک بھی پیش کی جا سکتی ہے۔

بے مثال رحم دلی حاکم یمامہ نے ایک عورت کے ہاتھ اس جرم میں کاٹ دیئے کیونکہ یہ عورت مسلمانوں کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب اس ظالمانہ سزا کا علم ہوا تو آپ نے حاکم یمامہ کو لکھا کہ تم کو ایک عورت کو ایسی ظالمانہ سزا نہیں دینی چاہیئے تھی۔ اگر وہ مسلمان ہے تو اسے نصیحت کر کے چھوڑ دینا چاہیئے تھا اور اگر وہ ذمیہ ہے تو اس کا فعل شرک سے بدتر نہیں تھا۔ جب اس کے شرک پر صبر کیا جا سکتا ہے تو اس فعل پر بھی کرنا چاہیئے تھا۔ ہاتھ پیر سوائے قصاص کے کاٹنا میں مکروہ سمجھتا ہوں۔"

زہد و اتقا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک غلام نے آپ کی خدمت میں کھانے کی کوئی چیز پیش کی تو آپ نے اس کی دلداری کی غرض سے کھالی لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ کہانت کہنے کے معاوضہ میں جو رقم اسے ملی تھی اس سے اس نے یہ چیز خریدی تھی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی کیونکہ اسلام میں کہانت کی کمائی ناجائز ہے۔ غرض زہد و اتقا میں بھی آپ کی ذات مسلمانوں کے لیئے بہترین نمونہ ہے۔

حصّہ چہارم

حالاتِ حکومت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سنہ ۱۳ھ سے سنہ ۲۴ھ
۶۳۴ء ۶۴۵ء

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ کو حضرت ابو بکرؓ کی وصیت کے مطابق تمام مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت عمر فاروق کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کسی اختلاف کے نہ ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان آپ کو رسالت مآب کے زمانہ سے جانتے تھے۔ ہر مسلمان کی نگاہوں میں آپ کو غیر معمولی عزت اور عظمت حاصل تھی۔ اور سب ہی آپ کی اسلام دوستی۔ جان نثاری اور تقدس و ہوشمندی کے قائل تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی رسول اکرمؐ کو نہایت ہی عزیز تھے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "جس شخص نے عمر سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمر سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔" بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خود حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارے میں بشارت فرمائی تھی۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ایک مرتبہ اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں نے اپنے آپ کو ایک ایسے کنویں پر دیکھا جس پر ایک ڈول پڑا تھا۔ میں نے کچھ ڈول پانی کے کھینچے۔ پھر بعد ابو بکرؓ نے ڈول لے لیا۔ مگر ایک دو ڈول کھینچنے کے بعد وہ تھک گئے۔ پھر عمر آئے اور انہوں نے اس طرح ڈول پر ڈول کھینچنے شروع کئے کہ میں نے کسی جوانمرد کو بھی اس طرح کھینچتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ ہر چہار طرف سے پیاسے آئے اور خوب سیراب ہوئے۔" اس حدیث کے متعلق آئمہ کی رائے ہے کہ یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروق کی خلافت کے بارے میں رسول اللہ صلعم کا اشارہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلعم کی یہ حدیث بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو کیسی شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ اور بے اندازہ دولت کے ساتھ اسلام دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں صحابہ کرام کے خیالات کیا تھے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے روئے زمین پر حضرت عمرؓ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔"

حضرت علی رضؓ کا ارشاد ہے کہ جب تم صالحین کا ذکر کرو تو حضرت عمرؓ کو کبھی نہ بھولنا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ عمرؓ نہایت تیز فہم اور تیز خاطر تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلعم کے بعد کسی آدمی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ذکی اور ذہین نہیں پایا۔

حضرت عمر فاروق کی ذات مبارک فی الحقیقت اسلام اور حکومت اسلامیہ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔ کیونکہ آپ کے دورِ حکومت میں نہ صرف اسلام کو خوب عروج حاصل ہوا بلکہ حکومت اسلامیہ ایک صفِ اول کی حکومت بن گئی جس نے کہ مختصر سی مدت میں ملک پر ملک فتح کر ڈالے اور اپنی عظیم الشان فتوحات سے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ حضرت عمرؓ اگرچہ پیدائشی بہادر تھے مگر اسلام لانے کے بعد آپ کی بہادری میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا اور آپ کی اولوالعزمی اور ہمت انتہا کو پہنچ گئی تھی چنانچہ آپ کی اس اولوالعزمی ہی کا نتیجہ ہے۔ کہ آپ کے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی نئے نئے ملک فتح ہونے لگے۔ اور سلطنت اسلامیہ صف اول کی حکومت بن گئی۔ آپ کے خلیفہ ہونے کے بعد لوگوں نے آپؓ کو خلیفہ رسول اللہ کے نام سے مبارک باد دی۔ تو آپ نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر ہر خلیفہ کے وقت میں خطاب اسی طرح بڑھتا رہا تو یہ مضحکہ انگیز بن جائے گا" لیکن آگے چل کر مسلمان آپ کو امیرالمومنین سے پکارنے لگے اور یہی آپ کا خطاب بن گیا۔

فاروق اعظم کی ابتدائی زندگی

حضرت عمر فاروق رسولِ مقبول صلعم ہی کے خاندان کے ایک لائق فرد تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں حضور اکرم کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی رسول اللہ کے ہم جد ہیں۔ حضرت عمرؓ کی کنیت ابو حفص تھی اور فاروق کا خطاب آپ کو آنحضرت صلعم نے عطا فرمایا تھا آپ ہجرت نبوی سے چالیس سال قبل پیدا ہوئے تھے۔ اور رسول اکرم سے عمر میں ۱۳ سال چھوٹے تھے۔

زمانہ جاہلیت میں جب خاندان قریش کی کسی دوسرے قبیلہ سے لڑائی ہوتی تھی تو آپ کے بزرگوں کو ان قبائل کی جانب سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ یا جب کبھی تفاخر نسب کے اظہار کی ضرورت پیش آتی تو اس کام کے لئے بھی آپ ہی کے بزرگ پیش پیش دکھائی دیتے تھے یعنی آپ کا گھرانا ابتدا ہی سے بنی قریش میں نہایت معزز خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ جوان ہوئے تو آپ نے بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق نسب دانی اور سپہ گری کی تعلیم حاصل کی تمام بنی قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان ہی میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔ حضرت عمرؓ کے خاندان کا ذریعہ معاش چونکہ تجارت تھا اس لیے ہوش سنبھالنے کے بعد آپ نے بھی تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس کے ذریعہ بے اندازہ دولت پیدا کی

حضرت عمر فاروقؓ کو پہلوانی کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ جو حیثیت کہ ایران میں پہلوانی کی وجہ سے رستم کو حاصل تھی وہی حیثیت سرزمین عرب میں حضرت عمرؓ کو حاصل تھی۔ سپہ گری اور شہسواری میں بھی آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ سرزمین عرب میں کسی کو جرأت نہیں تھی کہ شہسواری یا سپہ گری میں آپ کا مقابلہ کر سکے۔ غرض کہ عرب کا بڑے سے بڑا بہادر بھی حضرت عمرؓ کے نام سے کانپتا تھا۔ اور مقابلہ سے گھبراتا تھا۔

بہن اور بہنوئی کا قبول اسلام

حضرت عمر فاروقؓ ابتدا میں رسول اللہ صلعم کے جانی دشمن تھے۔ جب آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کی بہن اور بہنوئی نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ تو آپ اس ارادہ سے گھر سے نکلے کہ پہلے تو بہن اور بہنوئی کا خاتمہ کریں اور اس کے بعد نعوذ باللہ حضور اکرم کا کام تمام کریں۔ مگر بہن کے ہاں پہنچنے کے بعد جب آپ نے قرآن مجید کے معجزانہ کلام کو سنا تو آپ کا دل موم ہو گیا۔ اور آپ نے رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ رسول مقبول صلعم کو آپ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے بے اندازہ مسرت حاصل ہوئی۔ اور آپ نے جوش مسرت میں نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام میں داخل ہوئے آپ سابقین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کو رسول مقبول صلعم کے خسر ہونے کی بھی سعادت حاصل ہے حضرت عمر فاروقؓ سے قبل جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ سب کے سب خوف کی وجہ سے اپنے مسلمان ہونے کو چھپاتے تھے لیکن حضرت عمرؓ کی حالت ان لوگوں سے بالکل مختلف تھی۔ یہ جب مسلمان ہوئے تو خود دشمنان اسلام کے دروازوں پر جا جا کر انہیں بتاتے تھے کہ "میں نے بت پرستی چھوڑ کر دین اسلام قبول کر لیا ہے کسی میں ہمت ہو تو میرے مقابلے پر آ جائے" سب سے بڑے دشمن اسلام ابو جہل کے دروازے پر جا کر جب آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو اس نے خوف سے دروازہ بند کر لیا۔ اسی طرح دوسرے دشمنانِ اسلام کو بھی آپ کے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت عمر کا رعب

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے قبل مسلمانوں میں یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر سکیں۔ یا خانہ کعبہ میں نماز پڑھ سکیں لیکن حضرت عمر جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے مشرکین کو مار مار کر سیدھا کر دیا۔ اور اس کے بعد مسلمان آزادانہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ پھر مشرکین کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے روک سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر بڑے ہی دل گردے کے بزرگ تھے اور اسلام لانے کے بعد آپ کی بہادری اور جرأت میں اور اضافہ ہو گیا

علانیہ ہجرت

مکہ سے مدینہ کے لئے جتنے بھی مہاجرین نے ہجرت کی وہ سب ہی مشرکین مکہ سے چھپ چھپ کر اور نہایت خاموشی کے ساتھ گئے۔ لیکن ایک حضرت عمرؓ تھے کہ جب آپ نے

ہجرت کا ارادہ کیا تو ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا۔ اور ہاتھ میں تلوار لیتے ہوئے خانہ کعبہ میں آئے۔ سات مرتبہ طواف کیا۔ تن تنہا نماز ادا کی اور پھر ان سردارانِ قریش کو جو خانہ کعبہ میں جمع تھے مخاطب کر کے کہا "میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں جو اپنی ماں کو بے فرزند اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانا چاہے مجھے روکنے کے لئے مقابلہ پر آ جائے۔" حضرت عمرؓ اگرچہ اس وقت بالکل تنہا تھے لیکن ان کی للکار کے جواب میں کسی کو بھی ان کے مقابلہ پر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ رسول اللہ صلعم سے پہلے ہی ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے۔

مکہ سے ہجرت کر کے حضرت عمرؓ جب مدینہ پہنچے تو وہاں بھی آپ کی جرأت اور بے جگری کا یہی عالم تھا آپ رسولِ مقبول صلعم پر ہر وقت اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے مدینہ پہنچنے کے بعد جب کفارِ مکہ نے مدینہ پر یورشوں کا سلسلہ شروع کیا تو ان یورشوں کے مقابلہ کے لئے آپ سب سے زیادہ پیش پیش دکھائی دیتے تھے۔ بدر۔ احد۔ حنین۔ خیبر اور تبوک کی لڑائیوں میں آپ بڑی بے جگری کے ساتھ لڑے ہیں اور ان لڑائیوں میں یہ ثابت ہو گیا کہ آپ بہترین سپہ سالار ہیں۔ اسلامی لشکر جب رسول اللہ صلعم کی سرکردگی میں فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوا تو آپ اس معرکہ میں بھی سب سے آگے تھے۔ غرض کہ ہمت جرأت اور دلیری میں آپ کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔

سیف اللہ کی معزولی

خالد بن ولید کی غیر معمولی اور شاندار فتوحات سے اگرچہ مسلم عوام اور صحابہ بے حد مداح تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کبھی بھی ان کی فتوحات سے متاثر نہیں ہوئے وہ ان کو جلد باز اور فوجی سپاہیوں کو خطرہ میں ڈال دینے والا تصور کرتے تھے۔ ان کی رائے تھی کہ اسلامی فوجوں کا سپہ سالار کسی ایسے شخص کو ہونا چاہیئے جس میں تحمل اور بردباری ہو۔ چنانچہ آپ نے مسندِ خلافت سنبھالتے ہی خالد بن ولید کو سالارِ اعظم کے عہدہ سے ہٹا دیا اور ان کی بجائے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو اسلامی فوجوں کا سالارِ اعظم مقرر کر دیا۔

خالد بن ولید کی معزولی کے سلسلہ میں بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ چونکہ مالک بن نویرہ کی بیوہ سے خالد کے نکاح کرنے کی وجہ سے ناراض تھے اور خالد کو فضول خرچ بھی سمجھتے تھے۔ اس لئے مسندِ خلافت کے سنبھالنے کے ساتھ ہی انہوں نے خالد کو معزول کر دیا۔" لیکن خالد بن ولید کی معزولی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں میں یہ غلط خیال پھیلتا جا رہا تھا کہ خالد بن ولید کے بغیر مسلمانوں کو کوئی فتح نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس لئے آپ نے حضرت ابو عبیدہ اور دوسرے سپہ سالاروں کو آگے بڑھایا تاکہ مسلم عوام اور مخالفینِ اسلام دونوں کو یہ محسوس ہو جائے کہ مسلمانوں میں صرف خالد بن ولید ہی واحد سپہ سالار نہیں ہیں۔ بلکہ دوسرے فوجی سردار بھی غیر معمولی قابلیت کے مالک ہیں۔ چنانچہ خالد بن ولید کی معزولی کے بعد بہت سے

نئے نئے اسلامی سپہ سالار میدان میں آئے۔ اور انہوں نے نہایت ہی عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ اور غالباً حضرت عمرؓ کی غرض بھی یہی تھی کہ کہیں مسلمان خالد بن ولید پہ بھروسہ کر بیٹھیں۔

حضرت عمرؓ کا وہ پروانہ جس میں کہ خالد کی معزولی اور ابو عبیدہ کے سالار لشکر کے عہدہ پر سرفراز کیے جانے کا حکم تھا اور جس کے ذریعہ حضرت عمرؓ کے خلیفہ ہونے اور حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کی خبر دی گئی تھی حضرت ابو عبیدہ کو اس وقت ملا تھا جب کہ خالد بن ولید لشکر میں موجود نہیں تھے۔ ابو عبیدہ نے یہ سوچا کہ جب نئے خلیفہ کو خالد کے بارے میں شام کی شاندار فتوحات کا علم ہوگا تو آپ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لہٰذا انہوں نے اس پروانہ کا کسی سے ذکر تک نہیں کیا اور وہ بدستور خالد بن ولید کے ماتحت کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

ایک دو روز کے بعد ہی جب حضرت عمرؓ کو دمشق کی فتح کا علم ہوا تو آپ کو بے حد خوشی ہوئی لیکن یہ معلوم کر کے آپ بے حد کبیدہ خاطر ہوئے کہ دمشق کے عیسائیوں سے امان دینے کا معاہدہ کرنے کے باوجود خالد بن ولید نے تین دن کے بعد حملہ کر کے ان تمام عیسائی سرداروں کو لوٹ لیا ہے اور قتل کر دیا ہے۔ جو دمشق سے چلے گئے تھے۔ اس اطلاع پر آپ نے فرمایا کہ یہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی کھلی ہوئی بدعہدی ہے جس سے کہ مسلمان ساری دنیا میں بدنام ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس واقعہ نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کو اور بھی پختہ کر دیا کہ خالد بن ولید اپنی جلد بازی کی وجہ سے سپہ سالاری کی اہم ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل نہیں ہیں

دمشق کی فتح اور خالد بن ولید کی لغزش کی اس اطلاع کے ساتھ ہی جب حضرت عمرؓ کو یہ بتایا گیا کہ ان کے سابقہ حکم کے باوجود خالد بن ولید بدستور اسلامی فوج کے سپہ سالار ہیں تو آپ نے سمجھ لیا کہ ابو عبیدہ نے مروت سے کام لیتے ہوئے ان کے خط کو ظاہر نہیں کیا۔ لہٰذا آپ نے اپنے ایک ذاتی نمائندہ کے ہاتھ ایک دوسرا پروانہ روانہ کیا۔ اس نمائندہ نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق مسلمان لشکر کو جمع کر کے خالد بن ولید کی معزولی اور حضرت ابو عبیدہؓ کے سپہ سالار بنائے جانے کے حکم کو پڑھ کر سنا دیا۔

اسلامی لشکر کو حضرت خالد بن ولید کی معزولی کے غیر متوقع حکم سے بڑا ہی تعجب ہوا عام خیال یہ تھا کہ اس حکم پر خالد بن ولید بُری طرح برہم ہوں گے لیکن خالد بن ولید نے اس نازک موقعہ پر اپنے صبر اور ضبط اور تحمل سے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی ان کی شخصیت بے حد بلند ہے۔ ان کی تیوری پر بل تک نہ آیا۔ انہوں نے بخوشی سپہ سالاری کا عہدہ حضرت ابو عبیدہؓ کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ حضرت عمرؓ مجھے پسند نہیں کرتے لیکن پھر بھی چونکہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں اس لیے میں اسلام کی خاطر ان کی اطاعت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اب انشاءاللہ آپ دیکھیں گے کہ میں پہلے سے بھی زیادہ جوش کے ساتھ آپ کی ماتحتی میں کام کرتا

رہوں گا" چنانچہ اس کے بعد واقعی حضرت خالد بن ولید اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں پہلے سے بھی زیادہ مستعد دکھائی دینے لگے اللہ اللہ کیا جوش اسلامی تھا کہ نہ عہدہ کی پرواہ تھی اور نہ عزت کا خیال فقط اسلام کی پُرخلوص خدمت سے کام تھا۔

شام و ایران میں اسلامی فتوحات

حضرت عمر فاروقؓ کی خواہش یہ تھی کہ وہ ایک طرف تو شام میں جنگی سرگرمیوں کو تیز کر دیں۔ اور دوسری طرف ایران پر بھی پوری طاقت سے حملہ کر دیا جائے۔ کیونکہ شام اور ایران دونوں ہی علاقوں کی جانب سے حکومت اسلامیہ کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔ اسی لیے آپ نے مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی جہاں شام کے فوجی ہائی کمانڈ میں تبدیلی کر کے شام کے لیے تازہ دم فوجیں روانہ شروع کر دی تھیں۔ وہاں آپ ایران کے خلاف بھی نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ آپ نے مثنیٰ ابن حارث کی امداد کے لیے ابو عبیدہ ثقفی کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آگے چل کر ایک جانب تو شام میں سپہ سالارانِ اسلام ابو عبیدہ، خالد بن ولید۔ ضرار اور رفیع نے زبردست فتوحات حاصل کیں۔ اور دوسری جانب ابو عبیدہ ثقفی، سعد بن ابی وقاص اور دوسرے سپہ سالاران اسلام نے حکومت ایران کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ اس موقع پر اس تاریخ کے ناظرین کو یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ شام اور ایران کی فتوحات تقریباً ایک ہی وقت اور زمانہ میں مسلمانوں کو حاصل ہو رہی تھیں۔ مناسب معلوم ہوتا کہ پہلے شام کی فتوحات کا ذکر کر دیا جائے اور پھر ایران کے حالات بیان کیے جائیں۔

شام میں یمن کے عیسائیوں کی آبادکاری

یمن کے عیسائیوں اور یہودیوں نے رسول اللہ صلعم کے زمانہ ہی سے یمن کو غیر ملکی سازشوں اور فتنوں کا سب سے بڑا مرکز بنا رکھا تھا ان کا قاعدہ یہ تھا کہ قیصر روم سے سازشیں کر کے حکومت اسلامیہ کے لیے نئی نئی دشواریاں اور الجھنیں پیدا کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہودیوں اور عیسائیوں کی اس ابن الوقتی سے تنگ آکر رسول کریم صلعم یہ چاہتے تھے کہ عرب کی سرزمین کسی نہ کسی طرح ان فتنہ پردازوں سے پاک ہو جائے لیکن نہ تو حضور کو ان کی تادیب کا موقع مل سکا اور نہ ہی حضرت ابو بکر صدیق ہی اپنے عہد حکومت میں اس فتنہ کی طرف توجہ کر سکے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں یعلی بن امیہ کو یمن کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے یہودیوں اور عیسائیوں کو حکم دیا کہ وہ یمن سے تبدیل وطن کر کے شام کے ان علاقوں میں جا کر آباد ہو جائیں جو حکومتِ اسلامیہ کے زیر تسلط آ چکے ہیں۔ اور یمن سے کہیں زیادہ زرخیز ہیں۔ نیز آپ نے ان کو یہ بھی اطمینان دلا دیا کہ خلافت اسلامیہ ان کو کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی بلکہ اس بات

کے لئے بخوشی آمادہ ہے کہ ان کو یمن سے زیادہ وسیع اور زرخیز زمینیں تبادلہ میں دے دی جائیں - اور ان کی آبادکاری کا بھی پوری طرح انتظام کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے یمن کے غیر مسلموں کو یہ حکم دینے کے ساتھ ہی شام کے مسلم حکام کو یہ ہدایت روانہ کر دی کہ جو عیسائی اور یہودی یمن سے شام آرہے ہیں ان کو آبادکاری کے سلسلہ میں ہر قسم کی سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ چنانچہ ان کو بہترین زمینیں دے دی گئیں۔ اور ان کی آبادکاری کا خلافت اسلامیہ کی جانب سے ایسا معقول انتظام کر دیا گیا۔ کہ کسی ایک عیسائی یا یہودی کو بھی تبدیلِ وطن کرنے میں ذرا سی بھی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی مختصر یہ کہ یمن کے تمام یہودی اور عیسائی علاقہ شام میں جا کر آباد ہو گئے اور سرزمین عرب اس طرح غیر ملکی فتنہ سے پاک ہو گئی۔ درحقیقت حضرت عمرؓ کی دانشمندی اور سیاسی تدبر کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ آپ نے عرب کی سرزمین کو خالص اسلامی بنا دیا۔ اور مسلمان بے فکری کے ساتھ دوسرے ممالک کی طرف متوجہ ہو سکے۔

شام میں ابیلا کی فتح

حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے وقت چونکہ ملک شام کی فتح نامکمل رہ گئی تھی اور ابھی شام کا بیشتر حصہ فتح کرنے کے لئے باقی تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے نئے اسلامی سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ کو ہدایت روانہ کی کہ وہ شام کے ان حصوں کو فتح کرنے کی پوری کوشش کریں۔ جو باقی رہ گئے ہیں اس حکم کے ملتے ہی حضرت ابوعبیدہ نے شام کے پورے ملک کو فتح کرنے کی تیاریاں نہایت ہی وسیع پیمانہ پر کر دیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد حکومت میں شام میں مسلمانوں کو جو سب سے پہلی فتح نصیب ہوئی وہ ابیلا کی فتح ہے۔ یہ مقام طرابلس کے قریب تھا جہاں ابیلا کے نام سے ایک سالانہ میلہ ہوتا تھا چنانچہ اس میلہ کی نسبت سے اس جگہ کا نام ابیلا پڑ گیا تھا۔

عبداللہ بن جعفر کا جوش

ابیلا کی فتح کی تفصیل یہ ہے کہ ایک عیسائی جاسوس نے اسلامی لشکر میں آکر خبر دی کہ ابیلا میں ہزاروں عیسائی جمع ہیں اس اطلاع کے پاتے ہی عبداللہ بن جعفر طیار اس مورچہ کو سر کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور صرف پانچ سو سوار لے کر چلدیئے۔

عبداللہ بن جعفر جب اس مقام کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ پانچ ہزار کے قریب عیسائی جمع ہیں جو سب کے سب ہتھیار بند ہیں۔ عبداللہ بن جعفر دشمن کی کثرت کی پروا کئے بغیر عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے عیسائی گھبرا گئے۔ عیسائیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ عورتیں اور بچے چیخنے چلانے لگے۔ لیکن عیسائیوں نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے تو ان کی ڈھارس بندھی اور انہوں نے پوری طاقت سے مختصر سے اسلامی

لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

خالد بن ولید کا خلوص

اسلامی کیمپ میں جب یہ اطلاع ملی کہ پانچ ہزار علیسائیوں نے اسلامی لشکر کو اس طرح گھیر رکھا ہے۔ کہ ان کے بچ کر نکلنے کی کوئی امید نہیں ہے تو حضرت خالد بن ولید سے ضبط نہیں ہو سکا اور وہ ایک تازہ دم لشکر لے کر اپنا سیاہ عقاب کا جھنڈا اڑاتے ہوئے فوراً مسلمانوں کی مدد کو پہنچ گئے۔ ان کے پہنچنے کے بعد علیسائیوں اور مسلمانوں میں گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ بڑی خونریزی کے بعد عیسائیوں کو شکست ہو گئی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۳ھ میں پیش آیا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مالِ غنیمت لگا۔ مالِ غنیمت میں حاکم ابیلا کی حسین و جمیل لڑکی بھی تھی۔ جس نے کہ مسلمان ہونے کے بعد عبداللہ بن جعفر طیار سے نکاح کر لیا تھا۔

ملکِ شام میں دوسری فتح

ابیلا کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ نے دمشق کی حفاظت کے لیئے تو صرف پانچ ہزار سوار چھوڑ دیئے۔ اور باقی تمام لشکر لے کر حمص، بعلبک اور شام کے دوسرے اہم علاقوں کی فتح کی جانب متوجہ ہوئے۔ اس معرکہ میں حضرت خالد بن ولید، ضرار اور رفیع جیسے نامور سپہ سالار بھی حضرت ابو عبیدہ کے ہمراہ تھے۔

حمص کے راستہ میں شام کا ایک چھوٹا سا شہر جائیشہ تھا جب اسلامی لشکر اس شہر کے پاس پہنچا تو عائیشہ کے رومی حاکم سے مسلمانوں کا مقابلہ ہو گیا۔ لیکن اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مسلمانوں پر فتح پانی ناممکن ہے چار سو اشرفیاں اور پچاس ریشمی عبا دیکر ایک سال کے لیئے مہلت طلب کر لی اور وعدہ کیا کہ ایک سال کے بعد ہم اطاعت قبول کر لیں گے۔

جائشہ کی تسخیر کے بعد اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر حمص کا محاصرہ کر لیا۔ حمص ایک بہت بڑا شہر تھا جس کو کہ اس علاقہ کا دارالسلطنت سمجھنا چاہیئے۔ اسلامی لشکر جس روز حمص کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ اتفاق سے اسی روز اس شہر کا رومی حاکم فوت ہو گیا۔ شہر کے باشندوں نے جب دیکھا کہ ان کا حاکم مر چکا ہے۔ اور شہر میں خورد و نوش کا سامان بالکل نہیں ہے۔ تو حمص والوں نے بھی دس ہزار اشرفی اور دو سو کپڑے کے تھان دے کر ایک سال کے لیئے مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اور وعدہ کیا کہ ایک سال بعد اطاعت قبول کر لیں گے۔

رعبِ اسلام

جائیشہ اور حمص کے بعد اسی طرح بغیر لڑے الحضر، کناسرین اور شام کے دوسرے شہروں نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ مسلمانوں کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اسلامی لشکر شام کے جس علاقہ میں بھی داخل ہوتا تھا وہاں کے باشندے بغیر لڑے ہتھیار ڈال دیتے تھے حضرت ابو عبیدہ کے لشکر کے علاوہ دوسری اسلامی فوجیں بھی چھوٹے چھوٹے دستوں میں منقسم ہو کر جدھر پیش

کے قصبات اور دیہاتوں کی فتح میں بڑی مستعدی کے ساتھ مصروف تھیں چنانچہ عیسائی قیدیوں کے غول کے غول مضافات سے گرفتار کر کے حضرت ابوعبیدہ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ ان جنگی قیدیوں کے ساتھ نہایت ہی نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ان میں سے جو اسلام قبول کر لیتے تھے ان کو بغیر کسی شرط کے آزاد کر دیا جاتا تھا اور جو اپنے قدیمی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے ان سے جزیہ وصول کر کے رہا کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ کے اس نرم رویہ کی وجہ سے شام میں اسلام کو خوب ترقی ہوئی۔ چنانچہ عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد نے تو مسلمانوں کی غیر معمولی رواداری سے متاثر ہو کر خود ہی اسلام قبول کر لیا جو باقی رہ گئے وہ جزیہ کی شرط قبول کرنے کے بعد حکومتِ اسلامیہ کی زیر پناہ اپنی زندگی آرام سے بسر کرتے رہے۔ مسلمان بڑی رواداری سے پیش آئے۔

اسلامی لشکر درمیانی علاقوں کو زیر کرتا ہوا بعلبک جا پہنچا۔ بعلبک اس زمانہ میں شام کا بہت بڑا شہر تھا۔ جو ایک مضبوط قلعہ کی طرح چاروں طرف سے فولادی فصیلوں سے گھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے فیاضانہ رویہ سے مفتوحین کے دلوں میں جو جگہ پیدا کر لی تھی اس کی بنا پر اس شہر کے باشندے بھی یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں سے لڑے بغیر صلح کر لی جائے۔ مگر شہر کا حاکم "ہربیس" جو مسلمانوں سے بری طرح عناد رکھتا تھا صلح کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ آخر بعلبک کے لئے عیسائیوں اور مسلمانوں میں خونریز جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں ایک بڑی پریشانی مسلمانوں کے لئے یہ پیدا ہو گئی کہ عیسائیوں نے قلعہ کی دیواروں پر سے چاروں طرف پڑی ہوئی اسلامی فوج پر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے سخت نقصان پہنچا۔ آخر حضرت ابوعبیدہ قلعہ کی فصیلوں کے قریب سے اپنی فوجیں ہٹانے پر مجبور ہو گئے۔ اسلامی فوجوں کا ہٹنا تھا کہ رومی عیسائیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے قلعہ سے باہر آ کر ایسے زور کے ساتھ حملہ کیا کہ مسلمانوں کی شکست بالکل صاف دکھائی دینے لگی۔

حضرت ابوعبیدہ اور خالد بن ولید نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو عنقریب شکست ہونے والی ہے۔ تو انہوں نے دورانِ جنگ ہی میں اپنے منتشر سپاہیوں کو جمع کر کے اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ کچھ اس طرح پلٹ کر حملہ کیا کہ اچانک جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ یا تو حالت یہ تھی کہ عیسائی مسلمانوں پر غالب آتے جا رہے تھے یا اب کیفیت یہ ہو گئی کہ عیسائی لشکر کے پاؤں بالکل اکھڑ گئے۔ اور عیسائی حاکم "ہربیس" بھاگ کر ایک معبد میں چھپ گیا۔ جب مسلمانوں نے اس معبد کو بھی گھیر لیا تو ہربیس نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اور بعلبک کے باشندے جو پہلے ہی صلح کے خواہشمند تھے انہوں نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔ ہزار ہا اشرفیاں اور ہتھیار مسلمانوں کی خدمت میں ان لوگوں نے پیش کئے۔ اور جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ غرض کہ ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں بعلبک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ بعلبک حمص کے بعد شام کا دوسرا بڑا شہر تھا۔

شہزار، حمص اور ارستا کی فتح

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ حمص والوں نے ایک سال کے لیئے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اور یہ وعدہ کیا تھا کہ ایک سال کے بعد وہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ لیکن ایک سال کے بعد جب حضرت ابوعبیدہؓ اپنا لشکر لے کر حمص پہنچے تو انہوں نے نہ صرف اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ وہ لڑنے مرنے کے لیئے آمادہ ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک سال کی مہلت اطاعت کے لیئے نہیں لی تھی بلکہ وہ موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی طاقت کو بڑھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک سال کے اندر ایک طرف تو اپنی فوجی طاقت کو خوب بڑھا لیا۔ دوسری جانب انہوں نے شہر میں بے اندازہ غلہ جمع کر لیا تاکہ مسلمان اگر حمص کا محاصرہ کریں تو خوراک کی دقت پیش نہ آئے۔

حضرت ابوعبیدہ بڑے ہی میدان شناس اور ہوشیار سپہ سالار تھے انہوں نے جنگی چال چلنے کی غرض سے اسلامی لشکر کو ہدایت کر دی کہ وہ حمص والوں کا مضبوطی کے ساتھ مقابلہ نہ کریں۔ بلکہ جنگ میں یہ دکھائیں کہ وہ کمزور پڑ رہے ہیں چنانچہ حمص والوں کو اپنی طاقت کے بارے میں مغالطہ ہو گیا۔ اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر غالب نہیں آ سکتے۔

حمص کے عیسائیوں کو اس طرح مغالطہ میں ڈالنے کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے حمص والوں کو ایک قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہم چاہتے ہیں کہ محاصرہ اٹھا کر آگے بڑھ جائیں لیکن ہماری شرط یہ ہے کہ ہم کو غلہ کافی مقدار میں دیا جائے خواہ یہ غلہ قیمتاً ہی کیوں نہ دیا جائے۔ حمص کے حکام اور باشندے جو پہلے مغالطہ میں مبتلا ہو چکے تھے انہوں نے سمجھ لیا کہ اب مسلمان کسی طرح بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے چنانچہ غلہ کی فروخت کے لیئے تیار ہو گئے چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے کافی مقدار میں غلہ اس طرح شہر سے نکال لیا۔ اور اپنے لشکر کو لے کر آگے روانہ ہو گئے۔

اسلامی سپہ سالار کی ہوشیاری

حمص سے روانہ ہو کر اسلامی لشکر ارستا کے مضبوط قلعہ کے قریب خیمہ زن ہو گیا لیکن ارستا کی رومی فوج نے جب قلعہ سے نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ کیا تو اسلامی لشکر غروب آفتاب تک تو لڑتا رہا لیکن غروب آفتاب کے بعد بیس پچیس سامان سے بھرے ہوئے صندوق چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر کے فرار ہونے کے بعد رومی سپاہی ان صندوقوں اور دوسرے سامان کو اٹھا کر قلعہ کے اندر لے گئے۔ اور قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اسلامی لشکر کی جنگی چال تھی۔ ان صندوقوں میں مسلح سپاہی چھپے ہوئے تھے۔ جن میں ضرار، عبداللہ بن جعفر اور عبدالرحمان بن ابی بکر جیسے سرفروش تھے۔ یہ سرفروش موقع پاتے ہی صندوقوں سے

نکل آئے اور انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر قلعہ کے دروازے اندر سے کھول دیئے۔ اسلامی لشکر جو پہلے ہی سے منتظر تھا دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی پوری طاقت اور جوش کے ساتھ نعرہ لگاتا ہوا قلعہ میں گھس گیا۔ اور عیسائیوں کو سنبھلنے کا موقعہ تو درکنار بغیر کسی جنگ کئے قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد اسلامی لشکر نے شہزار پر حملہ کر دیا۔ شہزار والوں نے برائے نام مقابلہ کے بعد اطاعت قبول کر لی۔

مسلمانوں کے دوسری طرف مصروف ہو جانے کے بعد حمص والے مسلمانوں سے قطعی بے خبر ہوگئے تھے غلہ تو مسلمانوں نے پہلے ہی خرید لیا تھا۔ اب مطمئن ہونے کے بعد انہوں نے اپنی فوجی طاقت بھی کم کر دی ان کو اس بات کا تصور تک نہ تھا کہ مسلمان دوبارہ بھی حمص کی جانب رخ کر سکتے ہیں۔ لیکن اسلامی لشکر جب ارستا اور شہزار کی فتح کے بعد حمص کی جانب پلٹ پڑا اور اچانک حمص کا محاصرہ کر لیا تو حمص والے گھبرا گئے کیونکہ ان کے پاس نہ تو کافی غلہ تھا اور نہ سپاہی۔ اب ان کو اپنی حماقت اور غلطی کا احساس ہوا اور اس بات کا پتہ چلا کہ حمص سے جنگ کئے بغیر صرف غلہ لے کر مسلمانوں کا چلا جانا اسلامی سپہ سالار کی کتنی بڑی ہوشیاری تھی۔ لیکن پھر بھی حمص والوں نے بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر بڑی خونریزی کے بعد حمص والوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ یہ ۱۶ھ کا واقعہ ہے۔

مسلمان حمص پر ابھی قبضہ کرنے بھی نہیں پائے تھے کہ ان کو اطلاع ملی کہ رومی عیسائیوں کا ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے آرہا ہے۔ اس خبر کو مسلمانوں نے سن کر مناسب سمجھا کہ حمص کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اسلامی لشکر کا ایک ایک سپاہی آگے بڑھ کر راستہ ہی میں رومی لشکر سے مقابلہ کر کے اسے منتشر کرنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا حمص کو چھوڑ کر اسلامی لشکر رومی لشکر کے مقابلہ کے لئے فوراً روانہ ہوگیا۔ اور حمص کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

۳ لاکھ عیسائیوں سے مقابلہ عظیم

ہرقل قیصر روم نے اس مرتبہ مسلمانوں کو کچلنے کے لئے جو عظیم الشان لشکر بھیجا تھا اس کی تعداد تقریباً تین لاکھ تھی اصل بات یہ ہے کہ قیصر روم کو مسلمانوں کی پے در پے فتوحات نے سراسیمہ کر دیا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اگر مسلمانوں کی فتوحات اسی رفتار سے جاری رہیں تو وہ وقت دور نہیں ہے جب مسلمان پوری روم ایمپائر پر قابض ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس نے یورپ و ایشیا کے مختلف ممالک سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک بہت بڑی فوج فراہم کر کے مشہور رومی سپہ سالار منویل کی سرکردگی میں روانہ کر دی۔

غسانی عیسائیوں کے ساتھ

ہرقل کے اس نئے لشکر کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی۔ کہ اس لشکر

میں بادشاہ جبلہ غسانی جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تھا مع اپنے ساٹھ ہزار عرب سپاہیوں کے شامل تھا۔ جبلہ غسانی کے اسلام سے منحرف ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان ہونے کے بعد حج کے موقعہ پر جب وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو کسی دیہاتی عرب کے پاؤں کے نیچے اس کے احرام کا کپڑا آ کر پھٹ گیا۔ اس پر جبلہ کو غصہ آ گیا اور اس نے اس بری طرح عرب دیہاتی کو زدوکوب کیا کہ اس کے چار دانت ٹوٹ گئے۔ اور ایک آنکھ پر چوٹ آئی۔ عرب دیہاتی نے حضرت عمرؓ سے اس ظلم کی شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے جبلہ کو بلا کر سختی کے ساتھ جواب طلب کیا جبلہ نے کہا کہ "جو کچھ ہم نے کیا ٹھیک کیا یہ اسی قابل ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم کو سزا دی جائے گی کیونکہ اسلام میں آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کا حکم دیا ہے۔" جبلہ نے غصہ کے ساتھ کہا کہ "ہم بادشاہ ہیں اور یہ شخص دیہاتی ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ کی نظر میں تم دونوں برابر ہو۔ اس کے ہاں چھوٹا بڑا کوئی نہیں ہے۔ اسلام اجازت نہیں دیتا کہ کوئی بادشاہ اس طرح غریبوں پر ظلم کرے۔ لہذا کل تم کو عام مجرموں کی طرح سزا دی جائے گی۔" یہ سن کر غسانی راتوں رات حضرت عمرؓ کے خوف سے بھاگ گیا۔ اور اس نے اسلام ترک کر کے دوبارہ دین مسیحی اختیار کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد چونکہ قدرتی طور پر مسلمانوں سے عناد ہو گیا تھا اس لئے وہ مملکت اسلامیہ کے سب سے بڑے دشمن قیصر روم سے جا ملا۔ قیصر روم نے مینول کی سرکردگی میں تین لاکھ کا لشکر عظیم جب شام میں مسلمانوں کے کچلنے کے لئے روانہ کیا تو اس لشکر میں جبلہ غسانی اور اس کی ساٹھ ہزار فوج بھی شامل ہو گئی۔ تاکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ مسلمانوں سے دل کھول کر انتقام لے سکے۔

اسلامی فوج عیسائیوں کے اس لشکر عظیم کا مقابلہ کرنے کے لئے شام میں یرموک کے ایک چشمہ کے قریب خیمہ زن تھی۔ رومی سردار مینول کو جب پتہ چلا کہ مسلمانوں کی فوج یرموک میں پڑی ہے تو اس نے جبلہ غسانی کو مع اس کے ساٹھ ہزار عرب سپاہیوں کے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اور میدان صاف کرنے کی غرض سے پہلے ہی روانہ کر دیا۔ غرض کہ غسانی کی فوج اسلامی فوج کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئی۔ مسلمانوں کی تعداد چونکہ بہت کم تھی۔ اس لئے حضرت ابوعبیدہ کی یہ رائے تھی کہ جب تک مدینہ سے مزید مدد نہ آ جائے جنگ کو ملتوی کر دیا جائے مگر سیف اللہ کی تلوار تڑپنے لگی اور وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ان شیطانوں کا لشکر خدائی لشکر پر کبھی طرح غالب نہیں آ سکتا۔ لہذا ہم ضرور مقابلہ کریں گے۔ آخر خالد بن ولید سے نہیں رہا گیا۔ اور وہ ایک مختصر سی اسلامی فوج لے کر غسانی کے لشکر عظیم پر ٹوٹ پڑے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان بڑی بہادری کے ساتھ لڑے لیکن اس جنگ میں دشمنوں کے ہاتھوں ضرار، رفیع اور یزید جیسے لائق سرداروں کے گرفتار ہو جانے سے اسلامی لشکر کو سخت نقصان پہنچا۔ حضرت خالد کی یہی وہ عجلت تھی جسے حضرت عمرؓ ناپسند کرتے

تھے۔ غرض حضرت عمر فاروقؓ نے اسی دوران میں سعید ابن عمر کی سرکردگی میں ایک تازہ دم لشکر مسلمانوں کی مدد کے لئے مدینہ سے روانہ کر دیا تھا۔ اتفاق سے اس اسلامی لشکر کی مڈبھیڑ راستہ ہی میں ایک ایسی رومی فوج سے ہو گئی جس کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی اور اسے شکست ہو گئی۔ اسی طرح حضرت زبیر کی سرکردگی میں ایک دوسری اسلامی فوج سے جب رومیوں کی فوج کا مقابلہ ہوا تو اسے بھی بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔

صلح کی گفتگو

عیسائیوں اور مسلمانوں کی یرموک کے میدان میں اگرچہ ابھی تک کوئی فیصلہ کن جنگ نہیں ہوئی تھی لیکن رومیوں کو دو تین مورچوں پر جو شکستیں ہو چکی تھیں۔ کچھ ان کی وجہ سے اور کچھ قیصر روم کی تحریک کی بنا پر مینول نے صلح کی گفتگو شروع کر دی۔ اور اسلامی سپہ کو پیغام بھیجا کہ ہماری خواہش یہ ہے کہ جنگ شروع کرنے سے قبل صلح کے پہلوؤں پر بھی غور کر لیا جائے تاکہ اگر صلح ہو سکے تو ملک خونریزی سے بچ جائے۔

حضرت ابو عبیدہ اور خالد بن ولید اگرچہ دونوں ہی صلح کے مخالف تھے لیکن خالد بن ولید محض اس لئے صلح کی گفتگو کے لئے آمادہ ہو گئے کیونکہ ضرار، رفیع اور یزید عیسائیوں کی قید میں تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اس گفتگو کے ذریعے ان سرداروں کی رہائی کی کوئی صورت نکل آئے تو اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے۔

دوسرے دن حضرت خالد بن ولید ایک سو منتخب سپاہیوں کو ساتھ لے کر رومی سپہ سالار مینول کے خیمہ میں صلح کی گفتگو کے لئے پہنچ گئے اور صلح کی گفتگو ہونے لگی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس گفتگو میں گرمی بڑھتی گئی۔ اس گرمیٔ گفتار میں کہیں مینول کی زبان سے یہ نکل گیا کہ "اسلام لٹیروں کا مذہب ہے۔" اسلام کی یہ اہانت بھلا خالد بن ولید کہاں برداشت کر سکتے تھے یہ بھی جانتے ہوئے بھی کہ وہ دشمن کے لشکر میں گھرے ہوئے ہیں آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے انتہائی جوش کے ساتھ کھڑے ہو کر مینول سے کہا کہ اسلام کے ساتھ اس گستاخی کی سزا تمہیں بھگتنی ہو گی۔ وہ دن دور نہیں ہے کہ ہم تمہارے گلے میں پٹہ ڈال کر حضرت عمرؓ کے سامنے کھینچتے ہوئے لے کر جائیں گے اور اسلام کو ٹھکرانے اور اس کی اہانت کی سزا میں تمہارا سر قلم کیا جائے گا۔

اسلامی سپہ سالاروں کی رہائی

مینول بھی غصہ میں آگ بگولا ہو گیا اور اس نے کہا کہ تمہاری اس گستاخی کی سزا یہ ہے کہ میں ابھی تمہارے دوست قیدیوں کو اسی جگہ بلا کر تمہارے سامنے قتل کئے دیتا ہوں۔" خالد نے تلوار نکالتے ہوئے جواب دیا کہ "اللہ اور اس کے رسول کی قسم ہے کہ اس دھمکی کے بعد ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک یا تو خود نہ مر جائیں یا اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر نہ لے جائیں۔" خالد کے ساتھ ہی کیونکہ ان کے ایک سو ہمراہیوں نے بھی

تلواریں نکال لی تھیں۔ اس لئے بینول کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں اسی خیمہ سے جنگ نہ چھڑ جائے اور سب سے پہلے اسی پر ہاتھ نہ صاف کیا جائے۔ مسلمانوں کی اس غیر معمولی بہادری سے وہ کچھ ایسا خوفزدہ ہوا کہ اس نے اسی وقت ضرار۔ رفیع۔ یزید اور دوسرے مسلمان قیدیوں کو رہا کر کے خالد کے حوالے کر دیا اور فوراً گفتگو میں نرمی اختیار کر کے مسلمانوں کو ٹھنڈا کیا۔ صلح کی گفتگو پھر نئے سرے سے شروع ہو گئی۔ لیکن خالد جو صلح کی گفتگو کی غرض سے نہیں آئے تھے بلکہ ان کا منشا اپنے ساتھیوں کو رہا کرانا تھا۔ جب ان کا یہ منشا پورا ہو گیا تو وہ صلح کی تمام شرطوں کو ٹھکرا کر اور ضرار۔ رفیع۔ یزید اور دوسرے مسلمان قیدیوں کو ساتھ لے کر اسلامی کیمپ میں واپس آ گئے۔ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے جوش ایمانی کا یہ عالم تھا کہ وہ بڑی بڑی قوتوں کو ٹھکراتے ہوئے دشمنوں میں گھس جاتے تھے۔

خالد بن ولید نے دشمن کے پاس سے واپس آتے ہی اسلامی فوجوں کو رومیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کا حکم دے دیا۔ حضرت ابو عبیدہ جن کو خالد بن ولید کی سپہ سالاری اور ہوشمندی پر پورا بھروسہ تھا انہوں نے اس موقعہ پر اپنی طرف سے خالد بن ولید کو سپہ سالار بنا دیا تھا۔

عورتوں کا جوشِ جہاد

اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس جنگ میں مسلمان عورتوں نے مردوں کے دوش بدوش جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ضرار کی بہن "خائلہ" عورتوں کی فوج کی سپہ سالار تھیں۔ عورتوں کی فوج کا ایک دستہ اسلامی لشکر کے پیچھے متعین کر دیا گیا تاکہ اگر مسلمان میدانِ جنگ سے بھاگیں تو مسلمان عورتیں پہلے تو ان کو غیرت دلائیں اور جب بھاگنے والوں پر غیرت دلانے کا کوئی اثر نہ ہو تو انہیں میدان سے بھاگنے کے جرم میں شدید سزا دیں۔

سب سے پہلے خالد بن ولید میدان میں آئے۔ اور ان کا اشارہ پاتے ہی اسلامی لشکر رومیوں پر ٹوٹ پڑا۔ رومیوں کے لشکر کی تعداد چونکہ بے اندازہ تھی۔ اس لئے اسلامی لشکر کا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ اور مسلمان بھاگنے لگے۔ بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو عورتوں کی فوج نے فوراً گھیر لیا اور ان کو ملامت کر کے دوبارہ میدانِ جنگ کی طرف لوٹا دیا۔ ان بھاگنے والوں میں ابو سفیان بھی تھے۔ جب وہ بھاگنے لگے تو ایک عورت نے ان کے چہرہ پر خیمہ کا بانس اس زور سے مارا کہ وہ بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ غرضکہ شام تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ جب رات کی تاریکی پھیلی تو جنگ بند ہو گئی۔ جنگ بند ہونے کے بعد اسلامی فوج کی عورتوں نے ان تمام زخمیوں کی مرہم پٹی کی جو اس جنگ میں زخمی ہو گئے تھے۔ اور تمام رات ان کی خبر گیری اور خدمت کرتی رہیں۔

عظیم الشان فتح

دوسرے دن سورج نکلنے کے ساتھ ہی پھر جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کی ابتدا میں تو مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں دبے چلے جا رہے تھے لیکن جوں جوں وقت گزرتا

گیا۔ مسلمان سنبھلتے چلے گئے۔ جب مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا کہ اب دشمن کے پاؤں ڈگمگانے لگے ہیں تو مسلمان اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے عیسائیوں کے لشکر کے قلب میں گھس گئے۔ اور رومیوں کو گاجر اور مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ رومی اس سخت حملہ کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے۔ ان کا سپہ سالار ہینوں مارا گیا۔ تمام دوسرے بڑے بڑے افسر بھی جنگ میں کام آ گئے۔ اور رومی شکست کھانے کے بعد ایک لاکھ سے زیادہ لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ رومیوں کا کٹ کٹ کر گرنا اور میدان جنگ کا لاشوں سے بھر جانا اتنا ہیبت ناک منظر تھا کہ جسے دیکھ کر رومیوں کے دل ہل گئے۔ غرض اس جنگ میں بے اندازہ مال و دولت اور مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جو اندازہ سے باہر ہے۔

۱۵ھ کی اس فیصلہ کن جنگ کے بعد تقریباً سارے ملک شام کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ آگئی۔ انطاکیہ اور چند دوسرے مقامات جو باقی رہ گئے تھے وہ مسلمانوں نے آگے چل کر فتح کر لیے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد حکومت میں یہ پہلی شاندار فتح تھی جو مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ جب اس فتح کی خبر مدینہ میں پہنچی تو گھر گھر خوشیاں منائی گئیں۔

بیت المقدس کا محاصرہ

شام کے اس سب سے بڑے معرکہ سے فارغ ہونے کے بعد ابو عبیدہ حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے بموجب بیت المقدس کی فتح کی جانب متوجہ ہوئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ اور ہدایت کر دی کہ وہ پہنچنے کے ساتھ ہی شہر کا محاصرہ کر لیں۔ اس کے بعد ابو عبیدہ برابر تازہ دم لشکر بیت المقدس کی فتح کے لئے روانہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجاہدین اسلام کی ایک بہت بڑی تعداد بیت المقدس کے گرد و پیش جمع ہو گئی۔

دس روز کے بعد خود حضرت ابو عبیدہ بھی ایک بہت بڑے لشکر کے ہمراہ بیت المقدس پہنچ گئے۔ اور آپ نے پہنچتے کے ساتھ ہی شہر کے باشندوں کو تحریری پیغام بھیجا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ اور محمد مصطفےٰ کی پیغمبری مان لو اگر اس طرح تم اسلام کے مطیع بن گئے تو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں تمہارے لئے ہیں۔ یا تم ایسا نہیں کر سکتے ہو تو اسلام کے ماتحت رہ کر جزیہ دینا قبول کر و اگر تم نے یہ بھی نہیں کیا تو یاد رکھو تمہارے مقابلے کے لئے ایسے لوگ موجود ہیں جو تمہاری خوب تر ین کھانے اور پینے کی چیزوں سے زیادہ موت کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت ابو عبیدہ کے پیغام کے جواب میں بیت المقدس کے بڑے پادری نے سپہ سالارِ اسلام کو تحریری جواب بھیجا کہ یہ مقدس اور پاکیزہ جگہ ہے جو شخص بھی اس پر حملہ کرتا ہے وہ خدا پر حملہ کرتا ہے۔ اور تباہ ہو جاتا

ہے تم کو چاہیئے کہ اس پر حملہ کرنے سے باز آؤ اور یہ گناہ مت مول لو۔ یاد رکھو جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم اس مقدس مقام کی حفاظت کریں گے۔" پادری مذکور اگرچہ مسلمانوں کی بے پناہ طاقت اور حوصلہ مندی سے بخوبی واقف تھا لیکن اس نے یہ جواب اس لیئے دیا تھا کیونکہ اس کو شہر کے استحکام کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان اس مضبوط شہر کو کسی طرح بھی تسخیر نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوعبیدہ پر اس جواب کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ بدستور محاصرہ کے خیال پر قائم رہے۔

عیسائی پادری کی درخواست

بیت المقدس کے محاصرہ کو پورے چار مہینے گذر گئے۔ اس چار مہینے میں تقریباً روزانہ عیسائیوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن عیسائی بدستور محصور ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر چار مہینے کے بعد جب عیسائی اس محاصرہ سے تنگ آ گئے تو بڑے پادری نے دیوار کے اوپر سے حضرت ابوعبیدہ سے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اس نے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مقدس جگہ ہے جو اس کو صدمہ پہنچاتا ہے وہ قہر الٰہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا کہ "ہم کو معلوم ہے کہ یہ مقدس جگہ ہے جہاں انبیاء کرام کے مزارات ہیں لیکن تم کو بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہیں سے معراج کے لیے آسمان پر گئے تھے۔ اس لیئے ہم اس مقام کی حفاظت و خدمت کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہم اس وقت تک محاصرہ نہیں اٹھائیں گے جب تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اس مقدس سرزمین پر قبضہ نہ عنایت کر دے گا۔ بڑے پادری نے جب یہ سمجھ لیا کہ مسلمان بیت المقدس کو فتح کیئے بغیر نہیں رہیں گے۔ تو اس نے مجبور ہو کر کہا کہ "ہم تم کو اس شرط پر قبضہ دینے کے لیئے تیار ہیں کہ تمہارے خلیفہ یہاں آئیں اور خود شرائط نامہ پر دستخط کر کے ہم سے قبضہ لیں۔"

حضرت ابوعبیدہ نے پادری کے کہنے کے مطابق فوراً قاصد کو مدینہ روانہ کیا۔ اور تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو مطلع کیا اور لکھا کہ "اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو جنگ کے بغیر بڑی آسانی سے بیت المقدس فتح ہو سکتا ہے۔" اس خط کے ملنے پر حضرت عمر فاروقؓ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا تو حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ "اب عیسائی مغلوب ہو چکے ہیں چند دنوں میں خود ہی بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے رائے دی کہ آپ کو ضرور جانا چاہیئے۔ اس سے اسلامی لشکر پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ اور عیسائی بھی متاثر ہوں گے۔ خود حضرت عمر فاروقؓ کی بھی یہی رائے تھی کہ ان کو ضرور جانا چاہیئے لہٰذا ضروری انتظامات کرنے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ شام کے لیئے روانہ ہو گئے۔ اور مدینہ میں اپنی جگہ حضرت علی کو حاکم مقرر فرما گئے۔

خلیفہ کی سادگی

اس باعظمت شہنشاہ کے مزاج میں کس قدر سادگی تھی اس کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ آپ جب روانہ ہوئے ہیں تو آپ کے ساتھ نہ فوج تھی نہ محافظوں کا دستہ صرف ایک اونٹ تھا جو خلیفہ اور غلام دونوں کے لئے کافی تھا۔ کبھی آپ اونٹ پر سوار ہو جاتے تھے اور غلام مہار پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتا تھا اور کبھی غلام سوار ہو جاتا تھا اور آپ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ سامان سفر میں ایک پانی کا مشکیزہ تھا اور ایک تھیلا جس میں کھجوریں بھری ہوئی تھیں۔ آپ کے جسم مبارک پر جو لباس تھا وہ نہ صرف بالکل سادہ تھا بلکہ پھٹا ہوا بھی تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے یہ اس بلند مرتبہ شہنشاہ کا سفر تھا جس سے کہ روم اور ایران کی سلطنتیں لرز رہی تھیں۔ آپ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اسلامی لشکر کے سردار استقبال کے لئے موجود تھے۔ ان سرداروں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ جب عیسائی ہمارے خلیفہ کو ایسے ادنی لباس میں دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ آپ کی خدمت میں ایک اعلےٰ لباس اور ایک ترکی گھوڑا پیش کیا تاکہ آپ لباس تبدیل فرمائیں اور گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس پیش کش کو منظور نہیں کیا۔ اور فرمایا کہ "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ صرف اسلام کی وجہ سے ہے یہی عزت ہمارے لئے کافی ہے۔ ظاہری بناوٹ اور ساز و سامان کوئی چیز نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے چند اسلامی سرداروں کو بہت قیمتی لباس پہنے ہوئے دیکھا تو بہت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا افسوس تم نے تھوڑے ہی دنوں میں عجمیوں کی عادتیں اختیار کر لیں۔

بیت المقدس کی فتح

حضرت عمر فاروقؓ جب بیت المقدس کے سامنے پہنچے تو عیسائی پادری اور امرا آپ کو معمولی اور سادہ لباس میں دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائیوں میں یہ پیشین گوئی زمانہ دراز سے چلی آتی تھی کہ عمر نامی ایک شخص جو نہایت ہی سادہ لباس میں ہوگا بیت المقدس پر آ کر قبضہ کرے گا۔" حضرت عمرؓ لشکر اسلام میں پہنچنے کے بعد ایک معمولی سے خیمے میں فروکش ہو گئے اور فرش پر بیٹھ گئے۔ جب عیسائی خلیفہ اسلام کی زیارت کے لئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے تو مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ کوئی ناگوار حادثہ نہ پیش آ جائے۔ اس لئے انہوں نے عیسائیوں کو روکنا چاہا لیکن حضرت عمرؓ نے منع کر دیا۔ چنانچہ عیسائی خیمہ کے اندر باہر اور ہر طرف جمع ہو گئے عیسائیوں کے بڑے پادری نے نہایت ادب سے جھک کر خلیفۂ اسلام کی خدمت میں بیت المقدس کے دروازوں کی کنجیاں پیش کر دیں۔ حضرت عمر نے چابیاں لے لیں اور بڑے اخلاق و محبت سے بات چیت کی اور اس کے بعد یہ عہد نامہ تحریر فرمایا جس میں عیسائیوں کو پوری پوری آزادی دی گئی تھی۔

امان نامہ یہ وہ امان نامہ ہے جو امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا (بیت المقدس) والوں کو دیا ہے ایلیا والوں کی جان و مال، گرجے، صلیب، بیمار، تندرست سب کو امان دی جاتی ہے۔ اور ہر مذہب والے کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجاؤں میں سکونت نہ کی جائے گی اور نہ وہ گرائے جائیں گے یہاں تک کہ ان کے احاطوں کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ لیکن ایلیا والوں کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیا والوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔ اور رومیوں کو شہر سے نکال دیں۔ رومیوں میں سے جو شہر سے نکل جائے گا اس کی جان و مال کو امان دی جاتی ہے۔ جب تک کہ وہ محفوظ مقام تک نہ پہنچ جائیں۔ اور اگر کوئی رومی ایلیا ہی میں رہنا پسند کرتا ہے تو اس کو بھی اہل شہر کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر اہل ایلیا میں سے کوئی شخص رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو اس کی جان و مال کے لئے امان ہے یہاں تک کہ وہ محفوظ مقام پر پہنچ جائے جو کچھ اس عہد نامہ میں درج ہے اس پر خدا اور رسول اور خلفا اور تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے بشرطیکہ ایلیا والے مقررہ جزیہ کی ادائیگی سے انکار نہ کر دیں اور تمام شرائط کو پورا کریں۔

حضرت عمرؓ کی بیت المقدس میں نماز اس عہد نامہ کی تکمیل کے بعد بیت المقدس کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دیئے گئے۔ اور شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا گیا۔ بعض اہل شہر نے تو اسلام قبول کر لیا اور بعض نے خوشی ہی جزیہ ادا کر دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ پاپیادہ بیت المقدس میں داخل ہوئے آپ سب سے پہلے اقصیٰ میں گئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجوں کی آپ نے سیر فرمائی۔ آپ ایک گرجا ہی میں تھے کہ نماز کا وقت آگیا۔ جب آپ نے نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو پادری نے عرض کی کہ گرجا ہی میں نماز ادا کر لیجئے مگر آپ نے گرجا میں نماز ادا نہیں کی بلکہ گرجا سے باہر آ کر مشرقی دروازہ پہ جو سیڑھی تھی اس پر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد آپ نے پادری سے فرمایا کہ اگر ہم گرجا کے اندر نماز پڑھ لیتے تو ہمارے جانے کے بعد مسلمان اسے توڑ کر مسجد بنا لیتے۔ اس لئے ہم نے گرجا میں نماز پڑھنے سے احتراز کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دور اندیشی کے باوجود آپ کے جاتے مسلمانوں نے گرجا کی اس سیڑھی کو توڑ کر مسجد تعمیر کر لی جہاں حضرت عمرؓ نے نماز ادا کی تھی۔ یہی وہ مسجد ہے۔ جو مسجد عمر کے نام سے مشہور ہے۔ اور آج بھی بیت المقدس میں موجود ہے۔ مسلمانوں کو بیت المقدس پر یہ فتح ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں حاصل ہوئی تھی یہ ہے وہ بیت المقدس کی فتح عظیم کا واقعہ جو ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں پیش آیا۔

حضرت عمرؓ فاروق دس دن تک بیت المقدس میں مقیم رہے تاکہ بیت المقدس اور شام کے انتظام کو زیادہ اچھا اور مضبوط بنا سکیں۔ آپ نے انتظامی مقصد کے پیش نظر شام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یعنی شمالی شام اور جنوبی شام اور ان دونوں حصوں کے علیحدہ علیحدہ حاکم مقرر کر دیئے۔ جنوبی شام جس میں کہ بیت المقدس اور ساحلی علاقے شامل تھے یزید بن ابی سفیان کو حاکم مقرر کیا گیا۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ جنوبی شام کے جو حصے فتح ہونے سے رہ گئے ہیں وہ ان کو فتح کریں اور شمالی شام کا حاکم اعلےٰ حضرت ابو عبیدہ کو مقرر کیا گیا۔ اور ان کو بھی ہدایت کی گئی کہ شمالی شام کے جو حصے فتح ہونے سے رہ گئے ہیں وہ انہیں جلد سے جلد فتح کر کے مملکت اسلامیہ میں شامل کر دیں۔

مصر فتح کرنے کی تیاریاں

بیت المقدس کی تسخیر کے بعد جب حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے تو مسلمانوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔ آپ نے مسجد نبوی میں صحابہ کرام کو جمع کرنے کے بعد ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں کہ مملکت اسلامیہ کی فتوحات کے لئے ایک جدید پروگرام مرتب کیا گیا۔ اور کافی غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ شام جس کا بیشتر حصہ فتح ہو چکا ہے اب وہاں زیادہ فوجیں بھیجنے کی ضرورت نہیں وہاں اس وقت جتنی بھی فوجیں ہیں وہ پورے شام کو فتح کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ لیکن ایران میں کیونکہ کسریٰ ایران کی طاقت سے مسلمانوں کو سخت مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اس لئے وہاں فوجیں بھیج دی جائیں۔ اس موقع پر ناظرین کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس وقت بیت المقدس فتح ہوا ہے اس وقت سعد بن وقاص کو بھی ایران میں نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل ہو رہی تھیں۔ چنانچہ اسی سال انہوں نے ایران کے دارالسلطنت مداین پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایران کی ان فتوحات کا تذکرہ ہم آگے چل کر ایرانی فتوحات کے سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ کریں گے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ مسجد نبوی کی مجلس مشاورت میں یہ قرار پایا کہ اب ایران کی فتوحات پر سب سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے اس کے علاوہ یہ طے کیا گیا کہ فوراً ہی مصر پر بھی چڑھائی کر دی جائے۔ مصر پر حملہ کے لئے اسلامی سپہ سالار عمرو بن العاص کا نام تجویز کیا گیا۔ جن کی فاتحانہ سرگرمیوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ غرضکہ بیت المقدس کی فتح کے بعد مسلمانوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے تھے کہ انہوں نے نئے ممالک کی فتح کے لئے ایک مستقل پروگرام تیار کر لیا تھا اور پوری دنیا کو فتح کرنے کا عزم رکھتے تھے۔

معافی کے بعد حلب کا محاصرہ

اس سے قبل ہم یہ بتا چکے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کے قیام کے دوران میں حضرت ابو عبیدہ کو شمالی شام کا فوجی گورنر بنانے کے بعد ہدایت کی تھی کہ وہ اس ملک کے ان تمام علاقوں کو جلد سے جلد فتح

کریں جو باقی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ اس ہدایت کے بموجب حضرت ابوعبیدہ نے اسلامی لشکر کو منظم کرنا شروع کر دیا۔

شمالی شام کے دو چھوٹے چھوٹے شہر قنسرین اور الحضر اگرچہ اس سے قبل مطیع ہو چکے تھے لیکن ان دونوں نے بغاوت برپا کر دی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ اپنا لشکر لے کر جب ان کی تادیب کے لیئے گئے تو ان دونوں شہر کے باشندوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور پانچ ہزار اشرفی۔ ہزار ہا روپیہ اور دو سو ریشمی کپڑے کے تھان پیش کر کے اطاعت کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت ابوعبیدہ نے ان کو معاف کر دیا۔ اور وہ سب لوگ اسلام کے مطیع ہو گئے اس کے بعد اسلامی لشکر شہر حلب کی فتح کے لیئے آگے بڑھا۔

حلب شام کا بہت بڑا صنعتی اور تجارتی شہر تھا۔ یہ شہر شیشہ کی صنعت کے لیئے ساری دنیا میں مشہور تھا۔ کاروباری اور صنعتی مرکز قائم ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندے بے حد دولتمند تھے۔ مضبوطی کے اعتبار سے بھی یہ شام کے تمام شہروں سے زیادہ مستحکم خیال کیا جاتا تھا۔ یہ تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور ایک طرف کی فصیل اس قدر مضبوط تھی کہ اس کا توڑنا ناممکن تھا۔ اس شہر کی حکومت یوقنا اور یوحنا نامی دو بھائیوں کے ہاتھ میں تھی مگر ان دونوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ چنانچہ یوقنا ایک جنگجو سپاہی تھا اور یوحنا ایک گوشہ نشین خدا پرست تھا۔ یوحنا کی خواہش تھی کہ عیسائی کسی خونریزی کے بغیر جزیہ دے کر مسلمانوں سے صلح کریں لیکن یوقنا بغیر جنگ کیئے شہر کو حوالہ کرنا نہیں چاہتا تھا لہذا وہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آگیا۔

یوحنا کی کوشش صلح

یوقنا جس وقت اپنے سپاہیوں کے ہمراہ مسلمانوں سے جنگ کر رہا تھا تو یوحنا کی تحریک صلح پر حلب کے شہریوں نے درپردہ یہ طے کر لیا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے یوقنا سے پوشیدہ تیس آدمیوں کا ایک وفد حضرت ابوعبیدہ کے پاس صلح کی گفتگو کرنے کے لیئے روانہ کر دیا۔ اس وفد سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت ابوعبیدہ نے حلب والوں کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اور یہ لوگ تمام معاملات طے کر کے حلب کے قلعہ میں واپس چلے گئے۔ مگر یہ بات چھپ نہیں سکی اور جب یوقنا کو معلوم ہو گیا کہ شہری اس کے بھائی یوحنا کی تحریک پر مسلمانوں سے بالا ہی بالا صلح کر چکے ہیں تو وہ غصہ سے بھرا ہوا قلعہ میں آیا اور اس نے ان تیس آدمیوں کو تہہ تیغ کر دیا جو مسلمانوں سے صلح کرنے کے معاملہ میں پیش پیش تھے۔ اس کے بھائی یوحنا نے جب اسے اس ظلم و ستم سے روکنا چاہا تو اس نے یوحنا کا بھی کام تمام کر دیا۔

مسلمان اگرچہ قلعہ شکنی کے معاملہ میں کافی شہرت رکھتے تھے لیکن یوقنا نے ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ اسلامی

لشکر کا ایک سپاہی بھی حلب کے قلعہ کی دیوار کے قریب تک نہ پہنچ سکا۔ یوقنا نے پانچ ماہ تک ایسی مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا کہ حضرت ابوعبیدہ حلب کی لڑائی سے تنگ آ گئے اور انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا کہ "چونکہ فی الحال حلب کے فتح ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے اگر آپ حکم دیں تو حلب سے محاصرہ اٹھا کر شام کے دارالسلطنت انطاکیہ کی تسخیر کی کوشش کی جائے۔" حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ "محاصرہ اٹھانے سے دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ محاصرہ کو قائم رکھو اور خدا پر بھروسہ کر کے فتح کی کوشش کئے جاؤ۔ تازہ دم لشکر تمہاری مدد کے لئے بھیج رہا ہوں۔"

اسلامی سپاہی کا حیرت انگیز کارنامہ

حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہ کی امداد کے لئے جو تازہ دم لشکر بھیجا تھا اس میں ایک من چلا سپاہی دامس نامی بھی تھا۔ اس نے حضرت ابوعبیدہ اور خالد بن ولید کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "اگر مجھ کو تیس ہوشیار آدمی دے دیے جائیں تو میں امید کرتا ہوں کہ قلعہ ضرور فتح ہو جائے گا۔" اس کی استدعا منظور کر لی گئی۔ اور اسے تیس سرفروش مجاہد جو اسلامی لشکر میں اپنی جرأت اور دانائی میں مشہور تھے دیدیئے گئے۔ دامس اپنے تیسوں ساتھیوں کو بھیڑ کی کھالیں اڑھا کر حلب کے قلعہ کے ایک محفوظ گوشے میں عین دیوار کے نیچے پہنچ گیا۔ رات کے سناٹے میں اس نے سات آدمیوں کو یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے کندھوں پر کھڑا کیا۔ اور اس طرح ایک آدمی کو فصیل کی دیوار تک پہنچا دیا۔ اس آدمی نے سب سے پہلے اس سنتری کو اٹھا کر نیچے پھینک دیا جو پہرہ دے رہا تھا اس کے بعد اس نے اپنی پگڑی لٹکا دی جس کے ذریعہ دامس اور باقی سب آدمی فصیل پر چڑھ آئے ان سب نے پہلے تو ایک ایک کر کے فصیل پر پہرہ دینے والے تمام سنتریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا پھر نہایت خاموشی کے ساتھ قلعہ کے دروازوں پر پہنچ گئے۔ اور انتہائی سرعت اور بہادری کے ساتھ محافظین کا صفایا کر کے قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ دروازوں کا کھلنا تھا کہ خالد بن ولید اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے مع اپنے لشکر کے قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اسلامی لشکر کے اس طرح اچانک قلعہ میں گھس آنے کی وجہ سے عیسائی گھبرا گئے۔ اور برائے نام مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ یوقنا جو مسلمانوں کا سب سے بڑا مخالف تھا اس نے سب سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے اسلام قبول کرتے ہی سینکڑوں دوسرے عیسائی بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اور مسلمانوں کا حلب پر قبضہ ہو گیا۔

حلب کی اس فتح کا سہرا دامس کے سر تھا جس نے کہ اسلام کی خاطر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ایک ایسا سرفروشانہ کارنامہ انجام دیا تھا جو ہمیشہ اسلامی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ دامس کی ہمت، جرأت، اور حوصلہ مندی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی لشکر میں کیسے کیسے من چلے مجاہدین موجود تھے۔ چنانچہ

ایسے ہی مجاہدین کی سرفروشیوں کی بدولت مسلمان مختصر سی مدت میں آدھی دنیا کے حکمران بن گئے تھے۔

یوقنا کی اسلام دوستی

دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کو یہ کمال حاصل ہے کہ جب اس کا بڑے سے بڑا دشمن بھی اسلام میں داخل ہو گیا خواہ وہ کسی مجبوری ہی کی بنا پر کیوں نہ داخل ہوا ہو تو وہ آگے چل کر اسلام کا سچا فدا کار بن گیا۔ چنانچہ خالد بن ولید اور تقریباً تمام بڑے بڑے سپہ سالارانِ اسلام ابتدا میں مسلمانوں کے جانی دشمن تھے لیکن جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بلکہ یہی حالت حلب کے نومسلم سردار یوقنا کی تھی۔ حلب کی فتح سے قبل تو وہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا یہاں تک کہ مسلمانوں سے ہمدردی رکھنے کے جرم میں اس نے اپنے حقیقی بھائی یوحنا اور ان تمام سپاہیوں کو قتل کر ڈالا جو مسلمانوں سے صلح کرنے کے حامی تھے۔ لیکن حلب کی فتح کے بعد جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ اسلام کا سچا فدا کار اور شیدائی بن گیا۔

نومسلم یوقنا اسلامی فتوحات کے لیے کس قدر مضطرب تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے چچا زاد بھائی تھیوڈورس کو جو اعزاز کا حاکم اعلیٰ تھا اور نہایت مضبوط لشکر ساتھ رکھتا تھا گرفتار کرانے اور شہر اعزاز کی فتح کے لیے ایک نہایت ہی خوبصورت جال تیار کیا۔ اعزاز حلب سے متصل ایک نہایت ہی مستحکم شہر اور قلعہ تھا۔ اس قلعے اور شہر کو زیر کرنے کے لیے یوقنا نے جو جال بچھایا تھا اس کی دلچسپ تفصیل یہ ہے۔ کہ اس نے ایک سو بہترین مسلمان سپاہیوں کو عیسائی سپاہیوں کا لباس پہنایا اور ان کو ساتھ لے کر شہر اعزاز کی طرف چل دیا اور مسلمانوں سے کہہ گیا کہ تم ایک لشکر کو میرے تعاقب میں روانہ کرو۔ چنانچہ بنے ہوئے پروگرام کے مطابق مسلمان سپاہی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ طے یہ پایا تھا کہ یوقنا مسلمانوں سے بناوٹی جنگ لڑتا ہوا اپنے بھائی تھیوڈرس کے پاس شہر اعزاز میں داخل ہو جائے گا چونکہ اس کے بھائی کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ اسے ضرور پناہ دے دے گا۔ اور جب اسے پناہ مل جائے گی تو وہ رات کو شہر کا دروازہ کھول دے گا۔ تاکہ اسلامی لشکر آسانی کے ساتھ اس شہر میں داخل ہو جائے۔

یوقنا کی گرفتاری اور کامیابی

پروگرام واقعی بڑی چالاکی کے ساتھ بنایا گیا تھا اور اس پروگرام کے مطابق یوقنا یہ سمجھ رہا تھا کہ اعزاز ایک ہی جھٹکے میں مسلمانوں کے قدموں پر آن پڑے گا لیکن یوقنا کی بدقسمتی کہ اس کے بھائی تھیوڈرس حاکم اعزاز کو ایک جاسوس کے ذریعہ قبل از وقت اس ساری سازش کا علم ہو گیا۔ چنانچہ یوقنا جب بنے ہوئے پروگرام کے مطابق مسلمانوں سے لڑتا ہوا اعزاز کے قلعہ میں داخل ہوا تو حاکم اعزاز نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن قلعہ میں داخل ہوتے ہی یوقنا اور

اس کے سب ساتھی گرفتار کر لیئے گئے۔ اور یہ قرار پایا کہ اس عیار کو مع اس کے ساتھیوں کے ہرقل قیصر روم کے پاس بھیجدیا جائے تاکہ وہ اسے اور اس کے عیار ساتھیوں کو سخت سے سخت سزا دے سکے۔ لوقا تھیوڈرس نے ان تمام قیدیوں کو اپنے بیٹے نیون کے سپرد کر دیا۔

اب نیون کی سنئیے وہ زمانہ دراز سے یوقنا کی بیٹی پر بری طرح عاشق تھا چنانچہ وہ برابر حلب جاتا رہتا تھا اور یوقنا ہی کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا تھا۔ لیکن نیون کی انتہائی منت سماجت کے باوجود یوقنا کسی طرح بھی اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ یوقنا جب گرفتار کر کے نیون کے حوالے کیا گیا تو نیون کو اپنی مطلب برآری کا موقعہ مل گیا۔ نیون نے یوقنا سے کہا کہ "اگر آپ اپنی بیٹی کے ساتھ میری شادی کرنے کا اقرار کریں تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا۔ یوقنا نے وعدہ کر لیا۔ نیون کی امداد حاصل ہونے کے بعد اس نے قید ہی کی حالت میں قلعہ کی تسخیر کے لئے ایک نیا پروگرام مرتب کر کے حضرت ابو عبیدہ کو مطلع کر دیا اور لکھ دیا کہ اسلامی لشکر فلاں وقت مدد کے لئے پہنچ جائے۔

جدید پروگرام کے مطابق ایک رات کو نیون۔ یوقنا اور اس کے ساتھیوں نے اچانک اعزاز کے قلعہ کے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اسلامی لشکر جو پہلے ہی سے تیار تھا فوراً شہر اعزاز میں داخل ہو گیا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ قلعہ کا حاکم تھیوڈرس اپنے ہی بیٹے نیون کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس طرح شہر اعزاز اور قلعہ پر سنہ ۱۶ھ مطابق سنہ ۶۳۷ء میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس شہر اور قلعہ کی فتح میں کیونکہ یوقنا کا سب سے بڑا ہاتھ تھا اس لیئے یہ فتح یوقنا ہی کے نام لکھی گئی۔

انطاکیہ پر مسلمانوں کا قبضہ

ملک شام میں انطاکیہ سب سے زیادہ خوبصورت شہر تھا اور ملک کا دارالسلطنت بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قیصر روم ہرقل زیادہ تر یہیں مقیم رہتا تھا۔ اس زمانہ میں اس شہر کو عشرت پسندی کے اعتبار سے وہی شہرت حاصل تھی جو اس زمانہ میں پیرس کو حاصل ہے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان کو اس شہر کے فتح کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا ہوگا لیکن یوقنا کی شطرنجی چالوں نے مسلمانوں کے لئے اس شہر کی فتح کو نہایت ہی آسان بنا دیا۔

انطاکیہ کی فتح کے لئے حضرت ابو عبیدہ کی روانگی سے قبل یوقنا دو سو نو مسلم بہادروں کو ساتھ لے کر انطاکیہ جا پہنچا۔ انطاکیہ میں داخل ہونے سے قبل اس نے اپنے ساتھیوں کو پہاڑی علاقہ میں چھوڑ دیا اور ان کو ہدایت کر دی کہ وہ اسلامی لشکر کی امداد کے منتظر رہیں اور خود شہر میں چلا گیا۔ انطاکیہ کی پولیس کو اس کی نقل و حرکت پر شبہ ہوا اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے بعد جب یہ پتہ چلا کہ وہ حلب کا سابق حاکم یوقنا ہے تو اسے قیصر روم ہرقل کے روبرو پیش کیا گیا۔ یوقنا بڑی جرأت اور بے فکری کے ساتھ ہرقل کے سامنے کھڑا

ہوگیا۔

یوقنا کو ہرقل کی ملامت

ہرقل جب اپنے ارکانِ حکومت کے ذریعہ یوقنا کے مسلمان ہونے کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے یوقنا کے اسلام قبول کرنے پر ملامت کی تو یوقنا نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ میں نے جان بچانے کے لیئے یہ چال چلی تھی۔ اگر میں مسلمان ہوگیا ہوتا تو انطاکیہ آنے کی بجائے مدینہ جاتا۔ جہاں مسلمانوں سے بڑے سے بڑے فوائد حاصل کر سکتا تھا۔ میرا بے دھڑک تنِ تنہا انطاکیہ آنا خود اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ میں ابھی تک اپنے پرانے دین پر قائم ہوں۔ آپ میرے بارے میں خواہ کچھ ہی رائے کیوں نہ رکھتے ہوں لیکن میرا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں تو محض اس لیئے آپ کی خدمت میں حاضر ہؤا ہوں تاکہ آپ کے سامنے مسلمانوں کی فوجی طاقت اور لڑنے کے اندازِ جنگ کو ظاہر کر دوں اور پھر ان کو شکست دینے کے لیئے بہتر تدابیر اختیار کروں۔

ہرقل کے دل میں یوقنا کی پہلے ہی سے قدر تھی وہ اس کی چکنی چپڑی باتوں سے فریب میں آگیا مختصر یہ کہ یوقنا پہلے تو ہرقل کے مصاحبین میں شامل ہؤا اس کے بعد یوقنا نے اپنی دانشمندی سے ہرقل کے دل میں ایسی جگہ پیدا کر لی کہ اس نے انطاکیہ کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ جب انطاکیہ کی حکومت یوقنا کے ہاتھ میں آگئی تو اس نے اپنے ان دو سو ساتھیوں کو جنہیں وہ پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھوڑ آیا تھا بلا کر شاہی قلعہ کی حفاظت کا کام ان کے سپرد کر دیا۔ اس کے علاوہ یوقنا نے مسلمانوں کی ایک خفیہ فوج بھی انطاکیہ میں بنالی۔ تاکہ وقت ضرورت اس فوج سے بھی کام لیا جا سکے۔

حسن اتفاق سے انہیں ایام میں مشہور اسلامی سپہ سالار حضرت ضرار انطاکیہ کے خلاف جنگ کرتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔ اور انہیں مع ان کے ساتھیوں کے انطاکیہ لایا گیا۔ ان کے انطاکیہ لائے جانے کے بعد یوقنا نے بظاہر تو انہیں قید میں ڈال دیا لیکن در پردہ ان کو یہ اسکیم سمجھا دی کہ جس وقت بھی انطاکیہ میں اندرونی بغاوت برپا ہو وہ فوراً انطاکیہ کی باغی فوجوں کی قیادت سنبھال لیں۔ اور پوری قوت سے انطاکیہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ غرض کہ یوقنا نے پوری طرح سے رومی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیئے انطاکیہ کے کونے کونے میں سازش کا جال بچھا دیا تھا۔

ایک طرف تو انطاکیہ میں یہ سازشیں ہو رہی تھیں دوسری طرف حضرت ابو عبیدہ شام کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے انطاکیہ کی جانب بڑھے چلے آرہے تھے انطاکیہ اور انطاکیہ کے بیرونی علاقوں کے درمیان ایک بہت بڑا آہنی پل دریائے اورنٹس پر تھا یہی پل انطاکیہ کو بیرونی علاقوں سے ملاتا تھا۔ اس پل کے دونوں طرف سنگین قلعے

بنے ہوئے تھے جن میں بہت بڑا رومی لشکر شہر کی حفاظت کے لئے متعین تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہی پل انطاکیہ کا دروازہ تھا ہرقل کو اس پل کی پختگی پر بڑا ناز تھا اور وہ اسے ناقابل تسخیر سمجھتا تھا۔ لیکن ہرقل یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اسلامی لشکر نے کسی زحمت کے بغیر اس پل پر آسانی سے قبضہ جمالیا۔ مسلمانوں کے آسانی سے قبضہ کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس علاقہ کے فوجی افسر زیادہ تر شرابی اور عیاش تھے۔ چنانچہ جب اسلامی لشکر نے اس پل پر رات کے وقت اچانک حملہ کیا تو انطاکیہ کے فوجی افسروں کا یہ حال تھا کہ شراب کے نشے میں چور پڑے تھے اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی کہ اسلامی فوج میں ہم تک پہنچ چکی ہیں چنانچہ اسلامی لشکر بڑی آسانی کے ساتھ فولادی پل سے گذرنے کے بعد انطاکیہ کی شہر پناہ کے قریب جا پہنچا۔ عیسائیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر شہر پناہ کے قریب آگیا ہے تو وہ پوری قوت کے ساتھ مقابلہ پر آگئے اور پھر گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی۔ عین اس وقت جبکہ شہر پناہ کے باہر عیسائی اور اسلامی لشکر میں جنگ ہو رہی تھی۔ یوقنا نے ضرار اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا۔ ان کو ہتھیار دیئے۔ یوقنا کی خفیہ فوج اور نومسلم ساتھی سب کے سب ضرار کے آدمیوں سے جا ملے اور اس طرح ضرار کے زیر قیادت خاص انطاکیہ کے قلب میں مسلمانوں کی ایک بڑی فوج نے بری طرح ہنگامہ برپا کر دیا۔ ہرقل نے یہ رنگ دیکھا تو وہ فرار ہو کر سمندر کے کنارے جا پہنچا۔ اور وہاں سے قسطنطنیہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہرقل کے بھاگنے سے عیسائی فوج اور انطاکیہ کی پبلک دونوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ضرار کی فوج اور حضرت ابوعبیدہ کے لشکر نے مل کر پورے انطاکیہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ یہ واقعہ ۱۵ھ دسمبر ۶۳۶ء کا ہے۔

ممالک اسلامیہ میں جشن مسرت

انطاکیہ کی فتح شام میں مسلمانوں کی سب سے بڑی فتح تھی کیونکہ اس فتح کے بعد تقریباً سارے شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا صرف چند چھوٹے چھوٹے علاقے باقی رہ گئے تھے جن کا فتح کر لینا اب دشوار نہیں تھا۔ انطاکیہ کی فتح چونکہ بڑی اہم تھی اس لئے اس فتح کے بعد انطاکیہ۔ حمص۔ شہزار۔ بیت المقدس۔ دمشق اور شام کے دوسرے تمام شہروں میں نہایت وسیع پیمانہ پر فتح کا جشن منایا گیا۔ مکہ۔ مدینہ اور ایران کے ان شہروں میں جو حکومت اسلامیہ کے ماتحت آچکے تھے وہاں بھی اس فتح پر خوب خوشیاں منائی گئیں۔ غرضکہ یہ فاتحانہ جشن تقریباً ساری مملکت اسلامیہ میں کئی روز تک جاری رہا۔

حضرت ابوعبیدہ۔ خالد بن ولید۔ ضرار اور رفیع جن کا کہ شام کی فتوحات میں سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ مسلمانوں کی ان کامیابیوں پر بے حد خوش تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کو اس بات کی بڑی فکر پیدا ہو گئی تھی کہ شام کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد جفاکش عرب سپاہی آرام طلب بنتے جا رہے تھے۔ اور شامیوں کی دیکھا دیکھی

عشرت پسندی کا جذبہ بڑھتا جارہا تھا۔ بلکہ بعض اسلامی سپاہی شامیوں کی صحبت سے اس درجہ متاثر ہو چکے تھے کہ کبھی کبھی شراب بھی پی لیتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ اس صورت حال سے پریشان تھے۔ اگرچہ آپ نے چند سپاہیوں کو سخت سزائیں بھی دیں۔ مگر پھر بھی آپ کو تشویش تھی۔

حضرت ابوعبیدہ کے لئے ایک بڑی الجھن یہ بھی پیدا ہو گئی تھی کہ عرب سپاہی شام کی خوبصورت عورتوں کے بے حد گرویدہ بن گئے تھے اور وہ ان سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے لیکن حضرت ابوعبیدہ کسی طرح بھی اس چیز کو مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ عرب سپاہیوں کو شامی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی جائے۔ جب اس معاملہ نے زیادہ پیچیدگی اور اہمیت اختیار کی تو ابوعبیدہ کو ایک خط بھیج کر اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کی رائے طلب کرنی پڑی۔

حضرت ابوعبیدہ کے خط کے جواب میں حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ "آپ کو چاہیئے کہ آپ مسلمان سپاہیوں کے اخلاق کو گرنے سے ضرور بچائیں۔ لیکن ان پر ناجائز پابندیاں ہرگز عائد نہیں کرنی چاہئیں۔ اسلام کے وہ سپاہی جنہوں نے اپنا خون بہا کر اتنا بڑا ملک فتح کیا ہے ان کے آرام اور آسائش کی طرف سے محض شامی اور عربی کے سوال کو سامنے لانا اور ان کی جائز خواہشات سے ان کو روکنا درست نہیں۔ لہذا سپاہی اگر جائز طریقہ پر شامی عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اجازت دے دینی چاہیئے۔ میرے خیال میں جن کی بیویاں نہیں ہیں ان کا نکاح کر لینا ہر حال میں بہتر ہے۔ کیونکہ وہ نکاح کے ذریعہ بہت سی اخلاقی برائیوں سے بچ جائیں گے۔" حضرت عمرؓ کے اس جواب کے بعد ابوعبیدہ نے اسلامی لشکر کے سپاہیوں کو ایسی شامی عورتوں سے نکاح کی اجازت دے دی جنہوں نے کہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس اجازت سے سپاہیوں کو بہت خوشی ہوئی۔

پورے شام پر قبضہ کی تیاریاں

انطاکیہ کی فتح کے بعد اسلامی لشکر کچھ روز تک آزادی کے جشن منانے اور آرام کرنے کے بعد پھر نئی فتوحات میں مصروف ہو گیا۔ اور اس نے شام کے ان باقی علاقوں کو زیر کرنے کے لئے ۱۸ھ / ۶۳۹ء میں جدوجہد شروع کر دی۔ جو ابھی تک رومی سلطنت کے زیر اقتدار تھے۔ اس تازہ جدوجہد کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں سپہ سالار شام حضرت ابوعبیدہ، خالد بن ولید اور ضرار کے علاوہ ایک نئے مگر نہایت ہی تجربہ کار سپہ سالار عمرو بن عاص نے حصہ لیا تھا۔ عمرو بن عاص کو حضرت عمر فاروقؓ نے مصر کی فتح کا کام سپرد کیا تھا۔ لیکن عمرو بن عاص نے یہ ضروری سمجھا کہ وہ شام کے فوجی افسروں کے ساتھ مل کر پہلے پورے شام کے علاقہ کو زیر کریں تاکہ شام کے زیر ہونے کے بعد ان کے لئے مصر کی فتح میں آسانیاں پیدا ہو جائیں۔

حضرت خالد بن ولید نے اپنے ذمہ دریائے فرات کے کنارے تک کا تمام علاقہ لے لیا اور وہ بڑی

تیزی کے ساتھ اس علاقہ کے تمام شہروں اور قصبوں کو فتح کرتے چلے گئے۔ چنانچہ انہوں نے قدیم ہیراپولس ہیراہ۔ بیس اور بہت سے دوسرے علاقوں کو زیر کر لیا۔ اور ان علاقوں کے باشندوں پر ایک لاکھ اشرفی سالانہ خراج مقرر کیا۔

طرابلس کی فتح

مصر کے سپہ سالار عمرو بن عاص شہر قیصاریہ کی جانب بڑھے جہاں قیصر روم ہرقل کا بیٹا قسطنطین ایک بڑے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ عمرو بن عاص کی فوج کی تعداد اگرچہ قسطنطین کے لشکر کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہیں تھی۔ لیکن ان کی بہادری اور جرأت نے قسطنطین کے قدم اکھاڑ دیئے۔ وہ بھاگ کر قیساریہ کے شہر میں قلعہ بند ہو گیا۔ اسلامی لشکر نے چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

عمرو بن عاص جس زمانہ میں قیساریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو مسلم یوقنا مع اپنے دو سو ساتھیوں کے عیسائی بن کر شام کی بندرگاہ طرابلس میں جا پہنچا۔ عیسائیوں نے اسے اپنا ہم مذہب اور بہی خواہ سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ چند ہی روز کے بعد جب یوقنا کو یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ اسلامی فوج طرابلس کے قریب آگئی ہے تو اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے قلعہ میں بلوہ کر دیا۔ ادھر اسلامی فوج نے شہر میں عیسائیوں کو پسپا کرنا شروع کر دیا۔ آخر تھوڑی ہی دیر میں پورا شہر فتح ہو گیا۔ اور قلعہ پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا گیا۔

یوقنا کی گرفتاری اور کامیابی

یوقنا کی خوش قسمتی سے رومیوں کا سامان جنگ سے لدا ہوا ایک جہاز اسی زمانہ میں طرابلس پہنچ گیا۔ یہ جہاز قبرص اور کریٹ سے قسطنطین کے لئے سامان حرب لے کر آیا تھا۔ یوقنا نے اس جہاز اور تمام سامانِ جنگ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے فوراً نو سو آدمیوں کو اپنے ساتھ لیا اور رومیوں کے اسی جہاز پر سوار ہو کر طائر کی بندرگاہ پر جا اترا۔ یہاں بھی اس نے اپنی وہی پرانی چال چلی۔ جہاز پر عیسائی جھنڈا اس نے لہرا دیا اور یہ ظاہر کیا کہ قیصر روم ہرقل نے اسے قسطنطین کی مدد کے لئے روانہ کیا ہے۔ طائر کے حاکم نے اس کی بڑی عزت کی اور اسے قلعہ میں جگہ دے دی۔ یوقنا رات کے وقت قلعہ پر شبخون مارنا چاہتا تھا مگر شبخون مارنے سے قبل اسی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے جاسوسی کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوقنا اور اس کے تمام ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔

یوقنا جس وقت طائر کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اس نے اسلامی لشکر کو اپنے منصوبہ سے مطلع کر دیا تھا۔ اور اپنی امداد کے لئے اسلامی فوج طلب کی تھی۔ چنانچہ یزید بن ابی سفیان فوراً دو ہزار فوج لے کر طائر جا پہنچے ان کو توقع تھی کہ یوقنا نے حسبِ عادت عیاری کے ساتھ طائر پر ضرور قبضہ جما لیا ہو گا لیکن یہاں آ کر ان کو پتہ چلا کہ یوقنا اپنی ترکیب میں ناکامیاب ہوا اور دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا ہے۔

یوقنا بڑا ہی ہوشیار آدمی تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر آچکا ہے تو اس نے قلعہ کے ایک عیسائی افسر باصل کو جو اسلام کی طرف مائل تھا نہایت ہوشیاری سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ایک جاسوس کے ذریعہ اسلامی سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو یہ کہلوا دیا کہ جب تک قلعہ سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند نہ ہوں ہرگز حملہ نہ کریں۔ لیکن جس وقت تکبیر کی آوازیں سنیں تو پھر فوراً قلعہ میں گھس آئیں۔

قلعہ کا عیسائی افسر باصل جس کو یوقنا نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس نے نہ صرف یوقنا اور اس کے تمام ساتھیوں کو رہا کر دیا بلکہ انہیں اسلحہ خانہ کی طرف لے گیا۔ اور یہ سب کے سب آن کی آن میں بہترین ہتھیاروں سے مسلح ہو گئے۔ اور ہتھیاروں سے مسلح ہوتے ہی یوقنا اور اس کے ساتھی اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر قلعہ کی بے خبر فوج پر ٹوٹ پڑے۔ بری طرح قتلِ عام شروع ہو گیا۔ ادھر قلعہ کا دروازہ کھل جانے کی وجہ سے یزید بن ابی سفیان کا لشکر بھی شہر میں داخل ہوگیا۔ اسلامی فوج نے ایسی شجاعت اور جرأت سے کام لیا کہ چند گھنٹوں کے اندر شہر طائر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ شہریوں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا جو باقی رہ گئے تھے ان کو جزیہ ادا کرنا پڑا۔

ہرقل کا بیٹا قسطنطین جو اپنی بہادری اور شجاعت میں مشہور تھا کئی مہینہ سے قلعہ بند ہو کر عمرو بن عاص کا مقابلہ کر رہا تھا۔ مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ مسلمان برابر غالب آتے جا رہے ہیں اور عیسائیوں کے قبضہ سے طرابلس۔ طائر اور دوسرے شہر نکل چکے ہیں تو اس کا دل ٹوٹ گیا اور اس نے سوچا کہ اب قیساریہ کی خاطر جان کو خطرہ میں ڈالنا بیکار ہے۔ لہٰذا وہ ایک رات کو مع اہل و عیال کے قیساریہ سے فرار ہو کر اپنے باپ کے پاس قسطنطنیہ چلا گیا۔ قیساریہ کے باشندوں کو صبح کے وقت جب پتہ چلا کہ ان کا شہزادہ انہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے تو انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اور شاہی خزانہ عمرو بن عاص کے حوالے کر دیا۔ اور دو لاکھ روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد عسقلان۔ غزہ۔ نابلس۔ طبریہ۔ عکا۔ یافہ۔ بیروت۔ جبلہ۔ لاذقیہ اور شام کے تمام شہر اور علاقے بلا جدال و قتال مسلمانوں کے مطیع بن گئے۔ اور اس طرح پانچ برس کے قلیل عرصہ میں ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں مسلمان پورے ملکِ شام کے مختار مطلق بن گئے۔

طاعون کی شدید وبا

شام کی فتح جہاں تاریخ اسلام کا نہایت ہی شاندار کارنامہ ہے وہاں شام کی فتح کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی نہایت ہی دردانگیز ہے کہ جب شام فتح ہو گیا اور اس کے فتح کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچا۔ شمالی شام کے گورنر اور سپہ سالارِ اسلام حضرت ابوعبیدہ۔ حاکم دمشق یزید بن ابی سفیان۔ خالد کے بھائی ضرار۔ سپہ سالار شرحبیل۔ نومسلم سردار

یوقنا اور دوسرے تمام فوجی افسر طاعون کی نذر ہو گئے۔ صرف خالد بن ولید باقی رہ گئے۔ مگر وہ بھی اپنے تمام ساتھیوں اور دوسرے مسلمانوں کی کثرت اموات سے اس قدر دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ فوجی زندگی سے کنارہ کش ہو کر خانہ نشینی اختیار کر لی اور پھر آخر وقت تک گوشہ نشین رہے۔

شام کا تاریخی طاعون جس نے کہ چن چن کر خدا کا سان اسلام کو ختم کر دیا تھا۔ اس قدر خوفناک تھا کہ شام کا ایک گھر بھی ایسا باقی نہیں رہا جہاں موت نہ واقع ہوئی ہو۔ اس وبا میں پچیس ہزار سے زیادہ آدمی لقمۂ اجل ہو گئے۔ جن میں مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی سب ہی شامل تھے۔

حکومت امیر معاویہؓ کی ابتدا

طاعون کی اس وبا میں حاکم دمشق یزید بن ابو سفیان کے مرنے کے بعد ان کے بھائی معاویہ بن سفیان جو ان ہی کے ساتھ دمشق میں رہتے تھے ۱۸ھ (۶۳۹ء) میں دمشق کے حاکم مقرر کر دیئے گئے۔ پھر یہ رفتہ رفتہ سارے شام کے گورنر بن گئے۔ امیر معاویہ وہی بزرگ ہیں جو حضرت علیؓ کے شدید مخالف تھے۔ اور جن کی حضرت علی کے ساتھ بیشمار لڑائیاں ہوئی ہیں۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد حکومت بنی امیہ کی بنیاد ان ہی امیر معاویہ نے رکھی تھی اور ان ہی نے سب سے پہلے اسلامی جمہوری حکومت کو ختم کر کے سلطنتِ اسلامیہ میں شہنشاہیت کا سلسلہ جاری کیا تھا۔

خالد بن ولید کی بے گناہی

خالد بن ولید کے متعلق بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملک شام کی تسخیر کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں فوجی خدمات سے ۱۸ھ میں بالکل معطل کر دیا تھا۔ خالد بن ولید سے یوں تو حضرت عمرؓ پہلے ہی سے خوش نہ تھے۔ لیکن حمص کی فتح کے موقع پر ایک عربی شاعر نے ان کی شان میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا تو خالد نے خوش ہو کر اسے تیس ہزار روپیہ بطور انعام دے دیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ کو شبہ ہوا کہ خالد نے مال غنیمت میں تصرف کیا ہے۔ اسی قسم کے چند دوسرے واقعات بھی تھے جن کی وجہ سے حضرت عمرؓ کی نظر میں خالد بن ولید کی ایمانداری مشتبہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ شام کی تسخیر کے بعد ان کو معطل کر دیا گیا۔ اور ان کے خلاف باقاعدہ تحقیقات شروع کی گئی۔ لیکن تحقیقات کے بعد وہ قطعی بے گناہ ثابت ہوئے مگر پھر بھی ان کو فوجی عہدہ پر بحال نہیں کیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید کو ان واقعات نے شکستہ دل کر دیا تھا۔ اور ان کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کو اس بات کا ملال تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں کیوں نہ شہید ہوئے۔ انتقال کے بعد انہوں نے جو ترکہ چھوڑا وہ صرف ایک گھوڑا کچھ

ہتھیار اور ایک لونڈی تھی۔ خالد بن ولید کو اگرچہ لشکرِ اسلام سے سبک دوش کر دیا گیا تھا لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو ساری مملکتِ اسلامیہ میں ان کی موت پر کہرام مچ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ خالد بن ولید مسلمانوں کی نگاہوں میں بے حد محبوب سپہ سالار تھے اور ان کی بہادری کا سکہ پورے عرب و عجم کے دل پر بیٹھا ہوا تھا۔

مسلمانوں کا مصر میں داخلہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایران کی شاندار فتوحات کے تذکرہ سے پہلے مصر کی فتح کا ذکر کر دیا جائے کیونکہ مصر کا علاقہ شام سے ملحق ہے جس کی وجہ سے مصر کی فتح کو بھی شام کی فتح کا ایک جزو سمجھا جاتا ہے۔

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ بیت المقدس کی تسخیر کے فوراً ہی بعد حضرت عمر فاروق نے عمرو بن عاص کو مصر کی فتح کے لئے مامور کیا تھا۔ لیکن عمرو بن عاص جو نہایت ہی لائق سپہ سالار تھے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ مصر پر حملہ سے قبل شام کے ان تمام علاقوں کو قیصرِ روم کے قبضہ سے نکال لیں جو مفتوحہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہیں۔ تاکہ ان علاقوں پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد مصر کی جنگ میں شام کے راستہ کمک اور رسد حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اسی مقصد کے ماتحت ۱۸ھ میں عمرو بن عاص قیساریہ اور جنوبی شام کے ان علاقوں کی فتح میں مصروف رہے جو شام کو مصر سے ملاتے تھے۔ اور جب وہ ان کی فتح سے فارغ ہو گئے تب انہوں نے مصر کی جانب توجہ کی۔

ملک مصر بھی شام کی طرح قیصرِ روم کی حکومت کا ایک حصہ تھا جس پر رومی عیسائی صدیوں سے حکمرانی کر رہے تھے شام کی فتح کے بعد قیصرِ روم کی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور اس میں اب مقابلہ کی سکت باقی نہیں تھی۔ ادھر مسلمانوں کے حوصلے بے حد بڑھے ہوئے تھے لہٰذا مسلمانوں نے عمرو بن عاص کی سرکردگی میں صرف پانچ ہزار سپاہیوں سے ۱۸ھ میں مصر جیسے وسیع ملک پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کا حملہ کرنا تھا کہ رومی عیسائیوں کا بے پناہ لشکر اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن عیسائی قوم پر مسلمانوں کا رعب اس درجہ بیٹھ چکا تھا کہ فوج کی کثرت کے باوجود عیسائیوں کو شکست ہو گئی۔ اور عمرو بن عاص نے اپنے پہلے ہی حملہ میں بلوزہ اور فراوق جیسے اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ فراوق وہ مقام تھا جو مصر کو شام اور عراق سے ملاتا تھا اور جسے اس ملک میں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ فراوق کی فتح کے معنی یہ تھے کہ مسلمان مصر کے دروازہ میں داخل ہو گئے تھے۔ مصر میں داخل ہونے کے بعد عمرو بن عاص نے میڈیٹرینین اور بحرِ احمر کے درمیان عین اسی جگہ ایک نہر کھودنے کی تجویز پیش کی تھی۔ جہاں صدیوں کے بعد نہر سویز کھودی گئی۔ حضرت عمر نے اس تجویز سے اس لئے اتفاق نہیں کیا کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ اوّل تو اس نہر کے کھودنے میں ہزاروں آدمیوں کو لگانا پڑے گا۔ جو حالات کے لحاظ

سے مناسب نہیں۔ دوسرے ملک عرب پر بحری حملہ کے امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ تجویز ملتوی کر دی گئی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہر سویز جسے یورپین دماغوں کا کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا بنیادی تخیل فاتحین اسلام ہی کے دماغوں میں سب سے پہلے پیدا ہوا تھا۔

مصر کی فتح

اس زمانہ میں ممفس کے نام سے اس ملک میں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ جس کا دوسرا نام مصر تھا۔ اس شہر مصر کے ہی نام پر یہ سارا ملک مصر کہلایا۔ فراوق پر قبضہ کے بعد عمرو بن عاص نے سب سے پہلے اسی شہر کا محاصرہ شروع کیا۔ رومی عیسائیوں نے اسلامی لشکر کا بڑی سختی کے ساتھ مقابلہ کیا مسلمان بھی دل کھول کر لڑے اور کافی قربانی دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی لشکر کی تعداد بہت کم ہو گئی۔ جب محاصرہ کو کئی مہینے گذر گئے۔ اور فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو عمرو بن عاص نے خلیفہ اسلام کو مدد بھیجنے کے لئے لکھا جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے چار ہزار اسلامی لشکر عمرو بن عاص کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ اس لشکر کے آنے کے بعد مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی۔

مصر کے حاکم شاہ مقوقش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی تازہ دم فوج آگئی ہے۔ تو اسے سخت ڈر پیدا ہو گیا اور اس نے در پردہ مسلمانوں سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ مقوقش اس لئے بھی مسلمانوں سے صلح کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ قبطی تھا اور قبطیوں کو رومی عیسائیوں سے فطری نفرت تھی چنانچہ مصر کے قبطیوں اور رومیوں میں آئے دن خانہ جنگی برپا رہتی تھی۔ مقوقش نے سوچا کہ اگر مسلمانوں کو مصر پہ اقتدار حاصل ہو جائے تو قبطی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان رومی عیسائیوں سے جن کے ظلم و ستم سے وہ تنگ آچکے تھے۔ اچھی طرح انتقام لے سکیں گے۔

مقوقش نے اپنے دورِ حکومت میں ٹیکسوں اور دیگر ذرائع سے بے اندازہ دولت مصر کے خزانہ میں جمع کر رکھی تھی۔ صلح کے خیال کے ساتھ وہ چاہتا تھا کہ جو دولت مصر کے خزانہ میں موجود ہے اس پر میرا ہی قبضہ رہے۔ چنانچہ اس نے اسلامی سپہ سالار عمرو بن عاص کے پاس پیغام کہ اگر مسلمان یہ وعدہ کریں کہ وہ خزانہ کو ہاتھ نہیں لگائیں گے اور یہ خزانہ میرے حوالے کر دیں گے۔ اس کے علاوہ یہ یقین دلائیں کہ وہ رومی عیسائیوں کے مقابلہ میں قبطیوں کی ہر طرح امداد کریں گے۔ تو میں اس کے لئے تیار ہوں کہ بغیر لڑے ہوئے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دوں۔ عمرو بن عاص نے مقوقش کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔

مقوقش سے معاملات طے ہونے کے بعد اب مسلمانوں کے لئے شہر مصر فتح ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسلامی لشکر جب قلعہ کی جانب بڑھا تو قلعہ کے دروازے کھلے ہوئے تھے قبطی پہلے ہی مسلمانوں کے ہمنوا بن گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ اب رہ گئے رومی جب وہ مقابلہ پر آتے تو ان کو

تہہ تیغ کر دیا گیا۔ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ عمرو بن عاص نے اپنے ہاتھ سے شہر کے عالیشان دروازہ پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا یہ ۱۹ھ کا واقعہ ہے۔ بہت سے رومی عیسائی خفیہ طور پر جہازوں کے ذریعے فرار ہو گئے۔ اور جو رہ گئے انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔

مصر پر قبضہ کے بعد عمرو بن العاص نے شہر کے باشندوں کے ساتھ بڑی نرمی کا سلوک کیا صرف دو روپے فی کس سالانہ جزیہ مقرر کیا گیا۔ بوڑھوں۔ بچوں اور عورتوں کے لیئے جزیہ معاف کر دیا گیا۔ شہر کو بالکل نہیں لوٹا گیا۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر کے لیئے جو جنس حاصل کی جاتی تھی وہ بھی قیمت ادا کر کے لی جاتی تھی۔ عورتوں کی آبرو کے تحفظ کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ کسی ایک عورت کو بھی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ مقوقس کو حسبِ وعدہ پورے کا پورا خزانہ دے دیا گیا۔ چنانچہ وہ اپنے خزانہ کو لے کر دریائے نیل کے کنارے کے ایک دور دراز شہر میں چلا گیا۔

اسکندریہ میں اسلامی لشکر کی پریشانی

مصر پر قبضہ کے بعد عمرو بن العاص نے نئے سرے سے فوج کو ترتیب دیا۔ انہوں نے اپنے غیر معمولی تدبر کی بنا پر قبطیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ جس سے کہ مسلمانوں کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اسی دوران میں عمرو بن العاص کو پتہ چلا کہ رومی عیسائی تازہ حملہ کے لیئے کرام الشواتق میں جمع ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے فوراً پوری طاقت سے اس علاقہ پر حملہ کر دیا۔ رومی عیسائیوں کو شکست ہو گئی۔ اور وہ فرار ہونے کے بعد اسکندریہ پہنچ گئے۔

اسلامی لشکر بھی سوا سو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد اسکندریہ کے سامنے خیمہ زن ہو گیا۔ اسکندریہ اس زمانہ میں ملکِ مصر کا دارالسلطنت تھا۔ جس کو سارے مشرق میں بہت بڑی تجارتی اہمیت حاصل تھی۔ اسی شہر کے ذریعہ یورپ اور دور دور کے ممالک سے تجارت کی جاتی تھی۔ اس شہر کی وسعت اور خوبصورتی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس ایک شہر میں پانچ ہزار حمام تھے۔ چار سو کے قریب تماشہ گاہیں تھیں۔ اور بارہ ہزار کے قریب چھوٹے بڑے باغ تھے۔ شہر کے باشندوں کے تمول اور دولت مندی کا یہ عالم تھا کہ یہاں چالیس ہزار ایسے یہودی رہتے تھے جن کی دولت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ مگر شہروں کے لوگ بھی نہایت ہی خوشحال تھے۔

فوجی اعتبار سے بھی یہ شہر بے حد مضبوط تھا بلکہ اسے ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا اول تو پہلے ہی اس کے یہاں بے اندازہ فوج موجود تھی۔ لیکن مصر اور دوسرے شہروں کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد جب تقریباً تمام رومی فوج اس شہر میں چلی آئی تو اس کی فوجی طاقت اور بھی بڑھ گئی۔ عمرو بن عاص نے اسکندریہ

کا محاصرہ کرنے سے پہلے حسب دستور رومی عیسائیوں سے اطاعت کا مطالبہ کیا لیکن وہ اس مطالبہ کو ٹھکرا کر مقابلہ پر آ گئے اور بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔

اسلامی لشکر کو اسکندریہ کی فتح کے لئے سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ مسلمان مسلسل چودہ مہینے تک محاصرہ کئے رہے۔ اس دوران میں کئی مرتبہ امدادی لشکر مسلمانوں کی امداد کے لئے آیا۔ آخر چودہ مہینے کے محاصرہ کے بعد جب رومی عیسائی تنگ آ گئے تو وہ کھلے میدان میں لڑنے پر مجبور ہو گئے۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ چودہ ماہ مقید رہنے کے بعد چونکہ عیسائیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے اس لئے وہ شہر کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عمرو بن عاص نے فوراً اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر ان کا خیال تھا کہ اب اسکندریہ کے باشندے زیر ہو چکے ہیں۔ اور عیسائی لشکر بھاگ چکا ہے۔ اس لئے وہ مختصر اسلامی فوج کو اسکندریہ میں چھوڑ کر عیسائی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ جب عیسائیوں کو اس بات کا پتہ چلا کہ اسکندریہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے تو انہوں نے رات کے وقت پلٹ کر دوبارہ اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ اور جو مٹھی بھر مسلمان شہر کے اندر موجود تھے انہوں نے زبردست مقابلہ کیا۔ جس میں بہت سے مسلمانوں کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

اسکندریہ کی مکمل فتح

عمرو بن عاص کو جب معلوم ہوا کہ عیسائی دوبارہ اسکندریہ پر قابض ہو گئے ہیں تو انہیں بے حد افسوس ہوا۔ وہ فوراً واپس آئے لیکن عیسائیوں نے شہر میں محصور ہونے کے بعد شہر کے دروازے بند کر لئے تھے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ دوبارہ اس شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔ چنانچہ اسکندریہ کو دوبارہ محاصرہ میں لے لیا گیا۔ اور پھر نئے سرے سے اسکندریہ کی تسخیر کے لئے اہتمام کیا گیا۔ عمرو بن عاص نے خاص طور پر فوجی تدابیر سے کام لیا۔ اور اسلامی لشکر کو از سر نو منظم کرنے کے بعد زبردست مقابلہ کیا۔ مسلمان بھی جان کی بازی لگا کر میدان میں آ گئے۔ آخر بڑی دشواریوں کے بعد ۲۱ھ ۶۴۲ء میں اسکندریہ کو دوبارہ فتح کر کے سرزمین مصر سے بھی رومی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

اسلامی فوج نے چونکہ بڑی تکلیفیں اٹھا کر اسکندریہ کو فتح کیا تھا اس لئے فوج کا مطالبہ تھا کہ شہر میں لوٹ مار کی عام اجازت دی جائے۔ اس بارے میں حضرت عمر فاروقؓ سے رائے معلوم کی گئی تو آپ نے اس تاریخی شہر کو لوٹ مار سے بچانے کی سخت ہدایت کی اور لکھا کہ صرف جزیہ پر اکتفا کیا جائے۔ چنانچہ اسی ہدایت کے بعد کسی ایک سپاہی کو بھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ اسکندریہ کے ایک تنکے کو بھی ہاتھ لگا سکتا۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی فوج میں کس بلا کا ڈسپلن تھا۔ کہ جب اسے کسی بات سے منع کر دیا جاتا تھا تو وہ اس حکم پر پوری طرح عمل کرتی تھی۔ خواہ اس میں اس کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اسکندریہ

لوٹ مار سے قطعی محفوظ رہا۔ اور اس شہر کے باشندوں کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچنے پایا۔ اس رواداری اور اچھے سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسکندریہ کی آبادی کے ایک بہت بڑے حصے نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا وہ جزیہ ادا کرنے لگے۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد مصر کے جو چند چھوٹے چھوٹے شہر باقی رہ گئے تھے انہوں نے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا۔ بہت سے مسلمان ہو گئے اور بہت سے جزیہ دینے لگے۔

شام کے بعد ملک مصر کا رومی سلطنت سے نکل جانا قیصر روم ہرقل کے لیئے بہت بڑا حادثہ تھا چنانچہ اس حادثہ کا اثر یہ ہوا کہ وہ اسکندریہ کی فتح کے دو ماہ بعد ہی اس صدمہ کی وجہ سے مر گیا۔ ہرقل کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین تخت پر بیٹھا لیکن اس طرح کہ حوصلہ پست ہو چکا تھا اور دل مر چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں سر اٹھانے کی جرأت کس طرح ہو سکتی تھی۔

مصر جیسے خوشحال ملک کی فتح کے بعد سلطنت اسلامیہ کو کس قدر فائدہ پہنچا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ صرف اس ایک ملک سے بارہ کروڑ روپیہ سالانہ کا جزیہ اور محصول وصول ہوتا تھا۔ نیز ملکی پیداوار اس قدر زیادہ تھی کہ کسی دوسرے ملک میں نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب عرب میں قحط پڑا اور عمرو بن عاص نے مصر سے عرب کے لیئے غلہ روانہ کیا تو یہ غلہ اس کثرت سے بھیجا گیا تھا کہ مصر سے لے کر مدینہ تک غلہ لیجانے والے اونٹوں کی قطار کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا تھا۔ اور اونٹ ہی اونٹ ہر طرف نظر آتے تھے۔

حضرت عمرؓ پر یورپین مورخین کا الزام

حضرت عمرؓ کے متعلق بعض یورپین مورخ یہ الزام لگاتے ہیں کہ اسکندریہ کی فتح کے بعد انہوں نے عمرو بن عاص کو حکم دیا تھا کہ کتب خانہ ضائع کر دو۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے کوئی دوسری کتاب موجود رہے۔ چنانچہ یہ عظیم الشان تاریخی کتب خانہ نذر آتش کر دیا گیا۔ تاریخ کا گہرا مطالعہ رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس بے سرو پا روایت میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ کیونکہ زیادہ تر مورخین نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔ چنانچہ مشہور فرانسیسی مورخ سیدیو اس روایت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ روایت سچائی سے خالی ہے۔ حضرت عمرؓ جیسے ہوشمند انسان سے ایسے وحشیانہ فعل کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ اس زمانہ کے کسی مورخ نے اس فعل کا ذکر نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ متعصب عیسائی مورخوں کا یہ پرانا حربہ ہے جو انہوں نے حضرت عمرؓ کو بدنام کرنے کے لیئے استعمال کیا ہے۔ بھلا سوچئے تو سہی جو خلیفہ عیسائیوں اور مشرکوں کی عبادت گاہوں کو گرانا پسند

نہ کرتا ہو وہ اتنی مفید اور کار آمد چیز کو کس طرح ضائع کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔

ایران میں مسلمانوں کی پیش قدمی

ایران میں مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانہ خلافت ہی میں فتح عراق کے بعد ۱۲ھ ہی سے شروع ہو گیا تھا اس لئے ہم کو آٹھ نو سال پیچھے کے ان تمام واقعات پر بھی روشنی ڈالنی ہوگی۔ جو ایران میں گذشتہ آٹھ نو سال کے اندر رونما ہوتے رہے ہیں۔

ہم اس سے قبل یہ بتا چکے ہیں کہ جس زمانہ میں کہ اسلامی فوجیں شام اور مصر میں فتوحات حاصل کر رہی تھیں عین اسی زمانہ میں ایران میں بھی مسلمان شہر پہ شہر اور علاقوں پر علاقے فتح کر رہے تھے لیکن شام و مصر کی فتوحات کی تفصیل بیان کرنے کے دوران میں ہم نے ایران کے واقعات کو محض اس لئے بیان نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنے سے کئی ملکوں کے واقعات آپس میں اس طرح الجھ جاتے کہ ناظرین کو ان کے سمجھنے میں بڑی دقت پیدا ہوتی۔ لیکن اب جبکہ ہم شام اور مصر کی فتوحات پر مفصل تبصرہ کر چکے ہیں تو ایران کے واقعات ابتدا سے بیان کریں گے اور یہ بتائیں گے کہ شام و مصر کی طرح گذشتہ آٹھ نو سال میں ایران میں مسلمانوں نے کیسی کیسی شاندار فتوحات حاصل کی ہیں۔

ایران میں اسلامی فتوحات کی سرگذشت بیان کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے حملہ سے قبل کی ایرانی تاریخ پر بھی قدرے روشنی ڈال دی جائے۔ تاکہ ناظرین کو یہ پتہ چل جائے کہ جس ایرانی سلطنت کے خلاف مسلمانوں نے علمِ جہاد بلند کیا تھا اس کی کیا حیثیت تھی اور اس سلطنت میں اندرونی طور پر کیسی کیسی پیچیدگیاں اس زمانہ میں پیدا ہو گئی تھیں۔

ایران کے مختصر حالات

سلطنت ایران آتش پرستوں کی نہایت قدیم۔ مستحکم اور وسیع ترین سلطنت تھی۔ یہ اپنے زمانہ کی سب سے متمدن۔ دولت مند اور طاقتور حکومت شمار کی جاتی تھی اس عظیم الشان سلطنت کی سرحدیں مشرق میں ہندوستان سے ملی ہوئی تھیں شمال میں روسی ترکستان تک یہ حکومت پھیلی ہوئی تھی۔ مغرب میں شام و عراق کی سرحدوں تک اسے وسعت حاصل تھی۔ اور جنوب میں آبنائے فارس اور بحر ہند اس کے قدم چوم رہے تھے۔ دنیا میں اس وقت صرف دو ہی بڑی حکومتیں شمار کی جاتی تھیں جن میں سے ایک سلطنت ایران تھی اور دوسری سلطنت روم۔ یہ دونوں بڑی حکومتیں کیونکہ ایک دوسرے کی مدمقابل اور رقیب تھیں۔ اس لئے ان میں آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ان لڑائیوں سے اگرچہ دونوں حکومتوں کو کافی نقصان پہنچ چکا تھا لیکن پھر بھی سلطنتِ ایران دنیا کی نہایت مضبوط حکومت شمار کی جاتی تھی۔

۷ھ میں جب کہ مسلمانانِ عرب نے رسول اللہ صلعم کی زیرِ قیادت خیبر میں عظیم الشان فتح حاصل کی تھی۔ اسی زمانہ سے حکومت ایران میں اندرونی خلفشار پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی سال جب کسرائے ایران خسرو پرویز کو ۶ھ میں قیصرِ روم کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو اراکینِ سلطنت خسرو پرویز کے دشمن بن گئے۔ اور انہوں نے اس بادشاہ کو معزول کر کے شیرویہ کو ایران کے تخت پر بٹھا دیا۔ شیرویہ نہایت ہی ظالم اور عیاش تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی ایک طرف تو اپنے باپ اور سترہ بھائیوں کو تہہ تیغ کر دیا اور دوسری طرف اپنی سوتیلی ماں شیریں جو کہ بے حد حسین تھی قبضہ جمانا چاہا لیکن اس ناپاک مقصد میں اسے کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ اس پاکدامن خاتون نے بیٹے سے اپنی آبرو بچانے کے لئے خودکشی کر لی تھی۔ شیرویہ کا یہ ظلم و ستم زیادہ مدت تک جاری نہیں رہ سکا۔ کیونکہ وہ آٹھ مہینے کے بعد ہی پاگل ہو کر مر گیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ نبی اکرم کے زمانہ کے حالات میں آپ رسولِ اکرم کی ایک پیش گوئی پڑھ چکے ہیں۔ جو کہ خسرو پرویز اور شیرویہ کے متعلق تھی۔ جس میں آنحضرت نے ایران میں خلفشار کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

شیرویہ کے مرنے کے بعد اسی سال یعنی ۷ھ میں اس کا بیٹا اردشیر تخت نشین ہوا لیکن وہ بھی مارا گیا اس کے قتل ہوتے ہی ۸ھ میں جس سال کہ مکہ فتح ہوا تھا۔ ایک ایرانی امیر نے تخت پر قبضہ جما لیا مگر وہ بھی مارا گیا۔ ایرانی امیر کے قتل کے بعد خسرو پرویز کی بیٹی "توران دخت" ۹ھ (۶۳۰ء) میں اسی زمانہ میں تخت پر بیٹھی۔ جس زمانہ میں کہ رسول اللہ صلعم کو جنگ تبوک لڑنی پڑی تھی۔ لیکن امرائے سلطنت نے اسے بھی ڈیڑھ سال کے بعد معزول کر دیا۔

امرائے ایران نے "توران دخت" کو معزول کرنے کے بعد ۱۱ھ (۶۳۲ء) میں جو رسول اللہ صلعم کا سال وفات ہے خسرو پرویز کی دوسری بیٹی آرزمیہ کو تخت نشین کر دیا۔ یہ لڑکی اگرچہ نہایت ہوشمند تھی لیکن اس کے لئے ایک نئی مصیبت یہ کھڑی ہو گئی کہ ایک ایرانی امیر فرخ زاد حاکم خراسان اس پر عاشق ہو گیا۔ اور اس نے ملکہ پر شادی کے لئے زور دینا شروع کر دیا جب یہ شادی کے لئے تیار نہ ہوئی تو ایرانی امیر فرخ زار ایک رات شاہی محل میں گھس آیا۔ مگر محافظوں نے امیر کو قتل کر دیا۔ امیر کا قتل ہونا تھا کہ امیر کے بیٹے رستم نے ملکہ آرزمیہ سے انتقام لینے کے لئے اس پر فوج کشی کر دی۔ اور آرزمیہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ آرزمیہ کے قتل کے بعد اس کے بھائی کو تخت پر بٹھایا گیا۔ لیکن چالیس روز کے بعد اسے بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد خسرو پرویز کا پوتا یزدجرد سوم ایران کا بادشاہ بنا۔ اسی یزدجرد سے متعدد لڑائیوں کے بعد مسلمانوں نے ایران فتح کیا تھا۔ سلطنتِ

ایران کے ان حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جس زمانہ میں مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا تھا اس زمانہ میں اس سلطنت میں بری طرح اندرونی خلفشار پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ نبی اکرمؐ کی پیش گوئی کے مطابق یہ اندرونی خلفشار مسلمانوں کے لیئے ایران فتح کرنے میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوا۔

ایران میں ابتدائی فتح

حضرت ابوبکر صدیق کے دورِ حکومت کے حالات بیان کرتے ہوئے ہم گذشتہ اوراق میں یہ بتا چکے ہیں کہ اسلامی سپہ سالار حضرت خالدبن ولید نے پورے ملکِ عراق کو جو سلطنت ایران کا ایک صوبہ تھا سنہ ۱۲ھ (سنہ ۶۳۳ء) میں فتح کر کے سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لیا تھا۔ یہ سلطنت ایران کے مقابلہ میں مسلمانوں کی پہلی شاندار فتح تھی۔ عراق کی فتح کے بعد خالدبن ولید خاص ایران پر بھی حملہ کرنے والے تھے یہاں تک کہ انہوں نے شاہ ایران یزدجرد کو اعلان جنگ بھی دے دیا تھا کہ اچانک ان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا حکم ملا کہ وہ عراق و ایران کے معاملات کو اپنے کسی ماتحت افسر کے سپرد کر کے فوراً حضرت ابوعبیدہ کی مدد کے لیئے شام پہنچ جائیں۔ شام میں اس وقت اسلامی فوجوں کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی۔ اور قیصر روم کی فوجوں کے غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے شام میں مسلمانوں کی فتح مشتبہ ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیئے حضرت ابوبکر صدیق نے خالدبن ولید کو شام جانے کی ہدایت کی تھی۔ چنانچہ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ خالدبن ولید کے شام پہنچنے کے ساتھ ہی شام کے اسلامی لشکر میں نئی زندگی اور روح پیدا ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں کو شام میں اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں کہ مختصر سی مدت میں مسلمان پورے ملک شام کے مالک و مختار بن گئے۔

خالدبن ولید جس وقت عراق سے شام کے لیئے روانہ ہوئے تھے اس وقت عراق کی اسلامی فوجیں پورے عراق کو فتح کرنے کے بعد دریائے فرات کے کنارے ایران کی سرحد پر پڑی ہوئی تھیں۔ خالدبن ولید نے اسلامی فوجوں کا سپہ سالار مثنیٰ بن حارث کو بنایا اور ان کو تمام حالات سمجھاتے ہوئے ہدایت کی تھی کہ وہ ایران کے ملحقہ علاقوں کو فتح کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن خالدبن ولید کے جانے کے بعد مثنیٰ بن حارث کسی ایک علاقہ میں بھی کوئی قابل تذکرہ فتح حاصل نہیں کر سکے۔ شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ خالدبن ولید نصف سے زیادہ لشکر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور عراق میں جو فوج باقی رہ گئی تھی اس کی تعداد بہت محدود تھی اس کے علاوہ مثنیٰ بن حارث جنگی معاملات میں وہ تجربہ بھی نہیں رکھتے تھے جو خالدبن ولید کو تھا۔

بہرحال خالدبن ولید کے شام چلے جانے کے بعد ایرانیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ خالد کی غیر موجودگی میں عراق کا مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لینا کوئی دشوار نہیں۔ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا تھا۔ مثنیٰ بن حارث حیرہ سے چل کر مقابلہ کے لیئے بابل پہنچ

گئے تھے۔ بابل میں دونوں لشکروں میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آخر بڑے کشت و خون کے بعد ایرانیوں کو شکست ہوگئی۔ اس شکست کے بعد ایرانیوں نے جب نہایت وسیع پیمانہ پر عراق پر دوسرے حملہ کی تیاریاں شروع کیں تو مثنیٰ بن حارث خلیفۃ اسلام کو تمام حالات سے مطلع کرنے کیلئے مدینہ گئے۔ لیکن مدینہ پہنچنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکرؓ سخت بیمار ہیں لیکن پھر بھی مثنیٰ بن حارث نے خلیفۂ اسلام کو عراق و ایران کے نازک حالات سے مطلع کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کا اگرچہ یہ آخری دن تھا لیکن آپ نے پھر بھی حضرت عمرؓ کو بلا کر ہدایت کر دی تھی کہ ایران کی جانب سے غافل نہ رہنا۔ اسلامی فتوحات کو برابر جاری رکھنا اور مثنیٰ بن حارث کی امداد کے لئے جلد سے جلد تازہ دم لشکر بھیج دینا تاکہ ایرانیوں کو عراق عرب کی جانب رخ کرنے کا حوصلہ نہ ہو سکے۔

ایرانی سرداروں کی شکست

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا خلیفۂ اول کی ہدایت کے مطابق پہلے ہی ہفتہ میں ابو عبیدہ ثقفی کو تازہ دم لشکر دے کر اور سالار لشکر بنا کر مثنیٰ بن حارث کی مدد کے لئے عراق روانہ کر دیا۔ ابو عبیدہ ثقفی مدینہ کے لشکر کے علاوہ راستہ کے قبائل سے بھی لوگوں کو اپنے ساتھ لیتے گئے تھے۔ اور اس طرح انہوں نے ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے اچھا خاصا لشکر جمع کر لیا تھا۔

رستم بن فرخ زاد جو اس زمانہ میں سلطنتِ ایران میں وزیر جنگ کے عہدہ پر مامور تھا اور میدان جنگ کا مشہور ماہر مانا جاتا تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ عراق میں عربوں کا تازہ دم لشکر جمع ہو رہا ہے تو اس نے مسلمانوں کے خلاف نہایت ہی وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور اس نے کئی مشہور ایرانی سرداروں کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے متعدد ایرانی لشکر روانہ کر دیئے۔ ان ایرانی لشکروں کے سپاہیوں کی تعداد کسی صورت میں بھی پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہ تھی۔

رستم کے بھیجے ہوئے ان ایرانی لشکروں میں سے پہلے لشکر کا مقابلہ حضرت ابو عبیدہ سے مقام نمارق میں ہوا۔ ایرانی لشکر کی راہنمائی ایران کا مشہور سردار جابان کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ جابان کو بری طرح شکست ہوئی۔ دوسرا لشکر جو شہزادہ نرسی کی زیر سرکردگی روانہ کیا گیا تھا۔ اور جس کی تعداد تیس ہزار تھی مقام کیسکر میں خیمہ زن تھا ابو عبیدہ ثقفی نے اس لشکر عظیم کو بھی شکست دے دی۔ تیسرا لشکر جو جالینوس کی سرکردگی میں دوسرے ایرانی لشکروں کی مدد کے لئے آ رہا تھا اسے اسلامی لشکر نے باقسیا کے میدان میں جنگ کے بعد راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ یعنی رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جتنے بھی لشکر بھیجے تھے ان کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مال غنیمت آیا۔

اسلامی فوج کا ہاتھیوں سے مقابلہ

عربوں کے ایک چھوٹے سے لشکر کے مقابلہ میں ایران کے عظیم الشان لشکروں کی شکست اور ایران کے بہترین سرداروں کا میدان جنگ سے راہ فرار اختیار سلطنت ایران کے لئے بہت بڑا حادثہ تھا۔ رستم نے مسلمانوں سے اس ذلت کا انتقام لینے کے لئے ایران کے سب سے بہادر سپہ سالار بہمن جادویہ کو چالیس ہزار کا لشکر اور تین سو جنگی ہاتھی دے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ادھر ابو عبیدہ ثقفی بھی اپنے لشکر کو لے کر میدان میں آ گئے۔ دریائے فرات کے اس کنارہ پر تو اسلامی لشکر خیمہ زن تھا اور دوسرے کنارے پر ایرانی لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ چونکہ دریائے فرات درمیان میں حائل تھا اس لئے کچھ روز تو دونوں لشکر خاموش رہے۔ بالآخر دریا پر پل بنایا گیا۔ پل کے تیار ہونے کے بعد بہمن جادویہ نے ابو عبیدہ ثقفی سے دریافت کرایا کہ "تم دریا کو عبور کر کے اس طرف آتے ہو یا ہمیں دریا کے اس طرف بلاتے ہو" ابو عبیدہ ثقفی نے جواب دیا کہ "ہم دریا کے پار آ کر مقابلہ کریں گے" لہذا وہ لشکر لے کر دریائے فرات کے اس پار چلے گئے۔ اور دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ حضرت ابو عبیدہ کا خیال تھا کہ اگر ہم نے آگے بڑھ کر لڑنے سے گریز کیا تو شاید ایرانی اس کو بزدلی پر محمول کریں۔ اور پھر ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔

غرض بہمن جادویہ نے اس جنگ میں ہاتھیوں کو اپنے لشکر کے آگے رکھا تھا۔ ان ہاتھیوں پر تیر انداز بیٹھے ہوئے لشکر اسلام پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ عربوں کے گھوڑوں نے اس سے قبل چونکہ ہاتھی نہیں دیکھے تھے۔ اس لئے وہ ہاتھیوں کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے۔ ابو عبیدہ ثقفی نے جب دیکھا کہ گھوڑے قابو سے باہر ہو گئے ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ پاپیادہ ہو کر حملہ کیا جائے۔ مسلمانوں نے یہ حملہ اگرچہ بڑی بہادری کے ساتھ کیا لیکن جب ہاتھی مسلمانوں کو کچلتے ہوئے آگے بڑھے تو سارا اسلامی لشکر تتر بتر ہو گیا۔ ابو عبیدہ نے مسلمانوں کو ہمت دلاتے ہوئے چلا کر کہا "گھبراؤ نہیں ہاتھیوں کی سونڈیں تلواروں سے کاٹ ڈالو۔ اور یہ کہہ کر وہ خود آگے بڑھے اور انہوں نے بڑی جرأت کے ساتھ ہاتھیوں کی سونڈیں قلم کرنی شروع کر دیں۔ اور کئی ہاتھیوں کے اگلے پاؤں کاٹ کر گرا دیا۔ ایرانی مسلمانوں کی جرأت دیکھ کر دنگ تھے مگر چونکہ وہ بڑی تعداد میں تھے اور ساتھ ہی بہادر سپہ سالار بھی تھا اس لئے ان کے حوصلے بے حد بڑھے ہوئے تھے

حضرت ابو عبیدہ کی شہادت

حضرت ابو عبیدہ بڑی بہادری کے ساتھ مسلمانوں کو لڑا رہے تھے اور ہاتھیوں کو کاٹ کاٹ کر میدان صاف کر رہے تھے کہ اچانک ایک جنگی ہاتھی نے ابو عبیدہ پر حملہ کر دیا۔ آپ نے اس پر ایک ایسا وار کیا کہ اس کی سونڈ کٹ کر دور جا پڑی۔ لیکن ہاتھی نے غصہ میں آگے بڑھ کر ان کو گرا دیا۔ اور ان کے سینہ پر پاؤں رکھ کر کچل ڈالا

اور وہ شہید ہو گئے۔ ابو عبیدہ کی شہادت کے بعد یکے بعد دیگرے سات آدمیوں نے اسلام کا جھنڈا سنبھالا۔ اور ساتوں کے ساتوں شہید ہو گئے۔ آخر مثنیٰ بن حارث نے جھنڈا لے لیا۔ اور بڑی مردانگی کے ساتھ مدافعت شروع کی لیکن سپاہیوں کی حالت یہ تھی کہ یکے بعد دیگرے سات سرداروں کی شہادت اور ہاتھیوں کے حملہ سے اس قدر گھبرا گئے تھے کہ اب ان میں مقابلہ کی ہمت ہی نہ تھی۔

مسلمان سپاہی جب شکست کھا کر بھاگنے لگے تو بعض پرجوش مجاہدین نے جا کر پل توڑ دیا۔ اور چلا کر کہا کہ اب تمہارے بھاگنے کا راستہ بند ہو گیا ہے۔ اب تمہارے لئے دو ہی صورتیں ہیں جنگ یا شہادت مثنیٰ بن حارث نے یہ حالت دیکھی تو بچی کچھی فوج کو لے کر میدان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کو ہمت دلائی اور ساتھ ہی پل بنانے کا حکم دیا۔ جب پل بن گیا تو اسلامی فوج میں اعلان کر دیا گیا۔ کہ میں ایرانی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہوں تم اطمینان سے ساتھ پل کے راستہ دریا کو عبور کر لو۔" غرضیکہ مثنیٰ بن حارث نے اس موقعہ پر بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس وقت تک ایرانی لشکر کو روکنے میں مصروف رہے جب تک کہ تمام مسلمان سپاہیوں نے پل عبور نہیں کر لیا۔ پھر سب سے آخر میں لڑتے ہوئے خود بھی پل کے دوسری طرف چلے گئے۔ اور پل کو توڑ دیا۔ یہ تھی وہ ہاتھیوں کی خوفناک جنگ جس میں تقریباً چار ہزار مسلمانوں نے شہادت حاصل کی۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ ایرانیوں کے بھی چھ سات ہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن اب تک جتنی بھی لڑائیاں ہوئی تھیں ان میں سے کسی ایک لڑائی میں بھی مسلمانوں کو اتنا جانی نقصان نہیں اٹھانا پڑا۔ جتنا کہ اس لڑائی میں اٹھانا پڑا یہ لڑائی ۱۳ھ میں دریائے فرات کے کنارے لڑی گئی تھی۔

ایرانیوں کو زبردست شکست

مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں جو ناکامی ہوئی تھی اس نے نہ صرف مجاہدین عراق کو بلکہ خلیفہ اسلام حضرت عمر فاروقؓ کو بھی بے حد متاثر کیا۔ چنانچہ اس شکست کے بعد خلیفہ اسلام نے عرب کے تمام بڑے بڑے قبائل کو حکم بھیجا کہ وہ ایران کی جنگ میں شامل ہونے کے لئے مدینہ میں آکر جمع ہو جائیں۔ جب بہت سے قبائل مدینہ میں آکر جمع ہو گئے۔ تو آپ نے ان سب کو جہاد کے احکام سنائے اور فوجی ہدایات دیں۔ اور پھر اسلامی لشکر کو مثنیٰ بن حارث کی مدد کے لئے عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ ادھر مثنیٰ بن حارث نے بھی عراق میں نئی فوج بھرتی کر کے اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا۔

ایرانی وزیر جنگ رستم کو جب پتہ چلا کہ عراق میں پھر مسلمانوں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا ہے تو اس نے ایران کے مشہور سپہ سالار مہران کو ایک بہت بڑی جمعیت دے کر مسلمانوں پر حملہ کے لئے روانہ

کر دیا۔ مثنیٰ بن حارث نے مہران کی روانگی کا حال سن کر اپنی تمام افواج کو دریائے فرات کے کنارے بویب کے مقام پر مجتمع کر لیا۔ گذشتہ تلخ تجربہ کی بنا پر اس مرتبہ اسلامی لشکر نے دریائے فرات پار نہیں کیا۔ بلکہ ایرانیوں کے لشکر کو موقعہ دیا کہ وہ دریائے فرات پار کر کے خود ہی اسلامی لشکر کے مقابلہ پر آجائیں چنانچہ مہران اپنی تمام ایرانی فوج اور جنگی ہاتھیوں کو لے کر دریا کے اس طرف آگیا اور اس نے فوراً اپنی فوج کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

گذشتہ جنگ میں تو مسلمانان عرب کے لیئے ہاتھی ایک نئی چیز تھی لیکن اب ان کے لیئے ہاتھی کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ لہذا اسلامی لشکر نے اس مرتبہ اس طریقہ سے جنگ کی کہ جنگی ہاتھی مسلمانوں کو کچھ زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے۔ طرفین بڑی بہادری کے ساتھ لڑے اور آخر بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد ایرانیوں کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایرانی سپہ سالار مہران میدان جنگ میں مارا گیا۔ ایرانیوں کی شکست کے بعد مثنیٰ ابن حارث نے ایک ہوشیاری یہ کی کہ اسلامی لشکر کو پل توڑنے کا حکم دے دیا جس کی وجہ سے ایرانی سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دریا کو پار کرنے میں غرق ہو گئی۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس عظیم و شدید جنگ میں ایرانی لشکر کے تقریباً ایک لاکھ آدمی یا تو مقتول ہوئے یا غرق ہو گئے۔ اور اسلامی لشکر کے صرف سو ڈیڑھ سو آدمی شہید ہوئے یہ جنگ بویب کے مقام پر ذوالحجہ ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں لڑی گئی تھی۔ اسی جنگ کے بعد مسلمانوں کو ایران میں عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔

سعد بن وقاص کی سپہ سالاری

بویب کے میدان میں مسلمان مجاہدین کے مقابلہ میں تقریباً ایک لاکھ ایرانیوں کا قتل عام ایک ایسا واقعہ تھا جس کی بنا پر سارے ایران میں کہرام مچ گیا۔ ایرانی جو مدت سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے اس شکست کے بعد اپنے سارے اختلافات بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے اور ایران کے کونے کونے میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیئے عام فوجی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ اس کے علاوہ جن علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ تھا وہاں ایرانیوں نے در پردہ بدامنی پیدا کرنا شروع کر دی۔ تاکہ اندرونی بغاوتیں مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کر دیں۔ غرضیکہ سارے ایران میں مسلمانوں کے مقابلہ کی ایسی زبردست تیاریاں شروع ہو گئیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ حکومت ایران مسلمانوں پر تازہ حملہ کرنے کے لیئے زبردست تیاریاں کر رہی ہے۔ تو آپ نے بھی عرب کے تمام اسلامی حکام کے نام حکم نامے جاری کر دیئے اس کو

تاکید کردی کہ تمام قبائل سے جنگجو مجاہدین جہاد فی سبیل اللہ کے لئے بھیجے جائیں۔ آپ کا حکم ملتے ہی حکام نے مجاہدین کی ایک بڑی تعداد کو مدینہ روانہ کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مدینہ کا سارا میدانِ جنگ چند ہی روز میں ہزاروں اسلامی سرفروشوں سے بھر گیا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کو ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کے بارے میں جو اطلاعات مل چکی تھیں ایک طرف تو وہ بے حد پریشان کن تھیں۔ دوسری جانب ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے کوئی لائق افسر بھی موجود نہ تھا۔ تمام بڑے بڑے فوجی افسر شام کی فتح میں مصروف تھے۔ صرف مثنیٰ بن حارث اکیلے پوری ایرانی سلطنت سے ٹکرا رہے تھے۔ مثنیٰ کیونکہ کوئی بڑے سالار لشکر نہیں تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کو ان کی ذمہ کی طرف سے پورا اطمینان نہیں تھا۔ ان تمام حالات کے پیشِ نظر مجبوراً حضرت عمر فاروقؓ کو یہ طے کرنا پڑا کہ وہ ایران کی جنگ میں خود ہی فوجوں کی قیادت کریں گے۔ یہاں تک کہ آپ ایران جانے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔ مگر حضرت علیؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ کا جانا مناسب نہیں ہے۔ کسی دوسرے کو بھیج دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جناب علی کی رائے کو مان لیا اور پھر یہ اہم کام مشہور صحابی اور رسول اللہ صلعم کے قریبی عزیز حضرت سعد بن ابی وقاص کے سپرد کیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو اسلامی فوجوں کا گورنر بنا کر اس جنگ کے لئے مکمل ہدایتیں دیں۔ اور ایک نقشہ بھی بنا کر بتا دیا تاکہ وہ اس نقشے کو سامنے رکھ کر ایران میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کریں۔ نیز ہدایت کی کہ وہ انہیں ہر چھوٹے بڑے واقعہ سے برابر مطلع کرتے رہیں۔

مثنیٰ ابن حارث کی وفات

سعد بن وقاص جب مدینہ سے چلے تو ان کے ساتھ صرف چار ہزار مجاہدین اسلام کا لشکر تھا۔ لیکن ان کی روانگی کے فوراً ہی بعد حضرت عمر فاروقؓ نے چار ہزار کا مزید لشکر عراق کے لئے روانہ کر دیا جو ان سے راستہ ہی میں آن ملا۔ ادھر مثنیٰ ابن حارث جن کے پاس آٹھ ہزار کا لشکر تھا ان کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے پچھلی لڑائیوں میں مثنیٰ بری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ اور ان کی حالت دن بدن غیر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ چنانچہ حضرت سعد بن وقاص ابھی پہنچے بھی نہ تھے کہ مثنیٰ ابن حارث کا انتقال ہو گیا۔ سعد بن وقاص کو جب ان کے انتقال کی خبر ملی تو ان کو بے حد افسوس ہوا۔

شاہِ ایران کو دعوتِ اسلام

حضرت سعد بن وقاص نے عراق کے اسلامی کیمپ میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ نے ایران پر حملہ سے قبل ایران کے نوجوان بادشاہ یزدجرد سوم کو مسلم وفد کے ذریعہ اسلام کی دعوت دی۔ اسلامی وفد

نے یزدجرد سے جب اسلام قبول کرنے کے لئے کہا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اور مسلم وفد کے نمائندوں کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آیا۔ اسلامی وفد کے نمائندے اگرچہ اس وقت موت کے منہ میں تھے لیکن وہ شاہِ ایران کے جاہ و جلال اور غصہ سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوئے اور انہوں نے اس سے کہا کہ "اے بادشاہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ یا تو اسلام قبول کر لے یا اطاعت اختیار کر لے ورنہ تجھے ایک ایسی قوم سے واسطہ پڑنے والا ہے جسے موت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے" اسلامی وفد نے یہ تمام گفتگو کچھ ایسی جرأت کے ساتھ کی کہ شاہِ ایران حیران رہ گیا۔ اور ایک لفظ تک نہ بول سکا۔

اسلامی وفد کے آنے کے بعد فوراً ہی ایران پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔ اور اسلامی لشکر آگے بڑھ کر قادسیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔ مسلمانوں کے قادسیہ میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی گرد و نواح کے ایرانی بھاگنے شروع ہو گئے۔ اور انہوں نے دربارِ ایران سے کہنا شروع کیا کہ یا تو مسلمانوں کا کوئی علاج کیا جائے ورنہ ہم اس کے لئے مجبور ہیں کہ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے اپنی جان و مال محفوظ کر لیں

قادسیہ کی جنگ

یزدجرد شاہ ایران نے ایرانی رعایا میں گھبراہٹ اور پریشانی محسوس کرتے ہوئے اپنے وزیرِ جنگ رستم کو حکم دیا کہ وہ فوراً ایک لشکرِ عظیم لے کر خود قادسیہ کی جانب روانہ ہو جائے اور مسلمانوں کے روز روز کے جھگڑے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے۔ بادشاہ کا حکم ملتے ہی رستم ایران کے دار السلطنت مدائن سے روانہ ہو گیا اس کے ساتھ ایک لاکھ اسی ہزار کا لشکرِ جرار تھا۔ جس کی کمان کئی بڑے بڑے ایرانی سپہ سالار کر رہے تھے اس کے علاوہ سینکڑوں جنگی ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے غرضکہ رستم اس لشکرِ عظیم کو لے کر قادسیہ میں اسلامی لشکر کے بالکل بالمقابل آکر ٹھہر گیا اور اپنی فوجوں کو میدان میں ڈال دیا۔

دونوں لشکر اگرچہ آمنے سامنے پڑے تھے لیکن کئی مہینے تک دونوں میں سے کسی نے بھی جنگ کرنے میں پہل نہیں کی۔ مسلمان تو اس لئے حملہ کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کی نصیحت تھی کہ حملہ کی پہل مت کرنا۔ اور جب دوسرا سامنے آئے تو مقابلہ میں کوتاہی مت کرنا۔ اور ایرانی اس لئے اسلامی لشکر پر حملہ کرتے ہوئے گھبرا رہے تھے کیونکہ گذشتہ لڑائیوں میں ان کے دلوں پر مسلمان عربوں کی ہیبت بری طرح قائم ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس دوران میں رستم نے کئی مرتبہ مسلمانوں سے صلح کی بات چیت شروع کی لیکن صلح کی شرائط طے نہ ہو سکیں۔ اور جنگی حالت بدستور قائم رہی۔

ایرانی لشکر کو مسلمانوں کے لشکر کے سامنے پڑے ہوئے جب چھ ماہ ہو گئے تو دربارِ ایران سے رستم

کے پاس جنگ شروع کرنے کے لیئے پیغامات آنے لگے۔ آخر رستم نے نہر پار کر کے اپنی فوجوں کو اسلامی لشکر کے سامنے صف آرا کر دیا۔ اور دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی۔ ایک طرف تو مع جنگی ہاتھیوں کے پونے دو لاکھ کا لشکر جرار تھا اور دوسری طرف تیس ہزار سے بھی کم مجاہدین اسلام تھے لیکن اس کثرت وقلت کے مقابلہ کے باوجود پہلے روز برابر کی جنگ رہی ہاں یہ ضرور ہوا کہ پہلے ہی روز ہرمز اور کئی بڑے بڑے ایرانی سردار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

دوسرے دن جب جنگ چھڑی تو مسلمانوں کی امداد کے لیئے شام سے بھی ایک تازہ دم لشکر آگیا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ ایرانیوں کو سب سے زیادہ ہاتھیوں پر بھروسہ تھا لیکن اب مسلمان ہاتھیوں سے مقابلہ کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اس لیئے ہاتھیوں کا غول مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا دوسرے دن کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ دوسرے روز کی جنگ میں ایرانیوں کا سب سے بڑا سپہ سالار بہمن جادویہ میدان جنگ میں مارا گیا۔ جس سے کہ ایرانی لشکر میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

اسلامی لشکر کی فتح اور رستم کی موت

تیسرے دن کی جنگ گذشتہ دونوں دنوں کی لڑائیوں سے کہیں زیادہ خوفناک تھی۔ کیونکہ ہر دو جانب سے پوری طاقت کے ساتھ حملے ہو رہے تھے۔ اس تیسرے دن کی جنگ میں جب ایرانیوں نے ہاتھیوں کو بڑھا کر کچلنا چاہا تو مسلمانوں نے ایسی دیدہ دلیری سے ہاتھیوں پہ حملے کئے کہ ہاتھیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ منہ موڑ کر بری طرح بھاگے اور اپنی ہی فوج کو کچلتے ہوئے چلے گئے تیسرے دن صبح سے لے کر رات تک لڑائی بدستور جاری رہی۔ رات کے وقت مسلمانوں نے مجتمع ہو کر ایسی سختی کے ساتھ حملہ کیا کہ مسلمان ایرانی لشکر کو کاٹتے ہوئے رستم تک جا پہنچے۔ اور رستم کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ رستم نے پہلے تو مقابلہ کیا لیکن جب زخمی ہو گیا تو پیٹھ پھیر کر بھاگا ہلال بن علقمہ نے فوراً آگے بڑھ کر بھاگتے ہوئے رستم کو اپنے برچھے کا نشانہ بنا لیا۔ کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ منہ کے بل نہر میں گر پڑا۔ علقمہ نے اب بھی چھوڑا نہیں اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر نکال کر قتل کر دیا پھر لشکر میں باواز بلند پکار کر کہا: خدا کی قسم میں نے رستم کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس آواز کے سنتے ہی اسلامی فوج نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور ایرانی بدحواس ہو کر بھاگنے شروع ہو گئے چنانچہ ان میں سے بیشتر سپاہی بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ غرضیکہ ایرانیوں کو اس جنگ میں جو ۱۵ھ میں لڑی گئی تھی بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

ایرانیوں کا جھنڈا جسے "درفش کاویان" کہتے تھے حضرت ضرار کے ہاتھ آیا۔ جس کی قیمت تیس ہزار درہم تھی۔ رستم کا لباس، سامان، اسلحہ ہلال بن علقمہ کے حوالے کئے گئے کیونکہ وہی اس کے مستحق تھے انہوں ہی نے رستم کا سر قلم کیا تھا۔ رستم کے لباس میں ہزارہا دینار کے جواہرات لگے ہوئے تھے جو علقمہ کے قبضے میں آئے۔ ایرانیوں کو اپنے مقدس جھنڈے کے چھن جانے کا بے حد صدمہ تھا کیونکہ اس جھنڈے کے چھن جانے کے بعد ایرانی عقیدہ کے مطابق انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب ایران کی حکومت کا آتش پرستوں کے ہاتھوں میں رہنا ناممکن ہے۔

قادسیہ کی اس جنگ میں ۲ ہزار مسلمان شہید ہوئے اور تیس چالیس ہزار ایرانی مارے گئے قادسیہ کی اس جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مال غنیمت آیا جس کا پانچواں حصہ فوراً خلیفہ اسلام کے پاس مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ خلیفہ اسلام حضرت عمرؓ اس جنگ کے نتیجہ کا بڑی بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ قادسیہ میں خدا نے مسلمانوں کو فتحیاب کر دیا ہے تو آپ کو بے حد مسرت ہوئی۔ اور آپ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ قادسیہ کی فتح کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس فتح کے بعد مسلمان ایران کے دارالسلطنت مداین کے دروازہ پر پہنچ گئے تھے کیونکہ مداین قادسیہ سے صرف تیس میل کے فاصلہ پر تھا۔

بصرہ کی تعمیر و دیگر فتوحات

قادسیہ کی فتح کے بعد سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت پر شہر بصرہ کی بنیاد اس جگہ رکھی جہاں دجلہ اور فرات ملتے ہیں۔ اور حکم دیا کہ بصرہ کی تعمیر کا کام فوراً شروع کر دیا جائے اس جدید شہر کے بسانے کا مقصد یہ تھا کہ اس ملک میں ایک ایسے جدید تجارتی شہر کی بنا ڈالی جائے جہاں سے دور دراز ممالک سے تجارت کرنے میں سہولت ہو چنانچہ آگے چل کر بصرہ بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔

سعد بن ابی وقاص کو اسی دوران میں دربار خلافت سے حکم ملا کہ وہ قادسیہ اور مداین کے درمیان کے چھوٹے چھوٹے شہروں کی فتح کی جانب متوجہ ہوں اس حکم کے ملتے ہی آپ لشکر لے کر بابل کی جانب روانہ ہو گئے۔ کیونکہ قادسیہ کی جنگ سے فرار ہونے والے سرداروں نے بابل میں پناہ لے رکھی تھی لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر بابل کی طرف آ رہا ہے تو وہ وہاں سے بھی بھاگے کچھ تو مداین کی جانب چلے گئے اور کچھ نے اہواز اور نہاوند کی جانب رخ کیا۔ بابل سے جاتے ہوئے انہوں نے راستہ کے تمام پل توڑ دیئے۔ تاکہ مسلمان نہروں کو عبور نہ کر سکیں مسلمان جب بابل پہنچے تو شہر خالی پڑا تھا لہٰذا بڑی آسانی سے مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔

بابل پر بلا مقابلہ قبضہ کرنے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص کوثی کی جانب متوجہ ہوئے۔ کوثی وہ تاریخی مقام ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو قید کیا تھا اسلامی لشکر جب کوثی کے مقام پہنچا تو مشہور ایرانی سردار شہر یار مسلمانوں کے مقابلہ پر میدان میں آگیا۔ لیکن ایک مسلم غلام جھل تے تن تنہا اس کے مقابلہ پر آکے اسے قتل کر دیا۔ شہر یار کا قتل ہونا تھا کہ کوثی کی تمام فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور بغیر لڑے اس مقام پر بھی مسلمانوں کا تسلط ہو گیا۔ کوثی کی فتح کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص اس جگہ تشریف لے گئے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کے زمانہ میں قید کیا گیا تھا بعض لوگ اس جگہ کو بہت مقدس سمجھتے تھے اس لیئے اب تک اس جگہ کو محفوظ رکھا گیا۔

کوثی پر اسلامی قبضہ ہو جانے کے بعد مسلمان مشہور شہر بہرہ شہرہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ یہ بہت خوبصورت شہر تھا جس کے ارد گرد بلند دیواریں تھیں۔ اس شہر کو ایک خصوصیت یہ حاصل تھی کہ شاہ ایران سال کے چند ماہ یہاں بھی گذارا کرتے تھے مسلمان جب اس شہر میں داخل ہوئے تو یہاں کی ایرانی فوجوں نے ہلکا سا مقابلہ کیا اور پھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسلامی فوج نے شہر کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

شاہ ایران کا فرار اور مدائن کی فتح

جب مسلمانوں نے بہرہ شہرہ کو فتح کیا تو شاہِ ایران یزدجرد اس وقت دار السلطنت مدائن میں تھا۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان بہرہ شہرہ پر قابض ہو چکے ہیں تو اس نے مال اور خزانوں کو مداین سے منتقل کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت سعد بن وقاص کو جب یہ پتہ چلا کہ شاہِ ایران مداین سے بھاگ رہا ہے۔ تو وہ بڑی تیزی کے ساتھ مداین کی طرف مع لشکر کے بڑھے لیکن سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ راستہ میں دریائے دجلہ حائل تھا۔ جتنے بھی پل تھے وہ ایرانیوں نے توڑ دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنے میں سخت دشواری پیش آرہی تھی۔ حضرت سعد کے پاس اتنا وقت تھا نہیں کہ وہ پل بنا لیتے آخر انہوں نے دجلہ کے اس حصہ کو تلاش کیا جہاں پانی کم تھا۔ فوج کے ایک حصہ کو تو دشمن پر تیر اندازی کے لیئے متعین کر دیا اور دوسرے حصہ کو لے کر سعد بن وقاص نے دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا اسلامی فوج نے بھی اپنے سپہ سالار کے ساتھ گھوڑے ڈالدیئے۔ اور پانی کی لہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑی مردانگی کے ساتھ دریا کو پار کرتے چلے گئے۔ ایرانی سپاہیوں نے ہر چند روکنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف کے مسلمانوں نے تیر برسا کر انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ غرضکہ سعد بن ابی وقاص اپنے لشکر کو لیئے ہوئے دجلہ کے پار اتر گئے جب ایرانی لشکر نے مسلمانوں کا راستہ روکنا چاہا

تو مجاہدین اسلام نے زبردست مقابلہ کیا آخر ایرانی لشکر کو شکست کھانا پڑی۔

مسلمانوں کے دجلہ پار کرنے سے قبل ہی شاہِ ایران یزدجرد اپنے اہل وعیال اور قیمتی مال و اسباب کو مداین سے منتقل کر چکا تھا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ مسلمان دجلہ پار کر چکے ہیں۔ اور مداین میں داخل ہو گئے ہیں۔ تو وہ لڑے بغیر ہی فرار ہو گیا۔ اور اس طرح کسی بڑی لڑائی کے بغیر ۱۶ھ مطابق ۶۳۷ء میں مسلمانوں کا ایران کے دارالسلطنت مداین پر قبضہ ہو گیا۔

محل شاہی میں نماز جمعہ

مداین نہایت ہی خوبصورت شہر تھا جس میں کسرائے فارس کے محل اور شاندار عمارتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں سعد بن ابی وقاص جب کسرائے فارس کے محل میں داخل ہوئے تو یہ جمعہ کا مبارک دن تھا آپ نے سب سے پہلے شکرانہ کی نماز ادا کی۔ رسول اللہ صلعم کی یہ پیشین گوئی یاد آئی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ " ایک روز کسرائے فارس کی حکومت پارہ پارہ ہو جائے گی" پھر آپ نے قصرِ ابیض میں جمعہ کی نماز کی تیاری شروع کی۔ جس جگہ کسریٰ کا تخت تھا وہاں ممبر رکھا گیا۔ جس پر سعد نے خطبہ پڑھا۔ خطبہ کے بعد سالارِ لشکر اور سپاہیوں نے اس شاہی محل میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ گویا ایران میں مسلمانوں نے جو پہلی جمعہ کی نماز پڑھی تھی، وہ کسریٰ کے شاہی محل میں ادا کی گئی تھی۔

کسرائے فارس کا محل نادر و نایاب سامان سے آراستہ تھا محل کے در و دیوار نہایت قیمتی تصاویر سے مزین تھے جو سونے اور چاندی کے چوکھٹوں میں جڑی ہوئی تھیں۔ اور حاشیہ پر جواہرات لگے ہوئے تھے۔ حضرت سعد نے پورے شاہی محل میں چل پھر کر تمام سامان کا جائزہ لیا دیواروں پر جو تصاویر لگی ہوئی تھیں انکو بدستور لگا رہنے دیا شاہ ایران اگرچہ بیشمار خزانہ اور قیمتی سامان شاہی محلوں سے لے گیا تھا لیکن پھر بھی شاہی محلات جواہرات، نوادرات اور مال و دولت سے بھرے ہوئے تھے۔ ان ہی نوادرات میں سے ایک ایک قالین بھی تھا جو ۶۰ گز چوڑا اور نوے گز لمبا تھا اس میں پھول پتیاں۔ درخت۔ نہریں اور تصویریں سب سونے چاندی کے تاروں اور جواہرات سے بنائی گئی تھیں۔

حضرت سعد نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور جو چیزیں کہ نوادرات میں شمار ہوتی تھیں مثلاً بادشاہوں کے تاج۔ نایاب ہتھیار اور وہ نادر روزگار قالین جس کا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، نیز دوسری بیش قیمتی اشیاء دربار خلافت میں روانہ کر دیں۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور یہ عجیب و غریب سامان کس قدر تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب سامان نو سو اونٹوں پر لادا گیا تھا۔ جب سامان مدینہ پہنچا تو لوگ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حضرت عمر فاروق نے اس تمام سامان کو منتقین

میں تقسیم کر دیا۔ نادر و نایاب قالین کے بارے میں عام لوگوں کی رائے تھی کہ اس کو تقسیم نہ کیا جائے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم کو اس قسم کے سامانِ امارت کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ قالین بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ یہ قالین کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے حصہ میں جو ٹکڑا آیا تھا گو وہ بہت عمدہ نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ آٹھ ہزار درہم نقرئی میں فروخت ہوا تھا اس کے علاوہ فوج میں جو مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تھا وہ بھی بے شمار تھا چنانچہ فوج کے ساٹھ ہزار سپاہیوں میں سے ہر سپاہی کے حصہ میں جو مال آیا وہ ڈیڑھ ہزار درہم نقرئی سے کم کا نہ تھا۔

جیلولہ کی حیرت ناک فتح

قادسیہ کی فتح کی طرح جیلولہ کی فتح کا واقعہ بھی ایران میں اسلامی فتوحات کا شاندار کارنامہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جیلولہ میں بارہ چودہ ہزار کی مختصر سی اسلامی فوج نے ڈیڑھ لاکھ ایرانی لشکر کو ایسی شکست دی تھی جس پر آج تک مورخین حیران ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ ایران جب شہر مدائن سے فرار ہو کر حلوان چلا گیا تو رستم کے بھائی خرزاد نے جیلولہ کو جو حلوان کے بالکل قریب ہے فوجی مرکز قرار دے دیا۔ اور وہاں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بے اندازہ فوج اس مقصد کے لئے فراہم کرنی شروع کر دی۔ تاکہ اس عظیم الشان فوج کی مدد سے تمام مفتوحہ علاقے مسلمانوں سے چھین لئے جائیں۔

خرزاد ابھی فوجیں فراہم ہی کر رہا تھا کہ اچانک بارہ ہزار کے اسلامی لشکر نے ہاشم بن عتبہ کی سرکردگی میں جیلولہ کا محاصرہ کر لیا اور ایرانیوں کے لئے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے۔ نیز ان راستوں پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا کہ جن راستوں سے جیلولہ میں کھانے پینے کا سامان آیا کرتا تھا۔ محاصرہ کئی مہینے جاری رہا اس لئے مسلمانوں اور ایرانیوں میں اس دوران میں متعدد لڑائیاں برابر ہوتی رہیں اور تقریباً ان تمام لڑائیوں میں ایرانیوں کو شکست ہی کھانی پڑی۔ لیکن پے در پے شکستوں کے باوجود بھی ان کو اپنی کثرت پر اور اپنی رسد کے ذخیرہ پر بڑا زعم تھا۔ اور یہ زعم اس وقت اور بھی بڑھ جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ اسلامی فوج کی تعداد کسی طرح بھی بارہ چودہ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ آخر ایرانی ایک آخری اور فیصلہ کن جنگ کا تہیہ کر کے ٹڈیوں کی طرح جیلولہ کے قلعہ سے نکل پڑے۔ بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ لیکن شام ہوتے ہوتے ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ ایرانیوں کو بری طرح شکست ہوئی۔ ایک لاکھ سے بھی زیادہ ایرانی اس معرکہ میں مارے گئے اور تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اللہ اللہ کیا جوش ایمانی تھا کہ مٹھی بھر مسلمان لاکھوں کے لشکر سے ٹکرا جاتے تھے اور اسے کاٹ کر رکھ دیتے تھے اور پھر بھی ان کے حوصلے پست نہیں ہوتے تھے۔

حلوان پر اسلامی فوج کا قبضہ

جبولہ کی شکست نے ایرانیوں کے حوصلے توڑ دیئے تھے۔ اور اب مقابلہ کی کوئی قوت وہمت ان میں باقی نہیں رہی تھی۔ شاہِ ایران یزدجرد جو جبولہ کے معرکہ کے وقت حلوان میں تھا جب اسے معلوم ہوا کہ جبولہ بھی مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔ اور اس پر قابض ہو گئے ہیں اور لاکھ سوا لاکھ ایرانی تہہ تیغ کر دیئے گئے ہیں تو اس نے سمجھ لیا کہ اب حلوان کی بھی خیر نہیں لہٰذا وہ حلوان چھوڑ کر رَے کی طرف بھاگ گیا۔

حلوان بالکل جبولہ کے متصل تھا اس کا حاکم خسرو شنوم تھا۔ اسلامی لشکر جبولہ سے فارغ ہوتے ہی حلوان کی طرف بڑھا اور شہر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ حلوان کا حاکم ایرانیوں کی ناکامی سے دل شکستہ ہو چکا تھا۔ اس مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں اسلامی لشکر کا اچانک آجانا اس کے لیئے انتہائی پریشانی کا باعث بن گیا۔ تاہم وہ مقابلہ پر آیا مگر بہت جلدی شکست کھانے کے بعد راہِ فرار اختیار کرنی پڑی اور مسلمان حلوان پر بھی قابض ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں جبولہ اور حلوان کا بے اندازہ مالِ غنیمت بھیجا گیا تو آپ مسلمانوں کی ان شاندار فتوحات سے بے حد خوش ہوئے یہ دونوں لڑائیاں بھی ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں لڑی گئی تھیں۔

کوفہ کی تعمیر، سعد کے محل کا انہدام

ایران کے فوجی گورنر سعد بن ابی وقاص نے مداین کی فتح کے بعد مداین کو ایران کی جدید اسلامی سلطنت کا صدر مقام بنا لیا تھا۔ لیکن اس شہر کی آب و ہوا عربوں کو موافق نہیں آئی۔ اور عرب نئی نئی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ ان تمام حالات سے سعد نے جب خلیفہ اسلام کو مطلع کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو ہدایت کی کہ ایران کی جدید اسلامی سلطنت کے صدر مقام کے لیئے کوئی ایسی جگہ تجویز کر لی جائے جہاں کی آب و ہوا عربوں کے مزاج کے مطابق ہو اور وہیں تمام سرکاری دفاتر منتقل کر دیئے جائیں۔ سعد بن ابی وقاص نے کافی غور و خوض کے بعد دریائے فرات کے مغرب میں اس مقصد کے لیئے ایک علاقہ تجویز کیا اور وہاں ایک نئے شہر کی تعمیر ۱۷ھ میں شروع کی۔ اس نئے شہر کا نام کوفہ رکھا گیا۔ کوفہ کی تعمیر کے لیئے پتھر، سنگِ مرمر اور دوسرا عمارتی سامان مداین کی شکستہ عمارتوں سے حاصل کیا گیا۔ اور اس طرح کوفہ ایک نہایت شاندار شہر بن گیا۔ کوفہ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے لیئے شاہانِ ایران کی طرح ایک نہایت ہی شاندار محل خاص طور پر تعمیر کرایا تھا۔ اس محل کا دروازہ کسرائے فارس کے محل کے دروازوں کی طرح شاندار اور بلند و بالا تھا۔ ابھی یہ محل زیرِ تعمیر ہی تھا کہ حضرت عمرؓ کو اس کی تعمیر کا علم ہوا تو آپ کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ عرب کے سردار اپنی

اپنی سادگی چھوڑ کر غیر ملکیوں کی تقلید میں تکلفات میں مبتلا ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ کو سوائے محل کی تعمیر کے جو ناگواری ہوئی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے مدینہ سے اپنا خاص آدمی بھیج کر اس محل کو آگ لگوا کر خاک کا ڈھیر کروا دیا اور سعد بن ابی وقاص کو اپنے خط میں تحریر کیا کہ تم کو شاہانِ روم اور کسرائے ایران کی تقلید کرتے ہوئے ہرگز ایسے شاندار محلوں میں نہیں رہنا چاہیئے جن میں غربا اور عام آدمی انصاف اور فریاد کے لیئے آتے ہوئے ڈریں۔" چنانچہ محل کے جلنے کے بعد سعد نے اپنے لیئے ایک سادہ سا مکان بنا لیا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کس قدر سادگی پسند تھے۔ اور امیرانہ تکلفات سے انہیں کس قدر نفرت تھی۔ ساتھ ہی حضرت سعد کی سعادتمندی اور اطاعتِ خلیفہ کا جذبہ بھی قابلِ تعریف ہے۔

اہواز کی فتح

اہواز کے حاکم ہرمزان کو بصرہ کی تعمیر کی وجہ سے سخت مالی نقصان پہنچا تھا، کیونکہ اس جدید شہر کی تعمیر کے بعد اہواز کی تجارتی منڈیاں پٹ ہو گئی تھیں۔ ہرمزان جو ایران کے قدیم شاہی خاندان سے تھا اس نے بصرہ کو تباہ اور برباد کرنے کے لیئے بصرہ پر حملہ کر دیا، لیکن اسلامی لشکر کے مقابلہ میں اسے بری طرح شکست ہوئی اور اسے اپنا نصف ملک دے کر مسلمانوں سے صلح کرنی پڑی۔

شاہ ایران یزدجرد جو اس وقت رے میں مقیم تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ ہرمزان نے مسلمانوں سے دب کر صلح کر لی ہے تو اس نے اس کو سخت برا بھلا کہا جس سے ہرمزان اتنا متاثر ہوا کہ مسلمانوں سے عہد شکنی کرنے کے بعد دوبارہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اس کا علمِ بغاوت بلند کرنا تھا کہ اسلامی لشکر نے چاروں طرف سے اہواز کا محاصرہ کر لیا۔ جب اس محاصرہ کو کئی مہینے گذر گئے تو ایک مخبر کی خبر دینے پر چند مجاہدینِ اسلام ایک بڑے نالے کے راستے سے اہواز کے قلعے میں داخل ہو گئے اور پہرداروں کو قتل کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور اس طرح ۱۹ھ میں اہواز بھی فتح ہو گیا۔

ایرانی شہزادہ کا قبولِ اسلام

مسلمان جس وقت اہواز کی فتح کے بعد قلعہ میں داخل ہوئے تو ہرمزان اس وقت ایک برج میں تھا۔ اس نے برج ہی سے مسلمانوں سے صلح کی گفتگو شروع کر دی۔ اور گذارش کی کہ مجھے خلیفۂ اسلام کے پاس لے چلو وہ میرے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے میں اس کے لیئے رضامند ہوں۔ مسلمانوں نے اس کا مطالبہ منظور کر لیا اور اسے حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

ہرمزان جس وقت مدینہ پہنچا تو حضرت عمر اپنے مکان پر نہیں تھے بلکہ مسجد نبوی میں تھے اس لیئے محافظ

دستہ ہرمزان کو مسجد نبوی کی طرف لے گیا۔ ہرمزان نے دیکھا کہ خلیفہ وقت پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے اور اپنا عصا سر کے نیچے رکھے ہوئے مسجد نبوی میں ایک چٹائی پر سو رہے ہیں۔ خلیفہ اسلام کی یہ سادگی دیکھ کر ہرمزان حیران رہ گیا۔ اور اس نے کہا کہ یہ شان بادشاہوں کی نہیں ہے۔ بلکہ اس سادگی میں تو پیغمبری کی جھلک مجھے دکھائی دے رہی ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً حضرت عمر کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

سعد کی برطرفی، نہاوند کی فتح

ایران کے فوجی گورنر سعد بن ابی وقاص کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ وہ شاہانِ فارس کی طرح عشرت پسندی کی جانب راغب ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دربارِ خلافت میں ان کے عدل و انصاف کے بارے میں بھی مسلسل شکایتیں پہنچ رہی تھیں۔ حضرت عمر جیسے مزاج کے بزرگ ان چیزوں کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے نعمان کو ان کی جگہ ایران کا فوجی گورنر مقرر کیا اور انہیں کے ہاتھ حضرت سعد کی معزولی کا پروانہ روانہ کر دیا حضرت سعد کو خلیفہ اسلام کے حکم میں کوئی پس و پیش نہیں ہوا۔

شاہِ ایران یزدجرد اور ایرانی سرداروں کو رے میں جب پتہ چلا کہ ایران کا فاتح اعظم سعد بن وقاص معطل کر دیا گیا ہے تو ایرانیوں کو بہت خوشی ہوئی۔ حوصلے بڑھ گئے اور ان کے شکستہ دلوں میں امید کی نئی جھلک پیدا ہو گئی۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب ایران کا مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لینا کوئی دشوار نہیں چنانچہ مفتوحہ علاقوں کو واپس لینے کے لئے ایرانیوں نے نئے سرے سے زبردست تیاریاں شروع کر دیں اور اس مقصد کے لئے نہاوند کے مقام پر بے اندازہ ایرانی لشکر فیروزان کی سرکردگی میں جمع ہو گیا۔ فیروزاں نے نہاوند کے گرد خندق کھدوائی اور اسے پانی سے بھر دیا تاکہ ایرانی مورچہ بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔

نئے گورنر نعمان کی شہادت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ ایرانی نئے سرے سے حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں تو انہوں نے نعمان کو جو ان دنوں اہواز میں تھے لکھا کہ وہ اپنا لشکر لے کر فوراً نہاوند پہنچ جائیں۔ اور ساتھ ہی ہر چہار طرف سے ان کی مدد کے لئے کئی امدادی لشکر روانہ کئے۔ نعمان حسب ہدایت نہاوند پہنچ کر دشمن کے لشکر کے سامنے صف آرا ہو گئے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ایرانی مقابلہ پر آنے کا نام ہی نہیں لیتے تو نعمان نے اس طرح اپنا لشکر ہٹانا شروع کیا جیسے وہ میدان سے بھاگ رہے ہوں ایرانی

مقابلہ میں آگئے اور انہوں نے اسلامی لشکر کا تعاقب شروع ہی کیا تھا کہ اسلامی لشکر نے پلٹ کر بری طرح سے حملہ کر دیا ایرانیوں کا سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ بدحواس ایرانی لشکر کہ جن کی تعداد نوے ہزار بتائی جاتی ہے۔ مسلمانوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ سپہ سالار فیروزاں بھاگنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں نے بڑھ کر خاتمہ کر دیا۔ اور مسلمان نہاوند پر قابض ہو گئے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نوے ہزار ایرانی مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے نہاوند کی اس فتح کے بعد جب نعمان چند مفرورین کا تعاقب کر رہے تھے تو دشمن کا ایک تیر ان کے آکر لگا اور یہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے حضرت حذیفہ کو اپنا نیا سپہ سالار منتخب کر لیا۔

نہاوند کی فتح کے بعد آتش پرستوں کا ایک مذہبی رہنما سالار لشکر حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ان کی خدمت میں سربمہر جواہرات کا صندوق پیش کرتے ہوئے کہا "یہ صندوق شاہ ایران یزدجرد نے جاتے ہوئے میرے سپرد کر گیا تھا۔ اب چونکہ آپ اس ملک کے بادشاہ ہیں اس لیئے یہ امانت میں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت حذیفہ نے اس کو کھول کر دیکھا تو یہ قیمتی جواہرات سے بھرا ہوا تھا حذیفہ نے یہ سوچتے ہوئے کہ یہ جواہرات ہم کو جنگ میں ہاتھ نہیں آئے ہیں بلکہ جنگ کے بعد بطور امانت پیش کئے گئے ہیں۔ خلیفہ اسلام کی خدمت میں ان کو روانہ کر دیا خلیفہ کے پاس جب جواہرات کا یہ صندوق پہنچا تو آپ نے جواہرات کو ایک نظر دیکھ کر واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ "ان جواہرات کے مستحق ہم نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا خون پانی کی طرح بہا کر اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر نہاوند جیسے مضبوط قلعہ کو فتح کیا ہے" حذیفہ نے ان جواہرات کو فروخت کرنے کے بعد جب ان کی رقم لشکر میں تقسیم کی تو ہر پیادہ کو دو ہزار اور ہر سوار کو چار ہزار اشرفی ملی۔

ہمدان، اصفہان وغیرہ کی فتح

نہاوند میں شکست کھانے کے بعد ایرانی لشکر نے ہمدان میں جمع ہونا شروع کیا۔ ہمدان ایران کا ایک بہت بڑا شہر تھا یہاں کثرت سے مالدار یہودی آباد تھے۔ یہ ایران کا سب سے خوشحال خطہ تصور کیا جاتا تھا جب حضرت حذیفہ نے اس شہر کا محاصرہ کیا تو یہاں کے حاکم نے صلح کر لی۔ لیکن صلح کا مقصد اطاعت نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا تھا۔ اور ایرانی لشکر کے آنے کا انتظار تھا۔ چنانچہ ایرانی لشکر کے آتے ہی وہ مسلمانوں سے لڑنے مرنے کے لیئے آمادہ ہو گیا۔ بڑی خوفناک لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی نہاوند کی جنگ سے بھی زیادہ سخت تھی آخر تین روز کی مسلسل خونریزی کے بعد مسلمانوں نے ہمدان فتح کر لیا۔ اور پھر پورے شہر کو قبضہ میں لے کر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔

ہمدان کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے اصفہان، قومس، دامغان اور جرجان پر دھاوا بول دیا ایرانیوں کے حوصلے ہر جگہ پست ہو چکے تھے۔ تھوڑی سی مزاحمت کے بعد سب مقامات فتح کر لئے گئے کا علاقہ بھی زیر ہو گیا۔ آذربائیجان جہاں آتش پرستوں کا سب سے بڑا آتش کدہ تھا اس کی فتح میں مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مورچہ پر آتش پرست ایرانی پورے مذہبی جوش کے ساتھ لڑے لیکن مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو شکست اٹھانا پڑی۔ اور آذربائیجان پر بھی ۲۲ھ و ۶۴۳ء میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اسلامی فوجیں ان فتوحات کے بعد کوہ قاف کے دروں کی جانب بڑھیں۔ اور یہاں پر مجاہدین اسلام نے ان تمام اہم علاقوں کو فتح کر لیا۔ جہاں سے تاتاری ترکوں کے ایران میں داخلہ کا اندیشہ تھا۔ حضرت بکیر نے آرمینیا فتح کر لیا عبدالرحمان بن ربیعہ نے شہر بیضا اور علاقہ خزر تسخیر کر لیا۔

۲۳ھ و ۶۴۴ء میں عاصم بن عمر نے سیستان پر فوج کشی کر کے اسے زیر کر لیا۔ اور اسی سال عمرو تغلبی نے مکران اور بلوچستان پر یورش کر دی کیونکہ یہاں کا راجہ راسل جو شاہ ایران کا باجگذار اور طرفدار تھا مسلمانوں کو بہت پریشان کرتا رہتا تھا۔ اس راجہ نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایرانیوں کو بے حد مدد دی تھی۔ مکران کے لئے بڑی سخت جنگ کے بعد راجہ کو شکست ہو گئی۔ اس جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اس میں چند ہاتھی بھی تھے جو خلیفۂ اسلام حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیئے گئے۔ غرضکہ اسلامی فوجوں نے چند سال کے اندر اندر ایرانیوں کی اس سلطنت کے بیشتر حصہ کو فتح کر لیا جو مغرب کی سب سے عظیم الشان اور سب سے مضبوط حکومت شمار کی جاتی تھی۔ ایک وہ دن تھا جبکہ عربوں کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر گھبرا رہے تھے اور پھر ایرانی فتوحات کے بعد مال غنیمت میں ہاتھی خلیفہ اسلام کی خدمت میں پیش کئے گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت

حضرت عمر فاروقؓ نے چونکہ آتش پرستوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا تھا اس لئے آتش پرست آپ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ چنانچہ فیروز ابو لولو نامی آتش پرست ایک روز صبح کی نماز کے وقت نمازیوں کی صف میں آ کر کھڑا ہو گیا اور عین اس وقت جب کہ حضرت عمر فاروقؓ نماز پڑھا رہے تھے اس نے صف میں سے نکل کر خنجر سے پے در پے حضرت عمر فاروقؓ پر چھ وار کئے۔ فاروق اعظمؓ نے زخمی ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اگلی صف میں سے کھینچ کر امامت کے لئے اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور زخموں کی تکلیف سے بے ہوش ہو گئے۔ مسلمانوں نے ابو لولو کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے

کئی شخصوں کو زخمی اور کلیب بن ابی بکیر کو شہید کر دیا۔ غرضکہ مسلمانوں نے بڑی مشکل سے اسے گرفتار کیا مگر اس نے گرفتار ہوتے ہی خودکشی کر لی۔ فیروز ابو لولو ایرانی فتوحات میں غلام بنا کر لایا گیا تھا۔ اور مغیرہ بن شعبہ کو بطور غلام کے دے دیا گیا تھا۔ یہ اگرچہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ رہتا تھا مگر دل میں آتش پرستی کے جذبات ہنوز موجود تھے۔ حضرت عمرؓ کو مسجد سے اٹھا کر گھر لایا گیا گھر آنے کے بعد آپ کو جب ہوش آیا تو آپ نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون ہے؟" لوگوں نے ابو لولو کا نام بتایا تو آپ نے فرمایا کہ "خدا کا شکر ہے کہ میں کسی مسلمان کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا"۔

مورخوں کا بیان ہے کہ ایک روز اس غلام نے حضرت عمر فاروقؓ سے شکایت کی کہ میرا آقا مغیرہ مجھ سے دو درہم یومیہ لیتا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے اس سے پوچھا کہ "تو کیا کام کرتا ہے" اس نے جواب دیا کہ "آہنگری، نجاری اور نقاشی کا کام کرتا ہوں" آپ نے فرمایا کہ "تو ایک اچھا کاریگر ہے۔ اس اعتبار سے یہ رقم زیادہ نہیں ہے" اس پر فیروز کو ناگواری پیدا ہوئی اور وہ حضرت عمر فاروق کو قتل کی دھمکی دے کر چلا گیا۔ اور تین دن کے بعد اس نے خلیفۂ اسلام پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ لیکن بعض مورخوں کی رائے ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ پر یہ قاتلانہ حملہ محض ابو لولو کی ذاتی رنجش کی بنا پر نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی تہہ میں ایک بہت بڑی سازش کام کر رہی تھی۔ جس کا مقصد سلطنتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانا تھا اور غالباً یہی رائے درست بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے ایرانی اور عیسائی صرف دکھاوے کے لئے مسلمان ہوئے تھے۔ اندرخانہ ان کی مخالفت اور اسلام دشمنی بدستور موجود تھی۔ اور وہ برابر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ابو لولو کی یہ حرکت یقیناً اس سازش کا نتیجہ ہے۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق کی حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ آپ کے پیٹ میں جو کاری زخم لگا تھا اس کی وجہ سے آپ کا معدہ پھٹ گیا تھا چنانچہ جو چیز بھی آپ کو پلائی جاتی تھی وہ زخم کے راستہ سے باہر آ جاتی تھی۔ صحابہ نے یہ مایوس کن حالت دیکھی تو عرض کیا کہ جس طرح حضرت ابو بکرؓ صدیق نے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اسی طرح آپ بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ آپ نے جواب دیا "میں وہ نہیں کر سکتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا" آپ نے چھ مقتدر حضرات کی مجلس شوریٰ بنا دی اور ان کو اختیار دے دیا کہ وہ ان چھ میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ اس مجلس شوریٰ کے ارکان کے نام یہ ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔

آپ نے فرمایا کہ "یہ چھ کے چھ حضرات خلافت کے لائق ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ حضرت علیؓ یا حضرت عثمان منتخب کئے جائیں گے۔"

حضرت عمرؓ انصار مدینہ کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ ان کی دلجوئی کرتے رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے انتقال سے قبل فرمایا کہ "میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد جو خلیفہ منتخب ہو وہ انصار کے حقوق کا ہمیشہ خیال رکھے۔ یہ ہمارے محسن ہیں۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ نیز مہاجرین کا بھی خیال رکھنا کیونکہ اسلام انہیں کے گھر سے پھیلا ہے۔ اسی طرح ذمیوں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا ان سے جو وعدہ کیا جائے اسے پورا کرنا۔ دشمنوں سے ان کی حفاظت کی جائے۔ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔

اس وصیت کے بعد آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو بلا کر حکم دیا کہ "اٹھارہ ہزار درہم جو ہم نے بیت المال سے قرض لئے تھے اس کو فوراً ادا کردو" لوگوں نے کہا "اس کی کیا ضرورت ہے کیونکہ آپ نے یہ رقم کارِ خیر میں صرف کی ہے۔" آپ نے جواب دیا "یہ درست ہے مگر میری خواہش یہی ہے کہ بیت المال کا قرضہ فوراً ادا ہو جائے۔ اس کے بعد آپ نے عبداللہ بن عمر سے کہا "حضرت عائشہ کے پاس جاؤ اور ان سے درخواست کرو کہ وہ مجھے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کی اجازت دیدیں۔ عبداللہ بن عمر نے جب حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عمرؓ کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا "یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں عمر فاروقؓ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں" حضرت عمر فاروق کو جب معلوم ہوا کہ ان کو دوست کے پہلو میں جگہ مل گئی ہے۔ تو بے حد خوش ہوئے اور فرمایا خدا کا شکر ہے کہ "میری دیرینہ تمنا پوری ہو گئی۔"

حضرت عمرؓ زخمی ہونے کے بعد صرف تین دن زندہ رہے یہ تینوں دن بڑے قیامت خیز تھے۔ ہر طرف غم والم کے بادل چھائے ہوئے اور مسلمان دور دور سے آ کر آپ کی عیادت کر رہے تھے آخر ۶۳ سال کی عمر میں یکم محرم ۲۴ھ کو رحلت فرما گئے۔ اسی روز آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا آپ نے ساڑھے دس برس خلافت کی۔ آپ کے انتقال پر نہ صرف مکہ اور مدینہ میں بلکہ پوری مملکت اسلامیہ میں کہرام مچ گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے چھ نکاح کئے تھے جن سے کئی اولادیں پیدا ہوئی تھیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے آخر عمر میں حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے شادی کی تھی مگر یہ روایت اس وجہ سے ضعیف ہو جاتی ہے کہ اکثر مورخین نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے۔ حضرت عمرؓ

کی اولاد میں حضرت حفصہ زوجہ رسول اللہ صلعم اور حضرت عبداللہ بن عمر بہت نامور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رسول مقبول صلعم کے ساتھ تقریباً تمام لڑائیوں میں شریک رہے ہیں۔

خلیفہ ثانی کا کردار

حضرت عمر فاروق نہایت ہی بلند کردار کے مالک تھے خدا نے آپ کو بڑا ہی قوی دماغ اور سلجھی ہوئی عقل عطا کی تھی۔ آپ انصاف کے معاملہ میں دوست اور دشمن میں مطلق تمیز نہیں کرتے تھے آپ بہترین مدبر ہونے کے ساتھ لائق ترین فوجی جرنل بھی تھے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جس اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی آپ نے اپنے دور حکومت میں بے خوب ترقی دی۔ آپ مملکت اسلامیہ کے افسروں اور سپہ سالاروں پہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ کسی لائق سے لائق حاکم کے بارے میں آپ کو جب یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اس نے طرز زندگی میں کوئی خاص تبدیلی پیدا کر لی ہے تو آپ اسے فوراً معزول کر دیتے۔

سب سے بڑے اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن ولید سے آپ اسی لیئے خفا رہتے تھے کہ وہ ضرورت سے زیادہ خرچ کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے ان کو لشکر اسلام کی سرداری سے معزول کر دیا تھا آپ نے دوسرے بڑے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کے محل کو آگ لگوا دی تھی۔ اور محض اس لیئے ان کو معطل کر دیا تھا کیونکہ سعد نے ایرانی بادشاہوں جیسا رنگ ڈھنگ اختیار کر لیا تھا اور عوام کو ان کے انصاف کے بارے میں شکائتیں پیدا ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ آپ جس مسلمان کو بھی رومیوں یا ایرانیوں جیسا شاندار لباس پہنے ہوئے دیکھتے تھے تو اسے پھاڑ ڈالتے تھے۔ آپ گورنر شام امیر معاویہ کے بارے میں شاکی تھے کہ انہوں نے اسلام کی سادگی چھوڑ کر رومی بادشاہوں کا طرز تمدن اختیار کر لیا تھا حضرت عمر فاروقؓ خود بھی سادہ زندگی گذارتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ دوسرے مسلمان بھی سادہ زندگی گذاریں۔ آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ شاہانِ وقت جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپ کے لباس میں پیوند لگے ہوئے دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔

آپ بڑے دریا دل اور فیاض تھے آپ کے پاس جو بھی مال غنیمت آتا تھا آپ اسے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے یہاں تک کہ اپنے لیئے دوسرے وقت کے کھانے کو بھی باقی نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اسلام کے پرانے خادموں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے لیئے گرانقدر وظائف مقرر کر رکھے تھے چنانچہ حضرت عباس جو رسول اکرم کے چچا تھے ان کا سالانہ وظیفہ دو لاکھ درہم تھا اور حضور کے دوسرے قرابت داروں کا وظیفہ بھی ان کے مدارج کے مطابق مقرر تھا جو لوگ جنگ بدر میں لڑے تھے ان کو پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ دیا جاتا تھا اور اسی طرح جن مجاہدین نے شام۔ ایران اور مصر میں جنگی کارنامے

انجام دیتے تھے ان کو بھی معقول پنشن دی جاتی تھی ۔ رسول مقبول صلعم کی تمام ازواج مطہرات کا وظیفہ دس دس ہزار درہم سالانہ تھا لیکن حضرت عائشہ صدیقہ کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیا جاتا تھا حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کا سالانہ وظیفہ پانچ پانچ ہزار درہم تھا اس کے علاوہ دیگر مستحق حضرات کے بھی حسب حیثیت وظائف مقرر تھے ۔

ملکی خدمات

ملکی اصلاحات میں بھی آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں آپ نے حکومت کا کاروبار چلانے کے لیئے باقاعدہ بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا ۔ فوج کے لیئے دفتر قائم کیا ۔ رضا کاروں کے لیئے تنخواہیں مقرر کیں ۔ ملک کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا ۔ مردم شماری کرائی ۔ نہریں کھدوائیں ۔ شہر آباد کئے ۔ مقبوضہ علاقوں کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا ۔ اور ہر صوبے کے لیئے گورنر اور حکام مقرر کئے ۔ جیل اور پولیس کا محکمہ مقرر کیا ۔ پرچہ نویس یعنی سی آئی ڈی اور مخبروں کو مقرر فرمایا سڑکیں بنوائیں اور مسافروں کے لیئے سڑکوں پر کنویں اور سرائیں تعمیر کرائیں ۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے لیئے وظیفے مقرر کئے ۔ مملکت اسلامیہ میں باقاعدہ سکے جاری کئے ۔ آپ ملزموں کو سزا دینے میں بہت سخت تھے ۔ کوڑے کی سزا آپ ہی نے ایجاد کی تھی چنانچہ "درہ عمر" آج تک مشہور ہے ۔ اور راتوں کو خود گشت کرکے رعایا کا حال معلوم کرتے تھے آپ ہی کے دور میں باجماعت نماز تراویح کی ابتدا ہوئی ۔

حقیقت یہ ہے کہ دورِ عمرؓ کی فتوحات پر غور کرنے کے بعد عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے ۔ آپ کی فتوحات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو ملک آپ کے دور خلافت میں فتح ہوئے ان کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا ۔ اس بائیس لاکھ مربع میل کے اندر ۳۶ ہزار شہر اور قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے ۔ شام و فلسطین ۔ مصر ۔ ایران ۔ خراسان ۔ مکران ، اور آرمینیا جیسے ممالک آپ ہی کے زمانہ خلافت میں سلطنتِ اسلامیہ میں شامل ہوئے ۔ ان ممالک میں دینِ اسلام کو خوب فروغ حاصل ہوا غرضیکہ آپ کے دورِ حکومت میں اس قدر فتوحات حاصل ہوئیں جن کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے ۔

دورِ فاروقی کے متفرق واقعات

حضرت عمر فاروقؓ کے ایثار ۔ سچائی اور دینداری کے واقعات سے تاریخوں کے صفحات رنگے پڑے ہیں ۔ ہم ان سینکڑوں واقعات میں سے صرف چند واقعات ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے کہ آپ کے اعلیٰ کردار کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے ۔

چادر کی تقسیم پر اعتراض

حضرت عمرؓ میں بلا کا تحمل اور رواداری تھی چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ ممبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو سنو ایک شخص نے فوراً اٹھ

کہا کہ ہم تمہاری بات ہرگز نہیں سنیں گے" آپ نے پوچھا کہ "اس کی وجہ کیا ہے" وہ شخص بولا کہ مالِ غنیمت میں جو چادریں آئی تھیں وہ سب میں ایک ایک تقسیم ہوئی تھی لیکن آپ کے بدن پر جو کرتا ہے وہ ایک چادر میں نہیں بن سکتا جب تک آپ یہ نہ بتائیں گے کہ یہ زائد کپڑا آپ کے پاس کہاں سے آیا اور حصہ سے زیادہ آپ نے کیوں لیا۔ ہم آپ کی کوئی بات نہیں سنیں گے" آپ نے یہ اعتراض سن کر اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ صحیح ہے کہ سب کو ایک ہی چادر ملی ہے۔ اور امیر المومنین کو بھی ایک ہی چادر ملی تھی۔ لیکن چونکہ ان کا لانبا کرتا ایک چادر میں نہیں بن سکتا تھا اس لئے میں نے اپنے حصہ کی چادر ان کو دے دی تھی" معترض نے کہا اب میرا شک رفع ہو گیا۔ فرمائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ہم آپ کے ہر حکم کے بجا لانے کے لئے تیار ہیں" اللہ اللہ کیا زمانہ تھا کہ ایک معمولی شہری بھرے مجمع میں خلیفۂ وقت سے جواب طلب کر لیتا تھا۔

ایک معصوم لڑکی کی حق گوئی

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے غلام اسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ میں رات کے وقت گشت کر رہے تھے کہ ایک مکان کی دیوار کے نیچے سے جب آپ گذرے تو آپ نے سنا کہ ایک دودھ فروش کی عورت کہہ رہی ہے کہ "بیٹی دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دے" لڑکی نے جواب دیا کہ "امیر المومنین نے ابھی تھوڑے دن ہوئے منادی کرائی ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کیا جائے پھر دودھ میں پانی کیسے ملایا جا سکتا ہے" عورت بولی "یہاں نہ امیر المومنین ہیں اور نہ منادی کرنے والا پھر کس بات کا ڈر ہے" لڑکی نے جواب دیا "اماں مگر یہ دیانت کے خلاف ہے" یہ گفتگو سن کر حضرت عمر بہت خوش ہوئے اور اس لڑکی کی حق گوئی اور دیانت سے متاثر ہو کر اپنے بیٹے عاصم بن عمر کی اس کے ساتھ شادی کر دی۔ اسی دودھ فروش کی لڑکی کے بطن سے ام عاصم پیدا ہوئیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے عابد و زاہد خلیفہ کی والدہ تھیں۔

حضرت عمر فاروق عدالت میں

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں عوام کو اس قدر آزادی حاصل تھی کہ اگر کوئی شخص چاہتا تھا تو خلیفۂ وقت تک کو عدالت میں کھینچ بلاتا تھا چنانچہ ایک شخص ابی نے حضرت عمرؓ کے خلاف قاضی کی عدالت میں دعوے دائر کر دیا حضرت عمرؓ بلا تکلف جواب دہی کے لئے عدالت میں جا پہنچے۔ آپ جیسے ہی عدالت میں پہنچے حاکمِ عدالت زید آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ "یہ بات اصولِ انصاف کے خلاف ہے۔ کہ مقدمہ کے فریقوں میں سے کسی ایک فریق کو فوقیت دی جائے" یہ کہہ کر آپ مدعی کے برابر بیٹھ گئے۔ ابی کے پاس اپنے دعوے کے حق میں کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا۔ اور حضرت عمرؓ

کو دعوے کی سچائی سے انکار تھا۔ اس پر مدعی نے کہا کہ حضرت عمرؓ قسم کھائیں تو میں دعوے واپس لے لوں گا۔" اس پر حاکم نے کہا کہ امیرالمومنین کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ ان سے قسم نہیں لی جا سکتی۔" اس پر حضرت عمرؓ بولے کہ "جب تک تمہارے نزدیک ایک معمولی آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہیں ہوں گے تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔"

بادشاہی میں درویشی کی شان سلطنتِ اسلامیہ کے اس شہنشاہ کی سادگی کی کیا کیفیت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے کپڑوں میں اکثر پیوند لگے رہتے تھے۔ اگر پیوند کے لئے کپڑا نہیں ملتا تھا تو باریک چمڑے کا بھی پیوند لگا لیتے تھے ایک مرتبہ کچھ لوگ ملنے آئے تو آپ کسی قدر دیر سے گھر سے نکلے بعد کو معلوم ہوا کہ آپ کے کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ دوسرا جوڑا آپ کے پاس تھا نہیں۔ اس لئے آپ نے بدن کا جوڑا دھو کر ڈال دیا تھا جب یہ سوکھ گیا تو آپ باہر تشریف لائے۔

بیت المال پر خلیفہ کا کوئی حق نہیں ایک مرتبہ کسی مرض کی وجہ سے طبیب نے آپ کو شہد کھانے کی ہدایت کی آپ کے ہاں شہد نہ تھا اور نہ کسی دوسری جگہ مل سکا البتہ بیت المال میں شہد ضرور موجود تھا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ بیت المال سے شہد کیوں نہیں لے لیتے؟ آپ نے جواب دیا کہ "بیت المال میرا نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کا ہے۔ جب تک عام مسلمان مجھ کو اجازت نہ دیں۔ میں کیسے لے سکتا ہوں۔ آخر مجمع عام میں جب مسلمانوں سے آپ نے اجازت لے لی۔ تب بیت المال سے شہد لے کر استعمال کیا۔ یہ تھا دیانت اور احتیاط کا عالم۔

مکان فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا حضرت عمر فاروقؓ کو اپنے آخری وقت میں بیت المال کے قرضہ کی ادائیگی کی بڑی فکر تھی۔ چنانچہ آپ نے مرنے سے قبل اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ میرا مکان بیچ کر قرضہ ادا کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کا مکان جو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا اسے امیر معاویہ نے خرید لیا اور آپ کا قرضہ ادا ہو گیا۔

بیٹے کو خلافت دینے سے انکار حضرت عمرؓ کے زخمی ہونے کے بعد جب لوگ آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے تو آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے اس بات کی خواہش کی کہ آپ اپنے بعد عبداللہ بن عمرؓ کو جو بے حد نیک اور صالح ہیں خلافت کے لئے نامزد کر دیں۔ آپ یہ سن کر بے حد ناراض ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ "عمرؓ کے گھر میں صرف عمرؓ ہی کا خلیفہ ہونا کافی ہے۔"

مشک کی تقسیم میں احتیاط

حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک مرتبہ بحرین سے مشک آیا آپ نے فرمایا کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دے۔ آپ کی بیوی عاتکہ نے عرض کیا میں تول دیتی ہوں۔ آپ خاموش ہو گئے۔ اور دوبارہ پھر فرمایا کوئی تول کر تقسیم کر دے اہلیہ نے پھر اجازت مانگی۔ آخر تیسری مرتبہ آپ نے بیوی سے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم اس کو اپنے ہاتھ سے تولو اور تمہارے ہاتھوں میں لگے۔ اور وہ ہاتھ تم اپنے بدن یا کپڑوں پہ لگاؤ اس طرح اتنی مقدار زیادہ میرے حصہ میں آئے۔ حضرت عمر کی یہ احتیاط تقوے کے سلسلہ میں انتہائی کمال ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جو بھی تولے گا اس کے ہاتھوں میں خوشبو لگے گی۔ اس لیے جواز میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

حصّہ پنجم

حالات حکومت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

سنہ ۲۴ھ ۶۴۴ء تا سنہ ۳۵ھ ۶۵۵ء

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم کے حالات حکومت میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ نے اپنی وفات سے قبل چھ اولوالعزم صحابہ کی ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی تھی اور اس مجلس کے ارکان کو وصیت فرمادی تھی کہ ان کی وفات کے تین دن کے اندر اندر ارکانِ مجلس ان چھ میں سے جسے بھی موزوں سمجھیں مسلمانوں کے لئے خلیفہ منتخب کر لیں۔ ان چھ مقتدر حضرات کے نام نامی یہ ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حضرت سعد بن ابی وقاص

حضرت عمر فاروقؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد تمام ارکانِ مجلس علاوہ حضرت طلحہؓ کے جو مدینہ سے باہر تھے حضرت عائشہؓ کے مکان پر جمع ہوئے اور تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ پر غور ہونا شروع ہوا کچھ دیر تبادلۂ خیال ہوتا رہا آخر حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا میری رائے میں خلیفہ کے انتخاب کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق نے جن چھ آدمیوں کے نام خلافت کے لئے تجویز کئے ہیں ان میں سے جو حضرات خلافت کے حق سے دستبردار ہو جائیں ان ہی کو نئے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیدیا جائے۔ اور وہی امیدواران خلافت میں سے جس کو افضل اور بہتر سمجھیں مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کر لیں اس لئے وہ حضرات جو خلافت کے خواہشمند نہیں ہیں اس عہدہ کی امیدواری سے دستبردار ہو جائیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تھوڑی دیر تو اپنی اس تجویز کے جواب کا انتظار کرتے رہے لیکن جب اس مختصر سے مجمع میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا یعنی کوئی بھی خلافت کے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اعلان کیا کہ "میں خلافت کے حق سے دستبردار ہوتا ہوں اور چونکہ کوئی دوسرا خلافت کے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ نئے خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی جائے یہ کام اگرچہ انتہائی اہم ہے۔ مگر مجھے امید ہے کہ میں اس مسئلہ کو اچھی طرح حل کر سکوں گا۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ باقی تمام ارکان نے عبدالرحمٰن بن عوف کی اس تجویز کی تائید کی۔

اور انہیں خلیفہ کے انتخاب کا حق دے دیا۔ حضرت علیؓ ابتدا میں تو خاموش رہے لیکن جب بعد میں خاص طور پر ان کی رائے طلب کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ "مجھ کو عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے سے پورا اتفاق ہے۔ بشرطیکہ وہ اس بات کا اقرار کریں کہ جو بھی فیصلہ کریں گے ایمان و دیانت اور غیر جانبداری پر محمول ہوگا۔ اور اس فیصلہ کے وقت امت کی خیر خواہی کے معاملہ کو پوری طرح مدنظر رکھا جائے گا" حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اقرار کیا کہ وہ جدید خلیفہ کے انتخاب میں پوری ایمانداری اور غیر جانبداری سے کام لیں گے۔ اور امتِ مسلمہ کی خیر خواہی کو سب پر مقدم رکھیں گے۔ اس اقرار کے بعد انہوں نے تمام امیدواران خلافت سے کہا کہ اب آپ سب بھی اس بات کا اقرار کریں کہ میں جس کو بھی خلیفہ مقرر کردوں گا آپ اس انتخاب کو تسلیم کرلیں گے۔" حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور سب اراکین مجلس نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ وہ عبدالرحمان بن عوف کے منتخب کردہ خلیفہ کو بے چون وچرا تسلیم کرلیں گے۔ اس کارروائی کے بعد آئندہ نشست کے لئے مجلس شوریٰ منتشر ہوگئی۔ اس موقعہ پر یہ بھی بتادینا ضروری ہے کہ مجلس شوریٰ کے اس جلسہ میں مجلس کے ممبروں کے علاوہ بجز عبداللہ بن عمرؓ کے کسی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اور یہاں تک احتیاط کی گئی تھی کہ جس مکان میں یہ مجلس شوریٰ منعقد ہو رہی تھی اس کے دروازہ پر باقاعدہ پہرہ بٹھادیا گیا تھا۔ تاکہ خلیفہ کے انتخاب کے آخری اعلان سے قبل مجلس کی خفیہ کارروائی کا کسی شخص کو علم نہ ہو سکے

حضرت عثمان غنی کا انتخاب

مجلس شوریٰ سے خلیفہ کے انتخاب کا حق حاصل کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تقریباً تمام اہل الرائے حضرات سے خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں رائیں حاصل کرتے رہے اور برابر صاحب فہم حضرات سے اس معاملے میں مشورے کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بات اچھی طرح سے تحقیق کرلی جائے کہ اہل علم، صاحب فہم اور نیز عام مسلمانوں کی اکثریت کا رجحان کس کی طرف ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کے لئے اس اہم کام میں آگے چل کر سہولت اس لئے پیدا ہوگئی کہ دو دن کے اندر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ مجلس شوریٰ کے باقی تمام ارکان حق خلافت سے دست بردار ہوگئے۔ کیوں کہ ان کو معلوم ہوگیا تھا کہ اکثریت حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے۔ اور ایسی حالت میں کسی دوسرے کے لئے انتخاب میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔

اب خلافت کے صرف دو امیدوار یعنی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ باقی رہ گئے تھے اس لئے عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے بارے میں دوبارہ صاحب الرائے حضرات کی رائیں معلوم کرنی

شروع کیں۔ تقریباً تمام متقدر حضرات سے تبادلۂ خیال کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف کو اندازہ ہوا کہ اگرچہ صاحب فہم حضرات کی خاصی تعداد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہے لیکن عثمان غنیؓ کی جانب لوگوں کا رجحان طبع زیادہ ہے۔ لہٰذا کافی غور و خوض کے بعد انہوں نے یہ طے کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے انتخاب کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔

اعلان انتخاب کا بے چینی سے انتظار

حضرت عمر فاروقؓ کی وصیت کے مطابق چونکہ تیسرے روز نئے خلیفہ کے انتخاب کا اعلان ہونا ضروری تھا اس لیئے صبح کی نماز کے بعد ہی مسجد نبوی میں مسلمان جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اور مسجد میں تل رکھنے کی جگہ بھی نہیں رہی یہاں تک کہ مسجد کے باہر بھی ہزاروں کی تعداد میں مسلمان اکٹھے ہو گئے اور نئے خلیفہ کے انتخاب کے اعلان کا بڑی بے تابی سے انتظار ہونے لگا۔

مسجد نبویؐ میں حضرت طلحہ کے علاوہ جو باہر گئے ہوئے تھے سب ہی ارکان مجلس موجود تھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ارکان مجلس اور مجمع عام کے سامنے خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے خلیفہ کا انتخاب اپنی ذاتی رائے سے نہیں کیا ہے بلکہ جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے ہر طبقہ ہر گروہ، ہر قبیلہ کی رائے معلوم کر لی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اپنے فرض کی انجام دہی میں پوری ذمہ داری سے کام لیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجلس شوریٰ کے وہ تمام ارکان جن کو حضرت عمر فاروقؓ نے خلیفہ کے عہدہ کے لیئے نامزد کیا تھا۔ انہوں نے برضا و رغبت میرے فیصلہ کو ماننے کا اقرار کر لیا ہے۔ اس لیئے اب کسی کے لیئے بھی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے مجھ کو امید ہے کہ میں خلیفہ کے عہدہ کے لیئے جو نام بھی تجویز کروں گا اسے پسند کیا جائے گا۔ اور مجھے آپ تمام حضرات جو اس وقت یہاں موجود ہیں نیز دوسرے مسلم عوام کی تائید حاصل ہو گی"۔

اس مختصر سی تقریر کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ منتخب کیئے جانے کا اعلان کر دیا۔ آپ نے مجمع عام میں حضرت عثمان غنیؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ "خدا اور رسول کے احکام اور اپنے سے پہلے خلفاء کے طریقہ کار پر چلنے کا اقرار کیجیے"۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بآواز بلند اقرار کیا کہ "میں خدا اور رسول کے حکم کے مطابق عمل کروں گا اور صدیقؓ اور فاروقؓ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری پوری کوشش کروں گا"۔ عثمان غنیؓ کے اس اقرار کے بعد سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد دوسرے لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیئے آگے بڑھنے لگے۔

بعض مورخین کا بیان ہے کہ حضرت علی جناب عثمان غنیؓ کے انتخاب سے خوش نہیں تھے کیونکہ وہ خود کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ میرا ہی انتخاب کیا جائے گا۔ لہٰذا عثمان غنیؓ کے کے انتخاب کے اعلان سے آپ کو اور آپ کے ہم خیالوں کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ بیعت کئے بغیر مسجد نبوی سے اٹھ کر باہر جانے لگے۔ آپ کے ساتھ آپ کے تمام ہمنواؤں کی جماعت بھی برافروختہ ہو کر کھڑی ہو گئی تو آپ کو خانہ جنگی کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس خطرہ کے محسوس ہوتے ہی آپ فوراً ہی بڑی تیزی سے واپس آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر جا کر بیعت کر لی۔ آپ کا بیعت کرنا تھا کہ مسجد نبوی اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخِ اسلام حضرت علیؓ کے اس احسانِ عظیم کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی کہ آپ نے باوجود مستحقِ خلافت ہونے کے حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کو پسند کیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کو اسلام سب سے زیادہ عزیز تھا اس لئے آپ نے اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ کہ میرے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے امت رسول اللہ میں انتشار اور خانہ جنگی پیدا ہو جائے گی۔ تو آپ نے بلا توقف حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ایک بہت بڑے فتنے کو دبا دیا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ نے اس انتخاب پر مہرِ تصدیق ثبت نہ کر دی ہوتی تو مسلمانوں میں بہت بڑا ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ دوسرے روز جب حضرت طلحہ باہر سے مدینہ واپس آئے اور یہ معلوم ہوا کہ ان کی غیر موجودگی میں بالا ہی بالا جدید خلیفہ کا انتخاب عمل میں آگیا ہے تو ان کو بھی سخت ناگواری پیدا ہوئی لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام مقتدر صحابہ نے چونکہ حضرت عثمان غنی کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اس لئے آپ نے بھی بیعت کر لی۔

حضرت عثمان غنی کے حالات

حضرت عثمان غنی بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے خاندان بنی امیہ رسول اللہ صلعم کے خاندان بنی قریش ہی کی ایک شاخ ہے۔ خاندان بنی قریش میں ایک بزرگ عبد مناف تھے ان ہی عبد مناف کے ایک بیٹے ہاشم کی اولاد میں تو رسول اللہ صلعم ہیں۔ اور دوسرے بیٹے عبد شمس کی اولاد میں حضرت عثمان غنی ہیں یعنی حضرت عثمان اور رسول اللہ صلعم دونوں ایک دادا کی اولاد ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان غنی رسول اللہ صلعم کی پھوپھی زاد بہن کے بھی بیٹے تھے۔

حضرت عثمان غنی مکہ والوں میں بہت خوبصورت تھے اور شکل و صورت میں رسول اللہ صلعم سے بہت مشابہ تھے حضرت عثمان غنیؓ پانچویں مسلمان تھے یعنی آپ سے پیشتر صرف چار آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تحریک پر مسلمان ہوئے تھے۔ آپ کے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ایک دن آپ کے مکان پر گئے اور فرمایا میرے خصوصی دوست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا مرتبہ خدا کی طرف سے ملا ہے۔ میں مسلمان ہوگیا ہوں چونکہ تم میرے دوست ہو اس لئے مشورہ دیتا ہوں کہ تم بھی اسلام قبول کر لو۔ حضرت عثمان اسی وقت ساتھ ہی خدمت رسول میں آئے اور مسلمان ہو گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے دو ہجرتیں کی تھیں۔ پہلے آپ نے حبش کے لئے ہجرت فرمائی اس کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ رسول اللہ صلعم نے نبوت سے قبل اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمان غنی سے کر دی تھی یہ عین جنگ بدر کے روز ۲ھ میں انتقال فرما گئی تھیں۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کی شادی بھی حضرت عثمان غنیؓ کے ساتھ کر دی تھی۔ اسی لئے آپ ذوالنورین کہلائے۔ سوائے حضرت عثمان غنی کے دنیا میں کوئی ایسا خوش نصیب شخص نہیں ہوا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئی ہوں۔

غنی کا خطاب

حضرت عثمان غنیؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ آپ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے جنگ تبوک کے واسطے آپؓ نے ساڑھے چھ سو اونٹ اور پچاس گھوڑے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پیش کئے تھے ایک سال جب قحط پڑا تو آپ نے مدینہ کے محتاجوں میں بے اندازہ غلہ تقسیم کیا تھا مسجد نبویؐ سے متصل ازواج مطہرات کے مکانات کے لئے کچھ زمین آپ نے اپنے خرچ سے خریدی تھی۔ آپ کی اس فیاضی اور دریا دلی کی بنا پر رسولِ مقبول صلعم نے آپ کو غنی کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ آپ تقریباً تمام لڑائیوں میں رسول اللہ صلعم کے دوش بدوش لڑے ہیں لیکن جنگ بدر کے موقعہ پر چونکہ حضرت رقیہؓ سخت علیل تھیں اس لئے آپ اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ پھر بھی جنگ بدر کے مالِ غنیمت میں سے آپ کو مساوی حصہ ملا تھا۔ اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ "عثمان کو جنگِ بدر میں شامل سمجھنا چاہیئے" چنانچہ اصحابِ بدر میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان مناسکِ حج کے بہت بڑے جاننے والے تھے۔ آپ عبادت کے بیحد شائق تھے رات رات بھر نماز پڑھتے رہتے تھے۔ روزے بہت رکھا کرتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ہر روز ایک غلام خرید کر آزاد کیا کرتے تھے۔ آپ کی نیک چلنی اور پاک بازی کا یہ عالم تھا کہ زمانہ جاہلیت میں بھی نہ کبھی شراب پی اور نہ کبھی کوئی دوسری فحاشی اختیار کی

حضرت عثمان غنی کی نیکی اور صداقت بلاشبہ مسلم ہے۔ مگر زیادہ دور اندیش طبیعت نہیں پائی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ کی حکومت میں بہت سے فتنے کھڑے ہو گئے جو آگے چل کر نہایت خطرناک ثابت

ہوئے آپ اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کی ضرورت سے زیادہ پاسداری کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے حکومت کے کاموں میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

ممالک مفتوحہ میں بغاوتیں

حضرت عمر فاروقؓ کے انتقال اور حضرت عثمان غنی کے خلیفہ ہونے کے بعد مملکت اسلامیہ کے مختلف حصوں میں بدنظمی سی پھیل گئی اور بعض ملکوں میں تو باقاعدہ بغاوتیں شروع ہو گئیں جس کی وجہ یہ تھی کہ مملکت اسلامیہ کے تمام فتنہ پرداز حضرت عمرؓ کے نام سے کانپتے تھے جب وہ رحلت فرما گئے تو شرارت پسند عناصر نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔

اس بدنظمی اور بغاوت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ کے ان تمام پرانے عمال کی تبدیلی شروع کر دی تھی جو اپنے اپنے علاقوں پر حاوی تھے چنانچہ ان بااثر عمال کے تبدیل ہوتے ہی بغاوت پسند عناصر ابھرنے لگے۔ اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے دورِ حکومت کی ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی تھی کہ آپ نے بہت سے پرانے عمال کو ان کے عہدوں سے ہٹا کر یہ اہم عہدے اپنے ایسے قرابت داروں کو دے دیئے تھے جو کسی طرح بھی ان عہدوں کے لئے موزوں نہ تھے

حضرت عثمان غنیؓ کی ان بنیادی غلطیوں کی وجہ سے ممالک اسلامیہ میں اچھی خاصی بغاوت اور ابتری پھیل گئی۔ گو یہ بغاوت آگے چل کر دب گئی تھی لیکن اس بغاوت کی وجہ سے ایک بڑا نقصان یہ پہنچا کہ اسلامی فتوحات کی رفتار بے حد دھیمی اور سست پڑ گئی۔

مصر و ایران میں باغیوں کو سزا

حضرت عمر فاروقؓ کی رحلت کے بعد رومیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب مسلمانوں سے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ اس زمانہ میں ہرقل قیصر روم کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین روم پر حکومت کر رہا تھا اسے یقین کامل تھا کہ اب وہ آسانی کے ساتھ مصر کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لے گا۔ چنانچہ اس نے جہازوں کے ذریعہ قسطنطنیہ سے ایک بہت بڑی فوج اسکندریہ کے لئے روانہ کر دی جب یہ فوج اسکندریہ کے ساحل پر اتری تو مسلمانوں کے حلیف مقوقس سابق حاکم مصر اور اسلامی لشکر نے متحد ہو کر ایسی مضبوطی کے ساتھ رومی عیسائیوں کا مقابلہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ نہ صرف میدان سے بھاگ گئے بلکہ انہیں یہ بھی محسوس ہو گیا کہ عمرو بن عاص جیسے لائق گورنر کی موجودگی میں مصر کا مسلمانوں سے واپس لینا ناممکن ہے۔ لہذا وہ بے حد نقصانات اٹھا کر ۲۵ھ (۶۴۶ء) میں ناکام و نامراد قسطنطنیہ واپس چلے گئے۔

روم کی طرح ایران میں بھی آتش پرستوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ چنانچہ ہمدان۔ رے اور چند

دوسرے ایرانی علاقوں میں مسلمانوں کے خلاف ایرانیوں نے باقاعدہ بغاوتیں شروع کر دی تھیں ۔ ان بغاوتوں کا حال سن کر حضرت عثمان غنیؓ نے ابوموسیٰ اشعری اور چند دوسرے سرداروں کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجدیا جنہوں نے بہت جلد ان بغاوتوں کو دبا دیا اور باغیوں کی ایسی سرکوبی کی کہ پھر انہیں سر اٹھانے کی جرات نہ ہو سکی

حضرت عمرؓ کے انتقال کے وقت مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے گورنر تھے حضرت عثمان غنیؓ جب مسندِ خلافت پر بیٹھے تو آپ نے سعد بن ابی وقاص کو جنہیں حضرت عمرؓ نے معزول کر دیا تھا دوبارہ کوفہ کا گورنر بنا دیا اور مغیرہ کو معزول کر دیا اس کے ساتھ ہی عقبہ بن فرقد جو سعد کے ماتحت آذربائیجان میں حاکم اعلےٰ تھے ان کو بھی معزول کر دیا اور ان کی جگہ اپنے رضاعی بھائی ولید بن عقبہ کو کوفہ اور آذربائیجان کا گورنر مقرر کر دیا ان تبدیلیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۶ھ ۶۴۷ء میں آذربائیجان میں سخت بغاوت پھیل گئی ۔ جسے ولید بن عقبہ نے بڑی مشکل سے دبایا اس کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اندرونی بغاوتیں برابر کھڑی ہوتی رہتی تھیں جن کو دبانے کے لئے اسلامی لشکر کو بڑی تکلیف اٹھانا پڑ رہی تھی ۔

اسکندریہ میں اسلامی حکومت کا خاتمہ

حضرت عمرو بن عاص نے بڑی جانفشانی کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں مصر اور اسکندریہ کو فتح کیا تھا آپ نے وہاں ایک ایسی مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی تھی جو رومیوں کے سخت سے سخت حملوں کا بڑی مستعدی کے ساتھ مقابلہ کر رہی تھی چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے انتقال کے بعد بھی ۲۵ھ میں جب رومیوں نے اسکندریہ پر ایک بہت بڑا حملہ کیا تھا تو اس حملہ میں رومیوں کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا ۔

حضرت عمرو بن عاص کے ان شاندار کارناموں کے باوجود حضرت عثمان غنی ان سے مطمئن نہیں تھے چنانچہ انہوں نے پہلے تو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر کا گورنر اور افسر خزانہ مقرر کیا اور عمرو بن العاص کا عہدہ گھٹا کر انہیں صرف سپہ سالارِ افواج رہنے دیا ۔ اور اس کے بعد ۲۶ھ میں حضرت عمرو بن العاص کو قطعاً معزول اور برطرف کر کے اپنے بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر و اسکندریہ کا مختارِ مطلق بنا دیا ۔

حضرت عمرو بن العاص کو مصر میں غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل تھی ۔ آپ مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں اور قبطیوں میں بھی بے حد مقبول تھے چنانچہ آپ نے مصر کی حفاظت کے لئے جو فوج بھرتی کی تھی اس میں مسلمانوں کے علاوہ عیسائیوں اور قبطیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد شامل تھی ۔ مصری چونکہ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اس لئے جب آپ کو معزول کیا گیا تو مصر کے تمام باشندوں میں بلا امتیاز مذہب و

ملت حکومت اسلامیہ کے خلاف سخت نفرت پھیل گئی۔ اور اس نفرت کا نتیجہ یہ نکلا کہ سارے مصر میں نئے گورنر عبداللہ بن سعد کے خلاف عام بغاوت برپا ہو گئی۔ مصر کے مسلمان خصوصیت کے ساتھ عبداللہ بن سعد کے شدید مخالف تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن سعد عہد نبوی میں مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو گئے تھے اور مسلمان اب تک ان کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔

جدید قیصر روم قسطنطین نے جب دیکھا کہ عمرو بن العاص کو معزول کیا جا چکا ہے۔ نیز مصر میں بری طرح بغاوت پھیلی ہوئی ہے اور مصری عوام میں دربارِ خلافت کے خلاف بے چینی پیدا ہو چکی ہے۔ تو اس نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سمندر کے راستہ ایک بہت بڑا لشکر روانہ کر دیا جس نے کہ اسکندریہ کے ساحل پر اترنے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اسلامی لشکر نے بڑی قوت سے مقابلہ کیا مگر چونکہ اسلامی لشکر میں عیسائی اور قبطی بھی تھے جو عمرو بن عاص سے بے حد محبت کرتے تھے وہ پہلے ہی بددل تھے لہٰذا رومیوں کے ساتھ مل گئے اور اس طرح اسلامی لشکر کمزور پڑ گیا اور رومی عیسائیوں نے بڑی آسانی کے ساتھ اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ ۲۶ھ کا ہے۔

عمرو بن عاص کی بحالی، اسکندریہ کی واپسی

اسکندریہ پر قابض ہونے کے بعد جب قیصر روم کی فوجیں مصر کے دوسرے علاقوں کو مسلمانوں سے صاف کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھیں تو ان تمام واقعات کی اطلاع حضرت عثمان غنیؓ کو دی گئی۔ اب حضرت عثمان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے دوبارہ عمرو بن عاص کو مصر کا گورنر بنا کر اور ایک بڑا لشکر دے کر مصر کی جانب روانہ کر دیا۔

عمرو بن عاص ایک آزمودہ کار فوجی جرنیل ہونے کے علاوہ چونکہ مصر کے ہر طبقہ میں بے حد ہر دلعزیز تھے۔ اس لئے ان کو رومیوں سے اسکندریہ کے واپس لینے میں کوئی زیادہ پریشانی نہیں اٹھانا پڑی چنانچہ ان کی فوجیں جیسے ہی اسکندریہ کے قریب پہنچیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ عمرو بن عاص بحال کر دیئے گئے ہیں اور اس وقت وہی اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کر رہے ہیں تو اندرونی بغاوتیں خود بخود دب گئیں۔ بلکہ مصر کا سابق حکمران مقوقس قبطیوں کا ایک بہت بڑا لشکر لے کر عمرو بن عاص کے ساتھ اس معرکہ میں شامل ہو گیا۔ غرضکہ عمرو بن عاص نے مسلمانوں، قبطیوں اور عیسائیوں کو متحد کر کے قیصر روم کی فوج پر ایسا شدید حملہ کیا کہ اس حملہ میں ہزاروں رومی کام آ گئے۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ اسکندریہ چھوڑ کر جہازوں کے ذریعہ فرار ہو گئے۔ اور اس طرح ۲۶ھ میں دوبارہ اسکندریہ پر مسلمانوں کا

قبضہ ہو گیا

اسکندریہ کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن عاص نے ان تمام شرارتی عناصر کو کچل کر رکھ دیا جو کئی مرتبہ رومیوں کے ساتھ مل کر اسکندریہ میں فتنے برپا کر چکے تھے اس کے علاوہ آپ نے مصر کی حکومت کے مختلف شعبوں کو نئے سرے سے ترتیب دے کر حکومتِ مصر کو نہایت ہی مضبوط اور منتظم بنا دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے جب دیکھا کہ مصر پر مسلمانوں کا پوری طرح قبضہ ہو چکا ہے اور ہر طرح ملک میں امن و امان ہے۔ تو آپ نے عمرو بن عاص کو پھر مصر کی گورنری سے معزول کر کے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو دوبارہ مصر کا حاکم بنا دیا حضرت عثمان غنی کے اس غیر منصفانہ سلوک کو نہ صرف عمرو بن عاص نے بری طرح محسوس کیا بلکہ مقتدر مسلمانوں نے بھی ان کی اس روش کو سخت ناپسند کیا۔ مگر مسلمان اپنی روایتی رواداری اور اخلاق سے ان تمام چیزوں کو برداشت کرتے رہے۔

افریقہ پر حملہ کی تیاریاں

عبداللہ بن سعد حضرت عثمان غنی کی عنایت سے دوبارہ مصر کے گورنر تو بن گئے تھے لیکن ان کو اس بات کی بڑی ندامت تھی کہ وہ مصر کی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالنے کے معاملہ میں نہایت ہی نااہل ثابت ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکندریہ ان کی نااہلیت کی بدولت مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا۔ عبداللہ بن سعد کو بڑی ندامت تھی کہ میں اسکندریہ میں کامیاب نہیں ہوا اور وہاں کی بغاوتوں کو نہ دبا سکا۔ اور عمرو بن عاص کی وجہ سے نہ صرف بغاوتیں ٹھنڈی پڑ گئیں بلکہ مجھے دوبارہ مصر کا گورنر بننے کا موقعہ مل سکا۔

اس شرمندگی اور ندامت کو مٹانے کی غرض سے وہ اس بات کے بڑے خواہشمند تھے کہ وہ کوئی ایسا کارنامہ انجام دیں جس کی وجہ سے ان کو بھی عمرو بن عاص جیسی شہرت حاصل ہو جائے چنانچہ انہوں نے یہ طے کیا کہ افریقہ پر حملہ کر کے قسمت آزمائی کی جائے۔ اس غرض کے لئے انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ سے افریقہ پر حملہ کی اجازت طلب کی تو انہیں فوراً اجازت مل گئی۔

عبداللہ بن سعد سب سے پہلے افریقہ کے سرحدی علاقوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے دس ہزار کے لشکر سے ۲۶ھ میں علاقہ برقہ کے رئیسوں پر حملہ کر دیا۔ ان رئیسوں نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔ عمرو بن عاص کے زمانہ میں بھی یہ مغلوب ہو چکے تھے اور برابر جزیہ ادا کرتے تھے لیکن بعد میں جب حکومت اسلامیہ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو یہ موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود مختار بن گئے۔ اب ان پر دوبارہ حملہ کیا گیا تو انہوں نے پھر اطاعت قبول کر کے جزیہ دینا شروع کر دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مصر میں اس وقت جو فوج موجود ہے وہ افریقہ جیسے وسیع ملک

کی فتح کے لیئے ناکافی ہے ایک بہت بڑی فوج عبداللہ بن سعد کی مدد کے لیئے مدینہ سے روانہ کر دی اس فوج میں امام حسن ابن علیؓ اور امام حسین ابن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ جیسے مقتدر حضرات موجود تھے۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت عثمان غنیؓ نے دور اندیشی کے طور پر عمرو بن عاص کو بھی اسلامی لشکر میں شامل کر دیا۔ تاکہ ان دونوں کے تعلقات بھی درست ہو سکیں۔ اور عبداللہ بن سعد کو عمر بن عاص کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ مل سکے۔ مدینہ سے بھیجا ہوا یہ اسلامی لشکر جب عبداللہ بن سعد سے جا کر ملا تو انہوں نے اسلامی فوج اور اس لشکر کی مدد سے طرابلس پر حملہ کر دیا۔

طرابلس اگرچہ تو مسلم یوقنا کی کوششوں سے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پہلے ہی زیر ہو چکا تھا لیکن بعد میں وہ خود مختار بن گیا تھا۔ اب اسلامی لشکر نے جب دوبارہ طرابلس پر حملہ کیا تو وہاں کا حاکم مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور اس نے ۲۶ھ میں حملہ کے تیسرے ہی دن ہتھیار ڈال دیئے اور اطاعت قبول کر لی۔ طرابلس کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے سرداران لشکر تو مدینہ واپس آ گئے۔ مگر لشکر اسلامیہ افریقیہ کے مزید علاقوں کی فتح کے لیئے آگے روانہ ہو گیا۔

حضرت زبیر کی جنگی چال

افریقہ پر اس وقت عیسائی بادشاہ جرجیس کی حکومت تھی۔ یہ بادشاہ قیصر روم کا باجگذار تھا جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر افریقہ کی فتح کے لیئے آ رہا ہے تو وہ ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر عظیم لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گیا۔ اور دونوں لشکروں میں گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی لیکن لڑائی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔

حضرت عثمان غنیؓ مدینہ میں بڑی بے چینی کے ساتھ افریقہ کی فتح کے منتظر تھے جب ان کو افریقہ سے کوئی خبر نہیں ملی۔ تو انہوں نے حضرت زبیر بن العوام کی سرکردگی میں ایک تازہ دم فوج افریقہ کے لیئے اور روانہ کر دی۔ حضرت زبیر نے افریقہ آ کر دیکھا کہ اسلامی لشکر بڑی بے دلی سے لڑ رہا ہے۔ اور فوج کے سپہ سالار عبداللہ بن سعد لشکر سے غائب ہیں۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ شاہ افریقہ نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو شخص عبداللہ بن سعد کا سر کاٹ کر لائے گا اس سے بادشاہ کی لڑکی کی شادی کر دی جائے گی۔ اور ایک لاکھ دینار بطور انعام دیئے جائیں گے اس اعلان کے بعد سے عبداللہ بن سعد نے میدان جنگ میں آنا بند کر دیا ہے۔ اور وہ خیمے میں چھپے ہوئے بیٹھے ہیں۔

حضرت زبیر کو عبداللہ بن سعد کی کمزوری پر بے حد افسوس ہوا اور انہوں نے فوراً ہی اعلان کرا دیا کہ جو شخص شاہ افریقہ کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو مال غنیمت میں سے ایک لاکھ دینار دیا جائے گا اور بادشاہ

کی لڑکی سے اس کی شادی کر دی جائے گی اور اسے افریقہ کے ملک کا حاکم بنا دیا جائے گا۔ اس اعلان نے شاہِ افریقہ کے لئے بڑی دشواری پیدا کر دی اب عبداللہ بن سعد بھی میدان میں آ گئے لڑائی کا زور اگرچہ بے انتہا بڑھ گیا مگر کوئی فیصلہ کن معرکہ نہ ہو سکا۔

حضرت زبیر نے جب دیکھا کہ افریقہ کی جنگ طوالت پکڑتی جا رہی ہے تو آپ نے یہ جنگی چال چلی کہ آدھی فوج کو تو اپنی کمان میں لے کر روک لیا اور آدھی فوج عبداللہ بن سعد کی سرکردگی میں لڑنے کے لئے بھیج دی۔ یہ فوج تمام دن لڑتی رہی جب دوپہر ہو گئی اور دونوں فریقوں کی فوجیں تھک کر اپنے اپنے خیموں میں واپس چلی گئیں تو حضرت زبیر اس تازہ دم فوج کو لے کر جو انہوں نے روک لی تھی افریقہ کی تھکی ہوئی فوج کے مقابلہ پر نکل پڑے اور اچانک شدید حملہ کر دیا افریقی فوجی جو تھکان سے پہلے ہی چور تھی مسلمانوں کی تازہ دم فوج کے اچانک حملہ سے سراسیمہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بد دلی سے مقابلہ کیا مگر پھر ہمت ٹوٹ گئی اور ہتھیار پھینک کر بھاگنے لگے۔ چنانچہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بے شمار افریقی سپاہی مارے گئے افریقہ کے بادشاہ جرجیس حضرت زبیر بن العوام کے ہاتھ سے قتل ہوا اور شاہ افریقہ کی خوبصورت بیٹی جو باپ کے دوش بدوش لڑ رہی تھی گرفتار ہو گئی۔ اور اس طرح حضرت زبیرؓ کی اس جنگی چال کی بدولت ۲۶ھ ۶۴۷ء میں طرابلس فتح ہو گیا۔

اس فتح کے بعد حسبِ اعلان جب شاہِ افریقہ کی خوبصورت لڑکی اور ایک لاکھ دینار حضرت زبیر بن العوام کی خدمت میں پیش کئے گئے تو آپ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ خدا اور رسول کے لئے کیا ہے۔ میں دنیا میں کوئی معاوضہ لینے کی بجائے یہ زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ اس کا معاوضہ مجھے آخرت میں ملے۔ حضرت زبیر کا یہ ایثار تاریخ اسلام میں مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

اس معرکہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اسلامی لشکر نے افریقہ کے بعض دوسرے علاقوں کو فتح کیا حضرت زبیر جب افریقہ کی تسخیر کے بعد مدینہ واپس چلے گئے تو عبداللہ بن سعد نے یہ سوچتے ہوئے کہ اسلامی فوج بہت کم رہ گئی ہے دس لاکھ سالانہ جزیہ پر افریقیوں سے ۲۷ھ میں صلح کر لی۔ اور مصر واپس چلے گئے یعنی اس خونریزی اور جانفشانی کے باوجود بھی محض عبداللہ بن سعد کی فطری کمزوری کی بنا پر افریقہ پر مسلمانوں کا کامل تسلط نہ ہو سکا۔

عبداللہ بن سعد نے حضرت عثمان غنیؓ کے حکم سے علاقہ سوڈان پر بھی فوج کشی کی تھی لیکن اس فوج کشی کا اس سے زیادہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کچھ مالِ غنیمت اور غلام آ گئے۔ درحقیقت عبداللہ بن سعد میں کچھ فطری کمزوری پائی جاتی تھی۔ جو بعض اوقات فتوحات اسلامیہ کے لئے بڑی مضر ثابت ہوتی

تھی کہ یہی وجہ ہے کہ عام فتوحات کی رفتار ڈھیلی پڑ گئی۔

بحری جنگ، قبرس اور رُوڈس کی فتح

قیصر روم قسطنطین کو اگرچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں پے در پے شکستیں ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود اسے جب بھی موقعہ ملتا تھا وہ مسلمانوں کے خلاف یورش کر دیتا تھا۔ چنانچہ ۲۸ھ میں اس نے ایک بحری فوج ساحل افریقہ پر اتاردی اور افریقیوں سے اس خراج کا مطالبہ کیا جو رومی سلطنتِ افریقہ سے مسلمانوں کے حملہ سے قبل وصول کیا کرتی تھی۔ افریقیوں نے کہا کہ جب مسلمانوں نے ہم پر حملہ کیا تو قیصر روم نے ہماری خبر نہیں لی ایسی حالت میں وہ کسی خراج کا حقدار نہیں ہے۔" افریقیوں کے اس صاف جواب کے بعد افریقی اور رومی فوجوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اور اس جنگ میں افریقیوں کو شکست ہو گئی یعنی مسلمانوں کے باجگذار ملک پر قیصر روم کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

افریقہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد رومی فوج اسکندریہ کی جانب بڑھی ادھر قیصر روم قسطنطین بھی چھ سو کشتیوں میں تازہ دم رومی فوج کو لے کر اسکندریہ آپہنچا اور اسلامی لشکر کے ساتھ اس کی جنگ چھڑ گئی لیکن جب رومیوں کو شکست ہو گئی تو قسطنطین کشتیوں کے ذریعہ اپنی فوج کو لے کر فرار ہو گیا۔ اور جزیرہ قبرس میں جا اترا۔ قبرس رومی فوج کا بحری ہیڈ کوارٹر تھا لیکن رومیوں کی بدقسمتی کہ ایک طرف تو مصر کا اسلامی لشکر کشتیوں میں سوار ہو کر اس کا تعاقب کرتا ہوا قبرس جا اترا اور دوسری جانب امیر معاویہ حاکم شام کا بھیجا ہوا بحری لشکر کشتیوں کے ذریعہ قبرس آن پہنچا۔ اور شام و مصر کے اسلامی لشکروں کی قیصر روم کی بحری فوج کے ساتھ قبرس پر قبضہ کرنے کے لئے زبردست جنگ چھڑ گئی۔

امیر معاویہ اس وقت پورے ملکِ شام کے گورنر تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کی وفات کے وقت تو وہ حضرت دمشق اور اردن کے حاکم تھے لیکن جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حاکم حمص اور حاکم فلسطین کے مرنے کے بعد یہ علاقے بھی امیر معاویہ کی حکومت میں شامل کر دیئے۔ اور اس طرح ۲۷ھ میں وہ پورے ملک شام کے گورنر ہو گئے۔ امیر معاویہ حضرت عمرؓ ہی کے عہد خلافت سے سمندری حملہ کے خواہشمند تھے لیکن ان کی یہ دیرینہ تمنا حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں پوری ہوئی۔ چنانچہ ۲۸ھ میں ان کا پہلا بحری لشکر جو کشتیوں کے ذریعہ شام سے قبرس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا وہی لشکر تھا جس کا ہم اس سے قبل ذکر کر چکے ہیں۔ شام کے اس بحری لشکر نے مصر کے بحری لشکر کے ساتھ مل کر جب جزیرہ قبرس پر حملہ کیا تو قیصر روم اس حملہ کی تاب نہ لا کر اور جان بچا کر قبرس سے قسطنطنیہ بھاگ گیا اور مسلمانوں نے جزیرہ قبرس پر قبضہ کر لیا یہ پہلی بحری فتح تھی جو مسلمانوں کو جزیرہ قبرس پر حاصل ہوئی۔

قبرس کی فتح کے بعد خود امیر معاویہ بھی اس جزیرہ میں آن پہنچے۔ ان کے آنے کے بعد دوسرا بحری حملہ روڈس پر کیا گیا یہ جزیرہ قبرس کے مغرب میں تھا۔ روڈس والوں نے خوب جم کر اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا لیکن کئی خونریز معرکوں کے بعد مسلمانوں نے جزیرہ روڈس بھی فتح کر لیا۔ اور اس طرح ۳۳ھ میں اسلامی فوجیں ان دو اہم جزیروں پر قبضہ کرنے کے بعد قسطنطنیہ کے دروازہ پر جا پہنچیں جزیرہ روڈس اور قبرس کی فتح کیونکہ مسلمانوں کی پہلی بحری فتح تھی اس لیئے اس کی وجہ سے امیر معاویہ کی شہرت بہت بڑھ گئی۔ اور ان کو ملکِ شام وغیرہ میں قدم جمانے کا اچھا موقعہ مل گیا۔

ایرانی عمال کی تبدیلی

سلطنتِ ایران کا بیشتر حصہ اگرچہ عہد فاروقی ہی میں سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا۔ اور جو تھوڑا بہت علاقہ فتح ہونے سے باقی رہ گیا تھا۔ اس کا فتح کرنا اسلامی لشکر کے لیئے کچھ مشکل نہیں تھا۔ لیکن حضرت عمر فاروق کے انتقال کے بعد جب حضرت عثمان غنیؓ نے بلاضرورت ایران کے عمال میں تبدیلیاں کرنا شروع کر دیں اور تمام پرانے لوگوں کو ہٹا کر اپنے قرابت داروں کو ان عہدوں پر مقرر کر دیا یہ تھی وہ صورت حال جس کی وجہ سے ایران کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ اور نظام حکومت کے بگڑ جانے کی وجہ سے ایران میں جا بجا بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں چنانچہ ان بغاوتوں کو دبانے کے لیئے لشکرِ اسلام کو سخت محنت اٹھانا پڑی۔ اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ یعنی بجائے اس کے کہ اسلامی فوجیں ایران کے باقی علاقوں کو فتح کرتیں وہ مفتوحہ علاقہ کی دوبارہ تسخیر میں الجھ کر رہ گئیں۔

حضرت عثمانؓ کے مسندِ خلافت پر بیٹھتے کے ساتھ ہی ایران میں عہدوں کے ردو بدل کا لامتناہی سلسلہ کس طرح جاری ہو گیا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ کو گورنری سے ہٹا کر حضرت عثمان نے پہلے تو معزول شدہ گورنر سعد بن ابی وقاص کو وہاں کا عامل بنا دیا۔ لیکن چند ہی ماہ کے بعد ان کو بھی ہٹا دیا گیا اور ان کی بجائے حضرت عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی ولید بن عقبہ نہ صرف کوفہ کے بلکہ اس کے ساتھ ہی آذربائیجان کے بھی گورنر مقرر کر دیئے گئے۔ ان علاقوں کے باشندوں نے اس تبدیلی کو بری طرح محسوس کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آذربائیجان میں بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی جسے مشکل سے دبایا گیا۔

ابو موسیٰ اشعری بڑی خوبی کے ساتھ بصرہ کی گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ کہ ان کے مخالفین نے دربار خلافت میں پہنچ کر ان کی شکایتیں کرنی شروع کیں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ ان کی طرف سے بدظن ہو گئے اور اس لائق حاکم کو ۲۹ھ میں معزول کر دیا گیا۔ اور ان کی بجائے حضرت عثمانؓ نے

اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور پھر چند ہی دنوں بعد حاکم بحرین عثمان ابن العاص کو معزول کر کے عمان اور بحرین کا تمام علاقہ بھی عبداللہ بن عامر کے ماتحت کر دیا۔

اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ نے ۲۷ھ میں عبداللہ بن معمر کو خراسان کی گورنری سے ہٹا کر وہاں کی حکومت عمیر بن عثمان کے سپرد کر دی اور عبداللہ بن معمر کو فارس کے صوبہ کا گورنر بنا دیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد عمیر بن عثمان بھی خراسان کی گورنری سے معزول کر دیئے گئے۔ اور اب ان کی جگہ ابن احمر حاکم مقرر ہوئے۔ کرمان میں بھی یہی صورت اختیار کی گئی۔ پہلے تو عبدالرحمن بن عبس کو کرمان کا حاکم بنایا گیا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد ان کو ہٹا کر ان کی جگہ عاصم بن عمر حاکم مقرر کر دیئے گئے۔

حضرت عثمان غنی کی اس خویش نوازی اور حکام کی معزولی اور تبدیلی کی وجہ سے قابل۔ تجربہ کار اور لائق حضرات کی ایک بڑی تعداد ذمہ دارانہ عہدوں سے محروم ہو گئی تھی جو باقی رہ گئے تھے ان کو ہر وقت یہ اندیشہ رہتا تھا کہ نہ معلوم کب ان کو معزول کر دیا جائے۔ لہٰذا لائق حکام میں بری طرح بے دلی پھیل گئی تھی۔ لیکن اس بے دلی کے باوجود بھی ان حضرات کو جب بھی خدمتِ اسلام کا موقعہ ملتا تھا وہ اس سے گریز نہیں کرتے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں کارکردگی اور جہاد کا وہ جوش باقی نہیں رہا تھا۔ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور حکومت میں تھا۔

ایران میں وسیع جنگی تیاریاں

ایران میں ذمہ دار عہدوں کی جلد جلد تبدیلیوں کی وجہ سے جو انتظامی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایرانیوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ لیکن ان انتظامی خرابیوں کے باوجود بھی مسلمانوں کے حوصلے نہایت بلند تھے اور وہ ہر شورش اور فتنہ کو بڑی آسانی سے دبا دیتے تھے چنانچہ اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ ہمدان اور رے کے علاقوں میں سخت بغاوت برپا ہو گئی تھی۔ جسے ابو موسےٰ اشعری نے حضرت عثمان غنیؓ کے ابتدائی دورِ حکومت ہی میں دبا دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اسیریہ اور نینوہ کی جانب توجہ کرنی پڑی کیونکہ شاہِ ایران یزدجرد نے یہاں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت بڑی فوج جمع کر دی تھی۔ مسلمانوں میں اگرچہ عہدوں کی تبدیلی اور انتظامی گڑبڑ کی وجہ سے ایک حد تک بددلی پیدا ہو چکی تھی۔ مگر جذبہ اسلام فنا نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ وہ شاہِ ایران کی جمع کردہ فوج کے مقابلہ پر نکلے اور خوب دل کھول کر لڑے اور اسیریہ کو فتح کرنے کے بعد نینوا پر بھی قبضہ کر لیا۔

سلطنتِ اسلامیہ کی داخلی کمزوریوں کی وجہ سے چونکہ ایرانیوں کو یہ توقع ہو گئی تھی کہ اب وہ مسلمانوں کو ایران سے نکال دیں گے۔ اس لئے پے در پے شکستوں کے باوجود اصطخر اور جور میں ایرانیوں کا اسی ہزار

کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوگیا۔ عبداللہ بن معمر جب ان کے مقابلہ پر پہنچے تو انہیں شہید کر دیا گیا۔ ان کے شہید ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ ایک بڑا لشکر لے کر اصطخر کی جانب بڑھے اور انہوں نے بڑی خونریز جنگ کے بعد اصطخر کو ۲۸ھ میں زیر کر لیا۔ ۳۰ھ میں ہرم بن حبان کے ہاتھ پر جور کا علاقہ بھی فتح ہوگیا۔

مسلمانوں نے جس وقت اصطخر پر حملہ کیا تو شاہِ ایران یزدجرد اصطخر میں موجود تھا جب اسے یقین ہوگیا کہ مسلمانوں سے اصطخر کا بچانا ناممکن ہے تو وہ اصطخر سے بھاگ کر کرمان اور وہاں سے خراسان ہوتا ہوا مرو چلا گیا مسلمانوں نے ایک ایک کر کے کرمان، خراسان اور مرو کو بھی ۳۱ھ میں فتح کر لیا۔ اس کے بعد اصفہان میں ایرانی لشکر کا اسلامی فوج سے سخت مقابلہ ہوا یہاں نہاوند کا تمام شکست یافتہ ایرانی لشکر جمع تھا۔ اس لشکر سے مسلمانوں کو بڑا ہی سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ آخر اصفہان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔

یزدجرد کا قتل۔ ایران کی مکمل فتح

ایرانیوں نے پھر ایک مرتبہ اپنے ملک کو واپس لینے کی آخری کوشش کی۔ یزدجرد شاہِ ایران اور ایرانی مذہبی راہنماؤں نے آتش پرستوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو کر مادرِ وطن کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالنے کے لئے فوراً میدان میں آ جائیں۔ چنانچہ اس اپیل پر آتش پرستوں میں عام جوش پیدا ہوگیا۔ اور پھر ایک بہت بڑا ایرانی لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہوگیا اور اس نے اصطخر پر حملہ کر دیا لیکن اس لشکر میں چونکہ بیشتر تعداد غیر تربیت یافتہ رضاکاروں کی تھی اس لئے وہ زیادہ دیر میدان میں نہیں جم سکے اور بہت جلدی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے

یزدجرد کو جب اس حملہ میں بھی ناکامی ہوئی تو اس نے خراسان پہنچنے کے بعد ایرانی جھنڈے کے نیچے ایرانیوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ مسلمان بھی درمیانی شہر فتح کرتے ہوئے یزدجرد کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے۔ آخر بلخ میں مسلمانوں کا یزدجرد کے لشکر سے سخت مقابلہ ہوا اس مقابلہ میں بھی ایرانیوں کو بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔ اس شکست کے بعد ایرانی جنگ سے تنگ آ گئے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ سلسلہ بند ہو جائے۔

۳۱ھ میں مسلمانوں نے سرخس، ہرات اور ایران کے ان تمام علاقوں کو فتح کر لیا جو باقی رہ گئے تھے ادھر ایرانی لشکر میں ایسی بددلی پھیلی کہ ایرانیوں نے چاہا کہ وہ اپنے بادشاہ کو گرفتار کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیں شاہِ ایران کو لشکریوں کے ان ارادوں کا علم ہوا تو اس نے فوج سے بھاگ کر ایک پن چکی والے کے گھر میں پناہ لی۔ پن چکی والے نے بادشاہ کا قیمتی لباس اور جواہرات دیکھے تو بڑی خوشی سے اپنے گھر میں پناہ دینے پر رضامند ہوگیا۔ اور پھر دوسرے ہی دن لات کو جواہرات کے لالچ میں آ کر بادشاہ کو سوتے میں قتل دیا تمام

قیمتی سامان رکھ لیا اور لاش کو دریا میں بہا دیا۔

یزدجرد سوم ایران کا آخری آتش پرست بادشاہ تھا جو بیس برس نہایت پریشانی اور جلاوطنی کے عالم میں حکومت کرنے کے بعد ۴۳ سال کی عمر میں ۳۱ھ میں اپنے ہی ملک کے ایک دیہاتی کے ہاتھوں قتل ہوا یزدجرد کی موت کے بعد سارے ملک ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ایران پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے دورِ خلافت میں ۱۲ھ میں کیا تھا لیکن ایران کے خلاف صحیح معنوں میں جنگی مہم حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں شروع ہوئی تھی جو اس وقت تک برابر چلتی رہی جب تک پورے ایران پر مسلمان قابض نہیں ہو گئے۔ ایران پر مکمل قبضہ ۳۱ھ ۶۵۲ء میں ہوا۔ بہت ممکن تھا کہ یہ مہم اب سے پہلے ہی ختم ہو گئی ہوتی اور ایران کی مکمل فتح سے مسلمان جلدی فارغ ہو گئے ہوتے مگر حضرت عثمان غنیؓ کی قرابت نوازی اور تجربہ کار حکام کی تبدیلیوں سے ایشیا کی اس سب سے بڑی سلطنت کے فتح کرنے میں نہ صرف دیر لگی بلکہ اسلامی لشکر کو غیر معمولی پریشانیاں اٹھانا پڑیں۔

عبداللہ بن سبا کی فتنہ پردازیاں

عبداللہ بن سبا یہودی جو حضرت عثمان غنیؓ کے عہد حکومت میں بظاہر مسلمان بن گیا تھا اس کے فتنہ کو اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اس نے خلافت اسلامیہ کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے درپردہ ایک ایسی خوفناک تحریک جاری کی تھی جس نے خلافتِ اسلامیہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا عبداللہ بن سبا کا اٹھایا ہوا یہ فتنہ صرف حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت پر ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ اس کے بعد بھی یہ نئی نئی صورتوں میں برابر رونما ہوتا رہا ہے۔ بلکہ موجودہ زمانہ میں بھی اس فتنہ کی جھلک اسلامی ملکوں میں کبھی کبھی دکھائی دے جاتی ہے۔ یہ فتنہ کس طرح شروع ہوا اور اس فتنہ کی وجہ سے خلافت اسلامیہ کو کیسی کیسی پریشانیاں اٹھانی پڑیں اس کی تفصیل ہم مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

عبداللہ بن سبا شہر صنعا کا رہنے والا تھا یہ ایک نہایت ہی چالاک اور عیّار یہودی تھا جس کو حکومت اسلامیہ سے للّٰہی بیر تھا اس نے مسلمانوں کو فریب دینے کی غرض سے بظاہر تو اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ در پردہ بدستور مذہب یہود پر قائم تھا اس کا منشا اور مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمان بن کر مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے اختلافات کو اچھی طرح ابھارے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوا کر اور ایک دوسرے کے ہاتھوں کٹوا کر ختم کر دے۔

عبداللہ بن سبا کو اپنی فتنہ پردازی کے لئے اس لئے اور بھی موقع مل گیا کیونکہ حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں بعض غلط اقدامات کی وجہ سے مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں زبردست اختلافات پیدا ہو گئے تھے

عبداللہ بن سبا نے ان اختلافات سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور مسلمانوں کو مشتعل کر کے نہایت عیاری کے ساتھ مسلمانوں کو مسلمانوں کے مقابلہ پر صف آرا کر دیا اور یہی اس کی غرض تھی کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اسلامی فوجوں کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔

عبداللہ ابن سبا جس کی ابتدائی زندگی پردۂ گمنامی میں ہے عین اس زمانہ میں مدینہ آ کر آباد ہو گیا تھا جس زمانہ میں کہ حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مسلمانوں میں مختلف خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ یہ مدینہ آنے کے بعد حضرت علیؓ اور اہل بیت کا عاشقِ زار بن گیا تھا۔ اور اس نے حضرت علیؓ کے نام کا سہارا لے کر حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مسلم عوام کو بری طرح بھڑکانا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ مسلمانوں میں عثمانی اور علوی دو گروہ پیدا کرنے کے بعد ان کو آپس میں ٹکرا دے۔

مدینہ میں اپنی فتنہ پردازی کے لئے زمین تیار کرنے کے بعد یہ عیار بصرہ پہنچا اور لوگوں کو حضرت عثمان غنیؓ کی حکومت کے خلاف خوب بھڑکایا جب اسے بصرہ سے نکالدیا گیا تو وہ کوفہ پہنچ گیا یہاں بھی وہ مسلمانوں میں افتراق کی آگ بھڑکاتا رہا جب یہاں سے بھی نکالا گیا تو دمشق جا پہنچا اور دمشق سے نکالے جانے کے بعد مصر چلا گیا۔ مصری باشندوں کو اس نے ایسا بھڑکایا کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کو قتل کرنے تک کے لئے آمادہ ہو گئے۔

عبداللہ بن سبا کی یہ سرگرمیاں صرف وقتی طور پر مسلم عوام کو بھڑکانے تک ہی محدود نہیں تھیں۔ بلکہ وہ جس جگہ بھی جاتا تھا وہاں اپنے ہمنوا اور مددگار مسلمانوں کی ایک جماعت بنا کر چھوڑ آتا تھا یہ جماعتیں اس کے چلے جانے کے بعد بھی اس کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کر کے مسلمانوں میں افتراق پھیلانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ اور منافقانہ سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ ان جماعتوں کی جانب سے مملکت اسلامیہ کے معززین کو حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے مقرر کردہ عمال کے خلاف ہزاروں کی تعداد میں خطوط بھیجے جاتے تھے تاکہ دنیائے اسلام کے تمام معززین اور صاحبِ اثر حضرات عثمان غنیؓ کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس قسم کے خطوط سب سے زیادہ مدینہ منورہ کے معززین کو روانہ کئے گئے تھے ان خطوط کی وجہ سے مدینہ کے اکثر مسلمانوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ حضرت عثمان غنی کے مقرر کئے ہوئے حکام بالکل نااہل ہیں اور وہ جہاں بھی ہیں وہاں کی رعایا ان سے خوش نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ کی پریشانی

حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مملکتِ اسلامیہ میں جب ناگواری کے آثار زیادہ بڑھے تو حضرت عثمان غنیؓ پریشان رہنے لگے ۳۴ھ میں جب آپ حج کو جانے لگے تو آپ نے تمام بڑے بڑے صوبوں کے عاملوں کو حکم بھیجا کہ حج کے موقعہ

پر سب مکہ معظمہ میں جمع ہو جائیں تاکہ سلطنت کے کاموں میں مشورہ کیا جا سکے؛ چنانچہ عبداللہ بن سعد والی مصر، معاویہ بن ابی سفیان والی شام۔ عبداللہ بن عامر والی بصرہ اور تمام دوسرے صوبوں کے گورنر حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں جمع ہو گئے۔

حضرت عثمان غنی کی حکومت کے خلاف ممالکِ اسلامیہ میں جو ہیجان و اضطراب پھیلا ہوا تھا اسے رفع کرنے کے بارے میں پہلے تو مکہ میں مشورے ہوتے رہے اس کے بعد تمام صوبوں کے والی حضرت عثمان غنی کے ہمراہ مدینہ آ گئے۔ بعض صوبوں کے والیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو مشورہ دیا کہ وہ شرارت پسندوں کے خلاف سختی سے پیش آئیں بعض کی رائے تھی کہ اس فتنہ کو تدبر اور ہوشمندی کے ساتھ دبایا جائے امیر معاویہ حاکمِ شام کا یہ مشورہ تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کچھ دن کے لیے ان کے ساتھ شام چلے جائیں غرضکہ کئی ہفتہ کی مسلسل گفتگو کے بعد بھی حضرت عثمان غنیؓ اور تمام عمالِ حکومت حضرت عثمان غنیؓ کی موجودہ پریشانی کا کوئی حل نہ نکال سکے یہاں تک کہ سب اپنے اپنے صوبوں کو واپس چلے گئے۔

بغاوت کے آثار اس تمام عرصہ میں ابن سبا بھی غافل نہیں رہا وہ مصر میں بیٹھا بیٹھا خفیہ طور پر مختلف ممالک میں اپنے ایجنٹوں کو ہدائتیں بھیجتا رہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ عثمان غنی کے خلاف کھلم کھلا کارروائی شروع کر دی جائے اور جس قدر قوت سے ممکن ہو ان کے خلاف بغاوت پھیلائی جائے۔ چنانچہ سلطنت اسلامیہ کے ہر حصہ میں حضرت عثمان غنیؓ پر سخت نکتہ چینی شروع ہو گئی۔ ان پر اعتراضات کئے جانے لگے کہ انہوں نے اپنے قرابت داروں کو نااہل ہونے کے باوجود مصر، کوفہ بصرہ اور تمام صوبوں میں بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔ اور مروان بن الحکم جسے رسول اکرم نے مدینہ سے نکال دیا تھا اور سابقہ دونوں خلفاء نے بھی ان باپ بیٹوں کو مدینہ میں نہیں گھسنے دیا تھا اس کو حضرت عثمانؓ نے اپنا مشیرِ خاص بنا رکھا تھا۔ نیز عوام کو آپ سے یہ بھی شکایت تھی کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بیت المال سے بے اندازہ دولت دے دی ہے۔ ایک اعتراض آپ پر یہ بھی تھا کہ آپ ممبر کی اسی اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے ہیں جس پر کہ رسول اللہ صلعم خطبہ پڑھا کرتے تھے حالانکہ دونوں سابقہ خلفاء نے ازراہ ادب اس سیڑھی پر کبھی قدم نہیں رکھا بلکہ ہمیشہ نیچے اتر کر خطبہ پڑھا عوام کا خیال تھا کہ اس طرح حضرت عثمان غنیؓ نے رسولِ اکرم کی توہین کی ہے۔ غرضکہ ہر طرف حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت کا ایک ایسا طوفان کھڑا ہو گیا جو روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ اور جس نے آگے چل کر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔

حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف یوں تو باغیوں کے گروہ مملکتِ اسلامیہ کے تقریباً ہر صوبہ میں موجود تھے۔ لیکن مصر بصرہ اور کوفے کے گروہ سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ چنانچہ ان تینوں صوبوں سے ایک ایک

ہزار کے قافلے تھوڑے تھوڑے ہو کر اس خیال سے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے تاکہ یہ سب مدینہ پہنچ کر اور اپنی اجتماعی طاقت سے کام لے کر حضرت عثمان غنیؓ کو معزول کر دیں اور اس کے بعد حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہ میں سے کسی ایک کو ان کی جگہ خلیفہ بنا دیں۔ یہ تینوں قافلے جب مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے مدینہ سے باہر ہی قیام کیا تاکہ پہلے اپنے کچھ منتخب آدمیوں کو مدینہ بھیج کر مدینہ کی حالت معلوم کر لیں۔ اگر مدینہ میں فوج وغیرہ موجود ہے تو پر امن طریقہ پر اپنا مطالبہ منوانے کی کوشش کی جائے اور اگر فوج نہیں ہے تو پھر بغاوت پھیلائی جائے۔ غرضکہ مدینہ میں ان تینوں گروہوں کے سردار داخل ہو گئے اور تینوں گروہوں کے نمائندوں اور سرداروں نے علیحدہ علیحدہ حضرت علیؓ۔ حضرت زبیر اور حضرت طلحہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ملک کے لاکھوں مسلمان حضرت عثمان کی خلافت سے قطعاً خوش نہیں ہیں۔ لہذا آپ تینوں حضرات میں سے کوئی بھی خلیفہ ہو جائے ہم ابھی بیعت کرنے کو تیار ہیں۔ بھلا یہ حضرات اس بات کو کب پسند کر سکتے تھے چنانچہ صاف انکار کر دیا سرداروں کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور وہ غصہ میں بھرے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔

حضرت علیؓ نے جب محسوس کیا کہ معاملہ بگڑ رہا ہے تو انہوں نے نہایت نرمی سے سمجھا کر سب کو ہموار کر لیا۔ مگر ہموار ہو جانے کے باوجود مصری گروہ کے نمائندے اور سردار اس بات پر اڑ گئے کہ ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک کہ مصر کے ظالم اور جابر گورنر عبداللہ بن سعد کو معزول نہیں کیا جائے گا حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام نے مصلحت وقت دیکھ کر حضرت عثمان غنیؓ کو جا کر سمجھایا کہ مناسب یہی ہے کہ ان کا یہ مطالبہ مان لیا جائے ورنہ بلوائی اگر مدینہ میں داخل ہو گئے تو نہ جانے کیا طوفان برپا کریں گے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام کی کوششوں سے مصریوں کا یہ مطالبہ مان لیا گیا اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کی امارت کا فرمان لکھ کر دے دیا۔ بلوائی ٹھنڈے پڑ گئے۔ اور حضرت علیؓ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے کہنے پر مدینہ سے چلے گئے۔

حملہ اور شہادت

بلوائی سرداروں کے مدینہ سے چلے جانے کے بعد سب کو اطمینان ہو گیا کہ یہ مصیبت ٹل گئی لیکن اچانک تین چار روز کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ بلوائیوں کی پوری جمعیت اللہ اکبر کے نعرے لگاتی ہوئی مدینہ میں داخل ہو گئی اور اس نے حضرت عثمان غنیؓ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے باغیوں سے پوچھا کہ تم لوگ تو یہاں سے چلے گئے تھے۔ اب کس لئے واپس آئے ہو؟ بلوائیوں نے جواب دیا کہ ہم کو خلیفہ نے بہت بڑا دھوکہ دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم کو تو انہوں

نے عبداللہ بن سعد کی معزولی کا پروانہ دے دیا اور لکھ دیا کہ محمد بن ابی بکر کو ان کی جگہ گورنر مقرر کیا جاتا ہے مگر بالا ہی بالا انہوں نے عبداللہ بن سعد کو اپنے غلام کے ہاتھ یہ ہدایت لکھ بھیجی کہ جیسے ہی محمد بن ابو بکر اور ان کے ساتھی پہنچیں انہیں قتل کر دینا۔ ہم نے یہ خط راستہ میں پکڑ لیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ ہم خلیفہ کو قتل کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام نے مجمع کو ٹھنڈا کرنے کی ہر چند کوشش کی لیکن معاملہ اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ بلوائیوں پر قابو حاصل کرنا ناممکن ہو گیا۔ صحابہ کرام پریشان تھے کہ کیا کریں۔ کیونکہ جس خط پر یہ سارا ہنگامہ برپا تھا وہ واقعی بلوائیوں کے قبضہ میں تھا اور اس پر حضرت عثمان غنیؓ کی مہر موجود تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ سے جب اس خط کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس خط سے قطعی طور پر لاعلمی کا اظہار کیا۔ عام طور پر خیال ہے کہ یہ خط حضرت عثمان غنیؓ کے مشیر خاص مروان بن الحکم نے حضرت عثمان غنی کے علم میں لائے بغیر ان کی طرف سے لکھ دیا تھا مروان بہت بڑا فتنہ پرداز تھا۔ رسولِ مقبول صلعم حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جب تک حیات رہے۔ مروان اور اس کے باپ الحکم کو مدینہ میں گھسنے کی اجازت تک نہ تھی لیکن حضرت عثمان غنی نے اس ابن الوقت کو محض قرابت دار ہونے کی بنا پر اپنا مشیر خصوصی بنا لیا تھا۔ یہ جو چاہتا تھا کرتا تھا سچ تو یہ ہے کہ حضرت عثمان سے جو غلطیاں منسوب کی جاتی ہیں۔ ان کا اصلی محرک یہی فتنہ پرداز مروان تھا چنانچہ اس نے بالا ہی بالا حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے یہ خط لکھ کر ان کو بڑی دشواری میں مبتلا کر دیا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان غنی سے گفتگو کے بعد بلوائیوں کے پاس آئے اور حضرت عثمان کی تمام گفتگو ان کے سامنے دہراتے ہوئے کہا کہ "حضرت عثمان جھوٹے آدمی نہیں ہیں وہ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ ایسی حالت میں تمہارا ان سے انتقام لینا کسی طرح بھی درست نہیں"۔ بلوائیوں نے جواب دیا اگر یہ فعل عثمان کا نہیں ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مروان کی اس میں ضرور شرارت ہے۔ بھلا جس خلیفہ کی حالت یہ ہو کہ اس کے نام سے رسول اللہ کی بے گناہ امت کے قتل کے فرمان جاری کر دیئے جائیں اور اسے خبر تک نہ ہو کیا وہ اس قابل ہے کہ اسے مسندِ خلافت پر برقرار رکھا جائے اسے ضرور معزول کر دینا چاہئے۔ لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ حضرت عثمان کو فوراً معزول کیا جائے اور مروان کو ہمارے حوالے کیا جائے تاکہ ہم اس کو پوری پوری سزا دے سکیں"۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور صحابہ کرام حیران پھر رہے تھے کہ اس مصیبت کو کس طرح ٹالیں لیکن کر بھی کیا سکتے تھے۔ کیونکہ حضرت عثمان غنیؓ نہ تو خلافت چھوڑنے کے لئے تیار تھے اور نہ مروان کو بلوائیوں کے

حوالے کرنے پر آمادہ تھے۔ چنانچہ بلوائیوں کا جوشِ مخالفت برابر بڑھتا چلا گیا اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور کھانے پینے کے سامان کو گھر میں جانے سے روک دیا حضرت عثمان غنی سخت پریشان تھے اور اگر دیوار وغیرہ پر چڑھ کر وہ کسی سے کچھ کہنا چاہتے تھے تو بلوائیوں کی طرف سے ان پر پتھر برسائے جاتے تھے یہاں تک کہ پانی کے ایک قطرے کو محتاج ہو گئے حضرت علی نے بڑی ہمت کر کے گھر میں پانی پہنچایا۔

بلوائیوں کی خوش قسمتی سے اس وقت مدینہ فوج سے بالکل خالی تھا اور جو فوجیں باہر سے طلب کی گئی تھیں ان کے جلد پہنچنے کی امید نہیں تھی۔ بلوائی چاہتے تھے کہ وہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلد سے جلد حضرت عثمانؓ کا خاتمہ کر دیں لیکن ان کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر قدم قدم پہان کے ناپاک ارادوں کے راستہ میں حائل ہو رہے تھے۔ چنانچہ ان تینوں مقتدر حضرات نے اپنے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمان غنی کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا۔

حضرت امام حسنؓ۔ حضرت امام حسینؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر برابر بلوائیوں کو روکتے رہے۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو حضرت عثمان غنی کے مکان کی چھت پر بھی حفاظت کی غرض سے متعین کر دیا تھا۔ لیکن بلوائی بڑی چالاکی کے ساتھ حضرت عثمان کے برابر والے مکان میں داخل ہو گئے اور وہاں سے دیوار کود کر حضرت عثمان کے مکان میں جا پہنچے ان میں محمد بن ابی بکر بھی تھے۔ محمد بن ابی بکر حضرت عثمان کے ساتھ نہایت سختی اور گستاخی سے پیش آئے۔ اور ان کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے کہا۔ "اگر تمہارے باپ ہوتے تو کیا تم میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے" تو محمد بن ابی بکر شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن دوسرے بلوائی حضرت عثمان پر پل پڑے اور تلوار سے حملہ کر دیا۔ فوراً آپ کی بیوی نائلہ شوہر کو بچانے کے لئے درمیان میں حائل ہو گئیں۔ اور تلوار کا وار اپنے ہاتھ پر لے لیا۔ جس سے کہ ان کی انگلیاں کٹ کر الگ جا پڑیں۔ بلوائیوں نے انہیں دھکا دے کر ہٹا دیا۔ اور دوسرا وار براہ راست حضرت عثمان پر کیا جس سے کہ آپ شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے چنانچہ قرآن مجید بھی خون سے تر ہو گیا۔ بلوائیوں کا غصہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ شہادت کے بعد بھی انہوں نے آپ کے جسم مبارک پر نیزے مارے اور اسے بری طرح ٹھکرایا جس سے کہ آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں یہ سب کچھ آن کی آن میں ہو گیا جب لوگ باہر سے اور چھت پر سے آپ کی مدد کے لئے آئے تو آپ کا کام تمام ہو چکا تھا اور بلوائی اسی راستہ سے جدھر سے کہ آئے تھے واپس جا چکے تھے یہ دردناک واقعہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ ۶۵۶ء کو پیش آیا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد بلوائیوں کے حوصلے بے حد بڑھ گئے تھے انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے سارے مکان کو لوٹ لیا یہاں تک کہ جسم کے کپڑے تک باقی نہیں چھوڑے اس واقعہ کے بعد سارے مدینہ میں لاقانونی کی سی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ بلوائی مدینہ میں جہاں چاہتے تھے ہنگامہ برپا کر دیتے تھے اس ہلچل کی وجہ سے تین دن تک حضرت عثمان غنیؓ کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ تین دن کے بعد رات کے وقت جب ان کا جنازہ لے کر چلے تو بلوائیوں نے جنازہ کی نماز اور دفن میں بھی مزاحمت کرنی چاہی۔ مگر حضرت علیؓ جب ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو انہوں نے مزاحمت ترک کر دی۔ آخر جنازہ کی نماز کے بعد بغیر غسل و کفن کے ان ہی کپڑوں میں جو حضرت عثمان غنیؓ شہادت کے وقت پہنے ہوئے تھے آپ کو دفن کر دیا گیا۔ حضرت عثمان پہلے پارہ کی آخری آیات کی تلاوت کر رہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ قرآن کا یہ صفحہ خون سے رنگین ہو گیا۔

آدھی رات کو حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں آتارا انا للہ و انا الیہ راجعون

جناب عثمان غنیؓ نے بہت سی شادیاں کی تھیں دو صاجزادیاں حضور اقدس کی بھی آپ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے آئیں۔ مگر ان میں حضرت رقیہ اور جناب ام کلثوم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ دوسری بیویوں سے جو اولاد پیدا ہوئی ان میں سے آپ کی وفات کے بعد دو بیٹے اور چار بیٹیاں موجود تھیں۔

خلافتِ عثمانؓ پر ایک نظر

حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ حکومت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں اور اس کا سابق خلفا کے عہد حکومت سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوتی ہے کیونکہ نہ تو ان کے دورِ حکومت میں سابقہ خلفا کی سی شاندار فتوحات دکھائی دیتی ہیں اور نہ وہ سادگی اور بے لوثی نظر آتی ہے جو اس سے قبل مسلمان دیکھ چکے تھے۔

حضرت عثمان غنی چونکہ خود امیر کبیر تھے اس لئے ان کے اندر اپنے پیشرو خلفا کی طرح سادگی نہ تھی۔ آپ کے زمانہ میں اسلامی گورنروں اور حکام میں بھی سادگی باقی نہیں رہی بلکہ ان میں ظاہری شان و شوکت اور نہ صرف مال و دولت سے محبت پیدا ہو گئی بلکہ مسلمان عیش پرستی کی جانب بھی رجوع ہونے لگے تھے۔ اور عیش پرستی کی بنا پر ان کی سپاہیانہ اسپرٹ بڑی حد تک گھٹ گئی تھی۔ معمولی اور چھوٹے چھوٹے حکام کا تو ذکر ہی کیا ہے صوبوں کے گورنر بھی عیش پرستی کا شکار ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی کے رضاعی بھائی ولید بن عقبہ حاکم کوفہ کو کثرت شراب نوشی کے جرم میں نہ صرف عہدہ سے معزول کرنا پڑا تھا۔ بلکہ مجمع عام میں چالیس کوڑے بھی لگائے گئے تھے۔ یہی حالت اکثر و بیشتر صوبوں کے عمال کی تھی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ صوبوں کی حکومتیں کمزور ہو گئیں جن کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے کھڑے ہو گئے۔ اور مزید فتوحات

کا سلسلہ منجمد ہو گیا۔

حضرت عثمان غنی کی نیکی اور پاکبازی مسلمہ ہے۔ بلاشبہ آپ ایک نہایت ہی سیدھے اور سچے مسلمان تھے۔ لیکن حکمرانی کے لئے جو خوبیاں کسی شخص میں ہونی چاہئیں وہ آپ میں موجود نہیں تھیں۔ آپ میں ایک بڑی چیز یہ تھی کہ آپ ضرورت سے زیادہ نرم مزاج تھے جس کی وجہ سے مروان بن الحکم جیسے عیار اور مکار آپ پر قطعی حاوی ہو گئے تھے اور ذاتی اغراض کے لئے جو چاہتے تھے کرتے رہتے تھے چنانچہ ایسے ہی لوگوں کی خود غرضیوں اور ریشہ دوانیوں کی بدولت ساری مملکتِ اسلامیہ میں حضرت عثمان کے خلاف عام مخالفت پیدا ہو گئی اور ہر حلقہ میں آپ پر خویش نوازی اور من مانی کارروائیوں کے کرنے کا الزام لگایا جانے لگا آخر یہ ناگواری بغاوت کی شکل اختیار کر گئی۔ اور آپ کو باغیوں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

اسلام نے دنیا میں آ کر قبیلوں اور خاندانوں کے امتیاز کو مٹا دیا تھا نہ کوئی چھوٹا رہا تھا اور نہ بڑا۔ اس نے جملہ قبائل کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا تھا اور قبیلوں کی صدیوں کی پرانی دشمنی کو دوستی میں بدل دیا تھا لیکن یہ خصوصیت صرف حضرت عمر فاروقؓ کے عہد حکومت تک قائم رہی حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد جب حضرت عثمان غنی مسند خلافت پر بیٹھے تو عرب کے مختلف قبائل کی پرانی رقابتیں اور مخالفتیں پھر ابھرنے لگیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بنو ہاشم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں اور بنی امیہ میں شدید رقابت تھی جسے اسلامی اخوت کے رشتہ نے بالکل ختم کر دیا تھا لیکن عثمان غنی کے برسر اقتدار آنے کے بعد زمانہ جاہلیت کی رقابتوں کے یہ نقوش پھر ابھر آئے۔ اور پھر اپنے خاندان والوں کو اسی طرح نوازا جانے لگا۔ جس طرح کہ ایام جاہلیت میں نوازا جاتا تھا چنانچہ خاندان بنی امیہ کے افراد کو مملکتِ اسلامیہ کے تمام بڑے بڑے صوبوں پر مسلط کر دیا گیا۔ ہم کو اس چیز کا اقرار ہے کہ خود حضرت عثمان غنی کے دل میں خاندانِ بنو ہاشم کی طرف سے کسی قسم کا بغض اور عناد نہیں تھا بلکہ ان کے دل میں اس خاندان کا بے حد احترام تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس چیز سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خاندان بنی امیہ کے افراد پر بے حد مہربان تھے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ خاندان بنی امیہ کے افراد حکومت کے تمام عہدوں پر قابض ہو گئے۔ اور بنو امیہ کے علاوہ تمام دوسرے خاندانوں کی حق تلفی ہونا شروع ہو گئی۔ جسے نہ صرف خاندان بنو ہاشم ہی بلکہ عرب کے دوسرے قبائل میں بھی بری طرح محسوس کیا گیا۔

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد حکومت کا جب ہم مقابلہ کرتے ہیں تو یہ بات نمایاں طور پر سامنے آ جاتی ہے۔ کہ حضرت عثمان سے پہلے کے دونوں خلفا کا طریقہ عین سنتِ رسول کے مطابق تھا تمام

خاندانوں، قبیلوں اور مسلمانوں کو یکساں سمجھا جاتا اور سب کو ترقی دینے اور فائدہ اٹھانے کے مواقع بہم پہنچائے جاتے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے جملہ قبائل حکومت اسلامیہ کو اپنی حکومت سمجھنے لگے اور عربوں کو بے اندازہ فتوحات حاصل ہوئیں، اس کے برخلاف حضرت عثمان غنی کے عہد حکومت میں عرب کے جملہ قبائل اور خاندانوں کو نظر انداز کر کے صرف خاندان بنی امیہ کو نوازا گیا جس کا لازمی اثر یہ تھا کہ تمام دوسرے قبیلوں اور خاندانوں میں بددلی پیدا ہو گئی۔ اور سلطنتِ اسلامیہ خاندان بنو امیہ کی میراث بن کر رہ گئی اور اس جانب داری اور فرقہ پرستی کی بنا پر فتوحات کی رفتار بھی بے حد گھٹ گئی چنانچہ حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں جو سب سے بڑی فتح حاصل کی گئی وہ افریقہ کی فتح تھی لیکن یہ ملک بھی فتح ہوتے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔

مملکتِ اسلامیہ میں صرف ایک ہی خاندان کے برسرِ اقتدار آنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابن سبا جیسے یہودیوں کو مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ اور یہ فتنہ صرف حضرت عثمان غنی کی شہادت پر ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ آگے چل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ حکومت میں بھی اس فتنہ کی وجہ سے بڑا افتراق پیدا ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حکومت کی ناکامی کی وجہ ہی یہ ہے کہ مملکت اسلامیہ کے تمام صوبوں میں ایک ہی خاندان یعنی خاندان بنی امیہ کے عمال موجود تھے جن میں سے بعض کھلم کھلا حضرت علیؓ کی بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور بعض درپردہ حضرت علیؓ کی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے رہے۔ اور حضرت علیؓ کی حکومت صرف دارالخلافہ کی چہار دیواری میں محدود ہو کر رہ گئی۔ یعنی حضرت عثمان غنی کی دانستہ یا نادانستہ طریقہ پر خویش نوازی کے نقصانات صرف ان ہی کی عہد حکومت تک محدود نہیں رہے بلکہ ان کے مضر اثرات ان کے جانشینوں اور عام مسلمانوں کو بھی برداشت کرنا پڑے۔

تاریخی حقائق پر نظر رکھنے والے مسلمانوں کی رائے ہے کہ اگر حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا انتخاب عمل میں آجاتا تو شاید اسلام ایک بہت بڑے فتنے اور خانہ جنگی سے بچ جاتا۔ کیونکہ ان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کسی خاص خاندان یا قبیلہ کا حکومت اسلامیہ میں وہ شخصی اقتدار قائم ہو جاتا جس سے کہ بعد کو بڑے بڑے ہنگامے برپا ہوئے بلکہ اسلامی فتوحات اور ترقیوں کا سلسلہ شاید اسی طرح جاری رہتا جس طرح کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد حکومت تک جاری تھا۔ لیکن کچھ حالات و واقعات ایسے رونما ہوئے کہ حضرت عثمان غنی کا انتخاب عمل میں آگیا محض اس لئے کہ ان کی نیکی اور بزرگی سے انتخابی مہم کے ذمہ دار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بہت زیادہ متاثر ہو گئے شاید یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گی کہ حضرت عثمان غنی کی فطری کمزوری اور خویش پروری کی بدولت ایسے غیر ذمہ دار حضرات برسر اقتدار

آجائیں گے جن کی وجہ سے ایام جاہلیت کی پرانی رقابتیں پھر زندہ ہو جائیں گی۔ اور ان رقابتوں کے خطرناک نتائج یہاں تک مرتب ہوں گے کہ جب حضرت عثمان غنی کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں گے تو ان کے لئے نہ صرف حکومت کا چلانا ناممکن ہو جائے گا بلکہ حالات یہاں تک بگڑ جائیں گے کہ مسلمانوں کی وہ تلواریں جو کفار اور مشرکوں کی گردنیں کاٹا کرتی تھیں اور میدان جنگ میں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے بلند ہوا کرتی تھیں آپس ہی میں ایک دوسرے کے خون سے آلودہ نظر آئیں گی۔

خدمت اشاعتِ قرآن

حضرت عثمان غنی کے دورِ خلافت کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں پہلی مرتبہ اشاعت قرآن کے لئے تدابیر اختیار کی گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے دور میں تو یہ ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ قرآن مجید کے اصل نسخہ کی نقلیں کرا کے ان کی اشاعت کی جائے لیکن حضرت عثمان غنی کے دورِ حکومت میں جب یہ شکایتیں آنی شروع ہوئیں کہ روم، ایران اور دوسرے ممالک میں لوگ قرآن مجید کے پڑھنے میں غلطیاں کرتے ہیں تو حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت کے ساتھ مزید تین کاتبوں کو شامل کر کے اور حضرت حفصہؓ سے قرآن مجید کا اصل نسخہ منگا کر اس کی متعدد نقلیں کرائیں اور مختلف ممالک میں بھجوادیں۔ اور اصل قرآنِ مجید کی ان صحیح نقلوں کے علاوہ جتنے بھی نوشتے جہاں کہیں موجود تھے ان سب کو اکٹھا کر کے آپ نے جلا دیا تاکہ غلط نسخے آگے چل کر کسی فتنہ کا باعث نہ بن جائیں۔ یہی وہ خدمت جلیلہ ہے جس کی بنا پر آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں جامع قرآن حضرت ابوبکر صدیق تھے جن کی نگرانی میں سب سے پہلے قرآن مجید کو کتابی صورت میں لایا گیا۔

حضرت عثمان غنی نے تو فقط اتنا کیا تھا کہ انہوں نے حضرت حفصہ کی تحویل سے قرآن مجید کے اصل نسخہ کے ذریعہ اس مقدس کتاب کی متعدد نقلیں کرادی تھیں۔ اور انہیں مختلف ممالک میں بھجوادیا تھا۔

چند دیگر خدمات

ذیل میں ہم حضرت عثمان غنی کے خصائل اور آپ کی خلافت سے متعلق متفرق واقعات درج کرتے ہیں۔

مختلف ممالک کے لئے تبلیغی وفود

حضرت عثمان غنی نے اپنے عہدِ حکومت میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے مختلف ممالک میں تبلیغی وفود بھی روانہ کئے ۔۔۔۔ جن میں سے ایک وفد مغیرہ بن شعبہ سابق گورنر کوفہ کی سرکردگی میں بذریعہ جہاز ہندوستان بھی آیا تھا۔ اور مالابار میں اس نے اشاعتِ اسلام کے لئے بڑا کام کیا تھا۔ چنانچہ کالی کٹ کے شہر میں جب یہ تبلیغی وفد پہنچا تو وہاں کے راجہ زمورن نے اس وفد کو شاہی مہمان بنایا اور امیرِ وفد کی

زبانی رسول اللہ صلعم کے حالات سننے کے بعد اس راجہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

جمعہ کی نماز کے لئے ایک کی بجائے دو اذانیں جمعہ کی نماز میں ایک کی بجائے دو اذانیں ہوتی ہیں۔ ان دو اذانوں کی ابتدا حضرت عثمان غنی ہی کے وقت سے ہوئی۔ حضرت عثمان غنی کے عہدِ خلافت سے قبل جمعہ کی نماز کے لئے اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام ممبر پر خطبہ پڑھنے کے لئے جاتا تھا لیکن جب حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں نمازیوں کی کثرت ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ خطبہ کی اذان سے پہلے بھی ایک اذان ہوا کرے تاکہ نمازی صحیح وقت پر نماز کے لئے پہنچ سکیں۔

اخلاق و عادات حضرت عثمان غنی اگرچہ ایک دولتمند گھرانے کے فرد تھے اور خود بھی بہت دولتمند تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ مسجد نبوی میں صرف ایک چادر سر کے نیچے رکھ کر سو جاتے تھے۔ سو کر جب اٹھتے تھے تو بدن پر کنکریوں کے نشانات ہوتے تھے۔ آپ کے مزاج میں انتہا درجہ کی انکساری تھی۔ عہد خلافت میں کبھی آپ نے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو برتر نہیں سمجھا سب کے ساتھ بیٹھتے تھے اور سب کی عزت کرتے تھے۔

روزانہ ایک غلام آزاد کرتے تھے حضرت عثمان غنی جب سے مسلمان ہوئے تھے آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر جمعہ کو ایک غلام ضرور آزاد کرتے تھے اگر کسی جمعہ کو ایسا نہیں ہوتا تھا آپ اگلے جمعہ کو ایک کی بجائے دو غلام آزاد فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جس زمانہ میں آپ کو بلوائیوں نے گھیر رکھا تھا اور دانہ پانی تک بند کر رکھا تھا آپ اس زمانہ میں بھی بدستور غلام آزاد کرتے رہے۔

سخاوت نبی اکرم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو مسلمانوں نے شکایت کی کہ ہمارے پاس کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں ہے۔ سب یہودیوں کے قبضہ میں ہیں۔ جس کی وجہ سے پانی ملنے میں دشواری بھی اٹھانا پڑتی ہے۔ اور خرچ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ آنحضرت نے صحابہ سے اپیل کی اور فرمایا کوئی اس کنویں کو خرید لے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس موقعہ پر بڑی عظیم سخاوت کا ثبوت دیا اور سب سے بڑا کنواں ۳۵ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

رسول اللہ صلعم کی انگوٹھی گم ہو گئی رسول اللہ صلعم کی ایک انگوٹھی تھی جو خاتم نبویؐ کے نام سے مشہور ہے آنحضرت صلعم اس انگوٹھی سے خطوط اور فرامین پر مہر فرمایا کرتے تھے رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس رہی۔

جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو یہ انگوٹھی آپ نے ان کے سپرد کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہی۔ حضرت عمر فاروق کی حالت جب نازک ہوئی تو آپ نے یہ انگوٹھی حضرت حفصہ کو دیدی اور ہدایت کر دی کہ جو بھی نیا خلیفہ منتخب ہو اسے یہ انگوٹھی دے دی جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد یہ انگوٹھی انہیں مل گئی۔ ۳۰ھ میں یہ انگوٹھی حضرت عثمان کے ہاتھ سے مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک کنویں میں گر گئی۔ اس کنویں کا تمام پانی نکلوا دیا گیا۔ اور انگوٹھی کی تلاش میں کوئی کوشش نہیں اٹھا رکھی گئی لیکن یہ انگوٹھی نہ ملی۔ اس انگوٹھی کے گم ہونے کا حضرت عثمان کو بے حد صدمہ ہوا چنانچہ اسی انگوٹھی کے گم ہونے کے بعد سے حضرت عثمانؓ پر پے در پے آفتوں کا نزول شروع ہوا یہاں تک کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔

ایک غلام نے عثمان غنی سے بدلہ لیا

حضرت عثمان غنی نے ایک مرتبہ بلاوجہ اپنے کسی غلام کے کان بری طرح کھینچے تھے۔ غلام پر اس زیادتی کے بعد آپ کو خیال آیا کہ ایک مجبور پر اس قسم کا ظلم کرنا بہت بری بات ہے۔ آپ نے فوراً غلام کو بلا کر کہا کہ میں نے کان کھینچ کر زیادتی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے اس کا بدلہ لے لے تاکہ آخرت میں مجھ کو جواب دہ نہ ہونا پڑے۔ غلام پہلے تو اس کے لئے تیار نہ ہوا لیکن جب آپ نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا تو اسے مجبوراً آقا کے کان کھینچنے پڑے۔ لیکن اس نے پھر بھی نرمی اختیار کی تو آپ نے اس سے کہا کہ بھائی خوب زور سے اسی طرح کان پکڑو جس طرح میں نے تمہارے کان پکڑے تھے۔ کیونکہ دنیا کا قصاص آخرت کے بدلہ سے ہر حالت میں ارزاں ہے۔

شرم و حیا

حضرت عثمان غنی بے حد حیادار واقع ہوئے تھے معمولی معمولی باتوں میں شرم کرنا آپ کی طبیعت میں داخل ہو چکا تھا۔ آپ کے جسم کا کوئی حصہ کبھی کھلنے نہیں پاتا تھا ایک مرتبہ رسول اکرم چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے حضرت ابوبکر اور دوسرے صحابہ پاس بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت کی پنڈلی کا تھوڑا حصہ کھلا ہوا تھا حضرت عثمان سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے تو حضور اکرم نے تہبند سے پنڈلی کو چھپا لیا اور فرمایا عثمان سے حیا کرنا چاہیئے۔

فاقہ کشوں کے لئے ایک ہزار غلہ کے اونٹ

حضرت عثمان غنی بڑے ہی فیاض طبع تھے چنانچہ آپ کی فیاضی اور دریا دلی کی بنا پر ہی رسول مقبول صلعم نے آپ کو غنی کا خطاب عنایت کیا تھا۔ خلافت صدیقی میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا ہزاروں آدمی غلہ نہ ملنے کی وجہ سے فاقہ کشی پر مجبور ہو گئے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت عثمان غنی کے ایک ہزار

اونٹ غلہ سے لدے ہوئے آگئے۔ مدینہ میں جو غلہ کے تاجر تھے انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت عثمان غنی سے کہا کہ یہ سارا غلہ ہم کو ڈیوڑھی قیمت میں دید یجئے۔ لیکن آپ نے یہ غلہ فروخت نہیں کیا بلکہ مخلوقِ خدا میں مفت تقسیم کردیا۔

حصّہ ششم

حالات حکومت

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام

سنہ ۳۵ھ تا سنہ ۴۰ھ

۶۵۶ء ۶۶۱ء

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد مدینہ میں بلوائیوں کا زور اس قدر بڑھ گیا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ خلافت ختم ہو چکی ہے اور مدینہ پر صرف بلوائیوں کی حکومت ہے یہاں تک کہ مسجد نبوی میں امامت کے فرائض بھی بلوائیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئے تھے اور ان کا لیڈر غافقی بن حرب امامت کیا کرتا تھا مسلمان خوفزدہ ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ گئے تھے۔ اور ہر طرف لاقانونیت کا دور دورہ تھا یہ حالت تقریباً ایک ہفتہ قائم رہی آخر معززین مدینہ ہمت کر کے میدان میں آئے اور انہوں نے حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر سے کہا کہ آپ حضرات میں سے کوئی بھی خلافت قبول کر لے تاکہ یہ ہنگامہ ختم ہو اور باغیوں کی سرکوبی کی جا سکے۔ یہ تینوں حضرات اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے ادھر عبداللہ بن سبا کی فتنہ سازیاں بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔ اور اس کے بہکانے پر بلوائیوں نے مدینہ میں اعلان کر دیا کہ

"ہم باشندگان مدینہ کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے دو دن کے اندر نیا خلیفہ منتخب نہ کر لیا تو ہم دو دن کے بعد علی، طلحہ اور زبیر تینوں کو قتل کر دیں گے۔ اور جس کو چاہیں گے خلیفہ بنا لیں گے۔"

عبداللہ بن سبا نے اس قسم کا اعلان یہ سوچ کر کرایا تھا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے دو دن کے اندر خلیفہ کا منتخب ہونا تو ناممکن ہے جب دو دن کی مدت گذر جائے گی، تو بلوائیوں کو ابھار کر پہلے تو ان تینوں مقتدر حضرات کا خاتمہ کرا دیا جائے گا اس کے بعد پھر جسے چاہیں گے خلیفہ چن لیں گے۔ اور اس طرح اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور دیرینہ آرزو پوری ہو سکے گی۔

حضرت علیؓ کا انتخاب

اس خطرناک اعلان کے بعد مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے۔ وہ گھروں سے نکل کر دوڑے ہوئے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس دوبارہ پہنچے اور خلافت قبول کرنے پر بے حد زور دیا حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں بلوائیوں کے ہاتھوں ان کا بھی وہی انجام نہ ہو جو حضرت عثمان کا ہوا ہے۔ اس لیے ایسے خطرناک دور میں خلافت کے تاج کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت علی بھی شروع میں تو انکار کرتے رہے

لیکن جب صحابہ کرام اور اہل مدینہ نے انہیں مجبور ہی کر دیا تو وہ خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب مسلمانوں سے بیعت لینے کی غرض سے ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ ۶۵۶ء کو مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ تو مسجد مسلمانوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی مگر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر موجود نہیں تھے انہیں فوراً بلوایا گیا اور حضرت علی نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ آپ میں سے جو بھی خلافت کا خواہشمند ہو میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔" ان دونوں نے جب حسب سابق خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ "اگر آپ خلافت نہیں قبول کرتے تو حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کیجئے۔" انہوں نے کہا کہ "ہم بیعت کے لئے تیار ہیں لیکن علی یہ وعدہ کریں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر چلیں گے اور قاتلان عثمان سے انتقام لیں گے حضرت علی نے ان باتوں کا اقرار کر لیا اب ان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں تھا لہذا پہلے حضرت طلحہ نے اور اس کے بعد حضرت زبیر نے بادل نخواستہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر کیا تھا۔ ہزاروں مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے جن میں بلوائی بھی شامل تھے حضرت سعد بن ابی وقاص سے جا کر جب بیعت کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ عبداللہ بن عمر نے بھی بیعت کرنے میں تامل کیا اور امیر معاویہ کے حامی بیعت سے بچنے کے لئے شام اور مکہ کے لئے روانہ ہو گئے کیونکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ حضرت عثمان غنی کے دور میں بنی امیہ کو فروغ دینے کی جو بنیاد ڈالی گئی ہے۔ وہ قائم رہے اور امیر معاویہ بن ابو سفیان کو چوتھا خلیفہ بنایا جائے۔

حالات زندگی حضرت علی علیہ السلام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلعم کے چچا زاد بھائی بھی ہیں اور داماد بھی۔ رسول مقبول صلعم کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے حضرت علیؓ کی شادی ہوئی تھی۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ لیکن رسول اللہ صلعم آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارا کرتے تھے اور آپ اس نام سے بے حد خوش تھے۔

حضرت علی آنحضرت سے ۳۲ برس چھوٹے تھے۔ آپ کی ولادت کعبہ میں ہوئی تھی۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد طواف کرنے آئی تھیں اور پھر اس حالت میں ولادت کے آثار پیدا ہو گئے فاطمہ بنت اسد کعبہ کے اندر چلی گئیں اور وہیں جناب علی کی ولادت ہوئی یہی وجہ ہے کہ آپ کو مولود کعبہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ رسول مقبول صلعم نے پانچ سال کی عمر میں حضرت علی کو پرورش کے لئے اپنے چچا ابوطالب سے لے لیا تھا۔ رسول اکرم اولاد کی طرح حضرت علی کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ اور یہی حالت حضرت علیؓ کی بھی تھی آپ کو بھی رسول اللہ صلعم کے ساتھ عشق تھا۔ بعثت نبوی کے وقت اگرچہ حضرت علیؓ کی عمر مشکل سے

دس سال تھی لیکن آپ ہی سب سے پہلے رسول اللہ صلعم پر ایمان لائے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو حضور آپ کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے۔ تاکہ آپ تمام امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کر دیں۔ امانتیں سپرد کرنے کے بعد آپ بھی ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تھے۔ حضرت علیؓ کے پہنچنے تک رسول اللہ صلعم مدینہ کے باہر بڑی بے چینی کے ساتھ آپ کا انتظار کرتے رہے۔ جب حضرت علیؓ آ گئے تو حضور اکرم حضرت علیؓ کو ساتھ لے کر شہر مدینہ میں داخل ہوئے۔ جنگ تبوک کے علاوہ حضرت علیؓ تمام لڑائیوں میں رسول اللہ صلعم کے شریک رہے۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر جب رسول اللہ صلعم نے آپ کو مدینہ کا عامل یعنی اپنا قائم مقام بنایا اور جنگ کے لئے چلنے لگے تو حضرت علیؓ نے کہا کہ "آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا کر جا رہے ہیں"۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم کو اس بات پر خوش ہونا چاہیئے کہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ رہا ہوں جس طرح کہ حضرت موسےٰ نے اپنے پیچھے حضرت ہارون کو چھوڑا تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا"۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی کئی مرتبہ اپنی خلافت کے زمانہ میں آپ کو اپنا جانشین بنایا اور خود مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔

شجاعت اور دلیری میں سارے ملک عرب میں حضرت علیؓ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کی غیر معمولی جرأت ہی کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے آپ کو اسد اللہ یعنی شیر خدا کا خطاب دیا تھا۔ جنگ احد میں آپ کے سولہ زخم آئے تھے۔ جنگ خیبر میں رسول اللہ صلعم نے آپ کو جھنڈا عطا کرتے ہوئے پیشین گوئی کی تھی کہ "خیبر علی ہی کے ہاتھ پر فتح ہوگا" چنانچہ رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔ حضرت علیؓ کی بہادری کے کارناموں سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں آپ نے اپنی پیٹھ پر خیبر کا دروازہ اٹھا لیا تھا اور مسلمان اس پر چڑھ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اور خیبر کو فتح کر لیا۔ جب آپ نے اس دروازہ کو پھینک دیا تو چالیس آدمی اسے گھسیٹ کر دوسری جگہ ڈال سکے۔ ابن عساکر راوی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ خیبر میں قلعہ خیبر کا دروازہ اٹھا کر بہت دیر تک ہاتھ میں رکھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا اور جس وقت قلعہ فتح ہو گیا تو اسے پھینک دیا۔

حضرت علیؓ کا درجہ علم و فضل میں بھی بے حد بلند ہے خود رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں"۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے سحر بیان مقرر اور بے نظیر خطیب ہوئے ہیں۔ شرعی مسائل کے حل میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ تمام صحابہ نے بالاتفاق آپ کو مدینہ میں مفتی الاسلام مقرر کیا تھا۔ سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب پیچیدہ شرعی معاملات آ جاتے تھے اور حضرت علی اتفاق سے اس وقت تشریف فرما نہیں ہوتے تھے۔ تو حضرت عمر فاروقؓ خدا سے

پناہ مانگا کرتے تھے کہ کہیں مسئلہ غلط نہ ہو جائے۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ "مدینہ میں سوائے حضرت علیؓ کے کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکے کہ جس مسئلہ کے بارے میں پوچھنا ہو مجھ سے پوچھو۔"

آنحضرتؐ کی علیؓ سے مواخات

ترمذی نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے انصار و مہاجرین میں مواخات یعنی بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلعم کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا یا رسول اللہ آپ نے تمام صحابیوں میں بھائی چارہ کرا دیا اور میں یوں ہی رہ گیا۔ اسوقت رسول اللہ صلعم نے فرمایا یا علی انت اخی فی الدنیا والاخرۃ یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔" رسول اللہ صلعم کو حضرت علیؓ سے بے حد محبت تھی چنانچہ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے "جس کا میں دوست ہوں اس کے علی بھی دوست ہیں۔" ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ "الٰہی جو شخص علی سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"

حضرت علیؓ نہایت ہی سادگی پسند تھے آپ خلیفہ ہونے کے بعد بھی غریبانہ زندگی گذارنے میں ایک روحانی لذت محسوس کرتے تھے آپ انتہا درجہ کے صداقت شعار تھے۔ سیاسی جوڑ توڑ سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ چنانچہ سیاسی جوڑ توڑ سے گریز کرنے کی وجہ سے آپ کو اپنے دورِ خلافت میں بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

زبیر اور طلحہ کی مخالفت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلافت قبول کئے ابھی دوسرا ہی دن تھا اور مدینہ پر بدستور بلوائیوں کا غلبہ تھا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "ہم نے آپ سے اس شرط پر بیعت کی ہے کہ آپ قاتلانِ عثمان سے قصاص لیں اگر آپ نے قصاص لینے میں تامل فرمایا تو ہماری بیعت فسخ ہو جائے گی۔" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "میں قاتلانِ عثمان سے ضرور قصاص لوں گا لیکن ایسی حالت میں جبکہ بلوائی ابھی تک مدینہ پر مسلط ہیں اور میری خلافت بالکل غیر مستحکم ہے دشمنانِ عثمان پر ہاتھ ڈالنا باشندگانِ مدینہ کے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اطمینان رکھئے میں موقعہ ملتے ہی سب سے پہلے اسی کام کو انجام دوں گا۔" لیکن ان دونوں حضرات کی خواہش یہ تھی کہ حضرت علیؓ نتائج کی پروا کئے بغیر فوراً قاتلان عثمان پر ہاتھ ڈالدیں۔ اور ایک خطرناک جنگ میں الجھ کر رہ جائیں۔ مگر حضرت علیؓ نے ایسا کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا تو حضرت طلحہ اور حضرت زبیر خفا ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

خلافت کے تیسرے روز حضرت علیؓ بلوائیوں کی جانب متوجہ ہوئے اور آپ نے حکم دیا کہ بصرہ، کوفہ

بصرہ اور دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے اعراب فوراً مدینہ سے واپس چلے جائیں۔ لیکن عبداللہ بن سبا کے شہ دینے پر تمام بلوائیوں نے حضرت علیؓ کا حکم ماننے سے انکار کردیا اور وہی بلوائی جو اس سے قبل حضرت عثمانؓ کے دشمن اور حضرت علیؓ کے عاشق بنے ہوئے تھے حضرت علیؓ کو کھلم کھلا برا بھلا کہنے لگے یعنی انہوں نے مدینہ میں ایک نئے فتنے کی داغ بیل ڈالنی شروع کردی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ تمام اسلامی فوج مدینہ سے باہر گئی ہوئی تھی۔ اور مدینہ فوج سے بالکل خالی تھا۔ حضرت علی نے اس نزاکت کو محسوس کیا اور پھر کچھ عرصہ کے لئے خاموش رہنے کو مناسب خیال کیا۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کو جب پتہ چلا کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے بلوائیوں نے حضرت علیؓ کا حکم ماننے سے انکار کردیا ہے تو یہ دونوں حضرات حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "ہم دونوں کو بصرہ اور کوفہ کا عامل بنا دیجئے وہاں کے لوگوں کو ہم سے عقیدت ہے ہم ان صوبوں کی حکومت سنبھالنے کے بعد ان کو سیدھا کرلیں گے"۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے سلسلہ میں چونکہ ان دونوں حضرات کا رویہ شروع ہی سے مخلصانہ نہ تھا اس لئے حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "بصرہ اور کوفہ میں رہنے کی بجائے آپ لوگوں کا میرے پاس رہنا زیادہ ضروری ہے"۔ حضرت علیؓ کے اس انکار کے بعد حضرت طلحہ، حضرت زبیر کے دلوں میں حضرت علیؓ کی جانب سے رنجش اور بھی بڑھ گئی۔ اور یہ دونوں کبیدہ خاطر ہوکر واپس چلے گئے۔

اموی عمال کی تبدیلی

حضرت علیؓ مدینہ میں خلیفہ ضرور منتخب ہوگئے تھے لیکن ابھی تک صوبوں کے گورنروں نے آپ کی اطاعت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے حضرت علیؓ کی خلافت ابھی تک نامکمل تھی۔ صوبوں کے حاکموں میں سے زیادہ تر حاکم یا تو خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے یا پھر ان کے حامی اور طرفدار تھے اس لئے اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ کہیں یہ حکام کوئی نیا فتنہ نہ برپا کردیں اس نازک صورت حال کو حضرت علیؓ نے بہت کم محسوس کیا اور اس کے تمام خطرناک نتائج سے قطعاً بے پرواہ ہوتے ہوئے خلیفہ منتخب ہونے کے فوراً ہی بعد حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ کے تمام عاملوں اور والیوں کی معزولی کے احکامات جاری کردیئے۔

مغیرہ بن شعبہ اور حضرت علیؓ کے دوسرے ہمدردوں کو جب معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے عجلت سے کام لیتے ہوئے پرانے عمال کی معزولی کے احکامات جاری کردیئے ہیں۔ اور ان کی جگہ نئے عمال بھی مقرر فرما دیئے ہیں تو انہوں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ "آپ عمال کی تبدیلی کے معاملہ میں جلدی نہ کریں کیونکہ ابھی آپ کی خلافت مستحکم نہیں ہوئی ہے۔ آپ کے ایسا کرنے سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ بھی آپ سے منحرف نہ ہوجائیں جو اطاعت کے لئے آمادہ ہیں"۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی عمال حکومت کی تبدیلی

پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت علیؓ کو سمجھایا کہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں بلکہ انہیں بدستور اس وقت تک شام کی حکومت پر رہنے دیں جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت قبول نہ کریں۔ خاص طور پر امیر معاویہؓ کو تمام عمال میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور ان کا شام میں بے حد اثر ہے نیز ان کے پاس بے اندازہ دولت اور فوج ہے۔ اگر اس وقت آپ نے انہیں چھیڑا تو اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ وہ نہ صرف ملکِ شام میں آپ کے خلاف بغاوت برپا کر دیں گے۔ بلکہ دوسرے صوبوں کے اموی عمال کو بھی شہ دے کر آپ کے مقابلہ میں صف آرا کر دیں گے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ان کو اس وقت معزول کریں جب وہ آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیں تاکہ اس کے بعد ان کو آپ کے خلاف فتنہ اٹھانے کا کوئی موقعہ ہی نہ مل سکے۔"

حضرت علیؓ چونکہ پرانے عمال کی تبدیلی کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ جس طرح ہو جلد سے جلد اموی عمال کو ہٹا کر ان کی جگہ دوسرے حضرات کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے ہمدرد اس فیصلہ کو سن کر خاموش ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے پرانے عمال کی تبدیلی میں ذرا عجلت سے کام لیا جس کی وجہ سے آگے چل کر آپ کو ایسے حالات سے مقابلہ کرنا پڑا جو تاریخ اسلام میں بہت ہی افسوسناک سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ چونکہ عمال کی اس تبدیلی کے شدید مخالف تھے اس لئے حضرت علیؓ نے جب ان کو امیر معاویہ کی جگہ شام کا گورنر بنانا چاہا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا ان کے انکار پر حضرت علیؓ نے سہیل بن حنیف کو شام کا حاکم بنا کر شام کی طرف روانہ کر دیا۔ مصر کی حکومت محمد بن حذیفہ کی بجائے قیس بن سعد کو عطا ہوئی۔ بصرہ کے حاکم عبداللہ بن عامر کی بجائے عثمان بن حنیف مقرر ہوئے کوفہ کی حکومت ابوموسیٰ اشعری کی بجائے عمارہ بن شہاب کو عطا کر دی گئی۔ اور حجاز و یمن میں یعلی بن منیہ کی بجائے عبداللہ بن عباس کا تقرر ہو گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طرح تقریباً تمام صوبوں میں جدید عمال کا تقرر تو کر دیا لیکن ان تقرریوں کا حشر کیا ہوا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے سہیل بن حنیف کو شام کا گورنر بنا کر بھیجا تو امیر معاویہ نے انہیں شام میں گھسنے بھی نہ دیا۔ اور وہ شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس چلے آئے اسی طرح جب عمارہ بن شہاب، کوفہ کی گورنری کا چارج ابوموسیٰ اشعری سے لینے کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو بھی ناکام و نامراد راستہ ہی سے واپس آنا پڑا۔ عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے تو بعض لوگوں نے ان کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ اور بعض مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ یمن کا سابق عامل یعلی بن منیہ پہلے ہی خزانہ اور روپیہ لے کر مکہ فرار ہو گیا تھا اس لئے عبداللہ بن عباس نے وہاں پہنچ کر آسانی کے ساتھ حکومت سنبھال لی تھی

بن سعد جب مصر پہنچے تو بعض نے ان کی اطاعت قبول کر لی اور بعض نے سکوت اختیار کر لیا۔ غرضکہ حضرت علیؓ کو جدید عمال کے تقرر کے بعد اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ خلافت اسلامیہ کے تمام علاقوں میں بنی امیہ اور خصوصاً امیر معاویہ کے اثرات کام کر رہے ہیں۔

کوفہ اور شام سے چونکہ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ عمال بری طرح ناکام واپس آئے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے وہاں کے سابق عاملوں کو خطوط بھیج کر اس حکم عدولی کا جواب طلب کیا اور انہیں بیعت کے لئے لکھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ان خطوط کے جواب میں کوفہ کے پرانے عامل ابو موسیٰ اشعری نے معذرت چاہی اطاعت کا اقرار کر لیا اور لکھا کہ "سوائے چند لوگوں کے باقی سب نے میرے ہاتھ پر آپ کے لئے بیعت کر لی ہے امید ہے کہ جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی جلد بیعت کر لیں گے۔" ابو موسیٰ اشعری کے اس جواب سے حضرت علیؓ کسی نہ کسی حد تک کوفہ کی جانب سے مطمئن ہو گئے۔

امیر معاویہ کی مخالفانہ سرگرمیاں

شام میں امیر معاویہ نے حضرت عثمان غنی کی شہادت کو حضرت علیؓ کے خلاف پروپگنڈے کا اچھا خاصا ذریعہ بنا لیا تھا۔ انہوں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ کسی نہ کسی طرح حضرت عثمان غنی کا خون آلودہ پیراہن اور آپ کی اہلیہ کی کٹی ہوئی انگلیاں مدینہ سے حاصل کر لی تھیں اور ان کو دمشق کی جامع مسجد میں منبر کے اوپر آویزاں کر دیا تھا لوگ جوق در جوق آتے تھے اور ان چیزوں کو دیکھ کر زار و قطار روتے تھے۔ حضرت علی کا قاصد جب امیر معاویہ کے نام خط لے کر پہنچا تو انہوں نے تین مہینے تک اس قاصد کو دمشق میں محض اس لئے روکے رکھا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے عوام کے اس جوش و خروش کو دیکھ لے جو امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے خلاف پیدا کر دیا تھا۔ مورخین کا عام خیال ہے کہ حضرت عثمان غنی کا خون آلودہ کرتہ اور ان کی بیوی کی انگلیاں حضرت عثمان کی بیٹی جو مدینہ میں موجود تھیں شہادت کے بعد فوراً لے کر شام چلی گئیں اور امیر معاویہ کو جا کر دے دیں۔

حضرت علیؓ نے اپنے خط کے ذریعہ ایک طرف تو امیر معاویہ سے حکم عدولی کا جواب طلب کیا اور دوسری جانب ان سے بیعت کا مطالبہ کیا تھا امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے اس خط کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی انہوں نے تین مہینے کے بعد حضرت علیؓ کے قاصد کے ہمراہ اپنے قاصد کو حضرت علیؓ کے خط کا جواب دے کر روانہ کر دیا اس قاصد نے حضرت علیؓ کو امیر معاویہ کا سر بند لفافہ پہنچا دیا۔ حضرت علیؓ نے جب اس لفافے کو کھولا تو اس میں کچھ نہ تھا یعنی لفافہ بالکل خالی تھا۔ بس یہی امیر معاویہ کا جواب تھا۔ حضرت علیؓ سب کچھ سمجھ گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب شام کا علاقہ جنگ کے بغیر زیر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کے مقابلہ

کے لئے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔

طلوع اسلام کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں اپنے ہی بھائیوں کے خلاف بے نیام ہونے کے لئے مضطرب تھیں۔ صحابہ اور مقتدر حضرات عجیب کشمکش میں تھے کہ وہ کیا کریں اگر وہ اس جنگ میں شامل ہوتے تھے تو ان کو اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانا پڑتا تھا اور اگر انکار کرتے تھے تو خلیفۂ اسلام سے منحرف ہوئے جاتے تھے چنانچہ اکثر مقتدر حضرات نے تو اس جنگ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ اور بعض حضرات جن میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی شامل تھے طرح دیکر اور حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مدینہ سے مکہ چلے گئے اور بعض نے اس جنگ میں شرکت کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

حضرت عائشہ کو بہکانے کی کوشش

حضرت عثمان کی شہادت کے وقت حضرت عائشہ مدینہ میں موجود نہیں تھیں حج کرنے مکہ گئی ہوئی تھیں حج سے فارغ ہو کر جب مدینہ آنے لگیں تو حامیان معاویہ نے راستہ میں ملاقات کی اور ان کو تمام واقعات بتائے اور کہا کہ آپ کا مدینہ جانا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس وقت مدینہ پر باغیوں کا قبضہ ہے۔ حضرت عائشہ اس مایوس کن خبر کو سن کر راستہ سے مکہ لوٹ گئیں۔

حضرت عائشہؓ کے مکہ واپس آتے کے ساتھ ہی لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ ان میں کثرت سے وہ لوگ شامل تھے جو امیر معاویہ کے طرفدار اور خانہ جنگی برپا کرانے پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہ کو بتایا کہ حضرت علیؓ قاتلان عثمان سے انتقام لینے میں تساہل سے کام لے رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے گذارش کی کہ آپ ان مسلمانوں کی راہنمائی کریں جو بغیر کسی توقف کے قاتلان عثمان سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہ آمادہ ہو گئیں اور آپ نے فرمایا کہ

"افسوس چند معمولی باتوں کی وجہ سے حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا حالانکہ وہ بے گناہ تھے اور باغیوں کے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ یقیناً ان کو بے گناہ شہید کیا گیا لہٰذا میں اعلان کرتی ہوں کہ خون عثمان کا بدلہ لے کر اسلام کو سربلند کر دوں گی۔"

آپ کے اس ارشاد کے بعد مکہ کے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت حضرت عثمان غنی کا قصاص لینے کے لئے آمادہ ہو گئی۔ حضرت عثمان غنیؓ کا مشیر خاص مروان بن الحکم جس کی وجہ سے یہ سارا فتنہ اٹھا تھا اور امیر معاویہ کے وہ حامی جو حضرت علی کی خلافت کے وقت مدینہ سے مکہ چلے آئے تھے انہوں نے محض حضرت علیؓ سے ذاتی عناد کی بنا پر حضرت عائشہ کو اچھی طرح بھڑکایا اور یہ سب ان کے ساتھ شامل ہو گئے ان کے علاوہ بصرہ اور یمن کے معزول شدہ عمال عبداللہ بن عامر اور یعلی بن بلیغہ جو بصرہ اور یمن سے کافی دولت اور

سامان لے کر مکہ آگئے تھے وہ بھی حضرت عائشہ کے مددگار بن گئے۔ اس لئے نہیں کہ انہیں حضرت عائشہ سے عقیدت یا حضرت عثمان سے محبت تھی بلکہ اس لئے کہ ان کو حضرت علیؓ سے اپنی معزولی کا انتقام لینا تھا چنانچہ یعلی بن منیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم پیش کئے۔ عبداللہ بن عامر نے اعلان کر دیا کہ جو شخص اس نیک کام میں شریک ہوگا اس کو سواری اور زاد راہ میں دوں گا۔ غرضیکہ ان دونوں معزول شدہ عمال نے مل کر حضرت عائشہؓ کے لئے ایک پورے لشکر کا سامان مہیا کر دیا۔

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی جو مدینہ سے مکہ پہنچ گئے تھے حضرت عائشہ کے حامیوں میں شامل ہو گئے ان تمام تیاریوں کے بعد حضرت عائشہؓ کی رائے تھی کہ یہاں سے مدینہ جایا جائے اور وہاں کے حالات کی اصلاح کی جائے اور قاتلانِ عثمان کے گروہ کو جو وہیں موجود ہے گھیر کر سزا دی جائے لیکن بعد میں یہ رائے بدل گئی اور قرار پایا کہ موجودہ لشکر چونکہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ناکافی ہے اس لئے سب سے پہلے بصرہ چلا جائے جہاں سے حضرت طلحہ کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے وہاں سے مزید لشکر فراہم کرنے کے بعد مدینہ جا کر قاتلانِ عثمان کی سرکوبی کی جائے۔

ام المومنین کا لشکر بصرہ میں

حضرت عائشہ رضؓ کا لشکر مع حضرت طلحہ اور زبیر کے ۳۵ھ میں مکہ سے بصرہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ یعنی مسلمانوں میں خانہ جنگی کی ابتدا ہوگئی۔ یا تو وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں کفار اور مشرکین کے لئے نیام سے باہر نکلا کرتی تھیں۔ یا یہ وقت آگیا کہ ایک طرف رسول اللہ صلعم کی حرم محترم تھیں اور دوسری طرف رسول اللہ کے بھائی تھے مکہ کے تمام صاحبِ فکر و ایمان اس ناگفتہ بہ کیفیت کو بڑی بے چینی سے دیکھ رہے تھے اور خون کے آنسو رو رہے تھے۔ مشہور مورخ طبری کے خیال کے مطابق مکہ میں مسلمانوں کے لئے یہ دن انتہائی رنج و غم کا دن تھا اور وہ اس صدمہ سے اتنا روئے کہ اس سے قبل کبھی نہیں روئے تھے۔

جس وقت حضرت عائشہ کا لشکر مکہ سے چلا تھا اس کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے بھی کم تھی لیکن جیسے جیسے لشکر آگے بڑھتا گیا لوگ اس میں آ آ کر شامل ہوتے گئے یہاں تک کہ اس لشکر کی تعداد چار پانچ ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ لشکر آگے بڑھتا ہوا جب حواب کے چشمہ پر پہنچا تو کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا "یہ کون سا مقام ہے" جب آپ کو بتایا گیا کہ "حواب ہے" تو آپ بہت گھبرائیں اور آپ نے فرمایا کہ مجھے یہیں سے واپس کر دو۔ رسول اللہ صلعم نے پیشین گوئی کی تھی کہ "میری ایک بیوی جب ناحق پر ہوگی تو اس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ تم ان میں سے نہ ہونا میں آگے نہیں جاؤں گی"۔ حضرت عائشہ کے اس ارشاد پر فتنہ پرداز گھبرا گئے کیونکہ ان کا سارا بنا بنایا کھیل بگڑا جا رہا تھا۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر حضرت عائشہ صدیقہ کو یقین دلانا

شروع کیا کہ یہ حواب نہیں ہے بلکہ دوسرا مقام ہے" حضرت عائشہ کو ان کی باتوں کا یقین نہیں آتا تھا کیونکہ وہ رسولِ اکرم سے خود اس پیشین گوئی کو سن چکی تھیں۔ وہ آگے بڑھنے سے رک گئیں۔ اور واپسی کا اعلان کرنے ہی والی تھیں کہ شرارت پسند عناصر کی طرف سے ایک اور چال چلی گئی اور وہ یہ کہ تمام لشکر میں ایک دم شور مچادیا گیا کہ حضرت علیؓ کی فوج قریب آگئی ہے اگر ذرا بھی غفلت سے کام لیا تو کاٹ کر رکھ دے گی۔ اور یہ کہہ کر لشکر کو دوڑانا شروع کیا غرضکہ انتہائی چالاکی کے ساتھ یہ لوگ حضرت عائشہ کو بصرہ تک لے ہی گئے۔

بصرہ کے گورنر عثمان بن حنیف کو جب حضرت عائشہ اور آپ کے لشکر کے آنے کا علم ہوا تو انہوں نے اس کی بے حد کوشش کی کہ حضرت عائشہ مع اپنے لشکر کے واپس تشریف لے جائیں تاکہ ان کا یہ اقدام مسلمانوں میں خانہ جنگی کا باعث نہ بن سکے۔ صلح پسند حضرات نے بیچ میں پڑ کر معاملہ کو سلجھانے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ بصرہ کے لشکر میں اور حضرت عائشہ کے لشکر میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ بصرہ کا لشکر پہلے روز تو بے دلی سے لڑتا رہا لیکن اسے یہ گوارا نہیں ہوا کہ وہ رسول اللہ صلعم کی حرم محترم کے مقابلہ میں تلوار اٹھائے لہذا دوسرے دن جب جنگ چھڑی تو بصرہ کی فوج ٹوٹ کر حضرت عائشہ کے لشکر سے مل گئی۔ عثمان بن حنیف کو شکست ہوگئی۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور بصرہ پر حضرت عائشہؓ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کا قبضہ ہوگیا۔ حضرت عائشہ نے اس فتح کے بعد گورنر عثمان بن حنیف کو رہا کردیا اور بہت سے ایسے آدمیوں کو جن پر کہ قاتلانِ عثمان کی جماعت کے ممبر ہونے کا شبہ تھا پکڑ کر قتل کر دیا۔ ان لوگوں کو چونکہ بغیر کسی ثبوت کے محض شبہ میں قتل کیا گیا تھا اس لئے بصرہ کی ایک جماعت حضرت عائشہؓ کے خلاف ہوگئی۔

مدینہ میں حضرت علیؓ کی جنگی تیاریاں

مکہ اور بصرہ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن حضرت علیؓ حالات و واقعات سے بالکل بے خبر امیر معاویہؓ کے خلاف جنگی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف تھے وہ امیر معاویہ کی سرکشی اور حکم عدولی کی سزا دینا چاہتے تھے اسی دوران میں جب ان کو اطلاع ملی کہ مکہ والے بھی ان کے خلاف ہوگئے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت عثمان کے قصاص کے لئے لشکر لے کر بصرہ روانہ ہوگئی ہیں اور ان کے ساتھ طلحہ اور زبیر بھی ہیں تو آپ حیران و ششدر رہ گئے وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ رسول اللہ صلعم کی حرمِ محترم جن کو اپنی ماں سے بھی زیادہ عزیز تھیں ان کے مقابلہ پر آجائیں گی۔

حضرت علیؓ کے لئے یہ سانحہ امیر معاویہ کی بغاوت سے بھی کہیں زیادہ سنگین تھا وہ کشمکش میں پڑ گئے کہ اگر ام المومنین کے مقابلہ کے لئے جاتے ہیں تو نہ صرف دنیا بلکہ دینی اعتبار سے بھی یہ بات ہمارے

لئے سخت شرمناک ہوگی۔ اور اگر خاموش رہتے ہیں تو نظامِ خلافت درہم برہم ہوا جاتا ہے۔ لیکن آپ کو جب معلوم ہوا کہ مفسدین کی یہ ساری شرارت ہے تو آپ کو بادلِ نخواستہ اس شر کو دبانے کے لئے مقابلہ کا عزم کرنا پڑا۔ اگر پھر بھی آپ حضرت عائشہؓ سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان شرارت پسندوں کی تادیب مقصود تھی، جنہوں نے کہ رسول اللہ صلعم کے گھر والوں کو آپس میں لڑا دیا تھا چنانچہ آئندہ کے واقعات سے یہ چیز واضح ہو جائے گی کہ آپ آخر وقت تک حضرت عائشہ سے جنگ کرنے سے گریز کرتے رہے۔

حضرت علیؓ کی بصرہ کو روانگی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مدینہ سے روانہ ہونے سے قبل معززین مدینہ کو جمع کیا اور ان کو تمام حالات و واقعات سے مطلع کرنے ... کے بعد جب ان لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تو یہ سب ہی فکر میں پڑ گئے کیونکہ نہ یہ حضرت علی کو چھوڑ سکتے تھے اور نہ حضرت عائشہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ سے لڑنے کے لئے تیار تھے۔ حقیقت میں بڑا نازک موقعہ تھا۔ ایک طرف حضرت ام المومنین اور دوسری طرف حضرت علیؑ کس کا ساتھ دیں اور کسے چھوڑیں حضرت علی نے جب یہ حال دیکھا تو زیادہ زور نہیں دیا بلکہ جو خوشی سے تیار ہو گئے صرف ان کو ساتھ لے لیا اور ایک قلیل جمعیت کو ساتھ لے کر آپ ۳۶ھ میں بصرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے بہت سے ساتھی بھی موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت علی کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ جنہوں نے آگے چل کر بہت بڑا فتنہ برپا کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ راستہ ہی میں تھے کہ خبر ملی کہ گورنر بصرہ عثمان بن حنیف کو شکست ہو گئی ہے۔ اور بصرہ پر حضرت عائشہ۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کا قبضہ ہو چکا ہے۔ آپ کے ساتھ جو جمعیت تھی وہ ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ آپ کسی بڑی جنگ کے لئے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ کا منشا صرف اتنا تھا کہ باغیوں نے جو فساد پھیلا رکھا ہے اس کو دبا دیا جائے۔ نیز امیر معاویہ سے بھی کھل کر بات کر لی جائے اور اس کے بعد پھر جو صورت ہو اس کے مطابق کیا جائے لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ معاملہ نے نازک صورت اختیار کر لی ہے اور بصرہ ہاتھ سے نکل چکا ہے تو آپ نے راستہ ہی سے حضرت امام حسن اور فوجی سرداروں کو کوفہ روانہ کیا تاکہ وہاں سے ایک بڑے لشکر کا انتظام کریں۔ حضرت امام حسن اور فوجی سردار کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ عامل کوفہ ابوموسیٰ اشعری لوگوں کو جنگ میں شرکت سے روک رہے ہیں۔ اور غیر جانبدار رہنے کی ہدایت کر رہے ہیں لیکن حضرت امام حسن کی آمد اور ان کی ولولہ انگیز تقریروں نے کوفہ کے باشندوں کو حضرت علیؑ کی امداد کے لئے آمادہ کر دیا۔ غرضکہ کوفہ سے دس ہزار کا لشکر فراہم ہو گیا کچھ سپاہی دوسرے علاقوں سے بھی آ گئے اور اس طرح پندرہ ہزار کی جمعیت فراہم ہو گئی۔ حضرت علیؓ اس جمعیت

لے کر بصرہ کے قریب جا پہنچے اور خیمہ زن ہو گئے۔

جناب علی کی مصالحانہ کوشش

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بنظرِ احتیاط اگرچہ ایک بڑا لشکر فراہم کر لیا تھا لیکن پھر بھی وہ حضرت عائشہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے ساتھ جنگ کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے بصرہ پہنچتے ہی کوفہ میں مقیم صحابی حضرت قعقاع بن عمر کو حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے پاس صلح صفائی کی گفتگو کے لئے روانہ کر دیا۔ حضرت قعقاع ان تینوں حضرات کی خدمت میں پہنچے اور ان سے دریافت کیا کہ آپ حضرات کو مسلمانوں میں یہ شدید مخالفت کس لئے پیدا کرنے کی ضرورت ہوئی آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا کہ "ہم قرآن کریم کے حکم کے مطابق حضرت عثمان مظلوم کے خون کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔" حضرت قعقاع بن عمر نے کہا کہ "آپ لوگ، قاتلانِ عثمان کے شبہ میں بصرہ کے لوگوں کی ایک جماعت کو قتل کر چکے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں بصری آپ کے مخالف ہو گئے ہیں اور اگر اسی طرح شبہ میں ہر صوبہ کے لوگوں کو قتل کیا جاتا رہا تو ایک روز تمام صوبے بغاوت کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔ جس کے بعد نہ معلوم حضرت عثمان جیسے کتنے خلیفہ قتل کر دیئے جائیں۔ یاد رکھئے کہ اس طرح آپ قصاص تو لے نہیں سکیں گے البتہ خلافتِ اسلامیہ ضرور کمزور ہو جائے گی۔ اور اسلام ایک ایسے نقطہ پر پہنچ جائے گا جہاں اس کی قوت اور زندگی کا بچانا نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ اگر حضرت علیؓ مصلحتاً فتنہ کو دبانے اور طاقت حاصل کرنے کے انتظار میں فوراً قصاص نہ لے سکے۔ تو آپ کو انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ آپ نے میدان میں آ کر تو اس آگ کو اور بھی بھڑکا دیا اور قتل و خون کا ایک نیا دروازہ کھول دیا خدا کے لئے ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمائش میں مبتلا نہ کیجئے۔ یہ آزمائش دونوں کو برباد کر دے گی۔ یہ ایک آدمی یا چند آدمیوں کے قتل کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ ساری امت کا سوال ہے۔"

حضرت قعقاع کی اس مخلصانہ گفتگو کا حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے دلوں پر بے حد اثر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ "اگر حضرت علیؓ کے بھی یہی خیالات ہیں جو آپ نے بیان کئے ہیں اور وہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کا واقعی ارادہ رکھتے ہیں۔ تو پھر لڑائی اور مخالفت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ ہم کو تو اب تک یہی بتایا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کو قاتلانِ عثمان سے ہمدردی ہے۔ اسی لئے وہ انہیں سزا دینے میں سستی سے کام لے رہے ہیں۔ اب ان کے نیک ارادے معلوم ہونے کے بعد ہم کو ان سے جو مخالفت تھی، وہ ختم ہو گئی۔ آپ حضرت علیؓ کے پاس جایئے اور ان کو ہمارے خیالات سے مطلع کر دیجئے۔"

حضرت قعقاع صلح صفائی کی اس گفتگو کے بعد جب حضرت علیؓ کے پاس واپس آئے اور انہیں صلح کی خوشخبری سنائی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد قعقاع بن عمرو نے ایک ایسی مجلس مشاورت کا انتظام کیا جس میں دونوں گروہوں کے فریق شامل ہوں، چنانچہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اس مجلس میں شامل ہوئے اور آپس میں دو بدو گفتگو ہونے کے بعد سارے معاملات صاف ہو گئے اور بالاتفاق یہ بات طے ہو گئی کہ کل صبح یہ مجلس پھر بیٹھے اور تمام شرائط صلح تحریر میں لائی جائیں۔ اور پھر فریقین کے دستخط ہو جائیں اور اس صلح کا باقاعدہ اعلان ہو جائے۔

فتنہ پردازوں کی پریشانی

پچھلے واقعات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ دونوں کے گروہ میں بہت سے فتنہ پرداز شامل ہو گئے تھے جو دل سے اس بات کو چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے کنبہ والوں میں جنگ چھڑ جائے۔ ان میں سے حضرت عائشہ کے لشکر میں سب سے بڑا فتنہ پرداز امیر معاویہ کے حامیوں کا گروہ تھا جس کا منشا یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو حضرت عائشہ اور حضرت علیؓ کو آپس میں لڑا کر حضرت علی کی طاقت کو ضعف پہنچایا جائے۔ تاکہ اس کے بعد امیر معاویہ آسانی سے اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ دوسرا گروہ سبائیوں اور قاتلانِ عثمان کا تھا جو حضرت علی کے لشکر میں گھس گیا تھا۔ اس گروہ کا فائدہ اسی میں تھا کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں۔ تاکہ اس خانہ جنگی کی وجہ سے حضرت علیؓ کو حضرت عثمان کے قصاص کے لینے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ ان دونوں فتنہ پرداز گروہوں نے جب دیکھا کہ صلح ہو رہی ہے تو بہت گھبرائے۔ اور انہوں نے صلح کے امکانات کو ختم کرنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی چنانچہ جس صبح کو صلح کی شرائط لکھی جانے والی تھیں اس رات حضرت علیؓ کے لشکر کا عبد اللہ سبائی گروہ رات بھر مشورے اور سازشیں کرتا رہا۔ آخر راتوں رات دونوں فوجوں کے شرارت پسند عناصر نے یہ طے کر لیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی رات کی تاریکی میں دونوں فوجوں پر حملہ کر کے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا جائے تاکہ مجلس مشاورت نہ منعقد ہو سکے اور نہ ہی صلح ہو۔

جنگِ جمل کی آگ بھڑکنے لگی

آخر وہی ہوا اور فتنہ پرداز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور طے شدہ پروگرام کے مطابق رات کے اندھیرے میں پراسرار طریقہ پر دونوں فوجوں پر حملہ ہو گیا اور صبح ہوتے ہوتے دونوں لشکروں میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔ لڑائی کا شور سن کر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اپنے خیموں سے نکلے اور لڑائی کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی فوج نے اچانک حملہ کر دیا ہے۔ حضرت طلحہ اور زبیر کو یہ سن کر بے حد رنج ہوا۔ انہوں نے کہا کہ "افسوس حضرت علیؓ بغیر کشت و خون کرائے باز نہیں آئے"۔ اسی طرح جب حضرت علیؓ شور و غل سن کر خیمہ سے باہر

آگئے اور آپ نے لڑائی کی وجہ دریافت کی تو شرارت پسندوں نے آپ کو بتایا کہ طلحہ اور زبیر نے رات کی تاریکی میں اچانک ہمارے لشکر پر حملہ کر دیا ہے۔ جس کے جواب میں ہم کو مجبوراً مدافعت کرنی پڑی۔ حضرت علی کو یہ سن کر بے حد ملال ہوا اور آپ نے فرمایا کہ طلحہ اور زبیر نے مسلمانوں میں خونریزی کرا کے بہت برا کام کیا ہے۔ غرضیکہ فتنہ پردازوں نے دونوں لشکروں میں جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ فریقین کے سردار ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا کر اظہار افسوس کر رہے تھے اور اس خونریزی پر آنسو بہا رہے تھے لیکن اصل حقیقت کیا تھی اس کا علم شرارت پسندوں اور فتنہ پردازوں کے علاوہ کسی کو نہ تھا۔

حضرت زبیر کی شہادت

ہنگامۂ کارزار بڑے زور و شور کے ساتھ گرم تھا۔ دونوں طرف کے جانباز اپنی جانبازی کے جوہر دکھا رہے تھے کہ اسی ہنگامہ کے دوران میں جب حضرت علی اور حضرت زبیر کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت علی نے حضرت زبیر سے کہا کہ اے ابو عبداللہ کیا تم کو یاد ہے کہ ایک روز جب میں اور تم دونوں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر تھے تو رسول اللہ صلعم نے پیشین گوئی کی تھی کہ تم علیؓ سے ناحق لڑو گے۔ حضرت زبیر نے نگاہیں نیچی کر کے فرمایا "مجھے یاد آگیا"۔ اس کے بعد حضرت زبیر فوراً جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور واپس روانہ ہو گئے۔

حضرت زبیر جب واپس جا رہے تھے تو ایک شخص عمرو بن الجرموز سبائی حضرت زبیر کے پیچھے ہو لیا اور قریب پہنچ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا اور شرعی مسائل ان سے پوچھنے لگا تاکہ حضرت زبیر کو اس کی نسبت کوئی شبہ نہ ہونے پائے۔ حضرت زبیر چلتے چلتے جب وادی السباع میں پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا آپ نماز پڑھنے لگے۔ نماز کے دوران میں جب آپ سجدے میں گئے تو اس ملعون نے حضرت زبیر پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ آپ کو شہید کرنے کے بعد آپ کے سر، زرہ اور تلوار کو لے کر حضرت علیؓ کے پاس یہ خوش خوش پہنچا۔ تو حضرت علیؓ حضرت زبیر کا سر اور تلوار دیکھ کر رو دیئے اور آپ نے فرمایا کہ "یہ تلوار ہے جس نے زمانہ دراز تک رسول اللہ صلعم کی حفاظت کی ہے۔ اے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو" یہ سن کر ابن جرموز بولا "کیا میری جان نثاری کا یہی صلہ ہے کہ آپ مجھے دوزخ کی بشارت دے رہے ہیں۔" اس کے بعد اس نے تلوار اپنے پیٹ میں بھونک لی اور واصل جہنم ہو گیا۔

حضرت طلحہ کی شہادت

حضرت زبیر کو حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلعم کی جو پیشین گوئی یاد دلائی تھی حضرت طلحہ کو بھی اس کا علم ہو گیا تھا۔ اور وہ بھی جنگ سے علیحدگی اختیار کر کے لشکر سے الگ ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ مروان بن الحکم نے جب دیکھا کہ حضرت زبیر کے بعد حضرت طلحہ بھی جنگ سے علیحدگی اختیار کر رہے ہیں تو اسے آپ پر بعد

غصہ آیا۔ اور اس نے تاک کر آپ کے ایسا تیر مارا کہ آپ کا کام تمام ہو گیا۔ یہ تھی فتنہ پردازوں کی وہ اسکیم جس پر عمل کرنے کے لئے بے چین ہو رہے تھے۔ آخر رسول اکرم کے دو جلیل القدر صحابی حضرت زبیر اور حضرت طلحہ کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے اب صرف ایک ہی ہستی باقی رہ گئی تھی۔ اور وہ حضرت علیؓ کی ذات تھی۔

حضرت عائشہ میدانِ جنگ میں

حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہ کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت عائشہ کے لشکریوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی فوج کے پاؤں نہ اکھڑ جائیں۔ اس لئے وہ حضرت عائشہ کے پاس پہنچے جو ایک علیحدہ خیمہ میں تشریف فرما تھیں۔ اور ان سے میدانِ جنگ میں چلنے کی خواہش کی۔ تاکہ ان کے میدان جنگ میں پہنچنے کے بعد لشکر کا حوصلہ بڑھ جائے لیکن حضرت عائشہ جو اس جنگ سے دل برداشتہ ہو چکی تھیں۔ انہوں نے میدان جنگ میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت عائشہ کے انکار پر ان فتنہ پردازوں کے حوصلے ٹوٹنے لگے۔ اور اب وہ اس سے زیادہ کامیابی نظر نہ آنے پر مایوس ہونے لگے مگر بدبختوں کے دماغ نے پھر کام کیا اور حضرت عائشہ کو دھوکہ اور فریب دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کہ ہم تو اس لئے آپ کو لینے آئے ہیں کہ آپ کے پہنچتے ہی جنگ رک جائے گی اور مسلمانوں کی یہ خانہ جنگی ختم ہو جائے گی۔ یہ فریب اتنی سادگی سے دیا گیا کہ حضرت عائشہ کو یقین آگیا اور وہ شرارت پسندوں کے ہمراہ میدانِ جنگ میں تشریف لے آئیں۔

حضرت عائشہ کا محمل یوں ہی میدانِ جنگ میں دکھائی دیا لڑائی کی آگ اور بھی بھڑک اٹھی اور یہی شرارت پسندوں کا مقصد بھی تھا۔ حضرت عائشہ کی فوج نے رسول اللہ صلعم کی حرمِ محترم کے میدانِ جنگ میں آنے کے بعد اپنی ساری بہادری ختم کر دی ادھر حضرت علیؓ کو بھی مجبوراً سخت مقابلہ کرنا پڑا جس میں دونوں طرف کے ہزاروں مسلمان کام آئے۔

حضرت علیؓ نے سوچا کہ جب تک حضرت عائشہ کا اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا یہ خونریزی بند نہیں ہو سکتی۔ اس لئے آپ نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا جائے۔ چنانچہ جیسے ہی اونٹ کے پاؤں زخمی ہوئے اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ حضرت عائشہ کی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی۔ حضرت علیؓ اور ان کے لشکر نے آگے بڑھ کر حضرت عائشہ کے محمل کو حلقہ میں لے لیا۔ حضرت عائشہ کے لشکر سے میدان صاف ہو چکا تھا۔ اور حضرت علیؓ جناب عائشہ کے قریب کھڑے ہوئے اعلان کر رہے تھے کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے نہ کسی کا مال لوٹا جائے جو شخص ہتھیار ڈال دے یا گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے۔ اس جنگ میں چونکہ حضرت عائشہ کے جمل

کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی اس لئے تاریخ میں یہ لڑائی جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت علیؓ ام المومنین کی خدمت میں

جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علی کے لشکر میں تھے حضرت علی کے حکم سے کجاوہ کی رسیاں کاٹ کر اور کجاوہ اٹھوا کر عبداللہ بن خزاعی کے محل میں لے گئے۔ حضرت عائشہ اس محل میں اتر گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؓ بھی حاضر ہو گئے اور پردہ کے پاس جا کر پوچھا "اماں جان مزاج کیسا ہے؟" حضرت عائشہؓ نے فرمایا "اچھی ہوں" حضرت علیؓ نے اس تکلیف دہ واقعہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا "میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری ہر غلطی کو معاف کرے" حضرت عائشہ نے فرمایا "بیشک ہم سب کی غلطیوں کو معاف کرے۔" اس کے بعد حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ سے معذرت خواہ ہوئے اور حضرت عائشہ نے بھی حضرت علی سے معذرت کا اظہار فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں یہ منظر بڑا دردناک اور تاسف انگیز ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ ہو اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہہ جائے۔ بصرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کے چند روز آرام کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کے ساتھ آپ کو مکہ پہنچا دیں۔ جب حضرت عائشہ مکہ جانے لگیں تو حضرت علیؓ نے بصرہ کی چالیس عورتوں کو آپ کے ہم رکاب کیا اور خود کئی میل تک سواری کے ہم رکاب رہے۔ حضرت عائشہؓ مکہ ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئیں۔ اس جنگ میں اگرچہ دونوں ہی فریق بے گناہ تھے۔ جو کچھ بھی ہوا وہ فتنہ پردازوں کی غلط فہمی پیدا کر دینے کی وجہ سے ہوا لیکن حضرت عائشہؓ کو ساری زندگی اس واقعہ کا افسوس رہا جب بھی اس واقعہ کا تذکرہ آتا تھا تو آپ زار و قطار رونے لگتی تھیں۔

امیر معاویہ کا زبردست پروپیگنڈہ

جنگ جمل یعنی حضرت عائشہؓ کی جنگ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ کے لئے سب سے بڑا کام ملک شام کو قابو میں لانا تھا۔ چونکہ سوائے شام کے تقریباً تمام دوسرے ممالک حضرت علیؓ کے دائرہ حکومت میں شامل ہو چکے تھے ہاں یہ ضرور ہے کہ ان ممالک میں بھی فتنہ پردازوں کی وجہ سے حضرت علیؓ کو وہ اقتدار حاصل نہیں ہو سکا تھا جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ تک خلیفۂ اسلام کو حاصل تھا۔ چنانچہ حالت یہ تھی کہ حجاز یمن، عراق، مصر، ایران وغیرہ میں جہاں ایک طرف حضرت علیؓ کے حامی موجود تھے۔ وہاں حضرت علیؓ کے مخالفین بھی بکثرت پائے جاتے تھے اور اس کا باعث حاکم شام امیر معاویہ کا وہ پروپیگنڈا تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کے بعد سے برابر حضرت علیؓ کے خلاف جاری تھا۔

شام کے لوگوں کو ایک طرف تو حضرت عثمان غنی کا خون آلود پیرہن اور ان کی اہلیہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دکھا دکھا کر حضرت علیؓ کے خلاف مشتعل کیا جا رہا تھا اور دوسری جانب شام کے سب سے بڑے مذہبی رہنما شرحبیل بن سمط امیر معاویہ کے اشارہ پر شام کے ایک ایک شہر اور قصبہ کا دورہ کر رہے تھے اور لوگوں سے وعظ و پند کے پردہ میں کہہ رہے تھے کہ علی نے عثمان کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ جما لیا ہے۔ صرف تمہارا ملک باقی رہ گیا ہے۔ جسے وہ بزور شمشیر محض اس لئے فتح کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اس ملک میں حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ معاویہ کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی ایسا نہیں ہے۔ جو اپنے اندر اتنی طاقت رکھتا ہو کہ حضرت عثمان کے خون کا قصاص لے سکے اس لئے تم کو چاہئے کہ معاویہ کا ساتھ دو۔ شرحبیل کے اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا ملکِ شام حضرت علیؓ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا۔

حضرت علیؓ کے خلاف اس پروپیگنڈے میں نیز جنگی تیاریوں میں امیر معاویہ کے مشیر خاص عمرو بن عاص سابق گورنر مصر کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ عمرو بن عاص بے نظیر سپہ سالار ہونے کے علاوہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے مدبر اور ریاست دان بھی تھے امیر معاویہ کیونکہ ان کی عقل اور سوجھ بوجھ سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے عمرو بن عاص کو یہ تحریر لکھ کر دے دی تھی کہ اگر میں خلیفہ ہو گیا تو مصر کی حکومت تمہیں دے دوں گا۔ یہ تھا وہ دنیاوی حکومت و اقتدار کا لالچ جس نے عمرو بن عاص کو صحیح راستہ سے ہٹا کر حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا کر دیا تھا جو عظیم ترین کشت و خون کا سبب بنا۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر معاویہ کی کامیابیوں میں سب سے بڑا ہاتھ عمرو بن عاص ہی کا تھا۔ وہ نہ صرف معاویہ کے مشیر خاص تھے بلکہ سب کچھ وہی تھے۔

نیا دار الخلافہ حضرت علی بھی ان تمام حالات سے بے خبر نہیں تھے اور وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ جب تک امیر معاویہ شام میں موجود ہیں۔ نہ وہ خلافت کا کاروبار اطمینان سے چلا سکتے ہیں اور نہ ان کی مخالفت میں جو پراپیگنڈا جاری ہے وہ بند ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں آپ نے ضروری سمجھا کہ امیر معاویہ کی .... مخالفانہ سرگرمیوں کو روکنے کے لئے مدینہ کی بجائے کوفہ کو دار الخلافہ بنا لیا جائے۔ کوفہ ایک تو مدینہ کے مقابلہ میں دمشق سے قریب تھا۔ دوسرے حضرت علیؓ کے لشکر میں سب سے بڑی تعداد کوفیوں ہی کی تھی۔ لہٰذا ۳۶ھ میں مدینہ کی بجائے کوفہ خلافت اسلامیہ کا دار الخلافہ قرار پا گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوفہ کے دار الخلافہ بنانے کے بعد حضرت علی کے لئے چند سیاسی اور فوجی سہولتیں ضرور پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کا مدینہ

جیسے مذہبی مرکز سے ہٹ جانا آگے چل کر ان کے لئے بے حد مضر ثابت ہوا۔

کوفہ چونکہ دمشق کے قریب تھا اس لئے اس کے دار الخلافہ بننے کے بعد امیر معاویہ کو فکر ہوئی کہ عنقریب شام پر حملہ ہونے والا ہے۔ ان کو اس بات کا بڑا اندیشہ تھا کہ اگر حضرت علیؓ کے دستِ راست قیس بن سعد نے مصر کی جانب سے شام پر حملہ کر دیا تو پھر شام کا کیا حشر ہوگا۔ قیس بن سعد لائق سپہ سالار ہونے کے علاوہ حضرت علیؓ کے ساتھ بے حد محبت رکھتے تھے اور جان نثار تھے۔ امیر معاویہ نے عمرو بن عاص کی طرح ان کو بھی توڑنے کی کئی مرتبہ کوشش کی مگر وہ کسی طرح بھی ان کے قابو میں نہ آئے۔

امیر معاویہ کی یہ انتہائی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو قیس بن سعد کو مصر سے ہٹا دیا جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ اپنے دربار میں قیس بن سعد کی تعریفیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ قیس امیر معاویہ کے بہت بڑے طرفدار ہیں۔ حضرت علیؓ کے جو آدمی شام میں لگے ہوئے تھے انہوں نے فوراً حضرت علیؓ کو قیس کے معاملہ سے مطلع کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کو تو اس کا یقین نہیں آیا لیکن محمد بن ابی بکر اور دوسرے نوجوان امیر معاویہ کے اس پروپیگنڈے سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت علیؓ پر زور ڈالنا شروع کیا کہ قیس جیسے مشتبہ عامل کو فوراً مصر کی حکومت سے برطرف کر دیا جائے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قیس کو واپس بلا لیا گیا۔ اور مصر کی حکومت محمد بن ابی بکر کے حوالے کر دی گئی۔ محمد بن ابی بکر نہ تو قیس کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے اور نہ ہی میدانِ جنگ میں کام کرنے کا تجربہ تھا اس لئے امیر معاویہ کو ان سے کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ غرضکہ امیر معاویہ نے انتہائی ہوشیاری سے کام لے کر اور قیس بن سعد کو معزول کرا کے مصر کی جانب سے جو خطرہ تھا اسے دور کر دیا۔

حضرت علیؓ کی شام کو روانگی

حضرت علیؓ جنگ کے لئے بالکل تیار نہ تھے لیکن آپ نے محض حجت تمام کرنے کے لئے ایک مرتبہ پھر اپنے قاصد کو امیر معاویہ کے پاس بھیج کر ان کو اطاعت اور بیعت کی دعوت دی۔ اس دعوت کے جواب میں امیر معاویہ اور حضرت علیؓ میں خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو بار بار اپنے خطوط میں اطاعت کی ترغیب دیتے ہوئے لکھا کہ مسلمانوں میں آپس میں خونریزی نہ کراؤ۔ مگر امیر معاویہ اپنے ہر خط میں حضرت علیؓ پر حضرت عثمان کے قاتل ہونے کا الزام لگاتے رہے۔ اور ہر معاملہ کو برابر بگاڑتے ہی چلے گئے۔ اس طویل خط و کتابت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو جو آخری خط لکھا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

خدا گواہ ہے کہ عثمان کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ میں نے ان کے خلاف

کسی کو بھڑکایا مجھ کو خوب معلوم ہے کہ قاتلان عثمان کے حوالے کرنے کے مطالبہ کو تم حصول مقصد کا ذریعہ بنانا چاہتے ہو۔ یاد رکھو اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہی تمہارے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔"

اس طویل اور بے نتیجہ خط و کتابت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مجبوراً امیر معاویہ کے خلاف لشکر کشی کرنی پڑی۔ حضرت علیؓ ابو مسعود انصاری کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے نوے ہزار فوج کے ساتھ شام کی جانب ۳۶ھ میں روانہ ہو گئے۔ امیر معاویہ پہلے ہی سے جنگ کے لئے نکل چکے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں دریائے فرات کے کنارے اپنی فوجیں جن کی مجموعی تعداد اسی ہزار تھی اتار دی تھیں۔ اور تمام اہم مقامات پر قبضہ جمانے کے بعد مورچہ قائم کر لیا تھا اور دریائے فرات پر خاص طور پر فوج متعین کر دی تھی تاکہ حضرت علیؓ کے لشکر کو پانی نہ مل سکے۔

جناب علی صفین میں

حضرت علی بھی صفین کے میدان میں پہنچنے کے بعد خیمہ زن ہو گئے۔ لیکن شامیوں نے چونکہ دریائے فرات پر پہرہ لگا رکھا تھا۔ اس لئے حضرت علیؓ کے لشکر کو پانی حاصل کرنے میں بڑی دشواری پیش آنے لگی۔ حضرت علیؓ نے پیغام بھیجا کہ پانی بند کرنا خلاف انسانیت ہے فرات پر سے فوجیں ہٹالی جائیں۔ مگر شامیوں نے جب اس پیغام کی کوئی پرواہ نہ کی تو حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کے ایک دستہ کو حکم دے دیا کہ وہ بزور شمشیر دریائے فرات پر قبضہ جمالے۔ چنانچہ پہلے ہی حملہ میں حضرت علیؓ کے لشکر کا دریائے فرات پر قبضہ ہو گیا۔ لیکن اس قبضہ کے باوجود حضرت علیؓ نے اپنے بے نظیر اخلاق کا وہ ثبوت پیش کیا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یعنی معاویہ کے لشکر کے لئے پانی کی بندش نہیں کی۔ بلکہ پانی لینے کی سب کے لئے عام اجازت تھی۔

شامی اور عراقی لشکر گو ایک دوسرے کے سامنے صف آرا تھے لیکن یہ دونوں چونکہ مسلمان تھے اس لئے ان میں لڑائی کا وہ جوش نہیں تھا جو کفار کے مقابلہ میں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مہینہ تک بہت معمولی معمولی ناقابل تذکرہ جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اس دوران میں امن پسند حضرات صلح کے لئے ادھر سے ادھر دوڑتے رہے۔ یہاں تک کہ محرم آگیا۔ جس کے احترام کو مد نظر رکھتے ہوئے جنگ بند کر دی گئی۔ جو حضرات صلح کی کوشش کر رہے تھے انہوں نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بے انتہا جدوجہد کی کہ کسی طرح صلح ہو جائے اور مسلمانوں کا خون نہ بہنے پائے مگر افسوس ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور جنگ کے خطرناک بادل برسنے لگے۔

ہولناک جنگ محرم کا مہینہ ختم ہونے کے بعد صفر ۳۷ھ میں فریقین پوری طاقت کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابلہ پر صف آرا ہو گئے۔ اب جنگ کے معاملہ میں پہلی سی سرد مہری باقی نہیں رہی تھی۔ بلکہ جانبین میں ایک دوسرے کے خلاف پوری طرح جوش تھا۔ غرضکہ بڑی ہی خونریز جنگ چھڑ گئی۔ ایسی خونریز جنگ کہ دو تین دن کے اندر اندر پورا میدانِ کارزار لاشوں سے پٹ جاتا تھا۔ جن کو دفن کرنے کے لئے دونوں لشکروں کو عارضی طور پر جنگ بند کر دینی پڑتی تھی۔ مقتولین کے کفن دفن سے فارغ ہوتے ہی پھر وہی خونریزی شروع ہو جاتی تھی۔ مختصر سی مدت میں نوے سے زیادہ خونریز معرکے ہوئے جن میں ۴۵ ہزار آدمی امیر معاویہ کے اور ۲۵ ہزار سپاہی حضرت علیؓ کے کام آئے یعنی ستر ہزار مسلمان اس خانہ جنگی میں تہ تیغ کر دیئے گئے۔ ان کے تہ تیغ ہونے کے بعد لاکھوں عورتیں اور بچے بے یار و مددگار ہو گئے۔ افسوس کس قدر دل ہلا دینے والا واقعہ ہے۔ دونوں طرف اسلام اور مسلمان ہیں مگر کیا قیامت ہے کہ مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔

معاویہ کو علیؓ کی للکار گذشتہ کئی ماہ کی جنگ میں گو امیر معاویہ کا نقصان حضرت علیؓ کے نقصان کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود امیر معاویہ کے لشکر میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔ دونوں طرف سے پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ ہوتا رہا اور جنگ کا پلہ اس طرح برابر تھا کہ یہ کہا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ آخری فیصلہ کس فریق کے حق میں ہوگا۔ لیکن لیلۃ الہریر کا آخری معرکہ جو دنیا کی جنگی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے اس نے جنگ کا رخ بدل دیا۔ مورخین عرب جو اس جنگ میں شامل تھے ان کا کہنا ہے۔ کہ ایسی خوفناک جنگ دنیا نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہر طرف انسانی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

دونوں طرف کے جانباز اس طرح لڑ رہے تھے گویا ان کی زندگی کا واحد مقصد موت ہے۔ ۳۵-۳۶ گھنٹہ تک مسلسل تلوار چلتی رہی اور خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لیلۃ الہریر کے معرکہ میں شامیوں نے بھی بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ لیکن حضرت علیؓ کے لشکر کے جانبازوں کا پلہ بھاری تھا۔ مالک بن اشتر اور دوسرے سپہ سالار اپنے لشکر کو ساتھ لے کر اس بری طرح سے شامی لشکر پر حملے کر رہے تھے کہ شامی لشکر کے قدم ڈگمگانے لگے۔

اسی دوران میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بارہ ہزار منتخب سواروں کو لے کر امیر معاویہ کے قلب لشکر میں جا گھسے تو امیر معاویہ کے لشکر کی صفیں کائی کی طرح پھٹتی چلی گئیں۔ حضرت علی جوشِ شجاعت میں بڑھتے بڑھتے امیر معاویہ کے خیمہ کے پاس جا پہنچے اور آپ نے امیر معاویہ کو للکار کر کہا۔ مسلمانوں کو کیوں قتل کراتے

ہو بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں آپس میں لڑ کر لڑائی کا فیصلہ کر لیں۔ ہم میں جو کامیاب ہو وہی خلیفہ بن جائے۔" امیر معاویہ میں بھلا کہاں ہمت تھی کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ پر آتے۔ عمرو بن عاص نے جب امیر معاویہ سے کہا کہ "حضرت علیؓ کے اس معقول مطالبہ سے سرگردانی بڑی بزدلی ہے" تو امیر معاویہ نے جواب دیا کہ "علیؓ کے مقابلہ پر جانا موت کو دعوت دینا ہے۔" غرضیکہ جنگ اب اس مرحلہ پر پہنچ چکی تھی کہ حضرت علیؓ کی فتح کے آثار بالکل نمایاں تھے اور امیر معاویہ سخت پریشانی کے عالم میں وقت کاٹ رہے تھے۔

عمرو بن عاص کی تدبیر

دوسرے دن صبح کو حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کو جمع کر کے ایک پرجوش تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! اب جنگ آخری مرحلہ پر پہنچ چکی ہے۔ تمہارا حریف آخری سانس لے رہا ہے۔ فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

ادھر امیر معاویہ کی حالت یہ تھی کہ وہ حیران و پریشان تھے کیونکہ ان کو اپنی تباہی و ناکامی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے اس حیرانی اور پریشانی کے عالم میں ان کے مشیر خاص عمرو بن عاص نے اپنی ایک عیارانہ تدبیر سے ان کی ڈھارس بندھائی اور ان کی شکستہ امیدوں کو ٹوٹنے سے بچانے کی ناکام کوشش کی۔ عمرو بن عاص کی عیارانہ تدبیر یہ تھی کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کو فریب دینے کے لئے قرآن مجید کو حکم بنانے کی دعوت دی جائے تاکہ اس کے قبول اور انکار دونوں صورتوں میں حضرت علی کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے۔

اس عیارانہ تدبیر کے مطابق شامی لشکر جب میدان میں آیا تو شامی فوج کے نیزوں پر قرآن کریم لٹک رہے تھے حضرت علیؓ کے لشکر والے حیران رہ گئے کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے لیکن چند ہی منٹ کے بعد جب امیر معاویہ کے سردار لشکر نے حضرت علیؓ کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے ذیل کی تقریر کی تو یہ واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کے نیزوں پر بلند کرنے کا کیا مقصد ہے۔

"عرب بھائیو! خدا کے لئے اپنی عورتوں اور بچوں کو فارس اور روم کے دشمنوں سے بچاؤ ذرا سوچو اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیوں سے شام کی حفاظت کون کرے گا اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو فارس والوں سے عراق کو کون بچا سکے گا آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لیں اور اس کے ناطق فیصلہ کو تسلیم کر کے خانہ جنگی ختم کر دیں۔"

قرآن پاک کو جب درمیان میں لایا جائے تو کون منحرف ہو سکتا ہے۔ شامیوں کا فریب چل گیا۔ حضرت علیؓ کی فوج جب قرآن کو درمیان میں دیکھ کر جنگ سے دست کش ہونے لگی تو حضرت علی نے فوجیوں کو سمجھایا کہ یہ محض فریب ہے۔ عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ "اب معاویہ پورے طور پر اپنی ناکامی محسوس کر رہے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مردانہ وار جنگ سے جی چرا کر مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی

ہے" مگر شامیوں کا یہ جادو پوری طرح اپنا کام کر چکا تھا۔ حضرت علیؓ کے لشکریوں نے کہنا شروع کیا کہ ہمی قرآن کا پابند بنانے کے لئے ہم شامیوں سے لڑ رہے ہیں۔ اور اب جبکہ وہ خود ہم کو اس کی دعوت دے رہے ہیں تو ہم اس سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔" حضرت علیؓ نے لوگوں کو ہر چند سمجھایا کہ تم اس فریب میں نہ آؤ یہ محض جنگی چال ہے۔" مگر کسی نے حضرت علیؓ کی بات نہ مانی اور تلواریں نیام میں کر لیں۔ اس جیتی ہوئی جنگ کو بند کرانے میں سب سے زیادہ ہاتھ ان ابن سبائیوں کا تھا جو حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھے اس موقعہ پر یہ سب سے بڑھ کر عاشق قرآن بن گئے تھے حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ فوج بگڑی جا رہی ہے اور کسی طرح بھی جنگ کے لئے تیار نہیں ہوتی تو ان کو بھی جنگ بند کر دینی پڑی حالانکہ یہ ایسا وقت تھا کہ اگر جنگ رو کی نہ جاتی تو حضرت علیؓ کی فتح یقینی تھی۔

فریقین کا معاملہ ثالثوں کے ہاتھ میں

امیر معاویہ کی اس پر فریب چال کی وجہ سے لڑائی بند ہو گئی۔ لڑائی بند ہونے کے بعد یہ قرار پایا کہ کہ ایک ثالث تو حضرت علیؓ کی جانب سے عراق والے مقرر کر دیں اور دوسرا ثالث امیر معاویہ کی جانب سے شامی مقرر کر دیں۔ اور ان دونوں کو فیصلہ کا اختیار دے دیا جائے کتاب اللہ کی رو سے یہ دونوں کے معاملہ میں جو بھی فیصلہ دیں وہ دونوں کے لئے واجب التسلیم ہو اور اگر کوئی فریق اس فیصلہ کو نہ مانے تو اس کی مدد نہ کی جائے۔

اس قرارداد کے مطابق شامیوں نے تو عمرو بن عاص کو اپنا ثالث تجویز کر لیا۔ اور حضرت علیؓ کی جانب سے اس شرارت پسند جماعت نے جس نے کہ جنگ بند کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو مجبور کیا تھا ابو موسیٰ اشعری کا نام پیش کر دیا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس انتخاب کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا "مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے، وہ میری مخالفت کر چکے ہیں۔ ان کی فہم و تدبر پر بھی مجھے بھروسہ نہیں ہے۔ اس لئے ان کی بجائے ابن عباس کو ثالث بنایا جائے" لیکن جن لوگوں نے ابو موسیٰ اشعری کا نام پیش کیا تھا انہوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ "وہ خاص آپ کے عزیز ہیں ثالث غیر متعلق شخص ہونا چاہیئے" حضرت علیؓ نے فرمایا "پھر مالک بن اشتر کو ثالث بنا دیا جائے" ان کے نام پر بھی اعتراضات شروع ہو گئے۔ اور ثالثوں کے انتخاب کا مسئلہ زیادہ الجھنے لگا۔ آخر حضرت علیؓ نے رفع شر کرتے ہوئے مجبوراً ابو موسیٰ اشعری کو ثالث منظور کر لیا۔ ثالثوں نے دونوں فریق سے حسب ذیل عہد نامہ پر دستخط لئے اور پھر عام مسلمانوں کو پڑھ کر سنا دیا۔ عہد نامہ کا خلاصہ یہ تھا۔

"علی اور ان کی جماعت نے ابو موسیٰ اشعری کو اور معاویہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن عاص

کو ثالث مقرر کیا ہے۔ یہ دونوں کسی فریق کی رو رعایت کے بغیر امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے مطابق جو فیصلہ دیں گے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا۔ ثالث اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دیں گے۔ لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہوگا یا اس میں کسی فریق کی جانب داری پائی جائے گی تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہوگی۔ اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا۔ فیصلہ کے اعلان تک جنگ ملتوی رہے گی اور کامل امن و امان قائم رکھا جائے گا۔ رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جانا چاہیئے۔ اگر مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سرِ نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا۔"

ربیع الاول ۳۷ھ میں اس عہد نامہ پر فریقین کے نیز تمام ممتاز لوگوں کے دستخط ہو گئے اور فیصلہ کے اعلان کے لئے دومۃ الجندل کا مقام تجویز کیا گیا۔ جو شام اور عراق کی سرحد پر واقع تھا۔

خارجیوں کی ابتدا اور فتنہ انگیزی

مندرجہ بالا عہد نامہ کی تکمیل کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میدان صفین سے کوفہ کی طرف واپسی کا قصد کیا۔ تو کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ واپسی کا ارادہ ترک کر کے شامیوں پر فوراً حملہ کر دیں" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ فریقین کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور جس پر دستخط بھی ہو چکے ہیں۔ اب اس کے بعد بد عہدی کرنے کو میں کسی طرح پسند نہیں کر سکتا۔" حضرت علیؓ کے اس جواب کو سن کر وہ لوگ اس وقت تو آپ کے پاس سے چلے گئے لیکن حضرت علیؓ جب لشکر لے کر کوفہ کے لئے روانہ ہوئے تو یہ فتنہ پرداز از راہ شرارت راستہ بھر ہنگامے برپا کرتے رہے اور حضرت علی کو جنگ بند کرنے پر برا بھلا کہتے رہے۔ یہ یاد رہے کہ یہ سب کے سب وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کو جنگ کے بند کرنے پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ حضرت علیؓ جنگ بند کرنے کے سخت مخالف تھے لیکن اب جبکہ ان شرارت پسندوں کے زور دینے پر جنگ بند کر دی گئی تھی تو یہ دوبارہ جنگ کرنے پر بضد تھے۔ اور چاہتے تھے کہ جس طرح ہو حضرت علیؓ کو نقصان پہنچایا جائے۔

ان لوگوں کی فتنہ پردازی اسی طرح تمام راستے جاری رہی۔ آخر جب لشکر کوفہ کے قریب پہنچا تو بارہ ہزار آدمیوں کا گروہ حضرت علیؓ کے لشکر سے جدا ہو کر حروراکی طرف چل دیا۔ یہی وہ گروہ ہے جن کو خارجیوں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس گروہ میں ابن سبائی اور دیگر مخالفین علیؓ بھی شامل تھے غرض

یہ پورا گروہ خواہ مخواہ حضرت علیؓ کا مخالف بن گیا تھا۔ چنانچہ خارجیوں کے اس گروہ نے حرورا میں جا کر قیام کیا اور اپنی ایک نئی جماعت بنالی۔ اور حضرت علیؓ کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب خارجیوں کی ان ناشائستہ حرکتوں کا علم ہوا تو آپ نے پہلے تو ان کی اصلاح کے لئے عبداللہ بن عباس کو بھیجا اس کے بعد خود تشریف لے گئے۔ اور ان سے پوچھا کہ "تم لوگوں نے تو میری بیعت کر لی تھی۔ بیعت کے بعد اس سے خارج ہونے کا کیا سبب ہے"۔ انہوں نے کہا کہ "اس لئے کہ آپ نے بے جا طور پر لڑائی بند کر دی"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری رائے لڑائی روکنے اور بند کرنے کی نہیں تھی۔ مگر تم نے مجھے لڑائی بند کرنے پر مجبور کر دیا اور مجھ کو بادلِ ناخواستہ تمہارا فیصلہ ماننا پڑا۔ اور اب تعجب ہے کہ تم ہی لوگ جنگ بند کرنے کی بنا پر مخالفت پر آمادہ ہو۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، خدا پر بھروسہ رکھو" اس کے بعد از راہ شفقت فرمایا کہ "یہاں کہاں پڑے ہو شہر بصرہ میں چل کر قیام کرو" حضرت علیؓ کی اس اخلاقی تقریر سے عارضی طور پر خارجی متاثر ہوئے اور پھر حضرت علیؓ کے ہمراہ واپس آ کر بصرہ میں مقیم ہو گئے۔

ثالثوں کا مہمل فیصلہ

ثالثوں نے فیصلہ کے لئے ۶ ماہ کی میعاد مقرر کی تھی۔ اس چھ ماہ کے عرصہ میں ثالثوں کی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان ملاقاتوں کے دوران میں عمرو بن عاص نے جو نہایت ہی چالاک آدمی تھے ابو موسیٰ اشعری پر بے حد زور دیا کہ وہ کسی طرح امیر معاویہ کو خلیفہ بنانے کے لئے راضی ہو جائیں لیکن ابو موسیٰ اشعری جو ہر بات میں حضرت علی کو امیر معاویہ سے افضل سمجھتے تھے اپنی اس رائے پر آخر تک قائم رہے کہ حضرت علیؓ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔

عمرو بن عاص نے جب دیکھا کہ ابو موسیٰ اشعری کسی طرح قابو ہی میں نہیں آتے تو انہوں نے نیزوں پر قرآن بلند کرنے کی چال کی طرح یہاں بھی ایک عیارانہ چال چلی اور یہ تجویز پیش کی کہ اس جھگڑے کا سب سے بہتر حل یہ ہے کہ فی الحال دونوں کو اپنے عہدوں سے معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ کثرت رائے سے جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔

ابو موسیٰ اشعری جو ایک نیک اور سیدھے آدمی تھے یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ اس تجویز میں بھی کوئی چال پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ وہ اس تجویز سے اس لئے اور بھی متفق ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رائے عامہ حضرت علیؓ کے حق میں ہے اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں معاویہ کے انتخاب کا کوئی امکان نہیں ہے۔ چنانچہ یہ طے پا گیا کہ مجمع عام میں دونوں کی معزولی اور نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا اعلان کر دیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔ اور اس تاریخ کے بارے میں باضابطہ طور پر

جانبین کو مطلع کر دیا گیا۔

عمرو بن عاص کا نیا فریب

تاریخ مقررہ پر دونوں ثالث مع اپنے چار چار سو ساتھیوں کے دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ اس معاملہ سے کیونکہ امت کی قسمت کے فیصلہ کا بہت بڑا تعلق تھا اس لئے ہزاروں مسلمان مقتدر حضرات اور صحابہ کرام اس فیصلے کو سننے کے لئے دومۃ الجندل کی جامع مسجد میں جہاں یہ فیصلہ سنایا جانا تھا جمع ہو گئے۔ فیصلہ سنانے کا جب وقت آیا تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن عاص سے کہا کہ "پہلے آپ اپنا فیصلہ سنا دیجئے۔ عمرو بن عاص نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ آپ بزرگ ہیں مجھ سے افضل ہیں میں آپ سے پہلے زبان کھولنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں" حضرت ابو موسےٰ اشعری سیدھے آدمی تھے فریب میں آ گئے اور انہوں نے ممبر پر کھڑے ہو کر اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا۔

"مسلمانو! ہم دونوں نے اس نازک مسئلہ پر ہر پہلو سے اتنے عرصہ غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی چیز امت مسلمہ کا اتحاد و اتفاق ہے۔ اور یہ اسی وقت باقی رہ سکتا ہے۔ جبکہ علیؓ اور معاویہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے۔ عام مسلمان جسے اہل سمجھیں منتخب کریں لہٰذا ہم اتفاق رائے سے حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں کو معزول کرتے ہیں۔ اور تم کو اختیار دیتے ہیں کہ آئندہ تم کثرت رائے سے جسے پسند کرو اپنا خلیفہ منتخب کر لو"

اس عجیب و غریب اور خلاف توقع اعلان سے مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا ابو موسےٰ کے بعد عمرو بن عاص ممبر پر آئے اور انہوں نے ذیل کے الفاظ میں اپنے عیارانہ فیصلہ کا اعلان کیا۔

"حضرات آپ نے ابو موسےٰ کا فیصلہ سن لیا انہوں نے اپنے فریق یعنی علی کو معزول کر دیا۔ میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں لیکن میں اپنے فریق یعنی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں، وہ امیر المومنین عثمان کے ولی اور ان کے قصاص کے طالب ہیں اس لئے وہی ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"

مسلمانوں میں اشتعال

ابو موسےٰ عمرو بن عاص کی اس معاہدہ شکنی اور دروغ بیانی پر مشتعل ہو گئے اور انہوں نے مجمع کو بتایا کہ عمرو بن عاص نے کس قدر غداری کی ہے لیکن اب کیا ہو سکتا تھا عمرو بن عاص ایسی چال چل گئے تھے جس کی تلافی ناممکن تھی۔ شریح بن ہانی عمرو بن عاص کی دھوکہ دہی پر آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے عمرو بن عاص پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے لیکن

لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا لیا۔ شامی ابوموسیٰ سے انتقام لینا چاہتے تھے مگر وہ ان کے ہاتھ نہیں لگ سکے اور بھاگ کر مکہ چلے گئے۔

عمرو بن عاص کی اس غداری اور دھوکہ دہی سے حضرت علی کے حامیوں میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا تھا اگر عبداللہ بن عباس اس نازک موقعہ پر مجمع کو قابو میں نہ رکھتے تو شاید اسی جگہ جنگ چھڑ جاتی۔ غرضیکہ عمرو بن عاص کی اس ابن الوقتی سے مسلمانوں میں خانہ جنگی اور بھی بڑھ گئی۔ لیکن امیر معاویہ کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ تھا کہ وہ شکست کی ذلت سے بچ گئے۔ دوسرے ان کو جنگی تیاریوں کے لئے چھ مہینے کی مدت مل گئی۔ تیسرے ان کو یہ کہنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا کہ ثالثوں نے علیؓ کو معزول کر کے مجھے باقاعدہ خلیفہ منتخب کر لیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی اور سارے ملک شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ادھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ نقصان پہنچا کہ ان کے لشکر میں بری طرح بددلی پھیل گئی اور اس بددلی کی وجہ سے نہ صرف شام ہمیشہ کے لئے ان کے قبضہ سے نکل گیا بلکہ خلافت اسلامیہ کے دوسرے صوبوں پر بھی امیر معاویہ نے رفتہ رفتہ قبضہ جما لیا۔

خارجیوں سے مقابلہ

مذکورہ بالا مہمل اور ناقابل قبول فیصلہ کے بعد حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے لئے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ شام پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ امیر معاویہ کے خلاف ابھی جنگی تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ اچانک آپ کو اطلاع ملی کہ خارجیوں نے عراق میں بری طرح شورش برپا کر دی ہے۔ اس اطلاع کے بعد آپ نے شام پر حملہ کرنے کے خیال کو ملتوی کر دیا اور خارجیوں کی جانب متوجہ ہو گئے۔

اس سے قبل آپ پڑھ چکے ہیں کہ خارجی ابن سبائیوں اور فتنہ پردازوں کا ایک ملا جلا گروہ تھا جو صفین کی جنگ میں حضرت علیؓ کے لشکر میں موجود تھا۔ اس گروہ کی حالت یہ تھی کہ بظاہر تو عاشق علیؓ بنا ہوا تھا لیکن درحقیقت یہ حضرت علیؓ اور خلافت اسلامیہ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ نے جب شکست سے بچنے کے لئے نیزوں پر قرآن مجید بلند کرایا تو اسی گروہ نے حضرت علیؓ کو صلح کے لئے مجبور کر کے جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں تبدیل کرا دیا لیکن جب حضرت علیؓ نے عارضی صلح کر لی تو پھر اسی گروہ نے معاہدہ کو توڑ کر امیر معاویہ سے جنگ کرنے پر زور دیا۔ حضرت علیؓ جب اس معاہدہ شکنی پر تیار نہ ہوئے تو یہ کھلم کھلا حضرت علیؓ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ اور اسلامی لشکر سے جدا ہو کر حروراء کے مقام پر اس گروہ نے قیام کر لیا لیکن حضرت علیؓ پھر بھی ان کی تمام گذشتہ کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے خود جا کر انہیں اپنے ساتھ بصرہ لے آئے تھے۔

بصرہ آنے کے بعد ثالثوں کے اعلان تک تو یہ بظاہر خاموش بیٹھے رہے لیکن اس زمانہ میں بھی درپردہ سازشیں کرتے رہے مگر ثالثی فیصلہ کے اعلان کئے ہوتے کے ساتھ ہی ان فتنہ پردازوں نے عبداللہ بن وہب کے ہاتھ پر بیعت کر کے حضرت علیؓ کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی۔ انہوں نے فوراً ہی اپنی علیحدہ جماعت بنائی۔ جس کا عقیدہ یہ تھا کہ

"معاملاتِ دین میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے۔ حکم اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں۔ اور ان کافروں کے خلاف جہاد فرض ہے۔"

یہ تھا خارجیوں کا وہ عقیدہ جس کی بنا پر انہوں نے حضرت علیؓ اور ان کے تمام ساتھیوں کو کافر قرار دے دیا تھا (نعوذ باللہ) چنانچہ خارجی گروہ نے کوفہ۔ بصرہ۔ مدائن اور دوسرے علاقوں میں اپنے ان عقاید کی خوب اشاعت کی۔ پھر اس کے بعد خارجیوں کی ایک بہت بڑی جماعت تمام دوسرے علاقوں سے سمٹ کر نہروان میں جمع ہو گئی۔ خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ نہروان جاتے ہوئے جو بھی مسلمان ملتا تھا یہ اسے قتل کر دیتے تھے غرضکہ رفتہ رفتہ ان کی فتنہ انگیزی اتنی بڑھی کہ اطراف میں رہنے والے مسلمان اپنی جان کو غیر محفوظ سمجھنے لگے چنانچہ بہت سے مسلمان ان کے ہاتھ سے بے دریغ مارے گئے یہاں تک کہ انہوں نے مشہور صحابی عبداللہ بن خباب کو شہید کر ڈالا۔ ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بڑی بے دردی سے قتل کیا۔ قبیلہ طے کی متعدد عورتوں کو انہوں نے تہِ تیغ کر ڈالا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ شروع میں تو درگزر سے کام لیتے رہے۔ لیکن جب خارجیوں کی فتنہ پردازیاں درندگی کی حد تک پہنچ گئیں تو آپ ان کے خلاف ۳۸ھ میں جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے خارجی بھی ایک بہت بڑا لشکر لے کر حضرت علیؓ کے مقابلہ پر آ گئے۔ اور انہوں نے اللہ اکبر کے نعرہ کے بجائے لاحکم الا اللہ کے نعرے لگا کر پوری طاقت کے ساتھ حضرت علیؓ کے لشکر پر پے درپے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ بڑی خوفناک جنگ ہوئی، خارجی اگرچہ بڑی بہادری سے لڑے مگر شیر خدا کے سامنے بھلا کس طرح کامیاب ہو سکتے تھے۔ آخر بری طرح شکست کھائی اور بڑی تعداد میں مارے گئے جو باقی رہ گئے ان میں چند لوگوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا۔ اور علیؓ کے مطیع ہو گئے اور کچھ بھاگ کر صحرائے افریقہ کی طرف چلے گئے۔

خارجیوں کی جنگ سے فارغ ہونے کے بعد جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو امیر معاویہ کے مقابلہ کے لئے آمادہ کرنا چاہا تو فوج اس کے لئے تیار نہ ہوئی اور آپ کے لشکر کے آدمی یہ کہہ کر اپنے گھروں کے لئے روانہ ہو گئے کہ ہم پوری تیاری کے بعد امیر معاویہ کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت علیؓ کے ساتھ کل ایک

ہزار آدمی رہ گئے۔ آپ ان کو ساتھ لے کر کوفہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد فوج کی کم ہمتی کی بنا پر حضرت علیؓ کو کبھی بھی شام پر حملہ کا موقعہ نہ مل سکا۔

مصر پر معاویہ کا قبضہ عرصہ سے امیر معاویہ کی درپردہ کوشش اور خواہش تھی کہ کسی طرح شام کی طرح مصر بھی میرے قبضہ میں آ جائے تو اچھا ہو چنانچہ انہوں نے صفین کی جنگ سے قبل ہی مصر پر قبضہ جمانے کے لئے شطرنجی چالیں چلنی شروع کر دی تھیں عمرو بن عاص جو امیر معاویہ کے یار وفادار بنے ہوئے تھے ان کی دربار معاویہ میں بے حد تعظیم و تکریم صرف اس لئے کی جا رہی تھی کہ وہ مصر کے ہر دلعزیز گورنر رہ چکے ہیں۔ اور مصر کو انہیں کے ذریعہ فتح کیا جا سکتا ہے قیس بن سعد جیسے لائق مدبر کے خلاف چال چل کر اسی لئے مصر کی گورنری سے انہیں معزول کرایا گیا تھا تاکہ موقع ملتے ہی آسانی کے ساتھ مصر پر قبضہ جمایا جا سکے۔

قیس بن سعد کے معزول کئے جانے کے بعد محمد بن ابی بکر مصر کے گورنر بنے تو ان کی نو عمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے مصر میں نئے نئے ہنگامے ہونے لگے۔ قیس نے اپنے زمانہ میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ تمام مصر والوں سے حضرت علیؓ کی بیعت حاصل کر لی تھی۔ صرف خرتبہ کے باشندوں نے بیعت نہیں کی تھی لیکن اطاعت انہوں نے بھی قبول کر لی تھی چونکہ یہ خراج برابر ادا کر رہے تھے اس لئے قیس بن سعدؓ نے ان کو چھیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی لیکن محمد بن ابی بکر نے مصر پہنچنے کے ساتھ ہی بے ضرورت ان پر فوج کشی کر دی۔ یہ لوگ بڑے بہادر اور جنگجو تھے۔ محمد بن ابی بکر کو شکست ہو گئی۔ اس شکست کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا کہ پہلے تو صرف خرتبہ کے لوگ حضرت علیؓ کے مخالف تھے اب ہر طرف سے حضرت علیؓ کی مخالفت میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اور جا بجا بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ حضرت علیؓ نے یہ حالت دیکھی تو پے در پے محمد بن ابی بکر کی امداد کے لئے کئی افسر اور لشکر بھیجے مگر محمد بن ابی بکر کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے معاملہ بگڑتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ سارے مصر نے حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص کا مطالبہ شروع کر دیا گویا مصر بھی دوسرا شام بن گیا۔

امیر معاویہ اور عمرو بن عاص محمد بن ابی بکر کی ناتجربہ کاری اور مصر میں بڑھتی ہوئی بے چینی کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور سازگار ماحول کو دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے۔ آخر موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے درپردہ مصر کے مقتدر حضرات سے خط و کتابت شروع کر دی چنانچہ مصر کے بااثر حضرات کی دعوت پر عمرو بن عاص چھ ہزار کا لشکر لے کر شام سے مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔ عمرو بن عاص کا پہلے ہی مصر میں کافی اثر تھا مصر کی سرحد پر پہنچتے ہی انہوں نے مصریوں کی ایک بہت بڑی

جماعت کو اپنے ساتھ ملالیا اور مصر کے حاکم محمد بن ابی بکر کے خلاف یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہی حضرت عثمان غنی کے اصل قاتل ہیں۔ مصریوں کے لئے اس سے زیادہ اشتعال انگیز بات اور کیا ہو سکتی تھی چنانچہ مصری سخت برہم ہو گئے۔ محمد بن ابی بکر کے لئے سخت دشواریاں پیدا ہو گئیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے عمرو بن عاص کے لشکر کا سختی سے مقابلہ کیا۔ اس مقابلہ میں محمد بن ابی بکر کو شکست ہو گئی۔ ان کو زندہ گرفتار کر کے جلا دیا گیا۔ اور ۳۸ھ میں شام کی طرح مصر میں بھی امیر معاویہ کی خلافت تسلیم کی جانے لگی اور اس طرح دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔

امیر معاویہ کی شورش اور ناکامی

مصر کی فتح سے امیر معاویہ کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ مصر کی فتح کے بعد انہوں نے مختلف ذرائع سے ان تمام ممالک کو زیر کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ جو حضرت علیؓ کے زیر حکومت تھے تاکہ ایک ایک کر کے ان ممالک پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے لیکن امیر معاویہ کو اپنے اس مقصد میں کامیابی نہ ہو سکی۔

امیر معاویہ نے ۳۹ھ میں سفیان بن عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا۔ تاکہ ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد پورے ایران کی تسخیر کی کوشش کی جائے۔ امیر معاویہ ایران کو اس لئے فتح کرنا چاہتے تھے تاکہ اس ملک کی فتح کے بعد حضرت علیؓ کی مرکزی حکومت کو جو عراق میں تھی چاروں طرف سے گھیر کر ختم کر دیا جائے لیکن امیر معاویہ کو انبار و مدائن میں بری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہاں کے باشندوں نے سخت مقابلہ کیا جس کی وجہ سے معاویہ کا لشکر معمولی لوٹ مار کے بعد بھاگ کھڑا ہوا۔

اسی زمانہ میں امیر معاویہ نے حضرت عثمان غنی کے خون کے نام پر بصرہ میں بھی حضرت علیؓ کے خلاف شورش برپا کرا دی تھی اور اس بات کی کوشش کی تھی کہ بصرہ پر اپنی حکومت قائم کریں۔ لیکن بصرہ میں چونکہ حضرت علیؓ کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی اس لئے یہاں بھی انہیں سخت ناکامی ہوئی اور ان کی امیدیں پوری نہ ہو سکیں۔

مندرجہ بالا علاقوں میں فوج کشی اور بغاوتیں برپا کرانے کے علاوہ امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کی سلطنت کے ہر حصہ میں خلافت اسلامیہ کی تباہی کے بعد اپنی شہنشاہیت کو قائم کرنے کے لئے ایک ایسا طوفان عظیم کھڑا کر دیا تھا کہ جس کا تصور اسلامی تاریخ کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے امیر معاویہ نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کروڑوں روپیہ تقسیم کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۴۰ھ میں یمن اور حجاز میں بھی بری طرح اضطراب اور بے چینی پھیل گئی تھی اور حضرت علیؓ کی حکومت میں صرف ایران اور عراق دو ملک رہ گئے تھے اور ان دو ملکوں میں بھی امیر معاویہ کی پیدا کردہ اندرونی شورشوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حالت یہ تھی کہ یہ دونوں شہر آزاد اور غیر جانبدار تھے وہاں نہ حضرت علیؓ کی حکومت تھی اور نہ امیر معاویہ کی۔ ان شہروں کا انتظام مقامی سرداروں کے ہاتھ میں تھا۔

امیر معاویہ نے گذشتہ چند سال کے اندر جو غیر معمولی طاقت حاصل کر لی تھی اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے امیر معاویہ کے لئے حضرت علیؓ کے زیر حکومت علاقوں کی فتح کچھ دشوار نہیں تھی۔ لیکن حضرت علیؓ کا دبدبہ اس کا تھا کہ امیر معاویہ اپنے لامتناہی وسائل کے باوجود مصر کی فتح کے بعد کوئی قابل ذکر فتح حاصل نہ کر سکے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ان کے ساتھی مسلمان مسلسل لڑنے اور آمادہ جنگ رہنے کی وجہ سے اس قدر تھک گئے تھے کہ جنگ سے بد دلی اور کم ہمتی کے ساتھ بعض لوگوں کی طرف سے نافرمانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ مجبور ہو کر رہ گئے تھے اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو ان کی شجاعت اور بلند ہمتی کے مقابلہ میں امیر معاویہ تو کیا کوئی بھی سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ

نہروان کی لڑائی کے بعد بظاہر تو خارجیوں کا فتنہ ختم ہو گیا تھا۔ لیکن حقیقت میں یہ اندر ہی اندر پھیل رہا تھا۔ نہروان کے معرکہ میں چونکہ خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا اس لئے اس معرکہ کے بعد ہی سے یہ حضرت علیؓ سے انتقام لینے کے درپے تھے چنانچہ ۴۰ھ میں کچھ خارجی مکہ معظمہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے یہ طے کر لیا کہ چونکہ حضرت علیؓ امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کی وجہ سے مملکت اسلامیہ میں بری طرح خونریزی پھیلی ہوئی ہے اس لئے ان تینوں کو ختم کر دیا جائے اور ان تینوں کے قتل کے لئے تین آدمی نامزد کر دئیے گئے۔ ابن ملجم کو حضرت علیؓ کے قتل کے لئے متعین کیا گیا۔ برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ کے قتل کا بیڑا اٹھایا۔ اور عمرو بن بکر نے عمرو بن عاص کے قتل کی ذمہ داری لی۔ ان تینوں کو کوفہ۔ شام اور مصر کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ اور ان کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ ۱۸ رمضان کو عین صبح کی نماز کے وقت ان تینوں مقتدر حضرات کو قتل کر دیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۸ رمضان ۴۰ھ کو ایک ساتھ ان تینوں حضرات پر حملہ کر دیا گیا۔ امیر معاویہ پر نماز فجر کی امامت کرتے ہوئے قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ وار اوچھا پڑا تھا اس لئے امیر معاویہ زخمی تو ہو گئے مگر بچ گئے۔ حملہ آور کو گرفتار کر کے فوراً قتل کر دیا گیا۔ عمرو بن عاص اس لئے صاف بچ گئے کیونکہ وہ تاریخ مقررہ پر بیمار ہونے کی وجہ سے مسجد میں نہیں آئے تھے۔ ایک دوسرا شخص ان کی بجائے نماز پڑھا رہا تھا وہ دھوکہ میں مارا گیا۔ ابن ملجم اور اس کے ایک ساتھی شبیب نے حضرت علیؓ پر عین اس وقت تلوار

سے وار کیا جب کہ آپ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے جناب علیؓ پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں تھے کہ ابن ملجم جو صف اول میں آپ کے پیچھے کھڑا تھا آگے بڑھا اور زہر آلود خنجر کا ایسا وار کیا جو پیشانی اور جبین کو زخمی کرتا ہوا گلے تک اتر گیا۔ حضرت علی مصلے پہ گر پڑے اور خدا کے اس برگزیدہ نمازی کا خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ زبان مبارک سے فرمایا بسم اللہ علی ملت رسول اللہ۔ مسلمانوں کی اس وقت عجیب حالت تھی کچھ گھر کی طرف دوڑے تاکہ اس واقعہ کی اطلاع کریں کچھ لوگ ابن ملجم کو پکڑنے میں مصروف تھے۔ اور کچھ لوگ آپ کو سنبھال رہے تھے۔ جناب حسنینؓ گھر میں اٹھا کر لائے۔ آپ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش ہو جاتے تھے شبیب بھاگ گیا اور ابن ملجم کو گرفتار کر لیا گیا۔

شیر خدا کی شہادت

ابن ملجم کو گرفتار کر کے جب حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے چند سوالات کرنے کے بعد حکم دیا کہ "اسے آرام سے رکھا جائے اگر میں مر جاؤں تو اسے قتل کر دینا اور اگر میں اچھا ہو گیا تو اس کے معاملہ پہ خود غور کروں گا" اس کے بعد آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ میرے قتل کے معاملہ کو مسلمانوں میں خونریزی کا ذریعہ نہ بنانا۔ صرف اسی ایک شخص کو جو میرا قاتل ہے قصاص میں قتل کر دینا" پھر اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اگر اس زخم کے صدمہ سے میں مر جاؤں تو تم بھی تلوار کے ایک وار سے اس کا کام تمام کرنا مثلہ ہرگز نہ کرنا کیونکہ آنحضرت صلعم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

زخم چونکہ بہت کاری لگا تھا اس لئے آپ کو بے حد تکلیف تھی۔ تلوار کا زخم کنپٹی پر آیا تھا اور تلوار کی دھار دماغ میں اتر گئی۔ وفات سے قبل جندب بن عبداللہ نے پوچھا کہ "آپ کے بعد ہم امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟" آپ نے فرمایا "میں تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں۔ تم جو مناسب سمجھنا کرنا" اس کے بعد حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو وصیتیں فرمائیں۔ اور زخمی ہونے کے تیسرے دن تاریخ ۲۰ رمضان ۴۰ھ کو اتوار کا دن گذار کر پیر کی رات میں انتقال فرمایا۔ عمر ۶۳ سال کی ہوئی۔

وفات کے بعد آپ کو کہاں دفن کیا گیا اس کے بارے میں مورخوں میں شدید اختلاف ہے بعض کے نزدیک آپ کوفہ کی مسجد میں دفن ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کو آپ کے ہی مکان میں دفن کیا گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ "آپ عزی نامی قبرستان میں دفن کئے گئے" لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ کو نجف اشرف میں دفن کیا گیا۔ البتہ قبر کو پوشیدہ رکھا گیا اس لئے کہ یہ اندیشہ تھا کہ کہیں خارجی آپ کے مزار مبارک کی توہین نہ کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد جب ابن ملجم ملعون کو حضرت امام حسنؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے وصیت کے مطابق ایک ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔

اولاد

حضرت علیؓ نے مختلف اوقات میں تقریباً نو شادیاں کیں۔ پہلی شادی جناب فاطمۃ الزہراؓ سے ہوئی۔ جن کے بطن مبارک سے امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور حضرت محسنؓ پیدا ہوئے۔ نیز دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ایک حضرت زینب اور دوسری حضرت ام کلثوم۔ حضرت محسن تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ اور باقی اولاد سے سلسلہ آگے چلتا رہا۔ دوسری ازواج سے بھی چند اولادیں ہوئیں۔ جن میں محمد ابن حنیفہ کے علاوہ باقی کو کوئی تاریخی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

حضرت علیؓ پر ایک نظر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے شجاع بہت بڑے عالم اور نہایت ہی بلند پایہ بزرگ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کو کامیاب بنانے میں آپ کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ آپ حضرت عثمان غنیؓ کے بھی سب سے بڑے مشیر تھے۔ چنانچہ آپ ان کو ہمیشہ صحیح مشورے دیتے رہتے تھے۔ اور ان کی کوتاہیوں پر برابر ٹوکتے رہتے تھے مورخوں کی رائے ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کے بعد آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا جاتا۔ تو حکومت اسلامیہ کو شاید ان دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ جو امیر معاویہ کی سیاسی چالوں کی وجہ سے بعد میں پیش آئیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ حکومت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو آپ کا پورا کا پورا دورِ حکومت خانہ جنگیوں اور اندرونی جھگڑوں سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ آپ جس وقت مسندِ خلافت پر بیٹھے ہیں اس وقت بھی مدینہ میں خانہ جنگی برپا تھی۔ اور آپ کی جس وقت آنکھ بند ہوئی ہے اس وقت بھی مملکتِ اسلامیہ خانہ جنگی میں مبتلا تھی۔

حضرت علیؓ کے دورِ حکومت کو ناکام بنانے کے لئے جیسی جیسی پیچیدہ چالیں چلی گئیں ہیں ان پر ہم بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی غیر نے نہیں بلکہ اپنوں نے جیسے جیسے بے پناہ حملے حضرت علیؓ پر کئے ہیں اگر حضرت علی جیسے پختہ کار انسان کی بجائے کوئی دوسرا ہوتا تو خلافت اسلامیہ کبھی کی پاش پاش ہو چکی ہوتی۔ یہ حضرت علی ہی کی ہمت اور غیر معمولی جرأت تھی کہ ایک طرف تو آپ کی تلوار اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہی اور دوسری جانب آپ کی غیر معمولی دھاک کی بنا پر آپ کے دور میں کسی بیرونی دشمن کو اندرونی جھگڑوں کے باوجود آنکھ ملانے کا حوصلہ نہ ہو سکا ہمارے نزدیک حضرت علیؓ کے دورِ حکومت کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت علیؓ کی شہرہ خار انشگاف کے لئے سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ اسے مجبوراً ان لوگوں کے خلاف میان سے باہر آنا پڑا جن سے لڑنے کے لئے حضرت علی آخر وقت تک آمادہ نہ تھے لیکن جب یہ میان سے نکل

آئی تو کس کی طاقت تھی جو اس کے مقابلہ پر ٹھہر سکتا۔ چنانچہ جنگ صفین میں جو کچھ ہوا وہ بالکل عیاں ہے۔ حضرت علیؓ کی شمشیر خارا شگاف سے پناہ مانگنے کے لئے نیزوں پر قرآن بلند کئے گئے اور قدم قدم پر عیارانہ چالیں چلی گئیں۔

حضرت علیؓ چونکہ ایک سچے، ایماندار اور نیک بزرگ تھے اس لئے یقینی طور پر ان کے لئے عامیانہ مکاریوں کا مقابلہ کرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ پر حضرت علیؓ کے دشمنوں کو جتنی بھی کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں بہادری اور شجاعت کی بجائے عیاری اور مکاری کا اول سے لے کر آخر تک ہاتھ ہے۔ حضرت علی کے ساتھ صرف ان کے دشمنوں ہی نے دھوکہ نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھی کوفیوں نے بھی قدم قدم پر انہیں فریب دیا ہے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود حضرت علیؓ نے جس ہمت جرات اور دلیری کے ساتھ اپنے دشمنوں اور دوستوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔

حضرت علیؓ کی ہمت، جرأت اور استقلال کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اگرچہ آپ کو اندرونی خلفشار کی وجہ سے ایک دن بھی چین نصیب نہیں ہوا لیکن پھر بھی آپ نے نظام حکومت میں بعض ایسی اصلاحات کی ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ آپ نے اسلامی فوج کے لئے جابجا قلعے تعمیر کرائے صیغۂ مال میں اصلاحات کر کے خلافتِ اسلامیہ کی آمدنی کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ محکمہ قضا کی اصلاح کے بعد عوام کے لئے انصاف حاصل کرنے میں سہولتیں پیدا کیں۔ گراں فروشی سے لوگوں کو بچانے کے لئے نئے نئے قوانین نافذ کئے۔ اسی طرح دوسری بے شمار اصلاحات کیں۔

فضائل ومناقب

ذیل میں ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی سے متعلق چند واقعات درج کرتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کا کردار کس قدر بلند تھا۔ اور آپ کا عہد حکومت کس طرح عوام کے لئے ایک نعمت تھا۔

بیت المال سے ہمدردی

ایک مرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے اس میں شہد اور چربی بھی تھی۔ حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم نے یہ چیزیں مانگ بھیجیں۔ عمرو بن سلمہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھجوا دی۔ دوسرے دن حضرت علیؓ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے۔ عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ جواب طلب کیا گیا۔ تو انہوں نے بتا دیا آپ نے اسی وقت دونوں پیپے اٹھوا کر منگوا لئے اور ان میں سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کر دی اور فرمایا کہ بیت المال پر صرف عام مسلمانوں کا حق ہے۔ خلیفہ اور خلیفہ کی اولاد کا

کوئی حق نہیں ہے۔

للّٰہیت کا بے مثال نمونہ

رسولِ مقبول صلعم کے زمانہ حیات میں حضرت علیؓ کسی جنگ میں شامل تھے ایک کافر آپ کے مقابلہ پر آیا آپ اسے گرا کر سینہ پر چڑھ بیٹھے لیکن جب اس کے قتل کا ارادہ کیا تو کافر نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ اس کے تھوکتے ہی آپ اس کے سینہ پر سے ہٹ گئے۔ اور اسے چھوڑ دیا۔ کافر نے کہا کہ "اے علی میرے تھوکنے سے تو تم کو اور زیادہ غصہ آنا چاہیئے تھا مگر تم نے تو اس ناشائستہ حرکت کے بعد مجھے بالکل چھوڑ دیا یہ کیا بات ہے۔" آپ نے فرمایا "جب تک تو نے تھوکا نہیں تھا اس وقت تک تیرے ساتھ میری دشمنی صرف خدا کے لئے تھی لیکن تیرے تھوکنے کے بعد میرے نفس کو جوش اور غصہ آگیا۔ اور یہ معاملہ خدا کا نہیں رہا بلکہ میرا ذاتی بن گیا اگر میں ایسی حالت میں تجھے قتل کر دیتا تو یہ میرا ذاتی انتقام بن جاتا۔ اور للّٰہیت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔" کافر پر اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہوگیا۔

اسلامی مساوات پر عمل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ حکومت میں عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ عدالتیں بادشاہ اور فقیر میں کوئی امتیاز نہیں کرتی تھیں۔ ایک مشہور واقعہ ہے ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہوگئی۔ کچھ مدت کے بعد آپ نے اس زرہ کو ایک نصرانی کے پاس دیکھا تو پہچان لیا خلیفہ وقت ہونے کے باوجود آپ کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ آپ نصرانی سے براہ راست اپنی چیز طلب کر سکتے۔ اور یہ پوچھ سکتے کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آئی چنانچہ زرہ حاصل کرنے کے لئے آپ کو قاضی کی عدالت میں باقاعدہ دعوے دائر کرنا پڑا۔ جب معاملہ عدالت میں گیا تو حضرت علیؓ کو بھی عام اہل معاملہ کی طرح عدالت میں جانا پڑا۔ نصرانی نے عدالت میں بیان دیا کہ یہ زرہ اسی کی ہے۔ قاضی نے حضرت علی سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں کہ یہ زرہ آپ کی ہے۔ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔" قاضی نے حضرت علیؓ کا دعوےٰ خارج کر کے نصرانی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلہ کا نصرانی پر اتنا اچھا اثر پڑا کہ وہ مسلمان ہوگیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تو نبیوں جیسا انصاف ہے کہ امیرالمومنین کے خلاف ان ہی کی حکومت کا قاضی فیصلہ دے دیتا ہے۔"

علمی خدمات

اگرچہ اس زمانہ میں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کا شمار اچھے شاعروں اور ادیبوں میں ہوتا ہے۔ آپ رسول اللہ صلعم کے خط میں لکھا کرتے تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا آپ کے خطوط اور تحریریں عربی ادب و انشا کا نہایت ہی دلکش نمونہ ہیں۔ آپ شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے۔ فنِ نحو کی بنیاد آپ ہی نے

رکھی تھی۔ سب سے اول صحابہ میں سے آپ نے ابوالاسود دوئلی کو چند اصول تلقین فرمائے تھے۔ پھر انہوں نے حضرت علیؓ کے بتائے ہوئے اصول کی روشنی میں نحو کے چند موٹے موٹے قواعد مرتب کئے۔ آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون میں بھی کمال حاصل تھا۔

سادگی اور غربت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غریبی سے بے حد محبت تھی۔ آپ کی زندگی نہایت سادہ اور غریبوں جیسی تھی۔ معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائیں تھیں۔ اس میں ساری عمر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ آپ کے اسباب میں ایک مینڈھے کی کھال تھی۔ جو بستر کا کام دیتی تھی۔ اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی جو اتنی چھوٹی تھی کہ اگر پیر چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ کوئی ملازم نہ تھا۔ گھر کا سارا کام کاج حضرت فاطمہ خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ کئی کئی دن تک گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔ اور فاقوں پر فاقے ہوا کرتے تھے۔

صبر و قناعت

حضرت علی سخت سے سخت تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ مگر بیت المال پر اپنا بار ہرگز نہیں ڈالتے تھے ایک مرتبہ بہت سخت سردی پڑ رہی تھی اور آپ ایک معمولی سی پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا "امیر المومنین بیت المال پر آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے۔ پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں" فرمایا "میں عام مسلمانوں کے حقوق کو نقصان نہیں پہنچا سکتا"

حسن ظرافت اور حاضر جوابی

ایک دن حضرت ابو بکر۔ حضرت عمر اور حضرت علی تینوں حضرات کہیں جا رہے تھے حضرت علی درمیان میں تھے۔ آپ کا قد دونوں حضرات سے کچھ چھوٹا تھا۔ پرچھائی زمین پر سامنے پڑ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے مزاحاً کہا یا علی آپ ہم دونوں کے درمیان ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے لفظ "لنا" کے بیچ میں نون معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی نے فوراً جواب دیا ہاں ٹھیک ہے لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ اگر میں درمیان سے نکل جاؤں تو آپ دونوں حضرات صرف "لا" رہ جاؤ گے

خلافت اسلامیہ کا خاتمہ اور حضرت امام حسن کا استعفیٰ

پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علی نے آخری وقت میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں امام حسن کی بیعت کے معاملہ میں تم کو نہ روکتا ہوں اور نہ حکم دیتا ہوں تم جو مناسب سمجھنا لوگوں نے اس کو حضرت امام حسن کی خلافت کے بارے میں اجازت سمجھ کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت علی کے بعد مملکتِ اسلامیہ میں آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔ آپ میں جملہ اوصاف وکمالات موجود تھے۔ آپ خلفائے راشدین میں آخری خلیفہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

حالات زندگی حضرت امام حسن ابن علی رسولِ مقبول صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا کے بطن سے ۱۵ شعبان ۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ نام کسی کا نہ تھا خود رسول اللہ صلعم نے یہ نام تجویز فرمایا تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے علاوہ کیونکہ رسولِ مقبول صلعم کی تمام اولادیں آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔ اس لئے آپ حضرت فاطمہ سے بیحد محبت کرتے تھے اور ان کی اولاد کو اپنی ہی اولاد سمجھتے تھے۔ چنانچہ رسول اکرم صلعم کو حضرت امام حسن علیہ السلام سے بے اندازہ محبت تھی۔ حضرت امام حسنؓ شکل وصورت میں رسولِ مقبول صلعم سے بہت مشابہ تھے۔ آپ نے بچپن میں رسول مقبول صلعم کی زیر نگرانی پرورش پائی تھی۔ حضور اکرم کو آپ کی تعلیم وتربیت کا اتنا زیادہ خیال تھا کہ اکثر وعظ کہتے ہوئے آپ گود میں بٹھا لیا کرتے تھے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلعم ممبر پر رونق افروز تھے اور آپ کے پہلو میں حضرت حسن بیٹھے ہوئے تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی حضرت حسن کی طرف اور فرماتے جاتے تھے کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس کے ذریعہ سے صلح کرائے گا۔"

ترمذی نے اسامہ بن زید سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلعم حضرت حسن اور حضرت حسین کو گود میں لئے ہوئے فرما رہے تھے کہ الٰہی یہ دونوں میرے بیٹے اور نواسے ہیں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ اے اللہ تو بھی ان سے محبت فرما اور جو مسلمان ان سے محبت کرے ان سے بھی تو محبت فرما۔

حضرت امام حسن نہایت حلیم صاحب وقار، صاحب حشمت اور نہایت سخی تھے۔ خونریزی سے آپ کو سخت نفرت تھی آپ نے پا پیادہ پچیس حج کئے ہیں حالانکہ سواری کے بہترین اونٹ آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔

عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ صرف حضرت حسن ہی ایک ایسے جادو بیان تھے کہ جب بات کرتے تھے تو یہ جی چاہتا تھا کہ آپ باتیں کئے جائیں آپ کی زبان سے میں نے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا۔"

فن سپہ گری میں بھی آپ کا درجہ نہایت بلند تھا حضرت عثمان غنی کی مدافعت میں آپ نے بڑی پامردی کا ثبوت دیا تھا۔ یہاں تک کہ آپ زخمی ہو گئے۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں آپ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور باپ کے دوش بدوش بڑی بہادری سے لڑے تھے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں نے آپ کو مسند خلافت پر بٹھایا تو حضرت امام حسن بیعت کے وقت بیعت کرنے والوں سے یہ عہد لیتے جاتے تھے

"میرے کہنے پر عمل کرنا جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا اور جس سے میں صلح کروں تم بھی اس سے صلح کر لینا۔"

چنانچہ ان الفاظ کے ساتھ بیعت لینے پر آپ کے خلاف کوفیوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور یہ کہا جانے لگا کہ امام حسن کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے بلکہ وہ امیر معاویہ سے صلح کرنے کے خواہشمند ہیں۔

کوفہ پر معاویہ کی یورش

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ انہوں نے خلفائے اسلام کی طرح امیر المومنین کا خطاب اختیار کر لیا تھا اور لوگوں سے اپنی خلافت کے لئے دوبارہ بیعت حاصل کر لی تھی۔ اس کے علاوہ امیر معاویہ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ حضرت علی کے جانشین کو زیر کرنے کا یہی بہترین موقعہ ہے تجدید خلافت کے فوراً ہی بعد ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور حضرت امام حسن کے پاس ایک قاصد کے ذریعہ حسب ذیل پیغام بھیجا۔

"صلح ہر حال میں جنگ سے بہتر ہے، مناسب یہی ہے کہ آپ مجھے خلیفۂ وقت تسلیم کر کے میرے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔"

حضرت امام حسن اگرچہ شروع ہی سے جنگ کے حق میں نہیں تھے اور جنگ کے مقابلہ میں صلح کو ہر حال میں بہتر خیال کرتے تھے لیکن آپ اس بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی شخص موقعہ کی نزاکت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے چنانچہ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ امیر معاویہ نے ناجائز دباؤ ڈالنے کے لئے فوج کشی شروع کر دی ہے تو آپ کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ چالیس ہزار کا لشکر لیکر

فوراً کوفہ سے امیر معاویہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ حضرت امام حسنؓ منزلیں طے کرتے ہوئے جب مدائن کے ساباط کے مقام پر پہنچے تو آپ نے قیس بن سعد کو بارہ ہزار کی فوج کے ساتھ بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کر دیا اور ایک دن کے لئے خود وہیں قیام فرمایا تاکہ لشکر کو آرام مل جائے اور لشکر تازہ دم ہو کر آگے بڑھے اس مختصر سے قیام کے دوران میں آپ کے آدمیوں کی جانب سے کچھ ایسی حرکتیں سرزد ہوئیں جن سے کہ یہ پتہ چلتا تھا کہ آپ کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد جنگ سے پہلو تہی کر رہی ہے آپ۔ اپنے ساتھیوں کی اس کمزوری سے بے حد آزردہ خاطر ہوئے۔ اور آپ نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"لوگو میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تم سب کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے کہ میں اپنی ذات کو دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے اندر اتحاد اور یکجہتی کی کمی محسوس کر رہا ہوں جس اتحاد اور یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو یقین جانو وہ اس تفرقہ سے ہزار درجہ افضل و بہتر ہے جو تمہیں پسند ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ اور کمزوری دکھلا رہے ہیں۔ اس لئے میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتا"

حضرت امام حسنؓ کی اس تقریر سے خارجیوں کو بہت بڑا رنج ہوا۔ کیونکہ وہ تو یہ طے کر چکے تھے کہ جو وقت جنگ چھڑے گی عین اسی وقت ہم اپنی غداری کا ثبوت دیں گے۔ یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب کچھ امیر معاویہ کے اشارے پر ہو رہا تھا یا خارجی اور منافق اپنی فطری خباثت کی بنا پر ایسا کر رہے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ خاندان علی سے حکمرانی اور وجاہت کو ختم کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرنا چاہتے تھے۔ کہ جس سے قبل از وقت حضرت امام حسنؓ آگاہ ہو گئے۔ اور اسی لئے انہوں نے اس تقریر کے ذریعہ فتنہ پروازوں کو کھلی آزادی دے دی تھی کہ اگر وہ اس جنگ میں شامل نہیں ہونا چاہتے تو خوشی سے واپس چلے جائیں کیونکہ حضرت امام حسنؓ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف جنگ کے لئے ہرگز مجبور نہیں کرنا چاہتے تھے۔

امام حسنؓ پر کفر کا فتویٰ

امام حسنؓ کی تقریر سے خارجیوں کی سازش کا راز فاش ہو چکا تھا اور وہ مشتعل ہو کر آپے سے باہر ہو چکے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بالکل اسی طرح امام حسنؓ پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ جس طرح کہ اس سے قبل یہ مردود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کافر قرار دے چکے تھے۔ (نعوذ باللہ) لہٰذا کفر کے اس فتوے نے سارے لشکر میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ خارجیوں اور حضرت امام حسنؓ کے حامیوں میں مار دھاڑ شروع ہو گئی۔ صرف یہی نہیں ہوا بلکہ یہ فتنہ پرداز خارجی حضرت امام حسنؓ کے خیمہ میں گھس آئے۔ ان کی نیت تو یہ تھی کہ آپ کو شہید کر دیں۔ مگر ہمت نہیں پڑی۔ اور آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لباس پھاڑ ڈالا۔ اور انتہائی گستاخی سے پیش آئے۔ خیمہ کو اکھاڑ دیا اور ہر چیز کو لوٹ لیا

یہ حالت دیکھ کر حضرت امام حسن اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ حضرت امام حسن کے حامیوں نے دوڑ کر فوراً انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور کفر باز خارجیوں کو مار مار کر ہٹا دیا۔ آپ فوراً ساباط سے مدائن کے لئے روانہ ہو گئے۔

حضرت امام حسن جب ساباط سے مدائن جا رہے تھے تو ایک خارجی نے جو رستہ میں چھپا بیٹھا تھا لپک کر آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس سے کہ آپ کی ایک ران زخمی ہو گئی۔ خارجی کو فوراً قتل کر دیا اور حضرت امام حسن کو اٹھا کر مدائن سے قصر ابیض میں لے آئے۔ زخم کے بھرنے تک آپ وہیں رہے۔

ساباط میں لشکر کی ہنگامہ آرائی سے اگرچہ امام حسن دل برداشتہ ہو گئے تھے لیکن آپ نے پھر بھی امیر معاویہ سے مقابلہ کے لئے نئے سرے سے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ امیر معاویہ کے لشکر سے آپ کے لشکر کی کئی جھڑپیں بھی ہوئیں لیکن ان جھڑپوں کے دوران میں آپ کو اندازہ ہو گیا کہ آپ کی فوجوں میں امیر معاویہ کی در پردہ کوششیں اور سازشیں برابر کام کر رہی ہیں۔ کیونکہ جب بھی امیر معاویہ کی فوج سے مقابلہ کا موقعہ آیا تو حضرت امام حسنؓ کی فوج نے ہمیشہ بزدلی اور غداری کا ثبوت دیا یہ حالت دیکھ کر امام حسنؓ جنگ کا خیال ترک کر کے اور میدان جنگ سے ہٹ کر مدائن واپس آ گئے۔

خلافت اسلامیہ سے استعفیٰ

حضرت امام حسن مع اپنے لشکر کے مدائن ہی میں تھے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عامر کی سرکردگی میں امیر معاویہ کی ایک فوج مدائن کے قریب پہنچ چکی ہے۔ یہ اطلاع پاتے ہی امام حسن بھی ناچار تمام لشکر کو لے کر مدائن سے باہر مقابلہ کے لئے آ گئے۔ عبداللہ بن عامر نے حضرت امام حسن کے لشکر کو جب اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو وہ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر دوڑتے ہوئے حضرت امام حسنؓ کے لشکر کے قریب آئے۔ اور انہوں نے حضرت امام حسنؓ کے لشکریوں سے کہا کہ میں لڑنے کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ میرا مقصد صلح کرانا ہے۔ حضرت امام حسن کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور عرض کرو کہ عبداللہ آپ کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہے کہ لڑائی کا سلسلہ بند کیجئے تاکہ مسلمان ہلاکت سے محفوظ رہ سکیں۔"

حضرت امام حسنؓ جو اپنے ساتھیوں کی غداری سے پہلے ہی دل برداشتہ ہو رہے تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو وہ صلح کے ارادہ سے مدائن واپس چلے آئے۔ اور عبداللہ بن عامر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے امیر معاویہ کے ساتھ صلح کرنے اور خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ ہوں بشرطیکہ امیر معاویہ میری چند شرطیں منظور کر لیں۔ ان شرطوں میں سے سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ امیر معاویہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر عامل رہنے کا وعدہ کریں۔ پرانی مخالفتوں کو فراموش کر کے کسی

کی جان و مال سے تعرض نہ کریں اور ہمارے تمام طرفداروں کو جان کی امان دینے کا وعدہ کریں۔"

عبداللہ بن عامر حضرت امام حسن کا یہ پیغام لے کر فوراً امیر معاویہ کے پاس دوڑے ہوئے گئے امیر معاویہ ان دنوں اپنے لشکر کے ہمراہ انبار میں خیمہ زن تھے عبداللہ بن عامر نے انبار پہنچ کر امیر معاویہ کو جب صلح کی خوشخبری سنائی تو وہ بے حد خوش ہوئے۔ صلح کی شرائط سننے کے بعد امیر معاویہ نے کہا کہ مجھ کو یہ تمام شرطیں منظور ہیں۔ اور ان کے علاوہ بھی جو شرائط حضرت امام حسنؓ پیش کریں میں انہیں بھی منظور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کیونکہ ان کی نیک نیت معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ دل سے مسلمانوں میں صلح و آشتی کے خواہاں نظر آتے ہیں" یہ کہہ کر امیر معاویہ نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر لگا کر اور دستخط کر کے عبداللہ بن عامر کو دے دیا اور کہا کہ "یہ کاغذ حضرت امام حسن کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہو کہ جو جو شرطیں آپ چاہیں اس کاغذ پر تحریر فرما دیں میں سب کو پورا کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہوں۔"

حضرت امام حسین اور عبداللہ بن جعفر اس صلح کے شدید مخالف تھے ان کو جب معلوم ہوا کہ امام حسنؓ اور امیر معاویہ میں صلح ہو رہی ہے۔ تو یہ حضرات حضرت امام حسنؓ کے پاس آئے اور اس بات پر انتہائی زور دیا کہ حضرت امام حسنؓ صلح نہ کریں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ امیر معاویہ کسی وقت بھی اپنے وعدے پر قائم رہنے والے نہیں ہیں۔ نیز پچھلے تجربات نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ انتہائی چالاک اور موقعہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے عادی ہیں۔ لیکن حضرت امام حسنؓ جو اپنے ساتھی کوفیوں کی کمزوریوں اور غداریوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ امیر معاویہ سے صلح کر کے مسلمانوں کی خانہ جنگی کو فوراً ختم کر دیں تاکہ خارجیوں اور سبائیوں کی شرارتوں کی بدولت مسلمانوں کا مزید خون نہ بہنے پائے غرضکہ صلحنامہ مرتب ہو گیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"امیر معاویہ کو خلافت سپرد کی جاتی ہے۔ معاویہ کے بعد مسلمان جسے چاہیں گے خلیفہ بنائیں گے معاویہ کے ہاتھ اور زبان سے سب اہل اسلام محفوظ و مامون رہیں گے۔ اور معاویہ سب کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔ حضرت علیؓ کے متعلقین اور طرفداروں سے امیر معاویہؓ کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ صوبہ اہواز کا خراج حسنؓ ابن علیؓ کو برابر پہنچاتے رہیں گے کوفہ کے خزانہ میں اس وقت جتنا روپیہ ہے وہ سب امام حسنؓ ابن علیؓ کی ملکیت سمجھا جائیگا"

اس عہدنامہ پر حضرت امام حسنؓ کے دستخطوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مقتدر حضرات کے دستخط بطور گواہ اور ضامن کے ہوئے جب یہ صلحنامہ مرتب ہو کر امیر معاویہ کے پاس پہنچا تو وہ بے حد محظوظ ہوئے اور فوراً کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے یہاں آ کر انہوں نے حضرت امام حسنؓ اور کوفہ کے باشندوں سے بیعت لی۔

لیکن حضرت امام حسین نے بیعت سے انکار کر دیا امیر معاویہ نے بھی اصرار نہیں کیا۔ جب کوفے والے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تو حضرت امام حسن نے عمرو بن عاص کے کہنے پر مجمع عام میں جو تقریر فرمائی تھی اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"مسلمانو! میں فتنہ کو بہت مکروہ سمجھتا ہوں محض اس لئے کہ میرے جد امجد کی امت سے فتنہ اور فساد دور ہو جائے۔ اور مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رہے۔ میں نے امیر معاویہ کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ اگر امارت و خلافت ان کا حق تھا تو ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے انہیں بخش دیا۔"

حضرت امام حسنؓ تقریر کے بعد جب ممبر سے اترے تو امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ "ابو محمد آپ نے آج اس قسم کی جوانمردی اور بہادری دکھائی ہے کہ ایسی جوانمردی اور بہادری آج تک کوئی بھی نہیں دکھا سکا تھا" یہ صلح ۴۱ھ میں حضرت علی کی شہادت کے چھ ماہ بعد عمل میں آئی تھی۔ اور اس صلح کے ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ "میرا بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔" اس صلح کے بعد امیر معاویہ جوں ہی کوفہ سے نکلے تو خارجیوں نے حسب عادت پھر حضرت امام حسنؓ کے خلاف فتنہ برپا کرنا چاہا لیکن امام حسنؓ نے اپنے تدبر سے ان کی فتنہ انگیزی کو زیادہ ابھرنے نہیں دیا اس کے علاوہ امیر معاویہ کا خوف بھی خارجیوں کو تھا اس لئے بھی وہ سر نہیں اٹھا سکے۔ چنانچہ آگے آپ پڑھیں گے کہ امیر معاویہ نے خارجیوں کی اچھی طرح سرکوبی کی۔

حضرت امام حسنؓ کی اس مصالحت کے نتائج ملک و ملت کے لئے نہایت ہی مفید ثابت ہوئے دس سال سے مسلمانوں میں جو خانہ جنگی برپا تھی وہ ختم ہوگئی۔ تمام مملکت اسلامیہ میں امن و امان قائم ہوگیا اور امن و امان کے زمانہ کی خوشحالی دکھائی دینے لگی۔ مسلمانوں کی وہ طاقت جو خانہ جنگی میں برباد ہو رہی تھی مخالفین کے مقابلہ پر صرف ہونے لگی۔ اندرونی اصلاحات اور ترقیوں کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس صلح کے بعد حضرت امام حسنؓ کو بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ اس صلح کے بعد جو لوگ ان کے دوست بنے ہوئے تھے وہ بھی دشمن ہو گئے۔ آپ کو مذل المومنین یعنی مسلمانوں کو رسوا کرنے والا خطاب دیا گیا۔ (نعوذ باللہ) سر راہ آوازے کسے جانے لگے۔ لیکن آپ انتہائی صبر و ضبط کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کرتے رہے۔

حضرت امام حسنؓ کی شہادت

خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد صرف چند روز حضرت امام حسن کوفہ میں رہے۔ خارجیوں اور کوفیوں کی فتنہ پردازیوں

اور گستاخیوں نے آپ کو کوفہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ کوفہ سے ترکِ وطن کر کے معہ متعلقین مدینہ چلے گئے۔ اور باقی تمام زندگی نانا کے قدموں میں رہ کر گذار دی۔ آپ جب تک زندہ رہے امیر معاویہ برابر خزانہ شاہی سے آپ کو معقول وظیفہ دیتے رہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ امیر معاویہ نے اگرچہ صلح کر لی تھی اور معاہدہ پر عمل کرنے کا یقین دلایا تھا لیکن وہ پورے طور پر عمل نہیں کر سکے۔ ممکن ہے کہ امیر معاویہ امام حسن کی موجودگی کو اپنی حکومت کے استحکام کے لئے مضر نہ سمجھتے ہوں مگر یزید بن معاویہ کو اپنے باپ کے بعد حکومت کے باقی رہنے کا یقین نہ تھا چنانچہ عام طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔ کہ امام حسن کو آپ کی بیوی جعدہ بنت الاشعث نے یزید ابن معاویہ کی سازش سے زہر دے دیا تھا۔ زہر نہایت ہی خطرناک تھا اس لئے زہر کھاتے کے ساتھ ہی آپ کی حالت بگڑنے لگی۔ حضرت امام حسینؓ نے جب آپ سے زہر دینے والے کا نام پوچھا تو فرمایا کہ "نام پوچھ کر کیا کرو گے اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے۔ اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ مارا جائے۔

وفات سے قبل آپ نے حضرت امام حسین کو نصیحت کی کہ "محمد رسول اللہ صلعم کے بعد جب خلافت حضرت علی تک پہنچی تو تلواریں میان سے نکل آئیں اور یہ معاملہ طے نہ ہو سکا یہاں تک کہ مجھے خلافت سے دست بردار ہونا پڑا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلافت اور نبوت دونوں چیزیں ہمارے خاندان میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ کوفہ کے فریب کار تم کو خلافت کے لئے ابھاریں گے۔ اور فریب دیں گے ان سے ہوشیار رہنا۔" اس کے بعد حضرت امام حسنؓ کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آپ زہر کے اثر سے ۵۰ھ میں شہید ہو گئے۔ آپ کی وفات پر ساری مملکت اسلامیہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ مدینہ کے بازار بند ہو گئے۔ اور شہر میں سناٹا چھا گیا۔ جنازہ کے ساتھ اس قدر ہجوم تھا کہ اس سے قبل مدینہ میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ آپ کی تمنا تھی کہ آپ کو اپنے نانا کے قدموں میں دفن کیا جائے حضرت عائشہؓ نے اس کی بخوشی اجازت دے دی تھی۔ لیکن مروان بن الحکم حاکم مدینہ نے شہادت کے بعد بھی عداوت کے سلسلہ کو جاری رکھا اور سختی سے آپ کے دفن ہونے کو روک دیا آخر آپ اپنی والدہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہرا کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ نے بکثرت شادیاں کیں۔ عام روایتوں کے مطابق تو آپ کی شادیوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ گئی ہے یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے نوے نکاح کئے تھے مگر تاریخی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سراسر مبالغہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ نے بہت سی عورتوں سے شادیاں کی تھیں جن سے آپ کے آٹھ لڑکے تھے۔

اسلام دوستی کا بے مثال نمونہ | حضرت امام حسنؓ کی خلافت کی مدت اگرچہ صرف چھ ماہ ہے لیکن ان

چند مہینوں میں آپ نے انتہائی ایثار اور قربانی سے کام لے کر اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جس کے لئے مسلمان تا قیامت حضرت امام حسنؓ کے شکر گذار رہیں گے۔ حضرت امام حسنؓ نے مملکتِ اسلامیہ کے اس قصر کو جو مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے متزلزل ہو چکا تھا اور منہدم ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اپنی خلافت کی قربانی دے کر نئے سر سے مستحکم کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دوستی اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت اور ان کو جنگ کی ہولناکیوں سے بچانے کے لئے امام حسنؓ نے جو قربانی دی ہے وہ قیامت تک قومی پیشواؤں اور راہ نماؤں کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

حضرت امام حسنؓ بہادر تھے۔ لائق سپہ سالار تھے۔ خزانہ میں روپیہ تھا کوئی فوج اگر غدار تھی تو ہوا کرے رسول اللہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے لاکھوں عرب آپ کے اشارہ پر جانیں قربان کرنے کے لئے آمادہ تھے یہاں تک کہ شامی بھی آپ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ایسی حالت میں آپ جو چاہتے کر سکتے تھے لیکن اس استطاعت اور طاقت کے باوجود آپ نے محض اس لئے تاج و تخت کو ٹھکرا دیا تاکہ ان کے نانا کی امت میں انتشار نہ ہونے پائے انہوں نے اسلام اور صرف اسلام کی خاطر ان تمام خاندانی مخالفتوں کو بھلا دیا جو صدیوں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ میں چلی آ رہی تھیں۔ کیا دنیا اس سے بڑھ کر ایثار اور قربانی کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔

تمام مورخین اس بات کو تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ اگر حضرت امام حسنؓ نے بھی اسی طرح خانہ جنگی کو جاری رکھا ہوتا جس طرح کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے واقعہ کے بعد سے جاری تھی تو دنیا میں اس مملکت اسلامیہ کا نشان تک نہ تھا جس کی بنیاد رسول اللہ صلعم نے خود اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ یہ حضرت امام حسنؓ ہی کی ذات تھی کہ انہوں نے اپنا جائز حق اور اپنی حکومت کی قربانی دے کر عرب اور عجم کے مسلمانوں کی ان تلواروں کو پھر میان میں ڈلوا دیا جو سالہا سال سے مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوتی چلی آ رہی تھیں اگر حضرت امام حسنؓ نے یہ ایثار نہ کیا ہوتا تو وہ وقت قریب آ گیا تھا جبکہ عرب اور عجم کے مسلمان آپس میں لڑ کر اس طرح فنا ہو جاتے کہ آج دنیا میں شاید ایک بھی اسلام کا نام لیوا نہ دکھائی دیتا۔

مسلمانانِ عالم آپ کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کہ آپ نے خود تو تاج شاہی کو ٹھوکر مار کر فقیری لے لی لیکن مسلمانانِ عالم کے سروں پر بادشاہی کا تاج رکھ دیا۔ جس کی وجہ سے مسلمان رفتہ رفتہ ساری دنیا کے بادشاہ بن گئے۔ یہ آپ ہی کے ایثار کا نتیجہ تھا کہ قسطنطنیہ پر اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ اسپین اور پرتگال میں اللہ اکبر کی صدائیں گونجیں۔ چین میں نعرۂ حق بلند ہوا۔ ہندوستان میں اسلام پھولا پھلا۔ ترکستان میں توحید کے نغمے گونجے۔ یہاں تک کہ دنیا کا کوئی حصہ ایسا باقی نہ رہا جہاں مسلمان فاتح کی حیثیت سے

نہ پہنچ گئے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جتنی بھی اسلامی حکومتیں دکھائی دے رہی ہیں وہ سب کی سب حضرت امام حسنؓ کے ایثار اور قربانی کی یاد کو تازہ کر رہی ہیں۔ کیا مسلمان اپنے اس محسن اعظم کی پاکیزہ زندگی اور اعلےٰ کردار کو بھلا سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔

حصہ ہفتم

حالات حکومت

امیر معاویہ ابن سفیان رضی اللہ عنہ

(دور بنی اُمیہ)

سنہ ۴۱ھ ۶۶۱ء تا سنہ ۱۳۲ھ ۷۵۰ء

اسلام میں شہنشاہیت کے بانی امیر معاویہ رضؓ

اسلام میں امیر معاویہ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے خلافت سے ہٹ کر ذاتی حکومت (شہنشاہیت) کا سلسلہ قائم کیا۔ مملکت اسلامیہ میں امیر معاویہ کا مکمل اقتدار اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ سنہ ۴۱ھ میں امام حسن نے خلافت سے دستبرداری اختیار کی۔ حضرت امام حسن کے خلافت چھوڑنے کے حالات آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں۔ امیر معاویہ کے پردادا امیہ بن عبد شمس رسول اللہ صلعم کے دادا عبدالمطلب کے چچازاد بھائی تھے۔ ان ہی امیہ بن عبد شمس کے نام سے خاندان بنی امیہ مشہور ہوا۔ امیر معاویہ بن سفیان کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر جا کر رسول اللہ صلعم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔

بنی ہاشم یعنی رسول اللہ صلعم کا خاندان اور بنی امیہ یعنی امیر معاویہ کا خاندان دونوں ہی قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ ان خاندانوں کو زمانۂ دراز سے ملک عرب میں بہت بڑی عظمت اور بزرگی حاصل تھی۔ بنی ہاشم کو تو اس لئے معزز اور محترم خیال کیا جاتا تھا کیونکہ یہ خاندان خانۂ کعبہ کا متولی تھا اور اسے تمام ملک عرب میں دینی امام تسلیم کیا جاتا تھا اور بنی امیہ کو دولت مندی اور سپہ گری کی بنا پر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ امیر معاویہ کے دادا حرب بن امیہ اپنے زمانے کے مشہور سپہ سالار ہوئے ہیں۔ اسی طرح امیر معاویہ کے باپ ابو سفیان بھی بہت بڑے سپہ سالار تھے۔ ظہور اسلام کے بعد کفار مکہ کی رسول اللہ صلعم سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں تقریباً ان تمام لڑائیوں میں کفار مکہ کی فوجوں کے سپہ سالار امیر معاویہ کے باپ ابو سفیان ہی تھے ابو سفیان اسلام قبول کرنے سے قبل مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔

فتح مکہ کے موقعہ پر جب کہ رسول اللہ صلعم کا لشکر مکہ کے مضافات میں خیمہ زن تھا۔ تو ابو سفیان جو لشکر اسلام کے راز معلوم کرنے کے لئے جاسوسی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ گرفتاری کے بعد جب ان کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق نے تو ان کی گردن اڑانے کے لئے میان سے تلوار بھی نکال لی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلعم کے چچا حضرت عباس امان دینے کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس لئے ان کی سفارش پر ان کی جان بخشی ہو گئی۔ اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "میں ان سے کوئی انتقام نہیں لینا چاہتا۔ انہیں چھوڑ دو۔" رسول اللہ صلعم کے

اس فیاضانہ سلوک سے متاثر ہو کر ابو سفیان نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ جب مکہ فتح ہو گیا۔ تو اس کے بعد بنی امیہ کا پورا کا پورا خاندان مسلمان ہو گیا۔ فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلعم نے ابو سفیان کی عزت بڑھانے کے لئے ان کے گھر کو بیت الامن قرار دے دیا تھا اور فرما دیا تھا کہ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم نے امیر معاویہ بن سفیان کو کاتب وحی ہونے کی بھی عزت بخشی تھی۔ نیز اس خاندان کے ایک فرد عتاب بن اسید کو حضور نے مکہ کا عامل بھی مقرر کر دیا تھا غرضکہ یہ پورا کا پورا خاندان اگرچہ فتح مکہ سے قبل رسول اللہ صلعم کے خاندان اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ لیکن جب اس خاندان نے اسلام قبول کر لیا۔ تو رسول اللہ صلعم نے تمام پرانی مخالفتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس خاندان کو خوب نوازا۔ تاکہ عام مسلمانوں کے دل بھی صاف ہو سکیں۔

ابتداءِ عروج معاویہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی اس خاندان کی عزت افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ چنانچہ شام پر فوج کشی کے موقعہ پر امیر معاویہ کے بڑے بھائی یزید بن سفیان کو حضرت ابوبکر رض نے اسلامی لشکر کے ایک حصہ کا سردار بنا دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رض کے عہد حکومت میں جب دمشق فتح ہو گیا تو حضرت عمر رض نے امیر معاویہ کے بڑے بھائی یزید بن سفیان کو دمشق کے عامل کا عہدہ عطا کر دیا تھا۔ اور جب یزید طاعون میں فوت ہو گئے تو ان کی جگہ امیر معاویہ دمشق کے عامل مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ سے امیر معاویہ کے عروج کی ابتدا ہوئی۔

حضرت عثمان غنی رض جو خاندان بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے امیر معاویہ کو پورے شام کا گورنر بنا دیا۔ امیر معاویہ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر بے اندازہ دولت اور بے شمار فوج جمع کر لی۔ اپنی طاقت کو خوب بڑھایا۔ سمندری بیڑا سب سے پہلے امیر معاویہ ہی نے تیار کیا تھا۔ چنانچہ اسی سمندری بیڑے کے ذریعے انہوں نے حضرت عثمان غنی رض کے عہد حکومت میں جزیرہ قبرس اور جزیرہ روڈس فتح کیا تھا۔

خلافت کی خواہش حضرت عثمان غنی رض کی شہادت کے بعد چونکہ امیر معاویہ خود خلیفہ بننے کے خواہشمند تھے۔ اس لئے انہوں نے خون عثمان کے قصاص کے نام پر حضرت علی رض کے خلاف بہت بڑا طوفان برپا کر دیا۔ یہاں تک کہ صفین کی تاریخی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں شکست سے بچنے کے لئے امیر معاویہ نے پہلے تو نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے صلح کر لی۔ اس کے بعد ثالث مقرر کر کے عمرو بن عاص کے ذریعہ اپنی خلافت کا اعلان کرا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شامیوں نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور مصر کی فتح کے بعد امیر معاویہ مصر میں بھی خلیفہ تسلیم کئے جانے لگے۔ پھر جب حضرت علی شہید

کو دیئے گئے اور حضرت امام حسن خلیفہ ہوئے تو وہ مسلمانوں کو خانہ جنگیوں سے بچانے کے لئے حق خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اور امیر معاویہ کو انہوں نے خلافت منتقل کر دی۔ جس کے بعد امیر معاویہ پوری مملکت اسلامیہ کے حکمران بن گئے۔

امیر معاویہ اور ان کے جانشین اگرچہ خلیفہ کہلائے لیکن جہاں تک کہ خلافت کا تعلق ہے وہ خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ پر ختم ہو گئی اور خلافت کی جگہ شخصی حکومت نے لے لی۔ امیر معاویہ مسلمانوں میں پہلے حکمران ہیں جنہوں نے خلافت اور جمہوریت کی بجائے شہنشاہیت کا سلسلہ جاری کیا۔ اور اس جمہوری نظامِ حکومت کو بدل کر رکھ دیا۔ جو رسول اللہ صلعم اور خلفائے راشدین کے عہد حکومت میں قائم تھا امیر معاویہ کی جاری کردہ شہنشاہیت کی بدعت بعد میں اسلامی حکومتوں میں عام ہو گئی۔ اور پھر آج تک خلافت اپنی اس صورت میں کہیں بھی قائم نہ ہو سکی۔ رسول اللہ صلعم کے دورِ حکومت سے لے کر حضرت علی کے ابتدائی دورِ حکومت تک مدینہ مملکت اسلامیہ کا دارالسلطنت تھا اس کے بعد حضرت علیؓ نے فوجی اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر کوفہ کو دارالسلطنت قرار دیا۔ لیکن جب امیر معاویہ پوری مملکت اسلامیہ کے حکمران بن گئے تو دمشق مملکت اسلامیہ کا دارالسلطنت بن گیا۔

محبانِ علی کو زیر کرنے کی کوشش

ساری مملکت اسلامیہ اگرچہ امیر معاویہ کے زیر نگین آچکی تھی لیکن پھر بھی امیر معاویہ عراق اور ایران کی جانب سے مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ یہاں حضرت علی کے ماننے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ امیر معاویہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگرچہ ترکیب و سیاست اور طاقت کے ذریعہ پوری مملکت پر قبضہ جما لیا ہے۔ لیکن محبانِ علیؓ کے دل ابھی تک نہیں بدلے۔ جب تک دلوں کی تسخیر نہیں کی جائے گی حکومت کا صحیح لطف حاصل نہ ہو سکے گا۔

محبانِ علیؓ کے علاوہ ان علاقوں میں خارجیوں اور موقع پسندوں کا بھی بہت زور تھا۔ یہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ دونوں ہی کے مخالف تھے انہوں نے نہ تو حضرت علیؓ کو چین سے بیٹھنے دیا اور نہ یہ امیر معاویہ کی حکومت ہی کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت امام حسنؓ کے خلافت سے دست بردار ہوتے ہی بعض علاقوں میں شورشیں برپا کرنی شروع کر دیں۔ امیر معاویہ نے ان علاقوں پر پوری طرح تسلط قائم کرنے کے لئے ایران اور عراق کے تمام پرانے عمال کو بدل ڈالا۔ اور ایسے عمال کو مقرر کیا جو ایک طرف محبانِ علی کو زیر کر سکیں اور دوسری جانب خارجیوں کے فتنہ کو حسن و خوبی کے ساتھ دبا سکیں۔

امیر معاویہ نے ایران اور عراق میں اپنے حق میں پروپیگنڈا کرنے کے لئے بھی ایک باقاعدہ مہم جاری کر دی

تھی۔ چنانچہ امیر معاویہ کے مقرر کردہ عمال بر سر منبر امیر معاویہ کے تو اوصاف بیان کرتے تھے اور حضرت علیؓ کی مذمت کیا کرتے تھے۔ جس سے کہ ان علاقوں میں نئے نئے فتنے کھڑے ہو گئے تھے۔

مغیرہ اور زیاد کی گورنری

محبان علیؓ اور خارجیوں کے زور کو توڑنے کے لئے امیر معاویہ نے سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ سے کام لیا۔ یہ اپنے زمانہ کے ایک لائق مدبر اور سپہ سالار تھے۔ امیر معاویہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ اور ان کے ماتحت افسروں نے اکثر شورشوں کو دبا دیا لیکن مغیرہ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اور شورشیں دبنے کے بعد بار بار پھر اٹھ کھڑی ہوتی تھیں۔ امیر معاویہ نے یہ رنگ دیکھا تو مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ زیاد بن ابیہ کو بھی ان شورشوں کے دبانے کے لئے شامل کر دیا جو بعد کو کوفہ اور بصرہ کا گورنر بن گیا۔

زیاد بن ابیہ کی شخصیت اسلامی تاریخ میں نہایت ہی دلچسپ ہے اسے امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان کی کی ناجائز اولاد کہا جاتا ہے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ جب رسول مقبول صلعم نے مکہ سے ہجرت کی تو ابوسفیان آنحضرت کے تعاقب میں روانہ ہوئے لیکن حضور کی تلاش اور جستجو میں ناکام ہونے کے بعد واپس ہوتے ہوئے طائف میں ٹھہر گئے۔ یہاں انہوں نے شراب پی کر صومعہ نامی ایک یونانی لونڈی سے مباشرت کی جس سے کہ وہ حاملہ ہو گئی جب اس لونڈی کے بطن سے زیاد پیدا ہوا تو ابوسفیان نے اسے بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اسی لئے اس کا نام زیاد بن ابیہ زیاد اپنے باپ کا بیٹا پڑ گیا۔

زیاد جوان ہونے کے بعد بڑا جری اور ہوشمند ثابت ہوا لیکن اسے ابوسفیان اور ان کے سارے خاندان سے قدرتی طور پر نفرت تھی کیونکہ ابوسفیان نے زیاد کی ولدیت سے انکار کر کے اسے ساری دنیا کی نظروں میں ذلیل و خوار کر دیا تھا چنانچہ امیر معاویہ سے محض بغض رکھنے کی بنا پر حضرت علیؓ کے ہوا خواہوں میں شامل ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ نے اسے فارس کا گورنر مقرر کر دیا تھا حضرت امام حسن کے خلع خلافت کے بعد بھی یہ بدستور اس عہدہ پر قائم رہا۔

اول تو امیر معاویہ کی اطاعت قبول نہیں کی دوسرے معاویہ کے خلاف برابر بغاوت کرتا رہتا تھا۔ امیر معاویہ کو چونکہ زیاد بن ابیہ کی طرف سے بے حد اندیشہ تھا اس لئے انہوں نے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہو اپنے اس ناجائز بھائی کو ہموار کر لیا جائے چنانچہ مغیرہ بن شعبہ اس اہم کام کے لئے زیاد کے پاس بھیجے گئے۔ مغیرہ بن شعبہ کے چونکہ زیاد پر بہت سے احسانات تھے اس لئے مغیرہ کے زور دینے پر زیاد نے امیر معاویہ کی اطاعت قبول کر لی۔ جب مغیرہ اسے اپنے ساتھ لے کر دمشق آئے تو امیر معاویہ نے اس کے ساتھ بھائیوں جیسا برتاؤ کیا اور سیاسی اغراض کے پیش نظر زیاد کو اپنے باپ کا جائز بیٹا اور اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کرتے ہوئے تمام محکوم علاقہ

میں اعلان کر دیا۔ حالانکہ زیاد کی اصلیت وہی تھی جو اس سے قبل بیان کی گئی ہے۔

زیاد کو بصرہ کا گورنر بنا دیا

زیاد کے لئے یہ بہت بڑی بات تھی کہ امیر معاویہ نے اسے اپنا جائز بھائی تسلیم کر کے اس کی گذشتہ روسیاہی کو دھو دیا ہے۔ اس احسان کے بدلہ میں زیاد امیر معاویہ کا سچا جان نثار بن گیا۔ اور اس نے اور اس کی اولاد نے امیر معاویہ کی جان نثاری میں محبانِ علی اور اہلبیت پر ایسے ایسے مظالم کیئے ہیں جن کو پڑھ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے۔

امیر معاویہ نے زیاد کو اپنا جائز بھائی تسلیم کرنے کے فوراً بعد اسے بصرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ بصرہ میں قدم رکھتے ہی زیاد نے ان تمام بغاوتوں اور شورشوں کو دبا دیا جو اس علاقہ میں امیر معاویہ کے خلاف بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھیں۔ زیاد مملکتِ اسلامیہ کا پہلا شخص ہے جس نے کہ شہری آبادی پر مارشل لا جاری کیا۔ چنانچہ اس نے بصرہ میں مارشل لا جاری کر کے فوج کو حکم دے دیا تھا کہ سورج چھپنے کے بعد جو آدمی بھی بصرہ کے کوچہ بازار میں دکھائی دے اسے تہہ تیغ کر دیا جائے۔ اس حکم کے بعد ایک ایک دن میں سینکڑوں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ جب ۵۰ھ میں رحلت کر گئے تو امیر معاویہ نے بصرہ کے علاوہ کوفہ کی گورنری بھی زیاد ہی کے سپرد کر دی تھی۔ اس نے کوفہ میں بھی اسی طرح ظلم و ستم کیا۔ کوفہ کے مشہور صحابی حجر بن عدی اور اس کے تمام ساتھی جو حضرت علی اور اہل بیت کے چاہنے والے تھے زیاد کے حکم سے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ مختصر یہ ہے کہ زیاد نے اپنے ظلم و ستم اور جبر سے عراق و ایران کی تمام شورشوں کو دبا دیا۔ اور محبانِ علی کو ختم کرنے میں کوئی کوتاہی باقی نہیں رکھی۔

باغی علاقوں میں معاویہ کی کامیابی

گذشتہ چند سال سے مسلمانوں میں جو خانہ جنگی برپا تھی اس کی بنا پر خلافت اسلامیہ کی گرفت اپنے مفتوحہ ممالک میں کمزور پڑ گئی تھی۔ اس لئے جا بجا بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں۔ امیر معاویہ نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد لشکر کشی کر کے تمام باغی علاقوں کو زیر کر لیا۔

بلخ، ہرات اور بوشنج کے باشندوں نے ۴۱ھ میں بغاوت برپا کر دی تھی فوراً ان کے مقابلہ کے لئے لشکر روانہ کیا گیا جس نے کہ بلخ کے آتشکدہ کو مسمار کر کے باغیوں کو قابو میں کر لیا۔

کابل جو مملکتِ اسلامیہ میں شامل ہو چکا تھا وہاں بھی ۴۳ھ میں سخت بغاوت برپا ہو گئی چونکہ اس علاقہ کے باشندے بے حد سرکش تھے اس لئے ایک بہت بڑا لشکر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا گیا۔ جو کابل۔ بست اور طخارستان کو فتح کرتا ہوا غزنیں جا پہنچا۔ سخت مقابلہ کے بعد غزنیں بھی فتح ہو گیا۔ اس کے بعد جب ۴۴ھ

جیں۔ علاقہ غور میں بغاوت برپا ہوئی تو وہاں بھی فوج کشی کر کے امن و امان کر دیا گیا۔

قسطنطنیہ پر یزید کا ناکام حملہ

ملک کی اندرونی شورشوں اور بغاوتوں سے امیر معاویہ کو جب ذرا اطمینان ہُوا۔ تو وہ بیرونی فتوحات کی جانب متوجہ ہوئے چنانچہ انہوں نے سنہ ۴۹ھ میں ملک روم کے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر ایک بہت بڑے سمندری لشکر کے ذریعہ حملہ کر دیا۔ امیر معاویہ نے یہ لشکر اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں اس لئے روانہ کیا تھا۔ تاکہ اس سمندری مہم میں اگر یزید کو کامیابی ہو جائے تو مملکت اسلامیہ میں یزید کی بہادری اور قابلیت کا سکہ بیٹھ جائے گا۔ اور پھر باپ کی طرح بیٹے کو بھی ایک لائق حکمران اور سپہ سالار سمجھا جانے لگے گا۔ مگر یزید ایک عیش پسند اور نالائق نوجوان تھا اسے فن سپہ گری سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اس مہم میں نہ تو وہ خود کوئی کارنامہ انجام دے سکا اور نہ اس نے دوسرے لائق سپہ سالاروں ہی کو کچھ کرنے دیا۔ چنانچہ اس کی نااہلیت کی بنا پر ان تمام اسلامی سپہ سالاروں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جو اس سے قبل بڑے بڑے جنگی کارنامے انجام دے چکے تھے۔ اور جن کی بہادری کا سکہ دور دور ممالک میں بیٹھا ہُوا تھا۔

اس معرکہ میں اسلامی لشکر کو جو بڑی سے بڑی کامیابی ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ اسلامی لشکر نے درۂ دانیال میں داخل ہو کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ مگر رومی عیسائیوں نے پھر بھی مسلمانوں کو قسطنطنیہ کے قریب تک نہ آنے دیا۔ اس جنگ میں رومیوں نے پہلی مرتبہ آگ لگانے والے تیل کا استعمال کیا تھا۔ جو بارود کی طرح آگ پکڑ جاتا تھا اس آتش گیر تیل سے ہزاروں مسلمان جل کر ہلاک ہو گئے۔ مشہور صحابی ابو ایوب انصاری اسی جنگ میں شہید ہو کر قسطنطنیہ کے زیرِ دیوار دفن ہوئے۔ یہ وہی ابو ایوب انصاری تھے جن کے مکان میں رسول اللہ صلعم ہجرت کے بعد مدینہ میں اترے تھے۔ اور مہمان رہے تھے۔ ان کا مزار اب بھی قسطنطنیہ میں موجود ہے۔ اس حملے کے آٹھ سو برس بعد ترکانِ عثمان نے ان کی قبر پر شاندار مقبرہ اور اس سے متصل ایک نہایت ہی خوشنما مسجد تعمیر کرا دی تھی۔ ترک بادشاہوں کی رسمِ تاجپوشی اسی تاریخی مسجد میں ادا کی جاتی تھی۔

قسطنطنیہ کی یہ جنگ مسلسل چھ سال تک جاری رہی۔ اس چھ سال میں بے اندازہ روپیہ برباد ہُوا اور ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں لیکن اس کے باوجود شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور شکست کھانے کے بعد جب یزید اور اس کا لشکر ۵۵ھ میں ناکام ہو کر کشتیوں کے ذریعہ جب بھاگا تو رومی عیسائیوں نے ان کا تعاقب کیا اور جو مسلمان جہاں ہاتھ لگا اسے قتل کر دیا۔ چنانچہ اس طرح رہی سہی اسلامی فوج بھی برباد ہو گئی۔ رومیوں کے حوصلے چونکہ بے حد بڑھے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے شام کی جانب بھی پیش قدمی شروع کر دی۔ امیر معاویہ اس تمام کیفیت کو بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ اور محسوس کر رہے تھے۔ کہ ان کی طاقت

بہت حد تک کمزور ہو چکی ہے، جس کی وجہ سے رومی لشکر سے مقابلہ کرنا سخت دشوار ہے۔ لہٰذا انہوں نے قیصر روم قسطنطین سے تیس برس کے لئے اس شرط پر صلح کر لی تھی، کہ وہ ہر سال قیصر روم کو تین ہزار اشرفیاں پچاس غلام اور پچاس گھوڑے دیا کریں گے۔ خلافت اسلامیہ کے قائم ہونے سے لے کر اس وقت تک یہ پہلی فتح تھی جو رومی عیسائی یزید کی نالائقی کی بنا پر مسلمانوں پر حاصل کر سکے تھے۔ اور مسلمانوں کو خراج کی ادائیگی کی ذلت اٹھانی پڑی۔

افریقہ کے علاقہ کی واپسی

شمالی افریقہ پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ ۲۶ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور حکومت میں کیا تھا۔ اس حملہ میں مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد نے شمالی افریقہ کو فتح کر لیا تھا، لیکن فوج کی کمی کی وجہ سے جب انہوں نے دیکھا کہ اس ملک پر مستقل قبضہ دشوار ہے۔ تو محض جزیہ کی شرط پر افریقہ کے بڑے بڑے قبائل نے صلح کر لی تھی۔ اس کے بعد خلافت اسلامیہ میں کچھ ایسی خانہ جنگی برپا ہوئی کہ مسلمان افریقہ کی جانب توجہ ہی نہ کر سکے اور بے توجہی کا نتیجہ یہ تھا کہ شمالی افریقہ کے تمام علاقے ایک ایک کر کے خود مختار ہو گئے۔

امیر معاویہ جب برسر اقتدار آئے تو انہوں نے ۴۱ھ میں عقبہ بن نافع کو دس ہزار کا لشکر دے کر افریقہ کی دوبارہ تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ عقبہ بن نافع کے علاوہ چند دوسرے فوجی افسر بھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد افریقہ کے لئے روانہ ہوتے رہے۔

عقبہ بن نافع جب مصر ہوتے ہوئے افریقہ کی فتح کے لئے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ مصری فوج بھی شامل ہو گئی۔ عقبہ اور دوسرے اسلامی سپہ سالاروں نے افریقہ میں داخل ہونے کے بعد نہ صرف پرانے مفتوحہ علاقوں کو واپس لے لیا بلکہ انہوں نے نئے نئے علاقے بھی فتح کرنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ عقبہ نے طرابلس کے کنارے کنارے بڑھ کر پورے شہر سارین پر قبضہ کر لیا اور پھر سوڈان کا بھی ایک بڑا حصہ فتح کر لیا۔ اس کے بعد اسلامی فوجیں ٹیونس کی جانب بڑھیں اور اہم فتوحات حاصل کرنے کے بعد شہر قیروان کی بنیاد رکھی۔ پھر رفتہ رفتہ الجیریا اور مراکش کے پورے علاقے پر قبضہ کر کے ہر جگہ اسلامی حکمران متعین کر دیئے۔

عقبہ چاہتے تھے کہ شمالی افریقہ کے باقی حصے بھی فتح کر لیں کہ اچانک رومی عیسائیوں اور بربریوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عقبہ نے ہر چند کوشش کی کہ محاصرہ کو توڑ کر نکل جائیں اور شکست کھانا نہ پڑے مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور بربریوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔

ان کے مارے جانے کے بعد ایک تازہ دم لشکر افریقہ پہنچ گیا۔ جس میں عبداللہ ابن عمرؓ، ابن زیاد

اور عبدالملک بن مروان جیسے مقتدر حضرات شامل تھے۔ معاویہ بن خدیج پہلے ہی سے موجود تھے۔ اس تازہ دم لشکر نے جیلولا فتح کر لیا۔ اور باغیوں کی اچھی طرح سے سرکوبی کی۔ مختصر یہ کہ اس جنگ میں ۵۰ھ تک افریقہ کا بیشتر علاقہ مملکت اسلامیہ کا جزو بن گیا۔ افریقہ کی یہ جنگ بھی اسی زمانہ میں لڑی گئی تھی جس زمانہ میں مسلمان یزید کی سرکردگی میں قسطنطنیہ میں برسر پیکار تھے۔

سندھ اور ترکستان پر مسلمانوں کا حملہ

سندھ کا ہندو راجہ چونکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ایرانیوں کی پشت پناہی کرتا رہا تھا۔ اس لئے خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں مسلمانوں کو ایران کے ساتھ ہی سندھ پر بھی یورش کرنی پڑی تھی۔ اور سندھ کے بعض علاقوں کو مسلمانوں نے فتح بھی کر لیا تھا۔ امیر معاویہ کے عہد حکومت میں مسلمان دوبارہ ۴۴ھ میں سندھ کی جانب متوجہ ہوئے۔ چنانچہ مسلمانوں نے کابل اور درہ خیبر سے گذر کے سندھ کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ اور بہت سے علاقے فتح کرتے ہوئے قلات تک بڑھتے چلے گئے۔ اسی معرکہ کے دوران میں مسلمانوں نے مکران پر بھی یورش کی تھی۔ مکران کا علاقہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں زیر ہو چکا تھا۔ لیکن اب یہ باغی ہو گیا تھا اس لئے مسلمانوں کو امیر معاویہ کے دورِ حکومت میں دوبارہ اسے فتح کرنا پڑا۔

ترکستان کے زیریں علاقہ کے بعض شہروں پر مسلمان خلافت راشدہ ہی کے زمانہ میں قبضہ کر چکے تھے۔ لیکن امیر معاویہ کے عہد حکومت میں ۵۵ھ میں ترکستان میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے پہلے بخارا فتح کیا اس کے بعد سمرقند کی جانب متوجہ ہوئے۔ سخت معرکہ آرائی کے بعد سمرقند کے باشندوں نے عاجز آکر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور خراج دینے کے وعدہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

امیر معاویہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے عہد خلافت ہی میں جزیرہ قبرص فتح کر چکے تھے۔ اپنے دورِ حکومت میں وہ دوسرے جزیروں کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور انہوں نے جزیرہ روڈس کو جو اناطولیہ کے جنوب میں تھا فتح کر لیا۔ یہ جزیرہ میوؤں کی پیداوار کے لئے مشہور تھا۔ امیر معاویہ کے دورِ حکومت میں جزیرہ کریٹ پر بھی حملہ ہوا تھا مگر وہ فتح نہیں ہو سکا تھا۔

امیر معاویہ کی معاہدہ شکنی

حضرت امام حسنؓ نے امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوتے وقت جو صلح نامہ مرتب کیا تھا اس صلح نامہ کی ایک اہم ترین شرط یہ تھی۔ کہ امیر معاویہ کسی کو جانشین نامزد نہیں کریں گے۔ بلکہ معاویہ کے بعد مسلمان جسے چاہیں گے خلیفہ منتخب کر لیں گے۔ لیکن اب جبکہ امیر معاویہ مملکت اسلامیہ کے مختار مطلق بنے ہوئے تھے ان کو اس صلح نامہ کی شرائط کی کیا پرواہ تھی چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کے لئے کوششیں شروع

کردیں۔

یزید چونکہ عیاش۔ شرابی۔ زانی اور ناکارہ نوجوان تھا اس لیئے اس کی ولیعہدی کی مخالفت دوستوں اور دشمنوں سب ہی نے کی۔ لیکن امیر معاویہ چونکہ اس کی ولیعہدی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لیئے انہوں نے ڈرا دھمکا کر اور روپے دلا کر مصر۔ شام و عراق کے باشندوں سے تو کسی نہ کسی طرح یزید کی ولیعہدی کی بیعت حاصل کر ہی لی۔ لیکن حجاز جسے سب سے بڑی مذہبی حیثیت حاصل تھی۔ وہاں کے لوگ کسی طرح بھی یزید کی بیعت کے لیئے آمادہ نہ ہوئے۔ یہ بات امیر معاویہ کو بہت کھٹکی اور انہوں نے اس مہم کو سر کرنے کے لیئے انتہائی کوشش شروع کر دی۔

آخر اہل حجاز کو ہموار کرنے کے لیئے امیر معاویہ کو خود مکہ اور مدینہ کا سفر کرنا پڑا۔ یہاں پانچ ایسے مقتدر حضرات تھے جن کا سارے حجاز پر اثر تھا۔ ان پانچ بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ حضرت امام حسین۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ حضرت عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر۔ امیر معاویہ نے لالچ کے ذریعہ ڈرا دھمکا کر غرضکہ ہر طرح اس بات کی انتہائی کوشش کی کہ یہ پانچوں حضرات راضی ہو جائیں۔ لیکن سب ہی نے یزید کی ولیعہدی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر امیر معاویہ کو حسب عادت کوئی چال چلنی پڑی چنانچہ انہوں نے ان حضرات سے ملاقات کے بعد باہر نکلتے ہی یہ مشہور کرنا شروع کر دیا۔ کہ ان پانچوں حضرات نے یزید کی ولیعہدی پر بیعت کر لی ہے۔ اس کے بعد باشندگان مدینہ سے کہا۔ "آپ بھی بیعت کر لیجئے"۔ باشندگان مدینہ امیر معاویہ کے فریب میں آ گئے۔ اور انہوں نے بیعت کر لی۔ امیر معاویہ کے چلا جانے کے بعد جب لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا۔ تو ان میں عام غیض و غضب کا اظہار کیا جانے لگا۔ مگر امیر معاویہ کی ترکیبوں کے سامنے کسی کی نہ چل سکی اور معاملہ رفتہ رفتہ دب گیا۔ اور یزید کی ولیعہدی کا باقاعدہ اعلان ہو گیا۔

امیر معاویہ کا انتقال

امیر معاویہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ کثرتِ کار نے ان کی صحت کو بالکل ناکارہ کر دیا تھا۔ آخر ۶۰ھ میں وہ ایسے بیمار ہوئے کہ ان کے جانبر ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔

امیر معاویہ نہایت ہی ہوشمند حکمران تھے۔ انہوں نے مرنے سے قبل ہی یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اس کے لیئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ مرنے سے قبل انہوں نے یزید کو جو وصیت کی تھی اگر اس پر عمل کرتا تو شاید بدنامی سے بچ جاتا اور لوگ اس کے متعلق کچھ اچھا خیال قائم کر سکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یزید ایک سرے ہی سے حکمرانی کے قابل نہ تھا۔ اور اس کا انتخاب ہی غلط تھا۔ امیر معاویہ نے جو

طویل وصیت کی تھی اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

"ان چار آدمیوں سے ہوشیار رہنا۔ اول حسین ابن علی جو ریاست باز اور حق شناس ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ اہل عراق ان کو تمہارے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دیں۔ دوسرے عبداللہ بن عمر جو عابد و عالم ہیں ان سے کوئی زیادہ خطرہ نہیں مگر پھر بھی نگاہ رکھنا۔ تیسرے عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ یہ دماغی اعتبار سے کمزور ہیں دوسروں کی تقلید کریں گے۔ چوتھے عبداللہ بن زبیر جو لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح بہادر ہیں۔ ان سے ہمیشہ چوکنے رہنا۔ یہ لوگ جب تمہارے قابو آجائیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اگر دوست بن کر رہیں تو خیر ورنہ حسین کے علاوہ سب کو قتل کر دینا۔"

اس کے بعد آپ نے اپنی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں وصیت کی کہ "رسول اللہ صلعم نے مجھ کو ایک کرتہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کرتے میں مجھے کفنانا۔ آپ کے موئے مبارک اور ناخن میرے پاس محفوظ ہیں ان کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا۔ شاید ان کے طفیل میں مجھ گنہگار کی مغفرت ہو جائے۔" اس وصیت کے بعد امیر معاویہ کی حالت بگڑتی چلی گئی اور ۲۲ رجب ۶۰ھ میں انتقال کر گئے۔ اور دمشق میں مدفون ہوئے وفات کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی۔

امیر معاویہ بیس برس دمشق کے حاکم اور شام کے گورنر رہے۔ اور انیس برس انہوں نے خود مختار حکمراں کی حیثیت سے حکومت کی۔ وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے مدبر تھے۔ ان میں وہ ساری خوبیاں موجود تھیں۔ جو ایک حکمران میں ہونی چاہئیں۔ مذہب کے نام پر عوام کے جذبات کو بھڑکانے میں ان کو کمال حاصل تھا۔ وہ حکومت کی خاطر ہر عیاری اور مکاری کو اختیار کر لینا کوئی گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ بڑے سیر چشم اور فیاض آدمی تھے۔ انہوں نے حضرت علی کے حامیوں کے دبانے میں تلوار سے کہیں زیادہ سیم و زر سے کام لیا تحمل اور برداشت کا مادہ بھی ان میں بہت زیادہ تھا۔ غرض اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے وہ سب کچھ جائز سمجھتے تھے۔

دورِ معاویہ پر ایک نظر

امیر معاویہ کی حکومت اگرچہ خلفائے راشدین کی حکومتوں کی طرح جمہوری نہیں تھی بلکہ شخصی تھی۔ لیکن پھر بھی اسلامی حکومت کے آثار نظر آتے تھے۔ امیر معاویہ نے اپنے دور میں اس بات کی کافی کوشش کی کہ ملک زیادہ سے زیادہ ترقی کرے اور اور عوام کی بہبود کے لئے بہتر اور مفید کام کئے جائیں۔

میدانی فوج کو حضرت عمرؓ اور ان کے جانشینوں کے زمانہ ہی میں خلافتِ اسلامیہ میں نہایت باقاعدہ تھی لیکن امیر معاویہ نے اسے اور زیادہ باقاعدہ بنا دیا تھا۔ امیر معاویہ بحری بیڑے کے بہت شائق تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ ہی کے زمانہ میں مملکتِ اسلامیہ کے لئے ایک ایسا بحری بیڑا تیار کر دیا تھا جس میں پانچ سو سے زیادہ جہاز تھے۔ لیکن اپنے دورِ حکومت میں انہوں نے بحری بیڑے کو بہت زیادہ ترقی دے دی تھی۔ آپ نے جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے تھے۔ جہاز سازی کا سب سے پہلا کارخانہ تو حضرت عثمان غنی کے عہدِ حکومت ہی میں مصر میں قائم ہو چکا تھا۔ بعد کو امیر معاویہ نے مختلف ساحلی مقامات پر نئے نئے جہاز سازی کے کارخانے قائم کر کے اس صنعت کو یہاں تک ترقی دے دی تھی۔ کہ اکثر یورپین ممالک بھی مسلمانوں ہی سے جنگی جہاز خرید تے تھے۔

امیر معاویہ کے عہدِ حکومت میں بے شمار نئے نئے قلعے تعمیر کئے گئے۔ اور ان تمام پرانے قلعوں کو درست کیا گیا جو زمانہ دراز سے ویران پڑے ہوئے تھے۔ منجنیق یعنی پتھر برسانے والی مشین کا استعمال اسلامی فوج میں سب سے پہلے امیر معاویہ ہی کے دور میں شروع ہوا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے دورِ حکومت میں کابل کی فتح کے وقت بے شمار منجنیقوں سے پتھر برسائے گئے۔

امیر معاویہ نے اپنے دورِ حکومت میں پولیس کا انتظام ایسا چست کر دیا تھا کہ جرائم کا تقریباً خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور لوگ بے فکری کے ساتھ دروازے کھولکر سو جاتے تھے۔ پولیس کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک شہر کوفہ میں چالیس ہزار پولیس تھی۔ زیاد والئی بصرہ کا دعویٰ تھا کہ اگر کوفہ سے لے کر خراساں تک رسی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اگر پڑتا تھا تو پولیس کو اس کی اطلاع ہو جاتی تھی۔ سرِ راہ گری پڑی چیزیں کوئی نہیں اٹھاتا تھا۔ مشتبہ لوگوں اور بدمعاشوں کی نگرانی کے لئے باقاعدہ سی آئی ڈی کا محکمہ موجود تھا۔

اسلامی حکومت میں ڈاک کا انتظام سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے کیا۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں اس انتظام کو بہت معقول بنا دیا تھا۔ چنانچہ ان کے زمانہ میں تیز رفتار گھوڑوں کے ذریعہ ملک کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں ڈاک روانہ کی جاتی تھی۔ سرکاری ہرکارے ہر منزل پر گھوڑوں کو تبدیل کر لیتے تھے انتظام اتنا معقول تھا کہ سلطنت کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دو ڈھائی دن میں ڈاک پہنچ جاتی تھی۔

رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی امیر معاویہ کی حکومت نے نمایاں حصہ لیا۔ زراعت کو ترقی دینے کے لئے بے شمار نہریں کھدوائیں۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ کی نہروں کو درست کر دیا۔ اور کچھ نئی سڑکیں بنائیں۔ اور سڑکوں پر مسافروں کے لئے سرائیں اور کنوؤں کا انتظام کیا گیا۔ نئے نئے شہر آباد ہوئے۔ جن میں افریقہ کا شہر قیروان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ مملکتِ اسلامیہ میں جا بجا اسلامی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔

حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے یہ قاعدہ چلا آرہا تھا کہ تمام فوجیوں کے بچوں کی پرورش کی حکومت ذمہ دار ہوتی تھی اور ان کو حکومت کی طرف سے بڑی پابندی کے ساتھ وظیفے دیئے جاتے تھے۔ امیر معاویہ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا لیکن اتنا فرق کر دیا کہ پہلے تو بچوں کو پیدائش کے فوراً بعد سے وظیفہ دیا جاتا تھا لیکن امیر معاویہ کے دور میں دودھ چھٹنے کے بعد وظیفہ جاری ہوتا تھا۔

غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردانہ اور محبت کے سلوک کا جو طریقہ خلفائے راشدین کے دور حکومت سے چلا آرہا تھا اسے امیر معاویہ نے بدستور قائم اور برقرار رکھا چنانچہ کسی کی مجال نہیں تھی کہ ذمیوں کے مال و جائداد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ یا ان کی عورتوں کی آبرو پر ہاتھ ڈال سکے۔ اس کے علاوہ امیر معاویہ کے دور میں غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدے بھی دیئے جانے لگے۔ چنانچہ حمص کا حاکم ابن آثال نامی ایک نصرانی تھا۔ خود امیر معاویہ کا پرائیویٹ سیکرٹری ایک بدمی عیسائی تھا۔ جس کا نام سرجان بن منصور تھا۔

امیر معاویہ کے دور حکومت پر نظر ڈالنے کے بعد جب ہم اس ذات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی شخصیت بڑی عجیب و غریب دکھائی دیتی ہے۔ ایک طرف تو ان کی حالت یہ تھی کہ وہ حکومت کے معاملہ میں کسی بھی سیاسی ترکیب سے گریز نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف ان کے کردار میں بہت سی ایسی خوبیاں دکھائی دیتی ہیں جو بادشاہوں میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ حکومت کو حسن و خوبی کے ساتھ چلانے میں امیر معاویہ نے جو طریقے اختیار کئے وہ سب وہی تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں اختیار کر چکے تھے۔ یا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ امیر معاویہ نے انہیں نظریات کو اپنایا اور خوب ترقی کی۔

حکومت اور تاج و تخت کے حصول کے لئے انہوں نے جو سیاسی چالیں چلی تھیں۔ ان پر وہ مرتے دم تک متاسف رہے۔ اور کہا کرتے تھے کہ "کاش میں ایک بڑا حکمران ہونے کی بجائے ایک معمولی انسان ہوتا" تحمل ان کے اندر بلا کا تھا۔ بادشاہ ہونے کے باوجود چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی سخت بات گوارا کر لیتے تھے۔ فیاضی اور دریا دلی کے معاملہ میں بھی وہ بڑے حوصلہ مند تھے۔ دوستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ دشمنوں کے ساتھ بھی سلوک کرتے ہوئے نہیں تھکتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی عقیل بن ابی طالب کو چالیس ہزار کی ضرورت تھی۔ انہوں نے بھرے مجمع میں امیر معاویہ سے اس رقم کا مطالبہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ان کو اور ان کے باپ ابوسفیان کو جی بھر کر برا بھلا کہا۔ امیر معاویہ نے اس کے جواب میں انتہائی تحمل کا ثبوت دیتے ہوئے فوراً چالیس ہزار کی رقم ان کی خدمت میں پیش کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ امیر معاویہ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ اگر انہوں

نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ نہ کی ہوتی اور یزید جیسے نااہل کو اپنا جانشین نامزد نہ کیا ہوتا تو دنیائے اسلام میں وہ ایک اچھے حکمران کا درجہ حاصل کر سکتے تھے۔ مگر ان کی تمام خوبیوں پر حکومت کرنے کی ہوس اور اہل بیت کی مخالفت نے پانی پھیر دیا۔ مسلمانوں کو ان کے خلاف زبان طعن کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔

یزید بن معاویہ کی تخت نشینی

پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امیر معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں یزید کی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لے لی تھی۔ چنانچہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد ماہ رجب سنہ ۶۰ھ میں یزید جب دمشق میں تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ امیر معاویہ نے جس گہری سیاست سے اپنے بیٹے کو تخت و تاج کا وارث بنانے کے لئے کام لیا تھا اس کی وجہ سے یزید کو تخت نشین ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

یزید کا پست کردار

یزید ایک چیچک رو اور نہایت ہی بدشکل نوجوان تھا جس کو حکومت کے کاموں کی بجائے۔ کتوں، بندروں، عورتوں، شراب اور گانے سے بے حد دلچسپی تھی۔ یزید نے چونکہ امیر معاویہ کے عہد امارت میں آنکھ کھولی تھی۔ اور ناز و نعم کے آغوش میں پرورش پائی تھی۔ اس لئے عام شہزادوں کی طرح وہ جوان ہوتے ہی عشرت پسندی کا شکار ہو گیا وہ ہر وقت شراب کے نشہ میں بدمست رہتا تھا۔ شراب نوشی کی کثرت نے اسے پست حوصلہ اور بدمزاج بنا دیا تھا۔ وہ بیوقوف اور احمق نہیں تھا۔ لیکن شراب کی زیادتی نے اس عقل کو ناکارہ کر دیا تھا۔ ریشمیں کپڑوں کا اسے بے حد شوق تھا۔ شعر و شاعری سے بھی اسے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ اس کا زیادہ وقت سیر و شکار اور ناچ رنگ کی محفلوں میں بسر ہوتا تھا۔

یزید کے پست کردار سے چونکہ مملکت اسلامیہ کا بچہ بچہ بخوبی واقف تھا اس لئے اس کے خلیفہ بنائے جانے پر ملک کے کونے کونے میں چہ میگوئیاں تو ضرور شروع ہو گئیں۔ لیکن کسی صوبہ یا جماعت کو اس کے خلاف بغاوت برپا کرنے کی ہمت اس لئے نہیں ہوئی کیونکہ امیر معاویہ اپنے پیچھے جو حکومت چھوڑ گئے تھے وہ ہر قسم کی بغاوت کو کچلنے کے لئے نہایت مضبوط تھی۔ چنانچہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ ساری مملکت اسلامیہ نے محض تلوار کے خوف سے یزید جیسے ناکارہ حکمران کے سامنے گردن جھکا دی اور خاموشی سے سب کچھ دیکھتے رہے

امام حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے۔ کہ امیر معاویہ کی انتہائی کوشش کے باوجود مکہ اور مدینہ کے مقتدر حضرات یعنی حضرت امام حسین، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی یزید کو سب سے پہلے ان ہی حضرات کی فکر ہوئی۔ اس نے مدینہ کے

حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا، کہ "اس سے پہلے کہ مدینہ میں معاویہ کی موت اور میری تخت نشینی کا کسی کو علم ہو تم حسین اور عبداللہ بن زبیر سے جس طرح بھی ممکن ہو فوراً میری بیعت حاصل کر لو"

اس حکم کے ملتے ہی حاکم مدینہ ولید بن عقبہ نے حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا بھیجا، اگرچہ ابھی تک مدینہ والے امیر معاویہ کی موت سے بے خبر تھے، مگر یہ دونوں حضرات سب کچھ سمجھ گئے، اور اپنے چند ساتھیوں کو ہمراہ لے کر ولید کے پاس جا پہنچے، ولید کے پاس اس وقت حضرت عثمان غنیؓ کا وہی مشیر خاص مروان بن الحکم بھی موجود تھا جس کے سازشی خط کی بنا پر حضرت عثمان شہید ہوئے تھے، حضرت امام حسین کے پہنچنے پر ولید نے ان کو امیر معاویہؓ کی وفات سے مطلع کرنے کے بعد یزید کے حق میں بیعت کے لئے خواہش ظاہر کی، تو آپ نے فرمایا، کہ "مجھ جیسے آدمی چھپ کر بیعت نہیں کیا کرتے سب کو جمع کر لو، اور مجمع عام میں بیعت لے لو" ولید مروان کی طرح سخت، بد اخلاق اور گستاخ نہیں تھا، وہ امام حسینؓ کا یہ معقول جواب سننے کے بعد وہ خاموش ہو گیا، مگر جب حضرت امام حسین تشریف لے جانے لگے، تو مروان نے ولید سے کہا، کہ "اگر اس وقت تم نے انہیں چھوڑ دیا، تو پھر کبھی موقعہ ہاتھ نہیں آئے گا، یا تو زبردستی ان سے بیعت لے لو، یا ان کا کام تمام کر دو" مروان کی یہ بات سنکر حضرت امام حسینؓ فوراً پلٹے اور مروان سے کہا، کہ "دوسروں کو بزدلانہ مشورے کیوں دیتے ہو، اگر ہمت ہے، تو خود ہی مقابلہ پر آ جاؤ" مروان گھبرا گیا، اور حضرت امام حسینؓ کی خوشامدیں کرنے لگا، آپ واپس تشریف لے گئے، اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہی گھر آتے ہی آپ نے تمام اعزا و اقربا کو جمع کیا، اور تمام واقعات سے آگاہ کیا، نیز آنے والے خطرات سے بھی مطلع کیا، اور پھر مکہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں

عبداللہ بن زبیرؓ بھی معاملہ کو ٹالنے کے بعد ولید سے ملاقات کر کے گھر واپس آ گئے، اور اسی رات ہی مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گئے، مگر حضرت امام حسین ایک دو روز کے بعد روانہ ہوئے، امام حسین کے لئے فوراً مدینہ چھوڑنا آسان نہیں تھا، یہ وہ سرزمین تھی، جو حسین کو ہر چیز سے زیادہ پیاری تھی، یہاں ان کے نانا جان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیاری والدہ حضرت بی بی فاطمہؓ آرام فرما رہی تھیں، امام حسن کا مزار بھائی کو بے قرار کر رہا تھا، مگر حالات اتنے پریشان کن تھے، کہ امام نے مدینہ چھوڑنے کا قصد کر ہی لیا، رات کا وقت ہے، پیارا نواسہ نانا کے مزار سے لپٹ لپٹ کر آنسو بہا رہا ہے، اور رخصت ہونے کی اجازت مانگ رہا ہے، آخر روتے روتے رات کے آخر حصہ میں امام عالی مقام نے مع اہل و عیال کے ہمیشہ کے لئے مدینہ کو خیر باد کہہ دیا، اور اہل بیت کا یہ چھوٹا سا مقدس قافلہ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہو گیا

کوفیوں کے جھوٹے دعوت نامے: عراقیوں کی حالت بڑی عجیب تھی، یہ ایک طرف تو امیر معاویہؓ

کے بہت بڑے مخالف اور حضرت علیؓ کے سچے عاشق بنتے تھے، لیکن دوسری طرف جب امیر معاویہؓ سے مقابلہ کا وقت آتا تھا، تو یہ میدان سے راہ فرار اختیار کر لیتے تھے، یہی انہوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ کیا تھا، اور یہی صورت حضرت امام حسنؓ کے معاملہ میں پیش آئی تھی، لیکن اس بزدلانہ فطرت کے باوجود جب بھی ان کو موقعہ ملتا تھا، یہ عاشق "اہل بیت" بن کر میدان میں ضرور آجاتے تھے، خواہ ان کو راہ فرار ہی کیوں نہ اختیار کرنی پڑے، چنانچہ امیر معاویہ کی موت اور یزید کی تخت نشینی کے بعد حسب معمول یہ عاشقان علیؓ پھر میدان میں آگئے، اور انہوں نے حضرت امام حسین کے مکہ پہنچنے کے بعد سینکڑوں خطوط بھیج کر ان سے درخواست کرنی شروع کر دی، کہ سارا عراق آپ کے ساتھ ہے، کوفہ آکر ہم کو اور سب مسلمانوں کو یزید کی ناپاک حکومت سے نجات دلایئے،

کوفیوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ عمائدین کوفہ کا ایک وفد بھی حضرت امام حسینؓ کی خدمت میں مکہ جا پہنچا جس نے حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کی، کہ اہل کوفہ اور سارا عراق آپ کے ساتھ ہے، آپ ہمارے ہمراہ چل کر حکومت اپنے ہاتھ میں لیجیے، اور یزید کے پنجہ ستم سے نجات دلایئے، حضرت امام حسین نے کوفیوں کی جانب سے جب یہ جوش و خروش دیکھا، تو آپ نے خود جانے کی بجائے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کر دیا، تاکہ وہ بچشم خود حالات کا معائنہ کر کے انہیں صحیح واقعات سے مطلع کر دیں،

امام مسلم کا کوفہ میں استقبال

مسلم بن عقیل نے کوفہ پہنچنے کے بعد جب مختار بن عبید ثقفی کے گھر میں قیام کیا، تو کوفی جوق در جوق مسلم بن عقیل کی خدمت میں حاضر ہونے شروع ہوئے، اور ان کو یقین دلانا شروع کیا، کہ وہ حضرت امام حسین پر اپنا جان و مال قربان کرنے کی قسمیں کھا چکے ہیں، اس زمانہ میں کوفہ کا حاکم نعمان بن بشیر تھا، اس کو جب پتہ چلا، کہ مختار بن عبید کے گھر پر مسلم بن عقیل ٹھہرے ہوئے ہیں، اور وہاں یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازشیں ہو رہی ہیں، تو نعمان نے مختار اور دوسرے لوگوں کو متنبہ کر دیا، کہ وہ فتنہ پردازی سے باز آجائیں، لیکن نعمان بن بشیر کے دل میں قدرے اہل بیت کی محبت تھی، اور چونکہ نرم مزاج تھا، اس لئے اس نے کوئی سخت قدم نہیں اٹھایا،

نعمان کی اس تنبیہ کے بعد مسلم بن عقیل مختار بن عبید کے ہاں سے منتقل ہو کر ہانی بن عروہ کے مکان پر آگئے، ہانی بن عروہ بہت بڑے محب اہل بیت تھے، ان کے مکان پر آنے کے بعد اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت امام حسین کی خلافت کے لئے مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی، مسلم بن عقیل کوفیوں کے اس جوش عقیدت سے بے حد متاثر ہوئے، اور انہوں نے حضرت امام حسین کو لکھ دیا، کہ یہاں حالات ہر طرح سازگار ہیں،

اٹھارہ ہزار کوفیوں نے آپ کے حق میں میرے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے، آپ فوراً تشریف لے آئیے:

امام مسلم اور ابن زیاد بدنہاد

اٹھارہ ہزار کوفیوں کی حضرت امام حسین کے حق میں بیعت کوئی ایسا معاملہ نہ تھا جو پوشیدہ رہ سکتا، چنانچہ کوفہ کے جاسوسوں نے فوراً اس واقعہ سے یزید کو مطلع کردیا، یزید بے حد گھبرایا، اور اس نے بصرہ کے حاکم عبید اللہ بن زیاد کو حکم بھیجا، اور لکھا، کہ جس طرح بھی ممکن ہو، فوراً کوفہ پہنچ کر اس فتنہ کو دباؤ، اور مسلم بن عقیل کو یا تو کوفہ سے نکال دو، یا قتل کردو،

عبد اللہ بن زیاد بڑا ہی ظالم اور جابر حاکم تھا، یہ اسی زیاد کا بیٹا تھا جو یزید کے دادا ابوسفیان کے نطفہ سے ایک لونڈی کے بطن سے ناجائز طور پر پیدا ہوا تھا، اس نے کوفہ آنے کے بعد کوفہ والوں کو بری طرح ڈرانا دھمکانا شروع کیا، اور اعلان کردیا، کہ جو شخص بھی مشتبہ لوگوں کی امداد کرے گا، یا ان کو پناہ دے گا، اس کو سولی پر لٹکا دیا جائے گا،

اس اعلان نے کوفیوں کی جھوٹی عقیدت کا بھانڈا پھوڑ دیا، اور وہ اپنی بیعت اور محبت کو چھپانے لگے، عبد اللہ بن زیاد نے چونکہ کوفہ میں آنے کے ساتھ ہی مسلم بن عقیل کی تلاش شروع کردی تھی، اس لئے ہانی بن عروہ نے انہیں اپنے مکان سے کسی نامعلوم جگہ پر ان کو منتقل کردیا، کیونکہ ہانی اہل بیت کے سچے جاں نثار تھے، اور اس بات کو کسی طرح پسند نہیں کرتے تھے، کہ حضرت مسلم ابن زیاد کے ظلم کا شکار ہوں، ابن زیاد کو جب پتہ چلا، کہ مسلم کی روپوشی میں ہانی کا ہاتھ ہے، تو اس نے ہانی کو گرفتار کر کے زور دیا، کہ وہ مسلم کو ان کے حوالہ کردیں، مگر ہانی نے صاف الفاظ میں انکار کردیا، کہ وہ کسی طرح بھی اپنے پناہ گزین مہمان کو اس کے حوالے نہیں کرسکتے، اس پر ابن زیاد نے برافروختہ ہو کر ہانی کو بری طرح زدوکوب کیا، اور ان کو قید کردیا،

ہانی بن عروہ کو چونکہ بہت بری طرح زدوکوب کیا گیا تھا، اس لئے کوفہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی، کہ ابن زیاد نے مار مار کر ہانی کو ہلاک کردیا ہے، مسلم بن عقیل کو جب یہ خبر ملی، کہ ان کے میزبان اور محسن کو محض اس لئے ابن زیاد نے قتل کردیا ہے، کہ انہوں نے اہل بیت کے خاندان کے ایک فرد کو پناہ دی تھی، تو ان کی غیرت جوش میں آگئی، اور وہ اپنے ساتھ اٹھارہ ہزار کوفیوں کو لے کر میدان میں آگئے، انہوں نے آگے بڑھ کر عبد اللہ بن زیاد کو قصر امارت میں گھیر لیا،

کوفیوں کی غداری اور امام مسلم کی شہادت

ابن زیاد کے لئے یہ بڑا ہی نازک وقت تھا کیونکہ اس کے پاس اس وقت حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا، صرف پچاس آدمی اس کے پاس موجود تھے جن میں سے کچھ تو پولیس کے آدمی تھے، اور کچھ کوفہ کے سربرآوردہ حضرات تھے، ابن زیاد نے کوفہ کے سربرآوردہ حضرات پر زور دیا، کہ وہ اپنے اثر و رسوخ

سے کام لے کر اپنے اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو واپس کر دیں، اس کے علاوہ ابن زیاد نے فوراً اعلان کرا دیا، کہ جو شخص میری اطاعت کرے گا، اسے انعام واکرام سے نوازا جائے گا، اور جو مخالفت کرے گا، اسے سخت سزا دی جائے گی،

اس اعلان کا ہونا تھا، کہ ان تمام "عاشقان اہل بیت" کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا جو اس سے قبل حضرت امام حسین کے حق میں مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، چنانچہ مسلم کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد تو ابن زیاد کی دھمکی سے خوفزدہ ہو کر الگ ہو گئی، جو باقی رہ گئے، وہ کوفہ کے سرداروں اور حضرات کے کہنے پر یا انعام کے لالچ میں مسلم بن عقیل کو چھوڑ کر چل دیئے، اٹھارہ ہزار کے مجمع میں سے صرف تیس آدمی ان کے ساتھ رہ گئے، اور اس طرح کوفہ کے ابن الوقتوں نے پھر ایک مرتبہ غداری کر کے اپنی قدیم روایات کی یاد تازہ کر دی، مسلم بن عقیل نے جب کوفیوں کی یہ غداری دیکھی، تو وہ پہلے تو ایک مکان میں روپوش ہو گئے، لیکن جب غداروں نے جاسوسی کر کے اس مکان کا بھی پتہ بتا دیا، اور فوج نے مکان کا محاصرہ کر لیا، تو آپ جان پر کھیل کر نکل آئے، اور تن تنہا پوری فوج کا مقابلہ شروع کر دیا، وہ تیس ساتھی بھی ابن زیاد کی فوج کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے، حضرت مسلم شیر خدا کے بھتیجے تھے، کس طرح ہمت ہار تے، تن تنہا دشمنوں کا مقابلہ کیا، پیاس کی شدت بے چین کر رہی تھی، قریب کھڑے ہوئے ایک حبشی سے پانی مانگا، اس نے دیا، مگر آپ تیروں کی بارش میں پی نہ سکے، ابلے اور پھر مقابلہ شروع کر دیا، نہ معلوم کتنے دشمنوں کو موت کی نیند سلا کر زخموں سے چور ہو کر گر پڑے، ابن زیاد کے آدمیوں نے گرفتار کر لیا، اور ابن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش کر دیا، اس نے فوراً حکم دے دیا، کہ چھت پر لے جا کر قتل کر دو،

حضرت امام حسینؓ کی کوفہ کو روانگی

کوفہ میں اب تک جو کچھ ہوا، وہ آپ پڑھ چکے ہیں حضرت امام حسین مکہ میں ان تمام حالات سے نہ صرف بے خبر تھے، بلکہ امام مسلم کے خط نے آپ کو بہت حد تک مطمئن کر دیا تھا، اور آپ مکہ سے کوفہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے، حضرت امام حسینؓ کے اعزا اور آپ سے محبت کرنے والے سب ہی اگرچہ آپ کے اس عزم کے شدید مخالف تھے، لیکن آپ بدستور اپنے ارادہ پر قائم رہے،

آپ کے اعزا نے کوفیوں کی گذشتہ غداریاں یاد دلاتے ہوئے آپ سے کہا، کہ ایسی حالت میں جب کہ کوفیوں پر دشمن کی حکومت ہے، کوفیوں سے یہ کیونکر توقع کی جا سکتی ہے، کہ وہ آپ کے مقابلہ پر ان سے لڑیں گے، ہم کو اندیشہ ہے، کہ کہیں وہ الٹے آپ کے خلاف صف آرا نہ ہو جائیں، اگر عراقی وفا شعار ہوتے تو آپ کو اس وقت بلاتے جب وہ عراقی حکام کو قتل کر دیتے کے بعد وہاں کی حکومت کا تختہ الٹ دیتے

عمرو بن عبدالرحمن، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر سب ہی آپ کے اس ارادہ کے شدید مخالف تھے اور سخت کوشش کر رہے تھے، کہ آپ مکہ نہ چھوڑیں،

عبداللہ بن عباس نے جب دیکھا، کہ یہ کسی طرح مانتے ہی نہیں، اور کوفہ جانے پر تلے ہوئے ہیں، تو انہوں نے یہ آخری گذارش کی، کہ کم از کم اہل و عیال ہی کو ساتھ نہ لے جاؤ، لیکن مشیت ایزدی یہی تھی، ساری کوششیں ناکام ثابت ہوئیں، اور حضرت امام حسین کے ارادہ میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی، بعض مورخوں کا یہ بھی خیال ہے، کہ جب اعزہ نے آپ کو روکنے کے لئے زیادہ زور دیا، تو آپ نے فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ خواب مجھ کو جو حکم دیا ہے، میں اس کی تعمیل ضرور کروں گا، خواہ میرا سر جاتا رہے؛ غرض کہ آپ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو روتا ہوا چھوڑ کر اہل بیت کے مختصر سے قافلہ کو ساتھ لے کر ۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ میں کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے،

امام حسین رضی کربلا میں

حضرت امام حسین رضی ابھی راستہ ہی میں تھے، کہ ان کو کوفہ سے آنے والے مسافروں کے ذریعہ جب مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملی، تو آپ کو بے حد رنج ہوا، کوفیوں کی بدعہدی اور اس رنجدہ اطلاع کے ملنے کے بعد آپ کے اکثر ساتھیوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ فی الحال کوفہ جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں، لیکن مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا، کہ ہم کسی طرح بھی واپس جانے کے لئے تیار نہیں ہیں، یا تو اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لیں گے، یا لڑتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے، حضرت امام حسین بھلا اس بات کو کب گوارا کر سکتے تھے، کہ مسلم بن عقیل کو اس طرح شہید کیا جائے اور وہ خاموش رہ جائیں، چنانچہ آپ نے اپنے سفر کو بدستور جاری رکھا،

اس قافلہ کو آگے چل کر عمرو بن سعد کا بھیجا ہوا قاصد ملا، جو مسلم بن عقیل کی وصیت کے مطابق حضرت امام حسین کو کوفہ جانے سے روکنے کے لئے آیا تھا، آپ نے اس سے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا، کہ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور ہمارے دوسرے ہمدردوں کو شہید کیا جا چکا ہے، کوفی اپنے وعدوں سے پھر چکے ہیں، اور حالات نہایت نازک ہیں، تم میں سے جو کوئی بھی واپس جانا چاہے، وہ چلا جائے؛ آپ کے اس ارشاد کے بعد بہت سے ایسے آدمی جو راستہ سے اس قافلہ میں شامل ہو گئے تھے، واپس چلے گئے، اور امام کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے،

ابن زیاد حاکم کوفہ کو حضرت امام حسین کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل چکی تھی، اس نے فوراً حر بن تمیمی کو ایک ہزار کا لشکر دے کر حضرت امام حسین کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا تھا، اور حکم دے دیا تھا، حضرت امام حسین رض اور ان کے تمام ساتھیوں کو گھیر کر میرے پاس لے آؤ، حر کے دل میں حضرت امام کی بڑی عظمت تھی، اس لئے

حضرت امام حسین کے قافلہ کو گھیر تو لیا، لیکن رات کے وقت ان کو موقع دے دیا، کہ وہ کسی دوسری طرف نکل جائیں لیکن آپ نے کسی دوسری طرف جانا گوارا نہ کیا، اور یہ قافلہ برابر کوفہ کی جانب بڑھتا رہا، آخر ۲ محرم سنہ ۶۱ھ کو اہل بیت رسالت کا یہ مختصر قافلہ کربلا کے میدان میں نہر فرات سے کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہو گیا،

۳ محرم سنہ ۶۱ھ کو عمرو بن سعد بھی چار ہزار کا لشکر لے کر حضرت امام حسین کے مقابلہ کے لئے کربلا میں پہنچ گیا یہ اگرچہ امام حسین کا عزیز تھا، لیکن اسے رے کی حکومت کا لالچ دے کر حضرت امام حسین کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا، عمرو بن سعد دنیاوی لالچ سے میدان میں آ تو گیا تھا، مگر یہ وقت اس کے لئے بڑی کش مکش کا تھا، وہ سوچتا تھا کہ اگر امام اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائی، تو قیامت تک کے لئے روسیاہی کو کوئی عمل مٹا نہ سکے گا، اور اگر جنگ کرنے سے گریز کرتا ہے، تو رے کی حکومت ہاتھ سے جاتی ہے، آخر اس نے یہ سوچا، کہ آپس میں کسی طرح مصالحت کرانے کے بعد یہ قصہ ختم کرا دیا جائے لیکن اس کی مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں، اور ۷ محرم کو اسے حکم ملا، کہ دریا پر پہرا لگا دو، تاکہ فریق ثانی کو پانی نہ مل سکے یعنی ظالم ابن زیاد نے اہل بیت پر پانی بھی بند کر دیا لیکن پانی پر پہرہ لگنے کے باوجود حضرت امام حسین کے سوتیلے بھائی عباس ابن علی لڑنے بھڑنے جا کر پانی لے ہی آئے،

شمر ذی الجوشن میدان کربلا میں

عمرو بن سعد کی مصالحانہ کوششوں کی وجہ سے چونکہ ابن زیاد کو عمرو بن سعد کی جانب سے شبہ ہو گیا تھا، اس لئے ابن زیاد نے شمر ذی الجوشن کو حضرت امام حسین کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اور عمرو بن سعد کو لکھا، کہ تم نے حسین کی خیر خواہی میں کئی دن برباد کر دیئے ہیں، میرے اس حکم کے ملتے ہی یا تو ان سے بیعت لے کر انہیں میرے پاس بھیج دو، یا جنگ شروع کر دو، اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے، تو فوج کی کمان شمر کے حوالہ کر دو" عمرو بن سعد کو ۹ محرم کو جب یہ حکم ملا، تو اس کی روش بھی بالکل بدل گئی، دنیا دین پر غالب آ گئی، اور رے کی حکومت کے لالچ میں عمرو بن سعد نے حضرت امام حسین اور ان کے رفیقوں کے ساتھ انتہائی سختی کا برتاؤ شروع کر دیا،

عمرو بن سعد اور شمر دونوں نے مل کر مختلف طریقوں سے حضرت امام حسین پر انتہائی زور دیا، کہ وہ یزید کی اطاعت قبول کر لیں، آپ کے گھر والوں کو اس ناپاک مقصد کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں معصوم بچوں کو پانی کے لئے تڑپا تڑپا کر مارا گیا، یہاں تک کہ عورتوں کے خیمہ تک کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی مگر حضرت امام حسین کے پائے استقلال کو ذرہ برابر بھی جنبش نہ ہوئی، یہ جاننے کے باوجود کہ موت اور تباہی سامنے کھڑی ہے، آپ اسلام اور آزادی وطن کی خاطر اپنے اصول پر پتھر کی چٹان کی طرح قائم رہے، دشمن آپ کے قدم مبارک میں لغزش پیدا کر سکیں، اور نہ رشتہ داروں کی پریشانیاں اور ان کی مصیبتیں آپ کے پائے

استقلال کو ڈگمگا سکتے، گویا ایک کوہ استقامت تھا جو قیام حق کی خاطر ہر ارضی و سماوی آفات کا مقابلہ کر رہا تھا، مگر اپنی جگہ قائم تھا،

مقابلہ حق و باطل کی ابتداء

آخر ۱۰ محرم ۶۱ھ کو حق و باطل کی وہ جنگ چھڑ گئی جس پر انسانیت قیامت تک آنسو بہاتی رہے گی، جنگ چھڑنے سے قبل حضرت امام حسینؓ نے اپنے بھائیوں، بیٹیوں، بھتیجوں اور ساتھیوں سے کہا، کہ "میرے ساتھ جان نہ گنواؤ" لیکن مردوں کا تو ذکر کیا، عورتوں اور بچوں نے بھی ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا، آپکی بہن حضرت زینبؓ نے جب بھائی کو اور سارے خاندان کو موت کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھا، تو رونے لگیں، آپ نے انہیں تسلی دی، اور صبر کی تلقین فرمائی،

جنگ شروع ہو گئی، ایک طرف حضرت امام حسین کے قافلہ کے ۷۲ چھوٹے بڑے سرفروش تھے، جو تین روز سے بھوکے پیاسے تھے، اور دوسری جانب چار ہزار افراد پر مشتمل پورا یزیدی لشکر تھا جب یزیدی لشکر ان معصوموں کی جانب بڑھنے لگا، تو یزیدی فوج کے ایک نیک دل سردار حُر نے اسے روکنا چاہا، لیکن جب وہ نہ رکا، تو حُر اور اس کے چند ساتھی اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے حضرت امام حسینؓ کے مختصر سے قافلہ سے آن ملے، اور پھر اہل بیت کا یہ متوالا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ یزیدی فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گیا

حضرت امام حسینؓ کی شہادت

حضرت امام حسینؓ کے قافلہ میں اگرچہ گنتے چنے آدمی تھے، اور وہ بھی تین دن کے بھوکے پیاسے لیکن ان میں سے ہر ایک نے جرأت اور بہادری کا وہ نظارہ پیش کیا، جو دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، ان میں سے ایک ایک اور دو، دو مجاہدین آگے بڑھتے تھے، اور یزیدی لشکر کو اس طرح چیرتے جاتے تھے، گویا موت ان کے نزدیک ایک بے حقیقت شی ہے،

حق و باطل کی اس جنگ میں اس طرح داد شجاعت دیتے ہوئے، جب حضرت امام حسینؓ کے مختصر سے قافلہ کے بیشتر مجاہدین کام آگئے، تو حضرت امام حسین کے صاحبزادے حضرت علی اکبر، عبداللہ بن مسلم جعفر طیار کے پوتے عدی میدان کارزار میں آئے، اور اپنے جوہر دکھا کر شہید ہو گئے، ان کے بعد عبدالرحمٰن بن عقیل حضرت امام حسن کے صاحبزادے قاسم اور ابوبکر نے جام شہادت نوش فرمایا، پھر حضرت امام حسین خود میدان میں آئے، تو یزیدیوں نے ہر طرف سے یورش کر دی، تیروں کا تانتا ہر چہار جانب سے برسنے لگا، اس حالت کو دیکھ کر سوتیلے بھائی عباس، عبداللہ جعفر اور عثمان بے چین ہو گئے، امام نے ان کو ابھی تک میدان سے روک رکھا تھا، مگر اب ضبط کی طاقت نہیں رہی، فوراً آئے، اور بھائی کے گرد سپر بن کر کھڑے ہو گئے، اور جب تک

جام شہادت پی نہیں لیا، اپنے بھائی کا ساتھ نہیں چھوڑا،

حضرت امام حسینؓ زخموں کی کثرت سے نڈھال ہو چکے تھے، پیاس کا غلبہ جب زیادہ ہوا، تو آپ اسی حالت میں فرات کی طرف بڑھے، آپ چلو میں پانی لے کر پینا ہی چاہتے تھے، کہ ایک شقی نے ایسا تیر مارا، کہ آپ کا چہرہ لہولہان ہو گیا، آپ فرات سے پیاسے ہی لوٹ آئے، اب آپ میں کوئی سکت باقی نہ تھی،

یزیدیوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا، زرعہ بن شریک تمیمی نے گردن مبارک پر تلوار کے کئی وار کر کے بری طرح زخمی کر دیا، اور آپ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے، آپ کے گرنے کے بعد خولی نے سر اقدس تن مبارک سے جدا کر دیا، اور اس طرح حق و باطل کی یہ جنگ اس دردناک حادثہ پر ختم ہو گئی،

شہادت کے دوسرے دن شہداء کی لاشیں دفن کی گئیں، حضرت امام حسین کا سر مبارک کیونکہ ابن زیاد کے پاس کوفہ روانہ کر دیا گیا تھا، اس لئے آپ کا جسد اطہر بغیر سر ہی کے دفن کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون،

عابد بیمار اور سیدانیاں دربار یزید میں

یزید، ابن زیاد، شمر اور ان کے ستم پیشہ ساتھیوں کا ظلم و ستم صرف اسی پر ختم نہیں ہو گیا، بلکہ اس قتل عام کے بعد اہل بیت کے خیموں کو لوٹ لیا گیا، خاندان رسول کی صاحبزادیوں کا تمام زیور جبراً اتار لیا گیا، یہاں تک کہ حضرت امام حسین کے صاحبزادے امام زین العابدین جو سخت بیمار تھے، اور اٹھ بھی نہیں سکتے تھے ان کو بھی سخت تکالیف پہنچائی گئیں، اس تباہی اور بربادی کے بعد شمر اس لٹے ہوئے قافلہ کو ساتھ لے کر پہلے تو ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچا، اس کے بعد یہ قافلہ مع حضرت امام حسین کے سر مبارک کے دمشق لے جایا گیا اور یزید کے سامنے پیش کیا گیا،

کربلا کے میدان میں جو کچھ بھی ہوا تھا، گو یزید کے اشارہ سے ہوا تھا، اور اس تمام ظلم و ستم کا سب سے بڑا محرک خود یزید تھا جس نے کہ اپنی حکومت کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے آل رسول کو تہ تیغ کرا دیا تھا، لیکن جب یہ مظلوم قافلہ یزید کے سامنے پیش کیا گیا، تو اس کی خستہ حالی کو دیکھ کر یہ ظالم و جابر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا خود اس کا ضمیر اس پر ملامت کر رہا تھا، اور اس کے چہرے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا، جیسے وہ کسی سخت تشویش اور قلبی بے چینی میں مبتلا ہو، غالباً اس حادثہ کے نتائج مابعد سے وہ گھبرا رہا تھا، چنانچہ فاطمہ بنت علی کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے، تو وہ ہمارے ساتھ بڑی نرمی کے ساتھ پیش آیا،

یہ سب کچھ تھا لیکن اس کی گستاخانہ روش اب بھی قائم تھی، چنانچہ وہ بار بار امام حسین کے سر مبارک کو بید سے چھوتا تھا، اور کہتا جاتا تھا، کہ "اگر تم میرے ہاتھ پڑ جاتے، تو تمہارا یہ حال نہ ہوتا" پھر اس نے سر مبارک کی طرف اشارہ کر کے اپنے درباریوں سے کہا، کہ ان کا یہ انجام اس لئے ہوا، کیونکہ یہ کہتے تھے، کہ ان کے

باپ علیؓ میرے باپ سے، اور ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں، اور وہ خود اپنے آپ کو مجھ سے زیادہ خلافت کا مستحق خیال کرتے تھے۔" اسی دوران میں جب یزید نے حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کا نام بے قدری سے لیا، تو حضرت زینبؓ سے برداشت نہ ہو سکا، اور انہوں نے سختی سے دائرہ تہذیب میں رہنے کی نصیحت کی، جسے سنکر وہ خاموش ہو گیا،

مدینہ میں اہل بیت کا داخلہ اور کہرام

کربلا میں امام عالی مقام کی شہادت اور جسم و سر کی بے حرمتی کا ذکر کرتے ہوئے مورخین کا بیان ہے کہ یزید کے اس ظالمانہ فعل پر عام مسلمانوں کے دل سخت مجروح ہو رہے تھے، جن لوگوں نے خطوط لکھ کر بلایا تھا، وہ بھی سخت پشیمان اور رنجیدہ تھے، اس کے علاوہ خود یزید کے گھر والوں نے سخت مذمت کی، چنانچہ خاندان رسول کی عصمت مآب اور مظلوم خواتین جب یزید کی حرم سرا میں داخل ہوئیں، اور ٹھہرائی گئیں، تو خود یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا، اور تین دن تک برابر ماتم بپا رہا،

دمشق میں مختصر سے قیام کے بعد یزید نے امام مظلوم کے خاندان کو بڑی حفاظت اور اہتمام کے ساتھ ان کی خواہش پر مدینہ روانہ کر دیا تھا چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ آیا، تو سارے مدینہ میں کہرام مچ گیا، اور ہر طرف آہ و بکا کے نالے بلند ہونے لگے،

اس معرکہ میں حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے حضرت زین العابدین کے علاوہ تمام مرد کام آ گئے تھے، آپ بھی اس لئے بچ گئے تھے، کہ آپ بیمار تھے، حضرت زین العابدین کی عمر کربلا کے حادثہ کے وقت ۲۲ سال کی تھی، شادی ہو چکی تھی، اور ۳ برس کے صاحبزادے امام محمد باقر کربلا میں موجود تھے،

یزید کے خلاف عرب کی بغاوت

حضرت امام حسین کی شہادت اور آپ کے خاندان کی بربادی کوئی ایسا واقعہ نہ تھا، جسے مسلمان آسانی سے برداشت کر لیتے، چنانچہ حضرت امام حسین کی شہادت کا یہ نتیجہ ہوا، کہ سارے ملک عرب میں بغاوت پھیل گئی، اور مسلمانان عرب نے یزید کی بجائے مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت کا اعلان کر دیا، اور ہزاروں مسلمان یزید سے انتقام لینے کے لئے حضرت عبداللہ بن زبیر کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے

مدینہ میں یزید کے خلاف مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا، کہ ان پر قابو پانا ناممکن ہو گیا تھا، جا بجا ہنگامے شروع ہو گئے تھے، لوگوں نے یزید کے خاندان یعنی بنی امیہ کے گھروں پر یورش شروع کر دی تھی، اس یورش میں خاندان بنی امیہ کے کچھ لوگ تو مارے گئے، اور کچھ نے بھاگ کر جان بچائی، اور مدینہ کے حاکم مروان بن الحکم نے دارالامارت میں جا کر پناہ لی،

یزید کو جب مدینہ کے اس ہنگامہ کی اطلاع ملی، تو اس نے فوراً مدینہ والوں کو کچلنے کے لئے فوج بھیجدی فوج نے بڑی مشکل سے بنی امیہ کے لوگوں کو نکال کر شام روانہ کیا جن کو مسلمانوں نے گھیر رکھا تھا، اور اس کے بعد یزید کا لشکر تین دن تک مدینہ میں لوٹ مار مچاتا رہا، مسجد نبوی کی توہین کی گئی، اور اس میں لشکریوں نے جانور تک باندھے، اہل بیت کے لئے اس ہنگامہ میں بھی سخت پریشانیوں کا سامنا رہا، یہ سنہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے،

یزیدی فوج جب مدینہ کو لوٹ چکی، تو مکہ کی جانب بڑھی، تاکہ نئے خلیفہ اسلام حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کرے، اور مکہ والوں کو بغاوت کی سزا دے، حضرت عبداللہ بن زبیر نے جب سنا، کہ یزید کا لشکر مکہ کی جانب آرہا ہے، تو آپ بھی فوج لے کر مقابلہ پر آگئے، دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا، مکہ کے باشندوں نے چونکہ خانہ کعبہ میں پناہ لے لی تھی، اس لئے یزید کے لشکر نے خانہ کعبہ پر حملہ کرکے ایک دیوار کو گرادیا، مگر حضرت عبداللہ بن زبیر نے ایک سخت حملہ کے بعد یزید کے لشکر کو پیچھے ہٹا دیا، مسلسل چالیس روز تک یہ جنگ جاری رہی، لیکن یزید کے لشکر کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی،

یزید کی دردناک موت

ناظرین واقف ہو چکے ہوں گے، کہ یزید نے امام حسین کو صرف اس لئے شہید کر دیا تھا، کہ وہ اہل بیت کے اثرات سے گھبرا رہا تھا، اور چاہتا تھا کہ یہ عوام کی عقیدت کا مرکز توڑ دیا جائے، تاکہ میں ان کے بعد آرام و اطمینان کے ساتھ حکومت کا لطف حاصل کر سکوں، لیکن حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد سے ایک دن بھی چین میسر نہ آسکا، عرب میں بری طرح بغاوت پھیل چکی تھی، مصر، ایران اور عراق میں اگرچہ کوئی منظم بغاوت کھڑی نہیں ہوئی تھی، لیکن وہاں بھی یزید کے خلاف بری طرح نفرت پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ہر وقت بغاوت کا اندیشہ رہتا تھا،

شام کی کیفیت یہ تھی، کہ وہاں بھی یزید کو حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا، خود دار السلطنت دمشق میں اس کے ہزاروں دشمن ہو گئے تھے، یہاں تک کہ اس کے محل میں بھی اس کے خلاف سازشیں شروع ہو گئی تھیں، چنانچہ اندر خانہ یزید کی مخالفت اس حد تک پہنچ گئی، کہ لوگ اس کو قتل کرنے کی تدابیر پر غور کرنے لگے، لیکن جب علانیہ قتل نہ کر سکے، تو چند لوگوں نے ایک دن شراب میں زہر ملا کر دے دیا، زہر اتنا تیز اور کثیر مقدار میں دیا گیا تھا، کہ چند ہی لمحات میں اس کے اثرات تمام جسم میں پھیل گئے، اور یہ ۳ برس کا ظالم حکمران تھوڑی ہی دیر میں لقمہ اجل بن گیا، یہ سنہ ۶۴ھ مطابق سنہ ۶۸۳ء کا واقعہ ہے، یزید نے کل تین سال اور نو مہینے حکومت کی، لیکن وہ حکومت کا کوئی لطف نہیں اٹھا سکا، بلکہ حکومت ہی اس کی موت کا سبب بن گئی،

یزید کی موت کے بعد یزید کی فوج نے مکہ سے محاصرہ اٹھا لیا، اور اس محاصرہ کے اٹھنے کے بعد مکہ، مدینہ

اور عرب کے اکثر علاقوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی حکومت قائم ہوگئی، اور لوگ جوق درجوق حضرت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے،

بنی امیہ یعنی یزید کے خاندان والے بھی چونکہ یزید سے خوش نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے یزید کی موت پر اطمینان اور سکون کا اظہار کیا، ان کے نزدیک یزید کی موت خاندان بنی امیہ کے لئے ہر حال میں بہتر تھی، چنانچہ یزید کی موت کے بعد عرب کے علاوہ ان تمام دوسرے علاقوں میں سکون پیدا ہوگیا تھا، جو یزید کے خلاف بغاوت کی تیاریوں میں مصروف تھے، مورخوں کی رائے ہے، کہ اگر یزید اتنی جلدی نہ مرجاتا، تو یزید کے خلاف اٹھی ہوئی بغاوت اس قدر قوی تھی، کہ وہ خاندان بنی امیہ کی حکومت کو شاید یزید کی زندگی ہی میں بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیتی اور یزید اپنے ظلم کا انجام اپنی زندگی ہی میں دیکھ لیتا

یزید کے بیٹے کی تخت نشینی

یزید کی موت کے بعد جب خاندان بنی امیہ کے مقتدر حضرات نے یزید کے بیٹے معاویہ ثانی کو تخت پر بٹھانا چاہا، تو اس نے بادشاہی قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اس نے صاف الفاظ میں کہدیا، کہ میں بادشاہی کے ناقابل ہوں، لیکن امرائے سلطنت نے اسے زبردستی بادشاہ بنا ہی دیا، تخت نشینی کے وقت معاویہ بن یزید کی عمر ۲۱ سال کی تھی کہتے ہیں یہ بڑا دیندار اور صالح نوجوان تھا، اپنے باپ کے دور حکومت کے ظالمانہ واقعات کی وجہ سے اسے حکومت سے نفرت ہوگئی تھی، معاویہ بن یزید اس بادشاہت کو اپنے لئے ایک لعنت اور مصیبت سمجھتا تھا، اس کو یقین تھا، کہ مسلمان اس یزید کی اولاد کی بادشاہی کبھی گوارا نہیں کرسکتے، جس نے کہ آل رسول کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے ہیں چنانچہ معاویہ بن یزید چھ مہینے تک تو بادل ناخواستہ بادشاہی کرتا رہا، لیکن چھ مہینے کے بعد اس نے تخت سے دستبردار ہونے کا پکا ارادہ کر لیا،

دستبرداری سے قبل جب اس سے جانشین نامزد کرنے کے لئے کہا گیا، تو اس نے جواب دیا، کہ میرے دادا معاویہؓ نے ایسے شخص سے حکومت چھینی، جو ہر لحاظ سے ان سے بہتر تھے۔ ان کے بعد میرا باپ یزید تخت نشین ہوا جو اس حکومت کے لائق نہ تھا، اور خود میں بھی حکومت کے معاملہ میں قطعی نااہل ہوں، ایسی حالت میں کس طرح میں جانشین نامزد کر سکتا ہوں، البتہ یہ ضرور جانتا ہوں، کہ جس حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے اہل بیت کے خون کو استعمال کیا گیا ہو، وہ حکومت کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ یزید بن معاویہ نے ان الفاظ کے ساتھ سلطنت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا وہ اتنا دل برداشتہ ہو چکا تھا، کہ اس کی صحت بھی قائم نہیں رہ سکی، اور چند ہی ماہ کے بعد اس دنیائے فانی سے گذر گیا، معاویہ بن یزید کے تخت سے دستبردار ہونے کے بعد حکومت اگرچہ خاندان بنی امیہ میں باقی رہی لیکن یزید کے گھرانے سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی، معاویہ بن یزید امیر معاویہ کی اولاد میں آخری بادشاہ ہوا ہے، جو برائے نام تخت پر بیٹھا اور مستعفی ہوگیا،

عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت

اس سے قبل کے واقعات میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ یزید کی حکومت کے آخری دنوں میں عبداللہ بن زبیر کو مکہ میں خلیفہ تسلیم کر لیا گیا تھا اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی، چنانچہ وہ یزید کے مرنے کے بعد معاویہ بن یزید کے دور حکومت میں بھی بدستور خلیفہ تسلیم کئے جاتے رہے، یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں چونکہ عبداللہ بن زبیر کے اثرات مکہ کے علاوہ پورے حجاز میں اور دیگر ممالک میں بھی پھیل چکے تھے، اس لئے معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد خاندان بنی امیہ کے لوگوں کو بڑی فکر ہوئی، کہ کہیں پوری مملکت اسلامیہ عبداللہ بن زبیر کی خلافت کو تسلیم نہ کر لے، اور خاندان بنی امیہ کی حکومت ختم نہ ہو جائے، لہٰذا انہوں نے یزید بن معاویہ کی دست برداری کے بعد فوراً ہی مروان بن الحکم کو دمشق کے تخت پر بٹھا دیا قبل اس کے کہ ہم مروان بن الحکم کے تخت نشینی کے واقعات بیان کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات پر قدرے روشنی ڈالدی جائے،

عبداللہ بن زبیرؓ کی شخصیت

عبداللہ بن زبیرؓ سے نہ صرف عرب کے باشندوں کو غیر معمولی عقیدت تھی، بلکہ ساری مملکت اسلامیہ میں آپ کو بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، آپ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ بن العوام کے صاحبزادے تھے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے، آپ صدیق اکبر کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی حقیقی بہن حضرت اسماءؓ کے بطن سے ۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے،

یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بہادر اور جری شمار کئے جاتے تھے، چنانچہ اکثر لڑائیوں میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں، شمالی افریقہ کی فتوحات میں ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا جنگ جمل میں یہ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حفاظت کر رہے تھے، اور ان کے اونٹ کے قریب کسی کو پہنچنے نہیں دیتے تھے، اس معرکہ میں جسم پر بہت سے زخم بھی آئے تھے،

امیر معاویہؓ ان کو نہایت خطرناک انسان سمجھتے تھے، وہ کہا کرتے تھے، کہ "زبیر میں شیر کی جرات اور لومڑی کی سی ہوشیاری موجود ہے" چنانچہ امیر معاویہؓ نے مرتے وقت یزید کو نصیحت کی تھی، کہ "ابن زبیرؓ سے ہمیشہ ہشیار رہنا"

معاویہ بن یزید کے تخت سے دست بردار ہونے کے بعد چونکہ ساری مملکت اسلامیہ میں کوئی دوسرا شخص

عبداللہ بن زبیر کا ہم پلہ نہیں تھا، اس لئے مملکت اسلامیہ کے بیشتر ممالک آپ کی خلافت کے حق میں تھے، حجاز، عراق مصر اور شام تقریباً تمام ممالک ان کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ خود بنی امیہ کے پایہ تخت دمشق میں ان کے حامیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی،

البتہ بصرہ میں خلافت کا ایک نیا دعویدار پیدا ہو گیا تھا یعنی رسوائے زمانہ ابن زیاد نے انتہائی عیاری اور مکاری سے کام لے کر بصرہ پر قبضہ جما لیا تھا، اور بصرہ والوں نے ابن زیاد سے ڈر کر اس کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی، لیکن جب اس نے کوفہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرنا چاہا، تو وہاں ابن زیاد کے خلاف سخت شورش برپا ہو گئی، اور اس شورش نے رفتہ رفتہ بصرہ والوں کو بھی متاثر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ بصرہ کی حکومت بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی، اور اس کو انتہائی خوفزدہ حالت میں زنانہ لباس پہن کر بصرہ سے فرار ہونا پڑا، اس کے بعد اہل کوفہ اور بصرہ والوں نے بھی عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیا،

مروان کی تخت نشینی اور حالات

ایسی حالت میں جب کہ مملکت اسلامیہ کے تقریباً تمام صوبے عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت کا اعلان کر چکے تھے، تو اس کا امکان ہی باقی نہیں رہ گیا تھا، کہ خاندان بنی امیہ کی حکومت قائم رہ سکے گی، چنانچہ حالت یہ تھی، کہ مروان بن الحکم جو بعد میں دمشق میں تخت نشین ہوا، وہ خود اس بات کے لئے آمادہ اور تیار تھا، کہ عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرے، لیکن اس کا کیا علاج کہ قدرت کو یہی منظور تھا، کہ مروان بن الحکم دمشق کے تخت پر بیٹھے، اور اس کی اولاد زمانہ دراز تک مملکت اسلامیہ پر حکمرانی کرتی رہے

مروان حضرت عثمان غنیؓ کے حقیقی چچا الحکم کا بیٹا تھا یعنی حضرت عثمان غنی کا چچا زاد بھائی تھا، الحکم نے فتح مکہ کے بعد اوپری دل سے اسلام قبول کر لیا تھا، اور وہ مخالفین اسلام کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کے فرائض انجام دیا کرتا تھا، اس کی ان غداریوں، اور بے ایمانیوں کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جلاوطن کر کے طائف بھیج دیا تھا، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی الحکم اور اس کے بیٹے مروان کو کبھی مدینہ میں نہیں گھسنے دیا، لیکن حضرت عثمان غنیؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کو اپنا مشیر خاص بنا لیا،

حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں مشیر خاص کا عہدہ سنبھالنے کے بعد اس نے بنی امیہ کے لوگوں کو جا و بیجا حکومت میں ٹھونس کر مملکت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچایا، اسی مروان کے ایک جعلی خط کی بنا پر حضرت عثمانؓ غنی کے خلاف طوفان اٹھا اور بے گناہ مارے گئے، اور اسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھار کر جنگ جمل کی آگ بھڑکائی، صفین کے معرکہ میں بھی مروان امیر معاویہ کے ساتھ تھا، مدینہ کے حاکم ولید کے

زور دینے پر جب امام حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، تو اسی مروان نے حاکم مدینہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ حضرت امام حسینؓ کو قتل کر دے، اس کے علاوہ یزید کے عہد حکومت میں جب یہ مدینہ کا حاکم تھا، تو اس نے مسلمانوں پر بڑی زیادتیاں کی تھیں، مغرض مروان کی تاریک زندگی کا یہ مختصر خاکہ ہے، ورنہ اس کی روسیاہی تو تاریخ اسلام میں ہمیشہ یادگار رہے گی،

یزید کی موت کے وقت یہی مروان بن الحکم مدینہ کا حاکم تھا، یزید کے مرنے کے بعد جب اس نے دیکھا کہ بنی امیہ کے قصر امارت کی بنیادیں ہل چکی ہیں، تو یہ عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا، لیکن عبداللہ بن زبیر کو بنی امیہ سے کچھ ایسی نفرت تھی، کہ انہوں نے یہ گوارا ہی نہیں کیا، کہ مروان مدینہ میں رہے، چنانچہ انہوں نے اسے مدینہ سے نکلوا دیا، اور یہ بھاگ کر دمشق چلا گیا،

دمشق پہنچنے کے بعد بھی مروان کو یہ وہم و گمان تک نہ تھا، کہ وہ کبھی مملکت اسلامیہ کا فرمانروا بھی بن سکتا ہے، کیونکہ اول تو امیر معاویہ کی کثیر اولاد موجود تھی، دوسرے شام میں بھی عبداللہ بن زبیرؓ کے اثرات کافی پھیل چکے تھے، چنانچہ وہ دمشق آنے کے بعد بھی عبداللہ بن زبیرؓ کے حق میں بیعت کرنے کے لئے آمادہ تھا، لیکن معاویہ بن یزید کی تخت سے دست برداری کے فوراً ہی بعد قاتل حسینؓ عبداللہ بن زیاد دمشق پہنچ گیا، اور اس نے دمشق کے امراء کو عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف ابھارتے ہوئے سمجھایا، کہ اگر اس وقت بنی امیہ میں سے کسی نہ کسی کو دمشق کے تخت پر فوراً نہ بٹھایا گیا، تو ابن زبیرؓ خاندان بنی امیہ کے آدمیوں کو چن چن کر قتل کریں گے۔

مروان چونکہ بنی امیہ میں سب سے زیادہ سن رسیدہ اور ہوشیار تھا، اس لئے امرائے بنی امیہ کے ایک طبقہ کی رائے ہوئی، کہ اسے دمشق کے تخت پر بٹھا دیا جائے، لیکن امرائے بنی امیہ کا دوسرا طبقہ یزید کے بیٹے خالد کے حق میں تھا، اب ان دونوں طبقوں میں اچھی خاصی رسہ کشی شروع ہو گئی، آخر امرائے بنی امیہ نے یہ طے کیا، کہ مروان کو تو خلیفہ بنا دیا جائے، اور یزید کے بیٹے خالد کو اس کا ولی عہد نامزد کر دیا جائے، اور مروان یزید کی بیوہ یعنی خالد کی ماں سے نکاح کر لے، چنانچہ اس قرارداد کے مطابق یزید کی بیوہ کا مروان سے نکاح ہو گیا، اور ۶۴ھ میں مروان دمشق میں تخت نشین ہو گیا، اور اس نے یزید کے بیٹے خالد کو اپنا جانشین نامزد کر دیا،

مصر و شام پر مروان کا قبضہ

مروان بن الحکم دمشق کے تخت پر بیٹھ تو گیا تھا، لیکن شام میں بھی چونکہ عبداللہ بن زبیرؓ کے حامیوں میں سے بہت سے بااثر حضرات موجود تھے، اس لئے اسے اپنی حکومت متزلزل دکھائی دے رہی تھی، لہذا اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی سب سے پہلا کام یہ کیا، کہ شام کو عبداللہ بن زبیر کے حامیوں سے صاف کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ بنی امیہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے حامیوں میں باقاعدہ شام میں جنگ چھڑ گئی، مگر چونکہ یہاں عبداللہ بن زبیرؓ کے حامیوں کی

تعداد نسبتاً کم تھی، اس لئے ان کو شکست ہو گئی، اور شام پر مروان کا پوری طرح قبضہ ہو گیا،

شام کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد مروان نے مصر پر حملہ کر دیا، اس معرکہ میں مروان اور اس کا بھتیجا عمرو بن سعید دونوں شامل تھے، مصری اس حملہ کی تاب نہ لا سکے، اور اس طرح بغیر کشت و خون کے مصر پر بھی مروان کا قبضہ ہو گیا، مصریوں نے مروان کے حق میں بیعت کر لی، اور اس طرح مصر میں دوبارہ بنی امیہ کی حکومت قائم ہو گئی،

مصر پر قبضہ جمانے کے بعد مروان نے اپنے دو بیٹوں یعنی عبدالملک بن مروان اور زبیر بن مروان کو دمشق سے ایک بڑی فوج دے کر افریقہ کے لئے روانہ کیا، تاکہ وہ افریقہ کے ان علاقوں کو باغیوں کے قبضہ سے نکالیں جو اس سے قبل خلافت اسلامیہ کے زیر حکومت تھے، مگر اب خود مختار ہو گئے تھے، چنانچہ انہوں نے بہت سے علاقوں کو فتح کر لیا، اور قیروان پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا، لیکن پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی شمالی افریقہ کی فتح نامکمل رہ گئی، کیونکہ بربری قبائل اور رومی عیسائیوں کا افریقہ میں کافی زور تھا،

مروان کی ہلاکت

مروان نہایت چالاک آدمی تھا جیسا وقت دیکھتا تھا، ویسا کام کرتا تھا، چنانچہ تخت نشینی کے وقت تو اس نے یزید کی بیوہ سے نکاح کر کے اور یزید کے بیٹے خالد کی ولیعہدی کا اعلان کر کے خوش کر دیا تھا لیکن جب اس نے دیکھا، کہ اب اس کی طاقت بڑھ چکی ہے، تو اس نے خالد کو ولیعہدی سے برطرف کر کے اپنے بیٹے عبدالملک کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا، اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے، اور کوئی سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکا،

یزید کی بیوہ جو مروان کے نکاح میں تھی، جب اس نے دیکھا، کہ اس عیار نے اس کے بیٹے خالد بن یزید کو تو حکومت سے محروم کر دیا ہے، اور اپنے بیٹے عبدالملک کو جانشین بنا دیا ہے، تو وہ مروان کی جانی دشمن ہو گئی اور اس نے موقعہ پا کر مروان کو زہر دے دیا، جس کے اثر سے وہ ہلاک ہو گیا

وفات کے وقت مروان کی عمر ۶۳ سال کی تھی، نو دس مہینے حکومت کرنے کے بعد وہ ۶۵ھ (۶۸۴ء) میں ہلاک کر دیا گیا، اس کی حکومت کی مدت اتنی مختصر تھی، کہ وہ اس مختصر سے زمانہ میں کوئی اہم کام انجام نہیں دے سکا، لیکن پھر بھی اس کا یہ کارنامہ کیا کم ہے، کہ اس نے خاندان بنی امیہ کے مٹتے ہوئے اقتدار کو دوبارہ قائم کر دیا، اسی طرح یہ بھی قابل تعریف کارنامہ ہے، کہ خاندان معاویہ سے حکومت نکال کر اپنے خاندان میں منتقل کر دی،

عبدالملک بن مروان کی تخت نشینی!

مروان بن الحکم کے مرنے کے بعد ۶۵ھ میں جب اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا، تو حسب سابق مملکت اسلامیہ میں دو فرمانروا موجود تھے، ایک خود عبدالملک جس کا پائے تخت دمشق تھا، اور دوسرے عبداللہ بن زبیرؓ جن کا دارالخلافہ مکہ میں تھا، عبدالملک جس وقت تخت نشین ہوا، اس کی عمر ۳۹ سال تھی، اس کا شمار اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں کیا جاتا ہے، وہ اتنا بڑا عالم تھا، کہ بڑے بڑے ائمہ اس کے تبحر علمی کے معترف تھے، وہ صف اول کا عالم وفاضل ہونے کے علاوہ بہت بڑا مدبر اور ایک نہایت ہی حوصلہ مند سپاہی بھی تھا، چنانچہ افریقہ کی فتوحات میں وہ اپنی بے نظیر جنگی قابلیت کا ثبوت اپنے باپ کے عہد حکومت میں دے چکا تھا،

عبدالملک کو باپ سے ورثہ میں جو حکومت ملی تھی، وہ ایک ایسی کمزور حکومت تھی، جسے نئے سرے سے اس کے باپ نے قائم کیا تھا، اور جو ابھی مضبوط بھی نہیں ہونے پائی تھی، کہ باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا، یہ حکومت صرف کمزور ہی نہیں تھی، بلکہ طرح طرح کے خطرات سے بھی پر تھی، اس حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ تو عبداللہ بن زبیر کی ذات تھی، جو حجاز، عراق اور ایران کے باقاعدہ خلیفہ تسلیم کئے جا چکے تھے، دوسرا خطرہ شیعان علی کا تھا جو حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد سے برابر زور پکڑتے چلے جا رہے تھے، اور جن کی طاقت اب اتنی بڑھ چکی تھی، کہ ان پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا، تیسرا خطرہ خارجیوں کا تھا جنہوں نے کہ مملکت اسلامیہ میں جابجا شورشیں برپا کر رکھی تھیں، غرض عبدالملک کو جو حکومت ملی تھی، وہ ایسی کانٹوں بھری تھی، کہ اس کے لئے ایک نیند سونا بھی مشکل تھا

عبدالملک کی غیر اسلامی حرکت

عبداللہ بن زبیر کو دنیائے اسلام میں جو مذہبی بزرگی حاصل تھی، وہ عبدالملک بن مروان کیلئے بے حد تشویشناک تھی، عبداللہ بن زبیر کی دینی عظمت کا ایک بڑا سبب یہ تھا، کہ ان کا دارالخلافہ مکہ تھا، جہاں اسلامی ممالک کے باشندے برابر حج اور عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آتے رہتے تھے، اور ان کے دلوں میں عبداللہ بن زبیر کی عظمت بڑھتی چلی جا رہی تھی، عبدالملک کیلئے ابن زبیر کی سیاسی نوک کہیں زیادہ مذہبی مقبولیت پریشانی کا سبب بنی ہوئی تھی جس کا بڑا سبب خانہ کعبہ کی خدمت اور مکہ کا قیام تھا، اس کے علاوہ وہ رسول اکرم کے رشتہ دار بھی تھے، اس لئے عبدالملک نے سوچا، کہ کیوں نہ اپنی سلطنت کے حدود میں بھی ایک نیا خانہ کعبہ بنا دیا جائے، تاکہ اس نئے خانہ کعبہ کے بعد ہمیں بھی وہی دینی عظمت حاصل ہو جائے جو عبداللہ بن زبیر کو حاصل ہے چنانچہ اس مقصد کیلئے عبدالملک نے مکہ کے بالمقابل پر بیت المقدس کو دینی مرکز بنانے کی تیاریاں شروع کر دیں، تاکہ جس طرح مسلمان حج کیلئے جمع ہوتے ہیں اسی طرح بیت المقدس میں بھی جمع ہو کر حج ادا کرنے لگیں، بیت المقدس ایک ایسا پاکیزہ مقام ہے جو ہزاروں برس سے نبیوں کا مسکن رہا ہے اور جہاں بڑے بڑے اولیاء اور انبیاء مدفون ہیں، اس کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی شب معراج میں بیت المقدس ہی

سے ہوتے ہوئے آسمانوں کی سیر اور دیدارِ حق کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس لئے یہ جگہ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے بے حد قابل احترام ہے، عبدالملک کا خیال تھا، کہ اگر اس پاکیزہ مقام کو دوسرا خانہ کعبہ بنا دیا جائیگا تو مسلمان جوق در جوق یہاں حج کے لئے آنے لگیں گے، اور اس طرح ابن زبیرؓ کی جو مذہبی عظمت قائم ہو چکی ہے وہ ختم ہو جائے گی،

اس مقصد کے پیش نظر عبدالملک نے بیت المقدس کی عمارت کو خوب وسعت دی، گرجا کی اس سیڑھی کو جس پر فتح بیت المقدس کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی تھی، بیت المقدس کے احاطہ کے اندر لے کر وہاں ایک شاندار مسجد بنا دی، اور وہ تاریخی پتھر جس پر کہ حضرت یعقوب نے خواب دیکھا تھا، اور سنگ یعقوب کے نام سے مشہور تھا سے سنگ اسود کی بجائے اس مسجد میں نصب کر دیا، تاکہ لوگ اسے سنگ اسود کی طرح بوسہ دیا کریں، لیکن ان تمام کوششوں اور اہتمام کے باوجود مسلمانوں نے نہ تو بیت المقدس میں حج کرنا گوارا کیا اور نہ ہی سنگ یعقوب کو بوسہ دینا ہی پسند کیا، اس کے برخلاف تمام ملک میں عبدالملک کے اس مذموم فعل کو بدترین بدعت قرار دیا گیا، علماء سے لے کر عوام تک مشتعل ہو گئے، اور ہر طرف شدید چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں غرض یہ کہ عبدالملک کو اپنے اس مقصد میں اور دینی اختراع میں سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا،

محبان علیؓ کی بغاوت

عبدالملک بن مروان ایک طرف تو عبداللہ بن زبیرؓ کے بڑھتے ہوئے اثر اور اقتدار کی جانب سے پریشان تھا، اور دوسری جانب اس کے زمانہ میں محبان علی کا زور اتنا بڑھ گیا تھا، کہ انہوں نے باقاعدہ حکومتوں کے ساتھ جگہ جگہ ٹکر لینی شروع کر دی،

محبان علی کی تحریک یوں تو جنگ صفین کے بعد ہی سے چمک گئی تھی، لیکن امیر معاویہؓ نے کچھ تو طاقت کے بل پر اور کچھ اپنے تدبر کے ذریعہ اس تحریک کو دبا دیا تھا، اور یہ تحریک بظاہر مدہم پڑ گئی تھی، لیکن حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد یہ تحریک دن بدن چمکتی چلی گئی، یہاں تک کہ عبدالملک کے باپ مروان کے زمانہ سے یعنی ۶۵ھ میں توابین کے نام سے شیعان علی کی ایک جماعت جو چھ سات ہزار کی تعداد میں تھی، سلیمان بن صرد کی سرکردگی میں مخالفین حسین اور بنی امیہ کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئی، چنانچہ یہ لوگ حضرت امام حسینؓ کے مزار پر حاضری دینے کے بعد شام کی طرف چل دیئے، اور مروان کی حکومت سے ٹکرا گئے، بڑی سخت جنگ ہوئی، توابین یعنی شیعان علی کو شکست ہو گئی، سلیمان بن صرد اور اس کی تحریک کے تمام بڑے بڑے راہنما مارے گئے، اور ان چھ ہزار توابین میں سے بہت کم زندہ بچے،

مروان کے مرنے کے بعد اور عبدالملک بن مروان کے ابتدائی دور حکومت میں ۶۶ھ میں شیعان علیؓ کی اس تحریک نے ایک نئی کروٹ لی، اس مرتبہ اس تحریک کا داعی مختار بن عبید ثقفی تھا، یہ وہی شخص ہے جس

کے مکان میں کربلا کے حادثہ سے قبل مسلم بن عقیل نے قیام کیا تھا چنانچہ مسلم بن عقیل کو اپنے گھر ٹھہرانے کے جرم میں عبداللہ بن زیاد نے المختار کو اتنا مارا تھا، کہ ایک آنکھ اس کی پھوٹ گئی تھی، اور مدتوں قید خانہ کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔

المختار کی رہائی اور جدوجہد

حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد تک المختار بدستور قید خانہ میں رہا لیکن یزید کے دور حکومت میں جب اسے قید خانہ سے رہا کیا گیا، تو وہ سیدھا عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچ گیا، اور مکہ کے محاصرہ کی جنگ میں یزید کے خلاف بڑی بہادری کے ساتھ لڑا، المختار اگرچہ عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت کو بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا لیکن وہ مصلحتاً مکہ کی اس جنگ میں شامل ہو گیا تھا، مکہ کی جنگ کے بعد وہ پھر کوفہ جا پہنچا، اور اس نے شیعان علی کو منظم کر کے جب دشمنان اہل بیت کے خلاف ابھارنا شروع کیا، تو ابن زیاد نے اسے دوبارہ جیلخانہ میں ڈال دیا، لیکن قید ہونے کے باوجود وہ شیعان علی کو برابر انتقام کے لئے ابھارتا رہا، مروان کے مرنے کے بعد جب وہ قید سے رہا ہوا، تو مدینہ جا پہنچا،

المختار نے مدینہ پہنچ کر شیعان علی کی تحریک کا سرپرست حضرت امام زین العابدین کو بنانا چاہا، جب وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے، تو اس نے حضرت امام حسینؓ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنا لیا، اور ان سے اس تحریک کو پھیلانے کی اجازت لے کر عراق چلا آیا، تاکہ عراق میں شیعان علی کی جماعت کو نئے سرے سے منظم کرے،

المختار بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا، وہ درپردہ اگرچہ عبداللہ بن زبیرؓ کا شدید مخالف تھا لیکن بظاہر ان کا حامی اور مددگار بنا رہا، چنانچہ عراق آنے سے پہلے وہ عبداللہ بن زبیر سے بھی ملا، اور ان کو یہ فریب دیا، کہ وہ عراق اس لئے جا رہا ہے، تاکہ شیعان اہل بیت کو بنی امیہ کی حکومت کے خلاف منظم کرے۔

المختار کا عراق پر تسلط

المختار نے کوفہ پہنچنے کے بعد محمد بن حنفیہ بن علیؓ کے نام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شیعان علی کی تحریک کو خوب ترقی دی، کوفہ پہلے ہی سے شیعان علی کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس لئے ہزاروں اشخاص جوق در جوق اس تحریک میں شامل ہونے لگے، المختار کی سرگرمیاں جب زیادہ بڑھیں، تو گورنر کوفہ اور افسر پولیس کوفہ نے جو ابن زبیر کی حکومت کی جانب سے کوفہ میں متعین تھے، مزاحمت شروع کی، اور کوفہ والوں کو حکم دے دیا، کہ جو بھی المختار کی تحریک میں شامل ہوگا، اسے سخت سزا دی جائے گی،

کوفہ کے افسر پولیس ایاس بن منضر نے اس تحریک کو دبانے کے لئے چونکہ انتہائی سختی شروع کر دی تھی اس لئے شیعان علی اس کی جان کے درپے ہو گئے چنانچہ اس پولیس افسر نے جب کوفہ کے ایک مقتدر بزرگ ابراہیم بن اشتر کو شیعان علی کی حمایت پر بری طرح دھمکایا، تو انھوں نے اس دھمکی کے جواب میں سے قتل کر دیا

یا اس کے قتل ہوتے ہی کوفہ کی سرکاری مشینری حرکت میں آگئی، شیعان علی کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں، اسی دوران میں جب پولیس کی ایک جمعیت ابراہیم بن اشتر کو گرفتار کرنے آئی، تو شیعان علی نے مقابلہ پر آکر اس جمعیت کو شکست دے دی، اور اس کے بعد شیعان علی کے جم غفیر نے گورنر کوفہ ابن مطیع پر حملہ کر کے اسے بھی محاصرہ میں لے لیا، ابن مطیع جان کی امان طلب کر کے کوفہ سے فرار ہوگیا، اور کوفہ پر ۶۶ھ (۶۸۵ء) میں شیعان علیؓ کا قبضہ ہوگیا،

اس جدوجہد کے بعد المختار شیعان علی کی مدد سے پورے عراق پر قابض ہوگیا، صرف بصرہ عبداللہ بن زبیر کی حکومت میں رہ گیا، یعنی شیعان علیؓ نے عراق میں باقاعدہ اپنی حکومت قائم کر لی، عبداللہ بن زبیرؓ کو جب مکہ میں اس انقلاب کی اطلاع ملی، تو انہوں نے اس تحریک کے سرپرست محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے مکہ میں قید کر دیا، ان کے قید ہوتے ہی شیعان علیؓ کی ایک جمعیت ان کی رہائی کے لئے کوفہ سے مکہ پہنچی، اور ابن زبیر سے ایسی زبردست ٹکر لی، کہ ان کی فوج کے چھکے چھوٹ گئے، اس دوران میں شیعان علیؓ نے انتہائی جان کی بازی لگا کر محمد بن حنفیہ اور ان کے تمام ساتھیوں کو قید خانہ سے نکال کر کوفہ روانہ کر دیا، اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ شیعان علیؓ کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے،

قاتلان حسینؓ کا قتل عام

شیعان علیؓ کی تحریک کامیاب ہو چکی تھی، یہ عراق کے حکمران بن چکے تھے ان کی جمعیت اور طاقت میں کافی اضافہ ہو چکا تھا، اب یہ اس مقصد کی طرف متوجہ ہوئے جس کے لئے یہ تحریک جاری کی گئی تھی، یعنی یہ قاتلان حسینؓ سے انتقام لینے کی جانب متوجہ ہوئے ان کے جوش انتقام کا یہ عالم تھا، کہ اگر کسی کے بارے میں ان کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا تھا، کہ اس نے کسی نوعیت سے بھی قاتلان حسینؓ کی مدد کی تھی، تو یہ اس کے گھرانے کے بچہ بچہ کو قتل کر دیتے تھے، اور اس کا سارا مال اسباب لوٹ لیتے تھے،

شیعان علیؓ کا ایک بہت بڑا لشکر محض اس غرض کے لئے روانہ ہوا، تاکہ وہ ان تمام یزیدی فوج کے افسروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرے، جنہوں نے واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؓ اور آل رسول کو شہید کیا تھا، المختار خود اس لشکر کا سردار تھا، سب سے پہلے اس لشکر نے شمر ذی الجوشن شقی کو گرفتار کیا، اسے اور اس کے تمام متعلقین کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا، اس کے بعد ظالم خولی گرفتار ہوا، اس نے حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک جدا کیا تھا، المختار نے اسے زندہ جلا دیا، اور اس شقی کے گھر کو آگ لگا دی، پھر یزیدی لشکر کے سردار عمرو بن سعد کو گرفتار کیا گیا، پہلے اس کے دونوں بیٹوں کو اس کے سامنے تہ تیغ کیا گیا، اس کے بعد اسے بھی واصل جہنم کیا گیا، اور سعد کا سر کاٹ کر محمد بن حنفیہ کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا، عادی ابن حاتم جس نے حضرت

امام حسینؓ کے جسم مبارک کو حقارت سے ٹھکرایا تھا، اس مردود کو زندہ ایک درخت سے باندھ دیا گیا، اور اس پے تیر برسائے گئے، کہ اس کا سارا جسم چھلنی ہو گیا، غرضکہ المختار اور شیعان علی کے لشکر نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قاتلان حسین کو قتل کیا، اور انہیں سخت سے سخت سزائیں دیں

ابن زیاد بد نہاد کا قتل

قاتل حسینؓ ابن زیاد جو عبدالملک بن مروان کے خواہوں میں سے تھا، جب اسے دمشق میں یہ اطلاع ملی کہ المختار اور شیعان علیؓ نے ابن زبیرؓ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا ہے اور اپنی حکومت قائم کر لی ہے، اور دشمنان اہل بیت کو چن چن کر قتل کیا جا رہا ہے، تو یہ ایک بہت بڑا لشکر شام سے لے کر کوفہ کی جانب روانہ ہو گیا، ابھی یہ لشکر کوفہ پہنچنے بھی نہیں پایا تھا، کہ شیعان علیؓ کی ایک فوج ابراہیم بن اشتر کی سرکردگی میں ابن زیاد کے لشکر کے مقابلے کے لئے پہنچ گئی۔

شیعان علیؓ کی فوج کی تعداد اگرچہ ابن زیاد کے لشکر کے مقابلے میں ایک چوتھائی بھی نہیں تھی، لیکن ان میں بلا کا مذہبی جوش تھا، چنانچہ وہ حب اہل بیت میں دیوانہ ہو رہے تھے، اور بڑی سے بڑی طاقت کو ہیچ سمجھتے تھے ابن زیاد کے لشکر سے جب مقابلہ ہوا، تو ایسی دلیری سے لڑے، کہ ابن زیاد کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے، ابن زیاد مارا گیا، ابراہیم بن اشتر نے اس کی لاش کو کھدوا کر جلوا دیا، اور اس کا سر المختار کے پاس بھجوا دیا جس نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، بعض مورخوں کا کہنا ہے، کہ ابن زیاد کا سر قلم کرنے کے بعد حضرت امام زین العابدین کے ملاحظہ کے لئے مدینہ بھی بھیجا گیا تھا، قصہ مختصر یہ کہ شیعان علی نے جی کھول کر قاتلان حسین سے انتقام لیا مورخوں کا بیان ہے، کہ انتقام حسینؓ کے جوش میں المختار اور شیعان علی کے ہاتھوں پچاس ہزار سے زیادہ آدمی حضرت علی اور حضرت امام حسینؓ سے غداری کرنے کے جرم میں قتل کئے گئے تھے

مختار کا قتل اور شیعان علی کا انتشار

شیعان علی اگرچہ پورے عراق پر مسلط تھے، اور ایک بہت بڑا علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا تھا لیکن وہ دشمنان اہل بیت کے قتل اور غارت گری میں ایسے منہمک تھے، کہ زیر تسلط علاقہ میں وہ کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہ کر سکے، حالانکہ اگر وہ اس موقعہ پر سوچ سمجھ کر کام کرتے، تو بڑی آسانی کے ساتھ عراق میں ایک نہایت ہی مضبوط حکومت قائم کر سکتے تھے، لیکن المختار اور شیعان علی کے لئے بڑی دشواری یہ تھی، کہ مملکت اسلامیہ کے دونوں فرمانروا یعنی عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک بن مروان ان کے شدید مخالف تھے، عبداللہ بن زبیرؓ تو اس لئے مخالف تھے، کیونکہ المختار اور شیعان علی نے پورے عراق کو ان کے قبضہ سے نکال لیا تھا اور اس سلسلہ میں بڑی چالاکی اور دھوکے سے کام لیا گیا تھا، اور عبدالملک بن مروان کو اس لئے دشمنی تھی کہ المختار نے چن چن کر بنی امیہ کے حامیوں کو عراق میں تہ تیغ کر دیا تھا، غرضکہ مملکت اسلامیہ کی دونوں ہی بڑی

طاقتیں المختار اور شیعان علی کی شدید مخالف تھیں،

المختار سے ایک غلطی یہ بھی ہوئی، کہ اس نے عراق میں عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں کو ابھارنا شروع کر دیا اور پھر عرب و عجم کے اس مقابلہ میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ عراق میں عجمیوں کے ہاتھوں عربوں کا قتل عام شروع ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ عراق کے وہ عرب جو اس وقت تک المختار کے ساتھ تھے، وہ بھی اس کے مخالف ہو گئے، اور انہوں نے عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب بن زبیر کو جو ابھی تک بصرہ کے والی تھے المختار کے خلاف فوج کشی کی دعوت دے دی، مصعب خود اس موقعہ کے انتظار میں تھے، چنانچہ وہ فوراً ایک بہت بڑا لشکر لے کر کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے،

کوفہ کے قریب شیعان علیؓ اور مصعب کے لشکر کا شدید مقابلہ ہوا، شیعان علی اور مختار نے مصعب کی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر قوت کی کمی نے قلعہ بند ہونے پر مجبور کر دیا، مصعب کی فوج نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا، آخر جب اس محاصرے کو چار مہینے گذر گئے، تو المختار تنگ آ کر مع اپنے ساتھیوں کے قلعہ سے باہر نکلا اور بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا، مصعب نے اس کا سر کاٹ کر ابن زبیر کے پاس بھیجدیا، المختار کے مارے جانے کے بعد شیعان علی کا لشکر منتشر ہو گیا، اشتر بن مالک ابن زبیرؓ کے حامی بن گئے، اور عراق میں پھر سے ۷۱ھ (۶۹۰ء) میں عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت قائم ہو گئی، مصعب بن زبیرؓ کو بصرہ کے علاوہ کوفہ کا بھی حاکم مقرر کر دیا گیا، مصعب بن زبیر حضرت سکینہ بنت امام حسینؓ کے شوہر ہونے کی وجہ سے محبان علی اور تمام دوسرے مسلمانوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے،

عبدالملک کی پریشانیاں

عبدالملک بن مروان کی شروع ہی سے یہ کوشش تھی، کہ جس طرح بھی ہو، عبداللہ بن زبیرؓ کو ختم کیا جائے، لیکن دمشق میں کچھ ایسے حالات و واقعات رونما ہوتے رہے، کہ ابن زبیر کے خلاف کارروائی کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا، اس دوران میں جب المختار نے عراق میں قتل عام برپا کر رکھا تھا، تو عبدالملک نے ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لئے ابن زیاد کی سرکردگی میں روانہ بھی کیا تھا جسے المختار کے مقابلہ میں بری طرح شکست ہوئی، اور ابن زیاد مارا گیا،

عبدالملک ابن زیاد کے مارے جانے کے بعد عراق پر بہت بڑا حملہ کرنا چاہتا تھا، لیکن اس کے لئے دشواری یہ پیدا ہو گئی، کہ ۶۹ھ میں عبدالملک کو دانی قریب یا کے مقابلہ کے لئے جانا پڑا، یہ ابن زبیرؓ کا بہت بڑا حامی تھا، عبدالملک کے دمشق سے نکلتے ہی اس کے بھتیجے عمرو بن سعید نے دمشق کا تخت حاصل کرنے کے لئے عبدالملک کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، عمرو بن سعید عبدالملک سے اس لئے ناراض تھا کیونکہ عبدالملک کے باپ مروان نے خالد بن یزید کے بعد اسے ولیعہد نامزد کیا تھا، لیکن اس نے جب

خالد کو ولیعہدی سے برطرف کیا، تو عمرو بن سعید کو بھی ولیعہدی سے محروم کر دیا تھا،

عمرو بن سعید کا دعویٰ تھا، کہ خالد کی ولیعہدی سے برطرفی کے بعد دمشق کے تخت پہ بیٹھنے کا حقدار صرف وہی ہے، مروان نے اس کی حق تلفی کر کے ناجائز طور پر اپنے بیٹے عبدالملک کو تخت کا وارث قرار دے دیا ہے، اس دعویٰ کی بنا پر وہ عبدالملک کا شروع ہی سے مخالف تھا، چنانچہ عبدالملک نے جوں ہی دمشق سے باہر قدم نکالا، عمرو بن سعید نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبدالملک کے خلاف بغاوت برپا کر دی، عبدالملک کو جب اس بغاوت کا علم ہوا، تو وہ والی قرقیسیا سے لڑے بغیر راستہ سے ہی واپس ہو گیا، اور دونوں میں دمشق کے تخت کے لئے خونریز جنگ چھڑ گئی، آخر عبدالملک نے مصلحتاً اسے ولیعہد مان کر صلح کر لی، اور اس کے بعد دھوکہ سے اسے گرفتار کر کے قتل کرا دیا، دمشق کی اس خانہ جنگی کے دوران میں عبدالملک کے لئے ایک تازہ مصیبت یہ کھڑی ہو گئی، کہ رومی عیسائیوں نے سنہ ۷۰ھ میں شام پر یورش کر دی عبدالملک اس تازہ یورش سے گھبرا اٹھا، اور مقابلہ کی تاب نہ لا سکا، آخر مجبور ہو کر ایک بہت بڑی رقم سالانہ ادا کرنے کے وعدہ پر رومی عیسائیوں سے صلح کر لی،

عبدالملک بن مروان کو جب سلطنت کے اندرونی اور بیرونی جھگڑوں کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے پوری طاقت کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا، عبدالملک نے اس جنگ میں تلوار اور زر دونوں سے کام لیا تھا یعنی ایک طرف تو اس کی فوجیں ابن زبیرؓ کے لشکر سے نبرد آزما تھیں، دوسری جانب ابن زبیرؓ کے آدمیوں کو روپیہ دے کر توڑا جا رہا تھا، چنانچہ عراقی جو فطری طور پر غدار واقع ہوئے تھے، ان کی بہت بڑی تعداد روپیہ کے لالچ میں عبدالملک سے مل گئی، اور مصعب بن زبیر کی طاقت برابر ٹوٹتی چلی گئی، مگر مصعب بن زبیرؓ پھر بھی پوری مردانگی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ اس جنگ میں مارے گئے مصعب بن زبیرؓ کے مارے جانے کے بعد عبدالملک کا بصرہ، کوفہ اور پورے عراق پر سنہ ۷۲ھ میں قبضہ ہو گیا،

بیت اللہ کی توہین

عراق کے نکل جانے کے بعد عبداللہ بن زبیر کی طاقت ٹوٹ چکی تھی، اور عبدالملک کے لئے اب انہیں زیر کرنا دشوار نہیں تھا، چنانچہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر مکہ کی جانب روانہ کر دیا، عبداللہ بن زبیرؓ کو جب پتہ چلا، کہ شامیوں کا لشکر عظیم آ رہا ہے، تو وہ حرم میں قلعہ بند ہو گئے، حجاج نے مکہ کا محاصرہ کر کے بری طرح سنگ باری شروع کر دی، اس سنگ باری سے خانہ کعبہ کو بے حد نقصان پہنچا

عبداللہ بن زبیرؓ کئی مہینے تک بڑی دلیری سے مقابلہ کرتے رہے، لیکن دن بدن ان کی حالت نازک ہوتی چلی جا رہی تھی، ان کے پاس نہ سامان جنگ باقی رہا تھا، اور نہ ہی فوج کے کھانے پینے کا کوئی انتظام

رہا تھا ان کی فوج کے سپاہی ٹوٹ ٹوٹ کر دشمن کے لشکر کے ساتھ روپیہ کے لالچ میں ملتے جارہے تھے، یہاں تک کہ ان کے بیٹوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا، لیکن اس کے باوجود بھی عبداللہ بن زبیر بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ شامی لشکر کا مقابلہ کرتے رہے،

عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت

عبداللہ بن زبیرؓ اس جنگ کے دوران میں ایک مرتبہ پریشان ہو کر اطاعت کے لئے بھی آمادہ ہو گئے تھے لیکن آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ نے ان کو اطاعت سے روکا، اور فرمایا، کہ "اگر تم حق پر ہو تو لڑے جاؤ، یاد رکھو حق پر جان دینا دنیا کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے" چنانچہ بوڑھی ماں کی اس ہدایت کے بعد آپ ایسی بہادری کے ساتھ لڑے، کہ شامیوں کو اپنی پوری طاقت ان کے مقابلہ پر لگا دینی پڑی آپ کے ساتھ اگرچہ مٹھی بھر آدمی رہ گئے تھے مگر آپ بدستور جانبازی کے جوہر دکھاتے رہے، یہاں تک کہ آپ لڑتے لڑتے ایک گڑھے کے اندر جا پڑے، حجاج کو موقعہ مل گیا، اس نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر شہید کر دیا، اور آپ کا سر کاٹ لیا، اور اس طرح ۷۳ھ (۶۹۲ء) میں مکہ پر عبدالملک کا قبضہ ہو گیا،

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی عمر شہادت کے وقت بہتر سال کی تھی، آپ نے آٹھ برس مکہ میں خلافت کی، آپ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے آپ کی لاش کی بے حرمتی کر کے سولی پر لٹکا دیا تھا، اتفاق سے آپ کی والدہ حضرت اسماء کا ادھر سے گذر ہوا، تو آپ نے بیٹے کی لاش کو سولی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر فرمایا، کہ "ابھی یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا ہے؟"

مکہ کی فتح کے بعد حجاج بن یوسف نے مدینہ اور حجاز کے دوسرے علاقوں کو بھی اپنے دشمنوں سے صاف کرنا شروع کر دیا، اور جہاں جیسی ضرورت دیکھی، یعنی فوج کی قوت اور مال کے لالچ سے کام لے کر ۷۳ھ میں پوری مملکت اسلامیہ کو اپنے زیر علم لے لیا،

حجاج کی گورنری

عراق کی فتح کے بعد عبدالملک بن مروان نے اپنے بھائی بشیر بن مروان کو کوفہ کا عامل مقرر کر دیا تھا، اور موسیٰ بن نصیر کو اس کا مشیر بنا دیا تھا، موسیٰ بن نصیر مروان کے خاندان کا پرانا معتمد اور نہایت ہی ہوشمند مدبر تھا، جو بڑی ہوشیاری کے ساتھ کوفہ کی حکومت چلاتا رہا، اسی زمانہ میں خالد بن عبداللہ بن زیاد کو بھی بصرہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، بشیر بن مروان کو کوفہ کی حکومت سنبھالے ہوئے صرف چند ماہ ہونے تھے، کہ وہ اچانک فوت ہو گیا،

بشیر بن مروان اور موسیٰ بن نصیر کو کوفہ کی حکومت کے چلانے میں بڑی دشواریاں پیش آرہی تھیں، اس کی وجہ یہ تھی، کہ کوفہ والے فطرتاً نہایت ہی شرارت پسند واقع ہوئے تھے، ان کا یہ قاعدہ تھا، کہ جو بھی عامل

کوفہ میں مقرر کیا جاتا تھا، اسے بری طرح پریشان کرتے تھے، یہی حالت عراق کے دوسرے باشندوں کی تھی، کوفہ اور عراق کے باشندوں کی اس خود سری کو دیکھتے ہوئے عبدالملک بن مروان نے بشیر بن مروان کی موت کے بعد حجاج بن یوسف جیسے ظالم و جابر حاکم کو عراق کا گورنر مقرر کر دیا، تاکہ وہ اپنی سخت گیری اور جابرانہ طرزِ حکومت سے عراقیوں کے شورش پسندانہ جذبات کو ٹھنڈا کر دے،

چنانچہ یہی ہوا، کہ حجاج بن یوسف نے کوفہ میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی کوفہ والوں کے خلاف ایسا سخت رویہ اختیار کیا، کہ وہ اپنی سب فتنہ پردازیاں بھول گئے، بہت سے بھاگ گئے، بہت سے پھانسی پر لٹکا دیئے گئے اور باقی ماندہ لوگوں نے پرامن رہنے کے وعدہ پر رہائی حاصل کی، کوفہ کے بعد حجاج نے بصرہ کا رخ کیا، اور وہاں بھی شورش پسندوں کو بہت بری طرح جھنجوڑا، یہاں کے لوگ بھی اس کے خوف سے کانپنے لگے، لیکن اسی زمانہ میں اس نے جب بصرہ کی فوج کی تنخواہ کم کیں، تو فوج میں حجاج کے خلاف بغاوت پھیل گئی، حجاج کی طاقت کیونکہ کمزور تھی، اس لئے وہ شروع میں تو خاموش ہو گیا، لیکن جب اس کی امداد کے لئے تازہ دم فوج آ گئی، تو اس نے باغیوں کا بری طرح قتل عام کر کے ان کے اٹھارہ سرداروں کے سر عبدالملک کے پاس دمشق بھیجدیئے، غرضیکہ حجاج نے اپنی شعلہ بار تقریروں سے اور جابرانہ رویہ کے ذریعہ عراقیوں کی تمام سرکشی کو ختم کر کے رکھ دیا،

خارجیوں کی سرگرمیاں

خارجیوں کی شورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد حکومت ہی سے مملکت اسلامیہ کے لئے ایک مستقل مصیبت بنی ہوئی تھی، چنانچہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان کی شورش کا طوفان تقریباً ہر خلیفہ کے عہد حکومت میں برابر اٹھتا رہتا تھا، ان کو جب سختی سے دبایا جاتا تھا، تو یہ وقتی طور پر خاموش ہو جاتے تھے، لیکن جونہی ان کو موقعہ ملتا تھا، یہ پھر شورش پر آمادہ ہو جاتے تھے،

خارجیوں کی شورش کا سب سے بڑا مرکز اول ہی سے عراق و فارس تھے، جہاں یہ آئے دن ہنگامے برپا کرتے رہتے تھے، چنانچہ ۷۶ھ میں انہوں نے عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں پھر سے سرے سے شورش برپا کرنی شروع کر دی تھی، عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں چونکہ مہلب بن ابی صفرہ خارجیوں کی شورش دبانے پر متعین تھا، اس لئے عبدالملک نے اپنے دور میں بھی یہ کام اسی کے سپرد کر دیا، اس نے مختلف مقامات پر خارجیوں کی شورش کو بڑی قابلیت سے دبا دیا، لیکن حالت یہ تھی، کہ اگر ایک جگہ خارجیوں کی شورش کو دبایا جاتا تھا، تو دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ شورش اٹھ کھڑی ہوتی تھی،

عراق و فارس میں عبدالملک کے عمال نے جو سخت گیری کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی، اس کے خلاف آواز

بلند کرنے کے لئے جب جزیرہ کے ایک صالح بزرگ اٹھے، تو ان کے ساتھ ہزاروں آدمی شامل ہو گئے، خارجی چونکہ عبدالملک کی حکومت کے سخت مخالف تھے، اس لئے خارجیوں کا لیڈر اور سردار شبیب بھی صالح کا ہمنوا بن گیا، اور اس نے صالح کے ساتھ مل کر عبدالملک کی حکومت کے خلاف سخت ہنگامہ برپا کر دیا، صالح اور شبیب نے متحد ہو کر ایک بہت بڑی جمعیت اپنے ہم خیالوں کی پیدا کر لی تھی، اور ان کا منشا اور مقصد یہ تھا، کہ جس طرح بھی ممکن ہو عبدالملک کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے، چنانچہ عبدالملک نے جو خارجیوں کی سرگرمیوں کو بری نظر سے دیکھ رہا تھا، صالح اور شبیب کے کچلنے کے لئے عدی کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا، مگر جب یہ لشکر صالح و شبیب کے ہم نواؤں کے مقابل آیا، تو ٹھہر نہیں سکا، اور بھاگ کھڑا ہوا،

عدی کی شکست کے بعد حجاج بن یوسف نے پانچ ہزار کا ایک تازہ دم لشکر صالح اور شبیب کے مقابلہ پر حارث کی سرکردگی میں اور روانہ کر دیا، اس لشکر نے موصل کے قریب ایک دیہات میں صالح اور شبیب کو گھیر لیا، صالح اور شبیب کے ساتھ اس وقت چونکہ صرف نوے آدمی تھے، اس لئے انہیں شکست ہو گئی، صالح مارا گیا، اور شبیب بھاگ کر قریب کے ایک قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا، اور جب رات ہو گئی، تو شبیب کے مٹھی بھر جانبازنا گہاں حارث کے لشکر پر ٹوٹ پڑے، لشکر کے آدمی چونکہ سو رہے تھے، اس لئے انہوں نے سمجھا، کہ کوئی بڑا لشکر آ گیا ہے، لہٰذا وہ بدحواس ہو کر بھاگے، اور ان کا تمام سامان اور اسباب شبیب کے آدمیوں نے لوٹ لیا،

اس غیر متوقع فتح کے بعد شبیب نے اپنی طاقت خوب بڑھائی، اور امیر المومنین کا لقب اختیار کرنے کے بعد اس نے عراق میں جا بجا شورشیں برپا کرنی شروع کر دیں، اس کی طاقت کا اب یہ عالم تھا، کہ حجاج بن یوسف نے اس کے مقابلہ کے لئے جتنی بھی فوجیں بھیجیں، ان سب کو اس نے فرداً فرداً شکست دے دی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ وہ کوفہ میں بھی آن گھسا، اور اس نے کوفہ کے باشندوں کا بری طرح قتل عام کیا، اور خوب غارت گری مچانے کے بعد دوسرے علاقوں کی جانب نکل گیا، حجاج نے اس کے تعاقب میں جو فوج بھی بھیجی شبیب نے اسے پسپا کر دیا، قصہ مختصر یہ کہ حجاج بن یوسف سے شبیب کی پچاس کے قریب لڑائیاں ہوئیں، اور ان لڑائیوں میں سے تقریباً ہر لڑائی میں حجاج کے لشکر کو شبیب کے مقابلہ پر ذلت و شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اور بہت سے فوجی اور بے شمار افسر شبیب کے ہاتھوں مارے گئے،

خارجیوں کا خاتمہ اور شبیب کی موت

شبیب اور حجاج بن یوسف کی آخری لڑائی اہواز میں ہوئی تھی، اس جنگ میں بھی شبیب کی سرکردگی میں خارجی ایسی بہادری کے ساتھ لڑے تھے، کہ حجاج کے لشکر کے چھکے چھوٹ گئے تھے، رات کے وقت جب

جنگ بند ہوگئی، تو شبیب دریا عبور کرکے پل کے اوپر سے جارہا تھا، کہ اس کا گھوڑا بدکا اور مع شبیب کے دریا میں کود پڑا، شبیب نے دریا سے نکلنے کی ہر چند کوشش کی، مگر پانی بہت زیادہ تھا، اس لئے وہ ڈوب گیا، اور اس طرح خارجیوں کے اس مایہ ناز سردار کا خاتمہ ہوگیا جس نے اپنے مٹھی بھر جانثاروں کے ذریعہ عراق میں عبدالملک کی حکومت کی بنیادوں کو ہلا ڈالا، اور جس کے مقابلہ میں حجاج جیسے ظالم سپہ سالار کو ان گنت شکستیں اٹھانا پڑیں

یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے، شبیب کے ڈوبنے کے بعد اس کی لاش نکالی گئی، اور اس کا سر کاٹ کر عبدالملک کے پاس بھیجا گیا، مورخوں کا کہنا ہے، کہ شبیب کی بہادری کو حجاج بڑی تعجب کی نگاہ سے دیکھتا تھا، اور اسے فوق انسان یا جنات سمجھتا تھا، یہی وجہ تھی، کہ حجاج نے اس کا سینہ چاک کراکر دل نکلوایا، اور دیکھا، جو دوسرے دلوں کے مقابلہ میں بہت بڑا اور نہایت سخت تھا، شبیب کی موت کے بعد خارجیوں کی قوت ٹوٹ چکی تھی، چند سردار کرمان اور ازارقہ ہنگامے برپا کر رہے تھے، ان کو دبانے کے لئے حجاج نے مہلب جیسے تجربہ کار افسر کو بھیجا، جس نے ان کا بھی خاتمہ کردیا، غرضیکہ عبدالملک بن مروان کی حکومت میں کئی سال تک مسلسل خارجیوں نے بری طرح شورش برپا رکھی، جسے بڑی مشکل سے دبایا گیا، جب خارجیوں کی یہ شورش دب گئی، تو عبدالملک بیرونی فتوحات کی جانب متوجہ ہوا،

عبدالملک کی قیصر روم سے جنگ

امیر معاویہ کے زمانہ سے لے کر عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت تک چونکہ مسلمان زیادہ تر خانہ جنگیوں میں مبتلا رہے، اس لئے قسطنطین قیصر روم نے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی سے خوب فائدہ اٹھایا، جب بھی اسے موقع ملتا تھا، وہ مسلمانوں کے کسی نہ کسی مفتوحہ ملک پر قبضہ جمالیتا تھا، خاص طور پر اس نے شمالی افریقہ کے اکثر و بیشتر علاقوں کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا، حالانکہ مسلمان بار بار کئی مرتبہ شمالی افریقہ کے باغی علاقوں کو زیر کر چکے تھے،

قیصر روم کی دست درازیاں صرف اسی حد تک محدود نہیں تھیں، بلکہ اس نے مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم حکمرانوں سے باقاعدہ خراج وصول کرنا شروع کردیا تھا، مسلمانوں کی خانہ جنگی سے جو کمزوری پیدا ہوگئی تھی، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے، کہ قیصر روم امیر معاویہ کے زمانہ میں جو خراج وصول کیا کرتا تھا، اس کی مقدار صرف سو ہزار اشرفی تھی، لیکن عبدالملک بن مروان کے عہد میں یہ خراج بڑھتے بڑھتے تین لاکھ پچیس ہزار اشرفی سالانہ تک پہنچ گیا تھا، اس کے علاوہ عبدالملک کو سالانہ تین سو پینسٹھ گھوڑے بھی دینے پڑتے تھے،

عبدالملک جب تک ملک کے اندرونی جھگڑوں میں مبتلا رہا، وہ قیصر روم کو یہ خراج برابر ادا کرتا رہا، لیکن جوں ہی اسے اندرونی جھگڑوں سے نجات ملی، اس نے اس خراج کی ادائیگی سے نہ صرف انکار کر دیا، بلکہ سنہ ۶۹ھ میں ایک بڑا لشکر جہازوں کے ذریعہ بھیج کر قیصر روم کی سلطنت پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا اور سخت خونریزی کے بعد مسلمانوں نے لندکا اور بازکیم جیسے دو اہم مقامات پر قبضہ کر لیا،

مسلمانوں کی شمالی افریقہ میں جدوجہد

روم کے معرکہ کے بعد مسلمان شمالی افریقہ کی جانب متوجہ ہوئے، گذشتہ چند سال کے اندر رومیوں اور بربریوں نے مل کر تقریباً پورے شمالی افریقہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا، اور زہیر بن قیس حاکم برقہ کو ہلاک کر دیا تھا، عبدالملک کو زہیر کے قتل کا بے حد صدمہ ہوا تھا، لیکن یہ وہ زمانہ تھا، جب وہ عبداللہ بن زبیر کے خلاف جنگ میں مصروف تھا، اس لئے افریقہ کی جانب کوئی توجہ نہ کر سکا، مگر عبدالملک کو جب دوسرے جھگڑوں سے کسی قدر اطمینان ہو گیا، تو اس نے سنہ ۷۷ھ (۶۹۶ء) ابن حسین بن نعمان کو چالیس ہزار کا لشکر دے کر افریقہ کی تسخیر کے لئے روانہ کر دیا، حسین بن نعمان بڑا دلیر اور بہادر سپہ سالار تھا جس کو دور تک عبدالملک رخصت کرنے گیا تھا،

شہر کارتھیج ان دنوں رومیوں اور بربریوں کی جنگی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا، اس لئے حسین بن نعمان نے سب سے پہلے اسی شہر کا محاصرہ کیا، لیکن جب سخت محاصرہ کے باوجود بھی رومیوں نے ہتھیار نہیں ڈالے، تو سرفروش مسلمان سیڑھیاں لگا لگا کر قلعہ کی فصیل کے اندر اتر گئے، اور انتہائی دلیری سے کام لے کر شہر کارتھیج فتح کر لیا،

مگر مسلمان ابھی پوری طرح کارتھیج پر قبضہ بھی نہیں جما سکے تھے، کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا بحری لشکر قسطنطنیہ اور سسلی سے کارتھیج پہنچ گیا، اور نئے سرے سے کارتھیج کے لئے جنگ چھڑ گئی، اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، اور کارتھیج پر دوبارہ رومیوں کا قبضہ ہو گیا، لیکن چند ہی روز کے بعد جب مسلمانوں کی امداد کے لئے دمشق سے تازہ دم فوج پہنچ گئی، تو مسلمانوں نے رومیوں کو نکال کر دوبارہ اس تاریخی شہر پر قبضہ کر لیا، بعض مؤرخین نے لکھا ہے، کہ کارتھیج کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے پورے شہر کو آگ لگا دی، اور خاک کا ڈھیر بنا دیا، مگر یہ روایت غلط ہے،

ملکہ واہیہ سے معرکہ جنگ

کارتھیج کے مورچہ پر اگرچہ رومیوں کو شکست ہو چکی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی رومیوں کا زور بدستور افریقہ میں باقی تھا، مسلمانوں پر نئے سرے سے حملہ کرنے کے لئے رومیوں اور بربریوں کی بہت بڑی تعداد جبل میں جمع ہو رہی تھی، جبل کی

حکمران ملکہ واہبہ تھی، جو کاہنہ کے نام سے مشہور تھی، بربری اور رومی دونوں اس ملکہ کا پیغمبروں کی طرح احترام کرتے تھے،

مسلمانوں نے جب دیکھا، کہ رومی اور بربری ملکہ واہبہ کے گرد جمع ہو رہے ہیں، تو انہوں نے اس ملکہ کے خلاف یورش کر دی، لیکن ملکہ اور اس کے ساتھی ایسی جرأت اور بہادری کے ساتھ لڑے، کہ مسلمانوں کو اس کے مقابلہ پر راہ فرار اختیار کرنی پڑی، غرضکہ شمالی افریقہ کے بیشتر حصہ پر ملکہ واہبہ کا قبضہ ہو گیا، اس ملکہ کی رائے تھی، کہ مسلمان محض اس لئے افریقہ پر بار بار حملہ کر رہے ہیں، کیونکہ اس ملک میں بے نظیر عمارتیں ہیں، پھلوں سے لدے ہوئے باغ ہیں، بے اندازہ مال و دولت ہے، اگر ان سب چیزوں کو برباد کر دیا جائے، تو پھر مسلمان افریقہ کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے، لہٰذا اس ملکہ نے اپنے علاقہ کے شہروں کی بلند و بالا عمارتوں کو مسمار کرا دیا، باغ اور سرسبز کھیتوں کو آگ لگوا دی، اور مال و اسباب برباد کر ڈالا جس کے بعد طرابلس تک کا زرخیز اور آباد ملک ویران اور بنجر ہو گیا،

ملکہ واہبہ کی یہ غیر دانشمندانہ پالیسی مفید ہونے کی بجائے اس کے لئے الٹی مضر ثابت ہوئی، کیونکہ افریقہ کے وہ تمام باشندے جن کی جائدادوں، باغوں اور کھیتوں کو ملکہ کے حکم سے برباد کیا گیا تھا، اس عظیم نقصان کو کب برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ سب ہی ملکہ کے مخالف ہو گئے، لہٰذا مسلمان جب دوبارہ حملہ آور ہوئے، تو اس علاقہ کے باشندوں نے ان کی آمد کو فال نیک سمجھتے ہوئے، ملکہ کا ساتھ چھوڑ دیا، اور ملکہ کو شکست ہو گئی ملکہ کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کر دیا گیا، اور اس طرح افریقہ کے بیشتر علاقہ پر حسین بن نعمان کا قبضہ ہو گیا،

اس عظیم الشان فتح کے بعد حسین بن نعمان بے اندازہ مال غنیمت، اور ملکہ واہبہ کا سر لے کر عبدالملک کے پاس پہنچا، عبدالملک نے خوش ہو کر بارقہ کی حکومت کا پروانہ بھی حسین بن نعمان کو عطا کر دیا،

شمالی افریقہ کی مکمل فتح

حسین بن نعمان کو جس زمانہ میں کہ افریقہ میں یہ شاندار فتوحات حاصل ہو رہی تھیں، عبدالملک کا بھائی عبدالعزیز بن مروان اسی زمانہ میں مصر کا گورنر تھا، اور صوبہ بارقہ کو وہ اپنی حکومت کا جزو خیال کرتا تھا، چنانچہ اس نے صوبہ بارقہ میں اپنی جانب سے ایک نائب بھی مقرر کر رکھا تھا، جب اسے یہ معلوم ہوا، کہ حسین بن نعمان بالا ہی بالا دمشق جا کر بارقہ کا پروانہ حکومت لے آیا ہے، تو اسے حسین بن نعمان سے سخت ناگواری پیدا ہوئی، اور اس نے ذاتی اختیارات سے کام لے کر اسے صرف بارقہ کی حکومت سے محروم کر دیا، بلکہ افریقہ کے دوسرے علاقوں کی حکومت بھی اس سے چھین لی، عبدالعزیز بن مروان کے اس غیر منصفانہ طرز عمل سے نعمان کو اتنا صدمہ ہوا، کہ وہ اسی صدمہ سے مر گیا،

حسین بن نعمان کی معزولی کے بعد عبدالعزیز بن مروان نے موسیٰ بن نصیر کو شمالی افریقہ کا عامل مقرر کر دیا

موسیٰ بن نصیر اس سے قبل عراق میں بشیر بن مروان کے مشیر کی خدمات انجام دیتا رہا تھا، لیکن جب عراق کی حکومت حجاج کے ہاتھ میں آئی، تو اس نے موسیٰ بن نصیر پر بیت المال کی رقم کے غبن کا الزام لگا کر عراق سے نکال دیا تھا، عراق سے بھاگ کر جب یہ دمشق پہنچا، تو عبدالملک نے بھی اس کو معاف نہیں کیا، اور غبن کے الزام میں ۱۰۰ ہزار اشرفی کا جرمانہ کر دیا، عبدالعزیز بن مروان اتفاق سے اسی زمانہ میں مصر سے دمشق آیا ہوا تھا، یہ موسیٰ بن نصیر پر بہت مہربان تھا، اس نے اپنی جیب خاص سے یہ جرمانہ ادا کر دیا، اور موسیٰ بن نصیر کو اپنے ہمراہ مصر لے گیا،

موسیٰ بن نصیر کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی، یہ بہت بڑا مدبر اور سپہ سالار تھا، افریقہ کی حکومت ہاتھ میں آنے کے ساتھ ہی اس نے نئی نئی فتوحات حاصل کرنی شروع کر دیں، اس نے طرابلس، ٹیونس، الجیریا اور مراکش کے علاقے ایک ایک کر کے فتح کر لئے اور ۸۹ھ (۷۰۸ء) میں وہاں نہایت ہی مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی، اور اس طرح پورے شمالی افریقہ پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا، افریقہ کی فتح میں مسلمانوں کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، یہ ملک کئی مرتبہ فتح ہوا، اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل نکل گیا، آخر موسیٰ بن نصیر کی کوششوں سے اس ملک پر مسلمانوں کو کامل تسلط حاصل ہو گیا،

موسیٰ بن نصیر کی ہوشمندی

موسیٰ بن نصیر بڑا ہی فطرت شناس افسر تھا، شمالی افریقہ کی فتح کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا، کہ یہاں کی ان تمام شورہ پشت قوموں کو اپنے ساتھ ملا لیا، جو شمالی افریقہ میں برابر فتنے برپا کرتی رہتی تھیں، چنانچہ بربری قوم اور مور قوم جو سب سے زیادہ بہادر اور فتنہ پرداز قومیں تھیں، موسیٰ بن نصیر نے ان دونوں کو اپنا معاون اور مددگار بنا لیا،

موسیٰ بن نصیر کے تدبر اور ہوشمندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ اس نے اپنی فوج کو کسی خاص نسل اور مذہب تک محدود نہیں رکھا، بلکہ مسلمان، عیسائی، یہودی، ستارہ پرست اور بت پرست سب ہی اس کی فوج میں شامل تھے، غرضکہ افریقہ کی جملہ اقوام اور مذاہب کے باشندوں کو موسیٰ بن نصیر نے فوج میں بھرتی کر کے اپنی فوجی طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا، موسیٰ بن نصیر کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے، کہ اس نے ٹیونس میں ایک بہت بڑی بندرگاہ بنائی تھی، اور اس بندرگاہ میں جہاز سازی کا ایک بہت بڑا کارخانہ قائم کیا تھا، جہاں بڑے بڑے عظیم الشان جہاز اور کشتیاں تیار ہوتی تھیں،

موسیٰ بن نصیر نے اپنے اسی کارخانہ کے تیار شدہ جہازوں اور کشتیوں کے ذریعہ ۸۵ھ (۷۰۴ء) میں جزیرہ سارڈینیا اور سسلی پر ایک بہت بڑے لشکر سے حملہ کیا تھا، جزیرہ سسلی کی رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئی تھی، جس کے بعد اسلامی لشکر نے جزیرہ سسلی سے بے انتہا مال غنیمت حاصل کیا، اور

پھر تیونس کی بندرگاہ میں واپس آگیا

حجاج کے خلاف بغاوت

عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں سیستان کا حاکم باغی ہو گیا تھا، عبداللہ بن زبیر اور پھر عبدالملک نے اس کو زیر کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکامی ہوئی،

آخر حجاج بن یوسف نے ۸۰ھ میں ایک لائق افسر ابن اشعث کی سرکردگی میں والئی سیستان کو زیر کرنے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر روانہ کیا، ابن اشعث نہایت ہی ہوشمند سپہ سالار تھا، اس نے مختصر سے عرصہ میں سیستان کا بیشتر علاقہ فتح کر لیا، مگر باقی حصہ کی فتح کو اس نے کسی خاص مقصد اور دور اندیشی کے تحت ملتوی کر دیا

حجاج کو جب پتہ چلا، کہ ابن اشعث نے پیش قدمی موقوف کر دی ہے، تو اس نے ابن اشعث کو ایک نہایت ہی سخت خط لکھا جس میں کہ اس پر آرام طلبی کا الزام لگایا گیا تھا، ابن اشعث جو پہلے ہی حجاج کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا تھا، سخت مشتعل ہو گیا، اور اس نے فوراً سیستان کے حکمران سے صلح کر لی، اور پھر دونوں نے مل کر حجاج کے خلاف بغاوت کر دی،

حجاج کے جابرانہ رویہ سے چونکہ سب ہی نالاں تھے، اس لئے علاوہ اس لشکر کے جو ابن اشعث کے ہمراہ تھا، ہزاروں آدمی اس کے ساتھ اس بغاوت میں شامل ہو گئے، اور ابن اشعث کے ساتھیوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی،

ابن اشعث اپنی جمعیت کو لے کر عراق کی جانب پلٹ پڑا، اس نے عراق کے اکثر حصوں پر قبضہ کر لیا، یہاں تک کہ کوفہ اور بصرہ پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا، حجاج کو تقریباً ہر موقع پر اس کے مقابلہ میں شکست ہوئی، لیکن ۸۳ھ میں جب کہ اشعث کی طاقت گھٹ گئی تھی، اشعث کو کوفہ کے قریب شکست ہو گئی، اور وہ بصرہ چلا گیا، حجاج نے کوفہ میں دوبارہ داخل ہو کر بری طرح قتل عام کیا، کوفہ کے بعد حجاج بصرہ کی جانب متوجہ ہوا، اور یہاں بھی اشعث اور حجاج کے درمیان بڑی خونریز جنگ ہوئی، اس جنگ میں اشعث شکست کھا کر سیستان بھاگ گیا

حجاج بن یوسف نے اشعث کے فتنہ کو دبانے کے لئے یہ چال چلی، کہ اس نے سات برس کا خراج معاف کرنے کی پیشکش کر کے سیستان کے والی رتبیل سے صلح کر لی، رتبیل نے صلح کے بعد ابن اشعث کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس روانہ کر دیا، ابن اشعث جو حجاج کے ہاتھ کسی طرح پڑنا نہیں چاہتا تھا، راستہ ہی میں خودکشی کی موت مر گیا، درحقیقت ابن اشعث بڑے عزم و ارادے کا آدمی تھا، اور چاہتا تھا، کہ ایک مرتبہ عراق کا خود مختار بادشاہ بن جاؤں، مگر رتبیل کی غداری نے اس کی یہ آرزو پوری نہ ہونے دی، یہ ۸۵ھ کا

واقعہ ہے،

عبدالملک کی عبرتناک موت

۸۵ھ میں جب کہ سیستان کا معرکہ درپیش تھا، عبدالملک بن مروان استسقاء کے مرض میں بری طرح مبتلا تھا، اس کی حالت یہ تھی، کہ وہ رات دن پانی پیتا تھا، مگر اس کے پیٹ کی آگ کسی طرح نہ بجھتی تھی، اطباء نے اسے پانی دینے کی قطعی ممانعت کر دی تھی، لیکن وہ پھر بھی پانی پینے سے باز نہیں آیا، اور اسی مرض میں سال سوا سال مبتلا رہنے کے بعد ساٹھ سال کی عمر میں ۸۶ھ (۷۰۵ء) میں تقریباً ۲۰ سال حکومت کرنے کے مرگیا،

عبدالملک نے اپنے باپ مروان کی طرح اپنی زندگی میں دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو یکے بعد دیگرے ولیعہدی کے لئے نامزد کرکے ان کے لئے بیعت لے لی تھی، چنانچہ عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید بن عبدالملک دمشق کے تخت پر بیٹھا،

عبدالملک کے عہد کے چند قابل ذکر واقعات

عبدالملک امیر معاویہؓ کے بعد خاندان بنی امیہ کا دوسرا قابل ذکر بادشاہ ہے جس نے کہ بنی امیہ کے اس قصر حکومت کو جس کی بنیادیں یزید کے بعد ہل گئی تھیں، از سر نو تعمیر کیا، اس بادشاہ نے بڑے استقلال اور ہمت سے کام لیتے ہوئے نہ صرف اپنے سب سے بڑے مخالف عبداللہ بن زبیر کو شکست دے دی، بلکہ ان فتنہ پرداز عناصر کو بھی بڑی قابلیت اور جرأت کے ساتھ کچل ڈالا جنہوں نے کہ اس کی حکومت میں بری طرح بغاوت پھیلا رکھی تھی،

عبدالملک کے زمانہ کی فتوحات پر تو ہم روشنی ڈال ہی چکے ہیں، لیکن اس کے زمانہ کی اصلاحات اور ترقیات پر کچھ نہیں لکھا گیا ہے، اس لئے ہم ان پر بھی ہلکی سی سے روشنی ڈالدینا نہایت ہی ضروری سمجھتے ہیں، اس سے قبل یہ بتایا جا چکا ہے، کہ حجاج بن یوسف نے جب کہ سنگباری کی تھی، تو اس سے خانہ کعبہ کو شدید نقصان پہنچ گیا تھا، عبدالملک نے اس تمام نقصان کی تلافی کرتے ہوئے، خانہ کعبہ کی مرمت کرادی تھی،

عبدالملک کے عہد حکومت سے قبل اموی خلفاء کے دور میں حکومت کی دفتری زبان عربی کے بجائے فارسی بن گئی تھی، عبدالملک نے دوبارہ عربی کو سرکاری زبان قرار دے دیا جس سے عربی زبان کو خوب ترقی حاصل ہوئی، اسلامی سکہ سب سے پہلے اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں رائج ہوا، ورنہ اس سے قبل مسلمانوں کا کوئی اپنا سکہ نہ تھا، رومی، ایرانی اور قبطی سکوں سے کام چلایا جاتا تھا، اس کے علاوہ اس بادشاہ کے دور حکومت میں کئی نئے شہر بھی بسائے گئے، اور رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیے گئے، قاہرہ کی مسجد کو وسیع پیمانہ پر خوبصورت تعمیر کیا، اور اس کے ستونوں پر مرصع کام کرایا، نیز مسجد کے ارد گرد بہت سے مکان تعمیر کرائے، جن

ہیں مسافروں کے قیام کا اچھا انتظام تھا۔

عبدالملک نے جو سکے جاری کئے ان پر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اور سورہ اخلاص اور یہ آیت لکھی ہوئی تھی، محمد رسول اللہ۔ ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔

ولید بن عبدالملک کی تخت نشینی

عبدالملک کے نامزد کردہ بیٹوں میں سے بڑا لڑکا ولید اپنے باپ کی جگہ سنہ ۸۶ھ میں دمشق کے تخت پر بیٹھا، ولید اگرچہ معمولی پڑھا لکھا تھا، مگر فوجی و سیاسی معاملات میں اچھا تجربہ رکھتا تھا، ولید نے ایسے کارنامے انجام دیئے، کہ لوگوں کے دماغوں سے پچھلی پریشانی اور ابتری کا احساس دور ہوگیا، اور لوگ اس کے زمانہ کی شاندار فتوحات کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کا زمانہ یاد کرنے لگے،

ولید کی خوش قسمتی سے ایک تو اسے ایسا زمانہ مل گیا تھا جب کہ مملکت اسلامیہ اندرونی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں سے بالکل پاک ہوچکی تھی دوسرے اسے نصف درجن سے بھی زیادہ ایسے لائق سپہ سالار حاصل ہوگئے تھے، جن میں سے ہر ایک اپنے زمانہ کا دوسرا خالد بن ولید ثابت ہوا،

عظیم الشان فتوحات

ولید بن عبدالملک کے زمانہ کی فتوحات پر جب غور کیا جاتا ہے، تو انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے، اور قرون اولی کے مسلمانوں کی غیر معمولی جرأت اور حوصلہ مندی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اس بادشاہ کے عہد حکومت کی فتوحات کا یہ عالم تھا، کہ ولید کے بھائی مسلم بن عبدالملک نے رومی حکومت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا، مسلمہ کا بیٹا قتیبہ ترکستان کو فتح کرتا ہوا چین میں جا گھسا تھا، اور خاقان چین کو اطاعت کے لئے مجبور کر دیا تھا، اسی زمانہ میں موسیٰ بن نصیر اور طارق نے اسپین، پرتگال اور جنوبی فرانس فتح کر کے تمام یورپین ممالک کو لرزہ براندام کر دیا تھا،

ادھر محمد بن قاسم نے جو حجاج کا نائب تھا، ایسی جرأت اور بہادری سے کام لیا، کہ جب ہندوستان کی طرف رخ کیا، تو ایک ہی حملہ میں سندھ کا بیشتر حصہ فتح کر لیا، گویا مجاہدین نے چار پانچ سال کے اندر کرۂ ارض کے نصف سے بھی زیادہ حصہ پر قبضہ جما لیا تھا، حقیقت یہ ہے، کہ یہ ایسی شاندار فتوحات ہیں، جن کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، ذیل میں ہم ان عظیم الشان فتوحات کا اجمالی نقشہ پیش کرتے ہیں،

روم و قسطنطنیہ پر چڑھائی

عبدالملک نے اپنے دور حکومت میں بہت کچھ جنگی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں مگر ولید نے تخت نشین ہونے کے بعد ان کوششوں کو اور بھی تیز کر دیا، چنانچہ سنہ ۸۷ھ (۷۰۶ء) میں ولید کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے مصیصہ کے علاقہ پر حملہ کر کے بہت سے قلعے فتح کر لئے، اور جزیرہ کے راستہ سے فوج کشی کر کے طیانہ کو محاصرہ میں لے لیا، طیانہ نہایت ہی مستحکم شہر تھا

جس میں قیصر کی بے اندازہ فوج موجود تھی لیکن مسلمانوں نے ایسی سختی کے ساتھ محاصرہ کیا، کہ رسد کا ایک دانہ بھی اس شہر میں نہ پہنچ سکا، آخر رومیوں کی امداد کے لئے جب قیصر کا تازہ دم لشکر آگیا، تو رومی قلعہ سے نکل کر لڑے اور ان کو مسلمانوں کے مقابلہ میں بری طرح سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اس کے بعد مسلمانوں نے سوریہ اور آرمینیا پر حملہ کر کے اسے مطیع کر لیا، اور شہر ادنی نسیا کو بھی محاصرہ کے بعد فتح کر لیا، پھر مسلمانوں نے گیشیا کی جانب پیش قدمی کر کے اسے بھی اپنے قبضہ میں لے لیا، یہاں تک کہ قسطنطنیہ کا بھی مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا، اس محاصرہ میں رومی عیسائیوں کو سخت نقصان پہنچا، اور انہوں نے دب کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لی،

جس زمانہ میں کہ اسلامی لشکر قیصر روم سے برسر پیکار تھا، اسی زمانہ میں ولید بن عبدالملک کا لائق جرنل موسیٰ بن نصیر مراکش کے ان باقی علاقوں کو فتح کرنے میں مصروف تھا، جو عبدالملک کے عہد حکومت میں فتح ہونے سے باقی رہ گئے تھے، اس کے علاوہ ولید کے ابتدائی دور حکومت میں اسلامی لشکر نے بحر روم کے کئی اہم جزیروں پر بھی حملہ کیا، اور بعض جگہ قبضہ کر لیا،

روسی ترکستان پر مسلمانوں کی یلغار

روسی ترکستان کا وہ علاقہ جو ایران اور چین کے درمیان واقع ہے ہمیشہ سے جنگ جو اقوام کا مرکز بنا ہوا تھا، چنانچہ مسلمانوں نے اس سے قبل ترکستان کے علاقوں کو فتح کیا تھا، تو ان علاقوں کی جنگ جو اقوام کی شدید مزاحمت کی وجہ سے سخت دشواریاں پیش آئی تھیں، یہ علاقے اگرچہ مکمل طور پر فتح تو نہیں ہو سکے تھے، مگر کچھ عرصہ تک مسلمانوں کو سالانہ خراج ادا کرتے رہے، لیکن جب انہوں نے دیکھا، کہ مسلمان خانہ جنگی میں مبتلا ہیں، تو پھر انہوں نے سالانہ خراج بھی بند کر دیا، اور خود مختار بن گئے،

ولید بن عبدالملک جب تخت پر بیٹھا، تو اس نے حجاج بن یوسف کو تمام شرقی ممالک کا وائسرائے مقرر کر کے ترکستان کے ان علاقوں کی فتح کی جانب توجہ دلائی، جو باغی بنتے چلے جا رہے تھے حجاج بن یوسف نے فوراً ولید کے بھتیجے قتیبہ بن مسلم کو خراسان کی حکومت سپرد کر کے اسے ان تمام باغی علاقوں کو فتح کرنے پر متعین کر دیا جو مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے تھے،

قتیبہ بڑا ہی ہوشمند حکمران تھا، اس نے پہلے تو جاسوسوں کے ذریعہ پورے روسی ترکستان کے نقشے تیار کرا لئے، پھر ان نقشوں کی مدد سے جب وہ ایک لشکر عظیم لے کر ترکستان کے علاقہ میں بڑھا، تو شہر پر شہر اور علاقوں پر علاقے فتح کرتا چلا گیا، چنانچہ اس نے ۸۷ھ میں اپنے پہلے ہی حملہ میں صغانیاں، شومان اور کنیان کے حکمرانوں کو زیر کر لیا، اس کے بعد فرغانہ، نسف اور خشک پر قبضہ جمایا، پھر ایک بڑے معرکے کے بعد بخارا سے متصل شہر بکند کو بھی زیر کر لیا، اور ان تمام علاقوں کو مملکت اسلامیہ میں شامل کر لیا،

بخارا کا حاکم مسلمانوں کو سالانہ خراج ادا کیا کرتا تھا، مگر اس نے بھی مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی ادائیگی بند کر دی، اور خود مختار بن گیا، قتیبہ نے ۸۸ھ میں جب اس پر فوج کشی کی، تو اس نے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی، اسی سال بادغیس کے فرمانروا نے روسی ترکستان کے بہت سے حکمرانوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، اور طخارستان سے مسلمان حاکم کو نکال دیا، لیکن قتیبہ نے جب ان کے خلاف یورش کی، تو یہ مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے، اور اس کے بعد طخارستان، طالقان، فاریاب اور جوزجان کے علاقے ایک ایک کر کے فتح کر لئے اور بادغیس کے فرمانروا تیزک تبزک کو قتل کر دیا گیا

غرض کہ ۹۲ھ تک قتیبہ نے روسی ترکستان کے بیشتر علاقہ پر قبضہ کر لیا، ۹۳ھ میں مسلمانوں نے خان خوارزم پر چڑھائی کر دی، یہ بڑا سرکش اور طاقتور تھا، مگر مسلمانوں نے اس ڈھب سے حملہ کیا، کہ اس کو لڑنے کی جرأت نہ ہو سکی، اور بغیر جنگ کئے ہی اطاعت قبول کر لی،

سمرقند والوں سے صلح کے بعد مسلمانوں کے دوستانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے، لیکن جب ترکستان کی حکومتوں سے مسلمانوں کی جنگ چھڑی، تو سمرقند والے بھی ترکستان کی حکومتوں سے مل گئے، اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا، کہ وہ سمرقند والوں کو ان کی بد عہدی کی سزا دیں، لہذا خان خوارزم کے اطاعت قبول کرنے کے بعد قتیبہ نے سمرقند پر فوج کشی کر دی، سمرقند کے حکام نے ترکستان کی دوسری حکومتوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور پھر پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گیا، مسلمان بھی خوب دل کھول کر لڑے، بڑی خوفناک جنگ ہوئی، اور آخر سمرقند والوں کو ہتھیار ڈالنا پڑے۔

اہل سمرقند بت پرست تھے، ان کا عقیدہ تھا، کہ ان کے دیوتاؤں کو جو مسلمان بھی ہاتھ لگائے گا، وہ ہلاک ہو جائے گا، قتیبہ نے ان کی اس توہم پرستی کو ختم کرنے کے لئے ان کے بتوں کو نذر آتش کر دیا، جب انہوں نے دیکھا، کہ بتوں کو ضائع کرنے کے باوجود مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، تو ان کا عقیدہ بتوں سے اٹھ گیا، اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے

الغرض قتیبہ نے مختصر سے عرصہ میں ۹۰ھ تک پورے روسی ترکستان کو فتح کرنے کے بعد اسے مملکت اسلامیہ کا ماتحت علاقہ بنا دیا، روسی ترکستان کی فتح کے دوران ہی میں قتیبہ نے یہاں مختلف شہروں میں کئی مسجدیں بھی تعمیر کرائی تھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور اور شاندار سمرقند کی جامع مسجد ہے،

چین کی اطاعت اور تبلیغ اسلام

روسی ترکستان کو فتح کرنے کے بعد قتیبہ بن مسلمہ نے چین کی فتح کی تیاریاں شروع کر دیں، چنانچہ ۹۶ھ میں ایک بہت بڑا اسلامی لشکر کاشغر فتح کرتا ہوا چین کے علاقہ کے اندر داخل ہو گیا،

مسلمانوں نے روسی ترکستان میں جو عظیم الشان فتوحات حاصل کی تھیں، ان سے خاقان چین بخوبی واقف تھا اسے پہلے ہی سے اس بات کا اندیشہ تھا، کہ کہیں مسلمان روسی ترکستان کے بعد چین کی جانب پیش قدمی نہ شروع کردیں، چنانچہ یہی ہوا، کہ اسلامی لشکر بڑی بے جگری کے ساتھ چین میں گھستا چلا گیا، خاقان نے جب یہ صورت دیکھی، تو فوراً قاصد کو بھیج کر مسلمانوں کے نمائندوں کو طلب کیا، اور ان سے صلح کی بات چیت شروع کردی خاقان چین نے پہلے تو اس بات کی کوشش کی، کہ وہ چینی افواج کی کثرت سے مسلمانوں کو خوفزدہ کر کے مسلمانوں کو واپس جانے پر مجبور کردے لیکن جب اسے اندازہ ہوا، کہ مسلمان دبنے والے نہیں ہیں، تو اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی، اور جزیہ کی ایک بہت بڑی رقم دے کر مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلی، اس کے بعد خاقان چین اور اس کے جانشین زمانہ دراز تک مسلمانوں کے مطیع رہے، اور باقاعدہ خراج ادا کرتے رہے،

خاقان چین کے مطیع ہوتے ہی مسلم مبلغین نے چین جا کر نہایت وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام کی مہم شروع کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ چین کے لاکھوں باشندوں نے اسلام قبول کرلیا، اور بعد کو چین میں مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی،

طارق بن زیاد کا غیر فانی کارنامہ

جس زمانہ میں کہ قتیبہ بن مسلم کو روسی ترکستان میں شاندار فتوحات حاصل ہو رہی تھیں، اسی زمانہ میں افریقیہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر نے ولید بن عبدالملک سے اجازت لے کر ۹۲ھ میں اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد حاکم طنجہ کو اسپین و پرتگال کی فتح کے لئے ایک مختصر سے بحری لشکر کے ساتھ اسپین روانہ کردیا تھا،

اسپین تمدن اور ثروت کے اعتبار سے یورپ کا ممتاز ترین ملک شمار کیا جاتا تھا، اسپین کی عیسائی سلطنت کو براعظم یورپ میں سلطنت روما کے بعد دوسرا درجہ حاصل تھا، ساتویں صدی کے آخر تک تو اس ملک پر گاتھ خاندان کے حکمران بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرتے رہے، لیکن گاتھ خاندان کے آخری بادشاہ دٹیزا نے جب پادریوں کے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش کی، تو پادری جو حکومت پر پوری طرح حاوی تھے، اس بادشاہ کے دشمن ہو گئے، اور انہوں نے بادشاہ دٹیزا پر یہود نوازی کا الزام لگا کر آٹھویں صدی کے ابتداء میں اسے معزول کردیا، اور اس کی بجائے ایک فوجی سردار لرزیق کو جو شاہی خاندان سے بھی نہیں تھا تخت نشین کردیا، اس طرح آٹھویں صدی کے شروع میں مشہور گاتھ خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اسپین پر لرزیق کی حکومت قائم ہو گئی،

اسپین پر حملہ کی وجہ

لرزیق ایک آزمودہ کار اور ستر سال کا نہایت تجربہ کار سردار تھا، اس نے پادریوں کی مدد سے تخت نشین ہونے کے بعد مختصر سی مدت میں سارے ملک پر پوری طرح اقتدار قائم کرلیا، یہ سردار لائق ضرور تھا، لیکن بوڑھا ہونے کے باوجود بلا کا عیاش تھا، چنانچہ اس نے اپنی عیاشی

فطرت کی بنا پر جب سابق شاہ اسپین وٹیزا کی نواسی اور یونانی سردار کاؤنٹ جولین کی حسین وجمیل کنواری بیٹی، فلورنڈا کی بالجبر عصمت دری کی، تو کاؤنٹ جولین شاہ لرزیق کا دشمن بن گیا، اور اس نے لرزیق سے انتقام لینے کے لئے افریقہ کے اسلامی گورنر کو اسپین پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کر دیا، چنانچہ کاؤنٹ جولین ہی کی دعوت پر موسیٰ بن نصیر گورنر افریقہ نے طارق بن زیاد کو اسپین پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔

طارق بن زیاد سات ہزار اسلامی فوج کو چار جنگی جہازوں میں سوار کر کے جبل الطارق کے پار اندلس کے جنوبی کنارے پر جا اترا، طارق جس فوج کے ذریعہ اسپین پر حملہ آور ہوا تھا، اس میں زیادہ تر بربری نومسلم تھے، اس زمانہ کے اسلامی جہازوں کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ طارق کا سات ہزار کا پورا لشکر صرف چار جہازوں میں آگیا تھا

طارق نے اسپین کے ساحل پر اترنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا، کہ جن جہازوں میں اسلامی لشکر آیا تھا، ان کو سمندر میں غرق کر دیا، تاکہ کوئی سپاہی میدان جنگ سے بھاگنے یا واپس جانے کا تصور ہی نہ کر سکے، یہ تھا وہ جذبہ ایمان جسے لے کر مسلمان اسپین میں داخل ہوئے تھے، گویا وہ صرف ایک ہی بات جانتے تھے "فتح یا موت" چنانچہ اسی لئے انہوں نے اسپین کی سرزمین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی جہازوں کو برباد کر دیا تھا، اور اس طرح انہوں نے اہل اسپین پر یہ ثابت کر دیا تھا، کہ مسلمان موت سے کھیلنے ہی کو زندگی سمجھتا ہے،

شاہ اسپین لرزیق کو جب معلوم ہوا، کہ مسلمانوں کی ایک مختصر سی فوج اسپین کے ساحل پر اتر گئی ہے، تو وہ ایک لاکھ کا لشکر عظیم لے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آگیا، اسی دوران میں، افریقہ سے مزید پانچ ہزار فوج بھی طارق کی مدد کے لئے پہنچ گئی، اور اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی،

دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی، اسپینی اور اسلامی لشکر میں زمین و آسمان کا فرق تھا، ایک طرف تو اسپینی عیسائیوں کا ایک لاکھ کا لشکر جرار تھا جو بہترین آلات حرب سے آراستہ تھا، اور چونکہ اپنے ہی وطن میں لڑ رہا تھا، اس لئے رسد و کمک کی تمام سہولتیں حاصل تھیں، اور دوسری جانب پردیسی مسلمانوں کی بارہ ہزار کی مختصر سی فوج تھی جن کی حالت یہ تھی، کہ نہ تو سامان حرب ہی سے آراستہ تھے، اور نہ ہی کھانے پینے کے سامان کی فراوانی تھی، تمام اسلامی فوج پیدل تھی، اور پوری فوج میں ایک بھی گھوڑا نہیں تھا،

دنیا کی تاریخ کا یہ عظیم الشان واقعہ ہے، کہ بارہ ہزار کی اس چھوٹی سی اسلامی فوج نے عیسائیوں کے ایک لاکھ کے اس لشکر جرار کو ایسی شکست دی، کہ پھر عیسائی اسپین میں کہیں بھی مسلمانوں کے سامنے جم کر نہ لڑ سکے اور وہی مسلمان جن کے پاس اس جنگ سے قبل ایک بھی گھوڑا نہ تھا، اس جنگ کے بعد سب کے پاس گھوڑے،

ہو گئے، اور بے اندازہ سامان جنگ ہاتھ آیا، شاہ لزریق شکست کھانے کے بعد ایسا لاپتہ ہوا، کہ آج تک کسی کو علم نہیں، کہ اس کا انجام کیا ہوا، صرف اس کا گھوڑا اور موزہ دریا کے کنارے ملا تھا جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اس نے دریا میں ڈوب کر خودکشی کر لی،

اسپین اور پرتگال میں زبردست فتح

اسپین کا باغی سردار کاؤنٹ جولین جو اس جنگ میں طارق کے ساتھ تھا، اس نے اس فتح کے بعد مشورہ دیا، کہ فوراً دارالسلطنت طلیطلہ اور اس کے قرب و جوار کے شہروں پر حملہ کر دیا جائے، چنانچہ طارق نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسپین کے مختلف صوبوں میں چھوٹی چھوٹی فوجیں روانہ کر دیں، جنہوں نے ایک ہی وقت میں اسپین کے مختلف علاقوں کو فتح کرنا شروع کر دیا، سب سے پہلے قرطبہ فتح ہوا، جو پایہ تخت طلیطلہ کے بعد دوسرا صوبہ تھا، اس کے بعد صوبہ تدمیر نے اطاعت قبول کی، پھر طارق نے پوری طاقت کے ساتھ اسپین کے پایہ تخت طلیطلہ پر دھاوا بول دیا، اس جگہ کافی عیسائی فوج اور ان کے سردار موجود تھے، عیسائیوں نے جنگ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی مسلمان بھی جوش شجاعت کے وہ جوہر دکھا رہے تھے، جو اس سے قبل اسپین کے کسی میدان میں نہیں دیکھے گئے، آخر بڑی خونریزی کے بعد مسلمانوں نے طلیطلہ پر قبضہ کر لیا، اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ دولت ہاتھ آئی اس میں اسپین کے سابق بادشاہوں کے جواہرات سے مرصع چوبیس تاج بھی شامل تھے،

طلیطلہ کی فتح کے فوراً ہی بعد افریقہ کا گورنر موسیٰ بن نصیر ایک بڑا لشکر لے کر خود بھی اسپین میں پہنچ گیا، بس پھر کیا تھا، ملک کے ایک حصہ کی فتح کا کام تو طارق نے اپنے ذمہ لیا، اور دوسرے حصہ پر موسیٰ بن نصیر نے قبضہ جمانا شروع کیا، یہاں تک کہ ان دونوں لائق سپہ سالاروں نے تقریباً ہر مورچہ پر عیسائیوں کی فوجوں کو شکست دے کر قرمونہ، اشبیلہ، بطلیوس، لارقہ، بلنسیہ، برشلونہ اور ایک ایک کر کے تمام صوبے اور شہر فتح کر لئے، غرض کہ سارے اسپین اور پرتگال پر ۹۲ھ میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، صرف اسپین کا شمالی پہاڑی علاقہ عیسائیوں کے پاس رہ گیا

اسپین چونکہ یورپ کا سب سے خوشحال اور دولت مند ملک تھا، اس لئے اس کی فتح کے بعد مسلمان مالا مال ہو گئے، اس ملک کے متعلق کے بارے میں مورخوں نے لکھا ہے، کہ یہاں سونے اور چاندی کے دریا بہتے تھے، اور اس قدر جواہرات تھے، جن کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ موسیٰ بن نصیر جس وقت مال غنیمت لے کر اسپین سے چلا ہے، تو اس کے ساتھ سونے چاندی کا ایک انبار تھا، اور جواہرات کا ڈھیر تھا، اس کے علاوہ ایسے نوادرات تھے، جن کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، اسپین کے قدیم بادشاہوں کے چوبیس تاج

بھی موسیٰ بن نصیر اپنے ساتھ لے گیا تھا، یہ تمام مال غنیمت جب دربار خلافت میں پیش کیا گیا تو امرائے سلطنت اسے دیکھ کر حیران رہ گئے، کیونکہ اس سے قبل ایسے نادرات نہیں دیکھے گئے تھے، مسلمانوں نے اپنی اخلاقی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے، اسپین کی فتح کے بعد یہاں کے شاہی خاندان اور عیسائی امراء کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کیا، ان کی بہائی ذاتی جاگیروں کو بدستور قائم اور برقرار رکھا، اور ان کی قدم قدم پر پوری طرح عزت افزائی کی، عام رعایا کے ساتھ بھی مسلمانوں کا سلوک نہایت ہی روادارانہ تھا، ان کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی، اور ان کے شہری حقوق میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی گئی۔

مسلمانوں کا فرانس میں داخلہ

موسیٰ اور طارق، اسپین کو جبل البرنات تک فتح کرتے کرتے ۹۴ھ (۷۱۳ء) میں ملک فرانس میں داخل ہو گئے، اسپین کے بھاگے ہوئے عیسائی اور فرانس کا بے پناہ لشکر ان کے مقابلہ پر آگیا، عیسائیوں میں غیر معمولی جوش تھا، کیونکہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی یہ جنگ، مذہبی جنگ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی، اس جنگ کو کامیاب بنانے میں فوجی سپہ سالاروں سے کہیں زیادہ پادری حصہ لے رہے تھے، مذہب کے نام پر اپنے مقلدوں کو خوب جوش دلا رہے تھے

مسلمان اس صلیبی جنگ میں سخت مزاحمت کے باوجود دور دراز علاقہ تک گھستے چلے گئے، لیکن ان کے پاس چونکہ مختصر سی فوج باقی رہ گئی تھی، اس لئے انہیں اربونیہ کی طرف لوٹ کر خیمہ زن ہونا پڑا، اور اربونیہ میں قلعہ بند ہو کر فرانسیسیوں سے جنگ کرنی پڑی، فرانسیسیوں کو چونکہ مسلمانوں کی تازہ کمک آجانے کا اندیشہ تھا اس لئے انہوں نے محاصرہ اٹھالیا، چنانچہ مسلمانوں کو جب کمک پہنچ گئی، تو انہوں نے نئے سرے سے فرانس میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا،

مسلمانوں کو اگرچہ فرانس میں تقریباً ہر مورچہ پر سخت مقابلہ کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود بھی ان کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہیں آئی، انہوں نے فرانسیسیوں کو ہر معرکہ میں بری طرح شکست دی، یہاں تک کہ مسلمانوں نے جنوبی فرانس کا پورا علاقہ ایک سال سے بھی کم مدت میں فتح کر لیا، شمالی فرانس میں چونکہ سردی بہت زیادہ ہو رہی تھی، اس لئے طارق اور موسیٰ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان سردی کی شدت سے بیمار نہ ہو جائیں لہٰذا انہوں نے یہ طے کیا، کہ وہ سردیوں کا موسم گذر جانے کے بعد پہلے شمالی فرانس کو فتح کریں گے، اور اس کے بعد اٹلی سے بلقان کو فتح کرتے ہوئے قسطنطنیہ تک جا پہنچیں گے، لہٰذا دونوں سپہ سالار فرانس کا مفتوحہ علاقہ اپنے نائبوں کے سپرد کر کے پھر اسپین واپس چلے آئے

مسلمانوں کے حوصلے اس وقت اتنے بڑھے ہوئے تھے، کہ انہوں نے اسپین، پرتگال اور جنوبی فرانس،

کی فتح کے بعد تقریباً سارے یورپ کو فتح کرنے کا ایک نہایت ہی وسیع پروگرام تیار کر لیا تھا جس پر کہ وہ موسم سرما کے بعد عملدرآمد کرنے کا تہیہ کئے بیٹھے تھے، کہ اسی زمانہ میں موسیٰ بن نصیر اور طارق کو دمشق میں حاضر ہونے کا حکم مل گیا، اس حکم کے بعد موسیٰ بن نصیر اسپین کی حکومت اپنے بیٹے عبد العزیز کے سپرد کر کے مع طارق کے دمشق کے لئے روانہ ہو گئے، اور اس طرح یورپ کی فتوحات کا یہ پروگرام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

صوبہ سندھ پر مسلمانوں کا حملہ

مسلمانوں نے ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں ہندوستان کے جس حصہ پر سب سے پہلے حملہ کیا تھا، وہ پاکستان کا مشہور علاقہ صوبہ سندھ ہے، مسلمان اپنی دوسری فتوحات میں اس قدر مصروف تھے، کہ وہ شاید سندھ کی جانب کبھی توجہ ہی نہ کرتے لیکن سندھ کے ہندو حکمرانوں اور راجاؤں نے مسلمانوں کے مخالفین کی بار بار امداد کر کے اور خلافت اسلامیہ کے خلاف شورشیں برپا کر کے مسلمانوں کو اس چیز کے لئے مجبور کر دیا، کہ وہ سندھ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں،

سندھ کے راجاؤں کی حالت یہ تھی، کہ جب مسلمانوں کی لڑائی ایران کے بادشاہ یزدجرد سے ہوئی، تو یہ برابر اس کی امداد کرتے رہے، چنانچہ مسلمانوں نے جب مکران پر حملہ کیا، تو ایرانی فوج کے ساتھ سندھی فوج بھی اسلامی فوج کے مقابلہ پر تھی، مخالفین اسلام کے ساتھ سندھیوں کی ان سازشوں کی بنا پر خلفائے راشدین کے زمانے سے کر اس وقت تک سندھ پر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد برابر مسلمانوں کے حملے ہوتے رہے ہیں، لیکن ان حملوں کا منشاء ہندوستان میں مستقل اسلامی حکومت قائم کرنا نہیں تھا، بلکہ سندھیوں کی شرارت کا جواب دینا اور ان کی تادیب مقصود تھی، ولید کے زمانہ میں بھی ایک ناگوار حادثہ کی بنا پر حجاج بن یوسف کو ہندوستان میں مستقل حکومت کے قیام کا خیال پیدا ہوا، اگر یہ حادثہ رونما نہ ہوا ہوتا، تو شاید اب بھی مسلمان سندھ کی طرف پیش قدمی نہ کرتے جس ناگوار حادثہ نے مسلمانوں کو فوج کشی پر مجبور کیا،

اس کی تفصیل یہ ہے، کہ لنکا کے نومسلم راجہ نے خلافت اسلامیہ سے اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے قیمتی تحائف سے بھرا ہوا آٹھ جہازوں کا ایک بیڑا حجاج بن یوسف کی خدمت میں روانہ کیا تھا، ان جہازوں میں قیمتی تحائف کے علاوہ سینکڑوں عازمین حج اور لنکا میں فوت ہونے والے عرب سوداگروں کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے، اس موقعہ پر یہ بتا دینا بھی نہایت ضروری ہے، کہ جس زمانہ میں یہ بیڑا روانہ کیا گیا تھا اس زمانہ میں اسلام سارے جنوبی ہند میں پھیل چکا تھا، اور عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے جنوبی ہند کے اکثر راجاؤں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، ان ہی نومسلم راجاؤں میں سے ایک لنکا کا راجہ بھی تھا جس نے کہ یہ تحائف روانہ کئے تھے

چنانچہ لنکا کے راجہ کا روانہ کردہ یہ بیڑا راستہ میں ایک شدید طوفان میں پھنس گیا، اور ہوائے مخالف

کی شدت نے جہازوں کو بے قابو کر دیا، اور وہ دیبل یعنی کراچی کے ساحل پر جا لگے، راجہ داہر کا جو گورنر اس علاقہ میں رہتا تھا جب اسے معلوم ہوا، کہ ان جہازوں میں مسلمان سوار ہیں اور قیمتی تحائف بھی ہیں، تو اس نے ان جہازوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ لوٹا، اور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا،

مشرقی ممالک کے اسلامی وائسرائے حجاج بن یوسف کو جب راجہ داہر کے گورنر کی اس ناشائستہ حرکت کا علم ہوا، تو اس نے خلافت اسلامیہ کی جانب سے بذریعہ قاصد شدید احتجاج کیا، اور مطالبہ کیا، کہ مسلمان قیدیوں کو فوراً رہا کیا جائے، اور لوٹا ہوا تمام سامان واپس کر دیا جائے، لیکن راجہ داہر نے قاصد کو لاپرواہی کے ساتھ جواب دے کر ٹال دیا، اور کہا، کہ جن لوگوں نے جہازوں کو لوٹا ہے، وہ ہمارے قبضہ سے باہر ہیں، اور ہم ان کے معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتے، لہٰذا تم اگر واپس لینے کی قوت رکھتے ہو، تو خود آ کر اپنے قیدی اور اسباب واپس لے لو،

محمد بن قاسم کی معرکہ آرائی

راجہ داہر کے ذلت آمیز جواب کے بعد حجاج نے سندھ کی فتح کے لئے پے در پے کئی لشکر روانہ کئے، لیکن ان لشکروں کو جب راجہ داہر کے مقابلہ میں ناکامی واقع ہوئی، تو حجاج بن یوسف نے چھ ہزار کا ایک اور لشکر اپنے سترہ سالہ داماد محمد بن قاسم کی سرکردگی میں مکران کے راستے روانہ کیا، جب یہ لشکر مکران پہنچا، تو یہاں کا عامل بھی اپنی تین ہزار فوج لے کر محمد بن قاسم کے ہمراہ ہو گیا، اور ارمن بیلہ میں راجہ داہر کا لشکر بھی مقابلہ کے لئے تیار کھڑا تھا، چنانچہ سنہ ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں ارمن بیلہ کے مقام پر محمد بن قاسم اور راجہ داہر کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی، اسلامی لشکر کے نعروں اور تیروں نے سندھی سورماؤں کے اوسان خطا کر دیئے، اور راجہ داہر کی فوج شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی،

محمد بن قاسم ارمن بیلہ کی فتح کے بعد دیبل (کراچی) کی جانب بڑھا، اور دیبل پر حملہ کر دیا، دیبل پر حملہ کے وقت مسلمانوں کا ایک بہت بڑا سمندری بیڑا بھی میدانی فوج کی امداد کے لئے دیبل پہنچ گیا تھا، یہ سمندری بیڑا اپنے ساتھ ایسی بھاری بھاری منجنیقیں یعنی سنگ باری کرنے والی مشینیں لایا تھا جنہیں پانچ سو آدمی کھینچتے تھے ان منجنیقوں کی مدد سے دیبل پر شدید سنگباری کی گئی، بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد دیبل فتح ہو گیا اور راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ شکست کھانے کے بعد فرار ہو گیا،

سندھ کے باشندے جو زمانہ دراز سے مملکت اسلامیہ کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے، ان کا خیال تھا کہ سندھ پر فتح پانے کے بعد اسلامی سپہ سالار ان کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرے گا، لیکن سندھ کے باشندے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، کہ دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے عام معافی کا اعلان کر دیا، اور

یہاں کے باشندوں کو پوری مذہبی اور شہری آزادی دے دی۔ اس کے علاوہ شہر کا انتظام خود ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں دے دیا چنانچہ دیبل کا حاکم اعلیٰ ایک پنڈت کو بنا دیا، یہ پنڈت اس سے قبل جیل خانوں کا محافظ تھا اس نے مسلمان قیدیوں کے ساتھ نہایت ہی شریفانہ سلوک کیا تھا، دیبل کی فتح کے بعد تمام مسلمان قیدی محمد بن قاسم کے پاس لائے گئے محمد بن قاسم نے ان کو چند روز اپنے پاس رکھا، اور پھر جہاز کے ذریعہ عراق روانہ کر دیا۔

دیبل کی فتح اور انتظام سے فارغ ہونے کے بعد محمد بن قاسم شہر پیرون کی طرف متوجہ ہوا، اس شہر کے امراء اور باشندوں نے امان طلب کر کے اطاعت قبول کر لی، پھر محمد بن قاسم نے راجہ کے بھتیجے سے مقابلہ کے بعد شہر بدوج فتح کیا، بدوج کے بعد اسلامی لشکر نے سیوستان کی جانب رخ کیا، یہاں کا حاکم فرار ہو گیا اور باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے جب بدھیہ پر حملہ کرنا چاہا، تو یہاں کے حاکم کاکا نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیئے، محمد بن قاسم نے اس حاکم سے ایسا اچھا سلوک کیا، کہ وہ اسلامی اخلاق سے متاثر ہو کر خود بھی مسلمان ہوا، اور رعایا نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

محمد بن قاسم دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے تمام اہم شہروں کو فتح کرتا ہوا، اور ہندو رعایا کو نوازتا ہوا شمال کی جانب دور تک بڑھتا چلا گیا، جہاں اس نے قلعہ سیسم پر اسلامی جھنڈا لہرایا، پھر اس کے بعد راجہ داہر سے اس کی شورش پسندی کا انتقام لینے کے لئے جنوب کی جانب بڑھا، جہاں دریا کے کنارے اسے ہندو سپہ سالار موکا سے مقابلہ کرنا پڑا، اس معرکہ میں بھی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور موکا مع تمیس ہندو سرداروں کے محمد بن قاسم کے پاس چلا آیا، محمد بن قاسم نے حسب عادت موکا کو اور دوسرے سرداروں کو معاف کر دیا، اور ان کی جاگیریں واپس کر دیں۔

محمد بن قاسم شہر پر شہر فتح کرتا ہوا دریائے سندھ پار کر کے راجہ داہر کے مقابلہ پر آ کر ڈٹ گیا، راجہ نے اس کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر عظیم جمع کر رکھا تھا، جس کی تعداد اسلامی لشکر کے مقابلہ میں دوگنی اور تین گنی تھی دونوں لشکروں میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی جس کا سلسلہ کئی دن تک برابر جاری رہا، مسلمانوں نے ثابت کر دیا، کہ وہ فروغ حق کی خاطر مرنے ہی کو زندگی سمجھتے ہیں، راجہ نے ہر چند کوشش کی، کہ سندھی فوج میدان سے نہ بھاگے مگر مسلمان برابر گھستے چلے گئے، راجہ مارا گیا، فوج میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی، اس شکست کے بعد بہت سے برہمنوں، ہندوؤں اور فوجی سرداروں نے اپنے آپ کو محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کر کے اسلام قبول کر لیا۔

راجہ داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم برہمن آباد، الور اور ملتان کی فتح کی جانب متوجہ ہوا، ابھی برہمن آباد فتح بھی نہیں ہوا تھا، کہ راجہ کے وزیر سیاگر نے محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی، محمد بن قاسم نے اسے بڑی

وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر برقرار رکھا، محمد بن قاسم ہر معاملہ میں اسی ساگر کو اپنے ساتھ شریک رکھتا تھا، اس کے بعد برہمن آباد بھی آسانی کے ساتھ فتح ہوگیا، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے خود ہی اطاعت قبول کرلی، برہمن آباد کی تسخیر کے بعد محمد بن قاسم اور ملتان اور دوسرے تمام بڑے بڑے شہر فتح کرتا ہوا، مغربی پنجاب تک جا پہنچا، غرض کہ محمد بن قاسم نے ڈھائی سال کے مختصر سے عرصہ میں پورے سندھ کو فتح کرنے کے بعد وہاں ایک نہایت ہی مضبوط اسلامی حکومت قائم کردی،

اس موقعہ پر یہ بھی بتادینا نہایت ضروری ہے، کہ محمد بن قاسم کے زمانہ کا سندھ موجودہ سندھ سے اتنا بڑا تھا، کہ شاید موجودہ مغربی پاکستان بھی اس سے کچھ چھوٹا ہی ہے، اس کی حدود دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں، چنانچہ محمد بن قاسم کے زمانہ کے سندھ میں موجودہ مغربی پاکستان کے تقریباً تمام صوبے شامل تھے،

محمد بن قاسم کا انتقال

سندھ پر کامل فتح حاصل کرنے کے بعد محمد بن قاسم راجپوتانہ، یوپی، کشمیر اور ہندوستان کے باقی صوبوں کو فتح کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا، کہ اچانک سنہ ۹۵ھ (۷۱۴ء) میں حجاج بن یوسف فوت ہوگیا، اور اس کے مرتے ہی محمد بن قاسم کی تمام جنگی سرگرمیاں رک گئیں، اور حجاج کے مرنے کے چند ماہ بعد جب ولید بن عبد الملک بھی مرگیا، تو اس کے جانشین سلیمان بن عبد الملک کو کچھ لوگوں نے جو محمد بن قاسم کی شہرت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، بہکانا شروع کردیا، چنانچہ سلیمان نے واپس بلالیا، اور عہدہ سے ہٹا کر چند روز کے بعد زہر دلوا کر شہید کردیا، اور اس طرح ہندوکشمیر کی فتح کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکا۔

سندھ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اس علاقہ پر کیسی رواداری کے ساتھ حکومت کی ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، کہ اس علاقہ کے ہندوؤں اور بدھوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی، وہ جس طرح چاہتے تھے پوجا پاٹ کرتے تھے، اس کے علاوہ سندھ کی اسلامی حکومت مندروں کی مرمت سرکاری خزانے سے کراتی تھی، حکومت کے عمال اور سپاہیوں کے نام احکامات جاری کردیے گئے تھے، کہ وہ عوام کی جان و مال، اور آبرو کا پوری طرح تحفظ کریں، اسی لیے سندھ کے اس عظیم الشان انقلاب میں کسی ایک ہندو عورت کی بھی بے آبروئی نہیں ہوئی، بلکہ ہر جگہ عورتوں کی آبرو کا پورا پورا احترام کیا گیا، ہندو امراء اور پنڈتوں کی حکومت کی جانب سے پوری طرح عزت افزائی کی جاتی تھی، مسلمانوں کی اس رواداری کا یہ نتیجہ تھا، کہ جب محمد بن قاسم سندھ سے روانہ ہوا، تو سارے ملک میں کہرام مچ گیا، اور اس کے جانے کے بعد شہر کیرج میں اس کی قد آدم مورت ہندوؤں نے بنالی تھی، اور اس مورت کا دیوتاؤں کی طرح احترام کیا جاتا تھا، جسے بعد میں مسلم حکمران نے خلاف اسلام قرار دے کر گروادیا،

ولید بن عبد الملک کا انتقال

ولید بن عبد الملک تقریباً ساڑھے نو سال حکومت کرنے کے بعد ۴۷ سال کی عمر میں سنہ ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں فوت ہوگیا، ولید کا دور

حکومت اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن اس کے زمانہ میں مسلمانوں کو نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل ہوئیں، مورخوں کی رائے ہے، کہ اگر اس کی زندگی نے وفا کی ہوتی، اور وہ پانچ سال بھی اور زندہ رہتا، تو شاید مملکت اسلامیہ تمام دنیا پر حاوی ہو جاتی، عبدالملک اگرچہ خود کوئی لائق سپہ سالار نہ تھا، لیکن اسے خوش قسمتی سے ایسے ماہرین جنگ حاصل ہو گئے تھے کہ جو انتہائی بہادر، تند ساور مرد میدان تھے،

ولید کے کارنامے

ولید کو ہندوستان کے مغل بادشاہوں کی طرح عمارتیں بنانے کا بے حد شوق تھا، یوں تو اس نے بے شمار عمارتیں بنوائی ہیں، لیکن اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبوی اور جامع دمشق کی تعمیر ہے، چنانچہ اس نے مسجد نبوی کی پرانی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا، اور مسجد سے متصل امہات المومنین کے جو مکانات اور حجرے تھے، ان کو بھی اس تاریخی مسجد کے ساتھ شامل کر لیا، پوری عمارت پتھر کی بنوائی، در و دیوار اور چھت پر طلائی کام کرایا، مسجد کی تعمیر پر لاکھوں روپیہ صرف ہوا تھا، اسی طرح جامع دمشق کی تیاری پر ولید نے بے دریغ روپیہ صرف کیا اس مسجد کو نہ صرف دمشق میں بلکہ ساری دنیائے اسلام میں بہت بڑی عظمت حاصل ہے، یہ مسجد مشرقی اور مغربی فن تعمیر کا ایک ملا جلا لاجواب نمونہ ہے، ان دو عظیم الشان مسجدوں کے علاوہ اس نے قاہرہ میں بھی ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی، اور مملکت اسلامیہ کی بہت سی پرانی مسجدوں کو درست کرایا، بیت المقدس کی عمارتوں میں بھی اس نے اضافہ کرایا، خانہ کعبہ کی فصیل کو گرا کر اس نے خانہ کعبہ کو وسعت دی جس سے چاہ زمزم اور بہت سا بیرونی علاقہ فصیل کے اندر آگیا، اس کے علاوہ نئے سرے سے خانہ کعبہ کی فصیل نہایت شاندار اور خوبصورت تعمیر کرائی،

ولید کے دور حکومت میں فوجی محکمہ کو نئے سرے سے منظم کیا گیا، ولید کے زمانہ کا فوجی نظام نہایت عمدہ اور چست تھا چنانچہ اسی اعلیٰ فوجی نظام کا یہ نتیجہ تھا، کہ اس کے عہد میں ایک ہی وقت میں کئی کئی ملکوں پر ایک ساتھ حملے کر دیئے جاتے تھے، جہاز سازی کے کارخانے بھی اس کے عہد میں نئے نئے قائم کئے گئے

رفاہ عام کے کاموں میں بھی ولید کے عہد میں خوب ترقی ہوئی، نئی نئی سڑکیں بنیں، راستوں پر کنویں کھدوائے گئے نہریں جاری کرائی گئیں، شفاخانے تعمیر ہوئے، مسافروں کی سہولت کے لئے جا بجا مسافر خانے قائم ہوئے، یتیموں اور معذوروں کی امداد کے لئے مستقل محکمہ کھولا گیا، جو یتیموں اور معذوروں کو وظیفے اور روپیہ دیتا تھا، رمضان میں تمام مسجدوں میں روزہ داروں کے لئے حکومت کی طرف سے افطاری مفت دی جاتی تھی حضرت عمرؓ کے بعد ولید پہلا حکمران ہے، جس نے گرانی کو روکنے کے لئے قیمتوں کا تعین کیا، تاکہ لوگوں کو ہر چیز سستے داموں مل سکے، یہ خود بھیس بدل کر بازار میں جاتا تھا، اور چیزوں کی قیمتیں دریافت کرتا تھا، اور گراں فروخت کرنے والوں کو سخت سزائیں دیتا تھا

اس کے علاوہ ولید کے زمانہ میں علم کو بھی فروغ حاصل ہوا، علماء کی قدردانی کی جاتی، اور مدارس و مکاتب کو کافی امداد دی جاتی تھی،

سلیمان بن عبد الملک کا دور حکومت

ولید کے بعد اس کا چھوٹا بھائی سلیمان بن عبد الملک ۹۶ھ (۷۱۵ء) میں دمشق کے تخت پر بیٹھا، ولید کی خواہش یہ تھی، کہ اس کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہو لیکن مجبوری یہ پیدا ہو گئی، کہ ولید کے باپ نے اپنی زندگی ہی میں ولید کے بعد سلیمان کو ولیعہدی کے لئے نامزد کر دیا تھا، چنانچہ اس مجبوری کی بنا پر جب ولید تخت نشین ہوا، تو اسے بھی سلیمان کی ولیعہدی کا اعلان کرنا پڑا، لیکن اس اعلان کے باوجود وہ مرتے دم تک اس کوشش میں لگا رہا، کہ کسی طرح سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنا دے،

ولید کے علاوہ ولید کے تمام بڑے بڑے سپہ سالار یعنی حجاج بن یوسف، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلمہ اور محمد بن قاسم بھی سلیمان کی ولیعہدی کے شدید مخالف تھے، ان سب کی بھی یہی کوشش تھی، کہ جس طرح بھی ممکن ہو سلیمان کو ولیعہدی سے معزول کر کے ولید کے بیٹے کو تخت و تاج کا وارث بنا دیا جائے، ولید کا دلی جذبہ بھی یہی تھا، اور صرف موقعہ کا منتظر تھا، مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا، ولید بیمار ہو گیا، اور ایسا پڑا، کہ پھر اٹھ نہیں سکا، آخر اس کے مرنے کے بعد سلیمان تخت کا مالک ہو گیا،

مخالفین کا قتل عام

ولید کے زمانہ کے تمام بڑے بڑے عمال اور سپہ سالار چونکہ سلیمان کی ولیعہدی کے مخالف تھے، اس لئے قدرتی طور پر سلیمان کے دل میں ان کی طرف سے بغض و عناد تھا، چنانچہ اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی سب سے پہلے ان ہی عمال اور سپہ سالاروں کو گرفتار کرا کے نظر بند کر دیا، اور پھر سب کو قتل کروا دیا،

آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں، کہ اسپین، پرتگال اور جنوبی فرانس کی فتح کے فوراً ہی بعد ولید بن عبد الملک نے موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو دمشق طلب کیا تھا، اور یہ دونوں روانہ بھی ہو گئے تھے، لیکن یہ ایسے وقت میں دمشق پہنچے، جب کہ ولید کا آخری وقت تھا، اور سلیمان کی خواہش یہ تھی، کہ یہ دونوں ولید کے سامنے اس کی زندگی میں ہرگز دمشق نہ آنے پائیں، تاکہ اسپین کی وہ دولت جو فتح کے بعد اسلامی لشکر کے ہاتھ آئی ہے، مجھ کو ملے، اور کوئی دوسرا اس کا مالک نہ ہونے پائے، سلیمان کو اندیشہ تھا، کہ اگر یہ دولت ولید کی زندگی میں آ گئی، تو وہ اپنے بیٹے کو اس کا مالک بنا دے گا، چنانچہ اس اندیشہ کے ماتحت سلیمان نے ان دونوں سپہ سالاروں کو راستہ میں اٹکانے کی کوشش بھی کی، مگر بے سود رہی، موسیٰ بن نصیر اور طارق دمشق آئے، اور تمام قیمتی خزانہ ولید کے حوالہ کر دیا،

سلیمان کو یہ بات بہت ناگوار گذری، لہٰذا اس نے انتقاماً موسٰی کو جیل میں ڈال دیا، اور طارق کو ایک دیہات میں مقید کر دیا،

قتیبہ بن مسلمہ گورنر خراسان نے موسٰی بن نصیر کے ساتھ سلیمان کا یہ ظالمانہ سلوک دیکھا، تو اس نے خراسان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے سلیمان کے خلاف بغاوت برپا کر دی، لیکن سلیمان نے خراسان کے چند قبیلوں کو اس کے خلاف ابھار کر اس کو اور اس کے سارے خاندان کو قتل کرا دیا، محمد بن قاسم بھی سلیمان کے عتاب سے نہ بچ سکا، سلیمان نے اسے معزول کر کے یزید بن کبشہ کو سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیج دیا، جس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے عراق روانہ کر دیا، عراق پہنچنے کے بعد محمد بن قاسم کو جیل خانہ میں ڈال دیا جہاں وہ بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا،

سلیمان نے موسٰی بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز کو بھی اسپین میں ہلاک کرا دیا، عبدالعزیز بن موسٰی بڑا لائق اور بہادر شخص تھا، وہ اپنے باپ کی غیر موجودگی میں جتنی دیر اسپین میں رہا، بڑی قابلیت سے حکومت چلاتا رہا، طارق بن زیاد کا قتل سلیمان کے اعمال نامہ میں ایک ایسا دھبہ ہے، جو کبھی نہیں مٹ سکتا، سلیمان نے محض ذاتی مخالفت کی بنا پر مملکت اسلامیہ کو ان مایہ ناز مدبروں اور سپہ سالاروں سے محروم کر دیا، جو اگر زندہ رہتے، تو شاید مسلمانوں کے لئے ساری دنیا فتح کر کے رکھ دیتے،

قسطنطنیہ میں سلیمان کو شکست

دنیائے اسلام کے لائق ترین سپہ سالاروں کے قتل کے بعد سلیمان کے خلاف ساری مملکت میں بری طرح ناگواری پھیل گئی تھی عوام کی اس ناگواری اور غصہ کو دبانے کی سلیمان کے پاس اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی، کہ وہ نئی نئی فتوحات حاصل کر کے مسلمانوں کو یہ دکھا دے، کہ مملکت اسلامیہ مقتول سپہ سالاروں کی محتاج نہیں تھی، چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے بڑے وسیع پیمانے پر قیصر روم کے خلاف حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں،

جب حملہ کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں، تو سوال یہ پیدا ہوا، کہ اس مہم کا سپہ سالار کس کو مقرر کیا جائے، کیونکہ تمام اچھے اور منتخب سپہ سالار تو چن چن کر وہ ختم کر چکا تھا، لائق سپہ سالاروں میں سے سلیمان کا بھائی مسلمہ بن عبدالملک باقی تھا، لیکن وہ بھی نامور سپہ سالاروں کے قتل عام سے بہت بددل ہو چکا تھا، پھر خود اس کے بیٹے قتیبہ کو سلیمان نے بڑی بے رحمی سے قتل کیا تھا، مگر اب مسلمہ کے سوا اور کوئی تھا بھی نہیں، لہٰذا اس بڑے معرکہ کی کمان مسلمہ ہی کے سپرد کی گئی، اور اس نے با دل نخواستہ قبول کر لی،

چنانچہ مسلمہ بن عبدالملک سلیمان کے مجبور کرنے پر ایک بہت بڑا جنگی بیڑا لے کر قسطنطنیہ جا پہنچا، لیکن نہ خود اس میں جنگ کرنے کا جوش تھا، اور نہ اس کے ساتھی ہی سلیمان سے خوش تھے، لہٰذا یہ لڑائی بے دلی سے لڑی گئی،

جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ایک طویل جنگ کے بعد مسلمہ کو بری طرح سے شکست ہوئی، اور اس جنگ میں اسلامی فوج کا بڑا حصہ مارا گیا،

سلیمان کی ایک غیر فانی نیکی

سلیمان قسطنطنیہ کی جنگ کے انتظامات کے سلسلہ میں دابق میں مقیم تھا، کہ اچانک سخت بیمار ہو گیا، اور اس کا آخری وقت آگیا، اسلامی تاریخ میں سلیمان کا دور حکومت بہت تاریک نظر آتا ہے، حقیقت یہ ہے، کہ اس کی ذات سے مسلمانوں کو اور مملکت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچا، اور اس کا دامن ان مجاہدین اسلام کے خون سے بری طرح داغدار دکھائی دیتا ہے، جن پر اسلامی تاریخ رہتی دنیا تک ناز کرے گی، لیکن اپنی ان تمام برائیوں اور خامیوں کے باوجود وہ آخری وقت میں ایک نیک کام بھی کر گیا، اور وہ نیک کام یہ تھا، کہ اس نے "حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ" جیسے نیک آدمی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، چنانچہ اس نے مرنے سے قبل ایک وصیت تحریر کرادی تھی، جس کی رو سے اپنے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ اور اپنے بھائی یزید کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا،

بعض مورخوں کا بیان ہے، کہ یہ نیکی بھی اس نے خود نہیں کی تھی، بلکہ وہ تو اپنے بیٹے ہی کو ولیعہد بنانا چاہتا تھا، لیکن رجاء بن حیات جیسے بزرگوں نے آخری وقت میں اسے عاقبت کے انجام سے ڈرا کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے خلیفہ مقرر کرنے پر راضی کر لیا تھا، بہر حال سبب کچھ بھی ہو، مگر سلیمان کی خامیوں اور برائیوں میں یہ غیر فانی نیکی ہمیشہ یادگار رہے گی، کہ وہ اپنا جانشین ایک ایسے شخص کو بنا گیا، جس نے اپنے طرز عمل سے خلفائے راشدین کے دور کی یاد تازہ کر دی، سلیمان نے صرف ۲ سال ۸ ماہ حکومت کی، اور ۴۵ سال کی عمر میں ۹۹ھ میں انتقال کر گیا،

حضرت عمر بن عبد العزیز کا مبارک دور

سلیمان بن عبد الملک کی وفات کے بعد حسب وصیت سلیمان کے چچا زاد بھائی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۹۹ھ (۷۱۷ء) میں تخت دمشق کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا، قدم رکھتے ہی مردہ حکومت میں جان آگئی، اور خلافت راشدہ کے نمونے ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے،

حضرت عمر بن عبد العزیز خاندان بنی امیہ کے چوتھے خلیفہ مروان بن الحکم کے پوتے تھے، اور حضرت عمر فاروق کی پوتی ام عاصم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، حضرت عمر فاروق کے عہد حکومت کے حالات میں اس سے قبل یہ واقعہ درج کیا جا چکا ہے، کہ ایک رات کو جب حضرت عمرؓ شہر کی گشت کر رہے تھے، تو انہوں نے سنا، کہ ایک دودھ فروش عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے، کہ "بیٹی دودھ میں پانی ملا دے" اس پر لڑکی نے جواب دیا، کہ "میں پانی کیسے ملا دوں، امیر المومنین نے منادی کرا دی ہے، کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کیا جائے" عورت بولی "یہاں نہ تو امیر المومنین ہیں، اور نہ منادی کرنے والا، پھر کس بات کا ڈر ہے" لڑکی نے جواب دیا "اماں مگر یہ فعل دیانت کے خلاف ہے" لڑکی کی اس حق گوئی سے متاثر ہو کر حضرت عمر فاروق نے اس کے ساتھ اپنے بیٹے عاصم کی شادی کر دی تھی؛ چنانچہ اسی حق گو لڑکی کے بطن سے حضرت عمر بن عبد العزیز کی والدہ ام عاصم پیدا ہوئی تھیں

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے بچپن کا زمانہ بڑے عیش و آرام اور ناز و نعم میں گذارا تھا، اور ایسے ماحول میں پرورش پائی تھی، جب کہ ان کے والد عبد العزیز بن عبد الملک مصر کے گورنر تھے، آپ کے والد ۲۰ سال مصر کے گورنر رہے، حضرت عمر جب جوان ہوئے، تو اپنے چچا خلیفہ عبد الملک کی لڑکی سے ان کی شادی ہو گئی، اور یہ شاہانہ ٹھاٹ کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے، لیکن امارت و ریاست کے باوجود شروع ہی سے آپ کا رجحان عبادت و ریاضت کی طرف تھا، اور قلب میں نیکی و اخلاق کا جذبہ پایا جاتا تھا،

مسند خلافت پر بیٹھنے سے قبل یہ کیسی شاہانہ زندگی گذارتے تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے ایک ایک لباس کی قیمت کئی کئی سو روپے ہوا کرتی تھی جس لباس کو ایک مرتبہ پہن لیتے تھے، دوبارہ بدن پر نہیں ڈالتے تھے، خوشبویات کا اس قدر شوق تھا، کہ آپ اپنی داڑھی پر بھی عنبر کا سفوف چھڑکا کرتے تھے، مورخین کا بیان ہے، کہ آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ خوش پوشاک اور خوش وضع تھے،

درویشانہ زندگی کی ابتداء | حضرت عمر بن عبد العزیز جو خلیفہ ہونے سے پہلے شہزادوں کی سی زندگی

گذارنے کے عادی تھے، جب سندِ خلافت پر بیٹھے تو ان کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب آگیا، انہوں نے تکلفات امیرانہ اور شاہانہ زندگی ترک کرکے فقیروں اور درویشوں جیسی زندگی اختیار کرلی،

تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا اور اپنی بیوی کا کل مال و اسباب بیت المال میں داخل کردیا، اور اپنے متعلقین کے لئے ایک پیسہ بھی نہ رکھا، صرف دو درہم روزانہ بیت المال سے لیتے تھے جس میں بمشکل ان کا اور ان کے بال بچوں کا گذارہ ہوتا تھا، یہ انقلاب ایک ایسا انقلاب تھا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی ناممکن ہے، حکومت اور سلطنت ایسی چیز ہے، جس کے ملنے کے بعد بڑے بڑے مردان با خدا کے قدموں کو بھی لغزش پیدا ہوگئی ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز پر حکومت ملنے کا الٹا اثر پڑا، حکومت ملنے کے بعد بجائے اس کے کہ ان کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ میں اضافہ ہوتا، انہوں نے اپنے گھر میں جو کچھ تھا، وہ بھی لٹا دیا اور انتہائی سادگی اور غربت کے ساتھ زندگی گذارنے لگے،

بے مثال حق شناسی اور ایثار

حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہونے کے قبل بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے، یہ جاگیر ان کو باپ سے ورثہ میں ملی تھی، اور اس کی لاکھوں اشرفی سالانہ آمدنی تھی، آپ کے علاوہ خاندان بنی امیہ کے دوسرے شاہزادوں کے پاس جتنی بھی جاگیریں تھیں، وہ تقریباً سب کی سب ایسی تھیں، جن کو سلاطین امیہ نے بالجبر ان کے اصلی مالکوں سے چھین لیا تھا،

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب تخت نشین ہوئے، تو انہوں نے محسوس کیا کہ ان تمام جاگیروں پر قبضہ شرعی حیثیت سے ناجائز ہے، لہٰذا انہوں نے طے کیا، کہ یہ تمام جاگیریں ان کے اصلی مالکوں کو واپس کردینی چاہئیں، اس مقصد کے لئے سب سے پہلا قدم انہوں نے یہ اٹھایا، کہ اپنی ساری جاگیریں ان کے اصلی وارثوں کو واپس کردی اور وہ تمام شاہی فرامین پھاڑ ڈالے جن کی رو سے یہ جاگیریں ان کے آبا و اجداد کو یا ان کو حکومت کی جانب سے عطا ہوئی تھیں، جاگیر کے اصلی ورثا اگر موجود نہ تھے، تو ان کی اولاد کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان میں یہ جاگیر تقسیم کردی اور اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا،

فدک کی جاگیر

فدک کی جاگیر بھی آپ کو ملی ہوئی تھی، آپ نے اس کی تمام آمدنی بھی ان ہی نیک کاموں کے لئے وقف کردی، جن پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس کی آمدنی صرف کیا کرتے تھے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں فدک کی جاگیر حضور کے لئے مخصوص تھی، آپ اس کی آمدنی اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات پر صرف فرماتے تھے، گویا یہ جاگیر بنی ہاشم کی ضروریات اور نیک کاموں کے لئے وقف تھی، مروان جب تخت نشین ہوا، تو اس نے اسے اپنی ذاتی جاگیر بنالیا، مروان کے بعد درجہ بدرجہ

منتقل ہوتی ہوئی یہ جاگیر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آگئی، آپ اس کی آمدنی تخت نشین ہونے سے قبل اپنے اہل و عیال پر صرف کیا کرتے تھے لیکن تخت نشین ہوتے ہی آپ اس کی ملکیت سے دست بردار ہوگئے، اور اس کی آمدنی کو بنی ہاشم کی ضرورتوں اور نیک کاموں کے لئے اسی طرح وقف کردیا جس طرح کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وقف تھی،

جائداد سے شہزادوں کی محرومی

حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی تمام املاک و جائداد کو ان کے اصلی ورثا میں تقسیم کرنے کے بعد خاندان بنی امیہ کے دوسرے ان شہزادوں اور امراء کی جانب متوجہ ہوئے جو اسی قسم کی جاگیروں اور جائدادوں پر ناجائز طور پر قابض تھے، اور آپ نے ان تمام جاگیروں کو ان کے اصلی ورثا کو لوٹا دینے کا حکم دے دیا، نیز آپ نے وہ تمام املاک و جائداد اور مال بھی واپس کرنا شروع کردیا جس پر حکومت کا ناجائز قبضہ تھا، مورخوں کا بیان ہے کہ صرف عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا، کہ عراق کا خزانہ خالی ہوگیا، یہی حالت دوسرے صوبوں کی تھی، غرض کہ مال و جائداد اور نقد و جنس کی قسم سے جو کچھ بھی حکومت یا کسی فرد کے قبضہ میں ناجائز طور پر تھا، وہ سب کے سب ان کے اصلی وارثوں کو آپ نے واپس کرادیا اور اس طرح اپنے طرز عمل سے حق شناسی کی ایسی مثال قائم کردی جو رہتی دنیا تک باقی رہے گی،

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا خاندان بنی امیہ کے امراء اور شہزادوں کی جاگیروں پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا، عام خیال تھا، کہ اس سے مملکت اسلامیہ میں بغاوت برپا ہو جائے گی، لیکن آپ نے بغاوت اور مخالفتوں کی پروا کئے بغیر ناجائز طریقہ پر حاصل شدہ تمام جاگیریں اور جائدادیں چھین چھین کر ان کے اصلی ورثا کو دینی شروع کردیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ خاندان بنی امیہ کے بڑے بڑے امراء بالکل محتاج ہوگئے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے جانی دشمن بن گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ شاہی خاندان کے وہ تمام بڑے بڑے وظیفے بھی بند کر دیئے، جو خاندان بنی امیہ کے امراء کو بیت المال سے دیئے جاتے تھے، آپ نے ان وظیفوں کو بند کرتے ہوئے اعلان کردیا کہ بیت المال پر خاندان امیہ کے امراء کا کوئی حق نہیں ہے، وہ جبریہ اس مال کے مالک بنے ہیں حالانکہ اس کے اصلی مالک عام مسلمان ہیں، اور وہ عوامی کاموں پر ہی خرچ ہو سکتا ہے،

بیت المال زمانہ دراز سے شاہان بنی امیہ کی ذاتی میراث بنا ہوا تھا جس مال و خزانہ کو جس طرح چاہتے تھے برباد کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال کے ایک ایک درہم کو رعایا کے لئے محفوظ کردیا، اور وہ دولت جو اس سے قبل شاہان بنی امیہ اپنی ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لئے خرچ کیا کرتے تھے، اب رعایا کی فلاح و ترقی پر خرچ ہونے لگی،

پرانے جاگیرداری سسٹم کے خاتمہ کا اور بیت المال کے جائز صرف کا مملکت اسلامیہ پر یہ اثر پڑا، کہ ساری کی

ساری رعایا ایسی خوشحال ہوگئی، کہ پوری مملکت اسلامیہ میں نہ کوئی گداگر دکھائی دیتا تھا نہ محتاج، یہاں تک کہ لوگ جب خیرات دینا چاہتے تھے، تو کوئی خیرات کا لینے والا ہی نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کارناموں میں یہ بات بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے، کہ آپ نے رشوت خور، جابر اور اقربا نواز حکام کا یک قلم ملک سے استیصال کر دیا۔ اس کے علاوہ آپ نے غیر مسلموں کو اپنے حسن سلوک سے اس درجہ نوازا، کہ بہت سے خاندان بغیر کسی دباؤ اور تحریک کے مسلمان ہوگئے، چنانچہ آپ نے ان کے جزیہ میں نہ صرف کمی کر دی تھی، بلکہ بوڑھوں اور معذوروں کو آپ نے جزیہ سے بالکل مستثنیٰ قرار دے دیا تھا جزیہ کی کمی کی وجہ سے حکومت کی جو آمدنی گھٹ گئی تھی، اسے آپ نے محاصل بڑھا کر پورا کر دیا تھا، مختصر یہ کہ آپ نے سرمایہ داری کو ختم کر کے مملکت اسلامیہ میں غریبوں اور عوام کی ایک ایسی حکومت ختم کر دی تھی جس نے کہ ساری رعایا کو خوش حال اور مالا مال کر دیا تھا۔

وفات حسرت آیات

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شاہی خاندان اور سرمایہ داروں، جو کاری ضرب لگائی تھی، اس سے وہ تلملا اٹھے تھے، اور خلیفہ کے جانی دشمن بن گئے تھے لہٰذا انہوں نے ایک لونڈی کے ذریعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زہر دلوا دیا، جس کے اثر سے آپ صرف ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۱۰۱ھ (سنہ ۷۲۰ء) میں شہید ہوگئے۔

دور حکومت کی خصوصیات

حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا عہد حکومت، حکومت الٰہیہ کا سچا نمونہ تھا، جس کا تمام تر دستور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں مرتب کیا گیا تھا آپ نے سرمایہ داری اور جاگیرداری کو ختم کر کے پوری مملکت اسلامیہ کو باغ ارم بنا دیا تھا جس میں کہ ہر فرد بلا امتیاز مذہب وملت پورے سکون، پورے اطمینان اور پورے آرام کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ایک بڑی اور اہم خصوصیت یہ تھی، کہ وہ حکومت کے کاموں میں کسی پیشرو خلیفہ کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ حکومت کا سارا کام کتاب اللہ کی روشنی میں چلاتے تھے، خونریزی اور جنگ سے آپ کو سخت نفرت تھی، چنانچہ آپ نے اپنے عہد حکومت میں کسی مزید علاقہ کو فتح کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی البتہ ان لوگوں اور علاقوں پر آپ نے ضرور فوج کشی کی، جو مملکت کے باغی تھے، اور ملک وملت کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے

ظالم عمال اور عہدہ داروں کے آپ بہت بڑے مخالف تھے آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی تھی، کہ کوئی عامل یا حاکم رعایا پر ذرہ بھر بھی زیادتی نہ کرے، چنانچہ آپ نے خراسان کے گورنر یزید بن مہلب کو اس بنا پر قید کر دیا تھا، کہ وہ رعایا پر ظلم کرتا تھا، اور سرکاری خزانہ کا روپیہ اس نے غبن کر لیا تھا مہلب کی طرح دوسرے کئی بڑے بڑے عاملوں

کو آپ نے سخت سزا دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں جو بد امنی اور لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ جاری تھا بند ہو گیا

ملکی اصلاحات اور رفاہ عام کے کاموں میں بھی آپ نے بہت بڑا حصہ لیا ہے، شراب نوشی کے انسداد کے لئے آپ نے بڑے ہی سخت قوانین نافذ کئے، امیر معاویہ کے زمانہ سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ تمام عمال حکومت خطبہ میں حضرت علی پر ضرور لعن طعن کرتے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس برے رواج کو بالکل ختم کر دیا آپ نے مملکت اسلامیہ میں بے شمار سرائیں اور سڑکیں بنوائیں، ہر سرائے میں مسافر کو دو دن تک مفت کھانا ملتا تھا، اگر کسی کے پاس زاد راہ نہیں ہوتا تھا تو وہ بھی حکومت کی طرف سے دیا جاتا تھا

احیائے شریعت اور اشاعت اسلام میں بھی آپ نے نمایاں حصہ لیا تھا حکومت کے عمال کے لئے سخت ہدایت تھی، کہ وہ عوام کو صحیح عقاید پر چلنے کی ترغیب دیں، اور پابندی کے ساتھ مساجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں، تاکہ عام رعایا میں نماز باجماعت کا شوق پیدا ہو آپ نے مملکت اسلامیہ کے مختلف حصوں میں اور اس کے بعد دوسرے علاقوں میں کثرت سے تبلیغی وفود بھیجے جن کی کوششوں سے لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے سندھ کے راجہ داہر کا بیٹا جے سیہ آپ ہی کی تبلیغی کوششوں کی بدولت مسلمان ہوا تھا جے سیہ کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے ہندوستانی راجاؤں نے آپ ہی کے زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا،

تعلیم کی ترقی سے آپ کو خاص دلچسپی تھا بہت سے مکاتب و مدارس جاری کئے، اور بیت المال سے ہر ماہ ایک کثیر رقم اس کام پر خرچ کرتے، اس کے علاوہ کتابوں کی تدوین کا بھی آپ کو بہت شوق تھا غرض بندی تعلیم کے پھیلانے اور اخلاق و عادات کی درستگی کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول فرماتے

ایثار نفس اور پاکیزہ خصائل

مال و دولت پر اختیار رکھتے ہوئے نفس کو تکمیل خواہشات سے روکنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے، اس میدان میں رہ کر گرد و غبار سے وہی دامن بچا کر نکل سکتا ہے، جو نفس کو پامال کر دے، اور ہر ہر قدم پر مرضی الٰہی کو تلاش کرنے کی سعی کرتا ہو ہے حضرت عمر بن عبد العزیز کی پاکیزہ زندگی اس معیار پر کماحقہ پوری اترتی ہے

آپ کے ایثار نفس اور پاکیزہ خصائل کے واقعات اس کثرت کے ساتھ تاریخوں میں درج ہیں، کہ ان کو بیان کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، مؤلف ہم صرف چند منتخب واقعات بیان کرتے ہیں

حضرت عمر بن عبد العزیز بیت المال سے اس قدر قلیل رقم لیتے تھے، کہ اس میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا مشکل سے گذارا ہوتا تھا، بعض اوقات فاقوں تک کی نوبت آجاتی تھی، افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے آپ نے ایک روز اپنی بیوی فاطمہ کو جو سلطان عبد الملک کی بیٹی تھیں کبیدہ خاطر دیکھا، تو فرمایا، کہ اگر فقیری کی زندگی گذارنی ہے، تو میرے ساتھ رہو، ورنہ تمہارا راستہ الگ ہے، اور میرا راستہ الگ"

ایک زمانہ وہ تھا، کہ عمر بن عبد العزیز دن میں کئی کئی نہایت قیمتی جوڑے بدلتے تھے لیکن خلیفہ ہونے کے بعد یہ نوبت آگئی، کہ آپ کے پاس صرف ایک جوڑا تھا، جسے آپ دھو دھو کر پہنتے تھے، جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو نہایت ہی میلی قمیص پہنے ہوئے تھے، آپ کی بیوی سے جب کہا گیا، کہ لوگ عیادت کے لئے آرہے ہیں یہ قمیص بدلوا دو، تو آپ نے جواب دیا، کہ کہاں سے بدلواؤں، بس ان کے پاس یہی ایک قمیص ہے

ایک مرتبہ رات زیادہ ہوگئی، اور چراغ میں تیل ختم ہوگیا، رجاء بن حیات جو پاس ہی بیٹھے تھے، انہوں نے ملازم کو تیل ڈالنے کے لئے جگانا چاہا، آپ نے روک دیا، رجاء نے تیل ڈالنا چاہا، تو آپ نے انہیں بھی روک دیا، اور خود اٹھ کر آپ نے چراغ میں تیل ڈالا، اور بتی کو درست کیا، یعنی آپ اپنے کام کے لئے نوکروں تک کو تکلیف نہیں دیتے

آپ کی بیوی کو ان کے باپ سلطان عبد الملک نے ایک بیش قیمت ہیرہ دیا تھا، آپ نے ان کے پاس یہ ہیرہ دیکھا، تو کہا، کہ اسے بیت المال میں داخل کر دو، یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ" بیوی نے اسی وقت ہیرہ بیت المال میں داخل کر دیا،

آپ کو لبنان کا شہد بے حد مرغوب تھا، ایک مرتبہ اس کی خواہش ظاہر کی، تو آپ کی بیوی فاطمہ نے لبنان کے حاکم کو لکھ بھیجا، اس نے بہت سا شہد بھجوا دیا، جب فاطمہ نے اسے حضرت عمر بن عبد العزیز کے سامنے رکھا، تو آپ سب کچھ سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا، کہ معلوم ہوتا ہے، کہ تم نے حاکم لبنان سے کہلا بھیجا تھا، چنانچہ اس شہد کو چکھا تک نہیں، اور اسے فروخت کرا کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی، اور حاکم لبنان کو متنبہ کیا کہ اگر تم نے آئندہ ایسی غلطی کی، تو تمہیں عہدہ سے برطرف کر دیا جائے گا،

آپ کی پیاری بیٹی آمنہ کا کرتہ پھٹ گیا، جب اس نے باپ سے کرتے کے کپڑے کے لئے کہا تو آپ نے بیوی سے فرمایا، کہ کپڑا تو ہمارے پاس ہے نہیں، فرش پھاڑ کر اس کا کرتا بنا دو" آپ کی بہن کو جب اس واقعہ کا علم ہوا، تو انہوں نے بچی کے کرتوں کے لئے ایک تھان بھجوا دیا،

ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے، آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے، آپ کا چھوٹا لڑکا ایک سیب اٹھا کر لے گیا اور کھانے لگا، آپ نے اس سے سیب چھین لیا، تو وہ رونے لگا، اور ماں سے جا کر شکایت کی، ماں نے بازار سے سیب منگا دیا،

یزید بن عبدالملک کا چار سالہ دورِ حکومت

پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ سلیمان نے اپنے مرنے سے قبل عمر ابن عبدالعزیز کے بعد اپنے چھوٹے بھائی یزید بن عبدالملک کو ولیعہدی کے لئے نامزد کر دیا تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد حسب وصیت سنہ ۱۰۱ھ (سنہ ۷۲۰ء) میں یزید تخت سلطنت پر بیٹھا،

یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی حکم دیا، کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے طریقے پر سارے کام حکومت کے انجام دیئے جائیں، اور سلطنت کے انتظام میں ان کے ہر طریقہ کار کی پوری پوری تقلید کی جائے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلنا کوئی آسان کام نہ تھا اس کے لئے بڑے ایثار نفس کی ضرورت تھی، لہذا چند ہی روز کے بعد یہ حکم یزید کو واپس لینا پڑا، دوسرے عمال کا تو ذکر ہی کیا ہے خود یزید ان کی تقلید نہیں کر سکا

درحقیقت یزید بن عبدالملک ایک سیدھا اور نیک مزاج بادشاہ تھا، اس لئے خاندان بنی امیہ کے لوگوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا، سچ تو یہ ہے، کہ یزید میں حکمرانی کی صلاحیت مفقود تھی لیکن مملکت اسلامیہ چونکہ نہایت ہی مضبوط بنیادوں پر قائم تھی، اس لئے حکومت کا کام اس کی نااہلی کے باوجود تھوڑے بہت فساد کے ساتھ حسب معمول چلتا رہا،

عراق و ایران میں عام بغاوت

یزید بن عبدالملک کے دور حکومت کا اہم ترین واقعہ عراق، ایران اور ترکستان کی بغاوت ہے، اس بغاوت کا بانی یزید ابن مہلب سابق گورنر خراسان تھا، جسے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے رعایا پر ظلم اور سرکاری روپیہ غبن کرنے کے جرم میں دمشق کے قید خانہ میں بند کر دیا تھا،

ابن مہلب نے اپنے دور اقتدار میں یزید کے بعض رشتہ داروں کو سخت سزائیں دی تھیں اس لئے یزید شروع ہی سے اس کا مخالف تھا جب یزید تخت پر بیٹھا، تو ابن مہلب کو اس بات کا یقین ہو گیا، کہ اب مجھے قید سے نکال کر ضرور قتل کر دیا جائے گا، لہذا وہ کسی طرح قید خانہ سے فرار ہو کر بصرہ پہنچ گیا، اور عراق و ایران میں یزید کے خلاف سخت جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے بغاوت عام برپا کرا دی،

یزید بن عبدالملک نے اس بغاوت کو دبانے کے لئے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر عراق کی جانب روانہ کر دیا، مسلمہ بن عبدالملک کی یزید بن مہلب کے حامیوں اور عام باغیوں سے مختلف

محاذوں پر آٹھ دس لڑائیاں ہوئیں، بڑی خونریزی کے بعد جب ابن مہلب اور اس کا بھائی حبیب مارے گئے، تب بغاوت ختم ہوئی،

مسلمہ بن عبدالملک عراقی و ایران کی بغاوت کو دبانے کے بعد ایران و عراق کے وائسرائے بنا دیے گئے تھے، ایران و عراق کی حکومت سنبھالنے کے بعد یہ ترکستان کی جانب متوجہ ہوئے، یہاں مختلف امرا نے ابن مہلب کی تقلید کرتے ہوئے بغاوتیں برپا کر دی تھیں، مسلمہ نے ان تمام باغی امراء کی اچھی طرح سرکوبی کی، اور باغیوں کو اطاعت امیر کے لئے مجبور ہونا پڑا،

یزید بن عبدالملک کی وفات

یزید چار سال حکومت کرنے کے بعد سل کے موذی مرض میں مبتلا ہونے کے بعد ۱۰۵ھ (۷۲۳ء) میں فوت ہوگیا، بعض مورخوں کا بیان ہے، کہ یزید کو حبابہ نامی ایک لونڈی سے بے حد محبت تھی، جب یہ لونڈی مر گئی، تو اس صدمہ کی وجہ سے مرض سل جس میں وہ مبتلا تھا، بڑھ گیا، اور لونڈی کی موت کے چند ہی روز بعد یزید نے بھی جان دے دی، یزید نے مرنے سے قبل اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک کو جانشین مقرر کر لیا، یزید کا دور حکومت اگرچہ چار سال تک چلتا رہا، مگر کام کے اعتبار سے کوئی قابل ذکر دور نہیں ہے، جس کا بڑا سبب یزید کا نااہل ہونا اور ناتجربہ کار ہونا ہے،

ہشام بن عبدالملک کی ۲۰ سالہ حکومت

ہشام عبدالملک کا چوتھا بیٹا تھا جو یزید کے مرنے کے بعد ۱۰۵ھ (۷۲۳ء) میں دمشق کے تخت پر بیٹھا، خاندان امیہ میں ہشام بہت بڑا مدبر اور حوصلہ مند بادشاہ مانا گیا ہے جس میں جہانبانی کی جملہ خوبیاں موجود تھیں، تحمل اور برداشت کا مادہ اس بادشاہ میں بہت زیادہ تھا، ولید بن عبدالملک کے بعد یہ اس خاندان کا دوسرا بادشاہ ہے، جس کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو کئی اہم فتوحات حاصل ہوئیں، اور ساتھ ہی گذشتہ دور میں جو مایوسیاں پیدا ہو گئیں تھیں، بہت حد تک دور ہو گئیں،

بغاوت کا طویل سلسلہ اور کامیابی

روسی ترکستان کے امراء بڑے ہی شورہ پشت تھے، ان کا یہ دستور سا ہو گیا تھا، کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بار بار بغاوتیں کھڑی کرتے رہتے تھے، چنانچہ اس سے قبل یزید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں بھی عراق سے لے کر ترکستان تک بغاوت پھیل گئی تھی جسے مسلمہ بن عبدالملک اور اس کے نائبوں نے بڑی دشواری سے دبایا تھا،

ہشام کے دور حکومت میں بھی کابل و ترکستان سے لے کر ارمنستان تک بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی جسے دبانے کے لئے مسلمانوں کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں، ان بغاوتوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ یہ ۱۰۶ھ میں شروع ہوئی تھیں، اور ۱۱۹ھ تک جاری رہیں یعنی برابر تیرہ سال تک اسلامی لشکر ترکستان کے مختلف علاقوں میں باغیوں کا مقابلہ کرتا پھرا، ترکوں سے مسلمانوں کی بیسیوں لڑائیاں ہوئیں، جن میں ہزارہا مسلمان کام آگئے، آخر بڑی جانفشانی کے بعد مسلمانوں نے غور کو فتح کیا، ماوراء النہر کے شورش پسندوں کو دبایا، طخارستان پر فوج کشی کی، سمرقند کو زیر کیا، بخارا پر بڑی خونریزی کے بعد قبضہ کیا، چارچ کو بمشکل فتح کیا، حاکم فرغانہ کو اطاعت کے لئے مجبور کیا، غرض کہ باغی علاقے بڑی مشکل سے ۱۱۹ھ میں جا کر زیر ہوئے،

اسی طرح آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوت کا سلسلہ بھی تقریباً دو سال برابر چلتا رہا، جس کو ہشام کے بھائی مسلمہ نے خود موقعہ پر پہنچ کر دبایا،

فرانس میں اسلامی حکومت کا خاتمہ

ولید کے دور حکومت میں مسلمانوں نے جنوبی فرانس کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ جما لیا تھا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں مسلمان ایک تہائی فرانس پر قابض ہو گئے تھے، جب ہشام تخت پر بیٹھا تو اس

نے فرانس میں جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا، چنانچہ عبدالرحمن نے بڑھتے بڑھتے فرانس کے دارالسلطنت کو بھی فتح کر لیا تھا، لیکن ۱۱۴ھ میں جب فرانس کے بادشاہ چارلس مارٹل کو جرمنی پر فتح حاصل ہو گئی، تو اس کی طاقت بہت بڑھ گئی، اور اس نے فرانس کے اس علاقہ پر جہاں مسلمان حکمران تھے زبردست حملہ کر دیا، مسلمان بہت دل کھول کر لڑے بڑی شدید اور خوفناک جنگ ہوئی، مسلمان سپہ سالاروں نے میدان جیتنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، مگر چارلس جو ماہر جنگ ہونے کے ساتھ ایک بڑی طاقت اپنے ساتھ رکھتا تھا، کچھ اس انداز سے لڑا، کہ مسلمان شکست کھا ہی گئے، چارلس نے پورے علاقہ کو مسلمانوں سے صاف کر کے اپنے قبضہ میں لے لیا، اور پھر اتنا مضبوط انتظام کیا، کہ مسلمان دوبارہ فرانس کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

سوڈان میں مسلمانوں کا مکمل قبضہ

ہشام کے دور حکومت میں قیصر روم نے قیساریہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جمالیا تھا، جب ہشام کو اس کی اطلاع ملی، تو اس نے فوراً اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو قیصر کی فوجوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا، مسلمانوں میں اور رومیوں میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی، رومی مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئے، اور مسلمانوں کا قیساریہ پر دوبارہ قبضہ ہو گیا

سوڈان کا کچھ علاقہ تو مسلمان پہلے ہی فتح کر چکے تھے ۱۰۹ھ میں سوڈان کے باقی علاقوں پر بھی مسلمانوں نے یورش کر دی، اور کئی اہم شہر فتح کر لئے

اس زمانہ میں افریقہ کے شمالی علاقہ میں بربریوں نے بغاوت پھیلا رکھی تھی، جو برابر پھیلتی چلی جا رہی تھی، اسلامی فوجیں اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے فوراً ہی روانہ ہو گئیں، بربریوں نے اسلامی فوج کے سامنے مورچہ سنبھال لیا، کئی محاذوں پر خوب جنگ ہوئی، اور آخر بربریوں کی قوت کو توڑنے میں مسلمان کامیاب ہو گئے،

سندھی اُمراء کی شورش

محمد بن قاسم کے سندھ سے واپس آنے، اور قتل کئے جانے کے بعد گو مملکت اسلامیہ کی جانب سے برابر نئے گورنر سندھ جاتے رہے لیکن ان کا اثر و رسوخ دن بدن کم ہوتا چلا گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں سندھ کے راجہ جے سیہ اور دوسرے بہت سے ہندو امراء اور جاگیرداروں نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کی موت کے بعد جو مسلمان عامل سندھ گئے، وہ اس قدر عیش پرست اور بدکردار تھے، کہ سندھ کے ہندو اور نو مسلم امراء سلطنت اسلامیہ سے بدظن ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ راجہ جے سیہ اور بہت سے نو مسلم جاگیردار مرتد ہو گئے اور انہوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا

ہشام نے تخت نشین ہونے کے بعد سندھ کی جانب خاص طور پر توجہ کی، چنانچہ اس کے عہد حکومت میں کیرج، بھروچ، اجین اور بہت سے علاقے مسلم سپہ سالاروں نے دوبارہ فتح کر لئے تھے، اور سندھ کے

دا حصہ پھر مملکت اسلامیہ کے اطاعت گذار بن گئے تھے، ہشام ہی کے عہد حکومت میں سندھ میں شہر منصورہ آباد ہوا تھا جو آئندہ چل کر سندھ کا سب سے اہم اور مرکزی شہر بن گیا تھا،

ہشام کے زمانہ کا اہم ترین واقعہ

ہشام کے زمانہ کا اہم واقعہ یہ ہے، کہ کوفیوں نے ایک مرتبہ پھر اپنی عیاری اور غداری کی یاد تازہ کردی، اور پھر ایک بار عاشقان اہل بیت کا چولا بدل کر حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے زید بن علی کے ہاتھ پر کوفہ میں بیعت کرلی، اور انہیں ہشام کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کھڑا کردیا، بیس پچیس ہزار کوفی مسلح ہو کر زید بن علی کے گرد جمع ہو گئے اور ان کو اس بات کا یقین دلایا، کہ ہم آپ کے ہر اشارہ پر جانیں قربان کردیں گے، اور اہل بیت کے علاوہ کسی دوسرے کی حکومت گوارا نہیں کریں گے، لیکن جب کوفہ کا حاکم یوسف بن عمر فوج لے کر مقابلہ پر آیا، تو پہلے ہی معرکہ میں کوفیوں نے زید بن علی کا ساتھ چھوڑ دیا، اسی دوران میں دشمنوں کے ایک تیر نے آپ کی پیشانی کو زخمی کردیا، اور آپ شہید ہو گئے، گویا کوفیوں نے اپنی غداری اور بے ایمانی کی تاریخ کو کوفہ میں ایک بار پھر دہرا دیا، حضرت زید بن علی کے چند جانثار آپ کی لاش کو اٹھا کر لے گئے، اور کسی مخفی مقام پر دفن کردیا، مگر یوسف بن عمر والی کوفہ نے تلاش کر کے لاش کو قبر سے نکالا، اور سر کاٹ کر دمشق بھیج دیا، یہ ۱۲۲ھ کا واقعہ ہے،

ہشام کی وفات اور متفرق واقعات

ہشام تقریباً بیس برس حکومت کرنے کے بعد ۱۲۵ھ (۷۴۳ء) میں خناق کے مرض میں مبتلا ہو کر رحلت کر گیا رحلت کے وقت اس کی عمر پچپن سال تھی، ہشام نے اپنے بیس سالہ دور حکومت میں بہت سی اصلاحات کیں، فوج کے محکمہ کو ترقی دی، عدالتوں کو بہتر بنایا، نئے نئے شہر آباد کئے جن میں سے رصافہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، یہ شام میں قنسرین کے علاقہ میں آباد کیا گیا تھا، ہشام گرمیوں کا موسم اسی نئے شہر میں گذارتا تھا، ریشمی کپڑے کی صنعت کو اس نے خوب ترقی دی، مذہبی اور علمی خدمات میں بھی نمایاں حصہ لیا، یہ بادشاہ انتہا درجہ کا کفایت شعار تھا، یہاں تک کہ اس کی کفایت شعاری بخل کی حد کو پہنچ گئی تھی،

حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدین کا ۱۱۴ھ میں اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں انتقال ہوا، حضرت حسن بصری، حضرت حبیب عجمی اور قاسم بن محمد جو حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے تھے، ان کی بھی اسی بادشاہ کے عہد میں رحلت ہوئی، حضرت حسن بصری کے انتقال کی تاریخ ۱۱۰ھ ہے، آپ نے حضرت علی سے باطنی تعلیم حاصل کی تھی، مزار بصرہ میں ہے، حضرت حبیب عجمی حسن بصری کے مرید اور باکمال بزرگ تھے، ۱۲۱ھ وفات پائی، قاسم بن محمد نے علوم فقہ میں حضرت عائشہ سے استفادہ کیا تھا، تعلیم باطنی حضرت سلمان فارسی سے حاصل کی تھی، آپ بڑے مرتبہ کے آدمی تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے تھے، کہ اگر خلافت کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا، تو میں قاسم بن محمد کو خلیفہ

بنا تھا، آپ نے سنہ ۱۰۱ھ میں وفات پائی، دو لڑکے عبدالرحمٰن اور محمد اپنی یادگار چھوڑے،

یزید بن ولید

ولید کے بعد اس کا بیٹا یزید تخت دمشق پر متمکن ہوا یہ شخص نیک اور مدبر تھا، لیکن ولید کے عہد میں اس کی بے اعتدالیوں کے باعث انتظام سلطنت خراب ہو چکا تھا، عمان، حمص اور یمن میں فسادُ اور بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے، یزید نے ان بغاوتوں کو دبانے کے لئے منصور بن جمہور کو مقرر کیا، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا، ادھر یزید کا وقت آگیا، اور وہ ان تمام ہنگاموں کو چھوڑ کر راہی ملک عدم ہو گیا، تاریخ وفات ذیقعدہ سنہ ۱۲۶ھ ہے

ولید ثانی بن یزید

ولید ثانی یزید بن عبدالملک کا بیٹا تھا جسے اس نے اپنی زندگی ہی میں ہشام کے بعد ولیعہد نامزد کر دیا تھا، چنانچہ ہشام کے مرنے کے بعد سنہ ۱۲۵ھ (سنہ ۷۴۳ء) میں وہ دمشق میں تخت نشین ہوا، یہ بادشاہ ولیعہدی کے زمانہ ہی سے نہایت عیاش تھا، ہشام نے اس کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی، مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا جب یہ بادشاہ ہوا، تو اس کی عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا، یہ فاسق و فاجر ہونے کے علاوہ ظالم و جابر بھی تھا، اس نے ہشام کے بیٹے سلیمان کو کوڑوں سے پٹوایا، اور اس کا سر اور داڑھی منڈوا کر قید کر دیا، اس کے علاوہ اس نے ہاشمی اعزا، کی بھی بری طرح تذلیل کی جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ امرائے سلطنت میں اس کے خلاف اشتعال پیدا ہو گیا، اور اس کے خلاف عام شورش برپا ہو گئی، اس شورش کا مقابلہ کرتے ہوئے یہ بادشاہ سنہ ۱۲۶ھ میں قتل ہو گیا

ابراہیم بن ولید

یہ یزید کا بھائی اور ولید بن عبدالملک کا بیٹا تھا جو اپنے بھائی یزید کے مرنے کے بعد سنہ ۱۲۶ھ میں تخت نشین ہوا، حالات حکومت پہلے ہی سے خراب ہو رہے تھے، ابراہیم کو بھی کچھ زیادہ طاقت حاصل نہیں تھی، آخر اس کے چچا مروان بن محمد نے جو پہلے ہی سے اپنی خلافت کے لئے کوشش کر رہا تھا، اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بغاوت کر دی، ابراہیم نے باوجود ناطاقتی کے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن اکثر سردار چونکہ مروان سے مل گئے تھے، اس لئے اسے شکست ہو گئی، اور وہ صرف چار ماہ حکومت کرنے کے بعد فرار ہو گیا، اس کے فرار ہونے کے بعد مروان ثانی بن محمد نے دمشق کے تخت پر قبضہ جما لیا، اور ابراہیم کے آدمیوں کو چن چن کر قتل کر دیا مگر اس کے باوجود حکومت بنو امیہ کو باقی رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا،

بنی امیہ کا آخری بادشاہ

مروان ثانی بن محمد اپنے بھتیجے ابراہیم کو شکست دینے کے بعد اگرچہ ۱۲۷ھ میں دمشق کے تخت پر بیٹھ گیا تھا لیکن اسے جو حکومت ملی تھی، اس کی بنیادیں متزلزل ہو چکی تھیں، شاہان بنی امیہ کے خلاف علویوں کی خفیہ تحریکوں اور پے در پے ہوتی بغاوتوں نے اموی حکومت کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا تھا کہ کوئی لائق سے لائق حکمران بھی اسے چلا سکتا۔ اس کے علاوہ کچھ نااہل اور عیاش قسم کے بادشاہوں نے انتظام مملکت کو اتنا ناقص بنا دیا تھا، کہ حکومت کا وقار بہت گھٹ چکا تھا، مروان نے تخت نشین ہونے کے بعد اگرچہ اس گرتی ہوئی حکومت کو سنبھالنے کی انتہائی کوشش کی، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا، اور نتیجہ یہ نکلا، کہ مروان ثانی پر ہی خاندان بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا،

علویوں کی انقلابی تحریک

شاہان بنی امیہ نے اگرچہ طاقت اور عیارانہ سیاست کے بل پر حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ کے بعد خلافت اسلامیہ پر قبضہ جما لیا تھا لیکن پھر بھی مملکت اسلامیہ کا ایک بہت بڑا طبقہ شاہان بنی امیہ کا سخت مخالف تھا، اور انہیں غاصب اور ڈاکو تصور کرتا تھا، چنانچہ کسی نہ کسی صورت میں برابر شاہان بنی امیہ کے خلاف تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد باغیانہ تحریکیں ابھرتی رہیں، اور اندر ہی اندر پھیلتی رہیں، یہاں تک کہ شاہان بنی امیہ کے آخری دور حکومت میں ایک ایسی مضبوط انقلابی تحریک اٹھی، جس نے اموی بادشاہوں کی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا،

کہا جاتا ہے، کہ اس انقلابی تحریک کے بانی اور محرک حضرت امام حسین کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ تھے جنہوں نے عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں شیعان علی کی تحریک کی قیادت سنبھال کر عبدالملک کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا، عبدالملک نے گو بزور شمشیر اس تحریک کو دبا لیا تھا، لیکن یہ تحریک اندر ہی اندر خفیہ طریقہ پر نہایت تیزی کے ساتھ پھیلتی رہی، اور اس نے مسلمانوں میں کافی اثر پیدا کر لیا،

محمد بن حنفیہ کی اس جاری کردہ تحریک کو ان کے بعد ان کے صاحبزادے ابو ہاشم بابرکت آگے بڑھاتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ سرزمین عجم میں بنی امیہ کے ہزاروں مخالفین نے خفیہ طور پر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ستانوے ہجری میں سلیمان بن عبدالملک کے عہد حکومت میں اس انقلابی تحریک کو فروغ دینے کے سلسلہ میں جب امام ابو ہاشم شام گئے، تو سلیمان نے بظاہر تو ان کی بڑی عزت، اور خاطر مدارات کی، لیکن درپردہ سازش کر کے ان کو زہر دلوا دیا، اور یہ تحریک ختم ہو گئی،

حکومت آلِ عباس کے ہاتھ میں

شام میں چونکہ امام ابو ہاشم یعنی علویوں کی اولاد میں سے کوئی نہ تھا، اس لئے امام ابو ہاشم نے مرنے سے قبل اس خفیہ انقلابی تحریک کی قیادت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی عباس یعنی عباسیوں کے سپرد کر دی، اور اپنے عراقی خراسانی اور دوسرے تمام متبعین کو مرنے سے قبل ہدایت کر دی، کہ میں نے محمد بن علی عباس کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے، آئندہ ان کی اطاعت کرنا، اور ان کی سرکردگی میں خلافت کی خفیہ تحریک کو آگے بڑھانا چنانچہ ابو ہاشم کے ہزاروں مقلدوں نے محمد بن علی عباس کے ہاتھ پر بیعت کر لی، گویا خلافت کی وہ انقلابی تحریک جو آل علی نے شروع کی تھی، اس طرح آل عباس کے ہاتھوں میں پہنچ گئی،

محمد بن علی عباس نے اس تحریک کی قیادت سنبھالنے کے بعد اسے اندر ہی اندر خوب منظم کیا، اور اس تحریک کو عراق اور خراسان کے ایک ایک گاؤں میں پھیلا دیا، گویا محمد بن علی عباس نے در پردہ سلطنت بنی امیہ کے مقابلہ میں اندر ہی اندر ایک متوازی عباسی حکومت قائم کر لی جس میں عوام کے علاوہ امراء اور بڑے بڑے عمال حکومت بھی شریک ہو گئے، محمد بن علی عباس کے مرنے کے بعد اس تحریک کی قیادت ان کے صاحبزادے امام ابراہیم عباسی کے ہاتھ میں آئی، جنہوں نے اس انقلابی تحریک کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا،

مروان کے خلاف بغاوت عام

مروان کے تخت نشین ہونے کے بعد اس کے خلاف جو بغاوتیں کھڑی ہوئیں، وہ دو قسم کی تھیں، ان میں سب سے اہم بغاوتیں تو ان عجمیوں کی تھیں جو امام ابراہیم کی سرکردگی میں بغاوت برپا کر کے پورے عجم پر سے مروان کی حکومت کو ختم کر دینا چاہتے تھے، دوسری بغاوتیں عرب سرداروں کی تھیں، جن کا تعلق گو اس انقلابی تحریک سے نہیں تھا لیکن وہ بھی مروان کی مخالفت میں میدان میں آ گئے تھے، یعنی عرب سرداروں میں بھی بری طرح خانہ جنگی برپا ہو چکی تھی جس کی وجہ سے انقلابیوں کو بے حد فائدہ پہنچا،

سب سے پہلے مروان کے خلاف خود اس کے گھر میں یعنی شام میں بغاوت کھڑی ہوئی، مروان نے بڑی جرأت اور دلیری سے کام لے کر اس بغاوت کو دبا دیا، اور ہزاروں باغیوں کو قید کر دیا، لیکن اس نے یہ غلطی کی، کہ پھر ان ہی قیدیوں کو اپنی فوج میں بھرتی کر لیا، چنانچہ موقعہ ملتے ہی یہ مروان سے الگ ہو گئے، اور ہشام کے بیٹے سلیمان سے مل کر مروان کے خلاف دوبارہ میدان میں آ گئے سلیمان کے ستر ہزار لشکر سے مروان کا حناف کے مقام پر سخت مقابلہ ہوا اس معرکہ میں سلیمان کو شکست ہو گئی، اس کے بعد عراق میں مروان کے خلاف اسی قسم کی ایک اور بغاوت برپا ہوئی جسے کوفہ کے عامل عبداللہ بن عمر نے بڑی مشکل سے دبایا،

ابو مسلم خراسانی کی اصلی خواہش: ۔ ابو مسلم خراسانی خراسان میں عباسیوں کی انقلابی تحریک کا سب سے

بڑا داعی تھا، یہ امام ابراہیم عباسی کے دست راست کی حیثیت سے خراسان میں کام کر رہا تھا، اس لئے تقریباً سارے خراسان کو اس انقلابی تحریک میں شامل کر لیا تھا، یہ پارسی النسل تو مسلم تھا جو بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر عربوں سے ایرانی حکومت کے خاتمہ کا انتقام لینا چاہتا تھا، ابو مسلم کو یوں تو سب ہی عربوں سے عناد تھا، لیکن وہ بنی امیہ کا خاص طور پر اس لئے مخالف تھا، کیونکہ اس زمانہ میں ان ہی کی حکومت برسراقتدار تھی، چنانچہ بنی امیہ سے انتقام لینے ہی کی غرض سے وہ عباسیوں کی انقلابی تحریک کا سرگرم کارکن بن گیا،

ابو مسلم خراسانی نے جہاں تک خراسان اور اس کے ملحقہ علاقوں کا تعلق ہے، ان کو تو بنی امیہ کے خلاف بغاوت کے لئے بالکل ہموار کر ہی لیا تھا، لیکن وہ جانتا تھا، کہ جب تک عرب قبائل کے اندر افتراق پیدا نہیں ہوگا، اس وقت تک ایران اور خراسان کی بغاوت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا، خوبی قسمت سے اسی زمانہ میں جب مختلف عرب قبائل میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، تو ابو مسلم خراسانی کو اپنی مقصد براری کا بہترین موقعہ ہاتھ آگیا، عرب کے جو قبائل اس وقت برسرپیکار تھے، سلطان مروان ان میں سے بعض قبائل کا حامی تھا، اور بعض کا مخالف، ابو مسلم نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر عرب قبائل کی دشمنی کی آگ کو خوب بھڑکایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ عرب قبائل کی خانہ جنگی انتہا کو پہنچ گئی، اور اس خانہ جنگی نے ابو مسلم خراسانی کے لئے میدان صاف کر دیا،

امام ابراہیم عباسی کا قتل

اسی زمانہ میں سلطان مروان کے ہاتھ اتفاق سے امام ابراہیم کا وہ خط پڑ گیا، جس میں کہ انہوں نے ابو مسلم خراسانی کو لکھا تھا، کہ "فوراً خراسان میں بغاوت برپا کر کے وہاں کی حکومت پر قبضہ جما لو، اور بنی امیہ کے حامی کسی عرب کو بھی زندہ نہ چھوڑو" اس خط کی بنا پر مروان نے امام ابراہیم کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا، جس کی وجہ سے ابو مسلم خراسانی اور امام ابراہیم کے ہزاروں معتقدین سلطان مروان سے اور بھی برہم ہو گئے،

امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل کے بعد ان کے دونوں بھائی یا ابو العباس عبداللہ اور ابو جعفر عبداللہ کوفہ آ گئے، ابو مسلم خراسانی کو جب ان کے کوفہ پہنچنے کی اطلاع ملی، تو وہ بھی کوفہ آ گیا، اور اس نے ابو عباس عبداللہ کو امام ابراہیم کا جانشین مقرر کر کے اس کے ہاتھ پر ۱۲۹ھ میں بیعت کر لی، اس کے بعد ابو مسلم خراسانی خراسان واپس آ گیا، اور اس نے سارے خراسان کا دورہ کر کے بغاوت کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی، چنانچہ تاریخ مقررہ پر ایک لاکھ خراسانی ابو مسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے،

ابو مسلم نے اس موقعہ پر انتہائی چالاکی سے کام لے کر کئی نہایت مضبوط عرب قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور پھر یورش کر کے پورے خراسان پر قبضہ جما لیا، اور خراسانیوں سے امام ابو العباس عبداللہ کی خلافت پر بیعت لے لی، اس کے بعد ابو مسلم خراسانی اپنا بے پناہ لشکر لئے ہوئے عراق کی جانب بڑھا، اور عراق کے بیشتر حصہ پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا، کوفہ

کی فتح کے بعد ۱۳۲ھ میں باقاعدہ ابو العباس عبد اللہ کی خلافت کا اعلان ہو گیا، لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ابو العباس نے بحیثیت خلیفہ کے جامع مسجد کوفہ میں اپنا پہلا خطبہ دیا،

مروان کی شکست اور قتل

خراسان، ایران اور عراق پر انقلابیوں یعنی عباسیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اب صرف مروان سے آخری فیصلہ کن جنگ باقی تھی، لہٰذا اس جنگ کے لئے ابو العباس نے اپنے چچا عبد اللہ بن علی کو ایک لشکر عظیم دے کر مروان کے مقابلہ پر روانہ کر دیا، ۱۳۲ھ میں دونوں لشکروں میں موصل کے قریب دریائے زاب کے کنارے سخت مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں مروان کو شکست ہو گئی، وہ زاب کے کنارے سے بھاگ کر موصل پہنچا، عبد اللہ بن علی بھی اس کے تعاقب میں موصل پہنچ گیا، مروان اس کے موصل پہنچنے سے قبل ہی شام چلا گیا، اسے امید تھی، کہ اہل شام اس کی مدد کریں گے، لیکن جب اس نازک وقت میں شام والوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا، تو وہ فلسطین ہوتا ہوا مصر نکل گیا، مصر میں عباسیوں کے حامیوں نے اسے گھیر لیا، اور وہ لڑتا ہوا ۱۳۲ھ میں مارا گیا،

مروان کے مارے جانے کے بعد ۹۲ سال کے بعد شاہان بنی امیہ کی وہ حکومت ختم ہو گئی جس کی بنیاد امیر معاویہؓ نے ۴۱ھ میں حضرت امام حسن علیہ السلام سے معاہدہ شکنی کر کے رکھی تھی،

حکومت بنی امیہ پر ایک نظر

امیر معاویہؓ سے مروان الحمار تک خاندان بنی امیہ کے ۱۴ خلفاء ہوئے ہیں، جنہوں نے ۹۲ سال مسلسل حکومت کی، اس میں شک نہیں، کہ خلفائے بنی امیہ کے دور میں جہاں تک فتوحات کا تعلق ہے، اسلامی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی، لیکن خلفائے راشدین کے مبارک دور میں جو عظمت اور مسلمانوں میں باہمی اخوت اور محبت نظر آتی تھی، وہ بنی امیہ کے زمانہ کو نصیب نہیں ہوئی، اس کی سب سے بڑی وجہ صرف ایک ہی نظر آتی ہے، اور وہ خود غرضی اور ذاتی مفاد کی تکمیل کا جذبہ ہے،

غالباً ہمارا یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا، کہ اگر بنی امیہ کے دور میں حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ نہ ہوئے ہوتے، تو یہ زمانہ فتوحات کے لحاظ سے تو قابل ذکر ہو سکتا ہے مگر مذہبی حیثیت سے تاریک نظر آتا ہے

بنی امیہ کی قلمرو پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا کا ایک بڑا حصہ وہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ انہوں نے مغرب میں اندلس، ہسپانیہ، کوہ برنیر اور فرانس تک کو نہیں چھوڑا، دوسری طرف بلاد فارس، خراسان اور سیستان میں اسلامی سکہ جما یا، یہاں تک کہ ہندوستان سندھ کا ایک بڑا حصہ بھی بنی امیہ کے ہاتھ آ چکا تھا،

مگر پھر بھی یہ بات کبھی بھولنا نہیں چاہیئے، کہ قلمرو اسلامی کی یہ عظیم وسعت، ہادی اسلام کے جاں نثاروں اور خلفائے راشدین و نیز مجاہدین اسلام کی ہیبت و عظمت کا نتیجہ ہے،

کاش! خلفائے بنی امیہ، خلفائے راشدین کے طریق عمل کو مد نظر رکھتے، اور ان میں دنیوی شان و شوکت اور حصول زر کی خواہش پیدا نہ ہوتی، تو پھر عربی اسلامی سلطنت ہرگز کمزور نہ ہوتی

حصّہ ہشتم

خلفائے عباسیہ کا دور

حکومت

سنہ ۱۳۲ھ ـــــ تا ـــــ سنہ ۶۵۶ھ

ـــــ مطابق ـــــ

سنہ ۷۵۰ئ ـــــ تا ـــــ سنہ ۱۲۵۸ئ

حکومت عباسیہ کا پہلا خلیفہ

مؤرخین کا بیان ہے، کہ حکومت عباسیہ کا پہلا خلیفہ ابوالعباس سفاح، حضرت عباسؓ کی اولاد میں سے ہے، حضرت عباس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے،

سفاح کی رسم تخت نشینی

عجمی سرداروں کی مدد سے بنی امیہ کا تخت الٹنے کے بعد اور بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان ثانی کو شکست دینے کے بعد عباسی حکومت کا پہلا خلیفہ ابوالعباس عبداللہ سفاح تخت نشین ہوا، کہا جاتا ہے، کہ تخت نشینی سے قبل تین مرتبہ اس کے ہاتھ پر امامت و خلافت کے لئے بیعت کی گئی، پہلی بیعت امام ابراہیم کی گرفتاری اور قتل کے بعد ۱۲۹ھ میں ہوئی جو اس کی امامت کی بیعت تھی، دوسری بیعت عراق پر انقلابیوں یعنی عباسیوں کے قبضہ کے بعد ربیع الاول ۱۳۲ھ میں کوفہ میں ہوئی جس میں صرف عراقی، ایرانی اور خراسانی شامل تھے، اور تیسری بیعت بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان ثانی کے بعد ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں ہوئی، اس تیسری بیعت میں سب شریک تھے، اس بیعت کے بعد باقاعدہ ابوالعباس سفاح کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی، اور اسے پوری مملکت اسلامیہ کا خلیفہ تسلیم کیا جانے لگا،

قتل عام اور سفاح کا لقب

ابوالعباس سفاح نے تخت نشین ہونے کے بعد جس بے دردی کے ساتھ خاندان بنی امیہ کے امراء اور دوسرے لوگوں کو قتل کرایا، اس سے یہ شبہ ہوتا تھا، کہ شاید اس بادشاہ کی زندگی کا واحد مقصد یہی ہے، کہ وہ خاندان بنی امیہ کے افراد کو چن چن کر قتل کراتا ہے، چنانچہ اس کے اسی ظلم و ستم کی بنا پر اس کا نام "سفاح" یعنی خونریز پڑ گیا،

سفاح کے مظالم کی رفتار اس قدر تیز تھی، کہ یہ معلوم ہوتا تھا، کہ وہ سال دو سال کے اندر ہی بنی امیہ کی ان تمام سفاکیوں اور زیادتیوں کا بدلہ لے لینا چاہتا ہے، جو شاہان بنی امیہ کی حکومت میں گذشتہ ایک صدی کے اندر کی گئی تھیں، پوری مملکت اسلامیہ میں ہر جگہ اموی بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کئے گئے، ان پر سخت سے سخت انسانیت سوز مظالم توڑے گئے، یہاں تک کہ ان کی قبریں تک اکھڑوا کر پھنکوادی گئیں، اور قبروں سے مردوں کی ہڈیوں تک کو نکلوا کر نذر آتش کر دیا گیا، اس قتل و خون اور غارتگری کے طوفان سے کوئی ایک بھی اموی گھرانا محفوظ نہ رہا، صرف ایک اموی شہزادہ عبدالرحمن بن معاویہ ثانی جو نہ صرف دور اندیش بلکہ نڈر اور بہادر بھی تھا کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل گیا تھا جس نے کہ اسپین پہنچ کر خاندان بنی امیہ کی نئے سرے سے حکومت قائم کرلی،

پرانے نظام میں تبدیلی

ابوالعباس سفاح نے تخت نشین ہونے کے بعد شاہان بنی امیہ کے پرانے نظام حکومت میں تبدیلیاں کرنے کے بعد اس بات کی انتہائی کوشش کی، کہ اس کی قائم کردہ جدید سلطنت کا نظام ہر طرح مضبوط اور مکمل ہو جائے، مگر اسے اپنے مقصد میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی، اس کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ تخت نشین ہوتے ہی اندرونی بغاوتوں نے اس کی ساری توجہ اپنی طرف کھینچ لی، تاہم پرانے نظام حکومت کو بہت حد تک بدل ڈالا،

سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا، کہ شام کی بجائے عراق کو دارالسلطنت قرار دیا، اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی، کیونکہ بنی عباس کے حامی اور مددگار زیادہ تر عراق اور ایران ہی میں تھے، لہٰذا اس نے ۱۳۴ھ میں انبار میں ہاشمیہ کے نام سے ایک نیا شہر آباد کر کے اسے دارالخلافہ قرار دیا، بعض مورخین نے اس نئے دارالخلافہ کا نام مدینۃ المنصور بھی بیان کیا ہے،

وزیر کے عہدہ کا رواج

ابھی تک مملکت اسلامیہ میں وزارت کا عہدہ نہیں تھا، سفاح پہلا حکمران ہے جس نے وزارت کا رواج قائم کیا، چنانچہ عباسی حکومت کا پہلا وزیر ابوسلمہ حفص بن سلیمان مقرر ہوا، یہ عباسیوں کی انقلابی تحریک کا بہت بڑا داعی اور ابومسلم خراسانی کا دست راست تھا، لیکن اس وزیر نے برسر اقتدار آنے کے بعد چونکہ در پردہ خلافت کو اہل بیت میں منتقل کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی، اس لئے سفاح نے اسے قتل کرا دیا، ابوسلمہ کے قتل کے بعد یہ عہدہ خالد بن برمک کو ملا، خالد اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم، فاضل اور سیاست دان تھا، اس نے بھی عباسی حکومت کے قیام میں بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں، اس کے آباؤ اجداد بدھ مذہب کے پیرو تھے، لیکن خالد نے بدھ مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا۔

سفاح نے برسر اقتدار آنے کے ساتھ ہی مملکت اسلامیہ کے تمام صوبوں کے پرانے اموی عمال کو معزول یا قتل کر کے ان کی جگہ نئے عمال مقرر کر دیئے تھے، جن میں سے زیادہ تر سفاح کے عزیز اور قریبی رشتہ دار تھے، خراسان کی حکومت بدستور ابومسلم خراسانی کے ہاتھ میں رہی، کیونکہ بنی عباس کی حکومت کے قیام میں سب سے بڑا ہاتھ ابومسلم خراسانی کا تھا، جس نے نہایت کوشش سے آل عباس کے لئے حکومت کا ساز و سامان مہیا کر دیا، بلکہ اگر یہ کہا جائے، تو بے جا نہ ہوگا، کہ عباسیوں کی حکومت اسی خراسانی سوار کی بدولت عالم وجود میں آئی تھی، جس نے اپنی ساری سوجھ بوجھ کو صرف اسی کام کے لئے وقف کر دیا تھا،

شورشیں اور بغاوت

ابوالعباس سفاح کی حکومت کا پورا زمانہ اندرونی اور بیرونی بغاوتوں اور فتنوں میں گذر گیا، اور اسے اتنا موقعہ نہ مل سکا، کہ وہ کسی دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکتا، اس بدنظمی کے دو بڑے سبب ہیں، پہلا سبب تو یہ ہے، کہ اسے جو نئی نئی حکومت ملی تھی وہ بنی امیہ سے چھینی گئی تھی،

جس کے حامی ابھی تک مملکت اسلامیہ میں موجود تھے، اور ان کی طرف سے آئے دن شورشیں اور بغاوتیں کھڑی ہوتی رہتی تھیں، دوسری وجہ یہ تھی، کہ عباسیوں نے اہل بیت کے نام پر بغاوت برپا کر کے اس حکومت پر چونکہ قبضہ جمایا تھا، اور اہل بیت کی بجائے یہ خود حکومت پر قابض ہو گئے تھے، اس لئے وہ خود حامیان اہل بیت جن کو یہ توقع تھی، کہ عباسی بنی امیہ کا تختہ الٹنے کے بعد یہ حکومت اہل بیت کے سپرد کر دیں گے، ان کے سخت مخالف ہو گئے، اور انہوں نے جا بجا عباسیوں کے خلاف شورش برپا کر دی، یہاں تک کہ ابو سلمہ وزیر اعظم کی بھی دلی خواہش اور کوشش یہی تھی، کہ عباسی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے، اور حکومت اہل بیت کے حوالہ کر دی جائے، آخر سفاح کو وزیر اعظم کی اس کوشش کا پتہ چل گیا، اور اس نے اسے قتل کرا دیا

سفاح کے زمانہ کی چند اہم شورشیں اور بغاوتیں یہ ہیں، سنہ ۱۳۳ھ میں محمد بن سلمہ اموی نے خراسان کو واپس لینا چاہا، مگر اسے ناکامی ہوئی، امویوں نے موصل میں بغاوت برپا کر کے عباسی عامل کو نکال دیا، لیکن عباسیوں نے بزور شمشیر دوبارہ موصل پر قبضہ کر لیا، آرمینیہ پر اموی قابض ہو گئے تھے، لیکن انہیں شکست دے کر عباسیوں نے آرمینیہ پر بھی قبضہ جما لیا، سندھ پر بھی بنی امیہ کا حامی منصور قابض ہو گیا تھا، عباسیوں نے اسے بھی شکست دے کر سندھ سے نکال دیا، بخارا میں حامیان اہل بیت نے بغاوت برپا کر دی تھی، ابو مسلم خراسانی نے ان کو کچل کر رکھ دیا، عمان اور بحرین میں خارجیوں کا فتنہ کھڑا ہوا، تو اس فتنہ کو بھی دبا دیا گیا، اور خارجیوں کا سردار جلندی مارا گیا،

رومی عیسائیوں نے جب دیکھا، کہ مملکت اسلامیہ میں بد نظمی پھیلی ہوئی ہے، تو انہوں نے بھی مسلم علاقوں پر حملے شروع کر دیئے، چنانچہ سنہ ۱۳۳ھ میں قیصر روم نے شہر ملطیہ اور ملطیہ پر جو مسلمانوں کے زیر اثر تھے، حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا لیکن سفاح نے فوج بھیج کر یہ دونوں مقام رومیوں سے واپس لے لئے، اسی سال خالد بن ابراہیم نے ختن پر فوج کشی کر کے اس پر قبضہ جما لیا، اور ۱۳۴ھ میں مہاراج بھی فتح ہو گیا،

ابو العباس سفاح کا انتقال

ابو العباس سفاح نے تقریباً چار سال حکومت کی، اس نے اپنی زندگی میں اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اپنے بعد ولیعہد نامزد کر دیا تھا، ساتھ ہی اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کو بھی جعفر کے بعد دوسرا ولی عہد نامزد کر دیا تھا، اور یہ سب کچھ اس جذبہ کے تحت کیا گیا تھا کہ حکومت عباسی خاندان سے نکل کر اہل بیت کے ہاتھ میں نہ جانے پائے،

ابو العباس سفاح جب کہ اس کی عمر ۳۶ برس کی تھی، سنہ ۱۳۶ھ (۷۵۴ء) میں مرض چیچک میں مبتلا ہوا، اور چند ہی روز کے بعد مر گیا، اور ابو جعفر منصور نے دار الخلافہ ہاشمیہ میں تخت سلطنت کو سنبھال لیا،

حالات زندگی

سفاح بنی امیہ کے لئے جتنا بڑا ظالم اور جابر تھا، اتنا ہی دوسروں کے لئے رحم دل اور فیاض بھی تھا، وہ بڑا ہی سیر چشم حکمران تھا، سیوطی کا بیان ہے، کہ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا فیاض تھا،

جو وعدہ کرتا تھا، اس کو اسی وقت پورا کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ اپنے حریف علویوں کے ساتھ بھی بڑی فیاضی کے ساتھ پیش آتا تھا، مسلم باہلی کا بیان ہے، کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن حسن علوی نے سفاح سے کہا، کہ میں نے ایک لاکھ درہم کا نام سنا ہے، دیکھا کبھی نہیں؟ سفاح نے اسی وقت ایک لاکھ درہم منگوا کر حکم دیا، کہ ان کے گھر پہنچا دو،

شعر و شاعری اور موسیقی سے اسے غیر معمولی دلچسپی تھی، چنانچہ مورخوں کا بیان ہے، کہ وہ شاعروں اور گویوں کو لاکھوں کی رقمیں اٹھا کر دے دیا کرتا تھا، کبھی کوئی شاعر اور گویا اس کے دربار سے خالی نہیں گیا، مورخین کا بیان ہے، کہ سفاح نے جب پہلی مرتبہ شہر کوفہ میں ۱۳ ربیع الاول کو لوگوں سے بیعت لی، تو اس وقت حسب ذیل تقریر کی،

"ساری تعریف اس خدا کے لئے ہے، جس نے اسلام کو دین منتخب کیا، اور اس دین کو تمام ادیانوں پر فوقیت بخشی اور ہم کو اس دین پر چلنے کی توفیق عطا کی، ظالموں سے بدلہ لینے میں کوتاہی مت کرو، اور بیعت پر مضبوطی سے قائم رہو"

سفاح نے تمام کلیدی عہدوں سے عربوں کو ہٹا دیا، اور ان کی جگہ اپنے رشتہ دار مقرر کئے، ابو العباس سفاح کی حکومت میں حسب ذیل علماء و صلحاء نے وفات پائی،

زید بن اسلم، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم، عبدالملک بن عمیر بجلی

سفاح کا جانشین ابوجعفر عبداللہ منصور (۲)

ابوالعباس سفاح کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا منصور اگرچہ ایک بربری لونڈی سلامہ کے بطن سے تھا، مگر نہایت بارعب، دلیر، مدبر اور عالم شخص تھا، مگر اسی کے ساتھ دولت کا گرویدہ اور جلد باز تھا، بہر حال حسن انتظام سلطنت اور اقتدار کی حفاظت کے باعث اس کا نام اسلامی تاریخ میں نمایاں نظر آتا ہے، دراصل عباسی حکومت کی بنیادوں کو اس خلیفہ نے اتنا مضبوط کیا، کہ صدیوں تک اس کے جانشین بڑے دبدبے سے حکومت کرتے رہے،

تخت نشینی کے وقت منصور کی عمر ۴۱ سال تھی، یہ نہایت وجیہہ اور حسین وجمیل تھا، اس کے چہرہ سے ایسی وجاہت اور شہامت کا اظہار ہوتا تھا، کہ دیکھنے والوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، اس کا قد لانبا تھا، بدن بھرا ہوا تھا، اور چہرہ انار کے دانہ کی طرح سرخ تھا، فصاحت وبلاغت میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، اتنا بڑا صائب الرائے تھا، کہ اس کی رائے کو مشکل ہی سے رد کیا جا سکتا تھا علم وفضل کے اعتبار سے بھی اس کا پایہ بے حد بلند تھا چنانچہ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا عالم اور لائق ادیب شمار کیا جاتا تھا،

وہ دولت کی حفاظت کو بہت ضروری جانتا تھا، اور اپنے آدمیوں سے اکثر کہا کرتا تھا، کہ جس کی دولت کم ہو گئی، اس کے دوست اور مددگار بھی کم ہو گئے، اور ایسے لوگ پھر حکومت کو بھی کسی طرح باقی نہیں رکھ سکتے،

رعب ودبدبہ کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے لوگ اس کے سامنے آتے ہوئے کانپتے تھے سخاوت کے ساتھ ساتھ دشمنوں کے خلاف اس کی تلوار ہمیشہ تیار رہتی تھی، جبر وظلم کا یہ عالم تھا، کہ محض ذاتی اختلاف کی وجہ سے ہزاروں بندگان خدا کو تہ تیغ کرا دیا، غرض منصور متضاد خوبیوں کا مالک تھا، برائیوں کے ساتھ اس میں کچھ اہم خصوصیات بھی تھیں،

عبداللہ اور خراسانی کا قتل

عبداللہ بن علی منصور کا چچا تھا، اور شام کا گورنر تھا بنی امیہ کی حکومت کو ختم کرنے میں اس نے بڑی خدمات انجام دی تھیں، نہایت بہادر، ہوشیار اور موقع شناس واقع ہوا تھا منصور کے تخت نشین ہوتے ہی اس نے خود کو سفاح کا ولیعہد قرار دے کر شام میں بیعت لینا شروع کر دی، منصور نے ابومسلم خراسانی کو مقابلہ کے لئے بھیجا جس نے عبداللہ کو شکست دی اور پھر منصور نے اسے گرفتار کرا کے قتل کرا دیا

عبداللہ بن علی کی شکست اور قتل کے بعد ابومسلم خراسانی کے ہاتھ اس کی بے اندازہ دولت آئی تھی، منصور جو

فطری طور پر بے حد کنجوس اور لالچی تھا، اس نے ابومسلم خراسانی سے یہ دولت واپس لینے کے لئے فوراً دارالخلافہ سے اپنے آدمی روانہ کر دیئے، ابومسلم کو منصور کی یہ حرکت ناگوار گذری، اس لئے نہ صرف اس دولت کے دینے سے انکار کر دیا، بلکہ وہ منصور کا شدید مخالف ہو گیا، اور اس نے خلافت عباسیہ کو مٹا کر علویوں کی خلافت قائم کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں،

منصور ابومسلم خراسانی کے وسیع اثرات اور طاقت سے بخوبی واقف تھا، وہ یہ سمجھتا تھا، کہ اس سے اس کی مخالفت حکومت عباسیہ کے لئے کتنی مضر ثابت ہو سکتی ہے، لہٰذا اس نے فوراً ابومسلم کی خوشامدیں شروع کر دیں، اس کے پاس دوستی اور محبت کے پیغامات بھیجے، ابومسلم خراسانی شروع شروع میں تو منصور کے قابو میں نہیں آیا، لیکن کچھ دن کے بعد منصور کے اظہار محبت سے متاثر ہو کر منصور کے دربار میں حاضر ہوا، منصور نے بے حد خاطر و مدارات سے ملاقات کی اور جب خراسانی کو منصور کی طرف سے کافی اطمینان ہو گیا، تو پھر ایک دن سر دربار گرفتار کرا کے قتل کرا دیا، درحقیقت منصور خراسانی کے وسیع اثرات اور اس کی بہادری سے بہت مرعوب تھا، اور وہ خراسانی کو اپنے راستہ میں سخت مزاحم سمجھتا تھا، خراسانی کا قتل ۱۳۷ھ میں واقع ہوا،

ابومسلم خراسانی کے قتل کے بعد حکومت عباسیہ کے خلاف خراسان میں بغاوت پھیل گئی، اس بغاوت کا راہنما سنباد نامی ایک خراسانی سردار تھا، منصور نے جمہور بن مرار عجلی کو بھیج کر اس بغاوت کو کچل دیا، اور سنباد مارا گیا، مگر سنباد کو شکست دینے کے بعد خود جمہور بن مرار عجلی باغی ہو گیا، کیونکہ اس جنگ میں جو بے اندازہ دولت اس کے ہاتھ آئی تھی، اسے وہ ہضم کر جانا چاہتا تھا، منصور نے ایک دوسرا لشکر جمہور کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا، جمہور کو شکست ہو گئی، اور وہ آذربائیجان بھاگ گیا، جہاں اسے قتل کر دیا گیا، اور اس طرح بغاوت در بغاوت کے سلسلے سے منصور کو نجات حاصل ہوئی،

اسپین کی خودمختاری

منصور کے عہد حکومت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے، کہ خاندان بنی امیہ کا ایک شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ ثانی جو کسی طرح عباسیوں کی داروگیر اور قتل عام سے بچ کر نکل گیا تھا، اس نے ۱۳۸ھ میں اندلس پہنچ کر وہاں نئے سرے سے خاندان بنی امیہ کی حکومت قائم کر لی، جو تقریباً ڈھائی سو برس تک باقی رہی، اور اس طرح اسپین ہمیشہ کے لئے خلافت اسلامیہ سے الگ ہو گیا،

اسپین کو ۹۲ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں مسلمانوں نے فتح کیا تھا، اسی زمانہ سے یہ خلافت اسلامیہ کا ایک ماتحت صوبہ بن گیا تھا، جس پر خلافت کے نامزد کردہ گورنر حکومت کرتے تھے، حکومت بنی امیہ کے ابتدائی زمانہ میں تو یہ گورنر خوش اسلوبی کے ساتھ حکومت کرتے رہے، لیکن اموی حکومت کے آخری دور میں مرکز کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مضری اور یمنی سرداروں نے ملک میں سخت انتشار پیدا کر دیا، اور اقتدار کے لئے

آپس میں جنگ شروع کردی، اموی حکومت کے حامی مسلمان اس قدر کمزور ہوگئے تھے، کہ ان دونوں سرداروں سے مقابلہ کرنا ان کے لئے دشوار ہوگیا تھا، آخر ایک مضری سردار یوسف مضری نے یمنی سرداروں کو زیر کرکے اپنی حکومت قائم کرلی شہزادہ عبدالرحمن جب عباسیوں کی نظروں سے بچتا ہوا افریقہ پہنچا، تو اس نے کوشش کی، کہ اسپین کی اموی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لوں یمنی سردار جو یوسف کے مخالف اور بنی امیہ کے حامی تھے عبدالرحمن کے ساتھ ہوگئے، اور پھر ایک جہاز میں بٹھا کر ۱۳۸ھ میں اندلس لے گئے،

عبدالرحمن کے اندلس پہنچنے کے ساتھ ہی اسپین کے تمام یمنی قبائل اور سرداروں اور عام باشندوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی، اور اس کے گرد ایک بہت بڑا لشکر جمع ہوگیا، یہاں تک کہ یوسف مضری جو اسپین میں برسراقتدار تھا، اس کے لشکر کا بیشتر حصہ بھی ٹوٹ کر عبدالرحمن کے پاس قرطبہ چلا آیا، عبدالرحمن نے اس بات کی کوشش کی، کہ یوسف مضری لڑے بغیر اطاعت قبول کرلے، مگر وہ نہ مانا، دونوں میں جنگ چھڑ گئی جو عبدالرحمن بن معاویہ ثانی کا سارے اسپین پر قبضہ ہوگیا یعنی اسپین کا ملک عباسیوں کی خلافت سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہوگیا، اور وہاں ایک خود مختار اموی حکومت قائم ہوگئی،

بدنظمی اور بغاوتیں سفاح کی طرح منصور کا دور حکومت بھی بدنظمیوں اور بغاوتوں سے محفوظ نہیں رہ سکا چنانچہ مذہبی فتنوں کے ساتھ ساتھ ملکی بغاوتیں بھی پھیلتی رہیں جس وجہ سے منصور کو دم لینے کا موقعہ نہ مل سکا۔

مذہبی فتنوں میں پہلا فتنہ فرقہ راوندیہ کی طرف سے ۱۴۱ھ میں اٹھا یہ فرقہ تناسخ کا قائل تھا، منصور نے اس فرقہ کے سرداروں کو گرفتار کرکے قید کردیا، مگر فتنہ دبا نہیں، بلکہ آگ زیادہ بھڑک اٹھی، آخر بڑی مشکل سے قابو پایا گیا،

۱۴۱ھ میں خراسان کا عامل عبدالجبار باغی ہوگیا، عباسیوں کے حامیوں نے اس پر حملہ کرکے خراسان سے نکال دیا، بعد کو وہ گرفتار ہوگیا، اور منصور کے حکم سے قتل ہوا ۱۵۰ھ میں نواح خراسان میں نقلی نبی استاذ سیس کا ایک نیا فتنہ کھڑا ہوا، اس عیار شخص نے لاکھوں آدمیوں کو اپنی نبوت کا معتقد بنا لیا تھا، منصور کو اس کی شورش دبانے میں سخت دشواریاں پیش آئیں، کیونکہ اس کے ساتھ ایک لاکھ سے بھی زیادہ فوج تھی، آخر پے در پے لڑائیوں کے بعد اسے شکست ہوئی، اس کے ستر ہزار آدمی مارے گئے، چودہ ہزار گرفتار ہوئے، نقلی نبی استاذ سیس اور اس کا لڑکا گرفتار ہوگیا، منصور نے ان دونوں کو قید کرا دیا،

منصور کو شمالی افریقہ میں بھی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ افریقہ میں بربریوں اور خارجیوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، یہ دونوں فرقے بڑے شورش پسند واقع ہوئے تھے چنانچہ ان کی

شورشوں کا سلسلہ کسی طرح بند نہ ہو سکا، اور منصور کے آخری عہد تک چلتا رہا، اور کافی فوجی قوت استعمال کرنا پڑی،

محمد المہدی کا دعویٰ خلافت

اہل بیت عباسیوں کی حکومت سے خوش نہیں تھے، اس کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ عباسیوں نے بنی امیہ کی حکومت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں عام مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا، کہ ہم یہ حکومت اہل بیت کے لئے حاصل کر رہے ہیں، مگر اقتدار آنے کے بعد اپنے وعدے سے پلٹ گئے،

محمد المہدی اور ان کے بھائی ابراہیم کو یہ بات سخت ناگوار تھی، چنانچہ ان دونوں بھائیوں نے عباسیہ حکومت کا تختہ الٹنے کی درپردہ کوشش کردی، منصور نے اس تحریک کو دبانے اور تحریک کے بانیوں کو گرفتار کرنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا، محمد مہدی نے اپنے بھائی ابراہیم اور عام ہمدردوں کی مدد سے مدینہ اور مکہ پر قبضہ کر لیا، منصور کو جب اس کا علم ہوا، تو اس نے روش بدلتے ہوئے مہدی کو مکہ میں خط لکھا، جس میں ان کو اس بات کا یقین دلایا گیا تھا، کہ اگر تم اس کوشش سے باز آجاؤ گے، تو میں جان بخشی کے ساتھ تمہارے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگا دوں گا، اور تم کو بہت اطمینان ہو جائے گا،

محمد المہدی نے منصور کے جواب میں لکھا، کہ خلافت ہمارا حق ہے، تم نے ہمارے ہی نام سے اس حکومت کو حاصل کیا ہے، لہٰذا ہم اپنے دعوٰی میں حق بجانب ہیں، تم کو چاہیئے، کہ فوراً میری خلافت تسلیم کر لو، کیونکہ میں تم سے زیادہ اس کا مستحق ہوں، بہت دن تک یہ خط و کتابت ہوتی رہی، مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا، آخر دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں،

عباسیوں کے بے پناہ لشکر نے محمد المہدی اور ان کی فوج کو ہر چہار طرف سے مدینہ میں گھیر لیا، محمد المہدی کا لشکر اور مدینہ والے عباسیوں کے خلاف بڑی بے جگری کے ساتھ لڑے، لیکن آخر میں لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی وجہ سے ان کو رمضان ۱۴۵ھ میں شکست ہو گئی، اور محمد المہدی اس جنگ میں مارے گئے، ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیج دیا گیا

محمد المہدی کو ختم کرنے کے بعد منصور کو ان کے بھائی ابراہیم کی فکر ہوئی، وہ کئی ماہ تک منصور کے ہاتھ نہیں آئے آخر ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر وہ بھی منصور کے مقابلہ پر آگئے، کوفہ اور بصرہ کے درمیان ان کے لشکر کا مقابلہ عباسیوں کے لشکر سے ہوا، بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، اور اس لڑائی میں ابراہیم نے بڑی بے جگری سے جنگ کی، مگر عباسیوں کا بے پناہ لشکر غالب آیا، ابراہیم مارے گئے، منصور نے مہدی اور ابراہیم کے تمام خاندان اور کنبے والوں کو قتل کرا دیا، اور اہل بیت کے روڑے کو ہمیشہ کے لئے راستہ سے صاف کر دیا،

منصور کی فتوحات: منصور بڑا مستقل مزاج اور بہادر واقع ہوا تھا، یہی وجہ تھی، کہ اس نے نئی حکومت

کی بنیادوں کو نہ صرف مضبوط کیا، بلکہ تھوڑی بہت جدید فتوحات بھی حاصل کیں،

۱۳۸ھ میں قیصر روم نے ملیطہ پر حملہ کر دیا، شہر پناہ کو گرا کر بہت سے لوگوں کو قتل کیا، منصور نے ایک بڑی فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی جس نے شہر پناہ کو درست کیا، اور قیصر روم کو جزیہ دینے پر مجبور کر دیا،

اسی طرح ۱۴۲ھ میں طبرستان کے ترکوں نے سر اٹھایا، منصور نے اسلامی لشکر بھیجا جس نے ترکوں کو سخت سزائیں دیں، اور پورے طبرستان پر قبضہ کر لیا،

منصور کو اپنے عہد حکومت میں سندھ پر بھی فوج کشی کرنی پڑی تھی، اس کی وجہ یہ تھی، کہ جس زمانہ میں محمد المہدی نے منصور کے خلاف خروج کیا تھا، اسی زمانہ میں انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ اشتر کو اپنی خلافت کی دعوت دینے کے لئے سندھ روانہ کر دیا تھا، اس زمانہ میں سندھ کا عباسی گورنر ابن حفص تھا جو فوراً محمد المہدی کی دعوت قبول کرنے کے بعد عباسی حکومت کے خلاف بغاوت کے لئے آمادہ ہو گیا تھا، لیکن جب اسے محمد المہدی کے مقتول ہونے کی خبر پہنچی، تو وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا، اور اس نے عبداللہ اشتر کو ایک پڑوسی ہندو راجہ کی پناہ میں دے دیا،

منصور کو جب ان واقعات کا علم ہوا، تو اس نے ابن حفص کو معزول کر کے ہشام بن عمر کو سندھ کا گورنر مقرر کر دیا، چنانچہ ہشام نے سندھ میں آتے ہی عبداللہ اشتر کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا، اور بیوی بچوں کو منصور کے پاس بھیج دیا، یہ ۱۵۱ھ کا واقعہ ہے، کہتے ہیں، کہ عبداللہ نے راجہ کی بیٹی سے شادی کر لی تھی جو مسلمان ہو گئی تھی

شہر بغداد کی بناء

منصور کا دار الخلافہ "ہاشمیہ" کوفہ کے قریب تھا، منصور کو کوفہ والوں سے سخت نفرت تھی، وہ چاہتا تھا، کہ دار الخلافہ کسی دوسری جگہ بنایا جائے، آخر اس نے اس علاقہ کو پسند کیا، اور پھر بغداد کے نام سے ایک خوبصورت شہر کی تعمیر شروع کر دی، اور ۱۴۵ھ میں اپنے ہاتھ سے شہر کی بنیاد رکھی،

منصور نے بغداد کی تعمیر پر کروڑوں روپیہ صرف کئے، اور دس سال کے عرصہ میں اس شہر کو مکمل کیا، اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ خوبصورت، کشادہ اور بارونق شہر تھا، مضبوط شہر پناہ کے علاوہ عالی شان عمارتیں، بیشمار باغات، سڑکیں اور کھلے بازار تھے، وسط شہر میں پانی کی نہر نے بڑی خوش نمائی پیدا کر دی تھی، اسی بغداد میں منصور نے اپنے لئے "قصر الخلد" کے نام سے ایک خوبصورت محل تعمیر کرایا تھا جو اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے جنت کا نمونہ تھا،

بغداد کے قریب منصور نے ایک اور شہر "رصافہ" کے نام سے تعمیر کرایا جو ولی عہد کے قیام کے لئے مخصوص تھا، یہ دونوں شہر بہت سی مسجدوں اور عالی شان عمارتوں سے مزین تھے،

منصور کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا، چنانچہ اس نے بیت اللہ کی طرف بھی توجہ کی، اور اس نے ملحقہ مکانات

کو گرا کر مسجد الحرام کو بہت وسیع کر دیا،

منصور کی علم دوستی تصنیف وتالیف اور علمی خدمات کا سلسلہ گو بنی امیہ کے زمانہ ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن صحیح معنوں میں علمی سرپرستی کا دور منصور کے عہد حکومت سے شروع ہوا، منصور بہت بڑا علم دوست حکمران تھا جس کے زمانہ میں نہ صرف فقہ اور حدیث پر لاتعداد مستند کتب مرتب کی گئیں، بلکہ دیگر علوم و فنون پر بھی بہت سی کتابیں اسی خلیفہ کے دور حکومت میں سپرد قلم ہوئیں، چنانچہ امام ابو حنیفہ نے اسی کے عہد میں فقہ کی تدوین کی، حضرت امام مالک نے مؤطا لکھی، اس کے علاوہ ادب اور تاریخ پر بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں،

منصور کو علم نجوم سے چونکہ غیر معمولی دلچسپی تھی، اس لئے اس کے دور حکومت میں علم نجوم پر بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں، اور بہت سی غیر ملکی کتابوں کے ترجمے ہوئے جن میں سے ایک سنسکرت کی کتاب "سدھانت" بھی تھی، عربی زبان میں ترجمہ کرا کے اس کتاب کا نام سند ہند کبیر رکھا گیا، قیصر روم نے بھی اسے چند یونانی کتابیں بھیجی تھیں جن کا ترجمہ کیا گیا، منصور کے طبیب خاص جرجیس نے فن طب کی کئی کتابوں کے ترجمے کئے، ایک دوسرے درباری طبیب نے سقراط اور جالینوس کی کتابوں کا ترجمہ کیا، اس کے علاوہ ارسطاطالیس کی مشہور کتابوں کا ترجمہ بھی اسی کے زمانہ میں ہوا، فارسی زبان کی بہت سی مشہور کتابوں کو بھی اس نے عربی زبان کا جامہ پہنایا،

امام ابوحنیفہ کی گرفتاری اور انتقال امام ابوحنیفہ کو علمی اعتبار سے منصور کے زمانہ میں خاص شہرت حاصل تھی، لیکن وہ حکومت کے کاموں میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے، منصور نے ان کو بلا کر عہدہ قضا پیش کیا جسے امام ابوحنیفہ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، ہر چند کوشش کی، مگر امام راضی نہیں ہوئے، منصور نے غصہ میں آ کر قید خانہ میں ڈالدیا، عرصہ تک قید خانہ میں پڑے رہے، اور پھر ۱۵۰ھ میں انتقال فرما گئے، بعض مورخین کا بیان ہے، کہ منصور نے امام کے کوڑے بھی لگوائے تھے، جسے امام بڑے صبر سے برداشت کرتے رہے، بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں، کہ امام ابوحنیفہ نے مہدی کے بھائی ابراہیم کا ساتھ دیا تھا جس کے جرم میں منصور نے یہ سلوک کیا،

علمائے اسلام منصور کا زمانہ علمی اعتبار سے بڑی ترقی کا زمانہ تھا، چنانچہ علمائے اسلام مختلف مقامات پر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول تھے، بصرہ میں ابی عروبہ اور حماد بن مسلمہ کے مدارس موجود تھے، یمن میں علامہ معمر اور کوفہ میں سفیان ثوری حدیث کے درس دے رہے تھے، امام ابوحنیفہ نے فقہ حنفی مدون کیا، ابن اسحاق نے مغازی تالیف کی، اہل بیت کے چھٹے امام حضرت امام جعفر صادق مدینہ میں درس دیا کرتے تھے، امام جعفر نے منصور کے عہد میں ۱۴۸ھ میں انتقال فرمایا، امام مالک، امام ابوحنیفہ

اور ابو یزید بسطامی آپ ہی کے شاگرد تھے،

منصور کی وفات

سفاح نے اپنی زندگی میں منصور کے ساتھ اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو بھی ولی عہد مقرر کر دیا تھا، مگر منصور نے اس کی ولیعہدی کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد بنا دیا، ۱۵۸ھ میں منصور کا دل حکومت اور کشت وخون سے بھر چکا تھا، چنانچہ اس نے حج کو جانے کا ارادہ کیا اور مہدی کو اس طرح وصیت کی، جیسے اب لوٹ کر آنے گا ہی نہیں، چنانچہ یہی ہوا، کہ وہ حج کی نیت سے احرام باندھ کر گھر سے نکلا، اور راستہ ہی میں بیمار ہو گیا، اور مکہ پہنچتے پہنچتے چند روز کی علالت کے بعد انتقال کر گیا، ذوالحجہ کی ۶ تاریخ تھی،

منصور نے ۲۲ سال ۳ ماہ حکومت کی، اور ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی،

منصور کا عہد حکومت

مورخوں کا بیان ہے، کہ منصور عقل، علم، اصابت رائے، حسن تدبیر اور وقار وتمکنت کے لحاظ سے دنیا کے عظیم ترین سلاطین میں سے تھا، وہ اگرچہ نہایت ظالم وجابر واقع ہوا تھا، چنانچہ اس کے راستہ میں جو بھی حائل ہوتا، اسے پوری قوت سے ختم کر دیتا تھا اچھے اچھے لوگوں کو معمولی سے شبہ کی بنا پر زہر دلوا کر مروا دیا، چنانچہ امام ابو حنیفہ، امام جعفر صادق، عبدالحمید بن جعفر اور ابن عجلان سب ہی کو اس کے ظلم کا نشانہ بننا پڑا، باوجود مزاج کی سختی کے رعایا کے معاملہ میں بہت عادل واقع ہوا تھا، لہو ولعب سے اس کو سخت نفرت تھی، اور گانے بجانے کو بہت ناپسند کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ باہر سے محل میں آیا، اور دیکھا کہ ایک غلام طنبورہ بجا رہا ہے، اور لونڈیاں خوب ہنس رہی ہیں، منصور نے غلام کے ہاتھ سے طنبورہ لے کر اس کے سر پر مارا، اور محل سے نکال دیا،

منصور کو عادل حکام سے بڑی ہمدردی تھی، اور وہ چاہتا تھا، کہ میرے حکام زمین کو عدل سے بھر دیں، ایک مرتبہ بصرہ کے قاضی سوار بن عبداللہ نے منصور کی سفارش کو نہیں مانا، اور شہادت کے خلاف فیصلہ دینے سے انکار کر دیا. جب منصور کو معلوم ہوا، تو اس نے کہا، کہ خدا کا شکر ہے، میرے ہی قاضی عدل کے معاملہ میں میری مخالفت کرتے ہیں سادگی کا یہ حال تھا، کہ ایک دن ایک لونڈی نے منصور کو پیوند لگا کرتہ پہنے دیکھ کر کہا، کہ یہ بھی خوب خلیفہ ہیں، جن کا کرتہ تک ثابت نہیں ہے، منصور نے لونڈی کی بات سنکر ایک شعر پڑھا، جس کا مطلب یہ تھا، کہ عزت اس کو حاصل ہوگی جس کی چادر پھٹی ہوگی، اور کرتہ میں پیوند لگا ہوگا،

منصور کفایت شعار اور دولت کا پرستار تھا، رعایا خوشحال تھی، اور ملک میں ہر چیز کافی سستی تھی، حتی کہ مینڈھا ایک درہم میں مل جاتا تھا، روغن زیتون ایک درہم میں ۸ سیر فروخت ہوتا تھا غرض ہر چیز اسی نسبت سے ارزاں تھی،

دور عباسیہ کا تیسرا نامور خلیفہ (۳)

محمد مہدی ابن منصور

اپنے باپ منصور کی وفات کے بعد ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا، ابودلامہ مشہور عرب مورخ نے دربار عام میں منصور کی تعزیت اور مہدی کی خلافت پر مبارکباد کے اشعار پڑھے، تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۳ برس کی تھی مہدی کو تجربہ بھی کافی تھا، کیونکہ وہ اپنے باپ کے دور میں عرصہ تک طبرستان کا گورنر رہ چکا تھا، اگرچہ عیش و عشرت کا دلدادہ اور عورتوں کو بہت محبوب رکھتا تھا، مگر اس کے ساتھ ہی رحم و مروت اور انسانیت کا پیکر مجسم اور بلند کردار کا مالک تھا، وہ رعایا سے بے حد محبت رکھتا تھا، اور چاہتا تھا کہ ملک میں خوش حالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہے سخاوت اور فیاضی اس کی گھٹی میں پڑی تھی،

مہدی کا طریقہ حکومت

مہدی منصور کی طرح سخت گیر نہیں تھا اس کی طبیعت میں نرمی اور مروت بدرجہ اتم موجود تھی، اس نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اپنے باپ کے زمانہ کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا، لوگوں کی ضبط شدہ جائدادیں ان کو واپس کر دیں، وہ اہل بیت اور علوی جو منصور کے زمانہ سے قید و بند کی صعوبتیں کاٹ کر رہے تھے، ان کو چھوڑ دیا، اور گذر اوقات کے لئے وظیفے مقرر کر دیئے، اہل بیت کا بے حد احترام کرتا تھا،

مہدی کا طریق جہانبانی نہایت مدبرانہ اور عادلانہ تھا، اس نے شاہ روم کے علاوہ ان تمام غیر مسلم فرمانرواؤں سے دوستانہ معاہدے کر لئے تھے، جن کی سلطنتوں کی سرحدیں مملکت اسلامیہ سے ملتی تھیں، تاکہ ان فتنوں کا خاتمہ ہو جائے، جو غیر مسلم حکمرانوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے آئے دن برپا ہوتے رہتے تھے، چنانچہ اس نے طبرستان، صغد، طخارستان، بامیان، سجستان، تبت، سندھ، چین اور ہندوستان کے فرمانرواؤں اور راجاؤں سے معاہدہ کر کے بعض سے دوستی کا اور بعض سے اطاعت کا اقرار لے لیا تھا، مہدی نے نئے انتظامی شعبہ جات قائم کئے، محکمہ ڈاک کو بہت ترقی دی، اور نظام سلطنت کو بہت چست اور مضبوط بنا دیا،

مہدی کی عادت تھی، کہ وہ ہر روز دربار عام کرتا، مظلوموں کی فریاد سنتا، اور عمال حکومت کے ساتھ سختی سے پیش آتا، اور ایسے حکام کو سخت سزائیں دیتا، جو اپنے فرائض سے غفلت کرتے

مہدی کی جنگی مصروفیات

ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد خراسان بغاوتوں کا سب سے بڑا مرکز بن گیا تھا، چنانچہ مہدی کے عہد حکومت میں ۱۶۰ھ میں خراسان میں پھر سخت بغاوت برپا ہوئی، مگر اس بغاوت کو دبا دیا گیا۔

سندھ کا مفتوحہ علاقہ خاندان بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد تقریباً خود مختار ہو گیا تھا، وہاں مسلم اور غیر مسلم سرداروں نے اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں قائم کر لی تھیں، چنانچہ مہدی نے سندھ کے پورے علاقہ کو حکومت عباسیہ کے زیر تحت لانے کے لئے ایک بڑی مہم روانہ کی جس نے ۱۶۰ھ میں سندھ کے کئی حکمرانوں کو مطیع بنا لیا، اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد مضبوط ہو گئی۔

۱۶۱ھ میں ایک شخص مقنع نے خدائی کا دعویٰ کیا، اور کہا، کہ خدا مجھ میں حلول کر گیا ہے، ہزاروں آدمی اس کے ہم خیال ہو گئے، مقنع بہت بڑا جادوگر اور شعبدہ باز تھا، لہٰذا ہزاروں انسانوں کو اس نے اپنی خدائی کا یقین دلا کر اپنی ایک مضبوط جماعت بنا لی، مہدی نے اس سے کئی مقابلہ کئے، اور اس کی فوج نے کئی جگہ اس کو شکست دی، مقنع کے زیادہ تر آدمیوں نے مہدی کی اطاعت قبول کر لی، مقنع آخری وقت تک لڑتا رہا، اور جب شکست ہونے لگی، تو آگ میں کود کر خودکشی کر لی،

۱۶۲ھ میں جزیرہ میں بغاوت برپا ہو گئی، یہ بغاوت اتنی شدید تھی، کہ عباسی فوجوں کے کئی حملے قطعی ناکام ثابت ہوئے، بالآخر بڑی دشواری سے اس بغاوت کو دبایا گیا، اس طرح مصر میں بھی شدید بغاوت برپا ہو گئی، جو مہدی کی موت کے بعد جا کر ختم ہوئی،

مہدی کو رومی عیسائیوں سے بھی کئی معرکہ کرنے پڑے، اسلامی لشکر کو ایک، ایک لاکھ رومیوں سے مقابلہ کرنا پڑا، ان معرکوں میں خود مہدی نے بھی شرکت کی، بہت سے رومی سرداروں نے اطاعت قبول کر لی، رومی ملکہ اپنی جو اپنے بیٹے کی طرف سے حکومت کر رہی تھی، اس نے مہدی سے صلح کر لی، اور ستر ہزار دینار سالانہ دینے منظور کئے، ان لڑائیوں کا سلسلہ ۱۶۱ھ سے ۱۶۵ھ تک جاری رہا،

مہدی کی مذہبی خدمات

مہدی عقاید کے معاملہ میں نہایت ہی سخت تھا، وہ اس چیز کو گوارا نہیں کر سکتا تھا، کہ عقاید اسلامی میں کوئی شخص ذرہ برابر بھی رد و بدل کرنے کی جرأت کر سکے، چنانچہ وہ ایسے لوگوں کا جانی دشمن تھا جنہوں نے اپنے دماغ سے نئے نئے عقاید اختراع کر لئے تھے رومیوں سے جنگ کے زمانہ میں جب وہ حلب پہنچا، تو اس نے زندیقوں کو جن کی وہاں بہت بڑی تعداد تھی چن چن کر قتل کیا، اس کے علاوہ اس نے ان تمام ملحدوں کو بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تہ تیغ کرا دیا جن کے بدعقاید ملک میں پھیلے جا رہے تھے، اور ان کی کتابیں جتنی بھی مل سکیں ان کو جلوا دیا،

زندقہ اور الحاد کے تدارک اور مناظرہ کے لئے اس نے علماء سے بہت سی کتابیں لکھوائیں جن سے کہ علم کلام کی بنیاد پڑی، گویا اس فن کی ایجاد کا سہرا مہدی ہی کے سر ہے، اس کے علاوہ بعض ادبی کتابیں بھی اس نے لکھوائیں شعر وشاعری سے بھی مہدی کو گہری دلچسپی تھی، اور حدیث سے بھی غیر معمولی لگاؤ تھا، وہ ارباب علم کا بہت بڑا قدردان تھا، ان کے لئے اس کے خزانہ کا منہ ہر وقت کھلا رہتا تھا،

مہدی کو منصور کی طرح تعمیر سے بھی بہت زیادہ دلچسپی تھی، چنانچہ ۱۶۱ھ میں اس نے خانہ کعبہ کی عمارت میں توسیع کرائی، اس کے چاروں طرف رواق تعمیر کرائے، اور سنگ رخام کے ستون لگوائے، اور اس خوف سے کہ کہیں پردوں کے بوجھ سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان نہ پہنچ جائے اس نے کعبہ پر زیادہ پردے ڈالنے ممنوع قرار دے دیئے اور پرانے پردوں کو اتروا کر نئے پردے ڈلوائے،

مہدی نے اسی زمانہ میں مسجد نبوی کی عمارت میں بھی ترمیم اور توسیع کی تھی، اس نے سنگ رخام کے دس نئے ستون لگوائے، اور پوری عمارت کو نقش ونگار سے آراستہ کیا، حرمین کی مرمت اور توسیع کے علاوہ مہدی نے اور بھی بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں، جن میں سے رصافہ کا ایک شاندار محل بھی تھا جو اس نے اپنے لئے خاص طور پر تعمیر کرایا تھا،

مہدی کی وفات

مہدی نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے ہادی کو، اور اس کے بعد دوسرے بیٹے ہارون کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا، محرم ۱۶۹ھ میں اچانک اس کا انتقال ہو گیا اس کی وفات کے بارے میں مختلف روایتیں مشہور ہیں، بعض کا کہنا ہے، کہ وہ شکار کا تعاقب کر رہا تھا، کہ اس کا گھوڑا تعاقب کرتا ہوا، ایک پرانی عمارت کے پھاٹک میں جا گھسا، پھاٹک میں گھستے ہوئے، اس کی پیٹھ پر ایسی ضرب لگی، کہ اسی وقت جان بحق ہو گیا، بعض کا بیان ہے، کہ اس کی لونڈی نے اسے زہر دے دیا تھا جس کے اثر سے وہ ہلاک ہو گیا، وفات کے وقت اس کی عمر ۴۳ سال تھی، اس نے دس سال حکومت کی.

متفرق حالات

مہدی خلافت کی ذمہ داریوں کو بہت محسوس کرتا تھا کبھی کبھی خطبہ پڑھتے ہوئے اس کے آنسو بہنے لگتے تھے، وہ عام لوگوں میں اس طرح مل جل کر بیٹھتا تھا، کہ خلیفہ ہونے کا کوئی امتیاز نہیں رہتا تھا،

رحم دلی کا یہ عالم تھا، کہ ایک مرتبہ مروان ثانی (بنی امیہ کا آخری بادشاہ) کی بیوہ مدد مانگنے آئی، تو مہدی کے آنسو نکل آئے، اور اس نے روتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا، کہ "الٰہی میں زوال نعمت سے پناہ چاہتا ہوں"

مہدی میں مروت اور دلداری کا مادہ بہت زیادہ تھا، اس کا خزانہ ہمیشہ ضرورت مندوں کے لئے کھلا رہتا تھا، فخر وغرور سے اس کو بہت نفرت تھی، مسجد میں اپنے لئے کسی امتیاز کو بہت برا جانتا تھا، امیر معاویہؓ نے اپنے

لئے مسجد میں ایک مخصوص مقام تعمیر کر دیا تھا، مہدی نے اسے گروا دیا،

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہدی کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا، کہ ایک شخص اس کے پاس کپڑے میں لپیٹ کر ایک جوتا لایا، اور کہا، کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک ہے" مہدی نے اسے لے کر بوسہ دیا، اور آنکھوں سے لگایا، اور لانے والے کو دس ہزار کا انعام عطا کیا، حاضرین دربار نے پوچھا، کہ امیر المؤمنین! کیا آپ کو یقین ہے، کہ یہ حضور ہی کی نعلین مبارک ہے، مہدی نے جواب دیا، میں جانتا ہوں، کہ اس نعلین کو استعمال کرنا تو درکنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا بھی نہیں ہوگا، مگر چونکہ حضور کی نعلین سے اس کو نسبت دی گئی ہے، اس لئے میرے لئے قابل احترام بن گئی ہے،

جمعہ کے خطبہ میں سب سے پہلے مہدی نے ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الآیۃ داخل کی، جو آج تک برابر پڑھی جارہی ہے،

مہدی کے عہد حکومت میں ان علمائے کرام نے رحلت پائی، شعبہ بن ابی وہب، سفیان ثوری، حضرت ابراہیم بن ادہم، داؤد طائی زاہد، ابراہیم بن طہمان،

ہادی ابن مہدی (۴)

ہادی اپنے باپ مہدی کے مرنے کے بعد محرم ۱۶۹ھ میں بعمرہ ۲۴ سال مسند خلافت پر بیٹھا، گذشتہ خلفا سے بالکل مختلف مزاج پایا تھا، عیش پسندی، آرام طلبی اور شراب خوری کو ہی زندگی سمجھتا تھا، نمود و نمائش کا یہ عالم تھا، کہ ننگی تلواروں کے سایہ میں چلا کرتا تھا، تنہائی میں نہایت بے تکلف مگر دربار میں نہایت بارعب اور سخت گیر تھا، بڑی فصاحت سے گفتگو کرتا، اور اعلیٰ درجہ کا مقرر اور ادیب تھا، عقاید میں اپنے باپ کا پیرو تھا، اور بے دینوں سے سخت نفرت کرتا، اور ان کو تہ تیغ کرا دیتا،

شیعان علی کا مدینہ میں خروج

جس طرح منصور کے عہد حکومت میں محمد المہدی نے خروج کر کے عباسی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تھی، اسی طرح ہادی کے خلیفہ ہونے کے بعد حسین ثانی بن علی بن حسن مثنی بن حسن بن علی بن ابی طالب نے مدینہ میں خروج کیا تھا، عراق کے ہزاروں شیعان علی ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے میدان میں آ گئے تھے،

حسین ثانی نے مدینہ کے دار الامارت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا، حاکم مدینہ عمر بن عبد العزیز جب ان کے مقابلہ پر آیا، تو حاکم مدینہ کو شکست ہو گئی، بیت المال کو انہوں نے لوٹ لیا، مدینہ میں ہنگامہ آرائی کے بعد حسین ثانی مکہ پہنچے، مکہ کے باشندوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد ان کے ساتھ شامل ہو گئی، عباسی فوجوں نے سلیمان بن منصور کی سرکردگی میں جب مکہ میں ان کے خلاف جنگ کی، تو اس جنگ میں حسین ثانی کو شکست ہو گئی، اور ان کا سر قلم کر کے ہادی کے پاس بھیجدیا گیا،

مورخین کا بیان ہے، کہ عبد اللہ اشتر کی بیوہ اور بچے جن کو منصور نے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی، وہ بھی حسین ثانی کے ساتھ ہو گئے، مگر حسین کی شکست کے بعد کسی طرح بچ کر ہندوستان چلے گئے،

ماں اور بیٹے کی مخالفت

مہدی کے دور حکومت میں اس کی بیوی خیزران حکومت کے کاموں میں برابر کا حصہ لیا کرتی تھی، مہدی کے بعد ہادی نے اس کو پسند نہیں کیا اور ماں سے کہدیا، کہ تمہارا کام یہ نہیں ہے، گھر میں خاموش بیٹھو، اور اپنا وقت نماز اور تلاوت میں گذارو

ہادی کی ماں کو ہادی کا یہ طریقہ بہت ناپسند ہوا، اور وہ دربار سے چلی تو گئی، مگر ہادی کی دشمن ہو گئی، اور در پردہ ہادی کی ہلاکت کی تدبیر کرنے لگی، ہادی نے بھی ماں کو زہر دینے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہو سکا،

خیزران کی مخالفت اور عداوت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی، کہ ہادی چاہتا تھا، کہ چھوٹے بھائی ہارون الرشید کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو جو کمسن تھا، ولی عہد نامزد کر دے۔

ہادی کی وفات

ہادی کو کچھ زیادہ دن حکومت کرنے کا موقعہ نہیں ملا، صرف ایک سال ۳ ماہ اس کی حکومت قائم رہی، اور ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ (۷۸۶ء) میں اچانک انتقال کر گیا۔ ہادی کی موت کے متعلق بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا، مگر خیال غالب یہی ہے، کہ اس کی موت میں ماں کا ہاتھ ضرور شامل تھا۔

ہادی کا زمانہ حکومت

اتنے مختصر عرصہ میں وہ کیا کر سکتا تھا، جب کہ یہ زمانہ بھی دشمنی اور مخالفت سے بھرا ہوا تھا۔ البتہ علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق وہ بڑے دبدبہ کا خلیفہ تھا، اور اس کے رعب کا یہ عالم تھا، کہ لوگ سامنے جاتے ہوئے خوف کھاتے تھے، اگر وقت ملتا، تو ضرور وہ خدمت کرنے میں کسی سے کم نہ رہتا، رحمدلی اور رعایا پروری کا یہ عالم تھا، کہ جب حسین ثانی بن علی بن حسن کا سر ہادی کے سامنے پیش کیا گیا، تو مسعودی کے بیان کے مطابق ہادی نے سر کو دیکھ کر رو دیا، اور اپنے عمال پر بے حد ناراض ہوا، اور اس نے کہا، کہ اس کا کمترین بدلہ یہ ہے، کہ اس کا کوئی صلہ تم کو نہ دیا جائے۔

ہادی اپنے باپ کی طرح بے حد انصاف پسند اور رعایا پرور واقع ہوا تھا، اس نے حکم دے رکھا تھا، کہ کسی بھی شخص کو میرے پاس آنے سے نہ روکا جائے، اور میرے سامنے کبھی بھی کوئی ایسا معاملہ نہ پیش کیا جائے، جو تحقیقات کے بعد غلط ثابت ہو، اسے جھوٹ سے بڑی نفرت تھی، سچائی کا قدردان اور حاجت مندوں پر بڑا مہربان تھا،

خلفائے عباسیہ کا سب سے زیادہ مشہور اور نامور خلیفہ (۵)

ہارون الرشید ابن مہدی

ہارون الرشید اپنے بھائی مہدی کے بعد ۱۶ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں جب کہ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی، تخت نشین ہوا، خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ بارعب اور سمجھدار خلیفہ تھا، سیوطی کہتے ہیں، کہ جس روز ہارون تخت خلافت پر متمکن ہوا، اسی رات اس کا ولیعہد مامون پیدا ہوا، اور ایسا اتفاق بجز اس واقعہ کے کبھی نہیں ہوا، کہ ایک ہی دن ایک خلیفہ کا انتقال ہوا ہو، اور دوسرا اس کی جگہ تخت خلافت پر بیٹھا ہو، اور تیسرا خلیفہ اسی روز پیدا ہوا ہو، ہارون الرشید نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے محسن اور مشیر خاص یحییٰ بن خالد برمکی کو قلمدان وزارت سپرد کیا، یحییٰ برمکی نے ہارون کو ولیعہد برقرار رکھنے میں بڑی کوشش کی تھی،

ہارون الرشید گورا چٹا، طویل القامت، نہایت خوبصورت اور ملیح نوجوان تھا، یہ فصاحت و بلاغت میں ماہر اور علم و ادب کا پورا عالم تھا، اس کی زندگی بڑی عجیب و غریب اور متضاد اوصاف کا مجموعہ تھی، ایک طرف تو وہ انتہا درجہ کا عیش پسند، شوقین مزاج اور عورتوں کا دلدادہ تھا، دوسری طرف اس کے دینی شغف کا یہ عالم تھا، کہ جب تک زندہ رہا، روزانہ پنج وقتہ نماز کے علاوہ سو نفلیں پڑھتا رہا، ایک ہزار دینار روزانہ خیرات کرتا تھا، ہر تیسرے سال حج کے لئے جاتا تھا، ایک سو علماء اور فقہاء ساتھ ہوا کرتے تھے، جس سال خود حج کے لئے نہیں جاتا تھا، اس سال تین سو آدمیوں کو اپنے خرچ سے حج بدل کے لئے بھیجتا تھا، اس نے عباسی بادشاہوں میں سب سے زیادہ حج کئے ہیں، اس کے دل میں خوف خدا اس قدر تھا، کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کو یاد کر کے گھنٹوں رو یا کرتا تھا، عقاید کے معاملہ میں نہایت سچا اور پکا مسلمان تھا، ان لوگوں کا جانی دشمن تھا، جو اسلامی عقاید میں اختراع کے موجد تھے، علماء کا احترام اس کے دل میں اس قدر تھا، کہ ان کی سخت سے سخت بات بھی گوارا کر لیتا تھا

ہارون الرشید پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے، کہ اس کا بیشتر وقت یاد خدا میں صرف ہوتا تھا، وہ ان خوش نصیب خلفاء میں سے ہے، جن کی خلافت کی بشارت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، چنانچہ یعقوب بن جعفر کا بیان ہے، کہ جس مہینہ میں ہارون خلیفہ ہوا ہے، اسی مہینہ میں ہارون نے سرور کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، کہ فرما رہے ہیں، کہ تجھے عنقریب امر خلافت سپرد کر دیا جائے گا، تجھے چاہیئے

کہ غزووں اور جہاد میں حصہ لے، اور حج ادا کرے، نیز حرمین کے باشندوں پر خوب مال خرچ کرے" ہارون الرشید جب تک زندہ رہا، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی برابر تعمیل کرتا رہا، اور جب حضور اکرمؐ کا نام سنتا صلی اللہ علی سیدی سر جھکا کر کہتا،

ہارون کا شاندار عہد حکومت

ہارون کا دور حکومت ہر اعتبار سے حکومت عباسیہ کا نہایت ہی شاندار اور زرین دور تھا، ہارونی دور حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ لکھتے ہیں، کہ جیسے آدمی ہارون الرشید کو میسر آئے تھے کسی خلیفہ کو میسر نہیں آئے، برامکہ جیسے لائق مدبرین اس کے وزراء تھے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کے قاضی تھے، عباس بن محمد اس کا ندیم تھا، حضرت فضل بن ربیع جیسے نامور بزرگ اس کے حاجب تھے، اور زبیدہ جیسی بیدار مغز خاتون اس کی شریک حیات تھی، یہاں تک کہ اس کے دربار کے گویے اور شاعر بھی علم و فضل میں ممتاز اور پاکیزہ معاشرت کے حامل تھے۔

مشہور مورخ ابن الطقطقی ہارون کے دور حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے، ہارون کا زمانہ بڑا بارونق اور باوقار زمانہ تھا، خوشحالی اور فارغ البالی عام تھی، ظلم و زیادتی کا نام نہیں تھا، خود ہارون الرشید لباس بدل گرگشت کرتا اور رعایا کے حالات معلوم کیا کرتا تھا، اور خائن حکام کو بڑی سخت سزائیں دیتا،

ہارون نے ملکی انتظامات کی طرف خاص توجہ کی، اور فوج و پولیس کی بہت سی نئی چوکیاں قائم کیں، اور دشمنوں کے مقابلہ کے لئے کافی فوج تیار کی،

آل علی کا خروج

ابھی تک شیعان علی خلفائے عباسیہ کو غاصب سمجھ رہے تھے، چنانچہ نفس زکیہ محمد المہدی کے بھائی یحیٰی بن عبداللہ نے شیعان علی کی ایک بڑی تعداد کو جمع کرکے عراق کے قریب اعلان جنگ کر دیا، ہارون نے فضل بن یحیٰی برمکی کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، فضل اہل بیت سے محبت کرتا تھا، اس نے ہارون سے سفارش کرکے امان دلوادی

ہارون الرشید کی جنگی سرگرمیاں

ہارون کے زمانہ میں، اسلامی رقبہ اتنا وسیع تھا، کہ کسی جنگ کا اسے خیال نہیں تھا، مگر اندرونی بغاوتوں اور دشمنوں کے اقدامات کو دبانے کے لئے اسے فوج کو حرکت میں لانا پڑا، چنانچہ دمشق کے یمنی اور مضری قبائل آپس میں بری طرح لڑ رہے تھے، اور ان کی خانہ جنگی سے ملک میں نہ صرف انتشار پھیلا ہوا تھا، بلکہ حکومت کے لئے خطرہ بھی تھا، ہارون نے فوجی قوت اور مختلف تدابیر سے اس خانہ جنگی کا خاتمہ کر دیا،

۱۷۶ھ میں موصل میں عطاف نامی ایک شخص نے بغاوت کرکے پورے علاقہ پر قبضہ جما لیا، اور دو سال تک قابض رہا، آخر ہارون نے بنفس نفیس فوج کشی کرکے، اس کو شکست دی، ۱۸۰ھ میں مصر میں قیس اور قضاعہ کے قبائل میں

بغاوت پھیلی جسے فوراً ہی دبا دیا گیا،

سنہ ۱۷۷ھ میں طرابلس (افریقہ) میں بغاوت رونما ہوئی جس کا سلسلہ سنہ ۱۸۴ھ تک قائم رہا، اس چھ سات سال کے اندر مختلف فوجی افسر تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد افریقہ بھیجے گئے، افریقہ کے برسر اقتدار عمال میں بھی برابر تبدیلیاں ہوتی رہیں، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، اگر وقتی طور پر ایک حصہ میں بغاوت دب جاتی تھی، تو دوسرے حصہ میں کھڑی ہو جاتی تھی، آخر ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب والئی زاب کی درخواست پر طرابلس (افریقہ) کی حکومت اس کے حوالہ کر دی، ابراہیم بڑا مدبر تھا چنانچہ اس نے سنہ ۱۸۴ھ میں تمام شورش پسندوں کا قلع قمع کر دیا، اور جو فتنہ پرداز تھے، ان کو گرفتار کر کے دار الخلافہ بھیجدیا، اور افریقہ میں بالکل امن قائم ہو گیا۔

سنہ ۱۸۲ھ میں آرمینیہ میں غدر برپا ہو گیا وہاں کی قوم خزاج نے جو سب کے سب خارجی تھے، ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر دیا، اور ایک لاکھ سے زیادہ کو قید کر دیا، ہارون الرشید نے بڑی دشواری سے اس بغاوت کو دبایا، اور خارجیوں کو تہ تیغ کر دیا

سنہ ۱۸۰ھ میں دمشق کی طرح سندھ میں بھی یمنی و مضری قبائل کی خانہ جنگی چھڑ گئی جسے داؤد بن حاتم نے پوری قوت سے دبا دیا،

رومیوں کو شکست ہارون کے زمانہ میں رومیوں نے سر اٹھایا، مگر ان کو ہر موقعہ پر شکست اٹھانا پڑی، چنانچہ سنہ ۱۸۱ھ میں صفصاف کے قلعہ کو خود ہارون نے فتح کیا، اور اسلامی فوجیں انقرہ تک رومیوں کو مغلوب کرتی چلی گئیں،

اسی زمانہ میں قسطنطنیہ میں یہ انقلاب رونما ہوا، کہ رومیوں نے ملکہ رینی کو جو ہارون الرشید کی باجگذار تھی معزول کر کے نقفور کو بادشاہ بنا دیا، اور ہارون کو لکھ بھیجا، کہ ملکہ رینی چونکہ عورت تھی، اس لئے وہ اپنی کمزوری کی بنا پر تم کو خراج دیتی رہی ہے، اس خط کے ملتے ہی جتنی رقم کہ تم نے ملکہ سے وصول کی ہے، وہ فوراً واپس کر دو، ورنہ ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار سے ہوگا"

رومیوں کے اس خط کو پڑھ کر ہارون الرشید کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، اور اس نے اسی خط کی پشت پر یہ جواب لکھ کر واپس کر دیا،

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے، روم کے کتے نقفور کو معلوم ہو، کہ میں نے تجھ کافر بچہ کا خط پڑھا، اس کا جواب عنقریب تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا"

اس جواب کے بعد ہارون الرشید خود ایک لشکر عظیم لے کر قیصر روم کی سرکوبی کے لئے بڑھا، اور اس نے شہر ہرقل میں پہنچ کر ایسی معرکہ آرائی کی، کہ سلطنت روم کی بنیادیں ہل گئیں، ہرقل فتح ہو گیا، اور بہت سی آبادیاں ویران ہو گئیں

نقفور جب مقابلہ نہ کرسکا، تو اس نے خراج ادا کرکے صلح کرلی، صلح کے بعد ہارون الرشید واپس ہوگیا، لیکن ہارون کے پیٹھ موڑتے ہی قیصر روم عہد و پیمان توڑ کر پھر آمادہ پیکار ہوگیا، ہارون راستہ ہی سے پلٹ پڑا، اور پورے ایشیا کوچک کو بری طرح پامال کرنے کے بعد واپس ہوا، دوسرے سال ۱۸۸ھ میں اسلامی لشکر نے گذشتہ سال سے بھی کہیں زیادہ سخت حملہ کیا، آخر قیصر روم نقفور نے ہتھیار ڈال دیئے، اور مزید خراج دے کر صلح کرنے پر مجبور ہوگیا،

اسی معرکہ کے بعد ہارون الرشید نے شام کے ساحلی علاقوں پر نئی نئی چھاؤنیاں قائم کی تھیں،

ہندوستانی راجہ اور ہارون

مملکت اسلامیہ سے ملحقہ ممالک کے اکثر و بیشتر حکمرانوں سے ہارون الرشید کے تعلقات نہایت ہی خوشگوار تھے چنانچہ قنوج کا ہندو راجہ ہارون کا بہت گہرا دوست تھا،

ہارون الرشید اور قنوج کے راجہ کے تعلقات اتنے بڑھ گئے تھے، کہ ہندو پنڈت ہارون کے دربار میں بغداد تک پہنچ گئے تھے، اور مسلم علماء راجہ قنوج کے دربار کی زینت بنے ہوئے تھے، ایک مرتبہ جب ہارون الرشید زیادہ بیمار ہوا، تو اس نے سندھ کے مسلم گورنر کی معرفت قنوج کے راجہ کے شاہی طبیب، مانک چند کو بلوا بھیجا تھا جو زمانہ دراز تک بغداد میں رہ کر خلیفہ کا علاج کرتا رہا، ہارون کی طرف سے قنوج کے راجہ کو ملک الہند کا خطاب بھی دیا گیا تھا،

خاندان برامکہ کا عروج و زوال

خاندان برامکہ بلخ کے بدھ مذہب سے تعلق رکھتا تھا، ابو مسلم خراسانی کی کوشش سے اس خاندان کا ایک شخص خالد برمکی مسلمان ہوگیا، اور اس نے ابو مسلم کے ساتھ مل کر حکومت عباسیہ کے قیام میں بڑی کوشش کی، چنانچہ پہلا عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح جب تخت نشین ہوا، تو خالد برمکی کو اس قدر نوازا، کہ اپنا وزیر بنالیا،

خالد کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے یحیٰی برمکی کی بھی بڑی قدردانی کی گئی، اور منصور کے عہد سے لے کر مہدی کے عہد تک یہ بڑے بڑے عہدوں پر کام کرتا رہا، تعلقات اس قدر گہرے تھے، کہ مہدی نے ہارون کی تعلیم بھی یحیٰی کے سپرد کردی تھی، بعض مؤرخین کا بیان ہے، کہ ہارون نے یحیٰی کی بیوی کا دودھ بھی پیا تھا، اور اس طرح ہارون اور فضل بن یحیٰی آپس میں رضاعی بھائی تھے،

یحیٰی ہارون سے بہت محبت کرتا تھا چنانچہ اس نے ہارون کی ولیعہدی کو قائم رکھنے کے لئے بڑی کوشش کی، اور چند دن جیل میں بھی رہے

ہارون پر یحیٰی کی خدمات کا بڑا اثر تھا چنانچہ اس نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی وزارت عظمیٰ کا عہدہ سپرد کردیا، یحیٰی عرصہ تک اس خدمت کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہا، جب بہت بوڑھا ہوگیا، تو ہارون نے اس کے بیٹے

فضل کو اس عہدہ پر سرفراز کر دیا،

فضل برمکی نے بھی اپنے زمانہ کو اچھی طرح گذارا، اور جب وہ ہٹا، تو ہارون نے فضل کے بھائی جعفر برمکی کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا،

جعفر بہت تجربہ کار اور ہارون کا بے تکلف دوست تھا، ہارون کی محبت اور نوازش سے اس نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا، اور پوری مملکت پر اس طرح چھا گیا، کہ ہارون برائے نام خلیفہ رہ گیا، عمائدین شہر اور عمال حکومت براہ راست جعفر سے معاملات طے کرنے لگے، حتی کہ تحفے تحائف بھی اسی کے سامنے پیش کئے جاتے

ساتھ ہی جعفر نے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر خاندان برامکہ کے آدمیوں کو مقرر کر دیا، اور پورے خزانہ کو اپنے قبضہ میں کر لیا، ہارون جو اس خاندان کی محبت میں سرشار ہو رہا تھا، ان حالات کو دیکھ کر چونکا، اور مملکت کے لئے جعفر کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے بہت گہری نظر رکھنے لگا، اور اس نے طے کر لیا، کہ اس خاندان کے اقتدار کو ختم کرنے ہی سے مملکت محفوظ رہ سکتی ہے،

آخر ۱۸۷ھ میں اس نے جعفر کو قتل کرا دیا، اس کے باپ یحییٰ اور بھائی فضل کو قید کرا دیا، جو قید ہی میں مر گئے، ہارون نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ پوری حکومت میں اس خاندان کے افراد کو چن چن کر قتل کرا دیا، جاگیریں ضبط کر کے تمام شاہانہ عظمتوں کا خاتمہ کر دیا،

اس خاندان کی تباہی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، کہ جعفر کی ماں کو کوفہ میں بھیک مانگتے ہوئے دیکھا گیا

کچھ مورخوں کا کہنا ہے، کہ ہارون جعفر کی طرف سے اس لئے سخت بدظن تھا، کہ وہ اہل بیت کا طرفدار ہے، اور حکومت کے باغیوں سے اس کے تعلقات ہیں،

ہارون رشید کی علم نوازیاں

ہارون رشید کا دربار ہمیشہ علماء، فضلاء سے بھرا رہتا تھا، خلفاء عباسیہ میں علم دوست تو سبھی تھے، مگر ہارون سب سے زیادہ علم کا شائق اور علماء سے محبت کرنے والا تھا، وہ نہ صرف علماء کی عزت کرتا تھا، بلکہ بے دریغ روپیہ ان پر صرف کرتا تھا، اس زمانہ کے تقریباً تمام علماء، فقہاء، شعراء اور ماہرین فن کو اس نے مالا مال کر دیا تھا، ہارون خود علماء اور فقہاء کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، اور ان سے اکتساب علم کرتا تھا، چنانچہ وہ اپنے دونوں بیٹوں امین و مامون کو ساتھ لے کر موطا امام مالک کی سماعت کے لئے خود حضرت امام مالک کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوا تھا، ہارون الرشید نے بیت الحکمت کے نام سے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے لئے ایک بہت بڑا ادارہ قائم کیا تھا، جس میں بڑی بڑی تنخواہوں پر بے شمار مصنفین اور مترجمین کام کرتے تھے، اس ادارہ کے ذریعہ یونانی، فارسی، سنسکرت اور دوسری زبانوں کی سینکڑوں کتابوں کے اس نے ترجمے کرائے تھے، بہت سی نئی کتابیں بھی اس کے زمانہ میں تصنیف کی گئی تھیں،

تقسیم مملکتِ اسلامیہ

ہارون الرشید کی اولاد میں مامون سب سے زیادہ عالم و فاضل، لائق و فائق ذہین اور طباع تھا، حکمرانی کی پوری خوبیاں اس میں موجود تھیں، یہ ایک عجمی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا، ہارون اسی کو ولیعہد بنانا چاہتا تھا، لیکن ہارون کی چہیتی ملکہ زبیدہ کی یہ ضد تھی، کہ امین جو اس کے بطن سے پیدا ہوا ہے، اسے ولیعہد بنایا جائے، سیاست اور تدبر پر بیوی کی محبت غالب آگئی، اور ہارون نے امین کو ولیعہد مقرر کر کے مامون کو اس کا جانشین نامزد کر دیا، مامون جیسے لائق اور ہوشمند بیٹے کی موجودگی میں امین جیسے ناکارہ نوجوان کی ولیعہدی ہارون کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی، جس کے تلخ نتائج بعد کو سامنے آئے،

ہارون نے گو بیوی کے زور دینے پر امین کو ولیعہد بنا دیا تھا، لیکن وہ یہ سمجھ رہا تھا، کہ اس نے مامون جیسے لائق بیٹے کی حق تلفی کر کے اچھا نہیں کیا، لہٰذا اس کی تلافی کی غرض سے اس نے اپنی مملکت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں بیٹوں میں اس کو بانٹ دیا، یہ ہارون کی دوسری سیاسی غلطی تھی،

یہ تقسیم اس طرح عمل میں آئی تھی، کہ مملکت اسلامیہ کا مغربی حصہ جو عراق اور حجاز سے لے کر شام، مصر اور افریقہ تک پھیلا ہوا تھا، وہ تو ہارون نے اپنے بیٹے امین کو دے دیا تھا، اور مشرقی حصہ جو ایران، خراسان سے لے کر کابل، ترکستان اور ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا، مامون کے حوالہ کر دیا تھا، اور مامون کو ایک مستقل فرمانروا کی حیثیت دے دی تھی، صرف اس پر اتنی پابندی لگا دی تھی، کہ خطبہ میں خلیفہ بغداد کا نام ضرور لیا جائے، اس تقسیم کے ساتھ ہی یہ بھی پابندی لگا دی تھی، کہ مملکت اسلامیہ کے ان دونوں حصوں میں سے کسی ایک حصہ کا بادشاہ اگر پہلے مر جائے گا، تو ساری مملکت دوسرے بادشاہ کے قبضہ میں آ جائے گی، مملکت اسلامیہ کو اس طرح دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہارون الرشید نے دونوں بھائیوں سے ایفائے عہد کا تحریری معاہدہ لکھوا کر اسے عمائدین سلطنت کے روبرو خانہ کعبہ میں آویزاں کرا دیا تھا، تاکہ آئندہ ان میں سے کوئی بھی بدعہدی نہ کر سکے، یہ سب کچھ ہارون نے کیا تو اس لئے تھا، کہ دونوں بھائی متفق رہیں اور مملکت اسلامیہ بھی باقی رہے، مگر ہارون کی نیک نیتی خونریزی کو روک نہیں سکی،

ہسپانیہ کی فتح

مورخین کا بیان ہے، کہ ہارون الرشید کی خلافت کے تیسرے سال امیر عبدالرحمٰن نے ہسپانیہ کو فتح کر کے اسلامی حکومت قائم کی، عبدالرحمٰن خاندان بنی امیہ کا شہزادہ تھا، بڑا بہادر، مدبر اور سیاستدان تھا، اس کا دارالسلطنت قرطبہ تھا، یہ بہت خوبصورت شہر تھا، عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا ہشام حکومت کرتا رہا، عبدالرحمٰن نے ۱۷۲ھ میں وفات پائی،

ہارون رشید کا انتقال

۱۹۳ھ میں جب کہ ہارون رشید خراسان کی ایک بغاوت کو دبانے گیا ہوا تھا، سخت بیمار ہو گیا، اس کے پیٹ میں ایک خطرناک پھوڑا ہو گیا تھا، ہرچند کوشش اور علاج کئے گئے، لیکن افاقہ نہیں ہوتا تھا، ہندوستان سے کچھ ہندو وید بھی اس کے

علاج کے لئے آئے، جو کئی کئی سیر تربوز کا پانی روزانہ پلاتے تھے، جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں اس کی حالت بہت خراب ہوگئی، اسی حالت میں اس نے اپنی قبر کو خواب میں دیکھا، اور کسی نے کہا "اے ابن آدم یہ تیرا مقام ہے" ہارون نے اپنی قبر اپنی زندگی میں کھدوالی، اور اس پر ختم قرآن پاک بھی کرایا، اس کے چند ہی روز کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، ہارون الرشید نے ۲۳ سال ۲ ماہ حکومت کی، اور ۴۷ سال کی عمر پائی،

عہد ہارونی کے متفرق حالات

اگرچہ ہارون رشید کا زمانہ ملکی بغاوت کے باعث توسیع مملکت کا عہد نہیں تھا، مگر اسلامی رفیع منزلی، علوم و فنون اور شعر و ادب کی ترقی سے نیز عربی اور ایرانی معاشرت کی آمیزش سے ایک یادگار ماحول بن رہا تھا، ہارون کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا، اور اکثر حدیث سنکر رو دیا کرتا تھا، علماء کو جب اپنے دسترخوان پر بلاتا، تو خود ان کے ہاتھ دھلاتا تھا،

ہارون الرشید کو اس زمانہ کے نامور عابد و زاہد فضیل بن عیاض سے اور ابن سماک سے بڑی عقیدت تھی، ہارون خود فضیل بن عیاض کے مکان پر جایا کرتا تھا، اور ان سے نصیحتیں سنا کرتا تھا، فضیل بن عیاض بھی اس سے بڑی محبت کرتے تھے، عبدالرزاق کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ فضیل بن عیاض نے ہارون کے بارے میں مجھ سے کہا، کہ بعض لوگ ہارون کو اچھا نہیں سمجھتے، حالانکہ میرے لئے روئے زمین پر اس سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے، جب یہ شخص مر جائے گا، تب لوگوں پر بڑی مصیبتیں نازل ہوں گی،

ایک روز ابن سماک ہارون الرشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ ہارون کو پیاس لگی، اور پانی مانگا، تو خادم پانی لے کر حاضر ہوگیا، جب ہارون پینے لگا، تو ابن سماک نے کہا ذرا ٹھہر جائیے، اور یہ بتلائیے، کہ اگر آپ کو شدت کی پیاس لگی ہو، اور پانی دستیاب نہ ہو، تو آپ ایک پیالہ پانی کی کیا قیمت دے سکتے ہیں، ہارون نے جواب دیا کہ "نصف سلطنت" ابن سماک نے کہا، کہ اچھا اب پانی پی لیجئے۔ جب ہارون پانی پی چکا تو ابن سماک نے پھر پوچھا کہ اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رک جائے، اور کسی طرح بھی خارج نہ ہو سکے، تو آپ اسے نکالنے کے لئے کیا قیمت ادا کر سکتے ہیں، ہارون نے جواب دیا، کہ اس کے لئے باقی نصف سلطنت بھی دے دوں گا، ابن سماک نے کہا کہ "اس کا مطلب یہ ہوا، کہ آپ کی پوری سلطنت ایک پیالہ پانی کے برابر قیمت رکھتی ہے، پھر اس جیسی بے حقیقت چیز سے دل لگانا بیکار ہے" ہارون یہ سنکر بہت رویا،

محمد بن خراسانی کہتے ہیں، کہ خلفاء میں سب سے پہلے ہارون الرشید ہی نے چوگان کھیلا، اور نشانہ بازی کی مشق کی، اور خلفائے بنی عباس میں سب سے پہلے شطرنج ہارون ہی نے کھیلی، ذہبی کہتے ہیں، کہ ہارون الرشید کے حالات اتنے زیادہ ہیں، کہ ان کی شرح بہت طویل ہے، اس کے محاسن بھی بہت ہیں، اور اسی کے ساتھ لہو ولعب اور

عیش و عشرت کی داستانیں بھی کچھ کم نہیں ہیں،

عہدِ ہارونی کے علماء و مشائخ

ہارون الرشید کے عہد حکومت میں جن بزرگان دین اور مقتدر حضرات نے رحلت فرمائی وہ یہ ہیں،

حضرت امام مالک: آپ ولید بن عبد الملک کے دور حکومت ۹۲ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، سترہ سال کی عمر میں حدیث کا درس دینا شروع کیا، موطا آپ کی قابل قدر تالیف ہے جس میں ایک ہزار ستائیس حدیثیں درج ہیں، ۱۷۹ھ میں ہارون کے زمانہ میں پچاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی،

حضرت امام موسیٰ کاظم: اہل بیت کے ساتویں امام اور حضرت امام جعفر صادق کے صاحبزادے تھے، آپ بہت بڑے اور کامل بزرگ ہوئے ہیں، آپ کی وفات ۱۸۳ھ میں ہوئی، وفات کے وقت آپ کی عمر ۵۵ سال تھی،

امام ابو یوسف: آپ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے، ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور رہے، ستر برس کی عمر میں ۱۸۲ھ میں وفات پائی،

ان کے علاوہ حسب ذیل علماء نے بھی عہد ہارونی میں وفات پائی،

لیث بن سعد، قاسم بن معن، ابراہیم بن سعد زہری، حضرت امام شافعی کے استاد ابراہیم بن ابی یحییٰ، امام ابو حنیفہ کے شاگرد اسد الکوفی، جریر بن عبد الحمید، عبد اللہ بن مبارک، قاریوں اور نحویوں کے استاد کسائی، امام ابو حنیفہ کے شاگرد محمد حسن، فضیل بن عیاض، ابن سماک، مروان بن ابی حفصہ شاعر، موسیٰ بن ربیعہ، امام مالک کے شاگرد عبد الرحمٰن بن قاسم وغیرہ،

امین الرشید ابن ہارون الرشید (۶)

امین اپنے باپ ہارون رشید کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں تخت خلافت پر بیٹھا، ماں کا نام زبیدہ تھا، جو ہاشمی تھی، امین ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی تھا،

امین اگرچہ کافی لکھا پڑھا تھا، مگر عیش پرستی اور شراب نوشی نے اس کی ساری خوبیوں کو ختم کر دیا تھا، اس نے اپنی طفلانہ مزاجی کا پہلا ثبوت یہ دیا، کہ اپنے بھائی قاسم کو ولی عہدی سے معزول کر دیا، قاسم کو ہارون امین کے بعد نامزد کر گیا تھا، حقیقت یہ ہے، کہ امین حکومت کا اہل نہیں تھا، چنانچہ اس کی طفلانہ حرکات سے زبیدہ خاتون تک بہت نالاں تھی، اور اکثر ہارون کے عہد کو یاد کر کے رویا کرتی تھی،

امین و مامون کی جنگ

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ ہارون رشید نے اپنی مملکت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، اس کی نیت تو اچھی تھی، مگر نتیجہ اچھا برآمد نہیں ہوا، دونوں بھائیوں میں کشیدگی کی پہلی وجہ تو یہ تھی، کہ ہارون رشید خراسان کی مہم کے وقت جو خزانہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، وہ اس نے خراسان میں مامون کو دے دیا تھا، ہارون کے انتقال کے بعد امین نے اس خزانہ کو خفیہ طریقہ سے بغداد منگوا لیا، دوسری حرکت امین نے یہ کی، کہ خطبہ میں، مامون کے نام کے ساتھ اپنے بیٹے عیسیٰ کا نام بطور ولی عہد بڑھا دیا، مامون کو یہ باتیں سخت ناگوار ہوئیں، اور اس نے بغداد سے قطع تعلق کر کے اپنے علاقہ میں خود مختار بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا،

امین کی شکست

مامون امین کے مقابلہ میں بہت سمجھدار اور اچھے کردار کا مالک تھا، ساتھ ہی بلند ہمت اور حوصلہ مند بھی تھا، امین نے مامون کے قطع تعلق سے برہم ہو کر ۵۰ ہزار کا لشکر خراسان کی طرف روانہ کر دیا، اور ہدایت کر دی، کہ جس طرح بھی ہو، مامون کو گرفتار کر کے دربار میں حاضر کیا جائے، مامون غافل نہیں تھا، اس کے جاسوس بغداد میں لگے ہوئے تھے، اطلاع ملتے ہی طاہر خراسانی کی سرکردگی میں ۴ ہزار کا لشکر مقابلہ کے لئے بھیجا، فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی، مگر طاہر نے اس ہوشیاری سے مقابلہ کیا، کہ ہزاروں مارے گئے، اور جو باقی بچے، بھاگ کھڑے ہوئے، امین کا سپہ سالار علی بھی مارا گیا،

امین نے دوبارہ عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں ۲۰ ہزار کا لشکر بھیجا، مگر طاہر کے سامنے یہ بھی بھاگ کھڑا ہوا، طاہر نے امین کے بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا،

امین نے تیسری مرتبہ پھر ۲۰ ہزار کا لشکر مقابلہ پر بھیجا، طاہر نے اس لشکر کو بھی میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا اب طاہر برابر آگے بڑھ رہا تھا، راستہ میں بحرین، یمامہ عمان، اہواز وغیرہ کے فوجیوں پر امین کی فوجوں کو شکست دیتا تھا اور رعایا سے مامون کی بیعت لیتا ہوا بغداد کے قریب پہنچ گیا، بغداد پر حملہ کرنے سے پہلے طاہر نے چند بااثر حضرات کو مکہ بھیجدیا، تاکہ مامون کی خلافت کے لئے عمائدین مکہ و مدینہ کی ہمدردیاں بھی حاصل کر لی جائیں، طاہر کو اس مقصد میں بھی کامیابی ہوئی، کیونکہ مکہ و مدینہ کے لوگ امین سے پہلے ہی ناراض تھے۔

مامونی فوجوں کا بغداد پر قبضہ

حجاز کے عمائدین کی حمایت حاصل ہوتے ہی مامونی فوج کے دونوں سپہ سالاروں نے بغداد پر یورش کر دی، امین کی فوجوں نے سخت مقابلہ کیا، اور ہر چند روکنے کی کوشش کی، مگر ہرثمہ اور طاہر اپنی فوجوں کو لئے ہوئے برابر آگے بڑھتے گئے، اور بغداد کے دروازہ پر پہنچ گئے

ادھر بغداد کی یہ حالت ہو رہی تھی، کہ امین کی نااہلی سے لوگ سخت پریشان تھے، ملازموں کو تنخواہ تک نہیں مل سکتی تھی، سپہ سالار اور فوج سب ہی بدظن تھے، آخر عمائدین شہر اور عمال نے جب یہ کیفیت دیکھی، تو وہ بھی طاہر و ہرثمہ سے مل گئے، شہر میں بغاوت اور غنڈہ گردی کا بھی زور تھا، طاہر و ہرثمہ نے پورے بغداد پر قبضہ کر لیا، غنڈوں کی شورش کو ختم کر کے امین کے محل کو گھیر لیا، امین نے بھاگنے کی کوشش کی، مگر زندہ گرفتار کر کے قید کر دیا گیا،

اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر مع خصائے شاہی، خاتم اور ردائے خلافت کے مامون کے پاس روانہ کر دیا، غرض کہ کئی سال کی جنگ و جدل اور خونریزی کے بعد محرم ۱۹۸ھ میں بغداد پر مامون کا قبضہ ہو گیا، اور مامون پوری مملکت اسلامیہ کا خلیفہ بن گیا، امین کی عمر قتل کے وقت ۲۸ سال تھی، وہ ساڑھے چار سال تک تخت خلافت پر متمکن رہا، مگر اسے ایک دن کے لئے بھی چین میسر نہ آسکا،

امین کا دور حکومت

امین کی تباہی کی بڑی وجہ اس کی نااہلیت تھی، دوسرے زبیدہ بھی اس سے ناخوش تھی، اور اکثر ہارون کو یاد کر کے روتی تھی تیسرے فضل بن ربیع بھی اس تباہی کا بہت بڑا ذمہ دار تھا، درحقیقت امین کی بدچلنی اور اس کے لہو و لعب نے اس کی خوبیوں کو بھی فنا کر دیا، اور اسے اس عظیم تباہی کا منہ دیکھنا پڑا، طاہر خراسانی نے جب امین کے محل پر قبضہ کیا، اور اس کی ماں زبیدہ کو بڑی ذلت سے باہر نکالا، تو زبیدہ نے ایک مرثیہ کے چند اشعار پڑھے، جن کا مطلب تھا، طاہر ایک مصیبت بن کر آیا، اور مجھے کھلے بالوں گھر سے باہر نکالا، میرا مال برباد ہو گیا، میری عزت خاک میں مل گئی، ہائے یہ اس زبیدہ کا انجام ہے جو ہارون کی نگاہوں میں سب سے زیادہ معزز تھی،

امین کے عہد میں حسب ذیل علماء نے وفات پائی :- اسماعیل بن علیہ، شفیق بلخی زاہد، ابو معاویہ ضریر، مورخ سدی، عبداللہ بن کثیر مقری، امام مالک کے شاگرد عبداللہ بن وہب، ابو نواس شاعر،

مامون الرشید بن ہارون الرشید (۷)

مامون خلفائے عباسیہ کا ساتواں نامور خلیفہ ہے، اپنے بھائی امین کے قتل کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوا، یہ خلیفہ ایک عجمی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا، اور عجمیوں سے زیادہ مانوس تھا،

مامون سیاسی مدبر اور لائق حکمران ہونے کے علاوہ اتنا بڑا عالم و فاضل تھا، کہ اس کے زمانہ کے بڑے سے بڑے علماء بھی اس کے تبحر علمی کے معترف تھے، بچپن ہی سے مامون کو تحصیل علم کا شوق تھا، حکمرانی کی تربیت اس نے جعفر برمکی جیسے لائق سیاست دان کی نگرانی میں حاصل کی تھی، حدیث کا درس اس نے عباد بن عوام، یوسف بن عطیہ، ابو معاویہ ضریر، اسمٰعیل بن علیہ جیسے محدثین سے حاصل کیا تھا، اس کے علاوہ ادب، فلسفہ، منطق اور دیگر علوم پر بھی اسے کامل عبور حاصل تھا

مامون تمام خاندان بنی عباس میں علم، حزم، حلم، اصابت رائے، ذکاوت اور شجاعت کے اعتبار سے بلند ترین درجہ رکھتا تھا، اس میں بے شمار محاسن اور خوبیاں موجود تھیں، اگر وہ مسئلہ خلق قرآن کا قائل نہ ہوتا، اور لوگوں پر اس مسئلہ کے قبول کرنے پر جبر نہ کرتا، تو یہ اپنی نظیر آپ ہی ہوتا، بلاشبہ وہ خاندان بنی عباس میں سب سے زیادہ عالم تھا، اور اس کے ساتھ فصیح و بلیغ اور قادر الکلام بھی اعلیٰ درجہ کا تھا، وہ کہا کرتا تھا، کہ امیر معاویہ عمرو بن عاص کے، اور عبد الملک حجاج کے محتاج تھے، مگر مجھ کو کسی کی ضرورت نہیں، ہارون الرشید اکثر مامون کے عزم و زہد اور اس کی قابلیت کی تعریف کیا کرتا تھا،

امام علی رضا کی ولیعہدی

بنی عباس اور اہل بیت میں پرانی دشمنی چلی آرہی تھی، مگر مامون اس کے برخلاف اہل بیت سے بے حد محبت کرتا تھا، چنانچہ اس کو اہل بیت سے محبت کرنے کی وجہ سے سخت پریشانیوں اور بغاوتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے، یہاں تک کہ اس کے عمال اور قریبی رشتہ دار تک اس کے دشمن بن گئے تھے، لیکن پھر بھی اہل بیت کے ساتھ اس کی محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، اصل بات یہ ہے، کہ مامون شروع ہی سے شیعیت کی جانب جھکا ہوا تھا، اور بعض مسائل میں شیعوں کا ہم عقیدہ تھا مثلاً وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل مانتا تھا،

مامون کے باپ ہارون الرشید نے اپنی زندگی ہی میں مامون کے بعد اپنے چھوٹے بیٹے موتمن کو ولیعہد نامزد کر دیا تھا، لیکن مامون اہل بیت کی محبت میں ایسا سرشار تھا، کہ اس نے موتمن کو ولیعہدی سے ہٹا کر حضرت امام علی رضا

کو ۲۰۱ھ میں ولیعہد بنا دیا تھا، حضرت امام علی رضا، امام موسیٰ کاظم کے بیٹے، اور حضرت امام جعفر صادق کے پوتے تھے بعض مؤرخوں کا تو یہاں تک بیان ہے، کہ مامون اس کے لئے بھی آمادہ ہو گیا تھا، کہ وہ خود تخت و تاج چھوڑ کر امام علی رضا کو تخت خلافت پر متمکن کر دے لیکن عباسی امرائے سلطنت، اور خاندان بنی عباس کی مخالفت کی وجہ سے یہ ارادہ ترک کر کے اس نے انہیں صرف ولیعہد مقرر کر دیا تھا، اور اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی ان کے ساتھ کر دی تھی، امام علی رضا کی ولیعہدی کے بعد مامون نے ساری مملکت اسلامیہ میں حکم جاری کر دیا تھا، کہ آئندہ سے فوج میں عباسی سیاہ رنگ کے بجائے سبز فاطمی رنگ استعمال کیا جائے، اور تمام فوج سے حضرت امام علی رضا کی بیعت لی جائے،

شیعیت کی جانب مامون کی رغبت قدرتی تھی، کیونکہ اس کی ماں مراجل اور اس کا سارا ننھیال ایرانی ہونے کی وجہ سے مائل بشیعیت تھا، اس کے علاوہ برامکہ جن کی زیر نگرانی اس نے تربیت حاصل کی تھی، ان کے عقاید بھی شیعی تھے پھر اس کا وزیر اعظم فضل بن سہل اور فضل کا چھوٹا بھائی حسن بن سہل بھی جن کے ہاتھوں میں ساری سلطنت تھی، وہ بھی شیعہ ہی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اسے اہل بیت سے بے حد محبت تھی،

عباسیوں کی بغاوت

امام علی رضا کی ولیعہدی بنی عباس کو بہت شاق گذری، اور وہ سمجھنے لگے کہ اس طرح حکومت بنی عباس سے نکل کر اہل بیت میں چلی جائے گی، چنانچہ وہ سخت برہم ہو گئے، اس برہمی میں مامون کے چچا منصور بن مہدی اور ابراہیم بن مہدی سب سے زیادہ پیش پیش تھے، چنانچہ بغداد میں جب امام علی رضا کی بیعت لی جانے لگی، تو انہوں نے نہ صرف ان کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، بلکہ مامون کی بیعت کو فسخ کر کے ابراہیم بن مہدی کو اپنا خلیفہ بنا لیا تھا، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، یہاں تک کہ بغداد کے تمام حکومت اور فوج نے بھی ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی تھی، اور اس طرح اہل بیت کی محبت میں بغداد اور بغداد کے مضافات سے مامون کی حکومت کا تقریباً خاتمہ ہو گیا تھا،

بغداد میں جب یہ انقلاب رونما ہوا، تو مامون خراسان میں تھا، یہ سب کچھ ہو گیا، اس کی حکومت کا تختہ الٹ گیا، مگر مامون کے وزیر اعظم فضل بن سہل نے نامعلوم مصلحتوں کی بنا پر مدتوں مامون کو ان واقعات کی کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی، اصل بات یہ تھی، کہ برامکہ کی طرح فضل بن سہل اور اس کے بھائی حسن بن سہل نے جو مامون کا خسر بھی تھا، مامون کو عضو معطل بنا رکھا تھا، اور یہ دونوں بھائی مامون کے پردہ میں حکومت کر رہے تھے،

بغداد کا واقعہ اتنا بڑا واقعہ تھا، کہ اس کا چھپانا ناممکن تھا، مامون کو جب اس کی خبر ملی، تو وہ فضل بن سہل پر بے حد برہم ہوا، اس واقعہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں، اور وہ فضل بن سہل کا دشمن ہو گیا، چنانچہ مامون نے فوراً بغداد پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، عین اسی زمانہ میں عباسیوں نے خفیہ طریقہ پر امام علی رضا کو زہر دلوا دیا، مامون کو بہت صدمہ ہوا اور اس کی برہمی اور زیادہ بڑھ گئی،

مامون ایک لشکر عظیم لے کر ۲۰۲ھ میں خراسان سے بغداد کے لئے روانہ ہوگیا، روانہ ہوتے وقت اس نے چند آدمی لگا کر فضل بن سہل کو قتل کرادیا، اور اس خیال سے کہ اس کے قتل سے کوئی ناگوار صورت پیدا نہ ہو، مصلحتاً فضل کے چھوٹے بھائی حسن بن سہیل کو وزیر اعظم بنادیا، بغداد میں جب یہ اطلاع پہنچی کہ مامون ایک لشکر عظیم کے ساتھ آرہا ہے، تو بغداد کے نئے خلیفہ ابراہیم بن مہدی کے ہمنواؤں اور ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی، اور اس کے ساتھی ایک ایک کرکے علیحدہ ہونے لگے، یہاں تک کہ اس کی فوج نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا

ابراہیم بن مہدی کا سب سے بڑا معاون مطلب بن عبداللہ تھا، اب وہی ابراہیم کی بیعت توڑ کر اور مامون کی بیعت کی تجدید کرکے مع اپنی فوجوں کے ابراہیم کے مقابلہ پر آگیا، اس نے ابراہیم بن مہدی کے بھائی منصور مہدی کو بھی اپنے ساتھ ملالیا، اور اپنے فوجی افسروں ہشام اور حمید کو ابراہیم کے مقابلہ کا حکم دے دیا، ابراہیم مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا، اور پھر اسی دن مامون بغداد میں داخل ہوا، اور جمعہ کا خطبہ اس کے نام کا پڑھا گیا،

چند دوسری بغاوتیں

مامون کا عہد حکومت بغاوتوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے، مگر مامون اتنا مستقل مزاج اور بہادر تھا کہ اس نے تمام بغاوتوں پر قابو پالیا، چنانچہ اہل بیت کے نام نہاد حامی ابراہیم بن طباطبا نے ۱۹۹ھ میں عراق میں شورش برپا کرکے کوفہ، بصرہ، حلب اور حجاز سے مامون کے عاملوں کو نکال دیا، مامون نے ہرثمہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا، ہرثمہ نے بڑی جاں بازی سے کام لیا، ہر جگہ کامیابی ہوئی اور بہت سے لوگوں کا سر کاٹ کر مامون کے پاس بھیجدیا گیا

۲۰۵ھ میں مصر اور اسکندریہ میں بغاوت کی آگ بھڑکی، اور یہ دونوں ملک باغیوں کے قبضہ میں آگئے، مامون نے فوجیں مقابلہ کو بھیجیں، باغیوں کو شکست ہوئی، اور مصر و اسکندریہ پر مامون کا قبضہ ہوگیا

۲۰۷ھ میں اہل بیت کے نام سے یمن میں ایک فتنہ کھڑا کیا گیا، مامونی فوجیں اس کو بھی ختم کرنے میں کامیاب ہوئیں، ۲۱۲ھ میں مامون نے ایک لشکر بابک خرمی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، بابک ایران کے پرانے مذہب مزدک کا داعی تھا، اور عقیدۂ تناسخ کے ساتھ جنسی آزادی کا حامی تھا، ہزاروں آدمی بابک کے پیرو ہوگئے تھے، مامون کی فوجوں نے کئی مرتبہ یورش کی، اور یہ فتنہ بھی ختم ہوگیا،

مامونی فتوحات

باوجود ملکی شورش اور بغاوت کے مامون فتوحات کی طرف بھی توجہ دیتا رہا، چنانچہ ۲۰۲ھ میں کابل فتح کیا جس کے بعد وہاں کا آتش پرست بادشاہ مسلمان ہوگیا، ۲۰۷ھ میں ترکستان کے علاقہ میں اشروسنہ کو فتح کیا، اور یہاں کا بادشاہ کاؤس بھی مسلمان ہوگیا، مامون نے ملک اسی کو واپس کردیا،

قیصر روم جو کبھی کبھی مسلمانوں پر ظلم و دست درازی کیا کرتا تھا، مامون بہت دن تک تو خاموش رہا، لیکن ۲۱۷ھ

میں جب کہ کئی ہزار مسلمان اس کے ہاتھ سے مارے گئے، مامون نے حملہ کر دیا، اور رومیوں کے تیس قلعے فتح کر لیے، اور انطیعو اور مطورہ پر قبضہ کر لیا،

علمی خدمات

مامون کو تصنیف و تالیف اور تراجم کا بڑا شوق تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود مختلف علوم کا ماہر اور فاضل تھا، مامون کے علمی کارنامے علمی دنیا میں ہمیشہ یادگار رہیں گے،

مامون نے یورپ کے بادشاہوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے افلاطون، ارسطاطالیس، بقراط، جالینوس، اقلیدس، بطلیموس وغیرہ کی نادر کتب حاصل کیں، ان کے ترجمے کرائے، اور اس کے بعد ان کی تعلیم شروع کر کے ان علوم سے مسلمانوں کو روشناس کیا،

مامون نے اپنے کچھ نمائندوں کو قیصر روم کے پاس نادر کتب کے حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، ان نمائندوں کے وہاں پہنچنے پر قیصر روم نے کتابوں کی تلاش شروع کی، تو پتہ چلا، کہ ایک مقام پر قسطنطین نے تمام یونانی کتابیں مقفل کر دی ہیں، اور ان کے پڑھنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے، بلکہ ہر نیا بادشاہ جب تخت نشین ہوتا ہے تو اپنی طرف سے اس کتب خانہ پر ایک نیا قفل لگا دیتا ہے، قیصر نے امرائے سلطنت اور مذہبی راہنماؤں سے کہا کہ جب یہ کتابیں ہمارے کام کی نہیں ہیں، تو اگر اسلامی ملک کو بھیجدی جائیں، تو کیا حرج ہے، مذہبی راہنماؤں نے جواب دیا، ضرور بھیجی جائیں، کیونکہ یہ علوم جس مذہب میں بھی داخل ہوتے ہیں، اس کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں، لہذا یہ اگر اسلام میں داخل ہو گئے، تو ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا، چنانچہ مقفل کتب خانہ کھولا گیا، اس میں سے بے شمار یونانی کتابیں نکلیں، اور وہ سب کی سب مامون کی خدمت میں روانہ کر دی گئیں، مامون نے ان سب کا ترجمہ کرا دیا اور ان کے ترجمہ سے عربی لٹریچر مالا مال ہو گیا، ان کتب کے علاوہ مامون نے فارسی زبان کی بھی بہت سی نادر کتب کا ترجمہ کرایا تھا،

علم ہیئت کو بھی مامون کے دور حکومت میں خوب ترقی ہوئی، اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں پہلی مرتبہ کرہ ارض کی پیمائش ہوئی اور رصد خانہ قائم کیا گیا، آلات رصد ایجاد کئے گئے،

مامون نے جو عظیم الشان دار الترجمہ قائم کیا تھا، اس میں دور دور کے ممالک کے مترجمین موجود تھے، جو یونانی سریانی، سنسکرت اور لاطینی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کیا کرتے تھے، غرضکہ مامون نے اپنے مختصر سے عہد حکومت میں ایسی اعلیٰ علمی خدمات انجام دی ہیں، جن کا صدیوں میں بھی انجام دینا ناممکن ہے،

وفات

۲۱۸ھ میں رومیوں نے پھر سر اٹھایا، مامون ایک بڑی فوج لے کر پہنچا، عین اس وقت جب کہ معرکہ آرائی ہو رہی تھی، مامون بیمار ہو گیا، بخار کی شدت نے پیغام اجل کی شکل اختیار کر لی، آخر ۱۸ رجب کو روم ہی میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، لاش کو روم سے طرطوس میں لا کر سپرد خاک کیا گیا

عہد مامونی پر ایک نظر

خلفائے عباسیہ میں مامون سب سے زیادہ ذہین اور قوی الحافظہ تھا۔ چنانچہ اس نے علمائے کوفہ سے ایک نشست میں سو احادیث سنیں اور دوسرے وقت ان سب کو من وعن بیان کر دیا، علما مامون کے حافظہ پر حیران تھے۔

مامون بہت بڑا منصف تھا، اور انصاف کے وقت کسی کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ ایک غریب بوڑھی عورت نے مامون کے بیٹے عباس کے خلاف جائداد پر غاصبانہ قبضہ جمانے کا دعویٰ دائر کر دیا، جب مقدمہ پیش ہوا، تو مامون نے عباس اور بڑھی عورت دونوں کو ایک دوسرے کے برابر کھڑا کر کے بیانات لینے شروع کئے، شہزادہ ادب کی وجہ سے آہستہ آہستہ بول رہا تھا، اور بڑھیا زور زور سے بول رہی تھی، وزیر سلطنت نے بڑھیا کو روکا، کہ امیر المومنین کے سامنے بلند آواز سے بولنا خلاف ادب ہے، مامون نے کہا کہ "جس طرح یہ بولتی ہے، اسے بولنے دو، سچائی اور صداقت نے اس کی آواز بلند کر دی ہے، اور عباس کو اس کی کمزوری نے گونگا کر دیا ہے" مامون نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد بڑھیا کے حق میں فیصلہ کر دیا، اور اس کی جائداد واپس کرا دی۔

مامون بڑا ہی فیاض دل تھا، یہ معلوم ہوتا تھا، کہ دنیا میں محض دولت لٹانے کے لئے آیا ہے، اس کی فیاضیوں کے لئے خراج کی آمدنی بالکل ناکافی تھی، ایک مرتبہ جب وہ دمشق میں تھا، تو روپیہ کی بے حد تنگی تھی، تو اتفاق سے اسی زمانہ میں خراج کی تین کروڑ کی رقم آگئی، مامون نے اس رقم کو دیکھ کر کہا، کہ "یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا، کہ ہم تو روپیہ لے کر واپس جائیں، اور ہمارے ساتھی محروم رہیں" اسی وقت ساری رقم اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دی۔

خدا نے مامون کو تحمل بھی بہت دیا تھا، صولی کا بیان ہے، کہ مامون ایسی باتوں کو ضبط کر جاتا تھا، جن کو سنکر ہمیں بھی غصہ آجاتا تھا، ایک مرتبہ ہم مامون کے ہمراہ کشتی میں دریائے دجلہ کی سیر کر رہے تھے، کشتی کے بیچ میں پردہ پڑا ہوا تھا، اور ہم پردہ کے ایک طرف تھے، اور ملاح دوسری طرف بیٹھے تھے، ان میں سے ایک ملاح نے دوسرے سے کہا، کہ "تم سمجھتے ہوگے، کہ میرے دل میں مامون کی کچھ قدر ہوگی، یہ شخص میری نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے یہ اپنے بھائی کا قاتل ہے" مامون یہ سنکر مسکرا دیا، اور ہم سے کہنے لگا، "دوستو کوئی ایسی ترکیب بتاؤ، کہ میں اس جلیل القدر شخص کی نظر میں معزز بن سکوں"

قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے، کہ ایک شب کو مجھے مامون کے پاس سونے کا اتفاق ہوا، رات گئے مجھے پیاس معلوم ہوئی میں پانی پینے کے لئے اٹھنا چاہتا تھا، کہ مامون کی نظر پڑ گئی، پوچھا "قاضی صاحب کیا بات ہے" میں نے کہا "امیر المومنین پیاس معلوم ہو رہی ہے" یہ سنتے ہی مامون خود اٹھ کر میرے لئے پانی لے آیا، میں نے عرض کی "امیر المومنین کسی خادم یا خادمہ کو کیوں نہ جگا لیا" کہا "سب سو رہے ہیں" میں نے کہا، کہ "آپ نے کیوں تکلیف

کی وہیں خود ہی پی لیتا۔ پولا: انسان کے لئے یہ بڑے عیب کی بات ہے، کہ اپنے مہمان سے کام لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے:

محمد بن عباس کہتے ہیں، کہ مامون شطرنج کا بڑا شوقین تھا، اس کی رائے تھی، کہ یہ کھیل ذہن کو بہت تیز کر دیتا ہے لیکن وہ خود اچھا نہیں کھیل سکتا تھا، اور کہا کرتا تھا، کہ میں دنیا کی بساط کا تو انتظام کر سکتا ہوں، مگر اس چند بالشت کی بساط سے تنگ آ جاتا ہوں:

مامون کے اقوال

(۱) جو شخص تمہاری نیک نیتی کا شکر گذار نہ ہوگا، وہ تمہاری نیکی کا بھی شکر گذار نہیں ہوگا، (۲) حسب ذیل باتیں بہت بدترین ہیں، بادشاہ کی خوشامد کرنا، قاضی کا تنگ دل ہونا مالدار کا بخیل ہونا، بڑھوں کا مذاق کرنا، جوانوں کا سست ہونا، اور جنگ میں بزدلی سے کام لینا (۳) جو تم سے ملنا پسند نہ کرے، اس سے قربت کی کوشش مت کرو، جو تمہاری تواضع سے خوش نہ ہو، اس کی تواضع مت کرو، جو تم کو جانتا نہ ہو اس کی تعریف مت کرو:

مامونی حکومت کا رقبہ

خلفائے عباسیہ میں مامون الرشید کا عہد حکومت سب سے زیادہ ترقی اور وسعت کا عہد ہے، چنانچہ اس کے عہد حکومت میں مملکت اسلامیہ کے حدود اربعہ حسب ذیل تھے۔

مشرق میں سرزمین ہند و چین کا کچھ حصہ اور خلیج فارس، مغرب میں رومی سلطنت کے وہ حدود جن کو آج کل بحر اسود، ایشیائے کوچک، بحر روم اور مس اور طغار سے تعبیر کرتے ہیں، شمال میں ایشیا سریہ غزر بولان، یورپ میں سیریہ کا پہاڑی سلسلہ اور بحر قزوین، جنوب میں بحیرہ فارس اور ممالک نوبہ کے وہ حصے جو مصر سے ملتے ہیں، غرض اس زمانہ میں مملکت اسلامی ستائیس ممالک پر منقسم تھی، سات ملک مغرب میں اور ۲۰ مشرق میں تھے ان سب ممالک کے نام یہ ہیں، دیار عرب، ملک شام، بحیرہ فارس، دیار مغرب، بحیرہ روم، طبرستان، کرمان، مکران، قومس، جرجان، توران، صحرائی خراسان، سندھ، سجستان، آرمینیہ، خراسان، آذربائیجان، ماوراء النہر، بلاد ارّان، خوارزم، مصر، عراق، کوہستان، خوزستان، رمہان، فارس، دیلم،

متوفی علماء

حضرت معروف کرخی، حضرت امام شافعی سنہ ۲۰۴ھ، حضرت امام علی رضا، امام شافعی کا مزار مصر میں ہے آپ کا اصلی نام محمد بن ادریس ہے، دادا کا نام شافع تھا اسی نسبت سے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے، آپ امام مالک اور حسن شیبانی کے شاگرد تھے، معروف کرخی نومسلم تھے، اور امام علی رضا کی خدمت کیا کرتے تھے، بہت عابد اور عبادت گذار تھے، مزار کرخ میں ہے، امام علی رضا کا مزار بغداد میں ہے، آپ فرقہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام ہیں،

سنہ ۲۱۱ھ میں مامون نے اعلان کرایا، کہ جو شخص امیر معاویہ کو حضرت علی سے افضل سمجھے گا، ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہیں

المعتصم باللہ ابن ہارون الرشید (۸)

المعتصم خلفائے بنی عباس کا آٹھواں خلیفہ ہے ۱۸۰ھ میں پیدا ہوا اپنے بھائی مامون کے مرنے کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا، وقت خلافت ۴۰ سال کی عمر تھی، ہارون رشید کا آٹھواں لڑکا تھا اور کونسی ایک لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

اگرچہ مامون کے اولاد موجود تھی مگر اس نے معتصم ہی کو اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا،

المعتصم بہت کم پڑھا لکھا تھا مگر قدرتاً بہت ذہین، مقرر اور ہوشمندی میں اپنے باپ اور بھائی کا صحیح جانشین تھا چونکہ ۱۸۰ھ میں پیدا ہوا، ۴۸ سال کی عمر ہوئی، آٹھویں اولاد تھا حضرت عباس کی آٹھویں پشت میں تھا۔ اس لئے اکثر لوگ اس کو مثمن (آٹھ) کہنے لگے،

عقیدہ خلق قرآن کی اشاعت

اپنے باپ کی طرح عقیدہ خلق قرآن کو پھیلانے کی بہت کوشش کی، بہت سے علماء کو قتل کیا، ملک میں کافی ہنگامہ آرائی ہوئی، مدارس کے نصاب میں اس عقیدہ کی اشاعت داخل کر دی گئی، امام احمد حنبل کے کوڑے لگائے گئے، باوجود اس کوشش عظیم کے ناکامیابی ہوئی،

ترکوں کی حمایت

المعتصم کو تخت خلافت پر بٹھانے، اور مختلف میدانوں میں کامیاب کرنے میں ترکوں نے بہت مدد کی تھی، لہٰذا معتصم نے خلافت کے تخت پر آتے ہی ترکوں کو بہت فائدہ پہنچایا، ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے، اور امور سلطنت میں بکثرت ان لوگوں کو مامور کیا، ایرانیوں اور عربوں سے اسے زیادہ ہمدردی نہیں تھی جس کی وجہ یہ تھی، کہ عربوں اور ایرانیوں کی طرف سے خلافت کے معاملہ میں اس کی مخالفت کی گئی تھی

معتصم نے ترکوں کی ایک فوج تیار کی جس کی تعداد دس ہزار تھی، بغداد کے قریب سر من رائے کا شہر ان کے لئے مخصوص کر دیا تھا خود بھی اپنے لئے ایک محل وہاں تعمیر کرایا تھا، غرض ترکوں نے معتصم کے زمانہ میں اتنا عروج حاصل کیا، کہ خلیفہ برائے نام نظر آنے لگا، پوری مملکت میں سب سے زیادہ محبوب معتصم کو ترک قوم تھی

کبھی کبھی ترکوں، ایرانیوں اور عربوں میں تصادم بھی ہو جاتا تھا، فریاد معتصم کے پاس آتی تو وہ لطائف الحیل سے ٹال دیتا، معتصم کو جدید فتوحات میں ترکوں سے بہت مدد ملی، مگر یہ اس درجہ چھا گئے تھے، کہ دوسرے لوگوں کے لئے

ان کا وجود مصیبت بن گیا،

عہد معتصم کی فتوحات

معتصم نے اپنے دورِ حکومت میں بیرونی فتوحات بھی نہایت شاندار حاصل کیں، اور اندرونی بغاوتوں کو بھی بڑی قابلیت کے ساتھ دبایا، ۲۲۳ھ میں معتصم نے پانچ لاکھ کے لشکر سے بڑے اہتمام کے ساتھ روم پر فوج کشی کر کے اپنے بے پناہ حملوں سے وہاں بری طرح تباہی برپا کر دی، اور عموریہ کو فتح کر لیا، اس جنگ میں تیس ہزار رومی تہ تیغ ہوئے، اور اتنے ہی قید کر کے غلام بنا لئے گئے

معتصم نے جدید فتوحات بھی حاصل کیں، اور ان حکمرانوں کی بھی اچھی طرح سرکوبی کی جو اقرارِ اطاعت کے بعد باغی ہو گئے تھے، چنانچہ اس نے آذربائیجان، طبرستان، سیستان، اشیاصج، فرغانہ، طخارستان کو فتح کر لیا، اور ان تمام ممالک کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو قید کر لیا، مورخین کہتے ہیں، کہ ایک وقت میں کسی ایک بادشاہ نے بھی اتنے بادشاہوں کو قید نہیں کیا جتنے بادشاہ کہ معتصم کی قید میں تھے،

مندرجہ بالا فتوحات کے علاوہ اس نے خراسان کے پہاڑی علاقہ کی ایک بڑی بغاوت کو دبایا، بصرہ کے قریب زطیون کی شورش کا قلع قمع کیا، بابک خرمی کے قتل کے بعد اس کے دیرینہ فتنہ کو ختم کیا، اس نے بابک خرمی کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر اس کی لاش کو سرِ راہ سولی پر لٹکا دیا تھا، اس کے علاوہ معتصم نے ان عرب سرداروں کی بغاوت کو کچلا جو ترکوں کے برسرِ اقتدار آنے کی وجہ سے باغی ہو گئے تھے، مامون کے بیٹے عباس نے بھی عرب سرداروں کی شہ پر معتصم کے خلاف بغاوت برپا کر دی تھی، یہ سردار بھی معتصم کی ترک نوازی کی وجہ سے برہم ہو گئے تھے آخر معتصم اور عباس میں جنگ چھڑ گئی، عباس کو شکست دینے کے بعد قید کر دیا گیا، اور وہ قید خانہ ہی میں مر گیا

المعتصم کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی، کہ میں کسی طرح اسپین کی حکومت کو ختم کر کے بنی امیہ کی اس باقی ماندہ حکومت کا بھی خاتمہ کر دوں، اسپین میں بنی امیہ کے ایک شہزادے عبدالرحمٰن نے اپنی دلیری اور سیاسی جدوجہد سے ایک نئی حکومت کی بنیاد ڈالی تھی، تفصیل گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے،

المعتصم کا انتقال

معتصم کو صرف ۸ سال ۸ ماہ حکومت کرنے کا موقعہ ملا، عمر اگرچہ زیادہ نہیں تھی، مگر موت اس کو کہاں دیکھتی ہے، ۲۲۷ھ میں اچانک بیمار ہوا، اور تھوڑے ہی دن بیمار رہ کر ۹ ربیع الاول کو فوت ہو گیا،

متفرق حالات

المعتصم بڑا بہادر، بارعب اور دبدبہ کا بادشاہ تھا، جسم اس قدر مضبوط پایا تھا، کہ دانت اس کے گوشت میں گڑتے نہیں تھے، دو انگلیوں سے کلائی کی ہڈی کو توڑ دیتا، ۵ من کا وزن آسانی سے اٹھا لیتا تھا، پڑھنے کتابت سے مجبور تھا، اس لئے بہت کم پڑھا لکھا تھا، یہی وجہ ہے، کہ اس کا دورِ حکومت علمی ترقیوں سے خالی نظر آتا ہے، علم سے بے رغبتی کا یہ حال تھا، کہ ہارون نے جو غلام اس کو پڑھانے کیلئے رکھا تھا جب وہ مر گیا، تو معتصم نے کہا، کہ آج میں پڑھنے کی مصیبت سے چھوٹ گیا

معتصم کے زمانہ میں اہلبیت کے نویں امام جناب محمد تقی نے ۲۲۰ھ میں انتقال فرمایا، اور اپنے دادا موسیٰ کاظم کے روضہ میں دفن ہوئے

واثق باللہ بن معتصم باللہ (۹)

واثق بہت چھوٹی عمر میں اپنے باپ کی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر ہو گیا تھا، تخت نشینی کے وقت ۳۲ سال کی عمر تھی، زبردست ادیب اور باذوق شاعر تھا، اس کی ترک نوازی حد کو پہنچ گئی تھی، یہاں تک کہ ایک ترک ہی کو نائب خلیفہ بنایا، اور تاج شاہی پہنایا، عربوں اور ترکوں میں مخالفت پہلے سے چلی آ رہی تھی، مگر اس کے زمانہ میں بہت زیادہ بڑھ گئی،

مسئلہ خلق قرآن کا شدت سے حامی تھا، بڑے بڑے علماء کو نہ صرف پریشان کیا، بلکہ قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، چنانچہ مشہور عالم اور محدث احمد بن نصر کو ۲۳۱ھ میں اپنے دربار میں بلا کر خلق قرآن کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے مخالفت کی، درباری علماء نے کفر کا فتوی لگایا، لہٰذا واثق نے سر دربار اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا، اور لاش کو شارع پر لٹکوا دیا،

عقیدۂ خلق قرآن سے توبہ

مورخوں کا بیان ہے کہ مشہور محدثین ابو داؤد اور نسائی کے استاد ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن اذدی کو اسی خلق قرآن کے عقیدہ کی مخالفت کی بنا پر جب گرفتار کر کے لایا گیا، تو انہوں نے درباری علماء سے جن میں ابن داؤد بھی شامل تھے پوچھا، کہ خلق قرآن کے جس مسئلہ کی جانب تم لوگوں کو بلا رہے ہو، اس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا، اگر آنجناب کو اس کا علم تھا، تو حضور نے اس کی طرف لوگوں کو کیوں نہیں بلایا" ابن ابی داؤد نے کہا، کہ "علم ضرور تھا" ابو عبد الرحمٰن نے سوال کیا، کہ اچھا جب علم تھا، اور علم کے باوجود جو کام حضور نے نہیں کیا، تم اس کو کیوں کرتے ہو، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز رکھا، تم اس کو کس طرح جائز رکھتے ہو" حضرت ابو عبد الرحمٰن کی یہ منطقی گفتگو سن کر تمام علماء متحیر رہ گئے، اور واثق منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستا ہوا زنانہ میں چلا گیا، اور بار بار کہتا رہا، کہ جس امر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجائز قرار دیا ہم اس کو جائز سمجھ رہے ہیں، اور جس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی ہم اس میں تشدد اختیار کر رہے ہیں" واثق نے حضرت ابو عبد الرحمٰن کو تین سو دینار دینے کا حکم دیا، اور ان کو رہا کر دیا، اور اس دن کے بعد سے خلق قرآن کے بارے میں کسی عالم سے باز پرس نہیں کی گئی،

قیدیوں کی رہائی اور فتوحات

مامون کے زمانہ میں سسلی پر اغلبیوں نے قبضہ کر لیا تھا، واثق نے ۲۲۸ھ میں ایک بڑا لشکر بھیج کر سسلی کو فتح کر لیا۔ پھر اسی سال

مسکان رفع ہوا، واثق نے بغاوتوں کو دبانے میں بھی بڑی سرگرمی سے کام کیا، اور مدینہ، دمشق، یمامہ اور آرمینیہ کی بغاوتوں کو پوری قوت سے دبا دیا

سنہ ۲۳۱ھ میں ایک ہزار چھ سو قیدیوں کو قیصر روم کی قید سے رہائی دلوائی، اس کے علاوہ ۴ ہزار مسلمان قیدیوں کا رومی قیدیوں سے تبادلہ کیا،

انتقال و حالات

واثق استسقار کے مرض میں مبتلا ہو کر ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) میں فوت ہو گیا، وفات کے وقت اس کی عمر ۳۲ سال تھی، اس نے ساڑھے پانچ سال حکومت کی،

واثق چونکہ علوم و فنون کا دلدادہ تھا، اس لئے اس کے دربار میں ہمیشہ مختلف علوم و فنون کے علماء کا ہجوم رہتا تھا جن کو وہ خوب نوازتا تھا، ادب، شعر و شاعری اور فن طب سے اسے گہری دلچسپی تھی، چنانچہ اس نے مشہور فلسفی طبیب حنین بن اسحاق سے فن طب پر ایک کتاب بھی لکھوائی تھی جس کا نام "کتاب المسائل طبیہ" تھا، فضل بن یزید کہتے ہیں، کہ خلفاء بنی عباس میں واثق کو سب سے زیادہ اشعار یاد تھے، کسی نے ان سے پوچھا، کیا مامون سے بھی زیادہ، تو انہوں نے جواب دیا، کہ ہاں "اصل بات یہ ہے، کہ مامون علم و ادب کے علاوہ نجوم، طب، منطق اور دوسرے علوم کا بھی عالم تھا، اور واثق محض علم و ادب ہی میں کامل تھا،

واثق اپنے چچا مامون کی طرح اہل بیت اور علویوں سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا، اس نے ان کو خوب نوازا، اور ان کے ساتھ بڑے بڑے سلوک کئے، اس کے دور میں علویوں کو ہر معاملہ میں پوری آزادی حاصل تھی،

یہ بڑا فیاض اور دریا دل تھا، کسی کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں جانے دیتا تھا، اور حرمین کے باشندوں پر بے اندازہ دولت لٹاتا تھا، مؤرخوں کا بیان ہے، کہ اس نے مکہ اور مدینہ میں اس قدر داد و دہش کی تھی، کہ ان مقامات پر کوئی سائل باقی نہیں رہا تھا،

حکومت کے انتظامی معاملات کی اصلاح میں بھی اس نے نمایاں حصہ لیا ہے، اس نے ان عمال کو سخت سزائیں دی ہیں، جو رعایا سے بالجبر رقوم وصول کرتے تھے، اس نے رعایا پر سے ٹیکسوں کا بوجھ بہت کم کر دیا تھا،

واثق کے زمانہ میں ان علماء نے انتقال کیا، حضرت امام شافعی کے شاگرد بویطی، ان کا قید خانہ میں انتقال ہوا، محمد بن سعد کاتب الواقدی، مسدد، خلف بن ہشام، بزار مقری، اسمٰعیل بن سعید، محمد بن زیاد بن الاعرابی وغیرہ

المتوکل علی اللہ بن معتصم (۱۰)

المتوکل علی اللہ واثق کا بھائی اور معتصم کا بیٹا ہے، ۲۳۲ھ میں المتوکل علی اللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بیٹھا، عمر ۲۷ سال کی تھی،

علمی اعتبار سے کچھ زیادہ بلند پایہ نہیں تھا، مگر سب سے بڑی بات یہ تھی، کہ احیائے سنت کا بڑا حامی تھا ۲۳۴ھ میں سامرہ میں تمام ملک کے علماء کی ایک عظیم کانفرنس بلائی، اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ واشاعت کی طرف تمام علماء کو توجہ دلائی،

اس تحریک نے عام مسلمانوں کے دلوں میں متوکل کے لئے کافی محبت کے جذبات پیدا کر دیئے تھے،

وزیر اعظم کا قتل متوکل ترکوں سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھا، خاص طور پر وزیر اعظم ابن زیات کا سخت دشمن تھا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ اس نے ولی عہدی کے معاملہ میں متوکل کی بہت زیادہ مخالفت کی تھی، متوکل نے خلیفہ ہوتے ہی اس کو گرفتار کرا کر مروا ڈالا، ابن زیات کے علاوہ دوسرے ترک سرداروں کو بھی شدید سزائیں دیں، اور قتل کیا،

اہل بیت سے عناد متوکل اہل بیت کا بہت بڑا دشمن تھا، اور یہ دشمنی اس حد تک پہنچ گئی تھی، کہ اس نے کربلا کے تمام مقدس مقابر کو گروا کر ان پر ہل چلوا دیا تھا، اسی طرح یعقوب بن سکیت کو صرف اتنی سی بات پہ ہلاک کروا دیا، کہ وہ متوکل کے بچوں کو حضرات حسنین سے افضل نہیں کہتے تھے

گیارہویں امام حضرت حسن عسکری کی کسی نے شکایت کر دی، کہ وہ تمہارے خلاف سازش کر رہے ہیں چنانچہ ان کو دربار میں بلوایا، جب وہ سامنے آئے، تو ان کا رعب چھا گیا، شراب سامنے سے ہٹوا دی، اور امام سے چند نصائح سنکر، انعام واکرام دے کر رخصت کر دیا

اہل بیت کی دشمنی نے متوکل کو خلق میں اس درجہ رسوا کر دیا تھا کہ لوگ دیواروں پر اس کے خلاف گالیاں لکھا کرتے تھے، کربلا کے انہدام کا واقعہ ۲۳۶ھ میں پیش آیا تھا،

نزول آفات متوکل کے زمانہ میں ارضی وسماوی آفات اس کثرت سے نازل ہوئیں، کہ اس سے قبل کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ہے چنانچہ ۲۴۲ھ میں عراق اور اس کے

مضافات میں ایسی گرم ہوا چلی، کہ تمام سبزہ جل گیا، اور بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے، ۲۳۳ھ میں پورا اسقلان جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا، ۲۳۵ھ میں حلاط میں ایک خوفناک آواز سنی گئی جس سے ہزاروں آدمیوں کو موت کی نیند سلا دیا، اسی سال عراق میں بڑے بڑے اولے گرے، ۲۴۲ھ میں دمشق سے انطاکیہ تک عظیم زلزلہ آیا، شام، فارس، خراسان، اور یمن کا علاقہ برباد ہو گیا، ۲۴۲ھ میں پھر زلزلہ آیا، اور طوس، رے، نیشاپور، طبرستان اور اصفہان میں زمین پھٹ گئی، لاکھوں آدمی مر گئے،

متوکل کا قتل

متوکل کا عہد فتوحات سے خالی اور آفات سے بھرا ہوا نظر آتا ہے، البتہ باغیوں کی سرکوبی اچھی طرح کی، متوکل نے اپنے بڑے بیٹے منتصر کو ولی عہد بنایا تھا، اور اس کے بعد اپنے دونوں بیٹوں معتز اور مؤید کو بھی نامزد کر دیا تھا،

معتز کی ماں کا اصرار تھا، کہ میرے بیٹے معتز کو ولیعہد اول بنایا جائے، متوکل کو چونکہ معتز کی ماں سے زیادہ محبت تھی، اس لئے اس نے اس کی درخواست قبول کر لی، اور منتصر کو ہٹا کر معتز کو ولی عہد بنا دیا، منتصر کو یہ بات بہت ناگوار گذری، اور وہ باپ کا دشمن ہو گیا، اور در پردہ ترکوں سے ساز باز کرنے لگا، آخر ایک دن موقعہ پا کر ترکوں کو لئے ہوئے محل میں گھس گیا، متوکل اور اس کے وزیر اعظم دونوں کو قتل کر دیا، متوکل کی عمر ۴۰ سال کی تھی، اس نے تقریباً ۱۵ سال حکومت کی، یہ ۲۴۷ھ کا واقعہ ہے،

متوکل اور اس کا عہد حکومت

متوکل اگرچہ انتہائی رنگین مزاج اور عیش و عشرت کا دلدادہ واقع ہوا تھا، مگر اس کے ساتھ مذہبی خدمات بھی بڑی دلچسپی سے کیا کرتا تھا، احیائے سنت کی تحریک ہمیشہ اس کی یادگار رہے گی، ترکوں کا سخت مخالف تھا، اور پھر انہیں کی سازش سے قتل ہوا، شعراء کے ساتھ بہت سلوک کرتا تھا، رعایا سے محبت تھی، اور ملک کو خوشحال بنانے میں ہمیشہ کوشاں رہتا تھا، مسعودی کا بیان ہے، کہ متوکل کبھی کسی کو محروم نہیں رکھتا تھا، شعراء کو اتنا مال دیا، کہ کوئی دوسرا خلیفہ نہیں دے سکا،

متوفی علماء

امام احمد بن حنبل آپ نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی، ائمہ اربعہ کے آخری امام تھے، زبردست عالم، محدث، اور فقیہ تھے، ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، امام شافعی کے شاگرد تھے، تقریباً ۸ لاکھ آدمیوں نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی،

حضرت ذی النون مصری، آپ نے ۲۴۵ھ میں انتقال کیا، زبردست ولی اور خدا شناس بزرگ تھے مشہور بزرگ حضرت خضرویہ بھی متوکل کے زمانہ میں فوت ہوئے،

منتصر باللہ ابن متوکل علی اللہ (۱۱)

منتصر باللہ ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں اپنے باپ کو قتل کرنے کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا، ۲۵ برس کی عمر تھی، عباسی حکومت کا سلسلہ اگرچہ اس خلیفہ کے بعد بھی سو سال سے زیادہ عرصہ تک چلتا رہا، مگر حقیقت یہ ہے، کہ عباسی حکومت کی بنیادیں ہل چکی تھیں، پہلے ترکوں کا اقتدار بڑھا، ان کے بعد بنی بویہ اس طرح چھا گئے، کہ خلیفہ عضو معطل ہو کر رہ گیا تمام اختیارات بنی بویہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لئے، اور یہاں تک کیا، کہ خلفاء کا وظیفہ مقرر کر دیا،

منتصر کی موت اور دیگر حالات

منتصر نے خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے دونوں بھائیوں کو ولی عہدی سے ہٹا دیا تھا، یہ کام منتصر نے ترکوں کے بہکانے سے کیا تھا، مگر وہ اپنے فعل کو اچھا نہیں سمجھتا تھا چنانچہ تنہائی میں اپنے دونوں بھائیوں کے سامنے اس نے معذرت کی، اور مجبوری ظاہر کی

منتصر کو اپنے باپ کے قتل کرنے کا بے حد افسوس تھا، اور اسی وجہ سے وہ ترکوں کو برا سمجھنے لگا تھا، ترک بھی اس کو شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے، بلکہ جان کے دشمن ہو گئے، اور شاہی طبیب سے سازش کر کے ہلاک کرا دیا، منتصر صرف ۶ ماہ حکومت کر سکا، اور یہ بھی چین سے نہیں نکلے، اور ۲۶ سال کی عمر میں ۵ ربیع الاول ۲۴۸ھ میں انتقال کر گیا،

مرتے وقت اس نے اپنی ماں سے کہا: "افسوس نہ مجھے دین ملا، اور نہ دنیا ملی، میں اپنے باپ کی موت کا باعث ہوا، اور لوگ میری موت کے باعث ہوئے،

اس خلیفہ کو اہل بیت سے بہت محبت تھی، چنانچہ اس نے کربلا کی زیارت کے سلسلہ میں جو پابندی اس کے باپ نے لگائی تھی، اسے اٹھا دیا،

ثعالبی، اس کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ یہ کیسی عجیب بات ہے، کہ خاندان کسریٰ کا بادشاہ شیرویہ جو اپنے باپ کو قتل کر کے تخت پر بیٹھا تھا، وہ بھی چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہا، اور منتصر بھی اپنے باپ کے قتل کے بعد چھ ماہ سے زیادہ حکومت کا لطف نہ اٹھا سکا"

المستعین باللہ (۱۲)

منتصر کو زہر سے ہلاک کرنے کے بعد ترکوں نے معتصم کے پوتے مستعین بن محمد کو ۲۴۸ھ میں ۲۸ سال کی عمر میں تخت خلافت پر بٹھا دیا، یہ ایک صقلی لونڈی کے بطن سے پیدا ہوا تھا، مستعین جب شاہی لباس پہن کر ترکوں کے جلوس میں دربار میں آیا، تو اس کے خلاف مظاہرے کیے گئے، اور اس کی مخالفت میں نعرے لگائے گئے، اس کی وجہ یہ تھی، کہ لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے، اور اس کی بجائے منتصر کے بھائی معتز کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، چنانچہ اس کی تخت نشینی پر اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا، اور یہ ہنگامہ اتنا بڑھا، کہ مخالفوں نے اسلحہ خانہ تک کو لوٹ لیا، آخر بڑی مشکل سے ترک سردار بغا نے اس ہنگامہ کو دبایا، مستعین کے خلیفہ ہوتے ہی ترک دو پارٹیوں میں بٹ گئے "بغا" اور وصیف خلیفہ کے مقرب تھے، اور دوسری پارٹی کا سردار باغر تھا، باغر کی کوشش تھی، کہ وہ مقرب دربار بن جاؤں، چنانچہ دونوں پارٹیوں میں خوب جنگ ہوئی، باغر مارا گیا، اس پارٹی نے شاہی محل کو گھیر لیا، بادشاہ قتل کے خوف سے بغا اور وصیف کو لے کر سامرا سے بغداد بھاگ گیا، اور اس کے بہت سے ساتھی بھی بغداد چلے گئے،

مستعین کے بجائے نیا خلیفہ

باغی ترکوں نے جب دیکھا، کہ بادشاہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، تو انہوں نے پہلے تو بادشاہ کو خوشامد سے سامرا واپس لانے کی بیحد کوشش کی، لیکن جب بادشاہ کسی طرح بھی واپس نہ آیا، تو انہوں نے ۲۵۱ھ میں معتز اور مؤید کو قید خانہ سے نکال کر معتز کو خلیفہ بنا دیا اور اس کے چھوٹے بھائی مؤید کو اس کا ولیعہد نامزد کر دیا، اب ایک کے بجائے دو خلیفہ ہو گئے، ایک بغداد میں تھا، اور دوسرا سامرا میں،

معتز کے سامرا میں تخت نشین ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا، کہ معتز اور مستعین میں خوفناک جنگ چھڑ گئی، ان لڑائیوں کا سلسلہ عرصہ طویل جاری رہا، اور ان کی وجہ سے ایک طرف تو بغداد میں بری طرح سے بدامنی اور تباہی پھیل گئی، دوسری جانب مملکت اسلامیہ میں بھی جا بجا شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں، آخر مستعین کو شکست ہو گئی، اور وہ ۲۵۲ھ میں تخت سے دستبردار ہو گیا، مستعین کو پہلے تو ابن طولون والئی مصر کے پاس واسط بھیج دیا گیا، پھر اسے سامرا لا کر قید خانہ میں ڈال دیا گیا، اور اس کے بعد قتل کر دیا گیا، قتل کے وقت اس کی عمر ۳۱ سال تھی، اس نے تقریباً تین سال حکومت کی، مستعین کا علمی اعتبار سے نہایت بلند پایہ تھا، وہ ایک اچھا ادیب تھا، لیکن جہانبانی کی صلاحیت اس میں بالکل موجود نہ تھی، اس کا پورا عہد فتنہ اور فساد میں گذرا ہے، اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں طبرستان میں دولت علویہ کی بنیاد رکھی گئیں، اور اسی کے زمانہ میں فارس اور ممالک محروسہ کے اکثر حصوں میں بغاوت پھیل گئی تھی،

متوفی علماء

مستعین کے دور حکومت میں جن مقتدر حضرات نے وفات پائی وہ یہ ہیں، حضرت اسمٰعیل بخاری مؤلف صحیح بخاری، عبداللہ بن حمید، حارث ابن مسکین، ابو طاہر بن السرح

المعتز باللہ بن متوکل علی اللہ (۱۳)

۲۵۲ھ میں تخت نشین ہوا، عمر ۱۹ سال کی تھی، بہت فصیح بولنے والا اور خوبصورت جوان تھا، ترک سردار بغا اور وصیف محمد مستعین کے مددگار تھے، اب المعتز کے حامی بن گئے تھے، مگر المعتز ان کی پچھلی دشمنی کو اچھی طرح جانتا تھا، لہٰذا اس نے بڑی ہوشیاری سے فوج کے ہاتھوں ان دونوں کو قتل کرا دیا،

المعتز کی معزولی وصیف اور بغا کے قتل سے ترک سردار بھڑک اٹھے، خاص طور پر وصیف کا بیٹا صالح اس قدر مشتعل ہو گیا، کہ اس نے انتقام کی قسم کھائی، آخر ۲۵۵ھ میں، جب کہ کئی مہینہ سے فوج کو تنخواہ نہیں ملی تھی، اس نے فوج کو بھڑکا کر حملہ کرا دیا، وزیر سلطنت احمد بن اسرائیل اور افسران خزانہ کو پکڑ کر قید کر دیا، اور صالح نے بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا، کہ ہم کو فوراً کم سے کم پچاس ہزار دینار دیئے جائیں، ورنہ اچھا نہ ہوگا، وہاں تو خزانہ خالی تھا، معتز ان کا مطالبہ پورا نہ کر سکا، فوج نے فوراً قصر سلطانی پر حملہ کر دیا، اور بادشاہ سے مطالبہ کیا، کہ وہ محل سے نکل کر باہر آئے،

بادشاہ جب باہر نہ آیا، تو صالح فوج کو لے کر محل کے اندر گھس گیا، اور معتز کو گرفتار کر کے باہر نکال لایا، اور اسے اتنا مارا، کہ اس کے کپڑے تک تار تار ہو گئے، اس زمانہ میں سخت گرمی پڑ رہی تھی، صالح نے بادشاہ کو مزید سزا دینے کے لئے ننگے پاؤں تپتی ہوئی زمین پر کھڑا کر دیا، ایک طرف زمین کی تپش سے اس کے پاؤں جھلسے جا رہے تھے، دوسری طرف وحشی ترک اس کے بے تحاشا طمانچے مار رہے تھے، یہاں تک کہ اسے مار مار کر تخت سے دست برداری کی تحریر لے لی، اور اسے مزید زدوکوب کرنے کے لئے چند ظالم ترکوں کے حوالہ کر دیا جو اس کو برابر مارتے پیٹتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے اس کا دانہ پانی بھی بند کر دیا،

اس موقعہ پر یہ بتا دینا ضروری ہے، کہ معتز کی کنجوس ماں قبیحہ اس قدر دولت مند تھی، کہ وہ آسانی سے پچاس ہزار دینار تو کیا پچاس لاکھ دینار بھی دے سکتی تھی، لیکن وہ اس بلا کی بخیل تھی، کہ جب معتز نے اس نازک وقت میں ماں سے روپیہ طلب کیا، تو اس نے صاف انکار کر دیا، اور اسے بیٹے کی اس مصیبت پر ذرا بھی ترس نہ آیا، بلکہ وہ اپنے خزانہ کو لے کر روپوش ہو گئی، لیکن بعد میں، اسے اپنا سارا خزانہ مجبور ہو کر صالح بن وصیف کو دینا پڑا،

المعتز کو معزول کرنے کے بعد ترک مہتدی کو جو بغداد میں نظر بند تھا لے آئے، اور ۲۵۵ھ میں اسے تخت پر بٹھا دیا، معتز نے ۳ سال ۷ مہینے حکومت کی، لیکن اسے ایک دن کے لئے بھی چین میسر نہ آ سکا،

معتز کے زمانہ کے متفرق حالات

معتز ہی کے دور حکومت میں "دولت صفاریہ" کی بنیاد سجستان میں رکھی گئی، اس حکومت کا بانی یعقوب بن لیث تھا، اور اس کا بھائی عمرو تھا، یہ دونوں ابتداء میں ٹھیٹرے کا پیشہ کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ انہیں اقتدار اور عروج حاصل ہو گیا، اور انہوں نے مختصر سی مدت میں کرمان اور فارس پر بھی قبضہ کر لیا،

اسی زمانہ میں مصر میں "دولت طولونیہ" کا قیام عمل میں آیا، اس کا بانی ابن طولون تھا، یہ وہی طولون ہے جس کو مستعین کی گرفتاری کے بعد اس کی نگرانی پر ترکوں نے متعین کیا تھا، جب اس سے مستعین کے قتل کے لئے کہا گیا تھا، تو اس نے جواب دیا تھا، کہ جس خلیفہ کی اطاعت کا طوق میری گردن میں ایک مرتبہ پڑ چکا ہے، میں اسے ہرگز قتل نہیں کر سکتا،

متوفی حضرات

اہل بیت کے دسویں امام حضرت امام علی نقی علیہ السلام، اور دوسرے مشہور بزرگ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں ہوا تھا،

المہتدی باللہ بن واثق باللہ (۱۴)

۲۵۵ھ ۸۶۹ء میں تخت خلافت پر بیٹھا، عمر ۴۰ سال کی تھی، نہایت عابد و زاہد اور حوصلہ مند بادشاہ تھا کثرت سے روزے رکھتا، اور راتوں کو جاگ کر گزارتا، کافی موشمند تھا، مگر ترکوں کے سامنے اس کی بھی نہیں چل سکی، عباسی خلفاء کی عیش پرستیوں اور رنگینیوں کے افسانے آج بھی زبان زد عوام ہیں، لیکن مہتدی نے تخت خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی عباسی دربار اور عباسی حرم سرا کو یکسر بدل کر رکھ دیا، نہ درباری گویے اور شعراء باقی رہے اور نہ حرم کی رنگینیاں ہی برقرار رہیں، شاہی دربار اچھا خاصہ مکتب اخلاق بن گیا اور حرم سرا نے فقیرانہ اور زاہدانہ رنگ اختیار کر لیا، محل سے قیمتی ساز و سامان، سونے اور چاندی کے تمام ظروف اٹھوا دیئے گئے، اور ان کی جگہ خلفائے راشدین کے زمانہ کی سادگی نے لے لی، مینڈھوں اور مرغوں کے غول جو خلفائے عباسیہ کا دل کش مشغلہ تھا ان سب کو ذبح کر دیا گیا، اور شاہی باورچی خانہ بھی عام شہریوں کا باورچی خانہ بن گیا، لباس میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لباس کئی کئی دن پہنے رہتا تھا،

المہتدی کی اصلاحات

مہتدی کی دلی تمنا تھی، کہ میری رعایا میں پاک بازی کے تمام جوہر پیدا ہو جائیں، اکثر وہ نماز کے بعد خطبہ دیتا، تقاریر کرتا، اور رعایا کو نیکی کی طرف راغب کرتا، کچھ نئے قوانین نافذ کئے، مثلاً حسن فروشی، شراب نوشی، اور دوسری تمام مخرب اخلاق حرکتوں کو بالکل ممنوع قرار دے دیا تھا،

رعایا خلفاء کی طرح انتہائی عیش پرست ہو چکی تھی، اسے مہتدی کی باتیں بہت ناگوار ہوتی تھیں، جہالت، بربریت اور قتل و غارت کا ہر طرف دور دورہ تھا، اور بدکاریوں میں ان کی پوری زندگی غرق ہو رہی تھی، مہتدی کی اصلاحات کی اگرچہ ظاہری طور پر کسی نے مخالفت نہیں کی، مگر دل سے سب ہی ناپسند کرتے تھے۔

مذہبی اصلاحات کے ساتھ مہتدی نے ملکی، اور سیاسی اصلاحات کی طرف بھی توجہ کی، راشی اور ظالم حکام کو سخت سزائیں دیں، عدل و انصاف کو پھیلانے اور برقرار رکھنے کے لئے ایک عدالت عالیہ قائم کی، خود لوگوں کی فریاد سنتا، اور انصاف کرتا، مگر افسوس ہے، کہ بگڑی ہوئی رعایا کی طرف سے اسے کوئی داد نہیں ملی،

المہتدی بڑی نیک نیتی سے مذہبی اور ملکی خدمات میں مصروف تھا، مگر ترک لوٹ مار اور سیاسی جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے، خاص طور پر وصیف کا بیٹا صالح بڑی سرگرمی دکھا رہا تھا، اس نے اپنے ہاتھ پیر مضبوط کرنے سے پہلے معتز ماں سے ۲۵ ہزار اشرفیاں وصول کیں، اس کے بعد رعایا کو بھی خوب لوٹا،

صالح بن وصیف کا حریف ترک سردار موسیٰ بن بغا معتز کی حکومت کا تختہ الٹنے کے وقت رے میں تھا، جیسے ہی اسے اطلاع ملی، کہ صالح نے معتز کی مخالفت میں ہنگامہ بپا کر رکھا ہے، تو وہ رے سے دوڑا ہوا سامرہ آیا، وہ جب سامرا پہنچا، تو مہتدی تخت خلافت پر بیٹھ چکا تھا، معتز کی ماں صالح کے ہاتھوں لٹ چکی تھی، اور ایک ایسا انقلاب ہو چکا تھا، جس کے بعد موسیٰ بن بغا کا خود اپنا اقتدار خطرہ میں پڑ گیا تھا، وہ پہلے سامرا پہنچا، پھر جب معلوم ہوا، کہ مہتدی جوسق میں ہے، تو وہ مع فوج کے جوسق جا پہنچا، اور یہاں پہنچ کر لوٹ اور غارت گری شروع کر دی، آخر مہتدی کے محل سے وہ تخت اٹھا لایا، اور اس نے مہتدی سے یہ وعدہ لے کر کہ وہ صالح بن وصیف کی طرف داری نہیں کرے گا، اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی،

موسیٰ بن بغا نے بظاہر تو مہتدی کی بیعت کر لی تھی، لیکن درپردہ وہ اسے معزول کرنے کی فکر میں تھا، لیکن اسے سب سے بڑی فکر اپنے حریف صالح بن وصیف کی تھی، جو اچانک غائب ہو گیا تھا، وہ بادشاہ کا قصہ پاک کرنے سے قبل صالح کو ختم کر دینا چاہتا تھا، اسی زمانہ میں جب وہ صالح کی تلاش میں تھا، تو اسے بتایا گیا، کہ بادشاہ کو صالح کا علم ہے اور ان میں آپس میں خط و کتابت بھی ہے، اس پر موسیٰ بن بغا لشکر لے کر بادشاہ پر چڑھ آیا، اور زور دیا، کہ بادشاہ صالح کا پتہ بتلائے،

مہتدی بڑے دل گردہ کا آدمی تھا، وہ بھلا موسیٰ سے کب دبنے والا تھا، مسلح ہو کر مقابلہ کے لئے محل سے نکل آیا اور اس نے موسیٰ سے کہا، کہ مجھے تمہارا منصوبہ پوری طرح معلوم ہے، مجھے مستعین یا معتز نہ سمجھنا، واللہ میں جان کی بازی لگانے کے لئے وصیتیں کر کے نکلا ہوں، یاد رکھو جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے، میں دبنے والا نہیں ہوں، اس کے بعد مہتدی نے ایسی مؤثر تقریر کی، کہ سب ٹھنڈے پڑ گئے، اور واپس چلے گئے، اور معاملہ رفع دفع ہو گیا، قصہ مختصر یہ کہ موسیٰ نے کسی نہ کسی طرح اپنے حریف صالح کو ڈھونڈ نکالا، اور اس کا کام تمام کرنے کے بعد مع بائکیال کے موصل کی جانب مساور خارجی کے مقابلہ کے لئے چلا گیا،

ترکوں کا زور توڑنے کی کوشش

موسیٰ ابن بغا کی ان دست درازیوں کو دیکھنے کے بعد مہتدی نے فیصلہ کر لیا، کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، وہ موسیٰ ابن بغا، اس کے ساتھیوں اور دوسرے ترکوں کی طاقت توڑ کر رہے گا، چنانچہ موسیٰ کے موصل چلے جانے کے بعد اسے موقعہ مل گیا، اور اس نے موسیٰ کے ایک بھائی محمد ابن بغا کو تو قتل کرا دیا، اور دوسرے بھائی بیسون بن بغا اور ترک سردار امیر مفلح کو قید کر دیا، اور بائکیال کو جو موسیٰ بن بغا کے ساتھ موصل کی سرحد پر تھا، لکھا، کہ فوراً موسیٰ کو قتل کر دو، اور فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لو،

مہتدی بائکیال کو اپنا آدمی سمجھتا تھا، مگر اسے مغالطہ تھا، چنانچہ بائکیال نے مہتدی کا خط موسیٰ کے سامنے رکھ دیا،

وہ آگ بگولا ہو گیا، اور اسی وقت طے پایا، کہ باکیال جس پر خلیفہ کو بہت اعتماد ہے، دارالسلطنت جائے، اور خاموشی کے ساتھ بادشاہ کا خاتمہ کر دے، لیکن بادشاہ کو ان منصوبوں کا پہلے ہی سے علم ہو گیا تھا چنانچہ اس نے باکیال کے دارالسلطنت میں قدم رکھتے ہی پہلے تو اسے گرفتار کر کے قید کرا دیا، پھر قتل کر دیا،

مہتدی کا قتل اور متفرق حالات

موسیٰ بن بغا کو اسی دوران میں اپنے بھائی محمد ابن بغا کے قتل اور دوسرے بھائی کے قید کئے جانے کی بھی اطلاع مل گئی تھی جس کی وجہ سے وہ اور بھی مشتعل ہو گیا، اس کے بعد جب اسے یہ خبر ملی، کہ باکیال بھی قتل کر دیا گیا ہے، تو وہ اپنا سارا لشکر لے کر بادشاہ پر پلٹ پڑا، بادشاہ بھی مقابلہ پر آ گیا، مگر بادشاہ کے ساتھ جمعیت بہت تھوڑی تھی، کیونکہ دوسرے ترکوں نے بھی بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، باوجودیکہ بادشاہ کے ساتھ مٹھی بھر سپاہی تھے، مگر پھر بھی وہ بڑی جرات کے ساتھ لڑا، لیکن مٹھی بھر سپاہی کہاں تک پورے لشکر کا مقابلہ کرتے، مہتدی کو شکست ہو گئی، اور اسے گرفتار کر کے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا، یہ ۲۵۶ھ کا واقعہ ہے،

مہتدی کے مرنے کے بعد جب اس کا ایک بکس ترکوں کے ہاتھ آیا، تو انہوں نے سمجھا، کہ اس میں ہیرے جواہرات ہوں گے، لیکن کھول کر دیکھا، تو ایک پرانا جبہ اور معمولی سی ہنڈی نکلی، یہ وہ جبہ اور ہنڈی تھی، جس کو پہن کر وہ رات بھر عبادت کیا کرتا تھا،

المعتمد علی اللہ ابن متوکل علی اللہ (۱۵)

معتمد کو ۲۵۶ھ میں ترکوں نے تخت خلافت پر بٹھایا، عرصہ سے قید میں پڑا ہوا تھا، عمر ۲۷ سال تھی، اس خلیفہ میں حکومت کی اہلیت کچھ زیادہ نہیں تھی، اس کے بھائی موفق نے حکومت کے بہت سے کاموں کو خود سنبھال لیا تھا، اور عراق، حجاز، بغداد، یمن، فارس، اصفہان، خراسان، سندھ اور دوسرے مشرقی ممالک کے پورے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے،

معتمد کو اپنے بھائی کی یہ بات پسند نہیں تھی، اور بہت رنجیدہ تھا، معتمد میں یہ جرأت نہیں تھی، کہ موفق کے خلاف صف آرا ہو جائے، لہٰذا اندرخانہ احمد طولون سے جو مصر کا گورنر اور موفق کا مخالف تھا، سازباز شروع کر دی، اور بھائی کے خلاف سازش کو کامیاب بنانے کے لئے شکار کا بہانہ کر کے مصر روانہ ہو گیا، موفق کو جب معلوم ہوا، تو اس نے ایک شخص اسحٰق بن کنداج کو مقرر کیا، کہ جس طرح ہو معتمد کو واپس سامرا لے آؤ، کنداج بڑا ہوشیار آدمی تھا، اس نے نہایت چالاکی سے معتمد کو راستہ میں روک لیا، اور سامرا واپس لے آیا، موفق نے معتمد کی پوری نگرانی شروع کر دی، مگر قسمت نے ساتھ نہیں دیا، اور موفق کوشش ناکام لئے ہوئے ۲۷۸ھ میں انتقال کر گیا، موفق نے اگرچہ بظاہر بھائی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، مگر اس کے اس طرز عمل سے حکومت کمزور ہونے سے بچی رہی اور ترکوں کا زور بھی دبا رہا، لیکن اس کے مرنے کے بعد حکومت عباسیہ کی حالت بد سے بدتر ہو گئی

قرامطہ کی شورش

موفق کے مرتے ہی کوفہ سے قرامطہ کے نام سے ایک نئی مذہبی تحریک اٹھی، اس تحریک کے بانیوں نے اسلام کو بری طرح مسخ کرنے کی کوشش کی، اس تحریک کا پہلا داعی حمدان قرمط تھا، اس تحریک کے حامی حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو رسول مانتے تھے، شراب حلال تھی، قبلہ بیت المقدس تھا، قرآن کے مقابلہ میں "استفتاح" کے نام سے ایک کتاب کی تلاوت کیا کرتے تھے، یہ تحریک بہت دنوں تک مسلمانوں میں وجہ فساد بنی رہی،

معتمد کا انتقال و دیگر حالات

معتمد کا زمانہ حکومت کچھ کم نہیں تھا، ۲۲ سال حکومت کی مگر عیش پرستی اور دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہنے کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکا، ۵۰ برس کی عمر میں ۱۹ رجب ۲۷۹ھ میں وفات پا گیا، ۲۶۰ھ میں عراق میں شدید قحط پڑا، ۲۶۶ھ میں رومیوں نے دیار بکر پر قبضہ کر لیا ۲۶۱ھ میں احمد بن عبداللہ نے خراسان اور ترکستان پر قبضہ کر لیا، دولت سامانیہ کی بنیاد اسی بادشاہ کے دور میں پڑی

اس کے زمانہ میں حضرت امام مسلم، حضرت ابو داؤد، حضرت ترمذی جیسے مشہور محدثین نے وفات پائی اور اس کے علاوہ حضرت امام حسن عسکری جو حضرت امام علی نقی کے صاحبزادے تھے، اور حضرت ابراہیم بن ادہم نے بھی معتمد ہی کے زمانہ میں رحلت فرمائی حضرت ابراہیم ادہم بلخ کے بادشاہ تھے، جنہوں نے حکومت کو ٹھکرا کر فقیری اختیار کر لی تھی

المعتضد باللہ بن موفق (۱۶)

المعتضد اپنے چچا معتمد کے مرنے کے بعد ۲۷۹ھ ۸۹۲ء میں تخت نشین ہوا، عمر ۴۰ سال کی تھی، حکومت کا اہل تھا، اور بہت سی صلاحیتیں اس میں موجود تھیں، ترکوں کا بہت مخالف تھا، حکومت کی حالت اگرچہ بگڑ چکی تھی، مگر اس نے حسن تدبیر سے تخت نشین ہوتے ہی عباسی حکومت کی گرتی ہوئی عمارت کو سنبھالنے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا،

معتضد کے زمانہ کی اصلاحات

معتضد نہایت ہوشمند اور بڑے رعب اور دبدبہ کا بادشاہ ہوا ہے اس کے زمانہ میں تمام فتنے دب گئے تھے، اس کی بادشاہت کا زمانہ نہایت چین اور امن سے گذرا، اس نے خراج میں کمی کر دی تھی، اور رعیت کو ظالم حکام کے ظلم و ستم سے نجات دلا دی تھی، معتضد کو چونکہ خلفائے بنی عباس کی گرتی ہوئی سلطنت کو سنبھال لیا تھا، اس لئے سفاح ثانی کے نام سے اسے یاد کیا جاتا ہے، مکہ میں حرم شریف سے متصل ایک مسجد ۲۸۱ھ میں تعمیر کرائی، ۲۸۳ھ میں اس نے ذوی الارحام کو میراث دینے کا حکم نافذ کیا،

معتضد کی وفات اور متفرق حالات

معتضد سات سال اور نو مہینے حکومت کرنے کے بعد ۲۸۹ھ میں فوت ہو گیا، اس کی موت پر تمام ممالک محروسہ میں ماتم منایا گیا، قرامطہ کی وہ تحریک جو معتمد کے زمانہ میں کوفہ سے اٹھی تھی، اس نے اس بادشاہ کے عہد حکومت میں کافی زور پکڑ لیا تھا جب انہوں نے بصرہ اور بحرین میں شورش برپا کی، تو معتضد نے پے در پے فوجیں بھیجکر ان کو بری طرح کچلا، اس معرکہ میں بے شمار قرامطی مارے گئے

عمرو بن لیث صفاریہ جو عجم کے بڑے حصہ پر قابض ہو چکا تھا، اور اپنی سطوت اور طاقت کے سامنے کسی کو نظر میں نہیں لاتا تھا، اسی بادشاہ کے زمانہ میں بڑی ذلت و خواری کے ساتھ قید ہوا، اسی خلیفہ کے زمانہ میں ۲۸۱ھ میں سلطنت روما کا مشہور شہر کورہ یا فتح ہوا،

ان علمائے کرام نے اس خلیفہ کے دور حکومت میں رحلت فرمائی، ابن المزاری المالکی، ابن ابی الدنیا قاضی اسماعیل، حارث بن ابی اسامہ وغیرہ،

المکتفی باللہ بن معتضد باللہ (۱۷)

اپنے باپ کی وفات کے بعد ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ رعایا نے جشن مسرت منایا، عمر ۲۱ سال کی تھی، ماں ترک خاندان کی تھی،

مکتفی بہت رحم دل اور رعایا پرور بادشاہ تھا، بہت سے لوگوں کو قید سے رہائی دی، بہت سے لوگوں کو جائدادیں واپس کیں، اور بہت سی سرکاری عمارتوں کو توڑ کر ان کی جگہ مسجدیں تعمیر کیں

قرامطہ کی شورش اس کے زمانہ میں بہت بڑھ گئی، مکتفی نے اسلامی لشکر کو ساتھ لے کر سخت مقابلہ کیا، بہت سے مقامات پر قرامطہ کو شکست ہوئی حمص، بعلبک اور سلمیہ کو ان کے قبضہ سے نکالا، تحریک کے پہلے اور دوسرے داعی یحیی اور ابوالعباس حسین کو قتل کر کے تقریباً ہر جگہ سے اس فتنہ کو مٹایا، مگر چنگاریاں پھر بھی دبی رہ گئیں، رعایا اس بادشاہ سے خوش تھی، اور اسے محبوب رکھتی تھی،

مکتفی کی وفات اور متفرق حالات

مکتفی عین عالم جوانی میں جب کہ اس کی عمر ۳۳ سال تھی، ۲۹۵ھ میں فوت ہو گیا، اس نے چھ سال اور چھ مہینے حکومت کی، تاریخ وفات ۱۴ ذی قعدہ ہے،

مکتفی کے دور حکومت کے چند اہم واقعات حسب ذیل ہیں:-

اس کے زمانہ میں مصر سے طولونی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، موصل میں آل حمدان کی ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑی ۲۹۲ھ میں اسلامی فوجوں نے شہر انطاکیہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا، اور رومی بیڑا جو سلطے جہازوں پر مشتمل تھا، مسلمانوں کے ہاتھ آیا، اس مہم میں مسلمانوں کو اس قدر مال غنیمت ملا، کہ ایک ایک سپاہی کے حصہ میں ایک ایک ہزار دینار آئے،

اس کے زمانہ میں ان بزرگوں کا انتقال ہوا، عبداللہ ابن احمد بن حنبل، ثعلب امام العربیہ، قاضی ابوحازم ابوالحسین نوری، شیخ الصوفیہ،

المقتدر باللہ بن معتضد باللہ (۱۸)

اپنے بھائی مکتفی کے بعد ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا، عمر ۱۳ سال کی تھی، کم عمری کی وجہ سے بہت سے لوگ مخالف ہو گئے، اور مقتدر کو معزول کر کے عبداللہ بن معتز کو خلیفہ بنا دیا چنانچہ مقتدر اور ابن معتز میں جنگ چھڑ گئی، ابن معتز کو شکست ہو گئی، اور اس کے حامیوں کو بری طرح قتل کیا گیا،

مقتدر نہایت ہوشمند اور صحیح الدماغ نوجوان تھا جوں جوں اس کی عمر جوانی کے قریب پہنچتی گئی، وہ شراب نوشی کا عادی اور عورتوں کا دلدادہ بنتا چلا گیا، اس کی عشرت پسندی نے اس کے دل و دماغ کو بالکل ماؤف کر کے رکھ دیا تھا عورتیں بری طرح سے اس پر حاوی ہو گئی تھیں، اس نے خزانہ شاہی کے تمام بیش قیمت جواہرات اپنی محبوب عورتوں میں تقسیم کر دیئے تھے یہاں تک کہ حکومت پر بھی اس کے زمانہ میں عورتیں ہی مسلط ہو گئی تھیں، اس کی ماں اور قہرمانہ ام موسیٰ کے ہاتھوں میں عنان حکومت تھی، اور ان کے سامنے وزراء اور امراء کو بھی دم مارنے کی گنجائش نہیں تھی،

مقتدر کی اس زن مریدی کی بنا پر مونس اور دوسرے امرائے سلطنت اس کے شدید مخالف بن گئے تھے، اسراف کا یہ عالم تھا، کہ خراج کی ساری آمدنی عیش پرستی، محبوب عورتوں کی دلداری اور زنانوں کی پرورش کے لئے وقف ہو گئی تھی، اس کے محل شاہی میں گیارہ ہزار زنانے یعنی خواجہ سرا موجود تھے، غرضکہ اس کی فضول خرچیوں کی بدولت شاہی خزانہ بالکل ہی خالی ہو گیا تھا، اور فوج کو کئی کئی مہینے تنخواہیں نہیں ملتی تھیں، حکومت کی مالی حالت اتنی خراب ہو گئی تھی، کہ بعض اوقات تنخواہ کی تقسیم کے لئے شاہی سامان کی فروخت تک کی نوبت پہنچ گئی

قرامطہ کا زور

مقتدر کی کم عمری اور عیش پسندی نے قرامطہ کے حوصلے پھر بلند کر دیئے، چنانچہ عراق، شام اور بصرہ میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا ایسا بازار گرم کیا، کہ لوگ ان کے نام سے خوف کھانے لگے سنہ ۳۱۷ھ میں قرامطہ کے داعی نے مکہ پر حملہ کر کے عین حج کے موقع پر مسجد الحرام میں حاجیوں کا قتل عام کیا، قتل کے بعد بے شمار لاشیں چاہ زمزم میں ڈال دیں، اور اسے بند کر دیا، خانہ کعبہ کا دروازہ اور میزاب اکھاڑنے کی کوشش کی غلاف کعبہ اتار لیا، مکہ کی پوری آبادی کو لوٹ لیا، اور شہر کو تاخت و تاراج کر ڈالا، حجر اسود کو توڑ ڈالا، اور اسے اکھاڑ کر لے گئے جو ۲۲ برس تک قرامطیوں کے قبضہ میں رہا، چنانچہ مطیع کے عہد حکومت میں واپس لینے کے بعد سے دوبارہ لگایا گیا، غرضکہ مقتدر کے دور حکومت میں قرامطہ نے ایسی تباہی مچائی، کہ ساری دنیائے اسلام قرامطہ کے نام سے لرزنے لگی

غلام کی بغاوت

مقتدر کا ترک غلام مونس جس کو مقتدر کے دربار میں بڑا اعزاز حاصل تھا، مقتدر کے سوتیلے بھائی قاہر سے مل گیا، اور مقتدر کی حکومت کے خلاف باقاعدہ بغاوت کر دی اور محل

پر قبضہ کر لیا۔ شاہی فوج کو چونکہ کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی تھی، اس لئے مونس نے شاہی فوج میں روپیہ تقسیم کر کے اسے توڑ لیا۔ اور بغداد پر حملہ کر دیا۔ امرائے سلطنت نے مقتدر کو مونس کا مقابلہ کرنے پر مجبور کیا۔ مگر وہ کسی طرح آمادہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ آخر بڑی مشکل سے وہ لشکر لے کر آگے بڑھا۔ لیکن جنگ کے خوف سے اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا،

شاہی لشکر اگرچہ بڑی بے جگری کے ساتھ لڑا۔ لیکن بادشاہ کی کم ہمتی کی وجہ سے شاہی لشکر کو شکست ہو گئی۔ مونس کے آدمیوں نے مقتدر پر حملہ کر کے سنہ ۳۲۰ھ میں اسے قتل کر دیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر لکڑی پر آویزاں کر دیا۔ بدن کے کپڑے اتار کر لاش کو عریاں چھوڑ دیا، جسے ایک راہ گیر نے گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا۔ قتل کے وقت مقتدر کی عمر ۳۸ سال تھی۔ اس نے ۲۵ سال حکومت کی، ایک ترک سردار کے مقابلہ میں خلیفہ کی شکست نے خلافت عباسیہ کی رہی سہی ساکھ کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اور یہ سمجھا جانے لگا، کہ اب خلافت میں کوئی دم باقی نہیں رہا

مقتدر کے زمانہ کے متفرق حالات

مقتدر کے دورِ حکومت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے، کہ اس کے زمانہ میں دولت فاطمیہ کا قیام عمل میں آیا۔ افریقہ اور مصر کی یہ نئی حکومت بالکل خود مختار تھی۔ اس کو مرکزی حکومت سے کوئی واسطہ نہ تھا، بلکہ یہ حکومت اپنے آپ کو خلافت بغداد کا مدِ مقابل سمجھتی تھی۔ اس کے علاوہ جرجان میں زیاری حکومت قائم ہو گئی۔ یعنی مرکزی حکومت کے کمزور ہونے کے بعد نئی نئی حکومتیں قائم ہونی شروع ہو گئی تھیں،

مقتدر کے زمانہ میں کچھ بیرونی فتوحات بھی حاصل ہوئی تھیں۔ ۳۰۶ھ میں اناطولیہ پر فوج کشی کی گئی۔ اور رومیوں کی بہت بڑی تعداد کو گرفتار کیا گیا۔ سنہ ۳۱۲ھ میں دوبارہ روم پر حملہ کر کے کئی قلعے فتح کر لئے گئے لیکن ۳۱۱ھ کے بعد رومیوں کا دباؤ بڑھ گیا۔ اور انہوں نے کئی علاقوں کو حملہ کر کے واپس لے لیا،

مقتدر کے زمانہ میں ان علماء نے انتقال کیا، محمد بن ابی داؤد، یوسف بن یعقوب، قاضی ابن شریح شیخ شافعیہ، جنید شیخ صوفیہ، نسائی صاحب سنن،

القاہر بامر اللہ بن معتضد باللہ (۱۹)

قاہر مقتدر کا سوتیلا بھائی تھا، اپنے بھائی کے قتل کے بعد شوال ۳۲۰ھ (۹۳۲ء) میں تخت نشین ہوا، قاہر بڑا سخت مزاج حکمران تھا، بغاوت کو دبانے کے لئے بڑی سختی سے کام لیا، ملک کی مالی حالت برباد ہو چکی تھی، اسے درست کرنے کے لئے مقتدر کی ماں اور دوسرے متعلقین کی تمام جائدادیں، اور مال وزر چھین کر داخل خزانہ شاہی کر دیا، خود بہت بڑا شرابی اور سرود کا دلدادہ تھا، مگر رعایا کے لئے عیش پرستی کے تمام راستے سختی سے بند کر دیئے تھے،

ترک سرداروں کا قتل

امیر مونس اور دوسرے ترک سردار جو سر اٹھا رہے تھے، قاہر نے جب ان کو گرانا شروع کیا، تو امیر مونس اور اس کے ساتھیوں میں سخت برہمی پیدا ہو گئی، اور انہوں نے درپردہ قاہر کو معزول کر کے مکتفی باللہ کے لڑکے ابو احمد کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کر لیا، اور یہ طے پایا، کہ قاہر کو ختم کر دیا جائے،

قاہر کو بھی اس کی اطلاع مل گئی، اس نے نہایت ہوشیاری سے کام لے کر تینوں بڑے سرداروں یعنی مونس، علی اور بلیق کو گرفتار کر لیا، اس کے علاوہ وزیر اعظم ابن مقلہ بھی گرفتار ہو گیا، کیونکہ وہ بھی قاہر کو معزول کرنے کی سازش میں شریک تھا، ابو احمد بن مکتفی جسے یہ لوگ خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اسے دیوار میں چنوا کر ختم کروا دیا، اور تینوں ترک سرداروں کے سر قلم کروا دیئے مونس چونکہ بڑے سرداروں میں سے تھا، اور حکومت پر چھایا ہوا تھا، اس لئے اس کے قتل کے بعد فوج میں شورش پیدا ہو گئی مگر قاہر نے اس شورش کو فوراً دبا دیا،

سرداروں کی بغاوت اور قاہر کی معزولی

سابق وزیر اعظم ابن مقلہ جو گرفتاری کے فوراً ہی بعد فرار اور روپوش ہو گیا تھا، اس نے مونس، بلیق اور علی کے قتل کے بعد دوسرے ترک سرداروں کو درپردہ بھڑکانا شروع کیا، اور ان کو یقین دلا دیا، کہ قاہر عنقریب ان کو بھی گرفتار کر کے قتل کر دیگا چنانچہ ان سب نے متحد ہو کر اور قاہر کی گرفت سے بچنے کے لئے قاہر کے خلاف بغاوت برپا کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس فیصلہ کے بعد ان کی فوجوں نے ۳۲۲ھ میں قصر شاہی پر چڑھائی کر دی، قاہر کے خلاف یہ سب کچھ ہو گیا، مگر اسے خبر تک نہ ہوئی، قاہر حسب معمول اس وقت بھی شراب کے نشہ میں مدہوش تھا، قصر شاہی کے باہر کوئی انتظام نہ تھا، لہذا باغیوں کی فوجیں قصر شاہی کے اندر گھس گئیں، قاہر نے بھاگنے کی کوشش کی، مگر محل کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا تھا، قاہر نے یہ رنگ دیکھا، تو وہ گھبرا کر ایک حمام کی چھت پر چڑھ گیا، باغیوں نے اسے گرفتار کر لیا، اور قید خانہ میں ڈال کر اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر کر اندھا کر دیا،

اس بادشاہ کے عہد حکومت کا سب سے اہم واقعہ فارس میں "بنی بویہ" کی حکومت کا قیام ہے، یہی بنی بویہ آگے چل کر خلافت عباسیہ کے متولی بنے،

محمد الراضی باللہ بن مقتدر باللہ (۲۰)

محمد الراضی بہت دنوں سے قید و بند کی تکلیفیں اٹھا رہا تھا، قاہر کے معزول ہونے کے بعد ترکوں نے اسے قید سے نکال کر ۳۲۲ھ میں تخت نشین کیا، عمر ۲۴ سال تھی، ترکوں نے راضی کو تخت نشین کرنے میں جو خدمات انجام دی تھیں اس کے صلہ میں راضی نے ایک ترک سردار ابن مقلہ کو اپنا وزیر اعظم بنالیا، راضی کے ہاتھ میں جو حکومت آئی تھی وہ ہر طرح برباد شدہ اور دیوالیہ تھی، مگر راضی چونکہ لکھا پڑھا اور ہوشیار نوجوان تھا، اس نے بہت حد تک حالات سنبھال لئے، اور دربار شاہی ایک مرتبہ پھر چمک اٹھا، علماء اور شعراء کی سرپرستی کی، اور قدیم روایات کو اپنی فیاضی سے برقرار رکھا،

ایک نیا عہدہ

ترک سرداروں کے اصرار سے راضی نے "امیر الامراء" کے نام سے ایک نیا عہدہ قائم کیا، اور ابن رائق کو اس عہدہ پر سرفراز کیا گیا، اس نئے عہدہ نے چھوٹے خلیفہ کی شکل اختیار کرلی، اور اتنی ترقی کی کہ خطبہ میں خلیفہ کے ساتھ امیر الامراء کا نام بھی لیا جانے لگا، اس نئے عہدہ کے حصول کے لئے ترک سرداروں میں جنگ کا سلسلہ چھڑ گیا اور آخر سردار بجکم ابن رائق کو شکست دے کر خود امیر الامراء بن گیا،

عباسی سلطنت کے ٹکڑے

عباسی حکومت راضی کے زمانہ میں پاش پاش ہوچکی تھی، شمالی افریقہ کا علاقہ عرصہ سے عباسیوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، اور یہاں خود مختار آزاد حکومت قائم ہوچکی تھی، مصر اور شام کے ایک حصہ میں محمد بن طغج کی نیم آزاد حکومت قائم تھی، ماوراء النہر میں سامانی حکمران حکمرانی کررہے تھے، دیار ربیعہ اور دیار مضر میں آل حمدان کی حکومت تھی، طبرستان اور جرجان میں دیلمی حکومت قائم ہوچکی تھی، فارس کے علاقہ اور خوزستان کے ایک حصہ پر عماد الدولہ قابض تھا، اور اس کے بڑے حصہ پر ابو عبداللہ بریدی مسلط تھا، عراق و عجم کے لئے رکن الدولہ اور وشمگیر میں رسہ کشی جاری تھی کرمان ابو علی محمد بن الیاس کے تصرف میں تھا، بحرین اور یمامہ پر قرامطہ مسلط تھے، بصرہ اور واسط ابن رائق کے پاس تھے، غرض کہ سلطنت عباسیہ چھوٹے چھوٹے بے شمار ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی، صرف بغداد اور نواح بغداد پر خلیفہ کا جو تھوڑا بہت اقتدار باقی رہ گیا تھا، اس پر امیر الامراء نے قبضہ جما لیا تھا،

وفات اور متفرق حالات

راضی اس برائے نام سلطنت پر ۷ برس تک حکومت کرنے کے بعد ۳۲۹ھ میں مختصر سی علالت کے بعد فوت ہوگیا، وفات کے وقت اس کی عمر ۳۱ سال تھی، راضی کے عہد حکومت میں قرامطہ کا زور اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ انہوں نے حج کرنے کی قطعی ممانعت کردی تھی، چنانچہ ۳۲۲ھ سے لے کر ۳۲۷ھ تک یعنی پانچ سال تک مسلمان حج کے لئے نہیں جاسکے، آخر پانچویں سال قرامطہ نے اس شرط پر مسلمانوں کو حج کی اجازت دی، کہ ہر حاجی فی اونٹ پانچ دینار حج کا ٹیکس ادا کرے، اسلامی تاریخ میں یہ حج کا پہلا ٹیکس ہے جو مسلمانوں سے وصول کیا گیا،

المتقی باللہ بن مقتدر باللہ (۲۱)

اس خلیفہ کا نام ابراہیم تھا، اپنے بھائی راضی کے بعد المتقی باللہ کے لقب سے ۳۲۹ھ میں تخت نشین ہوا، عمر ۳۴ سال کی تھی، بجکم کی امیر الامرائی اور سلیمان بن وہب کی وزارت عظمیٰ بدستور قائم رہی، ہم پہلے بتا چکے ہیں، کہ عباسی حکومت کی بنیادیں ہل چکی تھیں، خلیفہ برائے نام تھا، اصلی حاکم وزیر و امیر تھے، جو دوسرے کو مغلوب کر لیتا تھا، وہی امیر الامرا بن جاتا تھا، چنانچہ بجکم جب ایک جنگ میں مارا گیا، تو ابن بریدی نے اس عہدہ کے حصول کے لئے بغداد پر چڑھائی کر دی، اور غلبہ ہونے پر بادشاہ نے اسے امیر الامرا تسلیم کر لیا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک ترک سردار توزون نے بریدی پر حملہ کر کے شکست دے دی، اور اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا، بادشاہ نے اسے بھی امیر الامرا تسلیم کر لیا، اسی طرح ابن رائق اور ناصر الدولہ بھی امیر الامرا بنے، اور پھر ترک سردار توزون نے امیر الامرا کا عہدہ حاصل کر لیا،

متقی کی معزولی

توزون اور متقی میں شروع ہی سے شکر رنجی چلی آ رہی تھی، کسی کو کسی پر اعتماد نہیں تھا، آخر بادشاہ اتنا مرعوب ہوا، کہ اپنے اہل و عیال کو لے کر موصل چلا گیا، توزون بادشاہ کے خلاف جو اسکیم بنا رہا تھا وہ پوری نہیں ہو سکی، توزون نے اب بھی اپنی سازش کا سلسلہ ختم نہیں کیا، اور برابر تاک میں لگا ہوا تھا، آخر اس نے بڑی خوشامد کے بعد متقی کو بغداد واپس آنے پر آمادہ کر لیا، وعدے وعید کے بعد بادشاہ بغداد کی طرف چل دیا، دوسرے امرا نے ہر چند روکا مگر اس پر توزون کا جادو چل چکا تھا، جب توزون کو معلوم ہوا، کہ بادشاہ آ رہا ہے، تو بادشاہ کے استقبال کے لئے نکلا، انبار کے قریب دونوں کی ملاقات ہوئی، توزون نے جیسے ہی بادشاہ کو دیکھا، گھوڑے سے کود کر زمین کو بوسہ دیا، اور رکاب پکڑ کر بادشاہ کے ساتھ ساتھ ہو لیا، بادشاہ نے اسے سوار ہونے کے لئے ہر چند کہا، مگر وہ سوار نہ ہوا، اور ان خیموں تک بادشاہ کے ہمرکاب پیدل ہی آیا جو بادشاہ کے لئے نصب کئے گئے تھے، مگر بادشاہ کے خیمہ میں قدم رکھتے ہی توزون نے محرم ۳۳۲ھ میں بادشاہ کو گرفتار کر لیا، اور اس کی آنکھوں میں گرم سلائی پھروا کر اندھا کر دیا، اور بغداد بھیج کر قید خانہ میں ڈلوا دیا، اس کی مدت خلافت ۳ سال ۵ ماہ ہے،

متفرق حالات

المتقی فطرتاً نہایت نیک اور پاکباز تھا، زیادہ وقت عبادت میں گزارتا، لہو و لعب سے اسے سخت نفرت تھی، اس نے کنیزوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، اکثر روزے رکھتا، شراب تو در کنار اس نے نبیذ بھی نہیں پی، وہ کہا کرتا تھا، کہ مجھ کو قرآن مجید کے علاوہ کسی مصاحب کی ضرورت نہیں ہے، سنہ ۳۳۰ھ میں رومیوں نے اسلامی علاقوں پر حملے کر کے مسلمانوں کو بری طرح سے قتل کیا، یہ شام کی سرحد میں گھس آئے، اور پانچ ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے، ۳۳۲ھ میں روسیوں نے بحر اسود کی راہ سے آذربائیجان پر حملہ کر دیا، اور بڑھتے بڑھتے بردعہ تک پہنچ گئے، مسلمانوں نے مقابلہ کیا، مگر شکست ہو گئی ہزاروں مسلمان ان کے ہاتھ سے مارے گئے، متقی ۲۵ سال قید میں رہ کر انتقال کر گیا، قاہر بھی اندھا کیا گیا تھا، جو ابھی تک قید ہی میں تھا۔

المستکفی باللہ بن متقی باللہ (۲۲)

متقی کو اندھا کر کے قید میں ڈالنے کے بعد مستکفی کو ۳۳۳ھ (۹۴۴ء) میں تخت نشین کیا گیا، عمر ۴۱ سال کی تھی، توزون نے اپنے عہدہ کی برقراری کے لئے تمام اپنے مخالف سرداروں کو قتل کرنا شروع کیا، چنانچہ معزالدولہ کو شکست دی، اور بریدی کے بھائی ابوالحسن کو بادشاہ کے سامنے قتل کر دیا،

۳۳۴ھ میں جب امیرالامراء توزون مرگیا، تو اس کا نائب شیرزاد امیرالامراء بن گیا، لیکن چند ہی روز بعد جب فوج نے شیرزاد کے خلاف بغاوت برپا کردی، اور بغداد میں بے چینی پھیل گئی، تو معزالدولہ دیلمی والئی فارس ایک بڑے لشکر کے ساتھ بغداد میں داخل ہو گیا، مستکفی نے امیرالامرائی کا عہدہ اسے پیش کر دیا، معزالدولہ دیلمی خاندان بنی بویہ سے تھا جو شیعہ تھے اسی طرح عباسیوں کی حکومت اب شیعوں کے ہاتھ میں آگئی، معزالدولہ نے برسر اقتدار آنے کے بعد مستکفی کے تمام اختیارات اور حقوق سلب کر لئے، اور اس کے گذارہ کے لئے پانچ ہزار دینار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کردی

بادشاہ کی معزولی عباسی حکومت میں جب سے امیرالامرائی کی لعنت شروع ہوئی تھی، حکومت کلیۃً امیرالامراء کے ہاتھ میں آگئی تھی، ان کی کیفیت یہ تھی، کہ ذرا سے شبہ پر جس بادشاہ کو چاہتے تھے، معزول کر دیتے تھے، چنانچہ امیرالامراء معزالدولہ کو یہ شبہ ہو گیا، کہ بادشاہ اسے امیرالامراء کے عہدہ سے ہٹانے کے لئے دوسرے امراء سے ساز باز کر رہا ہے، اس شبہ کی بنا پر ایک روز معزالدولہ کے آدمیوں نے خلیفہ مستکفی کو تخت شاہی سے گھسیٹ کر نیچے گرا دیا، اور گھسیٹتے ہوئے معزالدولہ کے مکان تک خلیفہ کو پیدل لے گئے اور وہاں لے جا کر اسے قید کر دیا، شاہی محل کو لوٹ لیا، اور مستکفی کو اندھا کر کے قید میں ڈالدیا، اس بادشاہ نے ایک سال اور چار مہینے حکومت کی،

بنی بویہ کو مستکفی کے عہد حکومت میں امیرالامرائی کیا ملی، کہ وہ خلافت عباسیہ کے مختار مطلق بن گئے، خطبہ میں ان کا نام پڑھا جانے لگا، سکوں پر ان کا نام نقش ہونے لگا، اور دربار میں یہ خلیفہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے لگے حقیقت یہ ہے، کہ خلیفہ یہی بن گئے تھے، اصل خلیفہ کی حقیقت تو ان کے مقابلہ میں ایک وظیفہ خوار سے زیادہ نہیں تھی، بنی بویہ کے تسلط کے بعد بھی گو عباسی خلافت کئی صدیوں تک برائے نام قائم رہی، لیکن اصل میں یہ بنی بویہ کے تسلط کے بعد ہی ختم ہو گئی تھی،

المطیع اللہ بن مقتدر باللہ (۲۳)

یہ بادشاہ مقتدر کا بیٹا تھا، اصل نام فضل تھا، مستکفی کی معزولی کے بعد معز الدولہ نے المطیع اللہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خزانہ شاہی خالی ہو چکا تھا، فوجوں کو تنخواہ بھی پوری نہیں مل سکتی تھی، معز الدولہ نے بادشاہ کا وظیفہ پانچ ہزار سے گھٹا کر ۲ ہزار کر دیا، رعایا کو بھی لوٹا، جاگیریں بھی ضبط کیں، اور مخالفین کو خوب دبایا،

عزاداری اور تبرا کی ابتداء

بنی بویہ چونکہ شیعہ تھے، اس لئے عباسی حکومت پر تسلط جمانے کے بعد انہوں نے اچھی طرح سے شیعیت کی تبلیغ کی، اور شیعی مراسم جاری کئے، یہاں تک کہ کھلم کھلا تبری بازی ہونے لگی، چنانچہ سنہ ۳۵۱ھ میں جامع مسجد بغداد کے دروازہ پر یہ عبارت لکھوا دی گئی، "معاویہ بن ابی سفیان پر لعنت، اور ان پر بھی لعنت جنہوں نے کہ بنی فاطمہ کا حق دبایا، اور باغ فدک غصب کیا، اور اس پر لعنت جس نے حضرت امام حسن کو رسول اللہ صلعم کے پاس مدفون نہیں ہونے دیا" رات کو کسی نے اس عبارت کو مٹا دیا، صبح کو جب معز الدولہ نے اس عبارت کو دوبارہ لکھوانا چاہا، تو وزیر مہلبی نے یہ مشورہ دیا، کہ اس کی جگہ یہ عبارت لکھوائی جائے، "امیر معاویہؓ پر لعنت اور آل رسول کے ساتھ تمام ظلم کرنے والوں پر لعنت" چنانچہ یہی عبارت لکھوا دی گئی، غالباً تبری کی ابتدا یہیں سے ہوئی ہے سنہ ۳۵۲ھ سے باقاعدہ عزاداری کا سلسلہ شروع ہو گیا، عاشورے کے روز بازار بند کرا دیئے گئے، نانبائیوں کو کھانا پکانے کی ممانعت کر دی گئی، بازار میں ایک کلس دار لکڑی نصب کرا کر اس پر ایک موٹا سیاہ کپڑا ڈلوا دیا گیا، جس کے سامنے سے عورتیں بال کھولے ہوئے ماتم کرتی ہوئی، اور اپنے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی، اور امام حسین کا ماتم کرتی ہوئی جلوس کی صورت میں نکلیں یعنی تعزیہ داری شروع ہو گئی، اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر کے منانے کا سلسلہ شروع ہوا، اہل بغداد کے لئے چونکہ یہ تمام مراسم شیعی ایک نئی بات تھی، اس لئے پہلے تو چہ میگوئیاں شروع ہوئیں، اس کے بعد محرم سنہ ۳۵۳ھ میں شیعوں اور سنیوں میں سخت فساد ہو گیا، اور بغداد میں بڑی بدامنی پھیل گئی

المطیع اللہ کی دست برداری

سنہ ۳۵۶ھ میں معز الدولہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا بختیار عز الدولہ کے لقب کے ساتھ امیر الامراء کے منصب پر سرفراز ہوا، یہ بڑا نااہل اور بڑا نالائق تھا، اس کی نااہلیت کی وجہ سے ترک سرداروں کے تعلقات اس کے بگڑ گئے، بنی بویہ کی طاقت کا بہت کچھ دارو مدار ترکوں پر تھا، اور ترکوں سے اس کی مخالفت اتنی بڑھی، کہ ترک سردار سبکتگین نے بغداد پر قبضہ جمالیا، اور عز الدولہ کی ماں اور بھائیوں کو بغداد سے نکل جانے کے لئے مجبور کر دیا، غرض کہ اس کے زمانہ میں ترکوں اور دیلمیوں میں اچھی خاصی خانہ جنگی برپا ہو گئی، ترکوں اور دیلمیوں کے اس اختلاف سے قبل مطیع پر فالج کا حملہ ہوا تھا، اس حملہ نے اسے بالکل ناکارہ

بنادیا تھا جب اس کی حالت زیادہ خراب ہوئی، تو سبکتگین نے اسے ۳۶۳ھ میں اپنے بیٹے طائع کے حق میں دستبردار ہونے پر مجبور کردیا،

سنگ اسود کی واپسی اور چند دوسرے واقعات

اس سے قبل یہ بتایا جاچکا ہے، کہ قرامطہ خانہ کعبہ سے سنگ اسود اکھاڑ کرلے گئے تھے، یہ سنگ اسود تقریباً ۲۲ سال تک قرامطہ کے قبضے میں رہا، بائیس سال کے بعد ۳۲۹ھ میں اسے قرامطہ سے لے کر دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کیا گیا، اور اس کے گرد چاندی کا ایک حلقہ بنادیا گیا

محمد بن نافع خزاعی کہتے ہیں، کہ حجر اسود کو دوبارہ نصب کرنے سے قبل میں نے اسے بچشم خود دیکھا ہے، اس کے سرے پر ایک سیاہ لکیر تھی، باقی تمام سفید تھا، اس کا طول بقدر ایک گز کے تھا؛

کہتے ہیں، کہ جب قرامطہ سنگ اسود کو مکہ سے لے کر گئے تھے، تو اسے پے در پے چالیس اونٹوں پر رکھا گیا تھا کیونکہ جو اونٹ بھی اسے لے کر چلتا تھا، وہ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مرجاتا تھا، لیکن جب اسے واپس لایا گیا تو ایک اونٹ بڑی آسانی سے لے آیا،

عباسی حکومت چونکہ لب دم تھی، اس لئے رومیوں نے اپنے علاقوں کی واپسی کے لئے مملکت اسلامیہ پر حملے شروع کردیئے، چنانچہ انہوں نے جزیرہ افریطش پر قبضہ کرلیا، اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی نہایت سخت تباہی مچائی،

طائع اللہ بن مطیع اللہ (۲۴)

اپنے باپ کے دست بردار ہونے کے بعد ۳۶۳ھ (۹۷۴ء) میں تخت خلافت پر بیٹھا تخت نشینی کے وقت طائع اللہ کا لقب اختیار کیا، عمر ۴۳ سال کی تھی، اسی خلیفہ نے سبکتگین کو نصیر الدولہ کا خطاب دیا،

عز الدولہ جو امیر الامراء تھا، اسے سبکتگین کا اعزاز نہیں بھایا، اور اس نے اپنے چچازاد بھائی عضد الدولہ کی مدد سے سبکتگین کو شکست دے دی، عضد الدولہ بھی عہدہ کے لالچ میں آگیا، اور اپنے بھائی عز الدولہ کو شکست دے کر ۳۶۷ھ میں اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا،

نام نہاد خلفائے عباسیہ کی یہ حالت تھی، کہ جو بھی سردار طاقت کے بل پر حاوی ہوجاتا تھا، یہ اس کی خوشامدیں کرنے لگتے تھے، چنانچہ عضد الدولہ کی فتح یابی کے بعد طائع نے اسے نہ صرف امیر الامراء کے منصب پر سرفراز کردیا

بلکہ اسے خلعت عطا فرمائی، جواہر نگار تاج اور کنگن عطا کئے، خود اپنے ہاتھ سے اس کی گردن میں تلوار حائل کی، دو جھنڈے دیئے، جن میں سے ایک چاندی کا جھنڈا بھی تھا، جو صرف ولی عہد کے لئے مخصوص تھا، اور ایک عہد نامہ پڑھ کر سنایا جس میں اس کے ولیعہد نامزد کئے جانے کا اعلان تھا، حالانکہ اس وقت تک ولی عہد یا تو خلیفہ کا بیٹا، یا اس کا قریبی عزیز ہی ہوا کرتا تھا،

طائع نے عضد الدولہ کو اتنا بڑھایا، کہ اسے ایک سرے سے خلیفہ ہی بنا دیا، چنانچہ عضد الدولہ کے زمانہ میں خلیفہ کی وقعت بالکل ختم ہو گئی، اور وہ امیر الامراء کا اچھا خاصہ حاشیہ نشین بن گیا تھا۔ ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ مر گیا، تو خلیفہ نے اس کے بیٹے صمصام الدولہ کو امیر الامراء مقرر کر دیا، لیکن ۳۷۶ھ میں جب صمصام الدولہ کے بھائی شرف الدولہ نے صمصام پر چڑھائی کر کے شکست دے دی، اور اس کی آنکھیں نکلوا دیں، تو طائع نے شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا، اور اسے امیر الامراء کا عہدہ تفویض کر دیا۔

الطائع اللہ کی معزولی اور وفات

۳۷۹ھ میں شرف الدولہ مر گیا، اور اپنی جگہ اپنے بھائی ابو نصر بہاء الدولہ کو اپنا جانشین مقرر کر گیا، اور خود بادشاہ بہاء الدولہ کے مکان پر تعزیت کے لئے گیا، اسے ہفت خلعت عطا کی، لیکن دو سال کے بعد جب طائع اور بہاء الدولہ میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی، تو بہاء الدولہ کے آدمیوں نے بھرے دربار میں طائع کو تخت سے گھسیٹ کر نیچے گرا دیا، اور اسے گرفتار کر لیا گیا، بادشاہ کا گناہ صرف اتنا تھا، کہ اس نے بہاء الدولہ کی ایک خواص کو سزا دے دی تھی، بادشاہ کو حکم دیا گیا، کہ وہ مقتدر کے بیٹے، قادر باللہ کے حق میں دست بردار ہو جائے، بادشاہ میں بھلا کہاں طاقت تھی، کہ انکار کر سکتا، چنانچہ وہ شعبان ۳۸۱ھ میں دست بردار ہو گیا، اور نظر بندی کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا ۳۹۲ھ میں رحلت کر گیا، اس نے سترہ سال آٹھ مہینے حکومت کی،

طائع کے عہد میں ۳۶۲ھ ہجری سے مصر، شام اور مملکت اسلامیہ کے اکثر حصوں میں شیعیت کا زور بے حد بڑھ گیا تھا، یہاں تک کہ حرمین میں بھی مصر کے فاطمی حکمران کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا تھا،

طائع کے عہد حکومت ہی میں افغانستان میں غزنوی حکومت کا قیام عمل میں آیا تھا، اس کا بانی محمود غزنوی کا باپ سبکتگین تھا، جو سامانی حکمران الپتگین کا ترکی غلام تھا، الپتگین جب مر گیا، تو اس کا بیٹا اسحٰق تخت نشین ہوا، اسحٰق کی موت کے بعد امراء سلطنت نے سبکتگین کو تخت نشین کیا، یہ ۳۶۶ھ کا واقعہ ہے،

قادر باللہ بن مقتدر باللہ (۲۵)

۳۸۱ھ (۹۹۱ء) میں بہاء الدولہ نے طائع کو معزول کر کے القادر کو تخت پر بٹھایا۔ اس خلیفہ کا اصلی نام احمد تھا، عمر ۴۴ سال کی تھی۔ القادر بہت بڑا عالم، عبادت گزار اور نیک دل خلیفہ تھا۔ عقاید کی اصلاح کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا اور اس مقصد کے لئے اس نے ایک کتاب بھی لکھی جو ہر جمعہ کو نمازیوں کے سامنے پڑھی جاتی تھی، اگرچہ یہ بھی امیر الامراء کے قبضہ میں تھا، مگر پھر بھی خلافت کی عظمت کو برقرار رکھا۔

محمود غزنوی کو خلعت اور خطاب

خلافت عباسیہ گو کتنی ہی کمزور ہو گئی تھی لیکن اسے پھر بھی دینی سلطنت کے اعتبار سے زبردست عظمت حاصل تھی، چنانچہ مشرق و مغرب کی کوئی بھی اسلامی حکومت اس وقت تک باقاعدہ حکومت تسلیم نہیں کی جاتی تھی جب تک کہ اسے خلفائے اسلام سے سند حکومت نہ مل جائے۔

سبکتگین کے انتقال کے بعد چونکہ محمود غزنوی کے چھوٹے بھائی اسمٰعیل نے حکومت کابل پر قبضہ کر لیا تھا، اس لئے محمود کو اس سے جنگ کر کے ۳۸۸ھ میں تخت حاصل کرنا پڑا۔ محمود نے تخت نشین ہونے کے بعد قادر باللہ سے باقاعدہ حکمرانی کی سند طلب کی تھی جس کے جواب میں ۳۸۹ھ میں خلیفہ نے محمود کی حکومت تسلیم کر لی تھی، اور اسے خراسان کی حکومت کا پروانہ، لوا، خلعت اور یمین الدولہ امین الملت ولی امیر المومنین کے خطابات عطا کئے تھے۔ محمود غزنوی نے کامل پچیس سال تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی، اس نے ترکستان سے لے کر ہندوستان تک ایک نہایت ہی طاقتور اسلامی حکومت قائم کر لی تھی،

وفات اور دیگر حالات

القادر نے ۸۸ برس کی عمر میں وفات پائی، اور ۴۲ سال خلیفہ رہا۔ یہ بہت اچھا سیاستدان تھا، یہی وجہ ہے، کہ خانہ جنگیاں کم ہو گئیں، اور ملک نسبتاً خوش حال اور پر امن نظر آنے لگا،

بنی بویہ کے اقتدار کی وجہ سے شیعیت کا جو زور بڑھ گیا تھا، وہ بھی اس بادشاہ کے زمانہ میں کم ہو گیا، اس بادشاہ کے عہد حکومت سے قبل کھلم کھلا صحابہ پر تبرا بھیجا جاتا تھا، اکثر اوقات حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا احترام کرنے والے سنیوں کو قتل تک کر دیا جاتا تھا، قادر نے شیعوں کی یہ زیادتیاں ختم کر دیں، اس کے علاوہ اس بادشاہ نے اور بھی بہت سی اصلاحات کیں۔ فردوسی شاعر کا اسی بادشاہ کے عہد میں انتقال ہوا ہے،

القائم بامر اللہ بن القادر باللہ (۲۶)

القائم اپنے باپ القادر کی وفات کے بعد ۴۲۲ھ میں خلیفہ ہوا، عمر ۳۱ سال کی تھی، امیر الامراء جلال الدولہ تھا مگر نہایت غفلت شعار اور عیش پسند واقع ہوا تھا جس کی وجہ سے خزانہ شاہی خالی ہو چکا تھا، کئی مہینے تک فوج کو تنخواہ نہیں ملی، بغاوت پھیل گئی، اور جلال شہر چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر ۴۳۵ھ میں مر گیا، قائم نے بغاوت پر بڑی مشکل سے قابو پایا۔

جلال کے بھاگتے ہی "ابو کالے" جو مدت سے اس عہدہ کی تاک میں تھا، اس موقعہ پر مطلق نہیں چوکا، القائم کو بے انتہا دولت دی، اور بغاوت کو دبانے میں بڑی مدد کی، قائم نے یہ عہدہ اس کو دے دیا، اور خطبہ میں نام بھی شامل کر دیا، ۴۴۰ھ میں کالے نے مرتے وقت اپنے بیٹے ملک الرحیم کو اپنی جگہ نامزد کر دیا،

طغرل بیگ کی جدوجہد

طغرل بیگ حکومت سلجوقی کا ایک با اقبال فرمانروا تھا، جس نے عراق، عجم اصفہان، طبرستان، جرجان، اور خوارزم وغیرہ کے اکثر حکمرانوں کو شکست دے کر سلجوقی حکومت کو نہایت ہی مضبوط بنا دیا تھا، طغرل بیگ سلجوقی حکومت کے بانی سلجوق کا پوتا تھا جس کی شمشیر خارا شگاف کا بڑا شہرہ تھا، طغرل بیگ نے جب سلجوقی حکومت کو ایک باقاعدہ حکومت کی شکل دے دی، تو اس زمانہ کے دستور کے مطابق اس نے خلیفہ قائم سے حکومت کی سند کی خواہش کی، قائم نے ۴۳۲ھ میں اسے سند حکومت بھی بھیجدی، اور رکن الدولہ کا خطاب بھی عطا کر دیا، اور طغرل کو بغداد آنے کی دعوت دے دی، طغرل جو خلفائے بغداد کا بے حد معتقد تھا، اس نے خلیفہ کی اس عزت افزائی کے جواب میں نہایت ہی قیمتی جواہرات اور تحائف روانہ کئے اور بغداد آنے کا وعدہ بھی کیا

طغرل کی دلی خواہش تھی، کہ جس طرح بھی ممکن ہو میں بغداد پہنچوں، مگر ملکی حالات سے غفلت بھی نہیں کر سکتا تھا، آخر بڑی کوشش اور پورے انتظام کے بعد عراق، عجم اور اصفہان کے انتظامات اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے سپرد کرنے کے بعد ۴۴۷ھ میں بغداد کے لئے روانہ ہو گیا، اس کے بغداد آنے پر امیر الامراء ملک الرحیم اور دوسرے سرداروں میں کھلبلی برپا ہو گئی، کیونکہ طغرل کے بغداد پہنچنے کے ساتھ ہی خلیفہ کے حکم سے طغرل کے نام کا خطبہ جاری ہو گیا تھا، لیکن ایک تازہ مصیبت یہ کھڑی ہو گئی، کہ ملک الرحیم کے سپاہیوں، بغداد کے باشندوں اور سلجوقیوں میں خاص شہر بغداد میں باقاعدہ ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی، طغرل نے اس تمام خانہ جنگی کا ذمہ دار ملک الرحیم کو قرار دیتے ہوئے اسے گرفتار کر لیا مختصر یہ کہ طغرل کی آمد پر بڑے بڑے ہنگامے برپا ہوئے، لیکن اس کے بغداد آنے کے بعد بنی بویہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا

اور سلطنت عباسیہ کی عنان حکومت طغرل کے ہاتھ میں آگئی، اور قائم کی لڑکی سے طغرل کی شادی ہوگئی،

طغرل نے سلطنت عباسیہ کی عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد تمام مخالف اور شرارت پسند عناصر کو دبا دیا آخر طغرل آٹھ سال تک خلافت بغداد کی تولیت کے فرائض انجام دینے کے بعد ۴۵۵ھ میں فوت ہوگیا، طغرل بڑا پاکباز اور سچا مسلمان تھا، اس نے عباسی حکومت کی بڑے خلوص کے ساتھ خدمت انجام دی، طغرل کے بعد اس کا بھائی الپ ارسلاں جانشین ہوا، جس نے نہایت ہی شاندار فتوحات حاصل کیں، اور اس کے بعد ملک شاہ سلجوقی تخت نشین ہوا،

قائم کی وفات اور متفرق حالات

طغرل نے چونکہ خلافت عباسیہ کو بنی بویہ کے پنجہ سے آزاد کر دیا تھا، اس لئے طغرل کے مرنے کے بعد بھی قائم بامر اللہ دس بارہ سال تک بڑی خوبی کے ساتھ حکومت کو چلاتا رہا، اور کسی کو عباسی حکومت کی جانب آنکھ اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی، قائم ۴۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۶۷ھ میں فوت ہوگیا، انتقال کے وقت اس کی عمر ۷۶ سال تھی،

قائم بڑا ہی دیندار اور زاہد و عابد خلیفہ ہوا ہے، ذہبی کا بیان ہے، کہ وہ شب بیدار تھا، ساری ساری رات عبادت کیا کرتا تھا، علمی اعتبار سے بھی اس کا پایہ نہایت بلند تھا، اس بادشاہ کے عہد حکومت میں ۴۲۵ھ میں حضرت ابوالحسن خرقانی کا انتقال ہوا، جو اولیائے کبار میں سے تھے، امام ثعلبی، امام قدوری، ابو نعیم صاحب حلیہ، ابن بطال شارح بخاری، علامہ بیہقی، ابن عبدالبر اور شیخ ابو علی سینا نے بھی اسی بادشاہ کے دور حکومت میں انتقال کیا،

المقتدی بامر اللہ بن قائم بامر اللہ (۲۷)

بعض مورخین کا بیان ہے، کہ مقتدی قائم کا پوتا تھا، ۴۶۷ھ (۱۰۷۵ء) میں مسند خلافت پر بیٹھا، عمر ۱۹ سال کی تھی دیندار، خیر اور عالی ہمت بادشاہ تھا، خلاف شرع حرکات سے بڑی نفرت کرتا تھا، اور پردہ کا بہت حامی تھا، سلجوقیوں کا اقتدار بہت بڑھ چکا تھا، وہ خلیفہ پر چھائے ہوئے تھے، مگر مقتدی نے بڑی ترکیب سے ان کے زور کو توڑا، اور خلافت کے اثرات کو قائم رکھا، سلجوقی اپنے حلقہ اثر میں بڑی تیزی سے ترقی کر رہے تھے، طغرل کے بعد الپ ارسلاں نے بہت سی فتوحات حاصل کیں، اور دمشق، شام اور ترکستان کے علاقے ختم کر کے مشرق میں سب سے بڑی حکومت قائم کر لی

عباسی حکومت پر سلجوقیوں کا قبضہ

عباسی حکومت پر گو طغرل سلجوقی کے زمانہ ہی سے سلجوقیوں کا اقتدار قائم ہوگیا تھا، لیکن طغرل کو چونکہ عباسیوں کے ساتھ عقیدت تھی، اس لئے اس کا اقتدار عباسیوں کے لئے مضر ہونے کی بجائے مفید ثابت ہوا، لیکن ملک شاہ سلجوقی

کو جب یہ اقتدار ورثہ میں ملا، تو عباسیوں کے ساتھ سلجوقیوں کی عقیدت ختم ہو چکی تھی، انہوں نے دیالمہ کی طرح عباسیوں پر حاکمانہ اور تشدد دانہ روش اختیار کرنی شروع کردی جس سے کہ مقتدی اور ملک شاہ سلجوقی کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے، مقتدی چونکہ ملک شاہ کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کرنا چاہتا تھا، اس لئے اس نے ملک شاہ کی لڑکی کے لئے اپنی شادی کا پیغام بھی دے دیا تھا، جو چند شرائط کے ساتھ منظور ہو گیا تھا، اور مقتدی کی شادی ملک شاہ کی بیٹی سے ہو گئی تھی،

ملک شاہ سلجوقی اپنی جنگی مہمات کی وجہ سے چونکہ خود تو بغداد کی جانب توجہ نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے اپنا ایک نمائندہ بغداد میں متعین کر دیا تھا، جو حکومت کے کاروبار کو چلاتا تھا، مقتدی کی تخت نشینی کے بارہ سال بعد ۴۷۹ھ میں ملک شاہ پہلی مرتبہ بغداد آیا، بادشاہ کی خدمت میں تحائف پیش کئے، اور دربار خلافت سے خلعت فاخرہ حاصل کی، ملک شاہ کے قیام بغداد ہی کے زمانہ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کی بیٹی رخصت ہو کر بغداد آئی، اور حرم شاہی میں داخل ہوئی، مقتدی نے ملک شاہ کی بیٹی سے یہ رشتہ اس لئے کیا تھا تا کہ دونوں حکمرانوں کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں لیکن طبائع کے اختلاف اور خانگی پیچیدگیوں کی بنا پر میاں، بیوی میں کشیدگی پیدا ہو گئی، ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو واپس بلا لیا اور وہ باپ کے گھر آنے کے بعد چند ہی روز بعد مر گئی جس کی وجہ سے ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات اور بھی زیادہ خراب ہو گئے،

باطنی تحریک کا داعی حسن بن صباح

مقتدی اور ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں باطنی تحریک نے بہت بڑی قوت حاصل کر لی تھی، اسمٰعیلی یا باطنی فرقہ کو اگرچہ شیعہ فرقہ ہی کی ایک شاخ بتایا جاتا ہے، لیکن اصلیت یہ ہے، کہ اس کا شیعیت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے صرف اس لئے اسے شیعہ فرقہ کی شاخ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس تحریک کے بانیوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت امام جعفر صادقؓ کے صاحبزادے حضرت امام اسمٰعیل سے منسوب کر دیا تھا

اس تحریک کا سب سے بڑا داعی حسن بن صباح تھا جو نہایت ہوشمند اور عالی دماغ شخص تھا، یہ رے کا باشندہ تھا، اور بہت بڑا عالم و فاضل تھا، اس نے قزوین کے قریب قلعہ الموت پر قبضہ جمانے کے بعد اسے باطنی تحریک کا مرکز بنا لیا تھا، اور ہزاروں مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں مبتلا کر لیا تھا، اسکے ساتھ فدا کاروں کی ایک بہت بڑی ایسی جماعت تھی، جن کے ذریعہ یہ جس کو چاہتا تھا، قتل کرا دیتا تھا،

اس تحریک کی غارت گری رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی، کہ دن دہاڑے وہ تمام بڑے بڑے لوگ قتل ہونے لگے، جو اس تحریک کے مخالف تھے، چنانچہ سلجوقی حکومت کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی نے جب باطنی تحریک کو کچلنے کے لئے قدم اٹھایا، تو حسن بن صباح اس کا بھی مخالف بن گیا، اور ایک فدائی کے ذریعہ اسے ۴۸۵ھ میں خنجر سے ہلاک کرا دیا،

مختصر یہ کہ یہ تحریک اس زمانہ کے بادشاہوں، امراء اور متقدر حضرات کے لئے ایک مستقل خطرہ بن گئی تھی، اور ہر شخص ان کی تباہ کاریوں سے خائف تھا،

مقتدی اور ملک شاہ کا انتقال اس سے پہلے یہ بتایا جا چکا ہے، کہ ملک شاہ کی لڑکی سے مقتدی کی شادی ہو گئی تھی، مگر اس لڑکی کی موت کے بعد سے ملک شاہ اور مقتدی کے تعلقات بے حد کشیدہ ہو گئے تھے، چنانچہ اس کشیدگی کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ۴۸۰ھ میں جب ملک شاہ دوبارہ بغداد آیا، تو اس نے یہاں اپنے قیام کے لئے نیز دوسرے امرائے سلجوقی کی رہائش کے لئے نئی نئی عمارتوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع کر دیا، اور خلیفہ کو حکم دے دیا، کہ وہ فوراً بغداد خالی کر کے کسی دوسری جگہ چلا جائے، خلیفہ نے ملک شاہ سے مہلت طلب کی، تو اس نے بڑی مشکل سے دس روز کی مہلت دی، لیکن ابھی دس روز گذرنے بھی نہیں پائے تھے، کہ ملک شاہ اچانک بیمار ہو کر مر گیا،

ملک شاہ کی موت سے اگرچہ مقتدی کو ایک بڑی پریشانی سے نجات مل گئی تھی، لیکن اس کی زندگی نے وفا نہیں کی، چنانچہ ۴۸۷ھ میں شمس النہار نامی لونڈی نے مقتدی کو زہر دیدیا، جس کے اثر سے وہ ہلاک ہو گیا، وفات کے وقت اس کی عمر ۳۹ سال تھی، اس نے تقریباً بیس سال حکومت کی، مقتدی کے زمانہ میں حسب ذیل علماء نے وفات پائی،

شیخ عبدالقاہر جرجانی، ابو اسحٰق شیرازی، شیخ الحنفیہ علامہ بزدوی، شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری،

المستظہر باللہ بن مقتدی بامر اللہ (۲۸)

مقتدی کی وفات کے بعد ۴۸۷ھ (۱۰۹۳ء) میں تخت نشین ہوا، کہتے ہیں، کہ مستظہر کی عمر صرف ۱۶ سال کی تھی، مگر بہت سے علوم سے فارغ ہو چکا تھا، نہایت نیک، با اخلاق اور حد درجہ کا مدبر تھا، بڑے بڑے انقلابات کا مستقل مزاجی سے مقابلہ کیا، اور ملک کے امن کو برقرار رکھا، رعایا نے اطمینان کا سانس لیا،

مستظہر کے عہد حکومت میں بھی سلاطین سلجوق حسب سابق خلافت عباسیہ کے ولی کے فرائض انجام دیتے رہے، یعنی حکومت کا نظم و نسق ان ہی کے ہاتھوں میں رہا، مستظہر کی تخت نشینی کے وقت سلطان برکیارق بغداد ہی میں موجود تھا، اس کے مرنے کے بعد جب اس کا کمسن لڑکا ملک شاہ ثانی جانشین قرار پایا، تو مستظہر نے اس کا نام خطبوں میں جاری کر دیا، اس کے بعد جب سلطان محمد بن ملک شاہ کی حکومت قائم ہوئی، تو اسے بھی عباسی حکومت کا ولی بنا دیا گیا،

جنگ صلیبی اور مسلمان: مسلمانوں اور عیسائیوں میں جنگ کا سلسلہ مدت سے چلا آ رہا تھا،

مستظہر کے زمانہ میں یہ زیادہ زور پکڑ گیا، اگرچہ حکومت عباسیہ سے براہ راست جنگ نہیں تھی مگر کوئی اسلامی حکومت الگ بھی نہیں رہ سکتی تھی، جزیرہ سسلی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، اسپین میں اموی حکومت دم توڑ رہی تھی، لاکھوں عیسائی مذہب کا نعرہ لگا کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے تھے یہاں تک کہ ۱۰۹۷ء میں سلجوقیوں کے پایہ تخت قونیہ کو زیر کرکے شام کی طرف بڑھ رہے تھے، آخر انطاکیہ فتح کر لیا، اور تقریباً تین لاکھ مسلمان قتل کئے۔

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

اس تباہی اور غارت گری کے بعد عیسائی فوجیں بیت المقدس کی جانب بڑھیں، بیالیس دن کے محاصرہ کے بعد عیسائیوں نے ۱۰۹۹ء میں بیت المقدس بھی فتح کر لیا، اس فتح کے بعد کئی ہفتوں تک یہ مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہے صرف مسجد اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان مارے گئے جن میں سے بڑی تعداد مختلف ممالک کے گوشہ نشین اور عبادت گذار مسلمانوں کی تھی، اس کے بعد عیسائیوں نے ایک ایک کرکے شام اور فلسطین کے دوسرے شہر فتح کرنے شروع کئے، غرض کہ قریب قریب پورے شام اور فلسطین پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا، صرف حمص، حماۃ، دمشق، حلب اور چند چھوٹے چھوٹے شہر مسلمانوں کے پاس رہ گئے سلطنت اسلامیہ کے قیام کے بعد گذشتہ پانچ سو برس میں عیسائیوں کو پہلی مرتبہ ان علاقوں پر قبضہ کرنے کا موقع مسلمانوں کی کمزوریوں کی وجہ سے ہاتھ آ گیا تھا۔

اس جنگ صلیبی میں مسلمانوں کے قتل عام اور شکستوں پر شکستوں کی وجہ سے تمام دنیائے اسلام میں عموماً اور بغداد میں خصوصاً اسلامی فرمانرواؤں اور خلیفہ کی کمزوری کے خلاف سخت اضطراب پھیل گیا تھا، جامع سلطان میں بہت بڑا احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس میں کہ مشتعل ہجوم نے مسجد کے منبر تک کو توڑ ڈالا، اور اس کے بعد مشتعل ہجوم نے امرائے سلطنت اور خلیفہ کے محلوں کا محاصرہ کر لیا، امرائے سلطنت اور خلیفہ نے بڑی مشکل سے مسلمانوں کو ٹھنڈا کیا اور عوام کے مطالبہ پر ایک مختصر سی فوج عیسائیوں کے مقابلے کے لئے روانہ کر دی، جسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

مستظہر کی وفات

مستظہر ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں مختصر سی علالت کے بعد فوت ہو گیا، انتقال کے وقت اس کی عمر ۴۲ سال تھی

مستظہر کے زمانہ میں حسب ذیل علماء نے وفات پائی، امام غزالی، امام ابوبکر شافعی، ابو مظفر سمعانی، ابو الفرج خطیب تبریزی۔

المسترشد باللہ بن مستظہر باللہ (۲۹)

مسترشد اپنے باپ مستظہر کی وفات کے بعد ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں مسند نشین ہوا، عمر ۲۷ سال کی تھی، شریعت کا پابند اور مرد میدان تھا، سلجوقی اقتدار اس بادشاہ کے عہد میں بھی بغداد پر بدستور قائم تھا،

مسترشد کی سلجوقی سلطان سے جنگ

اس بادشاہ کے دور میں بھی حسب سابق سلجوقی اقتدار بدستور قائم تھا، لیکن سلجوقیوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلیفہ کے لئے یہ دشواری پیدا ہو گئی تھی، کہ وہ سلجوقی شہزادوں میں سے کس کی حمایت کرے، اور کس کی حمایت نہ کرے، چنانچہ ۵۲۵ھ میں سلطان محمود بن ملک شاہ سلجوقی مرگیا، تو اس کی جگہ اس کا بیٹا داؤد سلطان مقرر ہوا، کچھ دنوں کے بعد اس کے چچا زاد بھائی مسعود بن محمد نے اس پر یورش کردی، دونوں میں خوب لڑائی ہوئی، آخر صلح ہو گئی

بغداد کے خلیفہ میں نائب سلطنت کی حیثیت سے مسعود کا نام شروع ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی خلیفہ کے حکم سے خطبہ میں داؤد کا نام بھی لیا جانے لگا جس سے مسعود کو ناگواری پیدا ہوئی چنانچہ اس ناگواری کی بنا پر خلیفہ اور مسعود میں اَن بَن ہونے کے بعد باقاعدہ جنگ چھڑ گئی، خلیفہ مسترشد بڑی بہادری کے ساتھ لڑا، لیکن جب خلیفہ کے لشکر نے نمک حرامی کر کے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، تو خلیفہ کو مسعود کے مقابلہ میں شکست ہو گئی، مسعود نے خلیفہ کو مع اس کے ساتھیوں کے ہمدان میں قید کر دیا، اہل بغداد کو جب خلیفہ کی گرفتاری اور قید کا حال معلوم ہوا، تو ایک کہرام مچ گیا، اور بغداد کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی سلجوقیوں کے خلاف مسلمانوں میں سخت ناگواری پھیل گئی،

سلطان سنجر سلجوقی کو جب خلیفہ کی گرفتاری کا علم ہوا، تو اس نے اپنے بھتیجے مسعود کے پاس قاصد بھیجکر ہدایت کی، کہ تم فوراً خلیفہ کے پاس جاؤ، اور زمین خدمت چوم کر اپنی غلطیوں کی معافی مانگو، کیونکہ ہمارے لئے کسی طرح بھی یہ روا نہیں ہے، کہ اپنے آبا و اجداد کی روش سے انحراف کریں، اور خلفاء کے خلاف کوئی قدم اٹھائیں، خلیفہ کی گرفتاری کی وجہ سے جامع مسجدوں میں نماز اور خطبوں کا نہ ہونا کتنے غضب کی بات ہے، تم فوراً خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو پورے احترام اور احتشام کے ساتھ دار الخلافہ میں سے کراؤ،

مسترشد کی رہائی

سلطان سنجر کی اس ہدایت کے بعد مسعود سلجوقی خود خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا، زمین خدمت چوم کر معافی مانگی، اور خلیفہ کی روانگی کے جملہ انتظامات مکمل کر دیئے،

مسترشد کا قتل

۵۲۹ھ میں جب کہ مسترشد رہائی حاصل کر کے بغداد آرہا تھا، چند مخالف ٹوٹ پڑے، اور خلیفہ مسترشد کو قتل کر دیا، عام خیال ہے، کہ خلیفہ کے قتل میں مسعود کا ہاتھ

تھا کیونکہ وہ مسترشد کی شجاعت اور سیاست سے بہت خوفزدہ تھا قتل کے وقت خلیفہ کی عمر ۴۳ سال کی تھی اُس نے سترہ برس ۷ ماہ حکومت کی،

متوفی علماء، امام غزالی کے بھائی احمد غزالی، شمس الائمہ حلوانی، ابو نصر قشیری، محی السنۃ امام بغوی امام طرطوسی، صاحب مقامات حریری، خواجہ مودود چشتی،

الراشد باللہ ابن مسترشد باللہ (۳۰)

مسترشد کے قتل کے بعد اس کا بیٹا راشد ۵۲۹ھ (۱۱۳۴ء) میں تخت خلافت پر بیٹھا، ۲۰ برس کا نوجوان تھا، بڑا نیک سیرت اور بہادر تھا، اس بادشاہ کے زمانہ میں دو سلجوقی امراء نے دربار شاہی میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا تھا ایک عماد الدین زنگی، دوسرا داؤد جو آذربائیجان کا گورنر اور مسعود سلجوقی کا داماد تھا،

راشد جو اپنے باپ کے قتل کو بھولا نہیں تھا، اور مسعود سے بدلہ لینے کی فکر میں لگا ہوا تھا، ان دونوں سرداروں پر بھروسہ کرتے ہوئے مسعود (جو خلافت عباسیہ کا نائب سلطنت چلا رہا تھا) کا نام خطبہ سے نکال کر داؤد کا نام داخل کر دیا، سلطان مسعود کو یہ بات ناگوار گذری، اور اس نے ایک بڑی فوج لے کر بغداد کو گھیر لیا، راشد نے خوب دل کھول کر مقابلہ کیا، مگر اسے یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی، کہ تمام امرائے سلطنت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، آخر مجبور ہو کر عماد الدین کو ساتھ لے کر موصل چلا گیا، اور سلطان مسعود نے بغداد پر قبضہ کر لیا، یہ ۵۳۰ھ کا واقعہ ہے،

راشد کے خلاف فتویٰ اور معزولی سلطان مسعود سلجوقی نے جب دیکھا، کہ شکار اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تو اس نے یہ چال چلی، کہ راشد پر خونریزی شراب نوشی اور اموال کے غصب کرنے کے جھوٹے الزامات گھڑنے کے بعد علماء سے استفسار کیا، کہ جس شخص میں یہ عیوب ہوں کیا اس کی امامت اور امارت جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں ہے، تو کیا نائب السلطنت کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی بیعت کو فسخ کر کے کسی دوسرے شخص کو خلیفہ مقرر کر دے؟

قاضی ابن کرخی نے جو سلطان کا خاص آدمی تھا، معمولی شہادت کے بعد معزولی کا فتویٰ دے دیا، راشد کو مسعود نے معزول کر دیا، وہ ۲ سال اصفہان میں رہا، اور پھر ۵۳۲ھ میں کسی نامعلوم شخص نے اسے قتل کر دیا، راشد نے صرف ایک سال حکومت کی،

المقتفی لامر اللہ بن مستظہر باللہ (۳۱)

سلطان مسعود نے اگرچہ بغداد پر قبضہ کر لیا تھا، مگر خلافت کے سلسلہ کو ختم نہیں کر سکتا تھا. اس لئے مجبوراً اس نے راشد کے چچا مقتفی کو برائے نام تخت خلافت پر بٹھا دیا تخت نشینی کے وقت مقتفی کی عمر ۴۰ سال کی تھی، یہ ۵۳۰ھ کا واقعہ ہے،

سلطان مسعود نے مقتفی کو تخت پر تو بٹھا دیا، مگر وہ دل سے عباسی خلفاء کو پسند نہیں کرتا تھا چنانچہ اس نے خلیفہ کو کمزور کرنے کے لئے تمام خزانہ لے لیا، جواہرات اور دوسرے تمام قیمتی سامان پر قبضہ کر لیا، اور خلیفہ کی جائداد بھی لے لی، اس کے علاوہ رعایا کو بھی خوب لوٹا جس کی وجہ سے عام طور پر لوگ مسعود کے خلاف ہو گئے، مقتفی بڑا بہادر اور باہمت خلیفہ تھا، اس نے رعایا کو تسلی دی، اور اپنی طاقت کو مضبوط بنانا شروع کر دیا،

خلیفہ کی خود مختاری

نائب سلطنت کا عہدہ خلافت میں ایک مستقل مصیبت بنا ہوا تھا، جسے چاہتے تھے، خلیفہ بنا لیتے تھے، جسے چاہتے معزول یا قتل کرا دیتے تھے، گویا خلیفہ کا وجود برائے نام ہی تھا، مقتفی بڑا عالی دماغ اور دلیر تھا، اس نے بڑی مفید تدابیر اختیار کیں، دوسری طرف قدرتاً سلجوقی اپنی خانہ جنگیوں سے اس قدر کمزور ہو چکے تھے، کہ اب سلطان مسعود کے لئے خلافت میں پیر اڑائے رہنا ممکن نہیں تھا، آخر سلجوقیوں کی مداخلت ختم ہو گئی، اور مقتفی خود مختار خلیفہ بن گیا، اور ۵۴۷ھ میں جب کہ مسعود مر گیا، خلافت بغداد ہمیشہ کے لئے فتنہ پردازوں سے پاک ہو گئی،

عماد الدین زنگی اور صلیبی لڑائیاں

صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ اتابکی خاندان کے عالم وجود میں آنے سے بہت قبل چھڑ چکا تھا جس پر اس سے قبل ہم روشنی ڈال چکے ہیں، شام، مصر اور جزیرہ وغیرہ کے فرمانرواؤں نے ہر چند عیسائیوں کے مقابلہ کی کوشش کی، لیکن ان میں کوئی دم نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ عیسائی تقریباً تمام شام اور فلسطین پر قابض ہو گئے، لیکن مقتفی کے دور خلافت میں اتابکی حکومت کے روح رواں عماد الدین زنگی نے عیسائیوں پر ایسی کاری ضرب لگائی، کہ سارا یورپ بلبلا اٹھا، چنانچہ عماد الدین زنگی نے اور اس کے جانشین نور الدین زنگی نے عیسائیوں کو مار مار کر شام سے نکال دیا، اور ان شہروں میں سے اکثر معتبر شہر ۵۴۲ھ تک عیسائیوں سے واپس لے لئے، ایوبی خاندان جس کے مایہ ناز فرزند صلاح الدین ایوبی نے آگے چل کر عیسائیوں کے دانت کھٹے کر دیے تھے، اور بیت المقدس کو عیسائیوں سے واپس لیا تھا، وہ زنگیوں ہی کا ساختہ پرداختہ تھا،

مقتفی کی وفات اور متفرق حالات

مقتفی چوبیس سال اور تین مہینے حکومت کرنے کے بعد ۵۵۰ھ (۱۱۶۰ء) میں فوت ہو گیا، ذہبی کہتے ہیں کہ مقتفی سرتاج الخلفاء، عالم، ادیب، شجاع، اور حکمرانی کی تمام خوبیوں سے مرصع تھا، اس کے دور خلافت میں کوئی بات ایمان و دیانت کے خلاف نہیں ہونے پائی، مقتفی نے کعبہ شریف میں ایک نیا دروازہ تعمیر کیا تھا، اور اپنے دفن کے لئے عقیق کا ایک تابوت تیار کرایا تھا۔

اسی خلیفہ کے عہد حکومت میں جار اللہ زمخشری نے ۵۳۸ھ میں اور حکیم سنائی ۵۳۵ھ میں اور شیخ الامام حضرت احمد جام اور حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی نے ۵۳۶ھ میں انتقال فرمایا، قاضی عیاض بھی اسی زمانہ میں فوت ہوئے

المستنجد باللہ بن مقتفی باللہ (۳۲)

اپنے باپ المقتفی کی وفات کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا، عمر ۴۱ سال کی تھی، مقتفی کی چند لونڈیوں نے مستنجد کو ہلاک کرنے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکیں، انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا، مستنجد کی حکومت نسبتاً مضبوط تھی، اور غیروں کے اثر سے آزاد بھی۔

نورالدین زنگی اور صلیبی لڑائیاں

مستنجد کے ابتدائی دور حکومت کا اہم ترین واقعہ نورالدین زنگی اور عیسائیوں کی صلیبی جنگ ہے، گو اس لڑائی کو براہ راست خلافت عباسیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن پھر بھی خلافت عباسیہ کی پوری ہمدردی اس جنگ میں نورالدین زنگی کے ساتھ تھی۔

نورالدین اپنے باپ عمادالدین زنگی کے ساتھ صلیبی لڑائیوں میں نہایت اہم کارنامے انجام دے چکا تھا، عمادالدین کے بعد جب نورالدین کا اقتدار شروع ہوا، تو اس نے اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام توجہ عیسائیوں کے خلاف صرف کر دی، ۵۵۰ھ میں اس نے شام کے عیسائیوں پر پوری طاقت سے حملہ کر کے شامی عیسائی حکومت کی بنیادوں کو ہلا دیا، تمام بڑے بڑے عیسائی سرداروں کو گرفتار کر لیا، اور حارم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اس جنگ میں نورالدین زنگی نے جن عیسائی فرمانرواؤں کو گرفتار کیا تھا، ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

بوہمنڈ والی انطاکیہ، قمص والئی طرابلس، جنرل ڈیوک، اور جوسلین کے لڑکے بوہمنڈ نے زرفدیہ دے کر رہائی حاصل کر لی تھی۔

صلاح الدین ایوبی کا سیاسی اقتدار

مستنجد کے زمانہ میں مصر کی فاطمی حکومت بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ فاطمی خلفاء کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ تھی، حکومت پر وزراء کا پورا تسلط تھا۔ فاطمی خلیفہ نے جب وزیر سلطنت امیر شاور کو ایک دوسرے امیر ضرغام کے اثر میں آ کر وزارت کے عہدے سے معزول کر دیا، تو وہ شام پہنچا، اور نورالدین زنگی سے درخواست کی، کہ اگر وہ طاقت سے کام لے کر اسے بحال کرا دے تو مصر کے ایک تہائی حصہ پر اس کا قبضہ کرا دے گا۔

نورالدین زنگی کو عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مصر کی ضرورت تھی، اس نے اپنے تجربہ کار امیر اسدالدین شیرکوہ کو فوج دے کر امیر شاور کے ساتھ روانہ کر دیا، امیر شاور کا حریف امیر ضرغام مقابلہ نہ کر سکا، اور وہ قاہرہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور وزیر شاور کو دوبارہ اپنا منصب حاصل ہو گیا۔

وزیر شاور نے بدعہدی کی، اس نے منصب وزارت پر قبضہ جمانے کے بعد اسدالدین شیرکوہ کو مصر سے نکالنے کے لئے عیسائیوں کو بلایا، اسدالدین کی عیسائیوں اور مصری فوجوں سے سخت جنگ ہوئی، آخر مصریوں نے پچاس ہزار اشرفی دے کر اسدالدین سے صلح کر لی، اسدالدین واپس چلا آیا، لیکن عیسائی جن کو کہ مصریوں نے اپنی مدد کے لئے بلایا تھا، وہ مصر کی فاطمی حکومت پر چھا گئے۔

فاطمی خلیفہ کو عیسائیوں نے اس قدر پریشان کیا، کہ وہ نورالدین سے مدد مانگنے پر مجبور ہو گیا، نورالدین عیسائیوں کا جانی دشمن تھا، اس نے وزیر شاور کی گذشتہ بدعہدی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، دوبارہ اسدالدین شیرکوہ کو بھیج دیا، اس مرتبہ اسدالدین شیرکوہ کا بھتیجہ صلاح الدین یوسف بن ایوب بھی اس کے ساتھ تھا، اسدالدین شیرکوہ کے مصر کی جانب رخ کرتے ہی عیسائی اس کے خوف سے بھاگ گئے۔

فاطمی خلیفہ نے اسدالدین کو خلعت عطا کی، وزیر سلطنت امیر شاور چونکہ اسدالدین شیرکوہ کا مخالف تھا، اس لئے اس نے شیرکوہ کی جان لینے کی کوشش کی، اس پر فاطمی خلیفہ نے وزیر شاور کو قتل کرا کے منصب وزارت اسدالدین شیرکوہ کے حوالہ کر دیا، لیکن دو ہی مہینہ کے بعد جب اسدالدین شیرکوہ مر گیا، تو ۵۶۴ھ میں یہ اہم عہدہ اس کے لائق بھتیجے صلاح الدین یوسف بن ایوب کے سپرد کر دیا گیا، صلاح الدین ایوبی نے تمام مخالف عنصر کو کچل ڈالا، اور مصر کی پوری حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

مستنجد کا انتقال

مستنجد کو حکومت کرتے ہوئے ۱۱ سال بھی پورے نہیں ہوئے، کہ امیر قطب الدین نے ابو جعفر وزیر سلطنت کو ہٹانے کی کوشش شروع کر دی، بادشاہ جعفر کو پسند کرتا تھا اور اس کی حمایت کرتا تھا، قطب الدین کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی، اور اس نے بادشاہ کی ہلاکت کے لئے شاہی طبیب سے ساز باز شروع کر دی، آخر طبیب نے زہر پلا کر حمام میں نہانے کا مشورہ دیا، مستنجد حمام میں داخل ہوتے ہی

گر پڑا اور مر گیا، اس سازش میں ایک دوسرے امیر عضد الدین کا ہاتھ بھی تھا، یہ واقعہ ربیع الثانی ۵۶۶ھ کا ہے،

اولیاء اللہ اور علماء

مستنجد کا دور ہمیشہ یادگار رہے گا، یہی دور خلافت عباسیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہے، جس کے دور میں مشہور ولی عہد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی جناب شیخ کو غوث اعظم کا لقب دیا گیا تھا، آپ حسینی خاندان کے بارھویں پشت سے ہیں، ۱۸ برس کی عمر میں اپنے گاؤں جیلان سے بغداد آئے، اور پھر تمام زندگی یہیں گذار دی، مستنجد کے عہد میں ان حضرات نے بھی وفات پائی،

شیخ ابو النجیب سہروردی، امام ابو سعد سمعانی، صاحب البیان عمرانی بعض مؤرخین نے لکھا ہے، کہ خواجہ معین الدین چشتی نے جناب غوث پاک سے فیض باطنی حاصل کیا تھا، اور جس وقت بغداد میں غوث اعظم نے قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ فرمایا، تو سب سے پہلے جناب خواجہ نے اس اعلان کو سنکر سر عقیدت جھکایا،

المستضی بامر اللہ بن مستنجد باللہ (۳۳)

یہ خلیفہ اپنے باپ مستنجد کے بعد ۵۶۶ھ (۱۱۷۱ء) میں تخت نشین ہوا عمر ۳۰ سال کی تھی، رعایا کا بہت ہمدرد نیک خصلت، خوش اقبال اور متواضع تھا، بہت سے ٹیکس ختم کر دیئے، سادات اور علماء کی بہت عزت کرتا اور بڑے نذرانے پیش کرتا، اس خلیفہ کے عہد میں رعایا بڑی خوشحالی اور فارغ البالی تھی،

مستضی کی خلافت کا اہم واقعہ

اس خلیفہ کے دور کا اہم واقعہ یہ ہے، کہ صلاح الدین نے مصر میں فاطمی حکومت کو ختم کر کے ایوبی حکومت کی بنیاد رکھی، اور پوری طرح مصر پر اپنا تسلط قائم کر لیا جب یہ ہو چکا، تو نور الدین زنگی نے صلاح الدین کو ہدایت کی، کہ وہ عاضد فاطمی کا نام خطبہ سے نکال کر مستضی کا نام داخل کرے، صلاح الدین نے اگرچہ بڑی طاقت حاصل کر لی تھی، مگر پھر بھی اس کو اندیشہ تھا، کہ شاید شیعی حضرات کی طرف سے ہنگامہ آرائی ہوگی، مگر کسی نے دم نہیں مارا، اور اس طرح عرصہ کے بعد مصر پر پھر عباسی خلیفہ کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا، اس زمانہ میں عاضد فاطمی بیمار تھا، چند دن کے بعد ۵۶۷ھ میں مر گیا، اور پھر کسی نے اس کی جانشینی کا دعویٰ نہیں کیا، صلاح الدین نے مصر میں اپنی بادشاہت قائم کر دی، فاطمی خاندان نے مصر میں تین سو سال حکومت کی، آخری خلیفہ عاضد فاطمی تھا،

صلاح الدین کا دمشق پر بھی قبضہ

صلاح الدین ایوبی کے محسن نور الدین زنگی کی وفات کے بعد ۵۶۹ھ میں گو اس کے کمسن لڑکے ملک صالح کو دمشق

میں تخت نشین کر دیا گیا تھا، لیکن چونکہ اتابکی امراء کی خود غرضیاں کارفرما تھیں، اس لئے اتابکی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا شام کے بیشتر حصہ پر متعدد عیسائی حکمران قابض تھے، فلسطین پر عیسائیوں کا اقتدار قائم ہو چکا تھا، زوال پذیر اتابکی حکومت کی حالت دیکھ کر عیسائیوں کی نظریں دمشق پر بھی پڑ رہی تھیں، موصل کا سلطان سیف الدین غازی خود عیسائیوں کی جانب جھکا ہوا تھا، اور عیسائیوں کی مدد سے دمشق پر قبضہ کے منصوبے تیار کر رہا تھا، بعض دردمند اور نیک دل اتابکی امراء نے اتابکی حکومت کی یہ نازک حالت دیکھی، تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اتابکی حکومت پر عیسائیوں کا قبضہ ہونے کے بعد یہاں کے مسلمانوں کا بھی وہی دردناک انجام نہ ہو جو شام اور فلسطین میں لاکھوں مسلمانوں کا ہو چکا ہے،

یہ ایسے حالات تھے جن کو دیکھ کر چند اتابکی امراء جن کے دلوں میں اسلام کا درد تھا، بے چین ہو گئے، اور انہوں نے صلاح الدین کو دمشق آنے کی دعوت دی، اور حالات پر قابو پانے کی درخواست کی، صلاح الدین مسلمان کا خون بہتے ہوئے کب دیکھ سکتا تھا، فوراً ایک لشکر جرار ساتھ لے کر دمشق آیا، اور پورے شہر کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، یہ ۵۷۰ھ کا واقعہ ہے،

لیکن صلاح الدین کے دمشق آتے ہی ملک صالح اور سیف الدین غازی نے متحد ہو کر صلاح الدین کے خلاف عیسائیوں سے ساز باز کر لی، تو صورت ہی بالکل تبدیل ہو گئی، اس لئے اس نے رفتہ رفتہ بعلبک، حلب اور اکثر علاقوں کو فتح کر لیا، اور اس طرح دمشق کی اتابکی حکومت کے بیشتر حصہ پر قبضہ کرنے کے بعد صلاح الدین مصر واپس چلا گیا،

وفات اور دیگر حالات

مستضیٔ نے ۵۷۵ھ میں وفات پائی، مدت حکومت ۹ سال اور سات مہینے ہے،

مستضیٔ بڑے دبدبہ اور اقبال کا خلیفہ تھا، عراق سے لے کر افریقہ تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، اس کے زمانہ میں رعیت نے بڑے امن و سکون کی زندگی بسر کی، ذہبی کہتے ہیں، کہ اس خلیفہ کے عہد حکومت میں بغداد میں شیعیت کا زور بالکل گھٹ گیا، اور وہ تمام شیعی مراسم موقوف ہو گئے تھے، جو سابقہ خلفاء اور بنی بویہ کے زمانہ میں جاری ہو گئے تھے، اس کے عہد میں حسب ذیل علماء نے وفات پائی،

نحوی عالم ابو محمد حسن بن صافی، ابو العلاء ہمدانی، ناصح الدین نحوی، ابن عساکر،

ناصر لدین اللہ بن مستضئ باللہ (۳۴)

ناصر اپنے باپ مستضئ کے مرنے کے بعد ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں تخت نشین ہوا، عمر ۲۲ سال کی تھی، بڑا سیاستدان دوراندیش اور عالم و فاضل تھا، تمام ممالک اسلامیہ نہ صرف اس کے مطیع تھے، بلکہ اس کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے، باغیوں کی خوب سرکوبی کی، دشمنوں کو آپس میں ایسا الجھایا، کہ سر اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے، ملکی نظم و نسق اتنا بہتر بنا دیا تھا، کہ اس سے قبل نظر نہیں آتا، قیافہ شناسی اور دوراندیشی کی وجہ سے اکثر لوگ خیال کرتے تھے، کہ اس کے قبضہ میں جنات و شیاطین ہیں، وہ بہت پہلے سے خبریں بتا دیا کرتا تھا، اس بادشاہ کے دور حکومت کے دو واقعے تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں، ایک سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں بیت المقدس کی فتح، اور دوسرے تاتاری سردار چنگیز خان کا عروج جس نے کہ آگے چل کر عباسی حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا،

صلاح الدین کی فتوحات

ناصر کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں والئی موصل مسعود زنگی اور والئی حلب عماد زنگی (جو صلاح الدین کے مخالف تھے) عیسائیوں سے مل گئے اور صلاح الدین کے خلاف میدان میں آ گئے، اور دمشق کے کچھ علاقہ پر قبضہ کر لیا، صلاح الدین فوراً دمشق پہنچے، اور ایک ہی یورش میں تمام متحدہ طاقتیں پاش پاش کر دیں، جزیرہ، آمد، حلب اور سنجار پر قبضہ کر لیا، اور پھر فوراً ہی اپنا رخ عیسائیوں کی طرف پھیر دیا، عیسائی بھی ستر ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ پر آ گئے، الخو کے مقام پر دونوں لشکروں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی، عیسائی شکست کھانے کے بعد صلح کرنے پر مجبور ہو گئے، اور بہت گری ہوئی شرائط پر صلح کر لی، مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ اپنی طاقت کو منظم کرنے کے بعد پھر مقابلہ پر آ گئے، صلاح الدین نے پھر شکست دی، تمام بڑے بڑے عیسائی موت کے گھاٹ اتار دیئے، اور شام و فلسطین کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا، یہ ۵۸۷ھ کا واقعہ ہے،

بیت المقدس کی فتح

شام اور فلسطین کی فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد سلطان صلاح الدین نے رجب ۵۸۳ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، اور بیت المقدس کے عیسائیوں کو پیغام بھیجا، کہ بیت المقدس ہمارے لئے بھی اسی طرح قابل احترام ہے، جس طرح کہ تمہارے لئے ہے، اس لئے مناسب یہ ہے، کہ خونریزی کے بغیر یہ مقدس مقام مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے، لیکن عیسائیوں نے صاف انکار کر دیا، آخر صلاح الدین کو مجبور ہو کر تلوار میان سے نکالنی پڑی، اور بیت المقدس کے لئے بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی، عیسائی شروع میں تو بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے، لیکن بعد میں ان کی ہمت ٹوٹ گئی، جب عیسائیوں نے سمجھ لیا، کہ شہر کو بچانا ناممکن ہے، تو وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے،

مختصر یہ کہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو عیسائیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالہ کر دیا، اکیانوے سال کے بعد یہ خانہ خدا پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، مسلمانوں نے بیت المقدس پر قبضہ کے بعد عیسائیوں کے ساتھ جو فیاضانہ سلوک کیا ہے، اس کی داستانوں سے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ عیسائیوں کی تاریخیں بھی رنگی ہوئی ہیں، بیت المقدس کی فتح کے بعد صلاح الدین ایوبی کے کیسے کیسے زبردست معرکے عیسائیوں کے ساتھ ہوئے ہیں، اس کی تفصیل آگے چل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے حالات میں بیان کی جائے گی،

تاتاری عروج اور چنگیز خاں

اس موقعہ پر تاتاری عروج کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، کیونکہ چنگیز ہی وہ مرد اول ہے جس نے دور ناصر میں عروج حاصل کیا، اور پھر اس کے جانشینوں نے آگے چل کر عباسیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا، تاتاری سخت وحشی قوم تھی، اسے حرام و حلال کی کوئی تمیز نہیں تھی، مُردوں کا عام استعمال، اور انسانوں کا گوشت کھانا ان کا عام شعار تھا،

چنگیز خاں ایک تاتاری سردار کا بیٹا تھا، بڑا حوصلہ مند اور وحشی مزاج رکھتا تھا، باپ کے مرتے ہی اس نے دوسرے تمام سرداروں کو ختم کر کے بڑا اثر پیدا کر لیا، یہاں تک کہ چین تک اور ترکستان تک کے درمیانی علاقہ کو چھین کر مستقل بادشاہت قائم کر لی،

خوارزم شاہ نے کچھ تاتاری تاجروں اور سافروں کو قتل کر دیا، چنگیز سخت مشتعل ہو گیا، اور مسلمانوں کا دشمن ہو گیا، اور وسطی ایشیا کے تمام اسلامی علاقوں کو تباہ کر کے لاکھوں مسلمان قتل کر دیے،

چنگیز نے خوارزم شاہ کے خلاف زبردست یورش شروع کر دی، سمرقند، بخارا، اور ماوراء النہر میں گھس کر شہروں میں آگ لگا دی، عورتوں، بچوں اور جوانوں کو کاٹ کر رکھ دیا، خوارزم بھاگ کر جزیرہ میں چلا گیا، اور پھر وہیں ۶۱۷ھ میں فوت ہو گیا، تاتاری دور دور اسلامی علاقوں میں پھیل گئے،

ناصر الدین اللہ کی وفات

۶۲۲ھ میں ناصر نے وفات پائی، عمر ۷۰ سال کی ہو چکی تھی، لقوہ کی بیماری نے موت کا پیغام سنایا، ناصر نے ۴۷ سال حکومت کی، غالباً اتنا طویل زمانہ کسی عباسی خلیفہ کو نہیں ملا، ناصر کے خلاف خوارزم شاہ نے بڑے زور شور سے حملہ کیا، مگر تاتاریوں کے چنگل نے اسے مہلت نہیں دی، اور خود ہی ختم ہو گیا،

ناصر نے کعبہ کے سفید پردوں کو اتار کر سبز پردے چڑھائے، دولت کو بہت محبوب رکھتا تھا، چنانچہ رعایا پر بہت سے ٹیکس لگا دیے تھے، مگر بہت خوش اقبال اور کامیاب خلیفہ تھا،

اس بادشاہ کے عہد حکومت میں ان بعض حضرات نے رحلت فرمائی، شہاب الدین قتیل الله یہ بہت بڑے اور مشہور بزرگ ہوئے ہیں، اوحد الدین انوری یہ مشہور شاعر تھا، سلطان الشعراء خاں عجم خاقانی، حضرت نظام الدین گنجوی، اور

ابوالفرج ابن الجوزی محدث، ظہیر الدین فاریابی، حضرت امام فخر الدین رازی، حضرت نجم الدین کبریٰ، حافظ عبدالغنی المقدسی حسین جرجانی، عبدالرحیم سمعانی، فخر الدین عساکر اور قاضی ابوالفضل صاحب الانشاد،

ظاہر بامر اللہ بن ناصر لدین اللہ (۳۵)

اس خلیفہ کا نام محمد تھا، ظاہر بامر اللہ کے لقب سے اپنے باپ ناصر کے بعد ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) میں تخت نشین ہوا، عمر ۵۲ سال کی تھی، یہ خلیفہ نہایت نیک، امن پسند اور دیندار تھا، اس کی کوشش تھی، کہ ایک مرتبہ خلافت راشدہ کا دور پھر پیدا کر دیا جائے، باوجود اس کے کہ ملک میں بغاوتوں کا زور تھا، مگر وہ تلوار اٹھانا ناپسند نہیں کرتا تھا، کسی نے ظاہر سے پوچھا، کہ آپ ملکی فتوحات کی طرف توجہ نہیں کرتے؟ جواب دیا کھیت سوکھ چکا ہے، پھر سعی لاحاصل سے کیا فائدہ! مطلب یہ ہے، کہ حکومت دم توڑ رہی ہے، پھر کس لئے قتل و خونریزی کا بازار گرم کیا جائے،

رعایا سے ہمدردی

خلفائے سابق نے جو ٹیکس رعایا پر لگائے تھے، بہت سے منسوخ کر دیئے، اور بہت سے کم کر دیئے، وہ اپنی رعایا پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا، جائدادیں ان کے اصلی مالکوں کو واپس کر دیں،

ظاہر کے پاکیزہ خیالات

یہ خلیفہ بے حد فیاض اور سیر چشم تھا، چنانچہ عید الضحیٰ کی شب کو جب اس نے علماء اور صلحاء میں ایک لاکھ دینار تقسیم کئے، تو بعض ارکان حکومت نے اس سے کہا، کہ آپ اتنا خرچ کر رہے ہیں، کہ سابق خلفاء اس کے مقابلہ میں دسواں حصہ بھی خرچ نہیں کرتے تھے" اس نے جواب دیا، کہ میں نے شام کے وقت دکان کھولی ہے، مجھے اچھی طرح نیکیاں کر لینے دو، میری زندگی ہی کتنی باقی ہے" ابن جوزی کہتے ہیں، کہ ظاہر جب خزانہ میں داخل ہوا، تو خزانچی نے عرض کیا، کہ حضور آپ کے باپ کے زمانہ میں یہ بھرا رہتا تھا اس نے جواب دیا، کہ میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ میں ایسی کون سی تدبیر اختیار کروں، جس سے خزانہ بھرا رہے مجھے تو بس راہ خدا میں خرچ کرنا آتا ہے، میرے نزدیک تو خزانہ ہوتا ہی اس لئے ہے، کہ اسے خرچ کیا جائے جمع کرنا ہمارا کام نہیں ہے، بلکہ سوداگروں کا کام ہے" ناصر نے اپنے زمانہ میں ایک حوض بھر سونا بڑی مشکل سے جمع کیا تھا، ظاہر نے اسے چند مہینوں کے اندر رعایا اور غرباء میں تقسیم کر دیا،

تجارتی پابندیوں کی وجہ سے موصل وغیرہ میں عموماً غلہ بے حد گراں رہتا تھا ظاہر نے غلہ پر سے ہر قسم کی پابندی اور ٹیکس اٹھا دیا، جس کا اثر یہ ہوا، کہ غلہ ارزاں ہو گیا، غلہ کو اور زیادہ ارزاں کرنے کی غرض سے ظاہر نے سرکاری غلہ خانوں

کا غلہ بازار سے کم نرخ پر فروخت کرانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے غلہ کا نرخ اور بھی گر گیا، اور رعایا کو سستے داموں غلہ ملنے لگا،

ظاہر کی وفات ظاہر تخت نشینی کے نو مہینے بعد ۶۲۳ھ میں مختصری علالت کے بعد فوت ہو گیا، اس نے اس مختصری مدت میں وہ نیک کام کئے ہیں جو دوسرے خلفاء سالہا سال میں بھی نہیں کر سکے تھے،

ابو جعفر المستنصر باللہ بن ظاہر بامر اللہ (۳۶)

ابو جعفر اپنے باپ ظاہر کی وفات کے بعد ۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) میں مسند خلافت پر بیٹھا، نیکی اور فراخ دلی کے اعتبار سے اپنے والد کا صحیح جانشین تھا، عمر ۳۶ سال کی تھی، عدل و انصاف، حاجت روائی، دادرسی اور سخاوت کے اعتبار سے ابو جعفر کا دور ایک تمثیلی دور ہے، علم سے خاص انس تھا، عوام کی ضروریات اور دینی معاملات کو خوب تقویت پہنچائی، احیائے سنت کا بھی اس کو بہت خیال تھا،

عظیم الشان مدرسہ کا قیام مستنصر کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے، کہ اس نے بغداد میں ایک ایسا عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جس کی نظیر اس وقت روئے زمین پر موجود نہیں تھی، مستنصر نے ۶۲۵ھ میں اس مدرسہ کی بنیاد دجلہ کے کنارے رکھی تھی، سات سال کے اندر اس مدرسہ کی عظیم الشان عمارت تیار ہوئی تھی،

اس مدرسہ کی عمارت میں سینکڑوں کمرے تھے، کتب خانہ کے لئے ایک مستقل عمارت تھی، مدرسہ سے ملحق ایک شاندار مسجد تھی، مدرسہ سے متعلق شفاخانہ تھا، اور باورچی خانہ تھا جس سے کہ طلباء کو کھانا مفت ملتا تھا، کھانا نہایت اعلیٰ قسم کا ہوتا تھا جس میں مٹھائیاں، پھل اور میوے بھی ہوتے تھے، ٹھنڈے پانی کے لئے آبدار خانہ تھا، اس مدرسہ میں تعلیم پانے والے طلباء کو جن کی تعداد سینکڑوں تھی، کھانے کے علاوہ مکان، چارپائی، بستر، روشنائی، کاغذ اور کتابیں حکومت کی جانب سے مفت فراہم کی جاتی تھیں، اور جیب خرچ کے لئے ہر طالب کو ایک اشرفی ماہانہ مدرسہ کی جانب سے دی جاتی تھی، طلباء کے لئے حمام بھی تعمیر کئے گئے تھے،

اس مدرسہ میں چاروں عقاید کے طلباء کی تعلیم کا مکمل انتظام تھا، چار صدر مدرس تھے، جو شیخ الحدیث، شیخ النحو شیخ الفرائض اور شیخ الطب کے نام سے موسوم تھے، ان کے ماتحت لاتعداد چھوٹے مدرس تھے، اس مدرسہ کے کتبخانہ

کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، کہ اس کے لئے جو لاجواب اور منتخب کتابیں آئی تھیں، وہ ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لادی گئی تھیں، ابن واصل کا کہنا ہے، کہ "اس سے بہتر مدرسہ روئے زمین پر کبھی نہیں بنا"

وفات اور دیگر حالات ابو جعفر المستنصر کے عہد حکومت میں تاتاری بہت کافی طاقت حاصل کر چکے تھے، حتیٰ کہ عباسی حکومت کے گرد و پیش کے تمام ممالک ان کے قبضہ میں پہنچ چکے تھے، ابو جعفر بھی غافل نہیں تھا، کافی فوج تیار کر لی تھی، چنانچہ ایک لاکھ صرف سوار تھے جو ہمیشہ تیار رہتے تھے، تاتاریوں کی دست درازیاں برابر بڑھتی جا رہی تھیں، مگر عباسی حکومت پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ابھی تک خوف کھارہے تھے، مستنصر نے ۱۷ سال حکومت کی، اور ۵۱ سال کی عمر میں ۶۴۰ھ میں فوت ہوگیا، دراصل مستنصر کی موت خلافت عباسیہ کی موت تھی،

متوفی علماء ابن الاثیر صاحب التاریخ والانساب، اسد الغابہ، شیخ شہاب الدین سہروردی صاحب عوارف المعارف، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی،

افسوسناک واقعہ مستنصر کے عہد حکومت کا ایک افسوسناک واقعہ یہ ہے، کہ مرحوم سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھتیجے ملک الکامل نے اپنی کم عقلی اور کمزوری کی بنا پر ۶۲۶ھ میں عیسائیوں سے ایک معاہدہ کر کے ان کو بیت المقدس میں چند خاص حقوق دے دیئے تھے جن کی رو سے عیسائیوں کا بیت المقدس پر عارضی طور پر تسلط ہوگیا تھا، اور وہ آزادانہ بیت المقدس میں آنے جانے لگے تھے، کامل کی اس کمزوری کو دنیا ئے اسلام میں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا، اور یہ آگے چل کر واقعی انتہائی ضرر رساں ثابت ہوئی،

المستعصم باللہ ابن ابو جعفر مستنصر باللہ (۳۷)

خلفائے عباسیہ کا آخری خلیفہ ہے، اپنے باپ مستنصر کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا، نہایت نااہل اور عیاش طبع واقع ہوا تھا، جہالت کے ساتھ سوسائٹی بھی اچھی نہیں تھی، زندگی کے دو ہی مشغلے تھے "گانا اور عورتیں" البتہ اس کا چچا یعنی مستنصر کا بھائی بڑا بہادر اور حکومت کا اہل تھا، مگر وہ خلیفہ نہیں تھا، کبھی کبھی کہا کرتا تھا، کاش! میں خلیفہ ہوتا اور طاقت کا مالک ہوتا، تو تاتاریوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا،

علقمی مستعصم کو عشرت پسندی سے فرصت نہیں تھی، تمام اختیارات اپنے وزیر علقمی کو سپرد کر دیئے تھے، علقمی شیعہ تھا، اور عباسیوں سے اسے پرانا بغض و عناد تھا، وہ دل سے چاہتا تھا، کہ عباسی حکومت ختم ہو اور

علوی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا جاسکے،

علقمی نے اس مقصد کی کامیابی کے لئے درپردہ بڑی ناپاک کوششیں شروع کر دیں، چنانچہ اس نے ایک طرف تو تاتاریوں سے ساز باز شروع کر دی، دوسری طرف یہ کہہ کر کہ خزانہ میں روپیہ نہیں ہے، فوج میں کمی کرنا شروع کر دی، تیسری حرکت اس نے یہ کی، کہ شیعہ وسنی میں اختلاف پیدا کر کے خانہ جنگی شروع کرا دی،

یہ سب کچھ کرنے کے بعد اس نے ہلاکو خاں تاتاری کو حملہ کی دعوت دی، اور یہ پختہ وعدہ کرا لیا، کہ مستعصم کو ختم کر کے کسی علوی کو تخت خلافت پر بٹھا دیا جائے، اور نائب السلطنت کا عہدہ علقمی کو دیا جائے

علقمی کے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق ذی الحجہ سنہ ۶۵۵ھ ہلاکو کی ٹڈی دل فوج نے اچانک بغداد پر حملہ کر دیا، عباسیوں کے پاس بھلا فوج کہاں رکھی تھی، جو وہ ہلاکو کا مقابلہ کرتے، فوج کو تو علقمی پہلے ہی سے برخاست کر چکا تھا، لیکن پھر بھی جو تھوڑی بہت فوج تھی، اس نے بڑی پامردی کے ساتھ تاتاری لشکر کا مقابلہ کیا، مٹھی بھر فوج کہاں تک تاتاریوں کے لشکر جرار کا مقابلہ کر سکتی تھی، عباسیوں کو شکست ہو گئی، اور تاتاریوں نے پورے بغداد کو اپنے قبضہ میں لے لیا،

آخری عباسی خلیفہ کا بے دردانہ قتل

غدار علقمی نے اس کے بعد ایک اور خطرناک چال چلی، اس نے خلیفہ، علماء اور فقہاء کو صلح کا یقین دلا کر ان سب کو ہلاکو کے کیمپ میں چلنے کے لئے آمادہ کر لیا، چنانچہ خلیفہ مستعصم اور اس کے ساتھ بغداد کے تمام علماء اور فقہاء و معززین ہلاکو سے صلح کے شرائط طے کرنے کے لئے اس کے کیمپ میں جا پہنچے، ہلاکو تو ان کا منتظر ہی تھا، اس نے چن چن کر سب کو تہ تیغ کر دیا، مستعصم کو ڈنڈوں سے پیٹ پیٹ کر ختم کر دیا، اور اس کی لاش کو گھوڑوں کے پیروں تلے مسلوا کر پارہ پارہ کر دیا گیا، گویا کہ خلیفہ کو گور و کفن تک میسر نہیں ہوا، الغرض کہ اس آخری عباسی خلیفہ کے بعد محرم سنہ ۶۵۶ھ میں عباسی خلافت ختم ہو گئی،

بغداد میں قتل عام اور عراق پر قبضہ

خلیفہ کو ختم کرنے کے بعد تاتاری بھوکے بھیڑیوں کی طرح بغداد میں گھس پڑے، اور مسلسل چالیس روز تک شہر کو لوٹتے رہے، اور قتل عام برپا کرتے رہے، نہ انہوں نے عورتوں کو بخشا، نہ بچوں کو، نہ بیماروں پر ان کو ترس آیا، اور نہ بوڑھوں پر، بغداد کے گلی کوچوں میں خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا، اور ہر طرف لاشوں کے انبار کے علاوہ کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا، اندازہ لگایا جاتا ہے، کہ تاتاریوں کے ہاتھوں صرف بغداد میں تقریباً سولہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے، ہزاروں عورتوں نے اپنی آبرو بچانے کے لئے کنوؤں میں اور دریائے دجلہ میں ڈوب کر اپنی جانیں دے دیں،

تاتاریوں کو بغداد کی لوٹ سے اتنا سامان ملا تھا، کہ جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، یعنی بغداد کی تباہی و بربادی نے ان کو مالا مال کر دیا تھا، بغداد کے بعد تاتاری پورے عراق پر قابض ہو گئے، اور خلافت عباسیہ

جس کی بنیاد ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) میں ابو العباس سفاح نے رکھی تھی، سوا پانچ سو سال چل کر مستعصم کے قتل کے بعد ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں ختم ہوگئی، بدھ کا دن اور صفر کی ۱۴ تاریخ تھی،

علقمی کی موت ہلاکو نے بغداد اور عراق کی فتح کے بعد جب اپنے عمال مقرر کرنے شروع کئے، تو غدار وزیر علقمی کو قطعی نظر انداز کر دیا، علقمی نے تاتاریوں کو ان کے وعدے یاد کرا کر کسی علوی کو تخت خلافت پر بٹھانے کے لئے ہر چند آمادہ کرنا چاہا، لیکن تاتاریوں نے کوئی توجہ نہیں کی، جب علقمی نے ہلاکو پر زیادہ زور دیا، تو اس نے علقمی کو کتے کی طرح دھتکار دیا، علقمی کو سخت مایوسی ہوئی، اور کچھ عرصہ ذلت و رسوائی کی زندگی گذارنے کے بعد مر گیا

علامات خلافت

چادر مبارک حضور اکرم کی چادر مبارک ہے، کعب بن زہیر سے بنی امیہ کے پاس آئی، اور پھر خلفائے عباسیہ کے پاس آگئی، کچھ عرصہ تاتاریوں کے قبضہ میں رہی، اس وقت یہ چادر استنبول کی سرائے قدیمہ کے اندر تبرکات نبوی میں موجود ہے،

انگوٹھی یا مہر یہ مہر زمانہ تبلیغ میں حضور نے بنوائی تھی، حضرت عثمان غنی کے پاس آئی تو گم ہوگئی، اس کے بعد انہوں نے دوسری بنوائی، پھر ہر خلیفہ اپنی انگوٹھی بنواتا رہا، سب کی انگوٹھی پر کوئی نصیحت آمیز جملہ لکھا ہوتا تھا، چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی مہر پر لکھا تھا، فعم القادر، حضرت عمرؓ کی مہر پر لکھا تھا کفی بالموت واعظاً یا عمر، حضرت عثمان غنی نے لکھا تھا، لتصبرن او لتندمن، حضرت علی کے یہاں تھا الملک للہ، خلفائے بنی امیہ اور عباسیہ بھی یہی کرتے رہے، اور کوئی اچھا اخلاقی جملہ تحریر کرتے،

عصائے مبارک خلافت کی تیسری علامت عصا ہے، جب کوئی نیا خلیفہ تخت خلافت پر متمکن ہوتا تھا تو چادر، انگوٹھی اور عصا اس کے سامنے پیش کیا جاتا، بنی امیہ اور بنی عباس کے عہد میں ہمیشہ یہی دستور رہا،

خلافتِ عباسیہ کی ترقی کے زمانہ میں اسلامی اقالیم

شمار	صوبہ	شمار	صوبہ	شمار	صوبہ	شمار	صوبہ
۱	سواد	۱۲	ہمدان	۲۳	طبرستان	۳۴	طریق فرات
۲	اہواز	۱۳	ماسیدان	۲۴	تکریب	۳۵	قنسرین
۳	فارس	۱۴	سرخان	۲۵	شہرزور	۳۶	حمص
۴	کرمان	۱۵	ایغارین	۲۶	صامغان	۳۷	دمشق
۵	مکران	۱۶	قم او کاذین	۲۷	موصل	۳۸	اردان
۶	اصفہان	۱۷	آذربائیجان	۲۸	دیار ربیعہ	۳۹	فلسطین
۷	سجستان	۱۸	رے	۲۹	ارزن	۴۰	مصر
۸	خراسان	۱۹	قزوین	۳۰	طرون	۴۱	حرمین
۹	حلوان	۲۰	زنجان	۳۱	آرمینیہ	۴۲	یمن
۱۰	کوفہ	۲۱	قومس	۳۲	آمد	۴۳	یمامہ، بحرین
۱۱	بصرہ	۲۲	جرجان	۳۳	دیار مصر	۴۴	عمان

یہ صوبے اندلس کی سلطنت کے علاوہ ہیں،

اقالیمِ اسلامی کی مردم شماری

ایران	۹۰۰۰۰۰۰	آرمینیہ	۳۵۰۰۰۰۰۰	طرابلس الغرب	۱۰۰۰۰۰۰
افغانستان	۴۰۰۰۰۰۰	عراق	۲۵۰۰۰۰۰۰	فرایدعرب	۴۴۲۹۰۰۰
بلوچستان	۵۰۰۰۰۰	شام	۲۷ ۱۱۰۰۰	تونس	۱۵۰۰۰۰۰
سندھ	۳۰۰۰۰۰۰	جزیرہ عرب	۵۰۰۰۰۰۰	مراکش	۹۰۰۰۰۰۰
ترکستان	۴۰۰۰۰۰۰	مصر	۱۰۰۰۰۰۰۰	اسپانیہ	۱۷۰۰۰۰۰۰
ٹوٹا سیاہ	۵۰۰۰۰۰	نوبیہ سودان	۱۰۰۰۰۰۰	قبرص	۲۰۹۰۰۰

مصر میں خلفائے عباسیہ کا دوسرا دور

بغداد میں تاتاریوں کے ہاتھوں خلافت کی بربادی اور آخری عباسی خلیفہ کے قتل کے بعد ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کی حکومت ختم ہو گئی تھی، لیکن اس حادثہ کے تین ہی سال بعد ایک عباسی شہزادے "ابو القاسم مستنصر باللہ" نے ۶۵۹ھ میں مصر میں نئے سرے سے خلافت قائم کر لی، جو تاریخ میں "خلافت عباسیہ مصر" کے نام سے مشہور ہوئی،

یہ خلافت گو مصر میں ڈھائی سو برس سے بھی زیادہ قائم رہی، لیکن اس کے خلفاء برائے نام خلفاء تھے، اصل حکومت مصر کے ان غلام سلاطین کے ہاتھ میں تھی، جو دولت ایوبیہ کے خاتمہ کے بعد سے مصر پر حکمران تھے،

خلفائے عباسیہ کو چونکہ دنیائے اسلام میں صدیوں سے بہت بڑی دینی عظمت حاصل تھی، اس لئے ان کی سابقہ عظمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں مصر کے تخت پر سلاطین مصر نے محض نام کے لئے بٹھا دیا تھا، ورنہ جہاں تک حکومت کا تعلق تھا، وہ کلیتہً سلاطین مصر ہی کے ہاتھوں میں تھی، خلیفہ حکومت کے کاموں میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتا تھا،

مصر کے وہ سلاطین جنہوں نے کہ ذاتی اغراض کے لئے خلیفہ کو کٹ پتلی بنا کر مصر میں تخت نشین کیا تھا، خاندان ایوبیہ کے وہی مملوک یعنی غلام تھے، جنہوں نے "دولت ایوبیہ" کے خاتمہ کے بعد ۶۵۲ھ میں "دولت مملوکیہ" کے نام سے اپنی خود مختار حکومت قائم کی تھی،

اسی دولت مملوکیہ کے چوتھے سلطان ملک ظاہر بیبرس کے زمانہ میں جب مرحوم خلیفہ بغداد ظاہر بامر اللہ عباسی کا لڑکا ابو القاسم مستنصر تاتاریوں کی قید سے رہا ہو کر مصر پہنچا، تو سلطان ملک ظاہر بیبرس نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور اسے برائے نام اپنا دینی آقا یا خلیفہ بنا لیا، تاکہ اس کے پردہ میں وہ بے فکری کے ساتھ حکومت کر سکے،

عباسی شہزادہ کو خلیفہ بنانے کے بعد سلطان ظاہر بیبرس کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا، کہ ایوبی غلاموں کی متزلزل حکومت خوب مستحکم ہو گئی، اور مملوکوں کی وہی مصری حکومت جسے اس سے قبل دنیائے اسلام میں کوئی وقعت حاصل نہ تھی، اس زمانہ کی سب سے بڑی دینی سلطنت شمار ہونے لگی، اور مصر کے وہ سلاطین جن کو کہ غلام سمجھا جاتا تھا، نائب خلیفہ کی حیثیت سے بڑی عزت سے دیکھے جانے لگے

مصر میں اس طرح خلافت عباسیہ کے احیاء کے بعد وہاں ایک ہی وقت میں دو بادشاہ ہونے لگے جن میں خلیفہ تو دینی بادشاہ ہوتا تھا، اسے دنیاوی حکومت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا اور سلطان دنیاوی بادشاہ ہوتا تھا، جو دنیاوی سلطنت کے سیاہ سفید کا مالک ہوتا تھا، خطبہ میں نام دونوں کا ہوتا تھا، جب کوئی خلیفہ فوت ہو جاتا تھا تو

اس کے بیٹے یا قریبی عزیز کو مسند خلافت پر بٹھا دیا جاتا، اور جب کوئی سلطان مر جاتا تھا، یا معزول ہو جاتا تھا، تو اس کا بیٹا یا قریبی رشتہ دار خلیفہ کی دینی برکت حاصل کرنے کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھ جاتا تھا، یعنی اس سلطنت میں ایک ہی وقت میں خلیفہ بھی ہوتا تھا اور سلطان بھی، مصر کے سلاطین کا تذکرہ چونکہ مختصر الفاظ میں اس سے قبل کے اوراق میں ہو چکا ہے، اس لئے یہاں ہم محض ان برائے نام خلفاء کا تذکرہ کریں گے، جو سلاطین مصر کے دور حکومت میں مسند خلافت پر متمکن ہوتے رہے ہیں،

خلیفہ مستنصر باللہ عباسی

خلیفہ مستنصر باللہ خلافت عباسیہ مصر کا پہلا خلیفہ ہے جس کو مصر کے سلطان ملک ظاہر بیبرس نے اپنا دینی آقا بنا کر ۶۵۹ھ (۱۲۶۲ء) میں مسند خلافت پر بٹھایا، اس کے ہاتھ پر سلطان نے اور تمام امرائے سلطنت نے بیعت کی، اور مصر میں اپنے نام کے ساتھ اس کے نام کا بھی خطبہ اور سکہ جاری کیا، اور تمام دنیائے اسلام میں خلافت کے احیاء کا اعلان کر دیا،

جدید خلیفہ نے سلطان ظاہر بیبرس کی ان عنایات کے جواب میں دربار عام میں اسے اپنے ہاتھ سے سیاہ عباسی خلعت، عمامہ اور طوق زریں پہنایا، اور اپنی جانب سے سلطان کو مصر کی حکومت کی سند عطا کی، اور اسے نیابت کا اعزاز عطا کر کے عالم اسلام سے متعلق خلافت کی ذمہ داریوں کا مختار مطلق بنا دیا،

سلطان ظاہر بیبرس نے خلیفہ کے شایان شان اس کے لئے نہایت ہی شاندار محل اور تمام لوازمات شاہی کا انتظام کر کے پھر ایک بار مصر میں خلافت بغداد کی شان و شکوہ پیدا کر دی،

عباسیوں کے دلوں میں تاتاریوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، لہٰذا خلیفہ مستنصر نے اقتدار حاصل ہونے کے ساتھ ہی بغداد کو تاتاریوں کے قبضہ سے نکالنے کا سلطان سے ارادہ ظاہر کیا، تو سلطان نے تاتاریوں سے جنگ کے لئے خلیفہ کے لئے فوراً ہی ایک لشکر عظیم کا انتظام کر دیا، خود دمشق تک خلیفہ کے ہمرکاب رہا، سلطان تو دمشق سے مصر واپس آگیا، اور خلیفہ تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے آگے روانہ ہو گیا، خلیفہ نے موصل جزیرہ اور سنجار کے فرمانرواؤں کی مدد سے حدیثہ اور ہیت پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد جب وہ بغداد کی جانب بڑھا تو راستہ ہی میں تاتاریوں کے بے پناہ لشکر نے اسے گھیر لیا، تاتاریوں کے مقابلہ میں مصری فوج کو شکست ہو گئی، اور خلیفہ مستنصر ایسا لاپتہ ہوا، کہ کوئی سراغ ہی نہ مل سکا، عام خیال یہ ہے، کہ اس ہنگامہ میں خلیفہ شہید ہو گیا، یہ واقعہ ۶۶۰ھ میں پیش آیا تھا، اس خلیفہ نے کل چھ ماہ خلافت کی،

حاکم بامر اللہ عباسی

خلیفہ مستنصر کے چونکہ اولاد نہیں تھی، اس لئے سلطان ظاہر بیبرس کو خلیفہ کے گم ہونے کے بعد نئے خلیفہ کی جستجو ہوئی، اتفاق سے عباسی خاندان کا ایک شاہزادہ ابو العباس جو مسترشد باللہ عباسی کی اولاد میں سے تھا، شام چلا آیا تھا، اور رحبہ میں مقیم تھا، سلطان بیبرس اسے بڑے تزک و

احتشام کے ساتھ شام سے مصر لے گیا، ۶۶۱ھ (۱۲۶۳ء) میں اسے حاکم بامر اللہ کے لقب کے ساتھ مسند خلافت پر بٹھایا، اور اس کے ہاتھ پر پہلے خود بیعت کی، اس کے بعد امرائے سلطنت سے بیعت لی،

حاکم نے بھی مسند خلافت سنبھالنے کے بعد تاتاریوں سے جنگ شروع کر دی، اس نے تاتاریوں کے قبضہ سے عانہ، حدیثہ، ہیت، انبار اور دوسرے علاقے فتح کر کے، ان کو بری طرح شکست دی، اس شکست کے بعد بہت سے تاتاری مسلمان ہو کر امان کے طالب ہوئے جنہیں امان دے دی گئی،

حاکم ایک حوصلہ مند خلیفہ تھا، اسے یہ بات ناپسند تھی، کہ سلطان بیبرس خلفاء کو کٹ پتلی بنا کر نچاتا رہے، چنانچہ ایک ہی سال کے بعد خلیفہ حاکم اور سلطان بیبرس میں ناچاقی ہو گئی، سلطان نے ۶۶۳ھ میں خلیفہ کو نظر بند کر دیا، اور وہ کامل ۲۷ برس تک نظر بند رہا، لیکن سلطان صلاح الدین خلیل نے اپنے زمانہ میں اسے آزاد کر دیا تھا، مگر جب سلطان ملک العادل تخت نشین ہوا، تو اس نے پھر تمام پابندیاں اٹھا لیں، یہ خلیفہ چالیس سال کی خلافت کے بعد ۷۰۱ھ میں فوت ہو گیا اس کی زندگی کا بیشتر حصہ نظر بندی میں گذرا ہے،

خلیفہ حاکم کے عہد خلافت میں ۹ سلاطین مصر کے تخت پر بیٹھے (۱) ملک ظاہر بیبرس (۲) ملک سعید ناصر الدین (۳) ملک عادل سلامش بن بیبرس (۴) ملک منصور (۵) صلاح الدین خلیل (۶) ملک الظاہر (۷) ملک ناصر قلاؤن (۸) ملک حسام الدین لاجین (۹) ملک ناصر قلاؤن بار دوم

اس خلیفہ کے عہد میں مولانا جلال الدین رومی، خواجہ نصیر الدین طوسی، شیخ فخر الدین عراقی، اور شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے انتقال فرمایا،

مستکفی باللہ بن حاکم

خلیفہ حاکم کے بعد سلطان ناصر نے اس کے بیٹے ابو الربیع سلیمان کو ۷۰۱ھ (۱۳۰۱ء) میں مستکفی باللہ کے لقب کے ساتھ مسند خلافت پر متمکن کیا،

مستکفی کے عہد خلافت میں جب ۷۰۲ھ میں تاتاریوں نے شام میں ہنگامہ برپا کیا، تو ان کی سرکوبی کے لئے مصر سے فوجیں روانہ کی گئیں، تاتاریوں کو شکست ہوئی، اور بے شمار تاتاری مارے گئے

مستکفی کے تعلقات بھی سلاطین سے بہت کم خوشگوار رہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ اس کو بھی نظر بندی کی تکلیف برداشت کرنا پڑی، یہ اڑتالیس سال خلیفہ رہنے کے بعد ۷۴۰ھ میں فوت ہو گیا،

اس خلیفہ کے عہد میں تین سلاطین تخت نشین ہوئے (۱) سلطان ناصر محمد بن قلاؤن (۲) بیبرس جاشنگیر (۳) ناصر محمد بن قلاؤن بار سوم

واثق باللہ بن محمد

مستکفی نے زندگی ہی میں اپنے لڑکے احمد کو ولی عہد بنا دیا تھا، لیکن سلطان ناصر چونکہ اس سے کبیدہ خاطر تھا، اس لئے اس نے احمد کی بجائے خلیفہ حاکم کے نا اہل پوتے ابراہیم بن

محمد بن حاکم کو ۷۴۰ھ (۱۳۲۹ء) میں واثق باللہ کے لقب کے ساتھ خلیفہ بنا دیا،

سلطان ناصر واثق کو مسند نشین کرنے کے چند ہی ماہ بعد مر گیا، ناصر کے بعد جب اس کا بیٹا منصور ابوبکر سلطان ہوا، تو اس نے واثق کو معزول کر کے مستکفی کے بیٹے احمد کو مسند خلافت پر بٹھا دیا، واثق کل چھ مہینے خلیفہ رہا،

حاکم بامراللہ ثانی بن مستکفی

سلطان منصور ابوبکر نے واثق کو معزول کرنے کے بعد مستکفی کے بیٹے احمد کو ۷۴۱ھ (۱۳۲۹ء) میں حاکم بامراللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسند خلافت پر متمکن کیا،

حاکم ثانی مدبر اور سمجھدار تھا، اس نے بڑی ہوشمندی کے ساتھ اپنا زمانہ گذارا، سلاطین اس کی مٹھی میں رہے، اس نے سلاطین کے ساتھ اپنے تعلقات کو کبھی بگڑنے نہیں دیا اور نہ ان سے دب کر رہا، یہ بارہ برس حکومت کرنے کے بعد ۷۵۳ھ میں فوت ہو گیا،

اس کے عہد خلافت میں یہ سلاطین تخت نشین ہوئے، (۱) منصور ابوبکر (۲) علاءالدین کجک بن محمد (۳) ناصر شہاب الدین احمد (۴) ملک الصالح اسمٰعیل (۵) کامل زین الدین شعبان (۶) مظفر زین الدین (۷) ناصر حسن بن محمد،

معتضد باللہ اول بن مستکفی

حاکم بامراللہ ثانی کے بعد اس کے بھائی ابوبکر کو معتضد باللہ کے لقب کے ساتھ ۷۵۳ھ (۱۳۵۲ء) میں مسند خلافت پر بٹھا دیا گیا۔

اس خلیفہ کے زمانہ میں خلافت کا وقار ختم ہو گیا، اس کے اخراجات کے پورا کرنے کے لئے سلاطین نے سیدہ نفیسہ کے مزار کی تولیت اس خلیفہ سے متعلق کر دی گئی، یعنی اس مزار پر جو رقوم چڑھائی جاتی تھیں، ان سے خلیفہ کا گذارہ ہوتا تھا، یہ خلیفہ دس سال کی خلافت کے بعد ۷۶۳ھ میں انتقال کر گیا، یہ خلیفہ نیک، صالح اور بڑا علم دوست تھا،

اس کے زمانہ میں یہ سلاطین تخت نشین ہوئے (۱) ناصر حسن بن محمد (۲) صالح صلاح الدین بن محمد (۳) ناصر حسن بن محمد بار دوم،

متوکل علی اللہ بن معتضد

معتضد کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ ۷۶۳ھ (۱۳۶۲ء) میں متوکل علی اللہ کے لقب کے ساتھ مسند خلافت پر بیٹھا،

متوکل بڑا حوصلہ مند شخص تھا، اسے یہ گوارہ نہ تھا، کہ سلاطین اسے کٹ پتلی بنا کر اپنا مقصد حاصل کرتے رہیں، اس کی اس آزادروی نے سلاطین کو اس کا مخالف بنا دیا، چنانچہ سلطان منصور علی بن شعبان کے زمانہ میں اسے معزول بھی کر دیا گیا تھا، لیکن پندرہ روز کے بعد ہی پھر اسے عہدہ پر بحال کرنا پڑا، وہ مردانہ وار سلاطین کا مقابلہ کرتا رہا، آخر بائیس سال کی خلافت کے بعد ۷۸۵ھ میں سلطان برقوق نے اس کو معزول کر کے قید کر دیا، متوکل کی معزولی سے امرائے سلطنت میں برقوق کے خلاف سخت ناگواری پیدا ہو گئی تھی،

اس خلیفہ کے زمانہ میں یہ سلاطین تخت نشین ہوئے ہیں (۱) منصور محمد بن حاجی (۲) اشرف شعبان بن حسن (۳)

منصور علی بن شعبان (۴) صالح حاجی بن شعبان (۵) ملک الظاہر برقوق۔

واثق باللہ ثانی معتصم

سلطان برقوق نے متوکل کو معزول کرنے کے بعد ۷۸۵ھ (۱۳۸۳ء) میں عمر بن معتصم کو واثق باللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسند خلافت پر متمکن کیا۔

یہ خلیفہ چونکہ سلطان برقوق کے اشاروں پر چلتا رہا، اس لئے سلطان کو اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی، تین سال کی برائے نام خلافت کے بعد یہ ۷۸۸ھ میں فوت ہو گیا۔

مستعصم بن معتصم

واثق کے بعد سلطان برقوق نے واثق کے بھائی زکریا بن معتصم کو ۷۸۸ھ (۱۳۸۶ء) میں مستعصم کے ساتھ تخت پر بٹھایا۔

سلطان برقوق متوکل کی معزولی کے بعد اگرچہ دو خلفاء کو تخت نشین کر چکا تھا، مگر امرائے سلطنت اور عوام چونکہ متوکل کو پسند کرتے تھے، اس لئے وہ برابر ناراض رہے، مستعصم کے زمانہ میں اس ناگواری نے باقاعدہ شورش کی صورت اختیار کر لی، سلطان برقوق نے جب دیکھا، کہ متوکل کی وجہ سے اس کی سلطانی خطرہ میں پڑ گئی ہے، تو اس نے ۷۹۱ھ میں مستعصم کو معزول کر دیا، اور متوکل کو قید سے نکال کر دوبارہ مسند خلافت پر بٹھا دیا۔

متوکل دوسری بار

سلطان برقوق نے امرائے سلطنت اور عوام کی شورش سے دب کر ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں مستعصم کو معزول کرنے کے بعد متوکل کو دوبارہ خلیفہ بنا دیا۔

متوکل چونکہ ہر دلعزیز خلیفہ تھا، اس لئے اس نے بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ زندگی گذاری، یہ سلاطین سے کسی زمانہ میں بھی دبا نہیں، اس کا ۸۰۸ھ میں انتقال ہو گیا۔

اس کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے (۱) سلطان برقوق (۲) ملک ناصر بن برقوق۔

مستعین باللہ بن متوکل

متوکل کے بعد اس کے بیٹے عباس کو ۸۰۸ھ (۱۴۰۵ء) میں مستعین باللہ کے لقب کے ساتھ مسند نشین کیا گیا۔

مستعین کے زمانہ میں ملک ناصر بن برقوق مصر کا سلطان تھا، ۸۱۵ھ میں شام کے ایک امیر شیخ محمودی نے سلطان ناصر کے خلاف بغاوت برپا کر دی، سلطان کو اس کے مقابلہ میں شکست ہو گئی، اور شیخ محمودی مصری پوری سلطنت پر حاوی ہو گیا، اور اس نے مصر کے علماء کے سامنے سلطان ناصر کے خلاف الحاد اور زندقہ کا ثبوت پیش کر کے قتل کا فتویٰ حاصل کر لیا، اور خلیفہ مستعین کی خدمت میں مصر کا تخت و تاج پیش کر کے اسے مصر کا بااختیار بادشاہ بنا دیا۔

سلطان ناصر کو معزول کرنے سے شیخ محمودی کا منشا یہ تھا، کہ وہ پہلے تو اس سے سلطان کا عہدہ چھینے، اس کے خلیفہ کی مدد سے خود سلطان بن جائے، چنانچہ سلطان ناصر کی معزولی کے بعد ہی سے شیخ محمودی نے خلیفہ

زور ملک الناصر پر صرف کر دیا تھا، کہ وہ اسے مصر کے سلطان کی سند عنایت کرے، جب خلیفہ اس کے لئے تیار نہ ہوا، تو اس نے پہلے تو خلیفہ کو نظر بند کر دیا، اس کے ۸۱۶ھ میں اسے بھی علماء کا فتویٰ حاصل کر کے معزول کر دیا، اور سکندریہ بھیج دیا، یہ خلیفہ جب تک زندہ رہا اسکندریہ ہی میں رہا، ۸۳۳ھ میں خلیفہ مستعین کا اسکندریہ میں انتقال ہو گیا،

معتضد باللہ ثانی بن متوکل

مستعین کو معزول کرنے کے بعد شیخ محمودی نے ۸۱۶ھ (۱۴۱۳ء) میں اس کے بھائی داؤد بن متوکل کو معتضد باللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسند خلافت پر متمکن کر دیا، مستعین سے تو شیخ محمودی سند حاصل نہیں کر سکا تھا، لیکن معتضد نے اسے باقاعدہ سند حکومت دے کر مصر کا با اختیار سلطان بنا دیا، یہی محمودی کا منشا بھی تھا، یہ خلیفہ اٹھائیس برس حکومت کرنے کے بعد ۸۴۵ھ میں فوت ہو گیا،

خلیفہ معتضد کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے ہیں (۱) شیخ محمودی (۲) مظفر احمد بن شیخ (۳) ملک الظاہر ططر (۴) صالح محمد بن ططر (۵) ملک اشرف برس بائی (۶) عزیز یوسف بن برس بائی (۷) ملک الظاہر جقمق،

مستعین باللہ ثانی بن معتضد

معتضد کے بعد اس کا بیٹا سلیمان ۸۴۵ھ (۱۴۴۱ء) میں مستعین باللہ ثانی کے لقب کے ساتھ مسند خلافت پر بیٹھا،

مستعین ثانی بڑا عابد و زاہد خلیفہ ہوا ہے، اس نے زندگی بڑی عزت اور وقار کے ساتھ گذاری ہے، سلطان ملک الظاہر جقمق کو اس سے غیر معمولی عقیدت تھی، جب تک یہ خلیفہ زندہ رہا، سلطان اس کا ماتحت بن کر رہا ہے، یہ نیک دل خلیفہ نو سال خلافت کرنے کے بعد ۸۵۴ھ میں فوت ہو گیا،

قائم بامر اللہ بن معتضد

مستعین ثانی کی وفات کے بعد سلطان جقمق نے ۸۵۴ھ (۱۴۵۰ء) میں اس کے بھائی حمزہ بن معتضد کو قائم بامر اللہ کے لقب کے ساتھ مسند نشین کر دیا،

قائم خوددار اور حوصلہ مند خلیفہ تھا، سلطان جقمق کیونکہ خلفاء کا احترام کرتا تھا، اس لئے اس سلطان اور اس کے بیٹے کے زمانہ میں تو قائم نے بڑی عزت اور وقار کے ساتھ زندگی گذاری، لیکن ملک الاشرف کے سلطان ہونے کے بعد خلیفہ کے لئے پریشانیاں کھڑی ہو گئیں، جس کی وجہ یہ ہے، کہ فوج نے جب ملک اشرف کے خلاف بغاوت کی، تو خلیفہ قائم نے باغیوں کا ساتھ دیا، باغیوں کو شکست ہو گئی، اور ملک الاشرف خلیفہ کا دشمن ہو گیا، اور اسے ۸۵۹ھ میں معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا، اس خلیفہ نے ۸۶۳ھ میں وہیں وفات پائی،

قائم بامر اللہ کے دور خلافت میں یہ سلاطین ہوئے ہیں (۱) سلطان ملک الظاہر جقمق (۲) منصور عثمان بن جقمق (۳) ملک الاشرف اینال،

مستنجد باللہ بن معتضد

سلطان ملک الاشرف نے قائم کو معزول کرنے کے بعد ۸۵۹ھ (۱۴۵۵ء) میں اس کے بھائی یوسف بن معتضد کو مستنجد باللہ کا لقب دینے کے بعد مسند خلافت پر بٹھایا،

مستنجد مزاج کا نرم اور صلح جو خلیفہ تھا۔ اس لئے سلاطین اس سے خوش رہے، اور اس نے اپنی پوری زندگی بڑے اطمینان اور سکون کے ساتھ گذاری ہے، یہ خلیفہ پچیس سال خلافت کرنے کے بعد ۸۸۴ھ میں فوت ہوگیا،

اس کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے ہیں، (۱) سلطان ملک الاشرف اینال (۲) احمد بن اشرف اینال (۳) ملک الظاہر خوش قدم (۴) ملک الظاہر بلبائی، (۵) ملک الظاہر تمربغا (۶) ملک الاشرف قائت بائی،

متوکل علی اللہ ثانی بن یعقوب

مستنجد کے بعد اس کا بھتیجہ عبد العزیز بن یعقوب ۸۸۴ھ (۱۴۷۹ء) میں متوکل علی اللہ ثانی کے لقب سے تخت خلافت پر بیٹھا، متوکل نہایت ہمدرد، عزیز، خوش اخلاق اور علم دوست خلیفہ ہوا ہے، امام سیوطی اسی کے زمانہ میں تھے۔ امام نے کئی کتابیں خلیفہ کے لئے لکھی تھیں، متوکل بڑا غیور اور خود دار خلیفہ تھا، زمانہ دراز سے خلفاء سیدہ نفیسہ کے مزار کی آمدنی کو اپنا جائز حق سمجھتے تھے، اس نے اس مزار کی پوری آمدنی مفاد عامہ کے کاموں کے لئے وقف کردی، یہ خلیفہ نو سال کی خلافت کے بعد ۹۰۳ھ میں انتقال کر گیا،

اس خلیفہ کے زمانہ میں یہ سلاطین ہوئے ہیں (۱) ملک الاشرف قائت بائی (۲) ناصر محمد بن قائت بائی (۳) ملک الاشرف قانصوہ

مستمسک باللہ بن متوکل ثانی

متوکل ثانی کے بعد اس کے بیٹے یعقوب کو مستمسک باللہ کے لقب کے ساتھ سنہ ۹۰۳ھ (۱۴۹۷ء) میں مسند خلافت پر بٹھایا گیا،

یہ خلیفہ چونکہ بے حد صلح جو تھا اس لئے سلاطین کے اشاروں پر چلتا رہا، اور ان کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا رہا، سترہ سال کی برائے نام خلافت کے بعد مستمسک سنہ ۹۲۰ھ میں فوت ہوگیا، اس کے عہد میں یہ سلاطین ہوئے ہیں (۱) ناصر محمد بن قائت بائی بار دوم (۲) ملک ظاہر قانصوہ اشرفی (۳) ملک الاشرف جان بلاط (۴) ملک العادل طومان بائی (۵) ملک قانصوہ غوری،

متوکل علی اللہ ثالث

مستمسک کے انتقال کے بعد سنہ ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں متوکل علی اللہ ثالث کو مسند خلافت پر بٹھایا گیا، یہ مصر کا آخری عباسی خلیفہ تھا،

اس کی خلافت کا چوتھا سال تھا، کہ سنہ ۹۲۳ھ میں سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر قبضہ کر کے مصر کے برائے نام خلفاء اور خاندان ایوبی کے غلام سلاطین کی حکومت مصر سے ختم کردی،

سلطان سلیم کے مصر پر قبضہ کے بعد متوکل حق خلافت سے دست بردار ہوگیا، اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات یعنی علم، تلوار اور ردائے مبارک جن کو نشان خلافت سمجھا جاتا تھا، اور حرمین شریفین کی کنجیاں سلطان سلیم عثمانی کے حوالہ کردیں، علاوہ اس طرح خلافت بنی عباس کے خاندان سے نکل کر عثمانی ترکوں میں چلی گئی، اور اس کے بعد زمانہ دراز تک ترکوں کو خلیفہ اسلام سمجھا جاتا رہا،

حصّہ نہم

یورپ میں خود مختار اسلامی حکومتیں

سنہ ۷۵۶ء سے سنہ ۱۴۹۲ء تک

خود مختار اسلامی حکومتوں کے قیام کی وجہ!

خلافت اسلامیہ مختلف خود مختار اسلامی حکومتوں میں کیوں بٹ گئی؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے، کہ خلافت اسلامیہ کے تحت جو فتوحات ہوئیں ان کا رقبہ اتنا وسیع تھا، کہ مرکز کے لئے دور دراز مقامات کا انتظام کرنا مشکل ہو گیا تھا دوسری وجہ یہ بھی تھی، کہ بنی امیہ اور بنی عباس اور دوسرے مسلمانوں میں آپس میں کچھ ایسی خانہ جنگیاں چھڑ گئیں، کہ جس سے کچھ لوگوں کو یہ موقعہ مل گیا، کہ وہ جس علاقہ پر حکومت کر رہے تھے، اور حاکمانہ حیثیت کے مالک تھے، وہیں خود مختار بن گئے اس طرح مختلف اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کا قیام عمل میں آ گیا،

مگر اس کے باوجود مسلمانوں نے جہاں بھی حکومت کی اس قدر شاندار طریقہ اور ایسے دبدبہ کے ساتھ کی، کہ صدیوں کسی کو جرأت نہیں ہو سکی، کہ اس طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے، آئندہ اوراق میں ہم جن آزاد اور خود مختار حکومتوں کی مختصر تاریخ بیان کریں گے ان سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے، کہ مرکزی حکومت یعنی خلافت کے کمزور ہو جانے کے بعد کس کس طرح نئی اسلامی حکومتیں پیدا ہوتی رہیں، اور ان کے حکمرانوں نے کیسے دبدبے اور شان کے ساتھ صدیوں تک حکومت کی ہے، چنانچہ دور حاضرہ میں بھی جتنی اسلامی حکومتیں موجود ہیں، وہ سب کی سب ان ہی حکومتوں کی خاک سے پیدا ہوئی ہیں؛

اسپین میں مسلمانوں کی خود مختار حکومت

قبل اس کے کہ ہم اسپین کی خود مختار اسلامی حکومت اور اس کے بانی عبدالرحمٰن کا ذکر کریں، مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے اسپین پر ابتدائی اسلامی حملہ کا مختصر حال بیان کر دیں،

اسپین پر مسلمانوں نے سب سے پہلا حملہ ۹۲ھ (۷۱۱ء) میں ولید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں کیا تھا یہ اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے، جب کہ طارق بن زیاد نے یورپ کی اس عظیم الشان سلطنت کے خلاف صرف سات ہزار کے معمولی سے لشکر کے ذریعہ حملہ کر کے جرأت اور دلیری کی ایک غیر فانی مثال قائم کر دی تھی، طارق کے حملہ کرتے ہی اسپین کا آزمودہ کار عیسائی بادشاہ لرزیق مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ کے لشکر کے ساتھ صف آرا ہو گیا، بے سروسامان طارق کو اس بے پناہ لشکر سے نبرد آزما ہونے کے لئے صرف پانچ ہزار سپاہیوں کی مزید امداد افریقہ سے مل سکی، اور اس طرح اس کے پاس بارہ ہزار کا لشکر ہو گیا، ایک طرف بارہ ہزار بے سروسامان اجنبی

مسلمانوں کی پیدل فوج تھی، اور دوسری جانب اسپین کا ایک لاکھ کا لشکر عظیم تھا جس کی بیشتر تعداد کے پاس گھوڑے تھے۔ اور جو پوری طرح آلات حرب سے مسلح تھے، جنگ چھڑ گئی، کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، کہ بارہ ہزار کی یہ بے سروسامان اسلامی فوج ایک لاکھ کے اس اسپینی لشکر پر غالب آجائے گی، جس کو اپنے وطن میں ہونے کی وجہ سے ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں، لیکن دنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی، کہ مٹھی بھر سرفروش مسلمانوں نے ایک اجنبی ملک میں گھس کر ایک لاکھ کے لشکر عظیم کی بیشتر تعداد کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس جنگ کے بعد پوری کی پوری اسلامی فوج جو پیدل تھی، اس کے ہر سپاہی کو ایک کی بجائے کئی کئی گھوڑے مل گئے، اور بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا، غرض کہ اس پہلی ہی عظیم الشان فتح کے بعد طارق نے اسپین میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈال دی،

افریقیہ کے اسلامی گورنر موسیٰ بن نصیر کو جب طارق کی اس عظیم الشان فتح کی خبر ملی، تو وہ فوراً ایک تازہ دم لشکر لے کر طارق کی امداد کے لئے اسپین پہنچ گیا، موسیٰ کے اسپین پہنچنے کے بعد ان دونوں نے مل کر ایک سال سے بھی کم مدت میں نہ صرف اسپین اور پرتگال کا پورا ملک فتح کر لیا، بلکہ فرانس کا وہ تمام جنوبی علاقہ بھی فتح کر لیا جو اسپین سے ملحق تھا، یہ دونوں لائق سردار اگرچہ پورے یورپ کی فتح کا تہیہ کئے ہوئے تھے، لیکن موسم سرما کی شدت شروع ہونے کی بنا پر ان کو اپنی مہم کو آئندہ سال تک ملتوی کر دینا پڑا، اور انہوں نے طے کیا، کہ آئندہ سال پورے ملک فرانس کو فتح کر کے آسٹریا، اٹلی اور بلقان کو فتح کرتے ہوئے پہلے تو قسطنطنیہ جائیں گے، اور اس کے بعد ایک ایک کر کے یورپ کے تمام ممالک فتح کریں گے،

دوسری ایک بڑی رکاوٹ یہ پیدا ہو گئی، کہ ولید بن عبدالملک بھی اسی زمانہ میں انتقال کر گیا، اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک جب تخت خلافت پر بیٹھا، تو اس نے ذاتی مخالفت کی بنا پر بہت سے سرداروں اور سپہ سالاروں کو قتل کرانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ طارق کو معزول کر دیا گیا، موسیٰ بن نصیر کو جیل میں ڈال دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ فتوحات بھی رک گئیں، اور جنوبی فرانس بھی مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا، سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کے بیٹے کو بھی قتل کرا دیا، اور ایوب بن حبیب کو اس کی جگہ گورنر مقرر کر دیا، ایوب کے بعد خلافت اسلامیہ کی طرف سے اسپین میں ۱۹ گورنر مقرر ہوئے، مگر نظام سلطنت اتنا بگڑ چکا تھا، اور قبائل آپس میں اس قدر دست و گریباں تھے، کہ سوائے ذاتی اقتدار اور مفاد کے کوئی دوسری چیز ان کے سامنے نہیں رہی تھی،

مرکزی اسلامی حکومت چونکہ بے حد کمزور ہو چکی تھی اس لئے وہ اسپین کے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی جانب توجہ نہ کر سکی چنانچہ اسپین کی بدنظمی یہاں تک بڑھ گئی، کہ اسپین کا جو سردار بھی دوسرے سرداروں پر غالب آجاتا تھا، وہ طاقت کے بل پر خود ہی اسپین کا گورنر بن جاتا تھا، اور وہاں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیتا تھا چنانچہ اسپین کا سب سے آخری گورنر یوسف بن عبدالرحمٰن تھا جس نے کہ اسپین کے تمام دوسرے سرداروں کو شکست دے کر وہاں کی حکومت

پر قبضہ جما لیا تھا، اور خود ہی گورنر بن بیٹھا تھا، اسپین کی آزاد اور خود مختار اسلامی حکومت کے بانی عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اسپین پہنچ کر اسی آخری گورنر یوسف سے اسپین کی حکومت چھینی تھی،

اموی حکومت کا دوسرا بانی

عبدالرحمٰن ابن معاویہ (۱)

اسپین کی پہلی آزاد اسلامی حکومت کا بانی عبدالرحمٰن بن معاویہ ہے، عبدالرحمٰن خاندان بنی امیہ کے مشہور فرمانروا ہشام بن عبدالملک کا پوتہ تھا، یہ شہزادہ بڑا حوصلہ مند، بہادر اور مدبر واقع ہوا تھا، اس نے اپنی کوشش عظیم سے اسپین میں جو اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی، وہ اتنی مضبوط تھی، کہ صدیوں تک اس کے جانشین حکومت کرتے رہے، اور یورپ اس کے نام سے کانپتا رہا،

۱۳۲ھ میں جب عباسیوں کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا، اور عباسیوں نے چن چن کر بنی امیہ کے افراد کو قتل کرنا شروع کیا، تو یہ شہزادہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا، اور راستہ سے اپنے غلام بدر کو لیتا ہوا مصر و فلسطین سے ہوتا ہوا، افریقہ کے بربری علاقہ میں جاکر روپوش ہوگیا، افریقہ کے عباسی گورنر نے ہر چند گرفتار کرنے کی کوشش کی، مگر سراغ نہیں مل سکا، عبدالرحمٰن چونکہ ایک بربری لونڈی سے پیدا ہوا تھا، لہٰذا بربریوں نے اس کی بہت مدد کی، اور ہر طرح سے حفاظت کی،

یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ اسپین بدنظمیوں کا شکار ہو رہا تھا، عبدالرحمٰن جیسا ہوشیار اس موقعہ سے کب چوک سکتا تھا، لہٰذا اس نے فوراً اپنے وفادار غلام کو اسپین بھیجا جس نے وہاں پہنچ کر تمام بڑے بڑے سرداروں کو ہموار کر لیا، اور فوراً ہی ایک جہاز کا انتظام کر دیا، تاکہ عبدالرحمٰن افریقہ سے اسپین میں داخل ہو سکے، بدر نے کچھ ایسا جادو کیا تھا، کہ عبدالرحمٰن جب اسپین کے ساحل پر اترا، تو بنی امیہ کی حکومت کے زمانہ کے بڑے بڑے امراء، گورنر یوسف کے تمام مخالف سردار اور ہزاروں اسپین کے باشندے اس کے استقبال کے لئے موجود تھے، چنانچہ سرزمین اسپین پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی ان تمام قبائل نے اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا، اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی، جو خاندان بنی امیہ سے محبت رکھتے تھے، یا جو موجودہ برسر اقتدار گورنر یوسف کے مخالف تھے، اور ان سب نے مل کر گورنر یوسف کے مقابلہ کے لئے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے پاس ایک بہت بڑا لشکر بھی فراہم کر دیا، اس کے علاوہ اشبیلیہ ریاست شذونہ

مورور اور چند دوسرے علاقے کے مسلمانوں نے بھی عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی،

اسپین کا گورنر یوسف عبدالرحمٰن کے داخلہ کے وقت کسی دور دراز مقام پر گیا ہوا تھا، اسے جب اس تازہ انقلاب کی خبر ہوئی، تو بڑی قوت کے ساتھ مقابلہ پر آگیا، مگر فوج پہلے ہی عبدالرحمٰن سے مل چکی تھی، سردار سب مخالف تھے آخر یوسف کو شکست دینے کے بعد قتل کر دیا گیا، اور عبدالرحمٰن نے اسپین میں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا، اور اس طرح خلافت اسلامیہ دو حصوں میں بٹ گئی، مغرب میں عبدالرحمٰن اموی کی حکومت، اور مشرق میں عباسیوں کی حکومت جس کا دار الخلافہ بغداد تھا،

عبدالرحمٰن کی عباسیوں سے جنگ

خلفائے بنی عباس کے لئے یہ چیز بے حد تکلیف دہ تھی، کہ جس خاندان بنی امیہ کی حکومت کو انہوں نے ختم کیا تھا، اسی خاندان کے ایک شہزادہ نے اسپین پہنچ کر وہاں نئے سرے سے بنی امیہ کی حکومت قائم کر لی تھی، اور اس خوبصورت ملک کو عباسیوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا، چنانچہ خلیفہ منصور عباسی نے افریقیہ کے گورنر علاء بن مغیث کو سختی کے ساتھ ہدایت کی، کہ وہ فوراً ایک لشکر عظیم کے ذریعہ اسپین پر حملہ کر کے جس طرح بھی ممکن ہو، بنی امیہ کے قبضہ سے نکال لے، چنانچہ سن ۱۴۶ھ میں اچانک عباسیوں کی جانب سے اسپین پر حملہ ہو گیا،

اس حملہ میں عباسی سپہ سالار علاء بن مغیث کو اس لئے اور بھی کامیابی ہوئی، کہ اس کے ساتھ اسپین کے بعض ایسے سردار بھی مل گئے تھے، جو عبدالرحمٰن بن معاویہ کی حکومت سے ناخوش تھے، یہ حملہ اس قدر شدید تھا، کہ اسپین کا بیشتر علاقہ عبدالرحمٰن بن معاویہ کے قبضہ سے نکل گیا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ عبدالرحمٰن کو دو مہینہ تک قلعہ قرمونہ میں محصور رہنا پڑا، لیکن عبدالرحمٰن نے جب دیکھا، کہ رسد ختم ہو رہی ہے، اور لڑے بغیر عباسی لشکر سے مفر کی کوئی صورت نہیں، تو وہ قلعہ سے نکل کر عباسی لشکر پر ٹوٹ پڑا، عبدالرحمٰن کے پاس اگرچہ فوج بہت کم تھی، لیکن وہ ایسی بہادری سے لڑا کہ عباسیوں کو سات ہزار لاشیں میدان میں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی، اور عبدالرحمٰن کا دوبارہ اسپین پر قبضہ ہو گیا،

جنوبی فرانس پر عیسائیوں کا قبضہ

عباسی عبدالرحمٰن کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد برابر اس کوشش میں رہے، کہ کسی طرح اس نئی اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے، چنانچہ عباسیوں نے شمالی اسپین کی ایک چھوٹی سی عیسائی حکومت کو اکسا کر جنوبی فرانس پر حملہ کرا دیا، عبدالرحمٰن جو اندرونی بغاوتوں کے دبانے میں مصروف تھا، وہ جنوبی فرانس پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے پر توجہ نہیں دے سکا، لہٰذا یہ علاقہ فرانس کے بادشاہ شارلمین نے دوسرے عیسائیوں کی مدد سے مسلمانوں کے ہاتھ سے چھین لیا، اس معمولی فتح کے بعد شاہ فرانس کے حوصلے بڑھ گئے، ادھر عباسیوں کی امداد بھی جاری تھی، چنانچہ شارلمین نے اسپین کی فتح کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے،

شارلمین بے ۱۶۲ھ میں ایک لشکر عظیم کے ساتھ اسپین پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا، مگر سرحد پر پہنچ کر مسلمانوں کے عظیم جوش کو دیکھ کر اتنا خائف اور مرعوب ہوا، کہ حملہ کے بغیر ہی واپس لوٹ گیا، اور پھر چند روز کے بعد عبدالرحمٰن سے صلح کی درخواست کی، جسے منظور کر دیا گیا، شارلمین نے اپنی لڑکی کو بھی پیش کیا، اور کہا، کہ آپ اس سے شادی کریں، مگر عبدالرحمٰن نے اس درخواست کو مسترد کر دیا،

عبدالرحمٰن کی وفات

شارلمین نے اگرچہ عبدالرحمٰن سے صلح کر لی تھی، مگر اسپین کی اسلامی حکومت کے ختم کرنے کے لئے عباسیوں سے برابر سازباز جاری تھی، مگر عبدالرحمٰن نے حکومت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کر دیا تھا، کہ کوئی نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا، عبدالرحمٰن نہایت حوصلہ مند اعلیٰ درجہ کا مدبر اور بہت بڑا سپہ سالار اور سیاستدان تھا، عبدالرحمٰن کو عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا، اس نے اسپین میں بہت سی عمارتیں بنائیں، قرطبہ کی مسجد نادر الوجود سمجھی جاتی ہے، بہت سے مدارس قائم کئے، علوم وفنون کو اتنی ترقی دی کہ قرطبہ بغداد کے بعد مرکز سمجھا جانے لگا، عبدالرحمٰن نے ۳۳ سال اور ۴ ماہ حکومت کی، اور پھر ۵۹ سال کی عمر میں انتقال کر گیا،

ہشام بن عبدالرحمٰن (۲)

عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہشام ۱۷۲ھ (۷۸۸ء) میں تخت نشین ہوا، ہشام کے دو بھائی اور بھی تھے، ایک قرطبہ میں اور دوسرا طلیطلہ میں گورنر تھا، ان دونوں بھائیوں یعنی عبداللہ اور سلیمان نے اپنی اپنی جگہ بغاوت کر دی، اور ایک نے قرطبہ اور دوسرے نے طلیطلہ پر قبضہ کر لیا۔

ہشام مریدہ میں تھا، اسے جب یہ حال معلوم ہوا، تو ان دونوں سے زبردست مقابلہ کیا، اور دونوں کو شکست دے دی، عبداللہ اور سلیمان نے معافی مانگی، چنانچہ ہشام نے نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ دونوں کو بڑی بڑی جاگیریں دے کر رخصت کر دیا، عبداللہ طلیطلہ میں اور سلیمان مراکش میں آباد ہو گئے لیکن سلیمان نے افریقہ میں آباد ہونے کے بعد عباسیوں کا ایجنٹ بن کر اسپین کے سرداروں کو خط وکتابت کے ذریعہ ہشام کے خلاف بغاوت کے لئے ابھارنا شروع کر دیا، غالباً اسی مقصد سے وہ مراکش (افریقہ) جا کر آباد ہوا تھا۔

ہشام ہر اعتبار سے اپنے باپ کا صحیح جانشین ثابت ہوا، ایک طرف تو وہ بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے بھائیوں اور باغی سرداروں کی بغاوت کو دباتا رہا، اور دوسری جانب اس نے چالیس ہزار کا لشکر عظیم لے کر جنوبی

فرانس کے اس سارے علاقہ کو فتح کر لیا جس پر زمانہ دراز سے مسلمانوں کا قبضہ تھا، اور جس پر اس کے باپ کے زمانہ میں یورش کر کے شاہ فرانس نے قبضہ جما لیا تھا، ہشام کے فرانس پر حملہ کے وقت چونکہ جبل البرتات کی عیسائی ریاست ایسٹریاس کے حکمران نے شرارت کی تھی، اس لئے ہشام نے اسلامی فوج بھیج کر اس ساری ریاست کے علاقہ کو تاراج کر ڈالا، آخر اس عیسائی ریاست کے حکمران نے خراج اور اقرار اطاعت کے بعد صلح کر لی،

اسپین کے عیسائیوں کا طریقہ کار یہ تھا، کہ شکستوں کے بعد تو یہ وقتی طور پر خاموش ہو کر بیٹھ جاتے تھے، لیکن جوں ہی ان کو موقعہ ملتا تھا، وہ پھر اسپین میں کوئی نہ کوئی بغاوت کھڑی کر دیتے تھے، چنانچہ ۱۷۹ھ میں جب صوبہ جلیقیہ کی عیسائی ریاست کو شاہ فرانس، عباسی حکومت کے ایجنٹوں اور ہشام کے باغی بھائی ہشام کی طرف سے شہ ملی، تو اس عیسائی ریاست نے اسپین کی اسلامی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے نہایت وسیع پیمانے پر بغاوت شروع کر دی، اس بغاوت کو بھڑکانے میں سب سے بڑا ہاتھ شارلمین شاہ فرانس کا تھا جسے خلیفہ بغداد ہارون الرشید کا دوست ہونے کی وجہ سے عباسی حکومت کی پوری حمایت حاصل تھی، یہ بغاوت بے حد خوفناک تھی، لیکن ہشام بن عبدالرحمٰن نے بڑی قابلیت سے نہ صرف یہ کہ اس بغاوت کو کچل کر رکھ دیا، بلکہ شاہ فرانس سے انتقام لینے کے لئے اپنی فوجیں فرانس پر چڑھا دیں، اسلامی لشکر نے فرانس میں گھسنے کے بعد اکثر شہروں اور قلعوں کو ویران اور مسمار کر ڈالا، اور پھر انہیں اپنے قبضہ میں کر لیا،

ہشام کی وفات اور حالات

ہشام نے اسپین پر تقریباً ۸ سال حکومت کی، اور ۱۸۰ھ میں فوت ہو گیا، عمر ۴۰ سال کی تھی، اپنے باپ کا صحیح جانشین اور حوصلے والا بادشاہ تھا،

عبدالرحمٰن قرطبہ کی جس مسجد کو نامکمل چھوڑ گیا تھا، اسے دو لاکھ اشرفیاں خرچ کر کے تعمیر کیا، علمی مدارس اور مجالس کو بھی خوب ترقی دی، عربی زبان کو اسپین میں سرکاری زبان قرار دے دیا، چنانچہ عیسائیوں نے عربی سے واقف ہو کر کثرت سے اسلام قبول کیا، ہشام امام مالک کا بہت معتقد تھا، دوسرے علماء اور فقہاء کا بھی بے حد احترام کرتا تھا، اسپین کے اکثر نو مسلم عیسائیوں نے مالکی عقاید اختیار کر لئے تھے، ہشام نہایت دیندار، نیک اور خدا ترس بادشاہ تھا،

حکم بن ہشام (۳)

اپنے باپ ہشام کی وفات کے بعد سنہ ۱۸۰ھ (سنہ ۷۹۶ء) میں تخت پر بیٹھا، مخالفین جو ابھی تک خاموش تھے میدان میں آ گئے، ہر طرف خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کا زور ہو گیا، چنانچہ حکم کے ایک چچا سلیمان نے اور دوسرے چچا عبداللہ نے شاہ فرانس شارلیمین سے ساز باز کر کے ایک نہایت ہی خوفناک بغاوت برپا کر دی تھی، اس سے پہلے ہم بتلا چکے ہیں، کہ ہشام کا بھائی یعنی حکم کا چچا سلیمان مراکش میں جا کر آباد ہو گیا تھا، ہشام کے مرتے ہی یہ مراکش سے صوبہ بلنسیہ (اسپین) جا پہنچا، اور وہاں بغاوت برپا کر دی، اس کے علاوہ دوسرے چچا عبداللہ نے طلیطلہ کے قریب بغاوت برپا کر کے طلیطلہ پر قبضہ جما لیا، ادھر شاہ فرانس کے بیٹے نے جبل الطارق کو پار کر کے اسپین کے کئی اہم علاقوں پر قبضہ جما لیا، گویا حکم بن ہشام کے خلاف ایک ساتھ تین اطراف سے حملہ ہو گیا، حکم نے چچاؤں کی بغاوتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سب سے پہلے شاہ فرانس کے بیٹے کی جانب توجہ کی، اور ایک لشکر عظیم لے کر شمال کی جانب چل دیا، لیکن حکم کی فوج کشی کی اطلاع پاتے ہی فرانسیسی فوجیں لڑے بغیر ہی میدان سے بھاگ کھڑی ہوئیں، حکم ان کا تعاقب کرتا ہوا فرانس کے اندر گھس گیا، اور فرانس کے بڑے بڑے شہروں کو تاراج کر دیا،

فرانس کی تادیب کے بعد وہ اسپین کی جانب پلٹا، اور اپنے چچا سلیمان کے مقابلہ پر آن ڈٹا، سلیمان اور عبداللہ دونوں کی حکم کے لشکر سے بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، اس جنگ میں جب سلیمان مارا گیا، تو سلیمان اور عبداللہ کی فوجیں بھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں، اور حکم کے چچا عبداللہ نے ہتھیار ڈال کر معافی طلب کر لی، حکم نے چچا کو اس شرط پر معافی دیدی کہ وہ افریقہ چلا جائے، اور اپنے دونوں بیٹوں اصبغ اور قاسم کو بطور یرغمال حکم کے پاس چھوڑ دے، عبداللہ افریقہ چلا گیا، اور اپنے دونوں بیٹوں کو حکم کے پاس چھوڑ گیا، حکم نے ان دونوں چچازاد بھائیوں کے ساتھ بڑی محبت اور مروت کا سلوک کیا، اصبغ بن عبداللہ کے ساتھ تو اپنی بہن کی شادی کر دی، اور قاسم بن عبداللہ کو شہر مریدہ کا حاکم مقرر کر دیا،

حکم بن ہشام کے مخالفین کا خیال تھا، کہ وہ آسانی کے ساتھ حکم کی حکومت کا تختہ الٹ دیں گے، لیکن حکم نے جب ان کے تمام حملوں کو ناکام بنا دیا، تو انہوں نے در پردہ سازشیں شروع کر دیں، چنانچہ شاہ فرانس شارلیمین، عیسائی ریاستوں کے حکمران، حکم کے باغی رشتہ دار، اور اسپین کے باغی مسلم عمال حکم کی حکومت کے خلاف سازشوں میں متحد ہو گئے، حکم کے حملوں کو روکنے کے لئے سب سے پہلے جبل الطارق سے متصل ایک نئی عیسائی ریاست "گاتھک مارچ" قائم کی گئی، تاکہ اس ریاست کے قیام کے بعد جبل الطارق اسپین کی اسلامی فوجوں کے لئے ناقابل عبور بن جائے، اور مسلمان جبل الطارق سے گذر کر آسانی کے ساتھ فرانس پر حملہ نہ کر سکیں، ان تیاریوں کے بعد طے شدہ پروگرام کے

مطابق ۸۰۵ء میں عیسائیوں نے شمالی اسپین میں بغاوت برپا کرا دی گئی، اور اس بغاوت میں عیسائیوں کے ساتھ باغی مسلم عمال بھی شامل ہو گئے۔

شمالی اسپین میں چونکہ عیسائیوں کی اکثریت تھی، اس لئے انہوں نے اسپین کے بہت سے شہروں پر حملے کر کے یکے بعد دیگرے قبضہ جمالیا، بغاوت اگرچہ شدید تھی، لیکن جوں ہی اسلامی لشکر ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے پہنچا، یہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، اور مسلمانوں نے بیشتر علاقہ باغیوں سے واپس لے لیا، لیکن عیسائیوں نے دوبارہ ۸۰۹ء میں برشلونہ سے لے کر طلیطلہ تک کے علاقہ پر قبضہ جمالیا، برشلونہ اور طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ کرانے میں سب سے بڑا ہاتھ مسلم باغی عمال کا تھا، لیکن جب اسپین کا اسلامی لشکر طلیطلہ کی جانب بڑھا، تو اس نے عیسائیوں اور ان کے مددگاروں کو طلیطلہ سے مار مار کر نکال دیا، اور اس اہم شہر پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

نئی مصیبت اور حکم کی وفات

عیسائیوں کی دشمنی کے ساتھ ہی حکم کو نئی مصیبت سے سامنا کرنا پڑا، کہ عباسیوں نے مالکی علماء کو حکم کے خلاف کر دیا، ہر طرف شورش عام برپا ہو گئی، اس شورش کی وجہ یہ تھی، کہ عبدالرحمن اور ہشام کے زمانہ میں علماء حکومت پر چھائے ہوئے تھے، حکم نے اس کو پسند نہیں کیا، چنانچہ علماء نے بغاوت کر دی، اور یہ بغاوت اتنی بڑھی کہ ۸۱۴ء میں شاہی محل کو باغیوں نے گھیر لیا، سلطان نے اس خطرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور ایسی جرأت سے کام لیا، کہ باغیوں کو شکست اٹھانا پڑی، بہت سے علماء کو تہ تیغ کر دیا گیا، اور عبرت ناک سزائیں دیں، اور بہت سے علماء جلاوطن کر دیئے گئے۔

علماء سے فارغ ہو کر حکم نے شمالی اسپین اور دوسرے عیسائیوں سے مقابلہ کیا، فرانس کے اکثر شہروں کو تاراج کر دیا، اور بہت کافی علاقے کو اپنے قبضہ میں لے لیا، اسپین کی چند عیسائی ریاستیں جو بغاوت کا مرکز تھیں باقی رہ گئیں۔

حکم نے ستائیس سال حکومت کی، اور ۸۲۱ء میں وفات پائی، اس کا یہ تمام زمانہ دشمنوں سے مقابلہ کرتے گذر گیا، درحقیقت حکم بڑا جری، بہادر، اور حوصلہ مند بادشاہ تھا، اس نے اگر اس استقلال اور ہمت سے کام نہ لیا ہوتا، تو اسپین کی اسلامی حکومت ختم ہو جاتی۔

عبدالرحمٰن ثانی بن حکم (۴)

سلطان حکم کی وفات کے بعد ۲۰۶ھ (۸۲۱ء) میں تخت قرطبہ پر بیٹھا، خاندانی مخالفین پھر سر اٹھانے لگے چنانچہ ہشام کے زمانہ میں عبداللہ نے ساحل اسپین پر اپنی فوجیں اتار دیں، مگر پوتے نے دادا کو شکست دی، اور پھر معاف بھی کر دیا، ساتھ ہی صوبہ مرسیہ کا حاکم بھی بنا دیا، جہاں چند سال حکومت کرنے کے بعد عبداللہ فوت ہو گیا۔

شمالی اسپین میں جو عیسائی ریاستیں موجود تھیں، وہ بھی بغاوت پر اتر آئیں، اسلامی لشکر نے ۲۰۸ھ میں ان کو بھی شکست دی، اور باغی عیسائیوں نے اطاعت قبول کر لی۔

اسلامی عمال جو کبھی کبھی باغیوں سے مل جایا کرتے تھے، ان کی اچھی طرح سرکوبی کی گئی، چنانچہ ۲۱۳ھ میں مرسیہ کے مسلم عامل نے بغاوت برپا کر دی، اور اسلامی لشکر کو ۴ ہزار باغیوں سے مقابلہ کرنا پڑا، اسی طرح ۲۲۲ھ میں طلیطلہ کے عمال باغی ہو گئے، اور سخت ہنگامہ برپا کر دیا۔ عبدالرحمٰن ثانی نے خود مقابلہ کیا، اور باغیوں کے زور کو توڑ کر رکھ دیا۔

غرض اس کی عمر بغاوتوں کو دبانے ہی میں گذر گئی۔

عبدالرحمٰن ثانی کے عہد حکومت میں اسپین کے عیسائیوں کی جانب سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ گالیاں دینے کی ایک نئی شرمناک تحریک شروع کی گئی، بڑے بڑے پادری اس تحریک کے محرک تھے، چنانچہ عیسائی منظر عام پر آ کر قرآن مجید کی توہین کرتے تھے، اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے تھے، اور اپنی ان شرمناک حرکات کو بہت بڑی قومی اور مذہبی خدمت تصور کرتے تھے، اسپین کی اسلامی حکومت نے پہلے تو ان گندہ دہنوں کو گرفتار کرنا کافی سمجھا، لیکن جب گرفتاریوں سے یہ ناپاک تحریک نہ دب سکی، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ بدہن گالیاں دینے والوں کو موت کی سزائیں دینی شروع کیں، اب عیسائیوں نے یہ کیا، کہ جن لوگوں کو حکومت نے سزائے موت دی تھی، انہیں قومی شہداء کا درجہ دے دیا، اور ان کی قبروں کی باقاعدہ زیارت ہونے لگی، اس ناپاک تحریک کا نتیجہ یہ نکلا، کہ اسپین میں عیسائی مسلم تعلقات نہایت کشیدہ ہو گئے، یہ شرمناک تحریک اگرچہ عبدالرحمٰن ثانی کی حکومت کے آخری دنوں میں کمزور پڑ گئی تھی، مگر تاہم اس کا سلسلہ کافی مدت تک جاری رہا۔

عبدالرحمٰن ثانی کی وفات

عبدالرحمٰن ثانی اکتیس سال اور چند ماہ حکومت کرنے کے بعد ۲۳۸ھ ہجری (۸۵۲ء) میں فوت ہو گیا، اس لائق بادشاہ کا دور حکومت اگرچہ اول سے لے کر آخر تک خانہ جنگیوں سے بھرا ہوا ہے، لیکن پھر بھی اس نے اسپین کی اسلامی حکومت کو خوب ترقی دی، اس نے تمام اندرونی بغاوتوں کو کچل ڈالا، اور مراکش سے عبیدیوں کو نکال کر اسے بھی اسپین کی حکومت میں شامل کر لیا، اس

کے علاوہ رفاہ عامہ کے بہت بڑے بڑے کام انجام دیئے، اس نے مسجد قرطبہ میں نئی تعمیر کی بے شمار مسجدیں، پل، سڑکیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ اور ہر گاؤں اور قصبہ میں مدارس قائم کر کے تعلیم کو عام کیا، یہ بادشاہ موسیقی کا بے حد دلدادہ تھا اس کے زمانہ میں موسیقی کو خوب ترقی ہوئی، یہ علماء اور ماہرین فن کا بہت بڑا قدردان تھا چھری کانٹے سے کھانا کھانے کا رواج سب سے پہلے اسی بادشاہ کے دور حکومت میں اسپین میں شروع ہوا تھا اس کی بعد اسپین کی تقلید میں دوسرے یورپین ممالک میں بھی چھری کانٹے سے کھانے کا دستور عام ہو گیا،

محمد بن عبدالرحمٰن ثانی (۵)

محمد اپنے باپ کی وفات کے بعد ۲۳۸ھ (۸۵۳ء) میں تخت نشین ہوا بہت اچھا فوجی سپہ سالار تھا مگر تدبر اور سیاست میں بہت کمزور تھا جس کی وجہ سے حکومت اسلامیہ اسپین کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا،

محمد بن عبدالرحمٰن نے تخت نشین ہوتے ہی چن چن کر بے دریغ عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں میں حکومت کے خلاف نئے سرے سے جوش پیدا ہو گیا، اور جا بجا ملک میں بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں، ان بغاوتوں میں صرف عیسائی ہی شامل نہیں تھے بلکہ مسلم عمال بھی شریک تھے جنہوں نے عیسائیوں سے بھی زیادہ محمد بن عبدالرحمٰن کے لئے پریشانی پیدا کر دی

۲۴۲ھ میں عیسائیوں نے جب طلیطلہ میں بغاوت کی، تو اس بغاوت کو تو محمد بن عبدالرحمٰن نے دبا دیا لیکن ۲۴۵ھ میں جب نئے سرے سے طلیطلہ کے عیسائیوں نے شورش برپا کی، تو محمد بن عبدالرحمٰن نے انتہائی کمزوری کا ثبوت دیتے ہوئے طلیطلہ کے عیسائیوں کو حکومت خود اختیاری عطا کر دی، گویا اس نے اپنے ہی ہاتھوں اسپین میں عیسائی حکومت کا دوبارہ سنگ بنیاد رکھ دیا طلیطلہ کے عیسائیوں نے خود مختار ہونے کے بعد طلیطلہ کے علاوہ کے مسلمانوں پر بری طرح ظلم وستم کئے، یہاں تک مسلمان طلیطلہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے،

طلیطلہ کی خود مختاری ایک ایسا فتنہ تھا جس نے کہ اسپین میں اسلامی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں، چنانچہ طلیطلہ کے دیکھا دیکھی تمام دوسرے ان علاقہ کے عیسائیوں نے بھی جہاں عیسائیوں کی اکثریت تھی بغاوتیں برپا کر کے خود مختاری کا مطالبہ شروع کر دیا، اس کے علاوہ مسلم عمال حکومت نے بھی محمد بن عبدالرحمٰن کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی غرض سے مختلف صوبوں میں بغاوتیں برپا کر دیں، مزید براں اسپین کے شمال میں جتنی بھی عیسائی ریاستیں تھیں، وہ سب کی سب متحد ہو کر اسلامی حکومت کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئیں، ان بے شمار اور لاتعداد بغاوتوں نے عبدالرحمٰن کو

حواس باختہ کر دیا، اس کی حالت یہ تھی، کہ وہ لشکر لئے ہوئے ملک کے کونے کونے میں بغاوتیں دباتا پھرتا تھا، لیکن اگر ایک جگہ کی بغاوت دبتی تھی، تو دوسرے مقام کی بغاوت اور زیادہ شدت اختیار کر لیتی تھی،

سلطان محمد کی وفات

سلطان محمد اسی پریشانی کے عالم میں ۳۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں ۶۶ سال کی عمر میں فوت ہو گیا، اس نے جہاں اپنے عدم تدبر سے عیسائیوں کو بھڑکا دیا تھا، وہاں اس کے زمانہ کے علماء نے تنگ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے بعض ایسے فتوی دے دیئے تھے، جن کی وجہ سے اسپین کے نومسلموں کے مسلمان ہونے پر بھی شک کیا جانے لگا تھا، چنانچہ ان فتوؤں کا نتیجہ یہ نکلا، کہ بے شمار نومسلم عیسائی اسلام سے منحرف ہونے کے بعد پھر دوبارہ عیسائی بن گئے،

منذر بن محمد (۶)

منذر بن محمد اپنے باپ محمد بن عبدالرحمن کی وفات کے بعد ۲۷۳ھ (۸۸۶ء) میں قرطبہ کے تخت پر بیٹھا، تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۴۴ سال تھی، اس کے عہد حکومت میں علماء کا زور اس قدر بڑھا ہوا تھا، کہ وہ جو کچھ چاہتے تھے کر گذرتے تھے، چنانچہ علماء نے اس کے باپ کے زمانہ کے وزیر اعظم ہاشم بن عبدالعزیز سے ناراض ہو کر جب اس کے قتل کا فتوی دیدیا، تو سلطان نے وزیر اعظم کو قتل کرا دیا،

اس بادشاہ کا پورا دور حکومت خانہ جنگیوں سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے، اس نے حکومت کے سب سے بڑے باغی امیر عمر بن حفصون پر کئی مرتبہ چڑھائی کر کے اسے بڑی مشکل سے زیر کیا تھا، مگر عمر بن حفصون اس کے قبضہ سے نکل کر پھر اس لئے باغی ہو گیا، کہ علماء نے اس کے دوبارہ عیسائی ہو جانے پر قتل کا فتوی دے دیا تھا

منذر بن محمد ۲۷۵ھ میں عمر بن حفصون کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، کہ اچانک اس کا انتقال ہو گیا، سلطان منذر کے کوئی بیٹا نہ تھا، اس لئے امرائے لشکر نے منذر کے بھائی عبداللہ کے ہاتھ پر قلعہ کی دیوار ہی کے نیچے میدان جنگ میں بیعت کر لی،

عبداللہ بن محمد (۷)

منذر بن محمد کے بعد اس کا بھائی عبداللہ بن محمد ۲۷۵ھ (۸۸۸ء) میں تخت نشین ہوا، اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی سب سے بڑی غلطی یہ کی، کہ اسپین کے مشرقی علاقہ پر عمر بن حفصون کی حکومت تسلیم کر کے محاصرہ اٹھا لیا، گویا اس نے اسپین کی حکومت کے سب سے بڑے باغی کے سامنے گردن جھکا دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ابن حفصون کے حوصلے بڑھ گئے، اور اس نے عبداللہ بن محمد کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے خلیفہ بغداد سے خط و کتابت شروع کر دی، یہ باغی سردار خلیفہ بغداد سے پورے اسپین کی حکومت کی سند حاصل کر کے سارے ملک پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھا، عبداللہ بن محمد کو جب عمر بن حفصون کے اس خطرناک منصوبہ کا علم ہوا، تو اس نے فوراً حفصون پر حملہ کر دیا، اس حملہ میں، اگرچہ عبداللہ کی فوج عمر بن حفصون کے لشکر کے مقابلہ میں نصف بھی نہ تھی، مگر عبداللہ بن محمد نے ایسی ہوشیاری سے حملہ کیا، کہ حفصون کو شکست ہو گئی، اور وہ جنگلوں میں فرار ہونے پر مجبور ہو گیا،

اس فتح کے بعد ملک میں اسپین کی اسلامی حکومت کا تھوڑا بہت اعتماد پھر پیدا ہو گیا، ورنہ اس سے قبل اسپین کی اسلامی حکومت کو قطعی بے جان تصور کیا جانے لگا تھا، عمر بن حفصون کو شکست دینے کے بعد سلطان عبداللہ ایک دوسرے باغی سردار ابن مروان والیٔ طلیطلہ کی جانب متوجہ ہوا، ابن مروان نے سلطان کے مقابلہ کے لئے اپنے ساتھ ابراہیم بن حجاج والیٔ اشبیلیہ کو بھی ملا لیا تھا، سلطانی فوجوں اور باغیوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی، مگر باغیوں کو شکست ہو گئی، ابن مروان فرار ہو گیا، اور ابراہیم بن حجاج والیٔ اشبیلیہ نے اطاعت قبول کر لی، اس فتح کے بعد حکومت اسپین کے سردہ جسم میں زندگی کے آثار دوبارہ پیدا ہو گئے، اور باغیوں کی سرگرمیاں بھی کمزور پڑ گئیں،

سلطان عبداللہ کے لئے باغی سرداروں اور عیسائیوں کی بغاوتوں کے علاوہ ایک پریشانی یہ بھی درپیش تھی، کہ اس کے بیٹوں میں بری طرح سے عداوت اور خانہ جنگی برپا تھی، چنانچہ سلطان کے ایک بیٹے مطرف نے اپنے بھائی محمد کو شاہی محلسرا میں قتل کر دیا، تو سلطان عبداللہ کو بے حد صدمہ ہوا، مطرف نے بھائی کے علاوہ وزیر سلطنت عبدالملک کو جب قتل کرا دیا، تو سلطان برہم ہو گیا، اور اس نے مطرف کو محمد اور ابن الملک کے قصاص میں سزائے موت کا حکم دے دیا،

سلطان عبداللہ کی وفات

سلطان عبداللہ پچیس سال حکومت کرنے کے بعد ۳۰۰ھ میں فوت ہو گیا، اسے جو حکومت ملی تھی، وہ صرف قرطبہ اور قرطبہ کے مضافات تک محدود تھی، لیکن اس نے اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی بنا پر اپنی حکومت میں کچھ مزید علاقوں کا اضافہ کر لیا تھا، لیکن پھر

بھی اسپین کی حکومت تقریباً لب دم ہی رہی، اس بادشاہ کے زمانہ میں بھی علمائے اسپین حکومت پر بدستور حاوی تھے وہ آئے دن اپنے مخالفوں پر کفر کے فتوے لگا کر قتل کراتے رہتے تھے، چنانچہ علماء کی ان کفر بازیوں کی بدولت اسپین میں بڑے بڑے فتنے برپا ہوئے،

عبدالرحمٰن ثالث ابن محمدؒ (۸)

سلطان عبداللہ کی وفات کے بعد ۳۰۰ھ (۹۱۲ء) میں تخت قرطبہ پر تخت نشین ہوا، عمر اکیس سال کی تھی، عبدالرحمٰن ثالث عبداللہ کا پوتا تھا، باپ کے قتل کے بعد عبداللہ ہی نے پرورش کی تھی، تربیت بہت اچھی ہوگئی تھی، چنانچہ حکومت کرنے کے تمام اوصاف اس میں موجود تھے، مگر اتفاق سے عبدالرحمٰن نے جب حکومت کو ہاتھ میں لیا، تو شیرازہ بکھرا ہوا تھا، عیسائیوں کے علاوہ مسلم امراء بھی بہت سے علاقے دبا بیٹھے تھے، عام حالت بہت خراب تھی، مگر عبدالرحمٰن نے بڑی ہوشیاری سے حالات کو سنبھالا، اور ملک میں نئی روح ڈالدی،

عبدالرحمٰن رعایا کے ساتھ بہت حسن سلوک سے پیش آیا، تمام ٹیکس منسوخ کردیے، اور عیسائیوں سے بھی بڑی مروت سے پیش آیا، باغیوں کی معافی کا عام اعلان کردیا، تمام باغی دربار میں حاضر ہوکر معافی کے خواستگار ہوئے، اور اطاعت قبول کرلی، غرض عبدالرحمٰن ثالث کے حسن سلوک نے حکومت کی مردہ رگوں میں از سر نو جان ڈالدی

چند باغی سرداروں کی سرکوبی

ملک کی فضا کو خوشگوار بنانے کے بعد عبدالرحمٰن نے بڑے بڑے باغیوں کی طرف توجہ کی، تو عمر بن حفصون اور حجاج بن مسلمہ جو اشبیلیہ کا حاکم تھا، ۳۰۱ھ میں تخت مقابلہ کیلئے گیا، یہ دونوں متحد ہوکر سلطان کے مقابلہ پر آئے، سلطانی لشکر نے دونوں کو شکست دے دی، حجاج گرفتار ہوگیا، اور عمر فرار ہوگیا، مگر کچھ عرصہ کے بعد ان دونوں نے معافی مانگ کر رہائی حاصل کرلی،

ان دو بڑے باغی سرداروں کو زیر کرنے کے بعد سلطان دوسرے باغیوں کی طرف متوجہ ہوا، ۳۰۶ھ میں قلعہ ممبرنہ کو باغیوں کے قبضہ سے نکال لیا، ۳۰۸ھ میں ان منتشر پردانا افراد کو تہ تیغ کیا، جنہوں نے کہ سلطان کو ہلاک کرنے کے لئے ایک بہت بڑی سازش کی تھی، ۳۰۹ھ میں قلعہ طرسوی فتح کیا، قلعہ جامہ کے حاکم کو مطیع کیا، غرض کہ عبدالرحمٰن ثالث نے مختصر سے عرصہ میں سلطنت اسپین کو جو بے شمار چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوگئی تھیں، تمام باغی امیروں کو زیر کرکے پھر دوبارہ اسے ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی شکل دے دی

سلطان عبدالرحمٰن ثالث اندرونی فتنوں کو کچلنے کے بعد عیسائی ریاستوں کی جانب متوجہ ہوا عیسائی ریاستوں میں سے طلیطلہ کی جدید قائم شدہ ریاست سب سے زیادہ خطرناک تھی، یہ دارالسلطنت سے بالکل متصل تھی، سلطان نے پہلے تو طلیطلہ والوں کو اطاعت کا پیغام دیا، جب وہ اطاعت کے لئے آمادہ نہ ہوئے، تو ان پر فوج کشی کردی، طلیطلہ کے لئے مسلمانوں اور عیسائیوں میں تقریباً ایک سال تک خونناک جنگ جاری رہی، آخر ایک سال کے بعد عیسائیوں کو شکست ہوگئی، اور طلیطلہ پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، طلیطلہ کی فتح کے بعد دوسری عیسائی ریاستوں کے حوصلے بھی پست ہوگئے، اس کے علاوہ سلطان کی خوش قسمتی سے عیسائی ریاستوں میں خانہ جنگی بھی شروع ہوگئی جس سے کہ خود بخود عیسائی ریاستوں کی طاقت ٹوٹ گئی

مراکش عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں

مراکش میں ادریسیہ خاندان کی حکومت تھی، مگر اس قدر کمزور ہوچکی تھی، کہ حریف کے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی، مصر کی عبیدیہ حکومت نے قبضہ کرنا چاہا، تو مراکش نے عبدالرحمٰن سے مدد مانگی، عبدالرحمٰن نے کافی فوج سے مدد کی جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مراکش قرطبہ کے ماتحت آگیا

عیسائی عبدالرحمٰن کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بہت گھبراتے تھے چنانچہ انہوں نے متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کردیں، کچھ مسلم امراء کو بھی سازش میں شریک کرلیا، کچھ اسلامی علاقوں پر حملے شروع کردیئے، مسلمان پہلے تو کچھ نقصان اٹھاتے رہے، مگر آخر میں اسلامی فوج نے اس زور سے حملہ کیا، کہ تمام عیسائی ریاستوں کو پامال کرتی ہوئی فرانس تک پہنچ گئیں

یورپین بادشاہوں پر عبدالرحمٰن کا اثر

عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے تدبر اور جوانمردی سے اسپین کو دنیائے اسلام کی سب سے بڑی حکومت بنادیا تھا، چنانچہ اس نے ۳۲۷ھ میں امیرالمومنین کا خطاب اختیار کرلیا تھا، بے اندازہ بحری اور بری فوج کا مالک تھا، یورپ کے تمام حکمران اس کے نام سے لرزتے تھے،

چنانچہ ۳۳۶ھ میں قیصر روم نے اپنے سفیر اور بے شمار قیمتی تحائف بھیجکر عبدالرحمٰن کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ۳۳۸ھ میں قیصر روم اور سلطنت اسپین میں ایک دوستانہ معاہدہ بھی ہوگیا، اس کے بعد شاہ اٹلی، شاہ جرمنی، شاہ فرانس، اور شاہ سسلی کے سفیر دربار قرطبہ میں حاضر ہوئے، اور اپنے اپنے بادشاہوں کی جانب سے عبدالرحمٰن ثالث کے ساتھ عقیدت کا اظہار کیا، غرضیکہ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں اسپین کی اسلامی سلطنت کی عظمت اور سطوت کا یہ عالم تھا، کہ یورپ کا ہر بادشاہ اس سلطنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنا، اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا، اور عبدالرحمٰن کو یورپ کا شہنشاہ سمجھا جاتا تھا،

علم و علماء کی عزت افزائی

قرطبہ میں ابتداء ہی سے علوم و فنون کا چرچا تھا، اسپین کے سلاطین گو بری طرح اندرونی فتنوں میں مبتلا رہے، لیکن پھر بھی وہ علوم و فنون کی جانب سے کبھی غافل نہ ہوئے تھے، لیکن عبدالرحمٰن ثالث کے زمانہ میں علمی اعتبار سے اسپین اوج کمال پر پہنچ گیا، قرطبہ دنیا میں علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز بن گیا، عبدالرحمٰن نے دنیا کے کونے کونے سے علماء، فقہاء اور ماہرین فن کو تلاش کر کے قرطبہ میں بلایا، ان کی خوب عزت افزائی کی، چنانچہ اس قدر دانی کا یہ نتیجہ تھا، کہ یونان، قسطنطنیہ، قاہرہ، قیروان، دمشق، مکہ، مدینہ، یمن، ایران اور خراسان تک کے علماء اور ماہرین فن قرطبہ میں جمع ہو گئے،

وفات اور دیگر حالات

ایک بادشاہ میں جو خوبیاں ہونا چاہئیں، وہ سب عبدالرحمٰن میں موجود تھیں، بہادری اور شجاعت کے ساتھ ملک کو ترقی دینے کا اسے بڑا شوق تھا، اسے تعمیر سے بڑی دلچسپی تھی، سارے ملک میں سڑکوں کا جال بچھا دیا تھا، سینکڑوں مسجدیں بنائیں، اور مدارس قائم کئے، عدالتوں کا انتظام کیا، ڈاک کا نظام، زراعت کی ترقی، سربفلک مکانات، یتیم خانے، اقامت خانے مسافر خانے، گداگروں کی پرورش کا انتظام، غرض موجودہ دور کی ترقی یافتہ دنیا بھی ابھی تک ایسا انتظام نہیں کر سکی،

عبدالرحمٰن نے اپنی ایک عیسائی بیوی کے نام سے قصر الزہرہ تعمیر کرایا، اس بے نظیر محل کو جنت کا نمونہ خیال کیا جاتا تھا، افسوس ہے، کہ جب اسپین عیسائیوں کے ہاتھ میں آیا، تو انہوں نے اسے گرا کر زمین کا پیوند بنا دیا، اسپین کی آمدنی کا یہ عالم تھا، کہ تمام یورپ تنہا اسپین سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا،

سلطان عبدالرحمٰن ثالث پچاس سال حکومت کرنے کے بعد ۷۰ سال کی عمر میں ۳۵۰ھ میں انتقال کر گیا، اس کے مرنے کے بعد اس کے کاغذات میں سے ایک نوشتہ برآمد ہوا جس میں اس نے لکھا تھا، کہ گو مجھے تخت پر بیٹھے ہوئے پچاس برس ہو چکے ہیں، اور مجھے دنیا کی ہر نعمت خدا نے عطا کی ہے، لیکن ان پچاس سال میں صرف چودہ دن ایسے ہیں، جو میں نے خوشی سے گذارے ہیں، اس سے لوگوں کو نصیحت اور عبرت حاصل کرنی چاہیئے، دنیا کی عظمت اور زندگی ہیچ ہے"

حکم بن عبدالرحمٰن ثالث (۹)

اپنے باپ کی وفات کے بعد ۳۵۰ھ (۹۶۱ء) میں تخت نشین ہوا، عمر ۴۸ سال کی تھی، تمام عمر علم کے حصول میں گذری تھی، اپنے زمانہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا، زیادہ وقت علمی مشاغل میں گذرتا تھا، عیسائیوں نے یہ سمجھ کر کہ اسے کتابیں پڑھنے سے فرصت نہیں ہے، بغاوت برپا کردی، مگر حکم نے سب کو شکست دے کر ثابت کردیا کہ میں اگر علم دوست ہوں، تو صاحب سیف بھی ہوں، حکم نے بہت تھوڑے عرصہ میں عیسائیوں کے حوصلے پست کر دیئے، اور انہوں نے اطاعت قبول کرلی،

عیسائیوں سے اس معرکہ آرائی کے بعد سلطان حکم کی بھی یورپین حکومتوں پر اسی طرح دھاک قائم ہوگئی جس طرح کہ اس کے باپ عبدالرحمٰن کی دھاک قائم تھی، چنانچہ اس کے دربار میں بھی اظہار اطاعت اور دوستی کے لئے فرانس اٹلی، قسطنطنیہ اور دیگر عیسائی ممالک کے سفراء حاضر ہونے لگے، اور بڑے بڑے قیمتی تحائف پیش کرنے لگے،

عیسائیوں سے اس معرکہ آرائی کے بعد سلطان حکم کو کسی فوجی مہم کی ضرورت پیش نہیں آئی، ملک میں ہر طرف امن وامان قائم ہوگیا تھا، سلطان کا بیشتر وقت ملک کی اندرونی اصلاح یا علمی مشاغل میں صرف ہوتا تھا، حکم بڑا ہی وسیع النظر بادشاہ تھا، اس کے دور حکومت میں جملہ مذاہب کے افراد کو پوری طرح مذہبی آزادی حاصل تھی، یہ عدل وانصاف کا بے حد شائق تھا، احکام قرآنی کا سختی سے خود بھی پابند تھا، اور اپنی مسلم رعایا پر بھی زور دیتا تھا، کہ وہ بھی احکام قرآنی کی پابندی کریں، شراب اور نشی اشیاء کی تجارت اور استعمال کو اس نے قانوناً ممنوع قرار دے دیا، اس نے تمام بڑے بڑے شہروں میں دارالعلوم اور قصبوں میں بے شمار مدارس قائم کردیئے تھے،

سلطان حکم کی وفات

سلطان حکم کی کتب بینی اور ذوق علمی کا یہ عالم تھا، کہ اس نے دور دراز مقامات سے ہزاروں کتابوں کے ترجمے کرا کر منگوائے، شاہی کتب خانہ کے لئے شاندار عمارت تعمیر کرائی، کئی لاکھ کتابوں کا ذخیرہ تھا جو قرینہ سے لائبریری میں لگا تھا، خود سلطان کو بھی کتابیں لکھنے کا بڑا شوق تھا، سلطان حکم نے ۱۶ سال حکومت کی، اور فالج کی بیماری میں مبتلا ہو کر ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں انتقال کر گیا،

ہشام ثانی بن سلطان حکم (۱۰)

اپنے باپ حکم کے بعد ہشام ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) میں تخت نشین ہوا عمر ۱۲ سال کی تھی، ماں عیسائی نسل کی تھی؛ ہشام کی کم عمری نے پرانے دشمنوں کے حوصلے بڑھا دیئے، نہ صرف آپس کی مخالفتیں بڑھ گئیں، بلکہ باغی امراء اور عیسائی حکمرانوں نے بغاوت برپا کر دی، اور عام لوٹ مار شروع کر دی، خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، وزیر جعفر مصحفی جو قدیمی وفادار اور اسپینی فتوحات میں بڑا حصہ رکھتا تھا، وہ بھی عاجز آ گیا،

ہشام کا اتالیق محمد بن عامر جو ملکہ کی نظروں میں بے حد چڑھا ہوا تھا، ملکہ نے اسے نائب وزیر کا عہدہ دے کر وزیر جعفر کا معاون بنا دیا، یا بالفاظ دیگر جعفر تو نام کا وزیر رہ گیا، ملکہ نے اصل وزیر محمد بن عامر کو مقرر کر دیا چنانچہ عامر چند ماہ کے اندر ہی پوری سلطنت پر حاوی ہو گیا، محمد بن عامر کی ابتدائی زندگی بڑی عجیب ہے، محمد بن عامر ایک یتیم اور بے سہارا لڑکا تھا جس نے قرطبہ کے سرکاری مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وہ عرائض نویسی کرنے لگا، اس کے بعد ملکہ صبح کے ہاں محرروں میں نوکر ہو گیا، پھر اسے اشبیلیہ کا تحصیلدار مقرر کر دیا گیا، ملکہ صبح کی سفارش سے چند ماہ بعد محکمہ دار الضرب کا مہتمم بن گیا، اور مرنے سے قبل سلطان حکم نے اسے ہشام کا اتالیق مقرر کر دیا تھا، اور ہشام کی تخت نشینی کے بعد ملکہ صبح کی عنایت سے پہلے یہ نائب وزیر بنا، اور اس کے بعد پوری سلطنت اسپین کا مختار بن گیا، اور اس کا اثر و رسوخ اتنا بڑھا، کہ اس نے بادشاہ کو تو محل میں نظر بند کر دیا، اور خود حکومت کرنے لگا، لیکن اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی، اور اپنی غیر معمولی قابلیت سے تمام مخالف طاقتوں کو کچل کر رکھ دیا،

محمد بن عامر بہت ہوشیار تھا، اس نے نئے سرے سے فوج کی تنظیم کی، مضبوط اور جنگجو دیہاتیوں کو بھرتی کیا، اور سالار اعظم کا عہدہ خود سنبھال لیا، محمد بن عامر نے بڑی ہوشیاری سے عیسائیوں کے مقابلہ پر عیسائی فوج کو لڑایا اور بری طرح ان کو شکست دی، اور افریقہ میں گھس کر اسپینی حکومت کو بہت وسعت دی، محمد نے اس کثرت سے معرکے کئے، کہ یورپ کے عیسائی اس کے نام سے کانپنے لگے، سب نے اطاعت قبول کر لی، محمد نے "منصور" کا لقب اپنے لئے استعمال کیا، ۲۷ سال وزیر اعظم رہا، بلکہ بادشاہی کی، ہشام کے اختیارات اگرچہ بہت کم ہو گئے تھے مگر وہ محمد کے کارناموں سے بہت خوش تھا، اور جب محمد کا انتقال ہوا، تو ہشام کو بہت بڑا غم ہوا،

محمد بن عامر کے مرنے کے بعد ہشام نے اس کے بڑے بیٹے عبد الملک بن عامر کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا، عبد الملک بھی اپنے باپ کی طرح نہایت لائق وزیر ثابت ہوا، چھ سال وزارت کے فرائض انجام دینے کے بعد جب

عبدالملک فوت ہوگیا، تو سلطان ہشام نے اس کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن ناصر کو حکومت کے اختیارات سپرد کر دیئے وزیر ناصر نے جب دیکھا کہ ساری حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے، تو اس نے سلطنت پر قبضہ جمانے کے لئے جوڑ توڑ شروع کردیا، اور سلطان ہشام کو مجبور کر کے اپنی ولیعہدی کا اعلان کرادیا، اسپین کی اموی حکومت کے حامیوں نے جب دیکھا کہ سلطان ہشام کی کمزوری اور ناصر کی عیاری کی بدولت اس خاندان سے حکومت نکلی جارہی ہے، تو انہوں نے نہایت وسیع پیمانے پر ہشام اور ناصر کے خلاف بغاوت برپا کردی، اس بغاوت میں ناصر کو قتل کر دیا گیا، اور ہشام کو معزول کر کے اس کی بجائے ایک دوسرے اموی شہزادے محمد مہدی بن ہشام بن عبدالجبار کو قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا گیا، یہ واقعہ ۳۹۹ھ میں پیش آیا تھا،

محمد مہدی بن ہشام بن عبدالجبار (۱۱)

ہشام ثانی کی معزولی کے بعد باغیوں نے محمد مہدی کو ۳۹۹ھ (۱۰۰۹ء) میں تخت نشین کردیا، عیسائی حکمرانوں نے خوب خانہ جنگی برپا کرائی، چنانچہ اسلامی سلطنت کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا، حکومت کی باگ ڈور فوجیوں کے ہاتھ میں چلی گئی، رعایا پر بے پناہ ظلم کیے گئے

مہدی نے رعایا کی فریاد نہیں سنی، اور بربری فوجوں کی مدد کرتا رہا، یہاں تک کہ چند بربریوں کو رعایا نے قتل کر دیا، تو قصاص میں بہت سے شہریوں کو سزائے موت دے دی، مگر بربری فوج کے اقتدار کو مہدی بھی برداشت نہیں کرسکا، اور درپردہ ان کے زور کو توڑنے کی کوشش شروع کردی، بربری مہدی کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوگئے، اور ایک اموی شہزادے سلیمان بن حکم کی خلافت کا اعلان کر دیا سلیمان نے مستعین باللہ کے لقب سے قرطبہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کردیں، عیسائی حکمرانوں نے مستعین کی مدد کی، اور قرطبہ پر زور شور سے حملہ کردیا، مہدی نے مقابلہ کیا، مگر شکست کھا کر طلیطلہ بھاگ گیا، عیسائیوں نے قرطبہ میں داخل ہو کر علماء کو قتل کیا، اور رعایا کو خوب لوٹا، نیز بے اندازہ مظالم کئے،

مہدی کی دوبارہ فتح اور قتل

چند ہی روز کے بعد ابن الوقت عیسائی مہدی کے ساتھ ہوگئے، اور مستعین کا ساتھ چھوڑ دیا، عیسائی حکمران ادفونش نے کافی فوج مہدی کو دے کر قرطبہ پر حملہ کرادیا، مستعین حملہ کی تاب نہ لاسکا، اور بھاگ کھڑا ہوا، اور قرطبہ دوبارہ مہدی کے قبضہ میں آگیا عیسائی مسلمانوں کو لوٹتے رہے، اور مہدی عیش و عشرت کی زندگی محل میں گذارتا رہا، عیسائیوں کی دلی خواہش

تھی، کہ مسلمانوں کو خوب کمزور کیا جائے، چنانچہ وہ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہو چکے تھے، امرائے قرطبہ نے جب دیکھا، کہ مہدی کی حماقت کی وجہ سے اسپین کی اسلامی حکومت عیسائیوں کے قبضہ میں جا چکی ہے، اور قرطبہ کے کسی شریف خاندان کی عزت محفوظ نہیں ہے، تو انہوں نے اسلامی لشکر جمع کر کے ایک طرف تو عیسائیوں کے زور کو توڑا، اور دوسری طرف مہدی کو معزول کر کے اس کی بجائے ہشام ثانی بن حکم کو قید خانہ سے نکال کر دوبارہ تخت پر بٹھا دیا، اور ہشام ثانی کے روبرو مہدی کو لا کر قتل کر دیا، یہ واقعہ ۴۰۰ھ میں پیش آیا،

ہشام ثانی بن حکم دوبارہ تخت قرطبہ پر (۱۲)

مہدی کے قتل کے بعد ہشام ثانی کو قید سے نکال کر دوبارہ ۴۰۰ھ (۱۰۱۰ء) میں تخت نشین کیا گیا، اسپین کی اسلامی حکومت دم توڑ چکی تھی، اور ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔

عیسائی حکمران ادفونش نے جب دیکھا، کہ اس کے پٹھو مہدی کو مسلمان امراء نے قتل کر دیا ہے، اور عیسائی لشکر کو قرطبہ سے نکال دیا ہے، تو وہ پھر مستعین سے مل گیا، اور اس نے مستعین کے ساتھ متحد ہو کر قرطبہ کا محاصرہ کر لیا، اور قرطبہ کے ارد گرد کا سارا علاقہ تباہ کر دیا، ہشام ثانی نے ادفونش کے محاصرہ سے تنگ آ کر اس کے ساتھ صلح کر لی اور ادفونش کو مستعین سے علیحدہ کرنے کے لئے اس کی ریاست سے متصل مسلم علاقہ کے دو سو قلعے اور کئی شہر اسے دے دیئے، اور ان علاقوں کی سند لکھ کر ادفونش کے پاس بھیجدی، ادفونش اس زبردست مال غنیمت کے حصول کے بعد مستعین کی امداد سے کنارہ کش ہو گیا۔

ادفونش نے گو مستعین کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، اور اس کے علیحدہ ہو جانے کے بعد مستعین کی طاقت کمزور پڑ گئی تھی مگر وہ بدستور قرطبہ کا محاصرہ کئے رہا، چنانچہ حالت یہ تھی، کہ کبھی تو سلطانی فوجیں مستعین پر غالب آ جاتی تھیں، اور کبھی مستعین کا بربری لشکر سلطانی فوجوں کو نیچا دکھا دیتا تھا، ادھر دوسرے عیسائی حکمرانوں کی حالت یہ تھی، کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ادفونش ایک بڑے علاقہ کی سند سلطان سے لے آیا ہے، تو انہوں نے بھی سلطان کو مستعین کی امداد کی دھمکیاں دے کر کئی علاقوں کی سندیں حاصل کر لیں، غرض کہ مستعین اور ہشام ثانی کی اس خانہ جنگی کی بدولت سلطنت اسپین کا بیشتر علاقہ مسلمانوں سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھ میں چلا گیا، لیکن اس کے باوجود بھی ہشام ثانی قرطبہ کو مستعین سے نہ بچا سکا، چنانچہ ۴۰۳ھ میں مستعین نے ایک زبردست حملہ کے بعد قرطبہ پر قبضہ کر لیا، ہشام ثانی اس

ہنگامہ میں قتل ہوگیا، اور مستعین نے قرطبہ میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا،

مستعین باللہ کی دوبارہ آمد (۱۳)

ہشام ثانی کے قتل اور شکست کے بعد مستعین باللہ ۴۰۳ھ (۱۰۱۳ء) میں تخت نشین ہوا، مگر اب پوری حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی، اور اکثر مقامات عیسائیوں کے قبضہ میں جا چکے تھے، صوبوں میں حاکموں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا،

ابن عباد اشبیلیہ کا بادشاہ بن گیا تھا، بطلیوس میں ابن افطس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا، طلیطلہ کی حکومت ابن ذوالنون کے قبضہ میں آگئی تھی، ابن ابی عامر بلنسیہ اور مرسیہ کا بادشاہ بن گیا تھا، ابن ہود نے سرقسطہ میں تاج شاہی پہن لیا تھا، اور مجاہد عامری دانیہ اور جزائر کا سلطان بن گیا تھا، شمالی علاقہ میں جو عیسائی سلاطین موجود تھے، ان سب نے دور دور تک اسلامی علاقوں میں قبضہ جما کر اپنی حکومتوں کی سرحدوں کو خوب بڑھا لیا تھا، مستعین کے پاس صرف قرطبہ رہ گیا تھا، ۳ سال چند ماہ گذرنے پائے تھے، کہ ۴۰۷ھ میں علی بن حمود نے مستعین کو قتل کر کے اس کا بھی خاتمہ کر دیا،

اسپین سے اموی حکومت کا خاتمہ

مستعین اور دوسرے اموی سلاطین کی خانہ جنگی کے بعد اگرچہ ۴۰۷ھ ہی میں اسپین سے خاندان بنی امیہ کی حکومت ختم ہو چکی تھی، لیکن چونکہ اب بھی اس ملک میں خاندان بنی امیہ کے شہزادے موجود تھے، اس لئے وہ برابر اسپین کی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرتے رہے،

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے، کہ ۴۰۷ھ میں علی بن حمود مستعین کے قتل کے بعد قرطبہ پر قابض ہوگیا تھا اور اس نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا، اور چھ سال تک وہ اور اس کا بھائی قاسم بن حمود قرطبہ پر حکمران رہے، لیکن ۴۱۳ھ میں ان کی حکومت ختم ہوگئی،

ان کی حکومت کے ختم ہونے کے بعد ۴۱۴ھ میں اہل قرطبہ کی کوشش سے عبدالرحمن بن ہشام بن عبدالجبار جو سلطان مہدی کا بھائی تھا، مستظہر کے لقب کے ساتھ قرطبہ کے تخت پر بیٹھا، لیکن وہ دو مہینے سے زیادہ حکومت نہیں کر سکا،

دو ماہ کے بعد محمد بن عبدالرحمن بن عبیداللہ بن عبدالرحمن نے اس پر فوج کشی کر کے تخت چھین لیا، اور مستکفی کا

لقب اختیار کرنے کے بعد ۴۱۶ھ تک حکومت کرتا رہا،

۴۱۶ھ میں یحییٰ بن علی بن حمود نے حملہ کر کے مستکفی سے قرطبہ کی حکومت چھین لی، اور مستکفی فرار ہوگیا، یحییٰ بن علی بن حمود ۴۱۸ھ تک حکومت کرتا رہا،

۴۱۸ھ میں وزیر سلطنت ابو محمد جہور بن محمد نے ہشام بن محمد اموی کی غائبانہ بیعت کر کے قرطبہ کی حکومت پر قبضہ جمالیا، ہشام بن محمد تو بدستور وہیں رہا، اور ہیاس کے نام سے ۴۲۰ھ تک قرطبہ میں حکومت کرتا رہا، ۴۲۰ھ میں جب قرطبہ کے امراء میں خانہ جنگی شروع ہوئی، تو ہشام بن محمد اموی قرطبہ آگیا، اور اس کی باقاعدہ تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی، لیکن ۴۲۲ھ میں جب فوج نے بغاوت کر کے اسے معزول کر دیا، تو ہشام معزول ہونے کے بعد قرطبہ سے لریدہ چلا گیا، اور ۴۲۸ھ میں وہیں فوت ہوگیا، اور اس کی موت کے ساتھ اسپین سے خاندان بنی امیہ کی برائے نام سلطنت بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی،

اسپین کی چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں!

اسپین کی مرکزی اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد اسپین میں بے شمار چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں اور ریاستیں قائم ہوگئی تھیں، لیکن ان میں سے سات حکومتوں کو تاریخ میں زیادہ اہمیت حاصل ہے، یہ سات حکومتیں یہ ہیں

(۱) قرطبہ میں خاندان حمودیہ کی حکومت، (۲) اشبیلیہ میں خاندان عبادیہ کی حکومت (۳) صوبہ بطلیوس میں خاندان افطس کی حکومت (۴) غرناطہ میں خاندان زیریہ کی حکومت (۵) قرطبہ میں خاندان جہور کی حکومت (۶) طلیطلہ میں خاندان ذوالنون کی حکومت (۷) سرقسطہ میں بنی ہود کی حکومت،

ان ساتوں ریاستوں پر اسپین کے عمال حکومت نے زمانہ دراز تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے ذیل میں ہم ان حکومتوں کے حالات مختصر الفاظ میں درج کرتے ہیں،

خاندان حمودیہ خاندان حمودیہ کی حکومت کا بانی علی بن حمود ہے، جو سلطان مستعین اموی کے زمانہ میں طنجہ اور افریقہ کے بعض علاقوں کا گورنر تھا، مستعین کے عہد حکومت میں جب اسپین کی مرکزی حکومت بے جان ہوگئی، تو علی بن حمود نے پہلے تو طنجہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا، اس کے بعد جہازوں کے ذریعہ اسپین کی سرزمین پر فوج اتارنے کے بعد مستعین کے خلاف جنگ شروع کر دی، اور ۴۰۷ھ میں مستعین کو شکست دے کر اور قتل کر کے اس نے اسپین کے دارالسلطنت قرطبہ پر قبضہ کر لیا، لیکن ایک سال کی حکومت کے بعد ہی ۴۰۸ھ

میں اسے قتل کر دیا گیا،

علی بن حمود کے بعد اس کا بھائی قاسم بن حمود قرطبہ میں تخت نشین ہوا لیکن ۴۱۲ھ میں یحییٰ بن علی حمود نے قاسم بن حمود کو شکست دے کر قرطبہ کی حکومت پر قبضہ جمالیا، مگر ۴۱۳ھ میں بہت سے فوجی سرداروں نے یحییٰ کے خلاف بغاوت کر کے اسے معزول کر دیا، اور قاسم بن حمود کو دوبارہ قرطبہ کے تخت پر بٹھادیا یحییٰ بن علی حمود نے قرطبہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مالقہ میں اپنی نئی حکومت قائم کرلی، اور اس کا بھائی ادریس طنجہ کا حکمران بن گیا،

فوجی سرداروں نے گو اپنی طاقت کے بل پر قاسم بن حمود کو دوبارہ قرطبہ کے تخت پر بٹھایا لیکن قرطبہ کے باشندے قاسم بن حمود کو سخت ناپسند کرتے تھے، وہ قرطبہ کے تخت پر کسی اموی شہزادہ کو بٹھانا چاہتے تھے، قاسم نے یہ رنگ دیکھا، تو اس نے چن چن کر اموی شہزادوں کو قتل کرنا شروع کیا، امویوں سے چونکہ قرطبہ والوں کو غیر معمولی ہمدردی تھی، اس لئے وہ قاسم کے ہاتھوں امویوں کے قتل عام پر بگڑ گئے، اور قاسم بن حمود کے خلاف بغاوت برپا کردی، یہ بغاوت اتنی بڑھی، کہ قاسم اور اس کی بربری فوج قرطبہ سے فرار ہونے پر مجبور ہوگئی، قاسم فرار ہو کر پہلے اشبیلیہ پہنچا، پھر وہاں سے سریش چلا گیا، یحییٰ بن علی حمود جو قاسم کا جانی دشمن تھا، اس نے ۴۱۵ھ میں قلعہ سریش فتح کرنے کے بعد قاسم بن حمود کو قتل کرادیا، غرض کہ قرطبہ اور اسپین کے مختلف علاقوں کی حکومتیں خاندان حمودیہ کے مختلف سرداروں کی جانب یکے بعد دیگرے منتقل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ۴۵۰ھ میں ابوالقاسم بن معتضد حاکم اشبیلیہ نے اس خاندان کے آخری حکمران واثق بالنصر کے خلاف صوبہ جزیرہ پر حملہ کر کے اسے گرفتار کرلیا، اور اس طرح خاندان حمودیہ کی حکومت ۴۵۰ھ میں ختم ہوگئی،

خاندان عبادیہ ابوالقاسم محمد اشبیلیہ کا سابق وزیر اور قاضی تھا، یہ خاندان عبادیہ سے تعلق رکھتا تھا، اسپین کی مرکزی اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد اس نے ۴۱۴ھ میں اشبیلیہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا، اشبیلیہ اسپین کے جنوب و مغرب میں واقع تھا، اور اسے قرطبہ کے بعد اسپین میں بہت بڑی اہمیت تھی، ابوالقاسم کے بعد اس کا بیٹا ابوعمر معتضد کے لقب سے تخت پر بیٹھا، اور حکومت کو خوب ترقی دی اس نے قرمونہ، سریش، ارکش، رندہ، اونبہ، سلطیش، شلب اور لبلہ کو فتح کر کے اپنی طاقت خوب بڑھائی، یہاں تک ۴۵۲ھ میں اس نے قرطبہ، المیریہ اور مرتلہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا،

ابوعمر عباد معتضد کے بعد ۴۶۱ھ میں اس کا بیٹا معتمد اشبیلیہ میں تخت نشین ہوا، معتمد نے بھی حکومت کو وسیع کیا معتمد کا باپ معتضد ۴۵۷ھ سے کیسٹل اور لیون کے عیسائی سلطان فرڈی نند کو خراج دیا کرتا تھا، لیکن معتمد نے خراج کی ادائیگی بند کردی، اور جو لوگ وصول کرنے آئے ان کو قتل کردیا، اور پھر الفانسو کے حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے یوسف بن تاشفین والئی مراکش سے مدد مانگی، یوسف فوج لے کر آیا، الفانسو نے بھی ۷۰ ہزار فوج لے کر سخت حملہ کیا، مگر شکست کھا کر بھاگ گیا،

یوسف بن تاشفین مسلمانان اسپین کو عیسائیوں کے مقابلہ میں فتحیاب کرنے کے بعد جوں ہی مراکش واپس گیا تھا اسپین کے مسلم سلاطین میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تاشفین نے سوچا کہ اگر اسپین کے مسلم سلاطین اسی طرح لڑتے رہے تو عیسائیوں کا پورے اسپین پر قبضہ ہو جائے گا، لہٰذا وہ آئندہ سال مسلم سلاطین کی تادیب کے لیے دوبارہ اسپین آیا، اور اکثر مسلم امراء اور سلاطین سے اقرار اطاعت لے کر اپنا گورنر اسپین میں چھوڑ گیا،

مگر خانہ جنگی پھر بھی بند نہیں ہوئی، آخر تاشفین نے معتمد کو گرفتار کر کے اشبیلیہ میں مستقل اپنی حکومت قائم کر دی اور اس طرح خاندان عبادیہ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا،

خاندان افطس

صوبہ بطلیوس جو اسپین کے مغرب میں واقع تھا، وہاں اسپین کی مرکزی حکومت کے زوال کے بعد ابن افطس نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی، ابن افطس اسپین کا ایک لائق سردار تھا، ابن افطس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مظفر بطلیوس میں تخت نشین ہوا، یہ دوسرے مسلم سلاطین کے ساتھ بری طرح خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا، چنانچہ اس کی خاندان ذوالنون اور خاندان عبادیہ سے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں،

مظفر کے مرنے کے بعد سنہ ۴۶۰ھ میں جب اس کا بیٹا ابو حفص متوکل کے لقب سے تخت نشین ہوا، تو اس نے اسپین کے دوسرے مسلمان حکمرانوں کو نیچا دکھانے کے لئے عیسائی سلاطین سے ساز باز شروع کر دی، اس ضمیر فروش خود غرض بادشاہ کی کوشش یہ تھی، کہ جتنی بھی اسلامی ریاستیں اسپین میں باقی رہ گئی ہیں، ان پر عیسائیوں کا قبضہ کرا دے، اور یوسف بن تاشفین کے زور کو اسپین سے ختم کر دے،

یوسف بن تاشفین کو جب اس بادشاہ کی مسلم کشی اور غداری کا علم ہوا، تو اس نے متوکل اور اس کے سارے خاندان کو قتل کرا کے بطلیوس میں اپنی جانب سے عامل مقرر کر دیا، اور اس طرح اس خاندان کا بھی تاشفین کے ہاتھوں اسپین سے خاتمہ ہو گیا،

خاندان زیریہ

غرناطہ اسپین کے جنوب میں واقع تھا جس کی سرحدیں ساحل سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھیں اسپین کی مرکزی حکومت کے زوال کے بعد ایک بربری سردار زاوی بن زیری نے غرناطہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی،

زاوی بن زیری سنہ ۴۱۰ھ میں جب اپنے بیٹے کو قائم مقام بنا کر شاہ قیروان کے پاس افریقہ گیا، تو اس کے بھائی ماکس زیری نے اپنے بھتیجے سے حکومت چھین کر اس پر قبضہ جما لیا،

ماکس زیری انیس سال حکومت کرنے کے بعد جب سنہ ۴۲۹ھ میں مر گیا، تو اس کا بیٹا ابن حابوس زیری تخت نشین ہوا، ابن حابوس کی شاہان ذوالنون اور شاہان عبادیہ سے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں

ابن حابوس کی وفات کے بعد سنہ ۴۶۷ھ میں اس کا پوتا ابو محمد عبداللہ تخت نشین ہوا، اور اپنا لقب "مظفر" اختیار

کیا، اور اپنے بھائی کو مالقہ کی حکومت سپرد کی، لیکن ۴۸۳ھ میں مرابطین مراکش نے ان دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا، اور وہاں اپنا عامل مقرر کر دیا،

خاندان ابن جہور: اس سے قبل بتایا جا چکا ہے، کہ قرطبہ میں خاندان حمودیہ کی حکومت قائم تھی، لیکن ۴۱۴ھ میں خاندان حمودیہ کے حکمران قاسم بن حمود نے جب چن چن کر اموی خاندان کے افراد کو قتل کرنا شروع کیا، تو قرطبہ کے مسلمان بگڑ گئے، اور انہوں نے بغاوت برپا کر کے قاسم بن حمود کو قرطبہ سے نکال دیا تھا اس کے بعد کئی سال تک قرطبہ میں طوائف الملوکی رہی، لیکن ۴۲۲ھ میں قرطبہ کے باشندوں نے جہور بن محمد بن عبداللہ کو قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ ۴۳۵ھ تک حکومت کی،

جہور بن محمد کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابو الولید تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی طرح بڑی ہوشیاری کے ساتھ حکومت کی، یہ رعایا میں بے حد مقبول تھا،

ابو الولید کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا عبدالملک قرطبہ کے تخت پر بیٹھا، تو خاندان ذوالنون نے قرطبہ پر چڑھائی کر دی، عبدالملک نے شاہان عبادیہ سے امداد طلب کی، تو انہوں نے قرطبہ آ کر خاندان ذوالنون کو تو مار بھگایا لیکن یہ خود عبدالملک کو قید کر کے قرطبہ کے حاکم بن گئے، اور اس طرح ۴۶۱ھ میں قرطبہ سے خاندان ابن جہور کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا،

خاندان ذوالنون: طلیطلہ اسپین کا نہایت ہی اہم علاقہ تھا، جو اسپین کے عین وسط میں واقع تھا، جب اسپین کی مرکزی حکومت ختم ہو گئی، تو ۴۱۹ھ میں اسمٰعیل بن ظافر ذوالنون نے پہلے تو قلعہ اقلیش پر قبضہ جمایا، اور خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کرتا رہا، اس کے بعد ۴۲۷ھ میں طلیطلہ کو فتح کر کے اسے بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا،

اسمٰعیل ذوالنون کے مرنے کے بعد ۴۲۹ھ میں اس کا بیٹا یحییٰ مامون تخت نشین ہوا، اس نے بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے، عیسائی سلاطین سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئی ہیں، اس نے صوبہ بلنسیہ بھی فتح کر لیا تھا، اور قرطبہ پر بھی قبضہ جما لیا تھا،

یحییٰ مامون کو ۴۶۷ھ میں زہر دیا گیا، اس کے مرنے کے بعد اس کا پوتا قادر تخت نشین ہوا، لیکن ۴۷۸ھ میں کیسٹل کے عیسائی سلطان الفانسو نے اس سے طلیطلہ چھین لیا، طلیطلہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد وہ بلنسیہ چلا گیا، اور وہاں حکومت کرتا رہا، اور ۴۸۱ھ میں قادر نے وفات پائی، قادر کے مرنے کے بعد اس خاندان کی حکومت بلنسیہ سے بھی ختم ہو گئی،

خاندان بنی ہود: سرقسطہ اسپین کے شمال میں عیسائی ریاستوں سے بالکل متصل واقع تھا، سرقسطہ میں

بنی ہود کی حکومت کا بانی منذر بن مطرف ہے جو بنی ہود کا ایک سردار تھا، یہ سلطان مستعین کے زمانہ میں سرقسطہ کا حاکم تھا اسپین کی مرکزی حکومت کے زوال کے بعد اس نے منصور کا لقب اختیار کر کے سرقسطہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اس کی سلطنت کی حدود چونکہ عیسائی ریاستوں سے ملی ہوئی تھیں، اس لئے اس نے عیسائی سلاطین سے دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے

منصور کی وفات کے بعد سنہ ۴۱۳ھ میں اس کا بیٹا مظفر سرقسطہ میں تخت نشین ہوا، اور سولہ سترہ سال تک بڑے اطمینان کے ساتھ حکومت کرتا رہا، لیکن سنہ ۴۳۱ھ میں سلیمان بن محمد بن ہود نے مظفر پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اور سرقسطہ پر قابض ہو گیا،

مظفر کے بیٹے یوسف نے باپ کے قتل کے بعد سرقسطہ سے فرار ہو کر جب لیرده میں اپنی جدید حکومت قائم کر لی، تو سلیمان بن محمد نے اسے لیرده سے نکالنے کے لئے بھی یورش کر دی، مگر یوسف نے اسے مار بھگایا.

یوسف کے سرقسطہ سے لیرده چلے جانے کے بعد سلیمان بن محمد بن ہود سنہ ۴۳۸ھ تک حکومت کرتا رہا، سلیمان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا احمد، مقتدر باللہ کے لقب کے ساتھ سرقسطہ میں تخت نشین ہوا، یہ عیسائی سلاطین کا بہت بڑا معاون تھا،

مقتدر کی وفات کے بعد سنہ ۴۷۴ھ میں اس کا بیٹا یوسف مؤتمن کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا، اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا مستعین تخت پر بیٹھا، جو عیسائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا، مستعین کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک عماد الدولہ تخت نشین ہوا، عیسائیوں نے اس پر یورش کر کے سرقسطہ پر قبضہ جما لیا، یہ سرقسطہ سے فرار ہو کر قلعہ روطہ میں چلا گیا، اور وہیں فوت ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا سیف الدولہ قلعہ روطہ میں تخت نشین ہوا، مگر یہ قلعہ روطہ عیسائیوں کے ہاتھ فروخت کر کے طلیطلہ چلا گیا، اور وہاں جا کر آباد ہو گیا،

اسپین کی مندرجہ بالا اسلامی حکومتوں کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی بہت سی خود مختار ریاستیں تھیں، مگر سب آپس میں لڑتی رہتی تھیں، جس کی وجہ سے اسپین کا ایک بڑا علاقہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا،

شاہان مرابطین

عیسائی حکمرانوں نے مسلمان سلاطین کی اس خانہ جنگی سے خوب فائدہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے اسلامی اسپین کے اکثر علاقوں پر قبضہ جمانے کے بعد مسلمانان اسپین پر وہ ظلم و ستم کئے، جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ موجب عبرت رہیں گے

عیسائیوں کی چیرہ دستیوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ انہوں نے عالیشان مسجدوں کو مسمار کر ڈالا، اور ان کی جگہ نئے گرجے تعمیر کر لئے، اس کے علاوہ مسلمانوں کو بالجبر عیسائی بنانے کے لئے بے پناہ مظالم کئے، چنانچہ جو مسلمان عیسائی مذہب قبول نہیں کرتے تھے، ان کو تڑپا تڑپا کر قتل کیا جاتا تھا، آزادانہ مسلمان عورتوں کی عصمت دری

کی گئی، اور بے شمار معصوم بچے ان کی ماؤں کے سامنے انتہائی بے دردی کے ساتھ ذبح کر دیئے گئے

اسپین میں مسلم عوام کی بے بسی اور عیسائیوں کی ان چیرہ دستیوں کو دیکھ کر مراکش (افریقہ) کی سلطنت مرابطین کے درد مند سلطان یوسف بن تاشفین کئی مرتبہ اسپین کے مسلم سلاطین کی مدد کے لئے خود اسپین آیا، اور اس نے عیسائی سلاطین کی اچھی طرح سے سرکوبی کی، لیکن جب بھی وہ اسپین سے واپس گیا، تو اسپین کے مسلم سلاطین میں پھر وہی خانہ جنگی شروع ہو گئی، اور عیسائی سلاطین نے ان کی خانہ جنگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حسب سابق مسلم علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا، اور مسلم عوام پر عیسائیوں نے نئے نئے ظلم و ستم ڈھانے شروع کر دیئے

اسپین پر یوسف بن تاشفین کا قبضہ

اسپین کے مسلم سلاطین کی بے حمیتی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے شاہان مرابطین کے خلاف عیسائی سلاطین سے سازباز شروع کر دی، یہ ایسی خطرناک غلطی تھی، کہ جس کے نتیجے میں مسلم سلاطین کا خاتمہ ہو جاتا، مگر یوسف بن تاشفین نے اس کو شدت سے محسوس کیا، اور ۴۸۴ھ میں چھوٹے چھوٹے مسلم سلاطین کو ختم کر کے اسپین میں مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی، اور عیسائیوں سے تمام علاقہ چھین کر پھر مسلمانوں کی باجگذاری پر مجبور کر دیا،

یوسف بن تاشفین بڑا ہی درد مند اور سچا مسلمان تھا، اس نے مسلمانان اسپین کو عیسائیوں کے چنگل سے نکالنے کے لئے جس حوصلہ مندی کا ثبوت دیا ہے، اسے مسلمان تاقیامت فراموش نہیں کر سکتے، اس مرد مومن کے جوش ایمانی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ ایک طرف تو شمالی اسپین کی متعدد عیسائی سلطنتیں تھیں، جن کی پشت پناہی شاہ فرانس اور یورپ کے دوسرے عیسائی بادشاہ کر رہے تھے، اور دوسری جانب یہ اکیلا مرد مجاہد تھا، لیکن اس نے عیسائیوں کو اس طرح شکستوں پر شکستیں دیں، کہ عیسائیوں کے حوصلے پست ہو گئے، اور وہ تنگ آ کر مراکش کے اس شیر دل سلطان کی اطاعت پر مجبور ہو گئے،

اسلامی اسپین کے سلطنت مرابطین کے زیر نگین ہونے کے بعد یوسف بن تاشفین پندرہ سال زندہ رہا، اور اس پندرہ سال میں مسلمانان اسپین نہ صرف عیسائیوں کی چیرہ دستیوں سے مامون و محفوظ رہے، بلکہ اسلامی اسپین میں پھر سے وہی خوشحالی، مذہبی سرگرمی اور علمی ذوق و شوق دکھائی دینے لگا، لیکن یوسف بن تاشفین کے اس احسان عظیم کے باوجود اسپین کے عربی النسل باشندوں نے محض اس لئے یوسف بن تاشفین اور اس کی حکومت کو پسند نہیں کیا، کیونکہ وہ بربری لوگوں کو اپنے اوپر حکمران نہیں دیکھنا چاہتے تھے، لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا، کہ اگر بربری مسلمان اسپین آ کر ان کو عیسائیوں کے چنگل سے نہ نکالتے، تو ان کو عیسائیوں کا غلام بن کر زندگی گذارنی پڑتی،

یوسف کا انتقال

۵۰۰ھ میں یوسف بن تاشفین کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا علی بن یوسف تخت سلطنت پر بیٹھا، یہ بھی باپ کی طرح جرات مند اور عیسائیوں کا دشمن تھا، ۵۰۲ھ میں

طلیطلہ اور بہت سے علاقوں کو عیسائیوں سے چھین کر اسپین میں شامل کر دیا۔ اور اپنے بھائی تمیم کو اسپین کا وائسرائے مقرر کر دیا،

تمیم بن یوسف نے اسپین کی عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد سرقسطہ اور بہت سے علاقے دوبارہ فتح کرلئے اور اسپین کی اسلامی سلطنت کو خوب وسعت دی، عیسائیوں نے جب سرقسطہ پر دوبارہ قبضہ جمالیا، تو ۵۱۲ھ میں علی بن یوسف خود مراکش سے اسپین آیا۔ اور سرقسطہ کو عیسائیوں سے چھین کر ان کی اچھی طرح سرکوبی کی،

شاہان مرابطین کا زوال

حکومت اسپین جو کچھ کر رہی تھی یقیناً وہ مسلمانوں کے لئے مفید تھا، مگر دشواری یہ تھی، کہ اسپین کے عرب سردار مرابطین کو حقیر جانتے تھے چنانچہ عیسائیوں سے برابر سازش کرتے رہتے، یہاں تک کہ ۵۱۹ھ میں غرناطہ پر حملہ کرادیا، مگر اسپین کے وائسرائے تمیم بن یوسف نے سخت مقابلہ کیا، اور عیسائیوں کو آدھی فوج کٹوا کر بھاگنا پڑا،

علی بن یوسف نے بھی مراکش سے آکر ۵۲۱ھ میں اسپین کے عرب سرداروں کو سزائیں دیں، اور غرناطہ سے عیسائیوں کو افریقہ بھیجدیا، اور مخالف طاقتیں منتشر ہو گئیں، ۵۲۰ھ میں اسپین کے وائسرائے تمیم کا انتقال ہو گیا، شاہ مراکش نے اپنے بیٹے تاشفین بن علی کو وائسرائے مقرر کر دیا،

علی بن یوسف نے ۳۶ برس مراکش اور اسپین پر حکومت کی، اور ۵۳۷ھ میں فوت ہو گیا، علی کا دور حکومت خوشحالی کا دور تھا، اور وہ ہمیشہ اپنے باپ کے طریقہ پر چلنے کی کوشش کرتا رہتا تھا،

موحدین کا زور

علی بن یوسف کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا تاشفین بن علی جو اسپین کا وائسرائے رہ چکا تھا ۵۳۷ھ میں مراکش کے تخت پر بیٹھا، لیکن اس کے تخت نشین ہونے کے بعد ہی سے مرابطین کی حکومت کا زوال شروع ہو گیا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ مراکش میں موحدین کی حکومت دن بدن زور پکڑتی جا رہی تھی اور اس جماعت نے مرابطین کی حکومت کی بنیادوں کو ہلا ڈالا

موحدین کا زور تاشفین بن علی کے باپ علی بن یوسف ہی کے دور حکومت میں بڑھ گیا تھا، لیکن تاشفین جب تخت نشین ہوا، تو موحدین کی طاقت غیر معمولی حد تک بڑھ چکی تھی، تاشفین بن علی نے تخت نشین ہونے کے بعد یحییٰ بن علی غانیہ کو اسپین کا وائسرائے مقرر کر دیا، اور خود مراکش کے اندرونی جھگڑوں میں مصروف ہو گیا، یحییٰ بن علی غانیہ نے اسپین آنے کے بعد ابتداء میں تو عیسائیوں کی چیرہ دستیوں کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا، لیکن جوں جوں مراکش میں مرابطین کی حکومت کمزور ہوتی گئی، یحییٰ بن علی غانیہ کا حوصلہ بھی پست ہوتا چلا گیا،

۵۳۹ھ میں جب تاشفین بن علی موحدین کی جماعت کے رہنما عبدالمومن سے شکست کھانے کے بعد فوت ہوا تو مراکش کی حکومت کا انتظام بالکل درہم برہم ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی اسپین میں بھی مرابطین کی اسلامی حکومت کا شیرازہ

بکھرنے لگا تھا،

تاشفین بن علی کی موت کے بعد جب ۵۳۹ھ میں اس کا بیٹا ابراہیم بن تاشفین مراکش میں تخت نشین ہوا تو حکومت مرابطین تقریباً ختم ہو چکی تھی، ابراہیم بن تاشفین صرف دو سال حکمران رہا، دو سال کے بعد جماعت موحدین کے امام عبدالمومن نے ۵۴۱ھ میں مراکش پر حملہ کر کے فتح کر لیا، اور سلطنت مرابطین کے آخری بادشاہ ابراہیم تاشفین کو قتل کر دیا، ابراہیم تاشفین کے مارے جانے کے بعد نہ صرف مراکش سے بلکہ اسپین سے بھی مرابطین کی حکومت ختم ہو گئی،

خانہ جنگی اور خود مختاری

مرابطین کے خاتمہ سے عیسائیوں کو بہت خوشی ہوئی، اور انہوں نے کچھ اسلامی علاقوں پر قبضہ کرنا چاہا، مگر کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ یحییٰ بن علی غانیہ نے سخت مقابلہ کر کے دشمن کے حملہ کو ناکام بنا دیا، مگر ساتھ ہی یہ ہوا، کہ جو مسلم حکام جہاں جہاں حکمران تھے، انہوں نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اور پھر غلبہ و اقتدار کی ہوس میں آپس میں لڑنے لگے، اور خوب خانہ جنگی اور خونریزی ہوئی،

یحییٰ بن علی نے جب یہ حال دیکھا، تو وہ بھی اس ہوس کا شکار ہو گیا، اور قرطبہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اس طوائف الملوکی کا یہ نتیجہ ہوا، کہ موحدین نے اپنی فوجیں اسپین میں اتار دیں، عیسائی جو انتشار سے خوش ہو رہے تھے اب پھر مایوس ہو گئے،

مرابطین نے اسپین پر تقریباً ۶۰ سال حکومت کی، مرابطین کی حکومت اسپین میں حکومت بنی امیہ کی ہم جانشین تھی جس نے اسپین کی خوشحالی اور فارغ البالی میں نمایاں اضافہ کیا، شاہان مرابطین کی حکومت کے زمانہ میں اسپین میں علم و فن کا بھی خوب چرچا ہوا، شاہان مرابطین چونکہ مالکی عقیدہ رکھتے تھے، اس لئے ان کے دور میں مالکی علماء کو خوب عروج ہوا، مگر مرابطین فلسفہ اور علم کلام کے سخت دشمن تھے، چنانچہ ان کے عہد حکومت میں فلسفہ اور علم کلام کی بے شمار کتابیں ضائع کی گئیں، شاہان مرابطین حضرت امام غزالی کی تصانیف کے اس قدر مخالف تھے، کہ ان کتابوں کا مراکش اور اسپین میں رکھنا جرم قرار دے دیا گیا تھا، اگر کسی مسلمان کے گھر سے حضرت امام غزالی کی ایک تصنیف بھی نکل آتی تھی تو اسے قتل کر دیا جاتا تھا، تاہم علم کو خوب ترقی حاصل ہوئی، اور مالکی مسائل کو عام رواج حاصل ہوا،

موحدین کا دور حکومت

موحدین جنہوں نے کہ مرابطین کے بعد مراکش اور اسپین میں ایک نہایت ہی عظیم الشان اسلامی حکومت قائم کی، اس کے بانی محمد بن عبداللہ تومرت کی زندگی بڑی عجیب و غریب ہے، محمد بن عبداللہ تومرت مراکش کے ایک غریب خاندان میں پیدا ہوا تھا، پھر چند سال تک مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد اور دوسرے اہم اسلامی شہروں کی حصول علم کے لئے خاک چھانتا پھرا، محمد بن عبداللہ تومرت جس زمانہ میں کہ حضرت امام غزالی کے تلامذہ میں شامل تھا، تو حضرت امام غزالی نے اسے مراکش کی حکومت کی بشارت دی تھی، علوم دینیہ کا فارغ التحصیل ہونے کے بعد محمد بن عبداللہ نے وعظ و پند اور رشد و ہدایت کا سلسلہ

جاری کیا، اور ایک ایسی جماعت کی بنیاد رکھی، جو لوگوں کو توحید کامل کی دعوت دے، اس جماعت کو مختصر سے عرصہ میں غیر معمولی ہردلعزیزی اور مقبولیت حاصل ہوگئی، اور محمد بن عبداللہ کے مریدین اور معتقدین کی تعداد تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی

لیکن اس کے عجیب و غریب خیالات کی وجہ سے علماء مراکش اور علی بن یوسف نے سخت پوچھ گچھ کے بعد اس کو شہر بدر کر دیا، محمد بن عبداللہ ایک پہاڑی گاؤں میں روپوش ہو کر اپنے مریدین کے حلقہ کو بڑھانے لگا، اس نے مہدی ہونے کا دعوٰی بھی کیا، بربری قبائل بڑی تعداد میں معتقد ہو گئے، جب کافی اطمینان ہو گیا تو اپنے ایک لائق اور بہادر مرید عبدالمومن کو سپہ سالار بنا دیا، عبدالمومن نے بڑی مختصر مدت میں مراکش کے ایک بڑے علاقہ کو زیر کر لیا اور پھر ۵۲۴ھ میں محمد بن عبداللہ کے مرنے کے بعد خود فرمانروا بنا، اور پورے مراکش کو فتح کر کے علی بن یوسف کو قتل کیا، اور موحدین کی حکومت قائم کر دی

اسپین پر موحدین کا قبضہ

عبدالمومن نے مراکش کے بعد اسپین میں اپنی فوجیں اتار دیں، اور چند بربری سرداروں کے ساتھ اپنے بیٹوں کو اسپین کی فتح پر متعین کر دیا، مسلم امراء کو خوب سزائیں دیں، عیسائیوں سے تمام علاقہ واپس لے لیا، اور پھر ۵۴۸ھ میں عبدالمومن خود اسپین پہنچا، اور پورے اسپین پر موحدین کی حکومت قائم کر کے اپنے بیٹے ابوسعید کو وائسرائے مقرر کر کے خود مراکش واپس چلا گیا، ابوسعید کا دارالحکومت غرناطہ میں تھا

عبدالمومن بڑا حوصلہ مند سلطان تھا، وہ پورے یورپ کو فتح کرنا چاہتا تھا، اور اس کے لئے تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں، تقریباً ۲ لاکھ فوج اور بے اندازہ سامان جنگ اس مقصد کے لئے جمع کر لیا، کیونکہ یورپ پر حملہ آسان کام نہیں تھا، شاہ فرانس اور یورپ کے تمام عیسائی بادشاہوں سے ٹکر لینا تھی، مگر قدرت نے کچھ اور ہی فیصلہ کیا، کہ عین وقت پر ۵۵۸ھ میں عبدالمومن کا انتقال ہو گیا، اور یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا،

موحدین کے کارنامے

سلطان عبدالمومن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو یعقوب ۵۵۸ھ میں مراکش میں تخت نشین ہوا، عبدالمومن کے بعد اسپین کے عیسائیوں نے پھر دست درازیاں شروع کر دیں، یہاں تک کہ انہوں نے اسپین کے بعض مغربی اضلاع پر بھی قبضہ جما لیا، ابو یعقوب مراکش کے اندرونی جھگڑوں میں کچھ ایسا الجھا رہا، کہ وہ زمانہ دراز تک عیسائیوں کی ان چیرہ دستیوں کی جانب کوئی توجہ نہ کر سکا، لیکن بہت جلد اس نے عیسائیوں پر یورش شروع کر دی، اور تمام مغربی علاقہ ان کے قبضہ سے نکال لیا،

۵۸۰ھ ہجری میں جب اسپین کے عیسائیوں نے پھر بغاوت شروع کی، تو سلطان ابو یعقوب دوبارہ اسپین آیا، اور اس نے عیسائی علاقوں کا محاصرہ کر لیا، اسی محاصرہ میں وہ زخمی ہونے کے بعد بیمار ہو گیا، اور اس کا اسپین ہی

انتقال ہوگیا، اس کی لاش کو اسپین سے مراکش لے جا کر دفن کیا گیا،

ابو یعقوب نے اپنے دور حکومت میں مراکش سے لے کر طرابلس تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا، اور جزیرۂ سسلی نیز بحر روم کے دوسرے تمام جزیروں پر بھی مواحدین کا قبضہ ہوگیا، اور سلطنت مواحدین دور دور تک پھیل گئی تھی، ابو یعقوب بہت بڑا علم دوست اور علماء کا قدردان تھا، ابن رشد اور ابوبکر محمد بن طفیل جیسے مائیہ ناز فلسفی اس کے مصاحب اور مشیر خاص تھے،

ابو یعقوب کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف ۵۸۰ھ میں منصور کے لقب کے ساتھ مراکش کے تخت پر بیٹھا، یہ بھی اپنے باپ کی طرح بہت لائق اور حوصلہ مند تھا، اس نے ۵۸۵ھ میں مغربی اسپین سے عیسائیوں کے اثرات کو بالکل مٹا دیا، طلیطلہ کے عیسائی سلطان الفانسو ثانی نے منصور سے پانچ سال کے لئے محض اس واسطے صلح کر لی تھی، تاکہ وہ اسی دوران میں اچھی طرح پورے اسپین پر قبضہ جمانے کے لئے جنگی تیاریاں کر سکے، چنانچہ جب پانچ سال گذر گئے، اور اس کی جنگی تیاریاں مکمل ہوگئیں، تو اس نے دوسرے عیسائی سلاطین کو اپنے ساتھ ملا کر ۵۹۱ھ میں ایک لشکر عظیم کے ذریعہ اسلامی علاقوں پر حملہ کر دیا، منصور بھی اسلامی فوج لے کر مقابلہ پر آگیا، اور بطلیوس کے علاقہ میں گھمسان کی لڑائی چھڑ گئی، مسلمان فوج کی تعداد اگرچہ عیسائی لشکر کے مقابلہ میں ایک چوتھائی بھی نہیں تھی، لیکن پھر بھی عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی، الفانسو ثانی اپنے ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کو کٹوا کر اور تیس ہزار کو قید کرا کر مقابلہ سے فرار ہوگیا، عیسائیوں نے اس جنگ کے لئے کیسی عظیم الشان تیاریاں کی تھیں، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ اس لڑائی میں ڈیڑھ لاکھ خیمے، ایک لاکھ اسی ہزار خچر اور گھوڑے، چار لاکھ باربرداری کے گدھے اور ساٹھ ہزار مختلف وضع کے زرہ بکتر اور دوسرا بے اندازہ سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا،

الفانسو ثانی کی شکست کے بعد جب منصور نے آگے بڑھ کر طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا، اور الفانسو نے یہ سمجھ لیا، کہ اب اس کی شکست اور موت یقینی ہے، تو اس نے اپنی ماں، بیوی، اور بیٹیا، بیٹیوں کو منصور کی خدمت میں بھیج دیا، جنہوں نے رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر منصور سے معافی چاہی، منصور نے الفانسو ثانی کو معاف کر دیا، اور طلیطلہ سے محاصرہ اٹھانے کے بعد قرطبہ واپس چلا گیا، منصور اپنے زمانہ کا نہایت ہی دیندار اور حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے، جو پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۹۵ھ میں مراکش میں فوت ہوگیا،

مواحدین کا زوال منصور کے بعد اس کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد ناصر الدین کے لقب سے تخت نشین ہوا، امرائے مرابطین جو اب تک خاموش تھے بغاوت پر اتر آئے، اور بعض حصوں پر قبضہ کر لیا، دوسری طرف غازی صلاح الدین کے ہاتھوں شکست کھائے ہوئے عیسائیوں نے جمع ہو کر اسپین پر دھاوا بول دیا، علاوہ ازیں ناصر الدین سے فوج بھی برگشتہ تھی، کیونکہ اس نے فوج کی تنخواہوں میں کمی کر دی تھی، چنانچہ عیسائیوں نے ۶۰۹ھ

میں موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے اسلامی اسپین پر حملہ کر دیا، اس حملہ میں تمام شکست خوردہ عیسائی شامل تھے،
ناصر بھی فوج لے کر مقابلہ پر آ گیا، مگر فوج جو ناصر سے بد دل ہو رہی تھی، عیسائیوں کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ۶ لاکھ میں سے بہت تھوڑی فوج زندہ بچی، کچھ قتل ہوئے، کچھ گرفتار کئے گئے، کچھ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، عیسائیوں نے بہت سے اسپینی علاقوں پر قبضہ کر لیا، اور خوب دل کھول کر مسلمانوں کو لوٹا، اور قتل کیا، مراکش تقریباً ختم ہو گیا، اور اسپین کی بنیادیں ہل گئیں، جو مواحدین کے زوال کی ابتدا ہے، ناصر الدین اس واقعہ کے بعد صرف ایک سال زندہ رہا، اور سنہ ۶۱۰ھ میں فوت ہو گیا،

ناصر کے بعد اس کا بیٹا یوسف مستنصر کے لقب سے تخت نشین ہوا، اگرچہ دس سال حکومت کی، مگر برائے نام کیونکہ بیشتر علاقہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو چکا تھا، اور بقیہ علاقے بد نظمی کا شکار ہو رہے تھے مستنصر اگر چاہتا، تو حالات پر قابو پا لیتا مگر عیش پرستی نے مطلق توجہ نہیں کرنے دی، آخر سنہ ۶۲۰ھ میں مر گیا،

مستنصر کے بعد اس کا بھائی عبدالواحد تخت پر بیٹھا، مگر تھوڑے ہی دن کے بعد قتل کر دیا گیا، اور مراکش سے مواحدین کا کلیۃً خاتمہ ہو گیا،

عبدالواحد کی جگہ اس کے چچا عبدالواجد نے جو مرسیہ میں حاکم تھا، اطلاع ملتے ہی اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا، مگر عیسائیوں کے مقابلہ میں شکست ہو گئی، عبدالواجد نے اشبیلیہ میں پہنچ کر سنبھلنے کی کوشش کی، مگر وہاں بھی بنی ہود کے ایک سردار محمد بن یوسف نے بیٹھنے نہیں دیا، اور عبدالواجد نیز اس کے خاندان کو نکال کر سنہ ۶۲۵ھ میں اپنی حکومت قائم کر لی، اور مواحدین کا دور ختم ہو گیا،

دور انتشار مواحدین کے خاتمہ کے بعد اسپین میں کوئی باقاعدہ مضبوط اسلامی سلطنت نہیں تھی، مسلم سردار آپس میں خوب لڑ رہے تھے، عیسائی اس خانہ جنگی سے نہ صرف خوش تھے، بلکہ برابر اپنی طاقت بڑھاتے اور مسلم علاقوں پر قبضہ کرتے جا رہے تھے، کچھ ایسے بھی مسلمان تھے، جو عیسائیوں کی مدد حاصل کرنے میں اپنا بھلا سمجھ رہے تھے، اس دور انتشار میں محمد بن یوسف نے اپنی طاقت کو مجتمع کر لیا، اور اپنے سرفروش سپاہیوں کو ساتھ لے کر پہلے مرسیہ پر قبضہ کیا، پھر غرناطہ، مالقہ، المیریہ کو فتح کر کے مامون مواحد کو اسپین سے نکال کر سنہ ۶۲۵ھ میں بہت سے شہروں اور علاقوں پر قبضہ کر لیا

محمد بن یوسف نے عوام پر اپنا اثر ڈالنے کے لئے بغداد کے عباسی خلیفہ سے سند حکومت بھی منگوالی چنانچہ مسلم عوام پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا، مخالفین بھی خاموش ہو گئے،

لیکن یہ خاموشی زیادہ دن باقی نہیں رہی، پھر دوبارہ بری طرح مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، عیسائیوں نے خوب قبضہ جمایا، اور جب محمد بن یوسف عیسائیوں کے مقابلہ پر آیا، تو اسے شکست ہو گئی، اور مرسیہ بھاگ گیا،

اسی دور انتشار میں ایک مسلم سردار ابن الاحمر نے بڑی اہمیت حاصل کر لی، اور ایک مضبوط جماعت بنا کر بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا، آخر ۶۳۵ھ میں وہ اسپین کا بڑا حکمران سمجھا جانے لگا، الاحمر نے عیسائیوں سے ساز باز کر کے مسلم امراء کو شکست دی، اور چوتھائی اسپین پر قابض ہو کر مضبوط حکومت قائم کر لی، جو دو سو برس سے زیادہ باقی رہی،

ابن الاحمر کا دورِ حکومت

ابن الاحمر کا اصل نام نصر بن یوسف تھا، بڑا حوصلہ مند سردار تھا، غرناطہ کو اپنا دار الحکومت بنا کر کافی ترقی کی، اور حدود سلطنت کو خوب بڑھا لیا،

ابن الاحمر کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے، کہ اس نے عیسائیوں سے ساز باز کر کے مسلم سرداروں کو ختم کرا دیا، مگر اس کے ساتھ ہی اس کے کارنامے بھی کم قابل ذکر نہیں ہیں،

وہ عیسائیوں کا دوست ضرور تھا، مگر ان کے ہاتھوں میں کبھی کٹ پتلی نہیں بنا، اور خود مختار حکومت جنوبی اسپین میں ایسی قائم کر دی جس کے سامنے عیسائی بھی خائف رہا کرتے تھے،

عیسائی دوستی کے ساتھ ساتھ در پردہ برابر کوشاں رہتے تھے، کہ کسی طرح ابن الاحمر کو ختم کیا جائے، چنانچہ موحدین کے چند سرداروں سے در پردہ سازش کی، اور غرناطہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے، مگر ابن الاحمر کے دوست یعقوب عبد الحق افریقہ کے حکمران نے اپنی فوجیں مورچوں پر لگا دیں، اور عیسائیوں کو مار مار کر بھگا دیا، عیسائی اب آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے،

ابن الاحمر نے ۶۷۱ھ میں وفات پائی، ابن الاحمر کو تعلیم اور تعمیر کا بڑا شوق تھا، چنانچہ ایک عمارت قصر الحمراء کے نام سے تعمیر کرائی، جو نادر و نایاب شمار کی جاتی ہے، کئی مدارس قائم کئے، اور علوم و فنون کو ترقی دی، ابن الاحمر ۶۷۱ھ میں اچانک گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا،

ابو عبد اللہ محمد فقیہ

سلطان ابن الاحمر کی وفات کے بعد ۶۷۱ھ میں اس کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد فقیہ تخت نشین ہوا، اس کی تخت نشینی کو ابھی ایک سال بھی نہیں ہوا تھا، کہ ۶۷۲ھ ہجری میں عیسائیوں نے غرناطہ پر اپنی فوجیں چڑھا دیں، عیسائیوں کے اس حملہ کے ہوتے ہی سلطان مراکش کی فوج فوراً اسپین پہنچ گئی، اسپینی اور مراکشی فوجوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی، اور ۶۹۹ھ میں سلطان محمد فقیہ نے غرناطہ سے متصل عیسائیوں کے کئی اہم قلعے فتح کر لئے، یہ سلطان تقریباً تیس سال حکومت کرنے کے بعد ۷۰۱ھ میں فوت ہو گیا،

سلطان فقیہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد مخلوع ۷۰۱ھ میں تخت نشین ہوا، اس کی تخت نشینی کے چھ سات سال بعد اس کے خلاف بغاوت برپا ہو گئی، اور اسے معزول کر کے ۷۰۸ھ میں اس کے بھائی نصر بن محمد فقیہ کو قرطبہ کے تخت پر بٹھا دیا گیا، سلطان نصر ایک کمزور حکمران تھا، قسطلہ کے عیسائی سلطان نے ۷۰۹ھ میں جبل الطارق

پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جمالیا، اور سلطان نصر اس کا کچھ نہ بنا سکا، اسی سال ابو سعید حاکم مالقہ نے جو ابن الاحمر کا بھتیجہ تھا، علم بغاوت بلند کر دیا، چنانچہ ابو سعید اور اس کے بیٹے ابو الولید نے مالقہ کے بعد المیریہ، بلیش اور سلطنت غرناطہ کے بیشتر علاقے فتح کر لئے، اور ان کا زور اتنا بڑھا، کہ انہوں نے ۷۱۳ھ میں غرناطہ بھی فتح کر لیا، غرناطہ کی فتح کے بعد سلطان نصر نے تخت سے دست بردار ہونے کے بعد غرناطہ کی سلطنت ابو الولید کے حوالہ کر دی

ابو الولید کا جہاد

مسلمانوں کی خانہ جنگی نے عیسائیوں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے، اور دو لاکھ عیسائی غرناطہ کی اسلامی حکومت کو مٹانے کے لئے طلیطلہ میں جمع ہو گئے جن میں بہت سے عیسائی سلاطین بھی شامل تھے، ابو الولید کی جنگی حالت کچھ اچھی نہیں تھی، بڑی کوشش سے ۵ ہزار مجاہدین جمع ہو سکے، ابو الولید خود فوج کی کمانڈ کر رہا تھا، بڑی قابلیت سے مقابلہ کیا، مسلمان مجاہد بھی بڑی بے جگری اور سرفروشی کے ساتھ میدان میں کود پڑے، اور شوق شہادت میں ایسے دیوانہ وار لڑے، کہ ایک لاکھ عیسائیوں کو کاٹ کر رکھ دیا، عیسائی میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے بے اندازہ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا،

یہ جنگ، جنگ البیرہ کے نام سے دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال سمجھی جاتی ہے، لاکھوں عیسائیوں کی شکست نے دنیا کو حیرت میں ڈالدیا، شکست خوردہ عیسائیوں نے سلطان سے صلح اور رحم کی درخواست کی، جو منظور کر لی گئی،

سلطان محمد

عیسائیوں کی طرف سے بے فکر ابو الولید اندرونی نظام کو درست کرنے میں مصروف تھا، کہ ۷۲۵ھ میں اس کے بھتیجہ نے اسے دھوکہ سے قتل کر دیا، ولید کے قتل کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد تخت نشین ہوا، مگر کچھ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا، اور حالت سفر میں غرناطہ کے قریب قتل کر دیا گیا

سلطان محمد کے قتل کے بعد اس کا بھائی یوسف سولہ سال کی عمر میں غرناطہ میں تخت نشین ہوا، اس نے بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کی، اور عیسائیوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا، لیکن ۷۴۰ھ میں جب عیسائیوں نے بے پناہ لشکر کے ساتھ حملہ کیا، تو مسلمانوں کو شکست ہو گئی، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس جنگ میں شہید ہوئی، اور عیسائیوں نے سلطنت غرناطہ کے ایک حصہ پر بھی قبضہ جمالیا، اس شکست کے چند سال بعد سلطان یوسف جب کہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کی تیاریوں میں مصروف تھا، تو ایک پر اسرار شخص نے ۷۵۵ھ میں عید کی نماز پڑھتے ہوئے نیزہ مار کر اسے شہید کر دیا، عام خیال یہ ہے، کہ اس کے قتل میں عیسائیوں کا ہاتھ تھا،

سلطان یوسف کے بعد اس کا بیٹا محمد غنی باللہ لقب اختیار کرنے کے بعد ۷۵۵ھ میں غرناطہ کے تخت پر بیٹھا اس کو حکومت کرتے ہوئے مشکل سے پانچ سال ہوئے تھے، کہ اس کے سوتیلے بھائی اسمٰعیل نے بغاوت برپا کر کے ۷۶۰ھ میں غرناطہ پر قبضہ جمالیا، غنی باللہ غرناطہ سے فرار ہو کر وادی آش میں جا کر آباد ہو گیا، اور وہاں سے شاہ مراکش کے بلانے پر مراکش چلا گیا، سلطان اسمٰعیل نے قسطلہ کے عیسائی سلطان سے تخت نشین ہونے کے بعد ساز باز کر لی

تھی سلطان اسمٰعیل کی حکومت کو ایک سال بھی نہیں ہوا تھا کہ اس کے بھائی ابو یحییٰ عبداللہ نے سلطان اسمٰعیل کو قتل کر کے ۸۶۱ھ میں سلطنت غرناطہ پر قبضہ جما لیا،

ابو یحییٰ کی تخت نشینی کے چند ماہ بعد ہی سابق سلطان غرناطہ محمد غنی باللہ شاہ مراکش کی امداد سے ۸۶۲ھ میں ایک لشکر عظیم کے ساتھ اسپین پہنچ گیا، اور سلطنت غرناطہ کے علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا، ابو یحییٰ اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر دوڑا ہوا قسطلہ کے عیسائی سلطان کے پاس امداد کے لئے پہنچا لیکن سلطان قسطلہ نے اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کرا دیا، ابو یحییٰ کے قتل کے بعد سلطان محمد غنی باللہ ۸۶۳ھ میں غرناطہ فتح کر کے دوبارہ غرناطہ کے تخت پر بیٹھ گیا، غنی باللہ دوبارہ تخت نشین ہوا، تو سلطنت غرناطہ کی حالت بڑی نازک تھی، کیونکہ اس کی غیر موجودگی میں جو سلاطین غرناطہ کی سلطنت پر قابض رہے تھے، انہوں نے اپنی کمزوری کی بنا پر قسطلہ کے عیسائی سلطان کو خراج دینا شروع کر دیا تھا، یعنی سلطنت غرناطہ عیسائیوں کی باجگذار بن گئی تھی لیکن سلطان محمد غنی باللہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد عیسائیوں کو خراج دینے سے صاف انکار کر دیا، اور عیسائی اس کا کچھ بھی نہ بنا سکے، سلطان غنی باللہ غرناطہ پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ۸۹۳ھ میں فوت ہو گیا،

سلطان غنی باللہ کے بعد اس کا بیٹا یوسف ثانی غرناطہ میں تخت نشین ہوا، یہ صلح پسند بادشاہ تھا چنانچہ اس نے قسطلہ کے عیسائی سلطان سے صلح کر لی تھی، جب یہ بادشاہ ۸۹۰ھ میں فوت ہو گیا، تو اس کا بیٹا محمد مفتم غرناطہ کے تخت پر بیٹھا، اس کی تخت نشینی کے بعد قسطلہ کے عیسائی سلطان نے غرناطہ پر حملہ کر دیا، مگر محمد مفتم نے نہ صرف اس کے حملہ کو پسپا کر دیا، بلکہ آگے بڑھ کر سلطنت قسطلہ کے بعض علاقوں پر بھی قبضہ جما لیا تھا، اسی زمانہ میں جب قسطلہ کا عیسائی سلطان مر گیا، تو عیسائی امراء نے اس کے شیر خوار بچے جان کو قسطلہ کے تخت پر بٹھا دیا، اور جان کے چچا فرڈی نند کو نائب السلطنت بنا دیا، فرڈی نند سابق شاہ قسطلہ کی طرح بدستور مسلمانوں سے لڑتا رہا، لیکن جب اسے مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی کامیابی نہ ہوئی، تو اس نے مسلمانوں سے صلح کر لی،

۸۰۸ھ میں سلطان محمد مفتم کے بعد اس کا بھائی یوسف ثالث جو نظر بند تھا، غرناطہ کے تخت پر بیٹھا، یوسف ثالث ایک صلح پسند آدمی تھا، اس نے تخت نشین ہونے کے بعد قسطلہ کے عیسائی بادشاہ سے مزید دو سال کے لئے صلح کر لی تھی، لیکن جب یہ دو سال گذر گئے، تو عیسائیوں نے سلطان یوسف ثالث کو پیغام بھیجا، کہ یا تو خراج دینا منظور کر دیا جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ، یوسف ثالث نے خراج دینے سے انکار کیا، تو قسطلہ کی عیسائی حکومت نے غرناطہ پر فوجیں چڑھا دیں، بلاد غرناطہ کے ایک حصہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا،

اسلامی سلطنت غرناطہ کا زوال

عیسائی اپنی کوشش سے غافل نہیں تھے، بلکہ مختلف علاقوں پر قبضہ جماتے چلے جا رہے تھے، یہاں تک کہ سلطان یوسف

ثالث کے مرتے ہی عیسائیوں نے غرناطہ کے اندرونی معاملات میں مداخلت شروع کردی، اور مسلمانوں میں خوب خانہ جنگی کرائی، اور اس طرح غرناطہ کی بنیادوں کو ہلا ڈالا،

یوسف ثالث کے بعد اس کا بیٹا محمد ہشتم سنہ ۸۲۳ھ میں تخت نشین ہوا، یہ بہت ہی خفیف الحرکات تھا جس کی وجہ سے رعایا خلاف ہوگئی، اور بغاوت کرکے غرناطہ سے نکال دیا، اور اس کی جگہ محمد نہم نے سنبھال لی، محمد ہشتم ۰ا برس تک شاہ ٹیونس کی پناہ میں رہنے کے بعد عیسائیوں کی مدد سے دوبارہ ۸۳۳ھ میں غرناطہ پر قابض ہوگیا، محمد نہم مارا گیا عیسائیوں کا خیال تھا، کہ محمد ہشتم ہمارا باجگذار بن جائے گا، مگر محمد نے انکار کردیا، عیسائی سخت مخالف ہوگئے، اور پھر محمد کے رشتہ دار یوسف بن احمر کو اس کے خلاف صف آرا کردیا، محمد ہشتم کو شکست ہوئی، اور غرناطہ چھوڑ کر بھاگ گیا تخت پر یوسف بن احمر کا قبضہ ہوگیا، مگر یہ بھی ۶ ماہ کے بعد مرگیا، محمد ہشتم کو جب یوسف کے مرنے کی خبر ملی، فوراً واپس آیا، اور دوبارہ بادشاہ بن گیا، عیسائیوں کو یہ صورت حال بہت بری لگی، اور وہ پوری قوت سے مقابلہ پر آگئے، مگر محمد ہشتم نے زبردست شکست دی، اور عیسائی خاموش ہوکر بیٹھ گئے، مگر درپردہ ان کی سازشیں کام کرتی رہیں، چنانچہ محمد ہشتم کے بھتیجے ابن عثمان نے جو المیریہ کا حاکم تھا بغاوت کردی، اور غرناطہ پر قبضہ کرکے محمد ہشتم کو گرفتار کرکے قید کردیا،

غرناطہ پر ابن اسمٰعیل کا قبضہ

عیسائیوں کی دلی خواہش تھی، کہ کسی طرح یہ اسلامی حکومت ختم ہو، اور ہم اس کو قسطلہ میں شامل کرلیں، چنانچہ انہوں نے محمد ہشتم کے دوسرے بھتیجے ابن اسمٰعیل کو فوج دے کر ابن عثمان پر حملہ کرادیا، ابن عثمان مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا، اور ابن اسمٰعیل عیسائیوں کی مدد سے غرناطہ کے تخت پر بیٹھ گیا، اس کے بعد عیسائیوں نے کوشش شروع کردی، کہ ابن اسمٰعیل کو مٹاکر غرناطہ کو عیسائی حکومت میں شامل کرلیا جائے، لہذا ابن اسمٰعیل اور عیسائیوں میں ایک لامتناہی جنگ کا سلسلہ چھڑ گیا جو سنہ ۸۶۷ھ تک جاری رہا، اس جنگ میں ابن اسمٰعیل کے بیٹے ابوالحسن نے ایسی مردانگی کے ساتھ عیسائیوں کا مقابلہ کیا، کہ عیسائیوں کے دانت کھٹے ہوگئے،

عیسائیوں کا زور

قسطلہ کا عیسائی بادشاہ جان مرچکا تھا، اور اس کا بیٹا فردی نند قسطلہ کا بادشاہ بنادیا گیا، فردی نند کی شادی ارغون کی شہزادی سے ہوئی تھی، مسلمانوں کے خلاف دونوں حکومتوں نے طے کرلیا، کہ جس طرح بھی ہو، ان کا خاتمہ ہوجائے،

قسطلہ اور ارغون کے مل جانے سے عیسائی سلطنت کا رقبہ بہت بڑھ گیا تھا، جو ایک لاکھ مربع میل سے زیادہ تھا، اور ادھر غرناطہ کی اسلامی سلطنت گھٹتے گھٹتے ۴ ہزار مربع میل میں رہ گئی تھی، مگر مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور عیسائی حملہ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے،

عیسائیوں نے چونکہ فیصلہ کرلیا تھا، کہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹانا ہے، لہذا بڑے پیمانے پر فوجی تیاریاں شروع

کردیں، اور تمام دوسرے عیسائی حکمرانوں کو ملالیا۔ اس کے بعد ۸۸۳ھ میں سلطان ابوالحسن کو پیغام بھیجا کہ

"ہماری تمہاری صلح اسی طرح باقی رہ سکتی ہے، کہ تم ہم کو خراج دینا منظور کرلو"

غرناطہ کی اگرچہ جان نکل چکی تھی، مگر سلطان ابوالحسن کی دلیری اور استقلال میں فرق نہیں آیا تھا، بہادر سلطان نے جواب میں لکھا۔

"شاہ قسطلہ کو معلوم ہونا چاہئے، کہ غرناطہ کی دارالضرب میں آج کل سونے کے سکوں کی بجائے (جو سلطان نے خراج میں طلب کئے تھے) فولادی تلواریں اور نیزے عیسائیوں کے جگر کو چاک کرنے کی غرض سے تیار ہو رہے ہیں"

اس دلیرانہ جواب نے شاہ قسطلہ کو دم بخود کر دیا اور زمانہ دراز تک اپنی تمام تیاریوں کے باوجود غرناطہ کی جانب رخ نہ کرسکا۔

سلطان ابوالحسن نے صرف اس دلیرانہ جواب ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ۸۸۶ھ میں شاہ قسطلہ کے قلعہ صخرہ پر حملہ کرکے اسے ایک ہی رات میں فتح کرلیا، یہ عیسائیوں کا مستحکم ترین قلعہ تھا۔ ابوالحسن کے اس حملہ کے بعد باقاعدہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگ چھڑ گئی، عیسائیوں نے بھی مسلمانوں کے قلعہ الحمہ کو فوج سے خالی پاکر قبضہ جمالیا، اور اس قلعہ کے ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کو بلاوجہ تہہ تیغ کر دیا، اس قلعہ پر قبضہ جمانے کے بعد شاہ قسطلہ نے آگے بڑھ کر لوشہ کا محاصرہ کرلیا، سلطان ابوالحسن بھی مقابلہ پر آگیا، گو عیسائیوں کا لشکر اسلامی فوج کے مقابلہ میں چار گنا تھا، لیکن عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی، شاہ قسطلہ شکست کھاکر اور بدحواس ہوکر بھاگا، اس معرکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بے اندازہ مال غنیمت آیا۔

شاہی خاندان میں خانہ جنگی

غرناطہ کے شاہی خاندان کی افسوسناک اور تباہ کن خانہ جنگی کی تفصیل یہ ہے، کہ عین اس وقت جب کہ سلطان ابوالحسن لوشہ کے مورچہ پر شاہ قسطلہ اور عیسائیوں کے لشکر عظیم کو شکست دینے میں مصروف تھا، سلطان کے دو بڑے بیٹوں ابوعبداللہ اور یوسف نے غرناطہ میں سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، یہ دونوں بیٹے سلطان کی بڑی بیگم کے بطن سے تھے جو مسلمان تھی سلطان ابوالحسن کو چونکہ اپنی چھوٹی عیسائی بیگم اور اس کی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی، اس لئے ان دونوں بیٹوں کو اندیشہ تھا، کہ کہیں سلطان ان کو محروم کرکے عیسائی بیگم کے بیٹے کو ولیعہد نہ بنادے محض اس وہم اور اندیشہ کی بناپر ان دونوں نے سلطان کے خلاف بغاوت کرکے نہ صرف غرناطہ کی سلطنت کی بنیادوں کو ہلادیا، بلکہ خود اپنے محضر قتل پر دستخط کردے۔

امرائے اسپین بھی چونکہ باغی شہزادوں یعنی ابوعبداللہ اور یوسف کے ہمنوا تھے، اس لئے انہوں نے بڑی آسانی

کے ساتھ غرناطہ، المیریہ اور بسطہ پر قبضہ جما کر ابو عبداللہ کی بادشاہی کا اعلان کر دیا، عیسائیوں نے جب دیکھا، کہ باپ بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی ہے، تو انہوں نے بھی مالقہ پر جہاں سلطان ابوالحسن بیٹوں کی بغاوت کے بعد مقیم تھا حملہ کر دیا، مگر سلطان نے اس معرکہ میں بھی بہت بری طرح سے عیسائیوں کو شکست دی،

سلطنت غرناطہ نزع کے عالم میں

سلطنت غرناطہ اب دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک حصہ پر تو باپ کا قبضہ تھا، اور دوسرے حصہ پر بیٹا قابض تھا، اگر یہ سلطنت باپ، بیٹوں ہی میں تقسیم ہو جاتی تو کوئی حرج نہ تھا، لیکن ابوعبداللہ نے باپ کو یعنی سلطان ابوالحسن کو مالقہ کی حکومت سے بھی محروم کرنے کے لئے حملہ کر دیا، اس حملہ میں ابوعبداللہ کو شکست ہوئی، اور وہ شکست کھانے کے بعد غرناطہ بھاگ آیا، لیکن ۸۸۸ھ میں جب وہ باپ کے علاقوں میں لوٹ مار کر کے واپس ہو رہا تھا، تو عیسائیوں نے اس کو چاروں طرف سے گھیر کر اس کی ساری فوج کو ختم کر دیا، اور ابوعبداللہ کو گرفتار کر کے قسطلہ کے عیسائی بادشاہ کے پاس بھیج دیا، جہاں وہ قید کر دیا گیا،

ابوعبداللہ کی گرفتاری کے بعد اہل غرناطہ کے بلانے پر سلطان ابوالحسن، غرناطہ آ گیا، مگر اب اسے حکومت سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی، گذشتہ واقعات نے اس کا دل توڑ دیا تھا، اس نے غرناطہ کی سلطنت اپنے بھائی الزغل کے سپرد کر دی، اور خود گوشہ نشین ہو گیا، صرف ابوالحسن ہی ایک ایسی شخصیت تھی جس سے کہ عیسائی ڈرتے تھے، ابوالحسن کے گوشہ نشین ہوتے ہی قسطلہ کا عیسائی فردی نند یہ سوچ کر میدان میں آ گیا، کہ اب غرناطہ کا فتح کرنا کوئی دشوار نہیں ہے لہٰذا اس نے الزغل کے خلاف یورش کر دی، چنانچہ ۸۹۰ھ میں سلطان الزغل اور عیسائی بادشاہ فردی نند میں سخت مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے اپنی روایتی جرأت سے کام لے کر عیسائیوں کا پورا توپ خانہ چھین لیا، اور توپوں کو قلعہ پر چڑھا دیا، غرض کہ عیسائیوں کو قدم قدم پر ناکامی ہونے لگی، عیسائیوں کی اس شکست اور ناکامی کے بعد فردی نند کو یقین ہو گیا، کہ صرف ابوالحسن ہی نہیں، بلکہ ہر مسلمان حکمران خیبر نیستاں ہے، اس لئے ان کو طاقت سے نہیں، بلکہ فریب سے زیر کرنا چاہیئے،

عیسائیوں کا فریب

عیار فردی نند نے جنگ ہار کر اب یہ فریب چلایا، کہ ابوعبداللہ کو قید سے نکال کر اپنا مقرب خاص بنا لیا، خوب عزت دی، اور شاہی اعزاز کے ساتھ اس کو ہر طرح سے خرید لیا، اور پھر اس سے کہا، کہ غرناطہ کے اصلی مالک تم ہو، تمہارے چچا نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، لہٰذا تم اپنے چچا سے غرناطہ چھین لو، میں ہر قسم کی مدد کروں گا،

باپ کا غدار عبداللہ چچا کے مقابلہ پر آ گیا، فردی نند نے خوب دل کھول کر مدد کی، نتیجہ یہ ہوا، کہ آدھے ملک پر ابوعبداللہ نے قبضہ کر لیا، اور حسب وعدہ فردی نند کے حوالہ کر دیا، فردی نند نے مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام شروع کر دیا، نہ عورتوں کو بخشا، نہ بچوں کو اور غدار عبداللہ مسلمانوں کی یہ بربادی اطمینان سے بیٹھا ہوا دیکھتا رہا

سلطان الزغل کو جب پتہ چلا، کہ ابو عبداللہ نے سارا مفتوحہ علاقہ عیسائی سلطان فردی نند کو دے دیا ہے، اور وہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، تو وہ مسلمانوں کو بچانے کے لئے مالقہ کی طرف دوڑا، ابھی وہ مالقہ پر حملہ بھی نہیں کرنے پایا تھا، کہ غدار ابو عبداللہ نے غرناطہ کو خالی پا کر اس پر بھی قبضہ جما لیا، غرناطہ پر ابو عبداللہ کے قبضہ کے بعد سلطان الزغل بے بس سا ہو گیا، وہ مایوس ہو کر وادی آش میں ٹھہر گیا، فردی نند کو جب غرناطہ پر ابو عبداللہ کے قبضہ کی اطلاع ملی، تو وہ بے حد خوش ہوا، کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا، کہ جس طرح احمق ابو عبداللہ نے دوسرا مفتوحہ علاقہ اس کے حوالہ کر دیا ہے، اسی طرح غرناطہ بھی اسی کی نذر کر دے گا،

فردی نند بڑی بے چینی کے ساتھ غرناطہ کے نذر کئے جانے کا انتظار کرتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا، کہ ابو عبداللہ نے غرناطہ کی فتح کے بعد وہاں اپنی حکومت قائم کر لی ہے، اور وہ غرناطہ کا علاقہ اس کے حوالہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، تو فردی نند کو بڑی مایوسی ہوئی، اور وہ ابو عبداللہ کا بھی دشمن بن گیا، ادھر ابو عبداللہ کی حالت یہ تھی، کہ وہ بھی فردی نند سے ناراض تھا، کیونکہ اسے توقع تھی، کہ جو مفتوحہ علاقے محض انتظام کی غرض سے اس نے ابو عبداللہ کے حوالے کئے تھے، وہ انہیں واپس کر دے گا، مگر وہ جب ان علاقوں پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا، تو ابو عبداللہ اس سے بدظن ہو گیا، فردی نند اور ابو عبداللہ کی اس رنجش کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ان دونوں میں سنہ ۸۹۴ھ میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی، سخت خونریزی کے بعد بالآخر اس شرط پر صلح ہو گئی، کہ ابو عبداللہ شہر بسطہ اور قلعہ بسطہ عیسائیوں کے حوالہ کر دے، چنانچہ بسطہ عیسائیوں کو مل گیا، اور عیسائیوں نے شہر بسطہ اور قلعہ بسطہ پر قبضہ جمانے کے بعد حسب معمول اس طرح مسلمانوں کا قتل عام کیا، کہ ایک مسلمان بھی اس علاقہ میں زندہ نہ بچا،

فردی نند کی دوسری چال

فردی نند نے اب دوسری چال چلی، اور عبداللہ کی طرح الزغل کو پھانس لیا، اور اس سے کہا، کہ اگر تم صوبہ المیریہ پر میرا قبضہ جما دو گے، تو میں اپنی طرف سے صوبہ المیریہ تمہاری حکومت میں شامل کر دوں گا، الزغل بھی فریب میں آگیا، اس نے صوبہ المیریہ پر فردی نند کا قبضہ کرا دیا، المیریہ پر قبضہ کے بعد وہ سلطان الزغل کے ہمراہ وادی آش میں آیا، تو اس پر بھی بالجبر قابض ہو گیا، سلطان الزغل دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا، اب پوری سلطنت غرناطہ پر فردی نند کا قبضہ ہو چکا تھا، صرف شہر غرناطہ اور اس کے مضافات باقی تھے، جس پر کہ ابو عبداللہ قابض تھا،

عیار فردی نند نے بہت سی چالیں چلیں، کہ کسی طرح بغیر جنگ کے غرناطہ بھی اسے مل جائے، ابو عبداللہ کو طرح طرح کے لالچ دیئے، سلطان الزغل کے ذریعہ کاربرآری کرنی چاہی، لیکن جب اس کی کوئی چال کارگر نہ ہوئی، تو اس نے لاچار اور مجبور ہو کر پوری طاقت کے ساتھ غرناطہ پر حملہ کر دیا، اور غرناطہ کے زیر دیوار عیسائیوں اور مسلمانوں میں خونناک جنگ چھڑ گئی، یہ معلوم کر کے حیرت ہو گئی، کہ اس گئی گذری حالت میں بھی مسلمانوں کی حوصلہ مندی کا یہ عالم تھا، کہ

کا بے پناہ لشکر مسلمانوں کے شوقِ جہاد سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا، اور اپنی تمام طاقت لگا دینے کے باوجود قسطلہ کا عیسائی بادشاہ فردی نند غرناطہ کی ایک انچ زمین بھی نہ لے سکا، اور وہ ناکام و نامراد شکست خوردہ لشکر کو لے کر واپس لوٹ آیا، صرف یہی نہیں ہوا، بلکہ اس جنگ میں فردی نند نے البشراۃ کا علاقہ بھی کھو دیا جس پر کہ ابو عبداللہ نے پوری عیسائی فوج کو کاٹ کر قبضہ جما لیا تھا،

فردی نند نے جب دیکھا، کہ غرناطہ لینے کی کوشش میں البشراۃ بھی قبضہ سے جاتا رہا، تو اس نے اپنے نئے پٹھو سلطان الزغل کو شہ دے کر البشراۃ پر چڑھائی کرا دی، اس آخری وقت میں بھی مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، سلطان الزغل نے البشراۃ فتح کر لیا، اور الزغل سے فردی نند نے چھین لیا، اور الزغل کو حکم سنا دیا، کہ اب ہم کو تمہاری دوستی کی ضرورت نہیں ہے، ہم تم پر صرف اتنا احسان کر سکتے ہیں، کہ اسپین سے زندہ نکل جانے دیں، الزغل افریقہ چلا گیا، اور گمنامی کے عالم میں مر گیا،

غرناطہ کا محاصرہ اور قتلِ عام

فردی نند چاہتا تھا، کہ مسلمانوں سے مقابلہ نہ کیا جائے، اس لئے وہ فریب تلاش کرتا رہتا تھا، اب چونکہ صورت بدل چکی تھی، لہٰذا وہ ۸۹۶ھ میں ایک لشکر لے کر آیا، اور غرناطہ کا محاصرہ کر لیا، اور ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا، مسلمان اگرچہ مجبور و محصور تھے، لیکن مقابلہ کرتے رہے، مگر کب تک آخر محاصرہ کو جب آٹھ مہینے گذر چکے، اور مسلمانانِ غرناطہ تنگ آ گئے، تو انہوں نے ابو عبداللہ پر زور دیا، کہ اس طرح گھٹ کر مر جانے سے تو یہ بہتر ہے، کہ میدان میں آ کر جانیں قربان کر دی جائیں، لیکن ابو عبداللہ یہ چاہتا تھا، کہ کسی طرح صلح ہو جائے، عمائدین سلطنت بھی صلح کے حق میں تھے، لیکن عام مسلمان عیسائیوں کی بدعہدیوں کی وجہ سے صلح کے خلاف تھے، مگر ابو عبداللہ جو کچھ چاہتا تھا، وہی ہوا، اہالیانِ شہر سے بالکل خفیہ صلح کر لی گئی، اور صلحنامہ پر ابو عبداللہ اور شاہ قسطلہ فردی نند کے دستخط ہو گئے، صلح کی شرائط کا خلاصہ یہ ہے،

"عیسائی نہ تو مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں دخل دیں گے، اور نہ مسجدوں میں گھسیں گے، مساجد اور مسلم اوقاف محفوظ رہیں گے، مسلمانوں کے معاملات شرع اسلامی کے مطابق مسلمان قاضی طے کریں گے، طرفین کے قیدی رہا کر دیئے جائیں گے، جو مسلمان اسپین میں رہنا چاہیں گے، ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، جو مسلمان افریقہ ہجرت کرنا چاہیں گے، حکومت ان کے لئے جہازوں کا انتظام کر دے گی، مسلمانوں سے تین سال تک کوئی ٹیکس نہیں لیا جائے گا، اور اس کے بعد مسلمانوں سے کوئی نا انداز ٹیکس وصول نہیں کیا جائیگا ساٹھ دن کے اندر اندر شہر غرناطہ، قلعۃ الحمراء، توپ خانہ اور تمام سامان جنگ پر عیسائیوں کا قبضہ کرا دیا جائیگا سلطان ابو عبداللہ کے سپرد البشراۃ کی حکومت کر دی جائے گی۔"

اس عہدنامہ پر یکم ربیع الاول ۸۹۷ھ ۱۴۹۲ء کو دستخط ہوئے تھے، یہ عہدنامہ کو عام مسلمانوں اور فوج سے پوشیدہ

رکھا گیا تھا، لیکن یہ خبر عوام میں پھوٹ گئی اور لوگوں میں بغاوت کے آثار پیدا ہونے لگے، تو ابو عبداللہ نے وقت سے پہلے ہی شہر اور قلعہ پر قبضہ کرا دیا، شہر غرناطہ کا قبضہ لینے کے لئے شاہ فردی نند اور اس کی متعصب ملکہ ازابیلا بڑے تزک واحتشام کے ساتھ غرناطہ میں داخل ہوئے، ان کے شہر میں داخل ہونے سے قبل ہی قلعہ الحمراء سے اسلامی جھنڈا اتار کر پھینک دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ ایک چاندی کی صلیب نصب کر دی گئی تھی،

ابو عبداللہ قلعہ کی کنجیاں اور شہر فردی نند کے حوالہ کر کے البشراۃ کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کی آنکھ سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے جس پر اس کی ماں نے اس سے کہا، کہ جب مردوں کی طرح اپنے ملک کو نہ بچا سکا، تو اب ایک گمشدہ چیز کے لئے عورتوں کی طرح رونے سے کیا فائدہ؟ ابو عبداللہ کے ساتھ ہی مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے بھی غرناطہ چھوڑ دیا لیکن ابو عبداللہ کو البشراۃ میں بھی رہنے نہیں دیا گیا، فردی نند نے البشراۃ سے بھی اسے نکال دیا اور وہ اسپین سے افریقہ جا کر شاہ مراکش کا ملازم ہو گیا، اور وہیں فوت ہو گیا،

قرطبہ اور البشراۃ پر قبضہ کے بعد عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا جو انجام ہوا، اس کی داستان بڑی ہی دردناک ہے مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا، کہ یا تو دین مسیحی قبول کر دو یا مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ، لیکن اس مٹی ہوئی حالت میں بھی مسلمانوں کا جوش ایمانی قابل داد تھا، کہ مسلمانوں نے مرنا قبول کیا، مگر دین حنیف کو نہیں چھوڑا، ہزاروں مسلمان روزانہ یا تو جلتی ہوئی آگ میں ڈال کر زندہ جلا دیئے جاتے تھے، یا انہیں تہ تیغ کر دیا جاتا تھا، یا سمندر میں ان کو ڈبو دیا جاتا تھا، غرضکہ یہ سلسلہ مدت دراز تک جاری رہا، یہاں تک کہ چند سال کے اندر اندر اسپین سے مسلمانوں کا نام ونشان بالکل مٹا دیا گیا، مساجد مسمار کر دی گئیں، اور لاکھوں نایاب اسلامی کتابیں سمندر کی تہہ میں پہنچا دی گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حصۂ دہم

مراکش طرابلس اور الجیریا

کی اسلامی حکومتیں!

سنہ ۱۷۳ تا سنہ ۸۷۵ھ

افریقہ میں اسلامی حکومت

شمالی افریقہ پر مسلمانوں نے سب سے پہلے حملہ ۲۹ھ (۶۴۷ء) میں حضرت عثمان غنی کے دورِ حکومت میں کیا تھا اس حملہ میں مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد نے شمالی افریقہ کو فتح کر لیا تھا لیکن فوج کی کمی کی وجہ سے جب انہوں نے دیکھا کہ اس ملک پر مستقل قبضہ دشوار ہے، تو محض جزیہ کی شرط پر افریقہ والوں سے صلح کر لی تھی، اس کے بعد خلافت اسلامیہ میں خانہ جنگی کی بنا پر مسلمان زمانہ دراز تک افریقہ کی جانب توجہ نہیں کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ شمالی افریقہ کے تمام علاقے ایک ایک کر کے خود مختار ہو گئے،

خاندان بنی امیہ کی حکومت کے بانی "امیر معاویہ جب برسرِ اقتدار آئے، تو انہوں نے سنہ ۴۱ھ میں عقبہ بن نافع اور چند دوسرے اسلامی سپہ سالاروں کو افریقہ کی فتح کے لئے دوبارہ روانہ کیا، انہوں نے مختصر سے عرصہ میں نہ صرف تمام پرانے اسلامی علاقوں کو واپس لے لیا، بلکہ بہت سے نئے علاقے بھی فتح کر لئے، چنانچہ عقبہ بن نافع نے طرابلس کے اہم علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ٹیونس فتح کیا، اور شہر قیروان کی بنیاد ڈالی، پھر رفتہ رفتہ الجیریا اور مراکش پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا،

عقبہ بن نافع شمالی افریقہ کی فتوحات میں مصروف ہی تھے، کہ رومی عیسائیوں اور بربریوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، اور شہید کر دیا، ان کی شہادت کے بعد ایک تازہ دم اسلامی لشکر افریقہ جا پہنچا جس میں عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، عبدالملک بن مروان جیسے سپہ سالار شامل تھے، ان حضرات نے افریقہ میں جدید فتوحات حاصل کر کے شمالی افریقہ کے بیشتر علاقہ کو مملکت اسلامیہ کے زیر نگین کر دیا،

امیر معاویہ اور ان کے جانشینوں کے زمانہ میں چونکہ مملکت اسلامیہ آپس کی خانہ جنگیوں میں الجھی ہوئی تھی، اس لئے رومی عیسائیوں اور بربریوں نے مل کر تقریباً پورے شمالی افریقہ کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال لیا تھا، اور زبیر بن قیس حاکم برقہ کو انہوں نے ہلاک کر دیا تھا، یہ وہ زمانہ تھا، جب سلطان عبدالملک بن مروان حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف جنگ میں مصروف تھا۔ لیکن سلطان عبدالملک بن مروان کو ۷۳ھ میں جب ملک کے اندرونی جھگڑوں سے نجات ملی تو اس نے حسین بن نعمان کو چالیس ہزار کا لشکرِ عظیم دے کر افریقہ کی تسخیر کے لئے روانہ کر دیا۔

حسین بن نعمان نے بڑی حوصلہ مندی سے کام لے کر تیسری مرتبہ شمالی افریقہ کے بیشتر علاقوں کو فتح کر لیا، حسین بن نعمان کے بعد جب موسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کے گورنر مقرر ہوئے، تو انہوں نے افریقہ کی حکومت سنبھالنے کے بعد اسلامی حکومت میں بہت سے نئے نئے علاقوں کا اضافہ کیا، غرض کہ سنہ ۸۴ھ تک طرابلس، ٹیونس، الجیریا اور

مراکش پر مسلمانوں کا کامل تسلط ہوگیا، اسی زمانہ میں موسیٰ بن نصیر نے جزیرہ سسلی کو دوبارہ فتح کیا تھا، اور ان فتوحات کے چند سال بعد ہی ۹۲ھ میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے اسپین اور جنوبی فرانس کو زیر کرلیا جس کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں،

شمالی افریقہ یعنی طرابلس، ٹیونس، الجیریا، اور مراکش پر گو ۸۳ھ میں مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تھا، اور وہاں مرکزی اسلامی حکومت کی جانب سے متعدد گورنر یکے بعد دیگرے حکومت کرتے رہے تھے، لیکن ان علاقوں میں آئے دن نہایت ہی خطرناک بغاوتیں برپا ہوتی رہتی تھیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان علاقوں میں بربری قوم کی اکثریت تھی، اور ان کی جہالت سے کبھی کبھی بغاوت ہوتی رہتی تھی، وہ اگرچہ مسلمان ہوگئے تھے، مگر جہالت کے غلبہ سے مجبور ہوکر بغاوت کے جذبات بھی بھڑکتے رہتے تھے، ۱۷۰ھ تک، تو قدرے امن رہا، لیکن دور عباسیہ میں آخری گورنر یزید بن حاتم کے مرتے ہی شمالی (افریقہ) عباسیہ مرکز سے الگ ہوگیا، اور کئی خود مختار اسلامی حکومتیں قائم ہوگئیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

خاندان ادریسیہ

مراکش (افریقہ) میں خاندان ادریسیہ کی آزاد اور خود مختار حکومت کا بانی ادریس بن عبداللہ ہے، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے تھا، عباسیوں کے دور حکومت میں جب بیجا علوی خاندان کی بیخ کنی شروع ہوئی، تو اس خاندان کا ایک فرد ادریس بن عبداللہ مع اپنے خادم راشد کے ملک حجاز سے مصر ہوتا ہوا شمالی افریقہ جا پہنچا، افریقہ کے بربری قبائل کے لوگ چونکہ شروع ہی سے علویوں سے عقیدت رکھتے تھے، اس لئے شمالی افریقہ کے بیشتر قبائل ادریس بن عبداللہ کے معتقد ہوگئے، اور انہوں نے ادریس بن عبداللہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرلی،

ادریس بن عبداللہ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک بربری فوج تیار کرلی، اور فوراً ہی تلمسانی پر حملہ کرکے اسے فتح کرلیا، اور ۱۷۳ھ میں اس مقام کو دارالحکومت قرار دے کر ادریسیہ حکومت کی بنیاد رکھدی،

خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے جب دیکھا، کہ مراکش کا علاقہ عباسی حکومت سے الگ ہوچکا ہے، اور ادریس بن عبداللہ کی طاقت برابر بڑھتی جارہی ہے، تو اس نے حکومت ادریسیہ کا زور توڑنے کے لئے سازش کرکے ادریس بن عبداللہ کو زہر دلوادیا، چنانچہ اس زہر کے اثر سے وہ ۱۷۵ھ میں ہلاک ہوگیا،

ادریس اصغر بن ادریس

ادریس کے مرنے کے بعد اس کے پرانے خادم راشد نے حکومت کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور امرائے سلطنت کو بتایا، کہ ایک بربری لونڈی کنیز کو ادریس سے حمل ہے، لہٰذا ہم سب کو چاہیئے، کہ اس بچہ کی بیعت کرلیں، جو رحم مادر میں ہے، امرائے سلطنت نے راشد کے کہنے کے مطابق قبل از ولادت اس بچہ کی بیعت کرلی، چند ماہ کے بعد جب یہ بچہ پیدا ہوا، تو اس کا نام ادریس اصغر رکھا گیا، اور پیدائش کے بعد دوبارہ تجدید بیعت کی گئی، ۱۸۸ھ میں جب ادریس اصغر بارہ برس کا ہوا

تو ولیلی کی جامع مسجد میں پھر نئے سر سے اس کے ہاتھ پر مجمع عام میں بیعت کی گئی،

ادریس اصغر جوان ہونے کے بعد بڑا ہی حوصلہ مند ثابت ہوا، اس نے نئے نئے علاقے فتح کر کے پورے مراکش پر اپنی حکومت قائم کر لی، اور بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت کرنے لگا، ۱۹۳ھ میں ادریس اصغر نے فاس کے قریب ہی ایک عظیم الشان جدید شہر کی بنیاد ڈالی، اور اسی کو دارالحکومت قرار دے دیا، ادریس اصغر کے ابتدائی دور حکومت میں تلمسان اس کے قبضہ سے نکل گیا تھا، لیکن ۱۹۷ھ میں اس نے تلمسان کو دوبارہ فتح کر لیا، ادریس اصغر اور ابراہیم بن اغلب والئی ٹیونس میں کئی لڑائیاں بھی ہوئی تھیں، لیکن بعد میں صلح ہو گئی تھی، ادریس اصغر ۲۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۱۳ھ میں فوت ہو گیا،

محمد بن ادریس اصغر

ادریس اصغر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا محمد بن ادریس ۲۱۳ھ (۸۲۸ء) میں مراکش کے تخت پر بیٹھا، اس کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد ادریس اول کے بھائی سلیمان بن عبداللہ نے مراکش پہنچ کر تلمسان پر قبضہ جمالیا تھا، اور وہاں اپنی ایک علیحدہ حکومت قائم کر لی تھی، اس کے علاوہ محمد بن ادریس کی دادی کنیزہ نے محمد بن ادریس کی حکومت میں سے بہت سے ٹکڑے الگ کر کے محمد بن ادریس کے دوسرے بھائیوں میں تقسیم کر دیئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ محمد بن ادریس کے زمانہ میں مراکش کی ادریسیہ حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بے حد کمزور ہو گئی، اور بھائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، لیکن یہ غنیمت تھا، کہ محمد بن ادریس کے سب بھائی اس کی سیادت کو تسلیم کرتے رہے، جس کی وجہ سے فتنہ و فساد زیادہ نہیں بڑھنے پایا، محمد بن ادریس آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۲۱ھ میں فوت ہو گیا،

علی بن محمد

محمد بن ادریس کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے نو سالہ لڑکے علی بن محمد کو ۲۲۱ھ (۸۳۶ء) میں تخت نشین کر دیا، اس کے عہد حکومت میں ہر طرح امن و امان رہا، اور ملک میں خوش حالی عام تھی، یہ تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۳۴ھ میں فوت ہو گیا، اس نے مرتے وقت اپنے بھائی یحییٰ بن محمد کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا،

یحییٰ بن محمد

یحییٰ بن محمد اپنے بھائی علی بن محمد کے انتقال کے بعد ۲۳۴ھ (۸۴۶ء) میں مراکش کے تخت پر بیٹھا، اس کے زمانہ میں سلطنت ادریسیہ کو خوب عروج حاصل ہوا، شہر فاس اور دوسرے شہروں کی آبادی میں خوب ترقی ہوئی، تجارت بھی خوب چمکی، یہ بڑا علم دوست تھا، اس کے عہد حکومت میں علماء اور فضلاء دور دور سے آ کر دربار میں جمع ہو گئے تھے، اچھے اچھے ماہرین فن جمع کر لئے تھے، جن کے ذریعہ پورے ملک میں عام خوشحالی اور ترقی کا دور دورہ ہو گیا،

یحییٰ بن یحییٰ : یحییٰ بن محمد کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ بن یحییٰ تخت نشین ہوا، یہ نالائق ہونے کے

ہی انتہا درجہ کا بد چلن بھی تھا، اس کی بد چلنی اور نالائقی کی وجہ سے رعایا اس سے ناراض ہوگئی، اور عوام نے عبدالرحمن بن سہل کی قیادت میں بغاوت برپا کر کے اور یحییٰ بن یحییٰ کو معزول کر کے فاس سے نکال دیا، اسے معزولی کا اس قدر صدمہ ہوا، کہ یہ چند ہی روز میں فوت ہوگیا،

علی بن عمر یحییٰ بن یحییٰ کی معزولی کے بعد اس کا چچا علی بن عمر جس کو عوام کی حمایت حاصل تھی، فاس میں آکر تخت نشین ہوگیا، علی بن عمر کے قبضہ میں چونکہ پہلے ہی سے مراکش کا ایک بہت بڑا علاقہ تھا، اس لئے اس کے تخت نشین ہونے کے بعد سلطنت ادریسیہ ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی، مگر چند ہی روز کے بعد عبدالرزاق خارجی نے علم بغاوت بلند کر کے ملک کے بیشتر حصہ پر قبضہ جمالیا، چنانچہ خارجیوں کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے عرصہ دراز تک، خاندان ادریسیہ کی حالت نہایت نازک اور کمزور رہی،

یحییٰ بن ادریس بن عمر ۲۹۲ھ (۹۰۴ء) میں حکومت ادریسیہ نے پھر کروٹ لی، جب کہ علی بن عمر کے بھتیجے یحییٰ بن ادریس بن عمر نے تخت نشین ہونے کے بعد نہایت ہمت اور جرأت سے کام لے کر عبدالرزاق خارجی کے قبضہ سے ملک کا سارا حصہ نکال لیا، اور پورے ملک مراکش پر قابض ہوگیا، یہ خاندان ادریسیہ کا بہت بڑا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے، مگر ۳۰۵ھ میں جب عبیدیوں کے لشکر عظیم نے مراکش پر حملہ کیا، تو یحییٰ بن ادریس مقابلہ نہ کر سکا، اور اسے شکست ہوگئی شکست کے بعد اس نے خراج کے وعدہ پر دولت عبیدیہ (مصر) کی اطاعت قبول کر لی، یحییٰ بن ادریس پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۰۸ھ میں فوت ہوگیا،

طلحہ بن یحییٰ یحییٰ بن ادریس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا طلحہ بن یحییٰ ۳۰۸ھ (۹۲۰ء) میں تخت نشین ہوا، اس کو ایک ایسی کمزور حکومت ملی تھی، جو عبیدیوں کے حملہ کے بعد ہی سے رو بزوال تھی؛ چنانچہ ۳۰۹ھ میں جب عبیدیوں کے لشکر نے دوبارہ حملہ کیا تو یہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا، اور عبیدیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، اس کی گرفتاری کے بعد مراکش سے سلطنت ادریسیہ ختم ہوگئی، اور فاس پر دولت عبیدیہ فاطمیہ (مصر) کا قبضہ ہوگیا،

۳۱۳ھ میں خاندان ادریسیہ کے ایک شہزادے حسن بن قاسم بن ادریس نے فاس کے عبیدی گورنر کے خلاف بغاوت کر کے اور اسے شکست دے کر فاس سے نکال دیا، اور فاس میں پھر ادریسی حکومت قائم کر دی، لیکن چند ہی روز کے بعد عبیدیوں نے دوبارہ حملہ کر کے اس سے فاس چھین لیا، اور اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا، پھر فاس میں عبیدی حکومت قائم ہوگئی، لیکن ابھی تک مراکش کے بہت سے اضلاع پر خاندان ادریسیہ کے مختلف افراد اور عمال بدستور قابض تھے، یعنی عبیدی حکومت صرف فاس اور مراکش کے چند علاقوں پر قابض

ہو سکی تھی،

مراکش اسپین کا ماتحت صوبہ بن گیا

خاندان ادریسیہ کے جو افراد اور عمال مراکش کے مختلف صوبوں پر قابض تھے، انہوں نے جب اسپین کے اموی سلطان سے عبیدیوں کے خلاف امداد چاہی، تو اسپین کی اسلامی فوجیں مراکش کے ساحل پر جا اتریں، اور انہوں نے عبیدیوں کو مراکش سے نکالدیا، اور اس طرح مراکش بھی اسلامی اسپین کا ایک صوبہ بن گیا،

سلیمان بن عبداللہ کے جانشین

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے، کہ ادریس اصغر کی وفات کے بعد ادریس اول کے بھائی سلیمان بن عبداللہ نے مراکش آکر تلمسان میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی، اس کے بعد اس کے بیٹے محمد بن سلیمان نے الجیریا کا بہت سا علاقہ اپنی حکومت میں شامل کرلیا، جب یہ مرگیا، تو سلیمان کے خاندان میں خانہ جنگی پیدا ہوگئی، اور سلطنت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی، لیکن پھر بھی سنہ ۳۵۰ھ تک، اس خاندان کے مختلف افراد بہت سے علاقوں پر قابض رہے، اور برابر جدوجہد کرتے رہے، تاکہ کھویا ہوا وقار واپس لے سکیں،

خاندان اغلبیہ کا دور

طرابلس الغرب یا ٹیونس شمالی افریقہ کا اہم ترین علاقہ ہے، اس علاقہ میں خاندان اغلبیہ کی خود مختار حکومت کا بانی ابراہیم بن اغلب ہے، اس نے ابتدا میں تو عباسی خلیفہ ہارون الرشید سے اس ملک کی حکومت چالیس ہزار دینار سالانہ کے ٹھیکہ پر لی تھی، لیکن بعد میں خاندان اغلبیہ کے سلاطین نے طرابلس میں خود مختارانہ حیثیت حاصل کرلی، ابراہیم بن اغلب کا اخلاق اچھا تھا، اور طرز حکومت عادلانہ اس لئے طرابلس کے باشندے ابراہیم بن اغلب سے خوش تھے، اور وہ اس کی حکومت کو پسند کرتے تھے طرابلس کی حالت چونکہ نہایت خراب تھی، اور ہر لحہ اس بات کا اندیشہ تھا، کہ یہ ملک بھی کہیں اسپین اور مراکش کی طرح خلافت اسلامیہ کے قبضہ سے نہ نکل جائے، لہذا خلیفہ ہارون الرشید نے کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ اس لئے کہ طرابلس سے کوئی معقول آمدنی نہیں تھی، ابراہیم بن اغلب کو ٹھیکہ دیدیا تھا،

ابراہیم بن اغلب نے سنہ ۱۸۴ھ (۸۰۰ء) میں طرابلس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی وہاں کی تمام اندرونی بغاوتوں کو دبا دیا، اور سارے ملک میں امن وامان قائم ہوگیا، اس نے اپنے دور حکومت میں اس ملک کو خوب ترقی دی، قیروان کے متصل ایک نیا شہر عباسیہ آباد کیا، ابراہیم بن اغلب کے آخری دور حکومت میں اگرچہ بہت سی اندرونی بغاوتیں کھڑی ہوگئی تھیں، مگر ابراہیم بن اغلب نے انہیں بڑی قابلیت کے ساتھ دبا دیا، ابراہیم بن اغلب بارہ برس حکومت کرنے کے بعد سنہ ۱۹۶ھ میں انتقال کرگیا، ابراہیم بن اغلب کے دور حکومت میں گو خطبہ میں ابراہیم بن اغلب کے نام کے ساتھ عباسی خلیفہ کا نام بھی لیا جاتا تھا، مگر یہ حکومت خود مختار بن چکی تھی،

عبداللہ بن ابراہیم اغلب

ابراہیم بن اغلب کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ بن ابراہیم ۱۹۶ھ / ۸۱۲ء میں تخت نشین ہوا، ابراہیم بن اغلب کی موت کے وقت عبداللہ بن ابراہیم چونکہ قیروان سے باہر تھا اس لئے اس کی غیر موجودگی میں اس کا بھائی زیادۃ اللہ عبداللہ بن ابراہیم کے لئے لوگوں سے بیعت لے کر حکومت کرتا رہا، لیکن چند ماہ کے بعد عبداللہ بن ابراہیم نے ۱۹۷ھ میں قیروان آکر حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، یہ بڑی قابلیت کے ساتھ پانچ سال حکومت کر کے ۲۰۱ھ میں فوت ہو گیا۔

زیادۃ اللہ بن ابراہیم

عبداللہ بن ابراہیم کے بعد اس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم ۲۰۱ھ / ۸۱۶ء میں قیروان میں تخت نشین ہوا، یہ اپنے عہد حکومت کے ابتدائی پانچ چھ سال میں تو اطمینان سے حکومت کرتا رہا، لیکن ۲۰۷ھ سے یکے بعد دیگرے اس کے خلاف بغاوتیں اٹھنی شروع ہوئیں یہاں تک کہ منصور ترمذی نامی ایک باغی نے ملک کا بیشتر حصہ دبا کر دار السلطنت قیروان پر بھی قبضہ کر لیا، زیادۃ اللہ نے بڑی مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کیا، آخر چالیس روز کی خوفناک جنگ کے بعد منصور کو شکست ہو گئی، اور وہ فرار ہو کر ٹیونس چلا گیا، اس بغاوت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے سرداروں اور عمال حکومت نے ملک کے مختلف حصوں پر غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا، زیادۃ اللہ نے باغیوں کا زبردست مقابلہ کیا، اور مقبوضہ مقامات واپس لے لئے۔

جزیرہ سسلی کی دوبارہ فتح

جزیرہ سسلی کو اگرچہ مسلمان شاہان بنی امیہ کے دور حکومت میں فتح کر چکے تھے لیکن یہ جزیرہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا، زیادۃ اللہ کا یہ کارنامہ اسلامی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، کہ اس نے اپنی بحری طاقت کو بڑھا کر جزیرہ سسلی پر حملہ کر دیا، اور بڑی خوفناک اور طویل جنگ کے بعد جزیرہ سسلی پر دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اس فتح کے بعد تقریباً پونے تین سو سال تک مسلمانوں کی جزیرہ سسلی پر حکومت رہی، لیکن اس کے بعد مسلمانوں نے آپس کی خانہ جنگیوں کی بنا پر یہ جزیرہ عیسائیوں کے قبضہ میں دے دیا، اور عیسائیوں نے اسی طرح جزیرہ سسلی سے بھی مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا، جس طرح کہ اسپین سے انہوں نے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا تھا۔

اغلب بن ابراہیم

زیادۃ اللہ کا جب ۲۲۳ھ میں انتقال ہو گیا، تو اس کے بعد زیادۃ اللہ کا بھائی اغلب بن ابراہیم عرف ابو عقال تخت نشین ہوا، اس کے زمانہ میں بہت سی بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں، لیکن اس نے فوراً ہی تمام بغاوتوں کو کچل دیا، یہ ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد ۲۲۶ھ میں فوت ہو گیا۔

ابو العباس بن اغلب

اغلب بن ابراہیم کے بعد اس کا بیٹا ابو العباس بن اغلب ۲۲۶ھ میں تخت نشین ہوا، لیکن اس کی تخت نشینی کے ۱۶ سال بعد اس کے بھائی ابو جعفر بن اغلب نے ۲۴۲ھ میں اس کے خلاف بغاوت برپا کر کے اسے معزول کر دیا، اور خود حکومت پر قبضہ جما لیا۔

ابوالعباس نے فوج جمع کر کے ڈیڑھ سال بعد ۲۶۲ھ میں دوبارہ ابوجعفر سے حکومت چھین لی، ابوجعفر مصر کی طرف بھاگ گیا، مگر اسی سال ابوالعباس بھی فوت ہو گیا،

ابوابراہیم احمد بن ابوالعباس

ابوابراہیم احمد اپنے باپ ابوالعباس کے مرنے کے بعد ۲۴۲ھ میں تخت نشین ہوا، اس نے برسر اقتدار آنے کے بعد فوجوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا، نئے سرے سے فوجوں کی تنظیم کی، ملک میں جابجا قلعے بنوائے، جزیرہ سسلی میں رومیوں سے چونکہ ابھی تک سلسلہ جنگ جاری تھا، اس لئے اس نے رومیوں کا سخت مقابلہ کرنے کے بعد ان کی طاقت کو کچل ڈالا، اس نے اپنے زمانہ میں بحری بیڑے کو خوب ترقی دی، ابوابراہیم سات سال بڑی خاموشی سے حکومت کرنے کے بعد ۲۴۹ھ میں فوت ہو گیا

زیادۃ اللہ اصغر بن ابوابراہیم

ابوابراہیم کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا زیادۃ اللہ اصغر ۲۴۹ھ میں تخت نشین ہوا، مگر اس کی عمر نے وفا نہیں کی، اور یہ ایک سال حکومت کرنے کے بعد ۲۵۰ھ میں انتقال کر گیا،

ابوالغرانیق محمد بن ابراہیم

زیادۃ اللہ اصغر کی وفات کے بعد اس کا بھائی محمد بن ابوابراہیم ابوالغرانیق کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۲۵۰ھ میں قیروان میں تخت نشین ہوا، اس نے بھی ساحلی علاقوں اور سرحدوں پر بہت سے قلعے تعمیر کرائے، یہ بادشاہ گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۶۱ھ میں فوت ہو گیا،

ابراہیم بن ابوابراہیم

یہ ابوابراہیم کا تیسرا بیٹا تھا، جو اپنے بھائی ابوالغرانیق کی وفات کے بعد ۲۶۱ھ میں تخت نشین ہوا، یہ خاندان اغلبیہ کا بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے، اس کے زمانہ میں جب مصری فوجوں نے حملہ کیا، تو اس نے ان کو بری طرح شکست دی، اندرونی بغاوتیں جتنی بھی کھڑی ہوئیں ان سب کو اس نے کچل ڈالا، ۲۸۰ھ میں جب خارجیوں نے ملک میں جابجا فتنے برپا کرنے شروع کئے، تو اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ خارجیوں کے فتنوں کو دبا دیا، اور ہزاروں سوڈانی غلاموں کو فوج میں بھرتی کر کے اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا، ۲۸۱ھ میں یہ قیروان سے تیونس چلا آیا، اور وہیں محل تعمیر کر کے اقامت اختیار کر لی،

۲۸۷ھ میں جب جزیرہ سسلی میں پلرمو کے عیسائیوں نے بغاوت برپا کی، تو ابراہیم بن ابوابراہیم نے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک سو ساٹھ جنگی جہازوں کا بیڑا اپنے بیٹے ابوالعباس کی سرکردگی میں سسلی روانہ کیا، ابوالعباس عبداللہ نے سسلی پہنچ کر اور عیسائی باغیوں کو پے در پے شکستیں دے کر تمام جزیرہ میں پھر امن و امان قائم کر دیا، سلطان

ابراہیم بن ابوابراہیم اور اس کے بیٹے ابو العباس عبد اللہ نے فرانس اور اٹلی کے ساحلی شہروں پر بھی بہت سے کامیاب حملے کئے تھے، چنانچہ یورپین ممالک سلطان ابراہیم کے نام سے کانپتے تھے، یہ سلطان جب ۲۸۹ھ میں ساحل فرانس کے بعض علاقوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، کہ اسی محاصرہ کے دوران میں بیمار ہونے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، اس کی لاش کو فرانس سے جزیرہ سسلی لاکر پلرمو کے علاقہ میں دفن کیا گیا، اسی سلطان کے زمانہ میں سلطنت عبیدیہ فاطمیہ کے بانی ابو عبد اللہ شیعی کا زور ہوا تھا جس نے کہ آگے چل کر حکومت اغلبیہ کو ختم کر دیا تھا،

ابوالعباس عبد اللہ بن ابراہیم

سلطان ابراہیم کے بعد اس کا بیٹا ابوالعباس عبد اللہ تخت نشین ہوا چونکہ سلطان ابراہیم نے قیروان کی بجائے ٹیونس میں محل بنا کر اقامت اختیار کر لی تھی، اس لئے اس کی تاج پوشی کی رسم ٹیونس ہی میں انجام دی گئی، اور اس نے ٹیونس ہی کو دار السلطنت قرار دیدیا، ابو عبد اللہ شیعی کا زور کیونکہ دن بدن بڑھتا جا رہا تھا، اس لئے ابو العباس نے اپنے بیٹے ابو خول کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، ابو خول اور ابو عبد اللہ شیعی کی کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں ابو عبد اللہ شیعی کا پلہ بھاری رہا، اور اس نے حکومت اغلبیہ کا بہت سا علاقہ دبا لیا، ابو خول ان لڑائیوں میں الجھا ہوا تھا، کہ اس کے دوسرے بھائی زیادۃ اللہ نے سازش کر کے اپنے باپ سلطان ابوالعباس کا ۲۹۰ھ میں کام تمام کرا دیا، اور خود تخت نشین ہوگیا، جب ابو خول کو بھائی کی اس بغاوت کا علم ہوا، تو وہ باپ کا انتقام لینے کے لئے ٹیونس آیا، مگر زیادۃ اللہ نے اسے بھی گرفتار کر کے قتل کرا دیا، اور اپنے تمام دوسرے بھائیوں اور چچاؤں کو بھی تہ تیغ کرا دیا،

ابو مضر زیادۃ اللہ بن ابوالعباس

زیادۃ اللہ باپ اور تمام بھائیوں کے قتل کے بعد ۲۹۰ھ (۹۰۳ء) میں تخت پر قابض تو ہوگیا، لیکن اس کی اس ناشائستہ حرکت کی وجہ سے پوری سلطنت میں ابتری پھیل گئی، جس سے کہ ابو عبد اللہ شیعی نے خوب فائدہ اٹھایا، اس نے پہلے شہر سطیف پر قبضہ جمایا، اس کے بعد دوسرے علاقوں پر ہاتھ صاف کیا، زیادۃ اللہ عیش پرست اور پست ہمت بادشاہ تھا، جب وہ ابو عبد اللہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکا، تو ٹیونس چھوڑ کر رقادہ چلا گیا، ابو عبد اللہ شیعی برابر آگے بڑھتا رہا، اور تقریباً ہر مورچہ پر اغلبی فوجوں کو شکست ہوتی رہی، یہاں تک کہ اس نے شہر طبنس فتح کر لیا اور شہر قودہ پر قبضہ جما لیا، یکے بعد دیگرے جب تمام شہروں پر ابو عبد اللہ شیعی کا قبضہ ہوگیا، تو زیادۃ اللہ رقادہ سے جہازوں میں مع مال و اسباب سوار ہو کر ساحل شام پر جا اترا، اور مقام رقہ میں جا کر مقیم ہوگیا، اور وہیں فوت ہوگیا،

حکومت اغلبیہ کا خاتمہ

ابو مضر زیادۃ اللہ خاندان اغلبیہ کا آخری بادشاہ تھا، اس کے فرار ہونے کے بعد سلطنت اغلبیہ ختم ہوگئی، اور ابو عبد اللہ شیعی بانی حکومت عبیدیہ نے ۲۹۶ھ

میں سلطنت اغلبیہ کے علاقوں پر قبضہ کر کے عبید اللہ المہدی کی لوگوں سے بیعت لی، اور اس طرح سلطنت اغلبیہ کے پرانے آثاروں پر دولت عبیدیہ کی بنیاد قائم ہو گئی

خاندان عبیدیہ کا دور حکومت

طرابلس، شمالی افریقہ اور مصر میں حکومت عبیدیہ فاطمیہ کے بانی ابو عبداللہ بصری شیعی، اور ابو العباس بصری دو بھائی تھے، ابو عبداللہ شیعی بصری کو محمد الحبیب نامی ایک بزرگ نے جنہیں حضرت امام جعفر صادق کے بیٹے اسمٰعیل کی اولاد میں بتایا جاتا ہے، داعی بنا کر شمالی افریقہ بھیجا تھا، اور یہ ہدایت کر دی تھی، کہ ہمارا بیٹا عبید اللہ مہدی موعود ہے تم کو اس کا داعی بنا کر بھیجا جا رہا ہے،

ابو عبداللہ شیعی نے کتامہ (شمالی افریقہ) پہنچنے کے بعد دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا، اور بہت جلد بہت سے بربری قبائل کو اپنا معتقد بنا لیا، اور لوگوں کو یقین دلا دیا، کہ عنقریب اس علاقہ میں "مہدی موعود" تشریف لانے والے ہیں، بربری علاقہ میں ابو عبداللہ شیعی کی عقیدت اور حمایت اتنی بڑھی، کہ اکثر و بیشتر بربری قبائل اس پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہو گئے، ابو عبداللہ شیعی نے بربریوں کی عقیدت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بربریوں کا ایک لشکر عظیم تیار کر کے پہلے تو سلطنت اغلبیہ کے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ جما لیا، اس کے بعد اس نے ۲۹۶ھ میں سلطنت اغلبیہ کو ختم کر کے طرابلس میں باقاعدہ دولت عبیدیہ فاطمیہ قائم کر لی، اس سلطنت کے حکمران شمالی افریقہ پر تو تقریباً ۷۰ سال اور مصر پر تقریباً ڈھائی سو برس تک بڑی شان اور دبدبے کے ساتھ حکومت کرتے رہے،

طرابلس میں جب سلطنت عبیدیہ فاطمیہ قائم ہو گئی، تو اس سلطنت کے حکمران نے ۳۰۳ھ میں ٹیونس کے قریب ایک نئے شہر مہدیہ کی بنیاد رکھی، اور اسی کو سلطنت عبیدیہ کا دار السلطنت قرار دیا، لیکن سلاطین عبیدیہ سے یہ غلطی ہوئی، کہ انہوں نے مصر کی فتح کے بعد مہدیہ سے اپنا دار السلطنت قاہرہ منتقل کر لیا جس کی وجہ سے شمالی افریقہ میں سلطنت عبیدیہ فاطمیہ کی گرفت کمزور ہونے کی وجہ سے شمالی افریقہ کے علاقے سلاطین عبیدیہ کے قبضہ سے نکل گئے، سلطنت عبیدیہ فاطمیہ کا تعلق چونکہ شمالی افریقہ سے کہیں زیادہ مصر اور شام سے ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ یہاں صرف سلاطین کے نام بتا دیئے جائیں، اور حالات مصر و شام کی تاریخ میں بیان کئے جائیں

سلاطین عبیدیہ

سلطنت عبیدیہ فاطمیہ کا بانی اول اور داعی ابو عبید اللہ شیعی بصری تھا، اس نے جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی، اس کے تخت پر جو سلاطین مسند نشین ہوئے ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عبید اللہ المہدی (۲) ابو القاسم نزار (۳) اسمٰعیل بن ابو القاسم (۴) معز بن اسمٰعیل (۵) عزیز بن معز (۶) حاکم بن عزیز (۷) ظاہر بن حاکم (۸) مستنصر بن ظاہر (۹) ابو القاسم مستعلی (۱۰) ابو علی عامر عبیدی (۱۱) حافظ عبیدی (۱۲) ظافر بن

حافظ (۱۳) فائز بن ظافر (۱۴) عاضد بن یوسف،

خاندان زیریہ

سلطنت عبیدیہ فاطمیہ کے سلاطین نے مصر کی فتح کے بعد چونکہ مہدیہ سے دارالسلطنت منتقل کر کے قاہرہ کو دارالسلطنت قرار دے دیا تھا، اور شمالی افریقہ میں سلطنت عبیدیہ کی گرفت کمزور ہو گئی تھی، اس لئے طرابلس اور دوسرے افریقی علاقوں کے عبیدی عاملوں نے خودمختار ہونے کے بعد وہاں اپنی متعدد نئی نئی حکومتیں قائم کر لی تھیں، جن میں دو سلطنتوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، ان دو سلطنتوں میں سے ایک تو خاندان زیریہ کی سلطنت ہے، جو طرابلس میں قائم ہوئی، اور دوسری خاندان حمادیہ کی حکومت ہے، جو الجیریا میں تھی۔

خاندان زیریہ کی حکومت ۳۶۲ھ میں طرابلس میں قائم ہوئی، اس خاندان کے سلاطین گو سلطنت عبیدیہ سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتے رہے، لیکن یہ دراصل بالکل خودمختار ہو گئے تھے، انہوں نے تقریباً دو سو برس تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے، یہ ۵۴۳ھ (۱۱۴۸ء) تک طرابلس پر حکمران رہے،

خاندان حمادیہ

اس خاندان نے ۳۹۵ھ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر کے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی تھی، اس خاندان کے سلاطین تقریباً ڈیڑھ سو برس تک الجیریا پر حکومت کرتے رہے، خاندان زیریہ اور خاندان حمادیہ میں کئی اہم لڑائیاں بھی ہوئی ہیں، یہ خاندان ۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء) تک الجیریا پر حکمران رہا،

دور مرابطین

شمالی افریقہ یعنی مراکش میں مرابطین کی حکومت کا بانی ایک مبلغ اسلام فقیہہ عبداللہ بن یاسین ہے، فقیہہ عبداللہ افریقہ کے ان بربری قبائل میں دین اسلام کی اشاعت کی خدمت انجام دیا کرتا تھا جنہوں نے اس وقت تک دین اسلام قبول نہیں کیا تھا، فقیہہ عبداللہ کے وعظ و پند اور کوشش پیہم سے جب بہت سے غیر مسلم بربری قبائل مسلمان ہو گئے، تو فقیہہ عبداللہ نے ان کو متحد اور منظم کرنے کے بعد عیسائیوں کے خلاف جہاد کا حکم دے دیا،

نومسلم بربری قبائل جہاد کے لئے آمادہ تو ہو گئے لیکن انہوں نے فقیہہ عبداللہ سے کہا کہ ایسی حالت میں جب کہ ہمارا کوئی امیر نہیں ہے، ہم جہاد کا اہم فرض کیونکر انجام دے سکتے ہیں، لہذا ہم چاہتے ہیں، کہ آپ امیر المسلمین کا عہدہ قبول فرمالیں، تاکہ آپ کی قیادت میں عیسائیوں کے خلاف جہاد کر سکیں،

امیر المسلمین کا عہدہ

فقیہہ عبداللہ نے خود تو یہ عہدہ قبول نہیں کیا، لیکن بربریوں ہی سے ایک ابوبکر بن عمر نامی ایک سردار کو "امیر المسلمین" بنا دیا، اور اسے مرابطین کا لقب عطا کر دیا، ابوبکر بن عمر مرابطین کے امیر المسلمین بنتے ہی نومسلم بربری قبائل نے اس کی زیر قیادت جنگی سرگرمیاں شروع کر دیں، اور ان کو فتوحات بھی حاصل ہونے لگیں،

یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ عیسائیوں نے نہ صرف اسپین کے مسلم علاقوں کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں پر بے تحاشہ

ظلم و ستم توڑ رکھے تھے، بلکہ انہوں نے کورسیکا اور سارڈینیا بھی مسلمانوں سے چھین لیا تھا، اور ان کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے، کہ انہوں نے شمالی افریقہ کے مختلف علاقوں پر بھی یورشیں شروع کر دی تھیں، شمالی افریقہ اور مصر میں اس وقت تین نمایاں اسلامی حکومتیں برسر اقتدار تھیں، دولت زیریہ، دولت حمادیہ، اور دولت عبیدیہ، لیکن ان تینوں میں آپس کی رقابتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں، کہ ان میں سے کوئی بھی حکومت عیسائیوں کے مقابلہ کا تصور تک نہیں کر سکتی تھی،

فقیہ عبداللہ بڑا ہی دیندار مسلمان تھا، عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے تھے، ان کی وجہ سے وہ بے حد مضطرب تھا، چنانچہ اس نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ افریقہ اور مصر کی موجودہ اسلامی حکومتیں خود غرضی کی بنا پر مسلمانوں کو عیسائیوں کی دست برد سے نہیں بچا سکتیں، عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے ۴۳۳ھ میں باقاعدہ سلطنت مرابطین کی بنیاد رکھ دی، اس سلطنت کا پہلا فرمانروا ابوبکر بن عمر مرابطین قرار دیا گیا، جہاد کے نشہ سے سرشار نومسلم بربری قبائل نے فقیہ عبداللہ اور ابوبکر بن عمر کی قیادت میں مختصر سے عرصہ میں سجلماسہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں کو فتح کر کے اس نوزائیدہ حکومت کی بنیادوں کو خوب مستحکم کر لیا، اور جدید فتوحات کے ذریعہ سلطنت مرابطین کے رقبہ کو تیزی کے ساتھ بڑھانا شروع کر دیا۔

یوسف بن تاشفین

ابوبکر بن عمر مرابطین کے مرنے کے بعد ۴۵۳ھ میں اس کا چچازاد بھائی یوسف بن تاشفین سلطنت مرابطین کے تخت پر بیٹھا، یہ بڑا ہی حوصلہ مند شخص تھا، اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی مراکش کی سرحد کے کئی اہم قلعے فتح کر لئے، اس کے بعد ۴۶۰ھ میں اس نے مراکش کے بہت بڑے علاقہ کو فتح کر کے سلطنت مرابطین میں شامل کر لیا، اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی حکومت کو اس قدر وسعت دے دی، کہ وہ دور دور تک پھیل گئی، اور ایک عظیم الشان اسلامی حکومت شمار ہونے لگی،

مرابطین کی حکومت عیسائیوں کے خلاف وجود میں آئی تھی، چنانچہ اس مقصد میں بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی حتیٰ کہ اسپین میں جو مسلم حکمران آپس میں لڑ رہے تھے، اور جن کی خانہ جنگی نے عیسائیوں کے غلبہ کا اندیشہ پیدا کر دیا تھا یوسف نے ان کو بھی ختم کر کے پورے اسپین کو اپنی حکومت کا ایک صوبہ بنا کر ۴۸۵ھ میں ایک مراکشی مسلمان کو گورنر مقرر کر دیا

علی بن یوسف تاشفین

یوسف بن تاشفین کے مرنے کے بعد رجب ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں اس کا بیٹا ابوالحسن علی بن یوسف تاشفین مراکش کے تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے بھی عیسائیوں کے خلاف مجاہدانہ سرگرمیوں کو بدستور جاری رکھا، اس نے اپنے بھائی تمیم بن یوسف کو اسپین کا وائسرائے مقرر کیا، جب تمیم کا انتقال ہو گیا، تو علی نے اپنے بیٹے تاشفین بن علی کو اسپین کی حکومت

سپرد کر دی

علی بن یوسف بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ تھا، عیسائیوں کے ساتھ اس کے بہت بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں
علی بن یوسف ۳۶ برس مراکش اور اسپین پر حکومت کرنے کے بعد ۵۳۷ھ میں فوت ہو گیا، علی بن یوسف ہی کے عہد حکومت میں مراکش میں مواحدین کا زور شروع ہوا، مواحدین کی جماعت دن بدن زور پکڑتی چلی گئی، یہاں تک کہ اس نے مراکش میں مرابطین کی حکومت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا

حکومت مرابطین کا خاتمہ

علی بن یوسف کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا تاشقین بن علی ۵۳۷ھ میں تخت نشین ہوا، لیکن اس کے زمانہ میں مواحدین کی طاقت اتنی بڑھ چکی تھی، کہ وہ ایک دن بھی چین سے حکومت نہ کر سکا، چنانچہ ۵۳۹ھ میں جماعت مواحدین کے راہنما عبدالمومن سے جب تاشقین کی جنگ ہوئی، تو اس میں تاشقین کو شکست ہو گئی، اور اس شکست کے بعد ہی تاشقین کا انتقال ہو گیا،

تاشقین بن علی کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم بن تاشقین ۵۳۹ھ میں مراکش کے تخت پر بیٹھا، لیکن اسے ایک ایسی حکومت ملی تھی، جو قریب قریب ختم ہو چکی تھی، ابراہیم بن تاشقین تقریباً دو سال حکمران رہا، دو سال کے بعد ۵۴۱ھ میں جماعت مواحدین کے راہنما عبدالمومن نے فوج کشی کر کے مراکش کو فتح کر لیا، اور سلطنت مرابطین کے آخری بادشاہ ابراہیم بن تاشقین کو گرفتار کر کے قتل کر دیا، ابراہیم بن تاشقین کے قتل کے بعد نہ صرف مراکش سے بلکہ اسپین سے بھی مرابطین کی حکومت ختم ہو گئی، اور اس سلطنت پر مواحدین کا قبضہ ہو گیا

مرابطین کو اگرچہ زیادہ دن حکومت کرنا نصیب نہیں ہوئی، مگر عیسائیوں کے خلاف ان کی سعی پیہم نے ان کو تاریخ میں قابل ذکر مقام عطا کر دیا ہے،

دور مواحدین

شمالی افریقہ میں مواحدین کی حکومت کا بانی فرقہ مواحدین کا مشہور پیشوا محمد بن عبداللہ بن تومرت ہے، یہ مراکش کے علاقہ سوس میں پیدا ہوا تھا، اور بربریوں کے قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتا تھا یہ چودہ سال تک مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد اور دوسرے اہم اسلامی مرکزوں میں حصول علم کے لئے خاک چھانتا پھرا، محمد بن عبداللہ تومرت بڑا صالح اور نیک شخص تھا، علم شریعت، علم الحدیث اور فقہ اسلامی کا یہ بہت بڑا عالم و فاضل تھا،

محمد بن عبداللہ تومرت کو حضرت امام غزالی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا، چنانچہ جس زمانہ میں کہ یہ حضرت امام غزالی سے اکتساب علم کر رہا تھا، تو ایک موقع پر حضرت امام غزالی نے اسے مراکش کی حکومت کی بشارت دی تھی، یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ مراکش میں شاہان مرابطین برسر اقتدار تھے، اور سلطنت مرابطین میں حضرت امام

غزالی کی تصانیف کو حکومت کے حکم سے نذر آتش کیا جا رہا تھا، اور حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے پاس سے حضرت امام غزالی کی کوئی تصنیف نکل آتی تھی، تو اسے حکومت مرابطین کی جانب سے قابل گردن زدنی قرار دے دیا جاتا تھا۔

فرقہ مواحدین کا قیام

علوم دینیہ میں دست گاہ حاصل کرنے کے بعد محمد بن عبداللہ تومرت نے اپنی زندگی کو وعظ و پند اور رشد و ہدایت کے لئے وقف کر دیا، اور "مواحدین" کے نام سے ایک فرقہ کی بنیاد رکھی، جو لوگوں کو صحیح معنوں میں توحید کی دعوت دے، چنانچہ اس فرقہ کو محمد بن عبداللہ تومرت کی کوششوں سے مختصر سے عرصہ میں مراکش کے اکثر بیشتر علاقوں میں غیر معمولی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل ہوگئی، اور دن بدن عبداللہ بن تومرت کے معتقدین کی تعداد مراکش میں بڑھتی چلی گئی۔

مراکش کے علماء نے عبداللہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت دیکھ کر اسے امام غزالی کا معتقد قرار دے کر قتل کا حکم دے دیا، مگر حکومت نے سولی دینے کے بجائے جلاوطن کر دیا۔

محمد بن عبداللہ تومرت کی جلاوطنی نے اس کی ہر دلعزیزی اور شہرت کو اور بھی بڑھا دیا، چنانچہ شہر مراکش سے نکلنے کے بعد جب وہ مراکش کے ایک پہاڑی علاقہ میں چھوٹی سی جھونپڑی ڈال کر رہنے لگا، تو بربری قبائل دوڑ دوڑ کے آکر اس کے حلقہ مریدین میں شامل ہونے لگے، اسی دوران میں جب اس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا، تو لوگوں کی رجوعات اس کی جانب اور بھی بڑھ گئی۔

قیام حکومت

محمد بن عبداللہ جو شروع سے اپنی حکومت کا خواب دیکھ رہا تھا، اس نے جلاوطن ہوتے ہی کوشش شروع کر دی، اور اپنے معتقدین کا ایک لشکر عظیم تیار کر لیا، اور اس لشکر کا سپہ سالار اپنے ایک لائق مرید عبدالمومن کو مقرر کیا، عبدالمومن نہایت ہی لائق سپہ سالار ثابت ہوا: اس نے مختصر سے عرصہ میں سلطنت مرابطین کا ایک بہت بڑا علاقہ فتح کرنے کے بعد وہاں باقاعدہ فرقہ موحدین کی حکومت قائم کر دی، محمد بن عبداللہ تومرت سلطنت مواحدین کا پہلا بادشاہ بنا

عبدالمومن کی فتوحات

محمد بن عبداللہ تومرت نے کیونکہ اپنی زندگی ہی میں سپہ سالار عبدالمومن کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا، اس لئے ۵۲۴ھ (۱۱۲۹ء) میں جب محمد بن عبداللہ تومرت کا انتقال ہوگیا، تو عبدالمومن سلطنت مواحدین کا فرمانروا بن گیا، عبدالمومن نے تخت نشین ہونے کے بعد جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا، اور ایک ایک کر کے سلطنت مرابطین کے وہ تمام باقی علاقے بھی فتح کر لئے جو ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے، یہاں تک کہ ۵۴۱ھ میں اس نے پورا مراکش فتح کر کے اور خاندان مرابطین کے آخری بادشاہ ابراہیم بن تاشفین کو قتل کر کے دارالسلطنت مراکش پر بھی قبضہ جما لیا۔

مراکش کی فتح اور انتظام سے فارغ ہونے کے بعد عبدالمومن نے سمندری بیڑی کے ذریعہ اسپین میں بھی

مواحدین کی فوجیں اتار دیں، اور عیسائیوں سے بڑی خونریز لڑائیوں کے بعد پورے اسلامی اسپین پر بھی قبضہ جما لیا، اور اپنے بیٹے ابو سعید کو اسپین کا وائسرائے مقرر کر دیا

۵۴۷ھ میں عبدالمومن الجیریا سے خاندان حمادیہ کی حکومت ختم کر کے اس ملک پر بھی قابض ہو گیا، اس کے علاوہ خاندان زیریہ کے جن علاقوں پر عیسائیوں نے قبضہ جما لیا تھا، اس نے ان کو فتح کر کے تریپولی تک اپنی سلطنت کو وسعت دے دی، غرض کہ عبدالمومن اسلامی اسپین سے لے کر مراکش تک، اور مراکش سے لے کر سرحد مصر تک کے تمام ساحلی ممالک کا بادشاہ بن گیا، اور اس کی سلطنت مختصر سے عرصہ میں ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی

تسخیر یورپ کا خواب

عبدالمومن بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ تھا، اس کا جی یہ چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو فتح کر کے اس پر اسلامی پرچم لہرا دے، چنانچہ اسپین میں عیسائیوں سے جنگ کرنے کے بعد جب اسے یہ اندازہ ہوا کہ اسپین اور افریقہ کی اسلامی حکومتیں اس وقت تک عیسائیوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکتیں، جب تک کہ تمام یورپین ممالک کو فتح کر کے وہاں اسلام نہ پھیلا دیا جائے تو وہ سارے یورپ کو فتح کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا، اور جنگی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف ہو گیا، اس مقصد کے لئے اس نے ایک طرف تو بے اندازہ سامان جنگ فراہم کر لیا، دوسری طرف پانچ لاکھ مجاہدین اسلام کی فوج مراکش اور اسپین میں تیار کر لی، لیکن عین اس وقت جب کہ وہ پورے یورپ کے خلاف جہاد کرنے کے لئے بالکل تیار تھا، تو ۵۵۸ھ میں اچانک اس کا انتقال ہو گیا، اور تسخیر یورپ کی یہ اسکیم پھر کبھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی،

ابو یعقوب بن عبدالمومن

عبدالمومن کے بعد اس کا بیٹا ابو یعقوب ۵۵۸ھ میں مراکش میں تخت نشین ہوا، یہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا حوصلہ مند اور عیسائی حکومتوں کا جانی دشمن تھا، چنانچہ اس کے زمانہ میں اسپین کے عیسائیوں نے کئی مرتبہ سر اٹھانے کی کوشش کی، مگر اس نے ان کو بار بار سرنگوں کر دیا، اسے عیسائیوں سے جنگ کرنے میں خاص لطف آتا تھا، چنانچہ اسپین میں عیسائیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہونے کے بعد یہ سخت بیمار ہو گیا، اور اسی بیماری میں ۵۸۰ھ میں اس کا اشبیلیہ میں انتقال ہو گیا، اس کی لاش کو اشبیلیہ سے مراکش لا کر دفن کیا گیا

ابو یعقوب خاندان مواحدین کا بہت بڑا اور علم دوست بادشاہ ہوا ہے فلسفہ اور علم کلام کے امام ابو بکر محمد ابن طفیل اور مشہور فلسفی ابن رشد اس کے حلقہ مصاحبین میں شامل تھے اس نے دور دراز سے علماء اور فضلاء کو بلا بلا کر اپنے دربار میں جمع کر رکھا تھا، یہ علماء کی بڑی عزت کرتا تھا، اور انہیں خوب نوازتا تھا.

ابو یعقوب کے عہد حکومت میں مراکش سے لے کر طرابلس تک افریقہ کا سارا علاقہ پورا اسلامی اسپین

جزیرہ سسلی اور بحر روم کے تمام جزائر سلطنت موحدین میں شامل ہو گئے تھے، اور اس سلطنت کا فرمانروا دنیا کا عظیم الشان بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

ابو یوسف منصور

ابو یعقوب کے بعد اس کا بیٹا ابو یوسف منصور ۵۸۰ھ میں مراکش میں تخت نشین ہوا۔ منصور نے اپنے دور حکومت میں چونکہ بحری طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا، اس لئے جنگ صلیبی کے موقعہ پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی اس بادشاہ سے بحری امداد طلب کی تھی، لیکن منصور کسی وجہ سے سلطان صلاح الدین کی کوئی امداد نہ کر سکا۔

جنگ صلیبی نے چونکہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں بغض و عناد کی آگ بری طرح بھڑکا دی تھی، اس لئے طلیطلہ (اسپین) کے عیسائی سلطان الفانسو ثانی نے دوسرے عیسائی سلاطین کو اپنے ساتھ ملا کر ۵۹۱ھ میں اسپین میں بھی اسلامی اسپین کے خلاف ایک دوسری جنگ صلیبی شروع کر دی تھی، ابو یوسف نے اس تاریخی جنگ میں جس پامردی کا ثبوت دیا تھا، اس پر اسلامی تاریخ رہتی دنیا تک فخر کرتی رہے گی۔

ابو یوسف کے اسلامی جوش اور جوہر مندی کا یہ عالم تھا کہ اس شیر دل مجاہد نے مٹھی بھر مسلمان سپاہیوں کے ذریعہ لاکھوں عیسائیوں کو اس جنگ میں کاٹ کر رکھ دیا تھا، اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ فتحیاب ہونے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ جو مال غنیمت آیا تھا، وہ یہ تھا، ڈیڑھ لاکھ خیمے، ایک لاکھ اسی ہزار خچر اور گھوڑے، چار لاکھ باربرداری کے گدھے، اور دوسرا بے اندازہ سامان، اس کے علاوہ تیس چالیس ہزار عیسائی قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے جن کو منصور نے مراکش بھیج کر آباد کر دیا تھا، یہ بادشاہ تقریباً ۱۵ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۹۵ھ میں مراکش میں فوت ہو گیا

سلطنت موحدین کا زوال

منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ محمد ۵۹۵ھ (۱۱۹۹ء) میں بعمر سترہ سال ناصر لدین اللہ کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ یہ اپنے باپ دادا کی طرح لائق نہ تھا، چنانچہ اس کی نااہلیت کی بنا پر اس کے زمانہ سے سلطنت موحدین کا زوال شروع ہو گیا، اس کے عہد حکومت میں ایک طرف تو یہ دشواری پیدا ہو گئی، کہ سلطنت مرابطین کے زمانہ کے امرا نے مراکش میں جا بجا بغاوتیں برپا کر کے ملک کے مختلف حصوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا تھا، دوسری طرف وہ تمام عیسائی سلاطین جو سلطان صلاح الدین کے مقابلہ میں فلسطین کے میدان میں شکست کھا کر لوٹے تھے، فلسطین کی ناکامی کا انتقام لینے کے لئے مراکش اور اسپین کی اسلامی حکومتوں کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

ایک طرف تو مراکش اور اسپین کے خلاف دشمنوں کی یہ تیاریاں تھیں، اور دوسری طرف ناصر الدین کی حالت یہ تھی، کہ اس نے اپنی نااہلیت کی بنا پر اسلامی فوج کو اپنا مخالف بنا لیا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ۶۰۹ھ میں جب عیسائی

سلاطین نے متحد ہو کر ناصرالدین کے خلاف ایک نئی جنگ صلیبی شروع کی، تو مسلمانوں کو العقاب کے میدان میں اس بری طرح شکست ہوئی، کہ مسلمانوں کے پانچ لاکھ لشکر میں سے صرف چند ہزار بچ سکے یہ شکست موحدین کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، ناصر کو بہت صدمہ ہوا، اور وہ اس سال سنہ ۶۱۰ھ میں فوت ہو گیا،

ناصرالدین کے بعد اس کا بیٹا یوسف بن ناصر مستنصر کے لقب کے ساتھ سنہ ۶۱۰ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں اسپین، مراکش، اور افریقہ کے دیگر ممالک میں موحدین کی سلطنت برائے نام رہ گئی تھی، مستنصر نہایت ہی نازک حالات میں دس سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۶۲۰ھ میں فوت ہو گیا،

مستنصر کی وفات کے بعد اس کا بھائی عبدالواحد سنہ ۶۲۰ھ (۱۲۲۳ء) میں تخت نشین ہوا لیکن اس کی تخت نشینی کو صرف نو مہینے ہوئے تھے، کہ سلطنت موحدین کے امراء نے اسے معزول کر کے قتل کر دیا، عبدالواحد کے قتل کے بعد امراء نے پہلے تو ایک نو عمر لڑکے یحییٰ بن ناصر کو تخت نشین کیا، اس کے بعد سارے مراکش میں بدنظمی پھیل گئی اور اکثر و بیشتر صوبوں کے امراء نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، لیکن پھر بھی خاص شہر مراکش میں خاندان موحدین کے برائے نام حکمران زمانہ دراز تک حکومت کرتے رہے، آخر ۶۶۷ھ میں خاندان مرینیہ نے موحدین کے دارالسلطنت مراکش کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی، اور سلطنت موحدین کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا

دور مرینیہ خاندان مرینیہ جو مراکش میں شاہان موحدین کا جانشین بنا، سنہ ۵۹۱ھ سے مراکش کی مرتفع زمینوں پر قابض تھا لیکن خاندان مرینیہ کو ۶۶۷ھ میں موحدین کے دارالسلطنت مراکش پر قبضہ کرنے کے بعد عروج حاصل ہوا،

خاندان مرینیہ نے سنہ ۷۹۶ھ میں خاندان ربانیہ سے جو الجیریا میں موحدین کے جانشین بنے ہوئے تھے الجیریا بھی چھین لیا، اور اسے بھی سلطنت مرینیہ میں شامل کر لیا،

اس خاندان کے سلاطین مراکش اور الجیریا پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ ۸۷۰ھ تک حکومت کرتے رہے اس کے بعد الجیریا اور طرابلس پر سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا قبضہ ہو گیا، جس پر بعد میں یورپین حکومتوں نے بڑی عیاری اور مکاری کے ساتھ قبضہ جما لیا تھا، مگر اب خدا کا شکر ہے، کہ مسلمانوں میں حصول آزادی کی خواہش بڑھتی جا رہی ہے اور آہستہ آہستہ یورپین طاقتوں کے پنجہ استبداد سے نکل کر آزاد اور خود مختار ہوتے جا رہے ہیں،

(۱۱)

حصّہ یازدہم

مصر و شام کی اسلامی حکومتیں

سنہ ۲۵۴ھ تا سنہ ۹۲۳ھ

مصر و شام کی اسلامی حکومتیں!

مصر کی سرحدیں شمالی افریقہ سے ملی ہوتی ہیں، اسی طرح شام مصر سے ملحق ہے۔ شروع ہی سے مصر و شام ایک ہی حکومت میں شامل رہے ہیں، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ دونوں ملکوں کے حالات ایک ساتھ ہی بیان کر دیئے جائیں:

شام پر سب سے پہلی فوج کشی حضرت ابو بکر صدیق کے عہد حکومت میں کی گئی تھی، چنانچہ جس روز ابو بکر صدیق کا انتقال ہوا ہے، اسی روز اسلامی فوجیں دمشق میں داخل ہوئی تھیں، لیکن شام مکمل طور پر حضرت عمر فاروق کے عہد حکومت میں سنہ ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں فتح ہوا تھا یعنی اس سال پورے ملک شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

مصر بھی حضرت عمر فاروق ہی کے عہد حکومت میں سنہ ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں حضرت عمرو بن عاص کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا، مصر میں آغاز فتح سے لے کر تقریباً سوا سو برس تک خلفائے راشدین، سلاطین بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس کی جانب سے گورنر مقرر ہوتے رہے لیکن سنہ ۲۵۴ھ (۸۶۸ء) میں جب کہ مرکزی اسلامی حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، تو احمد بن طولون گورنر مصر نے اس ملک میں اپنی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کر لی، اور اس کے بعد مصر و شام میں نئی نئی خود مختار اسلامی حکومتوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

حکومت طولونیہ

مصر میں حکومت طولونیہ کا بانی احمد بن طولون ہے، جسے خلیفہ معتز باللہ عباسی کے عہد حکومت میں سنہ ۲۵۴ھ (۸۶۸ء) میں مصر کا گورنر مقرر کیا گیا تھا، احمد بن طولون، پہلے تو عباسی حکومت کے ایک گورنر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتا رہا، لیکن بعد میں اس نے مصر اور شام پر اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی:

احمد بن طولون کا باپ ایک ترکی غلام تھا، جسے بخارا کے عامل نے خلیفہ مامون کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا، طولون کا عروج مامون کے زمانہ ہی سے شروع ہو گیا تھا، اس نے اپنے بیٹے احمد بن طولون کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلوائی تھی، وہ حدیث و فقہ کا بہت بڑا عالم شمار کیا جاتا تھا، علم اور فضل کی بنا پر احمد بن طولون کو دربار خلافت میں اس قدر اعزاز حاصل ہوا کہ اسے امرائے کبار کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اعزاز کی ابتدا

احمد بن طولون بے حد دلیر اور شجاع تھا، چنانچہ جس زمانہ میں کہ وہ طرطوس کا حاکم تھا، طرطوس سے دار الخلافہ کی جانب آ رہا تھا کہ راستہ میں اس نے دیکھا، کہ ڈاکوؤں کا ایک گروہ ایک قافلہ کو لوٹ رہا ہے، احمد بن طولون گو تن تنہا تھا، لیکن وہ پھر بھی ڈاکوؤں کے پورے گروہ پر ٹوٹ پڑا، ڈاکو

کچھ تو مارے گئے، اور کچھ فرار ہو گئے، اور لوٹا ہوا سارا سامان چھوڑ گئے، جو اہل قافلہ کو مل گیا

اس قافلہ میں اتفاق سے ایک شاہی خادم بھی تھا، جو خلیفہ مستعین کی فرمائش کی چند نادر اشیاء روم سے تیار کرا کے خلیفہ کے واسطے لئے جا رہا تھا، ڈاکوؤں نے یہ نادر اشیاء بھی لوٹ لی تھیں، مگر احمد بن طولون کی بہادری سے یہ اشیاء واپس مل گئی تھیں، چنانچہ خادم نے جب یہ نادر اشیاء خلیفہ مستعین کی خدمت میں پیش کیں، تو ان اشیاء کے چھننے اور پھر احمد طولون کی جرأت کی وجہ سے واپس ملنے کا سارا واقعہ بھی سنا دیا، خلیفہ احمد طولون کی بہادری کے اس واقعہ کو سنکر بے حد خوش ہوا، اس نے احمد بن طولون کو بلا کر بہت انعام واکرام دیا، اور اس کی نوازشات احمد بن طولون پر برابر بڑھتی چلی گئیں

خلیفہ مستعین عباسی کے معزول ہونے کے بعد جب خلیفہ معتز باللہ عباسی تخت نشین ہوا، تو اس نے بھی سابق خلیفہ کی طرح احمد بن طولون کو خوب نوازا، یہاں تک کہ اسے ۲۵۴ھ میں مصر کا گورنر مقرر کر دیا، اس کے بعد خلیفہ مہتدی عباسی کے عہد حکومت میں مصر کے علاوہ اسکندریہ کی حکومت بھی احمد بن طولون کے سپرد ہو گئی،

مصر و اسکندریہ کی ولایت حاصل ہونے کے بعد ہی سے اس نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا اس نے ہزاروں غلام فراہم کر کے ان کی ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی تھی، اس کے علاوہ اس نے دوسرے عام سپاہیوں کا بھی ایک لشکر عظیم بہترین الآت حرب سے آراستہ کر لیا تھا، یعنی اس نے اتنی بڑی فوج تیار کر لی تھی، جو بڑی سے بڑی حکومت کا مقابلہ کر سکتی تھی،

احمد بن طولون نے نئے نئے شہر بھی آباد کئے تھے، چنانچہ فسطاط کے قریب اس نے ایک جدید عظیم الشان شہر تعمیر کیا تھا جس میں بے شمار محلے تھے، متعدد بازار بنائے گئے تھے، جا بجا خوبصورت مسجدوں سے شہر کو مزین کیا گیا تھا، شہر کے وسط میں ایک شاندار جامع مسجد تعمیر کرائی تھی، اپنے لئے ایک ایسا عظیم الشان محل تیار کیا تھا جو نادر روزگار تھا، بہت سے شفاخانے اور مدارس بھی تعمیر کئے تھے، اور دریائے نیل کے کنارے جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے بھی قائم کئے تھے، نئی نئی تعمیرات کے علاوہ اس نے ملکی اصلاحات میں بھی نمایاں حصہ لیا غرض کہ احمد بن طولون نے اپنی حکومت کو ایک نہایت ہی اعلیٰ اور ترقی یافتہ حکومت بنا دیا تھا،

ملک شام پر قبضہ خلیفہ مہتدی کے بعد جب خلیفہ معتمد عباسی کا دور حکومت شروع ہوا، تو شام کی حکومت بھی احمد بن طولون کو مل گئی، اور اس طرح یہ ایک عظیم الشان سلطنت کا والی بن گیا خلیفہ معتمد کا بھائی موفق جو خلافت عباسیہ کا مختار مطلق بنا ہوا تھا، اور جس نے معتمد کو کٹھ پتلی بنا رکھا تھا، احمد بن طولون کا یہ اقتدار بہت شاق گذرتا تھا، چنانچہ اس نے احمد بن طولون کو زک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر احمد بن طولون کا ستارہ عروج پر تھا، اس کی طاقت بے حد بڑھ چکی تھی، اس لئے وہ اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا،

خلیفہ معتمد اور اس کے بھائی موفق میں اسی زمانہ میں جب ناچاقی زیادہ بڑھ گئی، تو خلیفہ بھائی سے ناراض ہو کر احمد بن طولون کے پاس پناہ لینے کے لئے مصر روانہ ہو گیا تھا مگر موفق نے اسے درمیان ہی میں روک کر دار الخلافہ واپس بلا لیا تھا لیکن اس واقعہ کے بعد موفق اور احمد بن طولون کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی، اور معاملہ یہاں تک بڑھا کہ احمد بن طولون نے موفق کے خلاف نہایت وسیع پیمانہ پر جنگی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن موفق نے شام میں احمد بن طولون کے خلاف بغاوت برپا کر کے اسے شام کے جھگڑے میں ایسا الجھایا، کہ پھر وہ موفق کی طرف رخ بھی نہ کر سکا، احمد بن طولون شام کی بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف تھا، کہ اچانک بیمار ہو گیا، اور بیمار ہونے کے بعد وہ مصر واپس چلا گیا، اور اسی بیماری میں سنہ ۲۷۰ھ میں اس کا انتقال ہو گیا،

خمارویہ بن احمد بن طولون

احمد بن طولون کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ بن احمد طولون سنہ ۲۷۰ھ میں تخت نشین ہوا، خلیفہ معتمد کا بھائی موفق چونکہ دولت طولونیہ کا دشمن تھا، اس لئے خمارویہ کو یہ اندیشہ ہوا، کہ کہیں موفق شام پر حملہ نہ کر دے، لہٰذا اس نے باپ کے مرتے ہی احمد واسطی کو ایک لشکر دے کر شام کی حفاظت کے لئے روانہ کر دیا، مگر احمد واسطی موفق سے مل گیا، اور اسے شام پر حملہ کی دعوت دے دی،

احمد واسطی کے شہ دینے پر موفق اور چند دوسرے عباسی عمال حکومت نے شام پر حملہ کر کے اسے خمارویہ کے قبضہ سے نکال لیا، خمارویہ شام کو واپس لینے کے لئے سنہ ۲۷۱ھ میں خود لشکر لے کر مصر سے شام آیا، مگر اسے شکست ہو گئی، لیکن خمارویہ کی شکست کے فوراً ہی بعد خمارویہ کا سپہ سالار سعد الایسر تازہ دم فوج لے کر شام جا پہنچا، اور موفق کو شکست دے کر دمشق کو دوبارہ فتح کر لیا، سنہ ۲۷۳ھ میں خمارویہ خود شام آیا، اور اس نے دمشق کے علاوہ شام کا اور بھی بہت سا علاقہ فتح کر لیا، موفق نے مجبور ہو کر صلح کر لی، اور ۳۰ سال کے لئے مصر و شام کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا،

خلیفہ معتضد جب سنہ ۲۷۹ھ میں تخت نشین ہوا، تو اس نے خمارویہ کو خوب نوازا، خمارویہ نے سنہ ۲۸۲ھ میں خلیفہ کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر کے عباسی خلیفہ کے ساتھ اپنے تعلقات اور بھی مستحکم کر لئے تھے، خمارویہ بڑا لائق فرمانروا تھا اس کا نظام حکومت نہایت چست تھا، خمارویہ کو اپنے باپ کی طرح عمارتوں کی تعمیر کا بڑا شوق تھا، اس نے اپنے لئے قصر خمارویہ کے نام سے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا تھا، خمارویہ بارہ سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۲۸۳ھ میں اپنے ایک خادم کے ہاتھ سے ایک سازش کی بنا پر قتل کر دیا گیا،

جیش بن خمارویہ

سلطان خمارویہ کے قتل کے بعد اس کا کمسن بیٹا جیش بن خمارویہ سنہ ۲۸۳ھ میں تخت نشین ہوا، اس کی کمسنی کی وجہ سے عمال حکومت اور فوجی سردار اس کی تخت نشینی کے شدید مخالف تھے، اس مخالفت نے رفتہ رفتہ ایک منظم بغاوت کی صورت اختیار کر لی، چنانچہ فوج نے

شاہی محل پر حملہ کرکے لوٹ لیا، اور کمسن بادشاہ کو قتل کر ڈالا،

ہارون بن خمارویہ

جیش کے قتل کے بعد باغی سرداروں اور عمال حکومت نے اس کے بھائی ہارون بن خمارویہ کو تخت پر بٹھادیا اس کے تخت نشین ہونے کے بعد عباسی لشکر نے شام کے اکثر علاقوں پر حملہ کرکے شام کے بیشتر حصہ کو اس کے قبضہ سے نکال لیا، ہارون میں چونکہ مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اس لئے اس نے چار لاکھ اشرفی سالانہ کے خراج پر خلافت عباسیہ کی اطاعت قبول کرلی،

ہارون بے حد عیش پرست اور لاپرواہ واقع ہوا تھا، چنانچہ خلیفہ مکتفی نے فوج کشی کرکے ہارون کو شکست دے دی، اور مصر و شام پر دوبارہ قبضہ کرکے دولت طولونیہ کا خاتمہ کردیا، ہارون کو بعد میں اس کے چچا نے قتل کر دیا، یہ واقعہ ۲۹۲ھ (۹۰۵ء) کا ہے،

مصر و شام کی تسخیر کے بعد خلیفہ مکتفی عباسی نے عیسیٰ نوشیری کو خلافت کی جانب سے مصر کا گورنر مقرر کردیا، عیسیٰ نوشیری کے بعد یکے بعد دیگرے مصر میں کئی گورنر مقرر ہوتے رہے، لیکن خلیفہ راضی کے عہد حکومت میں جب محمد بن طغج اخشید کو مصر کا گورنر مقرر کردیا گیا، تو اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کرکے مصر پر خاندان اخشیدیہ کی ایک نئی خودمختار حکومت قائم کرلی،

خاندان اخشیدیہ کا اقتدار

مصر میں خاندان اخشیدیہ کی حکومت کا بانی محمد بن طغج اخشید ہے، محمد بن طغج کا دادا جف جو ترکی النسل تھا خلیفہ معتصم کے عہد حکومت میں بغداد آکر خلیفہ کے ملازمین کے حلقہ میں شامل ہوگیا تھا خلیفہ معتصم اس پر بے حد مہربان تھا،

جف کے مرنے کے بعد ابن طغج کا باپ طغج بن جف سلطان خمارویہ کے پاس مصر چلا گیا تھا، خمارویہ نے اسے طبریہ کا عامل مقرر کردیا تھا، جب خمارویہ مارا گیا، تو طغج خلیفہ مکتفی کے پاس چلا آیا، اور اسے بڑا اعزاز اور اقتدار حاصل ہوا، وزیر سلطنت عباس بن حسین طغج کے اعزاز سے جلنے لگا، اور اسے خلیفہ کی نظروں سے گرانا شروع کیا، یہاں تک کہ وزیر سلطنت نے موقع پاکر طغج اور اس کے بیٹے محمد بن طغج کو قید کردیا،

طغج جب قید خانہ ہی میں مرگیا، تو وزیر سلطنت عباس بن حسین نے اس کے بیٹے محمد بن طغج کو بے ضرر سمجھتے ہوئے قید سے رہا کردیا، محمد بن طغج بڑا حوصلہ مند نوجوان تھا، اس کے دل میں وزیر سلطنت کی طرف سے انتقام کی آگ بری طرح بھڑک رہی تھی، لہٰذا اس نے رہا ہونے کے ساتھ ہی پہلا کام یہ کیا، کہ وزیر سلطنت عباسی کو قتل کردیا اور شام کی طرف فرار ہوگیا،

محمد بن طغج نے شام پہنچ کر اور تکین خزری کی معیت میں بڑے اہم معرکے انجام دیئے، جن کی وجہ سے محمد بن طغج کی بڑی شہرت ہوگئی، اسی شہرت کی بنا پر خلیفہ مقتدر عباس نے اسے ۳۱۶ھ میں رملہ کا حاکم مقرر کردیا، اس کے بعد

۳۲۳ھ میں خلیفہ راضی باللہ نے پورے مصر کی حکومت اس کے سپرد کر دی

مصر کی حکومت ملنے کے بعد محمد بن طغج نے تدبر اور حسن انتظام سے پہلے تو رعایا کے دلوں کو اپنے قابو میں کیا اس کے بعد اپنی فوجی طاقت کو اس نے خوب بڑھایا یہاں تک کہ ۳۲۶ھ میں اس نے مصر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، اور ۳۲۶ھ میں شام کے بیشتر علاقہ پر بھی قبضہ جمالیا، صرف چند سرحدی مقامات عباسی حکومت کے قبضہ میں رہ گئے

امیر الامراء محمد بن رائق نے خلیفہ راضی کی جانب سے ۳۲۸ھ میں جب شام پر حملہ کیا، تو محمد بن طغج کی فوج اس کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکی، اور محمد بن رائق حمص اور دمشق پر قبضہ جماتا ہوا مصر کے علاقہ میں بھی داخل ہو گیا، یہاں محمد بن طغج اور محمد بن رائق میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں محمد بن رائق کو شکست ہو گئی، اور وہ دمشق واپس چلا گیا،

محمد بن طغج کی فوجیں مصر سے رائق کو نکالنے کے بعد دمشق کی جانب بڑھیں، اور دمشق کے میدان میں کئی اہم معرکے ہوئے، ان معرکوں کے بعد ابن رائق اور محمد بن طغج میں صلح ہو گئی، اور محمد بن طغج نے دمشق محمد بن رائق کے حوالے کر دیا،

خلیفہ مکتفی کے عہد حکومت میں جب امیر الامراء ابن رائق قتل ہو گیا، تو محمد بن طغج نے فوج کشی کر کے دوبارہ دمشق پر قبضہ جمالیا، دمشق پر قبضہ کے طغج کے نئے امیر الامراء ناصر الدولہ والئی موصل سے جنگ چھڑ گئی، ناصر الدولہ کے بھائی سیف الدولہ نے ۳۳۳ھ میں محمد بن طغج کے خلاف حملہ کر کے حلب اور حمص پر قبضہ جمالیا، محمد بن طغج انتہائی کوشش کے باوجود ان علاقوں کو اس کے قبضہ سے نہ نکال سکا، یہاں تک کہ ۳۳۴ھ میں گیارہ سال کی حکومت کے بعد اس کا انتقال ہو گیا،

ابوالقاسم انوجور ابن طغج اخشید کی وفات کے بعد ۳۳۴ھ (۹۴۵ء) میں اس کا بیٹا ابوالقاسم انوجور تخت نشین ہوا، ابوالقاسم چونکہ کمسن تھا اس لئے غلام کافور اس کا نگران اور اتالیق مقرر ہوا، ابوالقاسم کے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی سیف الدولہ نے فوج کشی کر کے دمشق پر قبضہ کرنا چاہا، مگر غلام کافور کے مقابلہ میں اسے شکست ہو گئی، ابوالقاسم انوجور پندرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۴۹ھ میں فوت ہو گیا،

علی بن اخشید ابوالقاسم انوجور کے بعد علی بن اخشید تخت نشین ہوا، اس کے زمانہ میں دولت اخشیدیہ بری طرح خانہ جنگی میں مبتلا رہی، علی بن اخشید چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۵۵ھ میں رحلت کر گیا،

کافور غلام کافور غلام چونکہ ابوالقاسم کے دور میں بڑی قابلیت کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا تھا، اس لئے ملک کی خراب حالت کو دیکھتے ہوئے علی بن اخشید کے مرنے کے بعد امرائے سلطنت نے

۳۵۵ھ میں کافور کو تخت پر بٹھادیا، کافور غلام ڈھائی سال حکومت کرنے کے بعد ۳۵۷ھ میں فوت ہوگیا،

احمد کی تخت نشینی

کافور غلام کے مرنے کے بعد اخشید کا پوتا احمد ۳۵۷ھ میں تخت نشین ہوا، لیکن اہل شام نے اس کی حکومت سے منحرف ہوکر حسن اخشیدی کو اپنا امیر بنالیا،

حسن اخشیدی کی امارت کو ابھی شام میں چندہی روز ہوئے تھے، کہ قرامطہ نے شام پر حملہ کرکے شام پر قبضہ جما لیا، حسن اخشیدی قرامطہ کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد شام سے فرار ہوکر مصر پہنچا، اور احمد سے مصر کی حکومت چھیننے کے لئے جدوجہد شروع کردی،

احمد اور حسن اخشیدی کی یہ خانہ جنگی ابھی جاری ہی تھی، کہ اخشیدی حکومت کے ارکان نے دولت عبیدیہ فاطمیہ کے سلطان معزالدین کو مصر پر قبضہ کی دعوت دے دی، چنانچہ جوہر صقلی نے ۳۵۸ھ میں معزالدین کی جانب سے مصر پر فوج کشی کرکے اس ملک پر قبضہ جمالیا، اور اس طرح دولت اخشیدیہ بھی ختم ہوگئی،

مصر میں دولت عبیدیہ

شمالی افریقہ اور مصر میں "دولت عبیدیہ فاطمیہ" کا بانی ابوعبداللہ الشیعی ہے، جو عبیداللہ المہدی کا داعی بن کر سلمیہ (حمص) سے افریقہ پہنچا، اور اس نے اپنی پرجوش تقریروں کے ذریعہ بربری قبائل کو یہ یقین دلادیا، کہ عنقریب افریقہ میں امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے،

ابوعبداللہ شیعی مدتوں افریقہ میں امام مہدی کی آمد کا پروپیگنڈا کرتا رہا، جب اس نے دیکھا، کہ اس مقصد کے لئے زمین ہموار ہوچکی ہے، اور افریقہ کے بربری قبائل کو امام مہدی کے ظہور کا یقین ہوگیا ہے، تو پہلے تو ان قبائل کے ذریعہ افریقہ کا بہت بڑا علاقہ فتح کرڈالا، اس کے بعد عبیداللہ المہدی کو جس کا وہ داعی بن کر گیا تھا سلمیہ (حمص) سے بلاکر رقادہ میں تخت نشین کردیا، اور بربریوں کو بتایا، کہ یہی وہ مہدی موعود ہیں، جن کے ظہور کا انتظار تھا مختصر یہ کہ ابوعبداللہ شیعی نے بربریوں کا کو مہدیت کا فریب دے کر دولت عبیدیہ فاطمیہ کی شمالی افریقہ میں بنیاد رکھ دی،

"دولت عبیدیہ فاطمیہ" کا قیام اس کوشش پیہم کا نتیجہ ہے، جو شیعان علی زمانہ دراز سے اولاد علی و فاطمہ کو مسند خلافت پر بٹھانے کے لئے کررہے تھے، چنانچہ اسی تحریک کی بنا پر شاہان بنی امیہ کی حکومت کا تختہ الٹا گیا، اور اسی تحریک کی بدولت افریقہ اور مصر میں "دولت عبیدیہ فاطمیہ" کے نام سے ایک ایسی حکومت قائم ہوگئی، جسے بنی فاطمہ کی حکومت کہا جاتا ہے،

بنی فاطمہ کی دینی اور دنیاوی خلافت کے قیام کی تحریک بہت پرانی ہے، جو حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد خوب چمکی، اور جسے حضرت امام حسین کے سوتیلے بھائی امام محمد بن حنفیہ بن علی کی قیادت میں بڑا فروغ حاصل ہوا، لیکن اس کے بعد اس تحریک کو آگے بڑھانے والے شیعان علی مختلف فرقوں میں بٹ چکے تھے

چنانچہ انہیں فرقوں میں سے ایک فرقہ باطنیہ اسمٰعیلیہ تھا جو امام جعفر صادق کے بعد ان کے صاحبزادے اسمٰعیل کی امامت کا قائل تھا، اور ان کے بعد ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ اس منصب کا حقدار سمجھتا تھا، دولت عبیدیہ فاطمیہ کا پہلا فرمانروا عبید اللہ المہدی چونکہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کی نسل سے تھا، اس لئے اسمٰعیلی شیعوں نے اپنی متحدہ کوششوں سے اس کے سرپر "دولت عبیدیہ فاطمیہ" کی حکومت کا تاج رکھ کر بنی فاطمہ کو برسر اقتدار لانے کی دیرینہ تحریک کو کامیاب بنادیا

اسمٰعیلی شیعوں کی کامیابی کا راز

اسمٰعیلی شیعوں کا رہنما عبید اللہ المہدی معمولی حیثیت سے بادشاہی کے درجہ تک کس طرح پہنچا، اس کی تفصیل یہ ہے، کہ عبید اللہ المہدی کے باپ محمد الحبیب چونکہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کی اولاد میں سے تھے، اس لئے اسمٰعیلی شیعوں میں انہیں بہت بڑی مذہبی عظمت حاصل تھی، اور ان کے معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا، یہ حمص کے ایک مقام سلمیہ میں رہتے تھے، اور وہیں بیٹھے بیٹھے حصول خلافت کے لئے انہوں نے اپنے داعی چاروں طرف پھیلا دیئے تھے، جنہوں نے ہر طرح سے تبلیغ کر کے یہ مشہور کر دیا تھا، کہ ان کا بیٹا عبید اللہ مہدی موعودؒ ہے، چنانچہ محمد الحبیب کے تمام معتقدین عبید اللہ کو سچے دل سے مہدی موعودؒ سمجھنے لگے تھے، اور ان کی دعوت کو خوب پھیلانا شروع کر دیا تھا،

محمد الحبیب کو اس دعوت میں اپنے دو لائق داعیوں کی وجہ سے یمن اور افریقہ میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، یمن میں تو رستم بن حسین نے ان کی دعوت کو سارے یمن میں پھیلا کر شیعوں کے ذریعہ یمن کے ایک بہت بڑے علاقہ پر قبضہ جما لیا تھا، اور افریقہ میں ابو عبید اللہ شیعی نے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، بیشتر بربری قبائل کو شیشہ میں اتار لیا تھا، اور ان سیدھے سادھے جنگجو مسلمانوں کو یہ یقین دلا دیا تھا، کہ عنقریب مہدی موعودؒ یعنی عبید اللہ المہدیؒ کا افریقہ میں ظہور ہونے والا ہے،

یہ وہ زمانہ تھا جب محمد حبیب کے انتقال کے بعد عبید اللہ المہدی ان کا جانشین بن چکا تھا، اور ابو عبد اللہ شیعی نے اپنے بھائی ابو العباس اور چند دوسرے معتمدین کو عبید اللہ المہدی کو افریقہ لانے کے لئے روانہ کر دیا تھا، انہوں نے سلمیہ پہنچنے کے بعد اسمٰعیلی شیعوں کے رہنما عبید اللہ المہدی سے عرض کیا، کہ:-

"آپ کے داعیوں نے افریقہ میں آپ کے لئے حکومت قائم کر لی ہے، اور وہ افریقہ میں آپ کے لئے چشم براہ ہیں"

عبید اللہ المہدی جو پہلے ہی سے منتظر تھا، یہ خوشخبری سننے کے بعد فوراً ان لوگوں کے ہمراہ مع اپنے بیٹے ابو القاسم کے افریقہ کے لئے روانہ ہو گیا، ان کو عباسی حکومت کے عمال کی طرف سے چونکہ اندیشہ تھا، اس لئے انہوں نے

سیدھا راستہ چھوڑ کر پیچیدہ راستوں سے سفر طے کرنا شروع کیا،

خلیفہ مکتفی عباسی کو جب یہ خبر معلوم ہوئی، تو خلیفہ نے مصر کے عباسی گورنر عیسٰی نوشتری کو فوراً ہدایت روانہ کی کہ ایک شخص ایسے ایسے حلیہ کا شمالی افریقہ جاتے ہوئے مصر سے گذرے گا، جیسے ہی یہ مصر کے علاقہ میں قدم رکھے اسے فوراً گرفتار کر لیا جائے، چنانچہ عبید اللہ المہدی جب مصر پہنچا، تو اسے گرفتار کر لیا گیا، لیکن گورنر مصر نوشتری نے جو المہدی کا معتقد تھا، اسے خفیہ طور پر رہا کر دیا

حکومت اغلبیہ کے سلطان زیادۃ اللہ کو بھی یہ معلوم ہو چکا تھا، کہ ابو عبد اللہ شیعی نے عبید اللہ المہدی کو حکومت اغلبیہ کے مفتوحہ علاقوں کا بادشاہ بنانے کے لئے بلایا ہے، لہذا اس نے بھی عبید اللہ المہدی کی گرفتاری کے احکامات اپنے تمام عمال حکومت کو بھیج دیئے تھے، اور ان کی تلاش افریقی علاقوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ جاری تھی چنانچہ یہ قافلہ جیسے ہی قیروان پہنچا، تو ابو العباس اور اس کے چند ساتھی تو گرفتار ہو گئے، لیکن عبید اللہ المہدی اور اس کا بیٹا ابو القاسم بچ کر نکل گیا، لیکن ان دونوں کو بھی اغلبی حکام نے سلجماسہ میں گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا، ابو العباس قیروان میں اور عبید اللہ المہدی سلجماسہ میں تین چار سال تک قید و بند کی سختیاں برداشت کرتے رہے،

ان دونوں کی گرفتاری کے بعد سے ابو عبد اللہ شیعی کی جنگی سرگرمیاں اور بھی تیز ہو گئی تھیں چنانچہ اس نے زیادۃ اللہ سے سخت مقابلہ کر کے سنہ ۲۹۶ھ میں قیروان فتح کر لیا، اور ابو العباس کو جیل سے نکال کر حاکم قیروان بنا دیا، اس کے بعد سلجماسہ کو فتح کر کے المہدی اور اس کے بیٹے قائم کو رہائی دلائی،

ابو عبد اللہ شیعی نے بڑے جوش کے ساتھ المہدی کا جلوس نکالا، اور خود پکارتا جاتا تھا "یہ ہیں تمہارے امام" جلوس ختم ہونے پر تاج پوشی کی گئی، سب سے پہلے عبد اللہ نے بیعت کی، پھر عام لوگوں نے، اور اس طرح المہدی کو شمالی افریقہ کا بادشاہ بنا دیا،

ابو عبد اللہ شیعی اور عبید اللہ المہدی چالیس روز سلجماسہ میں قیام کے بعد ربیع الثانی سنہ ۲۹۷ھ میں رقادہ اور قیروان پہنچے، یہاں بھی باقاعدہ عبید اللہ المہدی کی بیعت خلافت ہوئی، اور خطبوں میں عبید اللہ کا نام لیا جانے لگا، ہر طرف شیعیت کی تبلیغ کے لئے مبلغ روانہ کئے گئے، اور سارے ملک میں شیعی رسوم اور شعار جاری ہو گئے چنانچہ صبح کی نماز میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کی بجائے "حی علی خیر العمل" داخل کیا گیا خطبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پنجتن پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا دستور رائج ہو گیا، اور تراویح کو حکماً بند کر دیا گیا،

المہدی اور شیعی کی مخالفت

المہدی کو حکمران بنے ہوئے چند ہی دن گذرے تھے، کہ وہ شیعی اور ابو العباس کی دخل اندازیاں برداشت نہیں کر سکا اور ان دونوں کو راستہ سے ہٹانے کی کوشش شروع کر دی، شیعی کو پتہ چل گیا، اور اس نے بربری قوم کو یہ کہہ کر المہدی

کے خلاف کر دیا، کہ مجھے مہدی کے پہچاننے میں دھوکہ ہوا ہے،

المہدی نے بربری قبائل کی بغاوت کو دیکھ کر ان کے تمام سرداروں کو قتل کرا دیا، اور اہل کتامہ کے دو بااثر سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر شیعی اور ابو العباس کو بھی قتل کرا دیا، اور اس صلہ میں عروبہ سردار کو باغایہ اور حباسہ سردار کو برقہ کا حاکم اعلیٰ بنا کر اپنے بیٹے ابو القاسم کی ولیعہدی کا اعلان کر دیا، یہ سنہ ۲۹۶ھ کا واقعہ ہے،

اس کام سے فارغ ہو کر المہدی نے اپنی فوجی طاقت کو خوب مضبوط کر لیا، اور دو ہی برس کے اندر طرابلس اور پھر اسکندریہ کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کر لیا، سنہ ۳۰۲ھ میں المہدی نے عروبہ اور حباسہ دونوں سرداروں سے بدظن ہو کر ان کو بھی قتل کرا دیا چند ہی دنوں کے بعد عباسیوں نے اسکندریہ واپس لے لیا،

سنہ ۳۰۰ھ میں جب جزیرہ سسلی میں بغاوت کھڑی ہوئی، تو اس نے بہت بڑا بحری بیڑہ بھیج کر اس بغاوت کو دبا دیا، اسی سال عبداللہ المہدی نے قیروان کے قریب ایک نئے شہر مہدیہ کی تعمیر کا کام شروع کیا جب یہ شہر بن کر تیار ہو گیا، تو یہ سنہ ۳۰۸ھ میں مہدیہ جا کر وہیں رہنے لگا، سنہ ۳۰۶ھ میں اس نے بحری بیڑے کے ذریعہ اسکندریہ کی فتح کی دوبارہ کوشش کی، مگر ناکامی ہوئی، سنہ ۳۰۸ھ میں اس نے مراکش پر حملہ کر کے اس کے بیشتر حصہ کو فتح کر لیا، اور سنہ ۳۰۹ھ میں تقریباً پورا مراکش عبیداللہ کی سلطنت میں شامل ہو گیا، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد مراکش کے گورنر موسیٰ بن العافیہ نے عبیداللہ المہدی کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اسپین کے اموی سلاطین کی اطاعت قبول کر لی، جس کے بعد مراکش میں بڑی خونریزی ہوئی، ابھی مراکش کی بغاوت رفع بھی نہیں ہوئی تھی، کہ عبیداللہ المہدی کا چوبیس سال کی حکومت کے بعد سنہ ۳۲۲ھ میں انتقال ہو گیا،

ابو القاسم ابن المہدی

عبیداللہ المہدی کے بعد اس کا بیٹا ابو القاسم قائم بامر اللہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد سنہ ۳۲۲ھ میں مہدیہ میں تخت نشین ہوا، تخت نشینی کے فوراً ہی بعد یہ مراکش کی جانب متوجہ ہوا، جہاں مراکش کے گورنر موسیٰ بن العافیہ نے سخت بغاوت برپا کر رکھی تھی، ابو القاسم سنہ ۳۲۲ھ تک سوائے فاس کے پورے ملک مراکش پر قابض ہو گیا، ابو القاسم کے دور حکومت میں سلطنت عبیدیہ کے ایک سردار بحری بیڑے کے ذریعہ حملہ کر کے شہر جنیوا تک فتح کر لیا تھا، اور بحر روم کے اکثر جزیرے بھی زیر کر لئے تھے، اس بادشاہ کے زمانہ میں عبیدی فوجیں اسکندریہ میں بھی داخل ہو گئی تھیں، لیکن سلطنت اخشیدیہ کے لشکر نے بعد میں ان کو شکست دے دی تھی،

ابو القاسم کو جدید فتوحات کا بے حد شوق تھا، لیکن اس کے زمانہ میں ابو یزید مخلد کا ایک ایسا بے پناہ ہنگامہ اٹھا جس نے کہ دولت عبیدیہ فاطمیہ کی بنیادوں کو ہلا دیا، ابو یزید مخلد سوڈان کا باشندہ تھا، اہل سوڈان شیعوں کے مخالف تھے، اور خارجی مسلک کی طرف زیادہ مائل تھے، ابو یزید بھی اسی قسم کے خیالات رکھتا تھا، وہ سوڈان

سے آکر تاہرت میں آباد ہوگیا، اور اس نے معلمی کا پیشہ اختیار کر لیا، اور در پردہ اپنے خیالات کی اشاعت کرتا رہا، یہاں تک کہ اس کے ہم خیالوں یعنی شیعیت کے مخالفین کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہوگئی،

عبید اللہ المہدی کے مرنے کے بعد جب ملک میں بے چینی پھیلی، تو ابویزید نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے ہم خیالوں اور معتقدوں کی ایک فوج تیار کر لی، شہر باغایہ کے حاکم کو ابویزید کی جنگی سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا، تو اس نے ابویزید کے خلاف فوج کشی کر دی، ابویزید نے حاکم باغایہ کو شکست دے کر باغایہ کا محاصرہ کر لیا، غرض کہ ابویزید کی طاقت اتنی بڑھ گئی، کہ اس نے ایک ایک کر کے شہر پر شہر فتح کرنے شروع کر دیئے، یہاں تک کہ اس نے قیروان پر بھی قبضہ کر لیا، اور ابوالقاسم مہدیہ میں محصور اور قلعہ بند ہونے پر مجبور ہوگیا، اسی محاصرہ کی حالت میں سنہ ۳۳۴ھ میں ابوالقاسم کا انتقال ہوگیا،

اسمٰعیل ابن ابوالقاسم

ابوالقاسم کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اسمٰعیل بن ابوالقاسم سنہ ۳۳۴ھ میں منصور کے لقب کے ساتھ مہدیہ میں تخت نشین ہوا، یہ بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی ابویزید کے لشکر پر ایسی مضبوطی کے ساتھ حملہ کیا، کہ ابویزید مہدیہ کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوگیا، اس کے بعد اس نے جنگی جہازوں کے ذریعہ ملک کے ان تمام ساحلی مقامات پر فوجیں اتار دیں جن پر کہ باغیوں کا قبضہ تھا، اور باغیوں سے سخت مقابلہ کے بعد اس نے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر لیا، قیروان کو بھی باغیوں کے قبضہ سے نکال لیا، اور سنہ ۳۳۵ھ میں جبال کتامہ کے قریب ابویزید باغی کی فوج کو اس بری طرح شکست دی، کہ ابویزید کی ساری طاقت پاش پاش ہوگئی،

اسمٰعیل منصور نے بہت جلد سارا ملک ابویزید کے قبضہ سے نکال لیا، صرف کتامہ کا وہ قلعہ رہ گیا جہاں ابویزید محصور تھا، سنہ ۳۳۶ھ میں اسمٰعیل نے قلعہ کتامہ بھی فتح کر لیا، ابویزید جو بری طرح زخمی تھا، گرفتار ہوگیا، اور گرفتاری کے چند ہی روز بعد مر گیا، اور اس طرح اسمٰعیل منصور نے انتہائی جرأت سے کام لے کر ابویزید کے ہنگامہ کو فرو کر کے نئے سرے سے پورے ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی، ابویزید کے ہنگامہ کے بعد مراکش اور چند دوسرے علاقوں میں بھی کئی بغاوتیں شروع ہوئیں، جنہیں اسمٰعیل نے فوراً کچل ڈالا،

اسمٰعیل منصور نے ایک بحری بیڑہ اٹلی کی فتح کے لئے بھی روانہ کیا تھا، اس بحری بیڑے کے ساتھ جزیرہ سسلی کا بحری بیڑہ بھی شامل ہوگیا تھا، چنانچہ اس بحری لشکر نے سنہ ۳۴۱ھ میں اٹلی کے جنوبی حصہ کو فتح کر لیا تھا، مگر یہ فتح عارضی تھی، کیونکہ فاتح لشکر اس فتح کے بعد مال غنیمت لے کر قیروان اور مہدیہ واپس آگیا تھا، یہ لشکر جب اٹلی سے واپس آیا، تو اسمٰعیل کا انتقال ہوچکا تھا،

معزالدین ابن اسماعیل

:- اسمٰعیل منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معزالدین اللہ سنہ ۳۴۱ھ

میں مہدیہ میں تخت نشین ہوا، عیسائیوں نے اسپین کے ساحلی علاقہ پر حملہ کیا، اور بہت سے مسلمانوں کو بربادی کا شکار ہونا پڑا، اسپین سے بھاگ کر مسلمان اسکندریہ میں آباد ہو گئے تھے، مگر عیسائیوں نے سینکڑوں جنگی جہازوں سے حملہ کر کے نہ صرف جزیرہ کریٹ مسلمانوں سے چھین لیا، بلکہ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے، اور قیدی بنائے گئے، معز الدین نے بڑی جوانمردی سے کام لیا، اور قیصر روم کے علاقوں پر حملہ کر کے خراج ادا کرنے پر مجبور کر دیا،

معز الدین کے دور حکومت کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ ہے، کہ اس نے اپنے کاتب جوہر کی سرکردگی میں ایک زبردست فوج مصر کی جانب بھیج کر پورے مصر کو فتح کر لیا، اور مصر سے اخشیدی حکومت کو ختم کر کے وہاں عبیدی حکومت قائم کر دی، مختصر یہ کہ ۳۵۸ھ میں مصر پر بھی معز الدین کا قبضہ ہو گیا، مصر کی فتح کے بعد معز الدین نے شمالی افریقہ کا گورنر اسے تو بلکین بن زیری بن مناد کو مقرر کر دیا، اور خود ۳۶۲ھ میں مہدیہ سے قاہرہ منتقل ہو گیا، اور اسی کو دولت عبیدیہ فاطمیہ کا دار السلطنت قرار دے دیا،

مصر کی فتح کے علاوہ ۳۶۱ھ میں معز الدین کے دست راست جعفر بن فلاح کتامی نے دمشق بھی فتح کر لیا تھا، اور وہاں اپنی حکومت قائم کر لی تھی، اس سے پیشتر دمشق پر بنی طغج کی حکومت تھی جو قرامطہ کو خراج ادا کیا کرتے تھے، جعفر بن فلاح نے چونکہ دمشق پر قبضہ کے بعد قرامطہ کو خراج دینے سے انکار کر دیا تھا، اس لئے قرامطیوں نے دمشق پر حملہ کر دیا، پہلے تو قرامطہ کو شکست ہوئی، لیکن قرامطہ نے دوسرے حملہ میں دمشق لے لیا، اور جعفر بن فلاح اس لڑائی میں مارا گیا،

دمشق اور شام کے دوسرے علاقوں پر قابض ہونے کے بعد قرامطہ نے مصر کی جانب پیش قدمی شروع کر دی، اور مصر کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد انہوں نے بڑی تباہی مچائی، ہزاروں مسلمان ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے، آخر بڑی گھمسان کی جنگ کے بعد قرامطہ کو شکست ہوئی، اور وہ شام کی جانب بھاگ گئے، معز الدین کے لشکر نے ان کا تعاقب کر کے دمشق پر بھی قبضہ کر لیا، اور ۳۶۴ھ تک دمشق پر دولت عبیدیہ فاطمیہ کا پرچم لہراتا رہا،

مصر اور دمشق پر قبضہ کے بعد معز الدین کا اقتدار اتنا بڑھا، کہ ۳۶۴ھ میں مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے بھی معز الدین کی حکومت کو تسلیم کر لیا، اور اس کے نام کا خطبہ وہاں پڑھا گیا، لیکن ۳۶۵ھ میں افتگین نے جو بنی بویہ کے خدام میں سے تھا، دمشق پر قبضہ جمانے کے بعد وہاں سے دولت عبیدیہ کے عامل کو نکال دیا، معز الدین ۲۳ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۵ سال کی عمر میں ۳۶۵ھ میں فوت ہو گیا، معز الدین شیعہ تھا، اور مذہب شیعہ کو بہت فروغ دیا،

عزیز باللہ بن معز الدین

معز الدین کے بعد اس کا بیٹا نزار عزیز باللہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۳۶۵ھ میں قاہرہ میں تخت نشین ہوا، افتگین والئی دمشق جس نے

عبیدیوں سے دمشق چھین لیا تھا، اس نے معزالدین کی موت کی اطلاع پاتے ہی مصر پر چڑھائی کر دی عکہ اور طبریہ پر قبضہ جمانے کے بعد اسے خوب لوٹا، اور اس کے بعد دمشق واپس چلا گیا، اس کے دمشق جاتے ہی عزیز باللہ نے جوابی حملہ کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا، افتگین نے یہ دیکھتے ہوئے، کہ تن تنہا عبیدی لشکر کا مقابلہ دشوار ہے، قرامطہ کو بھی عبیدیوں کے خلاف اس جنگ میں شامل کر لیا، اور ایک طویل جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس جنگ میں افتگین کو شکست ہو گئی، اس کی فوج کے بیس ہزار آدمی میدان جنگ میں مقتول ہوئے، افتگین کو جب گرفتار کر کے عزیز باللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو عزیز نے اس کی بڑی عزت کی، اور اسے وزارت عظمیٰ کے عہدے پر سرفراز کر دیا، لیکن سابق وزیر یعقوب نے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا،

افتگین کے مصر آنے کے بعد سے دمشق پر اس کا نائب قسام حکومت کرتا رہا، عزیز باللہ نے افتگین کے مرنے کے بعد ابو محمود کو دمشق کا والی مقرر کر کے روانہ کیا، تو قسام نے اسے گھسنے نہیں دیا، اور دمشق میں نئے سرے سے ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی، اور یہ ہنگامہ آرائی دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی، کیونکہ ایک طرف تو سیف الدولہ نے شام پر چڑھائی کر دی تھی، دوسری طرف قیصر روم کے حملے بھی شام پر شروع ہو گئے، عزیز باللہ خود قاہرہ سے دمشق گیا، اور جب اس نے شدید ہنگامہ دیکھا، تو خود جنگ میں شامل ہو گیا، مگر اتفاق سے دوران جنگ ہی میں چند دن بیمار رہ کر ۳۸۵ھ میں انتقال کر گیا،

منصور حاکم باللہ بن عزیز

عزیز کے بعد اس کا بیٹا منصور حاکم باللہ کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۳۸۶ھ میں قاہرہ میں تخت نشین ہوا، منصور کے ابتدائی دور حکومت میں اسپین کے اموی خاندان کے ایک شہزادے ولید بن ہشام نے مصر اور برقہ کے علاقہ میں پہنچ کر بغاوت برپا کر دی تھی اس کے ساتھ ایک بہت بڑی جماعت شامل ہو گئی تھی، یہ شہزادہ بڑی خونریزی کے بعد گرفتار ہوا، اور اسے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا

درحقیقت منصور کا دماغی توازن صحیح نہیں تھا، وہ بے حد متلون مزاج واقع ہوا تھا، عیسائیوں سے دوستی اور پھر مخالفت حد کو پہنچ گئی تھی، وہ مذہب سے بے بہرہ تھا، بلکہ خود خدائی کا دعویدار تھا

منصور نے چونکہ اپنی بہن پر بد چلنی کا الزام لگایا تھا، اس لئے وہ اس کی دشمن ہو گئی، چنانچہ اس نے کتامی سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر منصور کو ۴۱۱ھ میں قتل کرا دیا،

ظاہر لدین اللہ بن حاکم

منصور کے قتل کے بعد ۴۱۱ھ میں اس کا نوعمر اور نابالغ لڑکا ظاہر لدین اللہ کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا، اور اس کمسن بادشاہ کی نگران منصور کی وہی بہن مقرر ہوئی جس نے منصور کو قتل کرایا تھا، منصور کی بہن کا نام ست الملک تھا، یہ بڑی عاقل اور فرزانہ تھی، یہ ملک

نے چار سال تک بڑی دانشمندی کے ساتھ مصر پر حکومت کی،

کمسن بادشاہ ظاہر اپنی پھوپھی ست الملک کے مرنے کے بعد اراکین سلطنت کی مدد سے حکومت کرتا رہا، اس کے زمانہ میں شام میں بغاوتوں اور لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، سولہ سال کی حکومت کے بعد ۴۲۷ھ میں یہ فوت ہو گیا،

مستنصر بن ظاہر

ظاہر کے بعد اس کا سات سالہ لڑکا ابو تمیم معد مستنصر کے لقب کے ساتھ شعبان ۴۲۷ھ (۱۰۳۶ء) میں تخت نشین ہوا، یہ چونکہ ایک حبشی کنیز کے بطن سے پیدا ہوا تھا، اس لئے اس کے بادشاہ بن جانے کے بعد اس کی ماں یعنی حبشی کنیز حکومت کے معاملات میں بے حد دخیل ہوئی، وہ جو چاہتی کر گذرتی تھی، مستنصر اور اس کی ماں نے ۲۲ ہزار حبشی غلاموں کی ایک فوج تیار کی تھی، جو امرائے سلطنت اور مصر کے باشندوں کے لئے ایک مستقل مصیبت بنی ہوئی تھی، حبشی غلاموں کو چونکہ خوب نوازا جاتا تھا، اس لئے ترک فوج میں اور بربری و کتامی فوج میں حبشیوں کے خلاف اس قدر ناگواری بڑھی، کہ حبشی اور غیر حبشی فوج میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی، اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا، کہ حبشی غلام ترکوں کے ہاتھ سے بری طرح مارے گئے، اور ترک سرداروں کا اقتدار قائم ہو گیا،

جب بدامنی اور خانہ جنگی حد سے بڑھ گئی، تو مستنصر نے اپنے ایک ارمنی غلام بدر جمالی کو جو عکہ میں برسر حکومت تھا بلایا، وہ ایک بڑی فوج لے کر مصر پہنچ گیا، مستنصر نے اس کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا، اس نے بگڑی ہوئی حالت کو درست کیا، اور تدبر و ہوشمندی کے ساتھ خانہ جنگی کو دور کیا، اس بدامنی کے زمانہ میں طرابلس کا علاقہ عبیدیوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا، بدر جمالی نے اسے پھر زیر کر لیا، اور فلسطین کے سارے علاقہ کو بھی سلطنت عبیدیہ میں شامل کر لیا، البتہ شام کے علاقہ میں کوئی کامیابی نہ ہوئی، اس پر سلجوقیوں نے قبضہ جما لیا تھا، مستنصر ہی کے دور حکومت میں جزیرہ سسلی ۴۸۴ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا، اور اس جزیرہ پر عیسائیوں نے قبضہ جما لیا، درحقیقت مستنصر حکومت کا اہل نہیں تھا، حبشی اور غیر حبشی کے سوال نے ملک کو اتنا ابتر بنا دیا تھا، کہ باوجود ۶۰ سال حکومت کرنے کے وہ کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکا اور ۴۸۷ھ میں فوت ہو گیا،

ابو القاسم مستعلی بن مستنصر

مستنصر نے اگرچہ اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے نزار کو ولی عہد نامزد کر دیا تھا، لیکن مستنصر کے مرنے کے بعد وزیر سلطنت فضل بن بدر جمالی اور مستنصر کی بہن کی کوشش سے نزار کو محروم کر کے نزار کے بھائی ابو القاسم کو مستعلی باللہ کے لقب کے ساتھ ۴۸۷ھ میں تخت نشین کر دیا گیا،

نزار دل برداشتہ ہو کر مصر سے اسکندریہ چلا گیا، بدر جمالی کا غلام نصیر الدولہ افتگین وہاں کا حاکم تھا، وہ نزار

کو حکومت کا مستحق سمجھتا تھا، اس لئے نزار کو اس نے مصطفی دین اللہ کے لقب کے ساتھ اسکندریہ میں تخت نشین کر دیا، نزار کی بادشاہی کے اعلان کے بعد ابوالقاسم مستعلی اور نزار میں جنگ چھڑ گئی، نزار کو شکست ہو گئی، اور شکست کے بعد نزار اور افتگین دونوں گرفتاری کے بعد مستعلی کے حکم سے قتل کر دیئے گئے

جنگ صلیبی کی ابتداء

مستعلی کے عہد حکومت کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ اس بادشاہ کے دور حکومت میں ان صلیبی لڑائیوں کی ابتداء ہوئی جن کو تاریخ اسلام میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے

عیسائیوں کے دلوں میں زمانہ دراز سے مسلمانوں کی جانب سے بغض و عناد بھرا ہوا تھا، طلوع اسلام سے لے کر اس وقت تک عیسائیوں اور مسلمانوں میں سینکڑوں لڑائیاں ہو چکی تھیں، جن میں ہمیشہ ہی مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا تھا، لیکن مسلمانوں کی گذشتہ خانہ جنگیوں نے عیسائیوں کی ہمت کو بڑھا دیا تھا، انہوں نے ایک طرف اسلامی اسپین کے اکثر علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا، دوسری طرف جزیرہ سسلی کو دولت عبیدیہ سے چھین لیا تھا۔ اور شمالی افریقہ کے ملکوں پر بھی یورشیں شروع ہو گئی تھیں:

دیگر ممالک کی طرح شام بھی زمانہ دراز سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا مرکز بنا ہوا تھا، جس مسلم حکومت کو بھی طاقت حاصل ہو جاتی تھی، وہ شام پر چڑھ دوڑتی تھی، چنانچہ کچھ زمانہ سے شام میں سلجوقیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، لیکن سلجوقی شہزادوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے وہاں بھی اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا، عیسائی مسلمانوں کی اس بدحالی کو گہری نظر سے دیکھ رہے تھے، چنانچہ عیسائی سلاطین نے جب یہ محسوس کر لیا، کہ شام میں مسلمانوں کی طاقت ٹوٹ چکی ہیں، تو انہوں نے مسیح اور صلیب کے نام پر عیسائیوں کو ابھار کر شام اور بیت المقدس کی تسخیر کے لئے ایسا زبردست حملہ کیا، جس کا مسلمان مقابلہ نہ کر سکے،

بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ

مسلمانان شام عکہ کے محاصرہ میں بڑی مردانگی کے ساتھ عیسائیوں کے مقابلہ میں مصروف تھے۔ کہ ان پر ایک نیا دشمن ٹوٹ پڑا، یہ دشمن کوئی عیسائی نہیں تھا، بلکہ مستعلی کا وزیر فضل تھا، جس نے ایک بہت بڑی مصری فوج کے ذریعہ بیت المقدس پر حملہ کر دیا تھا، فضل کے اس حملہ کے بعد مسلمانان شام کی طاقت دو مورچوں پر بٹ گئی، یعنی ایک طرف تو ان کو عیسائیوں سے جنگ کرنی پڑی، اور دوسری طرف مصری شیعوں کا مقابلہ کرنا پڑا، مسلمانان شام زیادہ مدت تک ان دو بڑے دشمنوں کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے، لہٰذا ایک طرف تو ان کو عکہ کے مورچہ پر شکست ہو گئی، اور دوسری جانب بیت المقدس پر مصری شیعوں کا قبضہ ہو گیا،

بیت المقدس پر مصری شیعوں کا یہ حملہ عیسائیوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا، کیونکہ مصری شیعہ زیادہ مدت تک بیت المقدس پر اپنا قبضہ قائم نہ رکھ سکے، چنانچہ عیسائیوں نے چالیس روز کے محاصرہ کے بعد ۴۹۲ھ میں

بیت المقدس کو فتح کر دیا، بیت المقدس کی فتح کے بعد عیسائیوں کے ہاتھوں سے مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا محراب داؤد میں ہزاروں پناہ لینے والے مسلمان شہید ہوئے، مسجد اقصیٰ اور صخرہ سلیمان میں ستر ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا، مسجد اقصیٰ کا سارا قیمتی سامان لوٹ لیا، غرض کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بدولت بیت المقدس اور شام کے بیشتر علاقہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا، اور عیسائیوں نے وہاں اپنی سلطنتیں قائم کر لیں،

بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مستعلی کے لشکر نے اسے دوبارہ عیسائیوں سے واپس لینے کی کوشش کی، لیکن اسے بری طرح عیسائیوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی، مستعلی آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۹۵ھ میں فوت ہو گیا،

ابو علی آمر باحکام اللہ

مستعلی کے انتقال کرنے کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے بیٹے ابو علی کو جس کی عمر صرف پانچ سال تھی، "آمر باحکام اللہ" کا لقب دے کر ۴۹۵ھ میں تخت نشین کر دیا، وزیر سلطنت فضل بن جلالی یوں تو مستعلی کے زمانہ ہی میں حکومت کا مختار مطلق بنا ہوا تھا، لیکن اس کمسن بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد کلیۃً ساری حکومت اس کے ہاتھ میں آ گئی،

بیت المقدس کی فتح اور وہاں باقاعدہ عیسائی حکومت کے قیام کے بعد چونکہ عیسائیوں کا زور بے حد بڑھ گیا تھا، اور عیسائیوں نے دولت عبیدیہ فاطمیہ کے اکثر بیشتر علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا تھا، اس لئے اس بادشاہ کے دور حکومت میں عبیدیوں کی عیسائیوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں، لیکن ان تمام لڑائیوں میں عبیدیوں کو عیسائیوں کے مقابلہ میں بری طرح شکست اٹھانا پڑی، ادھر شام میں بھی عیسائیوں کا زور دن بدن بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ انہوں نے ساحل شام کے بہت سے کلیدی مقامات پر قبضہ جما لیا،

ابو علی آمر کی بزدلی اور عیاشی، نیز عام رعایا کی بددلی اور پریشانی اس حد تک بڑھ چکی تھی، کہ عیسائیوں کے سیلاب کا مقابلہ سب ہی کے لئے ناممکن ہو گیا، فضل کی خود مختاری بھی بڑھتی جا رہی تھی، آخر بادشاہ نے اس کو قتل کرا دیا، اور جلال الاسلام کو وزیر مقرر کیا، لیکن اس سے بھی ان بن ہو گئی، اور اسے بھی مروا دیا، چند دن کے بعد بادشاہ کو بھی قرامطہ نے قتل کر دیا، یہ ۵۲۴ھ کا واقعہ ہے،

عبدالمجید حافظ لدین اللہ

ابو علی آمر کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، اس لئے اس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی عبدالمجید "حافظ لدین اللہ" کا لقب اختیار کرنے کے بعد قاہرہ میں ۵۲۴ھ میں تخت نشین ہوا

اس کے تخت نشین ہونے کے بعد وزرائے سلطنت نے چونکہ اس کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں اس لئے کئی وزیر یکے بعد دیگرے اس کے اشارہ پر قتل ہوئے، آخر اس نے مجبور ہو کر اپنے بیٹے کو وزیر بنایا، تو

اس نے بھی باپ کو راستہ سے ہٹا کر تخت حاصل کرنے کی کوششیں شروع کردیں، حافظ نے بیٹے کو بھی قتل کرا دیا، اس کے بعد رضوان نامی ایک سنی المذہب کو وزیر بنایا، لیکن یہ بھی بغاوت پر آمادہ ہوگیا، اس لئے حافظ نے اس کا بھی سر قلم کرا دیا، حافظ نے پھر کسی کو وزیر نہیں بنایا، عبدالمجید حافظ بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۵۴۴ھ میں فوت ہوگیا،

اس کے زمانہ میں جزیرہ سسلی کے عیسائی بادشاہ نے جنگی جہازوں کے ذریعہ برقہ میں عیسائی فوجیں اتار کر مسلمانوں کا بری طرح قتل عام کیا، اس کے بعد طرابلس پر حملہ کیا، پھر مہدیہ لے لیا،

ابو منصور ظافر باللہ

عبدالمجید حافظ کی موت کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور اسمٰعیل "ظافر باللہ" کا لقب اختیار کرنے کے بعد ۵۴۴ھ میں تخت نشین ہوا،

تقریباً ایک صدی سے دولت عبیدیہ فاطمیہ کے بادشاہوں کی حالت یہ تھی کہ وہ وزراء کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بن کر رہ گئے تھے، اور وزراء سلطنت حکومت پر بالکل حاوی تھے یہی حالت ظافر کے زمانہ میں بھی رہی پہلے وزیر عادل بن مانی کارروائی کرتا رہا، جب وہ قتل ہوگیا، تو وزیر عباس حکومت کا مختار مطلق بن گیا،

وزیر عباس کا ایک لڑکا نصیر نامی تھا، ظافر کو اس سے غیر معمولی لگاؤ تھا، بادشاہ اور نصیر کے تعلق پر ہر طرف چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں، آخر وزیر عباس نے اس بدنامی سے بچنے کے لئے اپنے بیٹے نصیر ہی کے ذریعہ سے بادشاہ کو دعوت کے بہانے اپنے محل میں بلوایا، اور بادشاہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں کو دفن کرا دیا،

فائز بنصر اللہ

وزیر عباس نے ظافر کے قتل کے بعد اس کے بھائیوں اور بیٹیوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا، اور ایک ننھے لڑکے ابو القاسم عیسیٰ کو جس کی عمر پانچ سال تھی "فائز بنصر اللہ" کا لقب دے کر ۵۴۹ھ میں تخت نشین کر دیا، اور اس کے پردہ میں حکومت کرنے لگا،

بیگمات شاہی جن کے ساتھ عباس نے ناروا سلوک کیا تھا، تنگ آکر قبہ کے گورنر صالح سے اپنی پریشانیوں کا رونا رویا، صالح فوراً ایک لشکر لے کر مقابلہ پر آیا، عباس اور نصیر بھاگ گئے، راستہ میں عیسائیوں نے نصیر کو زندہ گرفتار کرلیا، اور عباس کو قتل کر دیا، صالح نے نصیر کو معاوضہ دے کر لے لیا، اور منظر عام پر سولی دے دی، اور اپنے دوسرے مخالفین کو قتل کر کے مختار مطلق بن گیا، فائز بھی ۵۵۵ھ میں مر گیا،

عاضد لدین اللہ بن یوسف

فائز کی موت کے بعد صالح نے شاہی خاندان کے لڑکوں میں سے ایک لڑکے عبداللہ بن یوسف کو "عاضد لدین اللہ" کا لقب دے کر ۵۵۵ھ (سنہ ۱۱۶۰ء) میں تخت شاہی پر بٹھا دیا، اور اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دی، اور خود عاضد کے پردے میں بلا شرکت غیرے حکومت کرنے لگا،

صالح نے اپنی مطلق العنانی سے تمام امرائے سلطنت اور حرم شاہی کو اپنا شدید مخالف بنا لیا تھا، چنانچہ فائز کی چھوٹی پھوپھی نے صالح سے اپنی بہن کا انتقام لینے کے لئے بعض سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر انہیں صالح کے قتل کے لئے آمادہ کر لیا، چنانچہ ایک سردار نے موقع پاکر صالح پر نیزہ سے حملہ کر دیا جس سے وہ بری طرح زخمی ہو کر گر پڑا، اور اپنے مکان پر جا کر تھوڑی دیر بعد مر گیا، مگر مرنے سے پہلے عاضد کو وصیت کر گیا، کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹے زریک کو وزیر سلطنت بنا لینا، چنانچہ عاضد نے زریک کو قلمدان وزارت سپرد کر کے اسے "عادل" کا خطاب عطا کر دیا، عادل نے وزارت ملنے کے ساتھ ہی اپنے باپ کے خون کے قصاص میں فائز کی پھوپھی اور اس سردار کو قتل کرا دیا، جس نے کہ صالح کے نیزہ مارا تھا،

عادل نے شاور والئی صعد کو معزول کرنا چاہا، اس پر شاور برہم ہو گیا، اور لشکر عظیم لے کر قاہرہ پر چڑھ آیا، اس نے عادل کو پہلے تو نظر بند کر دیا، اس کے بعد قتل کر کے قلمدان وزارت خود سنبھال لیا،

ابھی شاور کی وزارت کو چند ماہ ہی ہوئے تھے، کہ ضرغام نامی ایک دوسرا امیر جو وزارت کا متمنی تھا، اس نے شاور پر حملہ کر دیا، شاور مقابلہ کی تاب نہ لا کر مصر سے فرار ہو کر شام چلا گیا، اور ضرغام نے وزارت پر قبضہ جما لیا،

شاور کی عیسائی نوازی

وزیر شاور دمشق پہنچنے کے بعد سلطان نور الدین زنگی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ضرغام کے مقابلہ میں امداد کا خواستگار ہوا، اور وعدہ کیا، کہ اگر سلطان نے اسے دوبارہ وزارت کا عہدہ دلوا دیا، تو وہ مصر کے بیشتر علاقہ پر سلطان نور الدین زنگی کا قبضہ کرا دے گا، سلطان نے اپنے سپہ سالار امیر اسد الدین شیر کوہ کو اس کی مدد کے لئے روانہ کر دیا، شیر کوہ کے مصر میں داخل ہونے کے بعد ضرغام نے پوری طاقت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا، مگر وہ مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا، اور شیر کوہ کی کوشش سے شاور کو دوبارہ عہدہ وزارت حاصل ہو گیا، مگر شاور مقصد حاصل ہونے کے بعد اپنے وعدہ سے پھر گیا، اور شیر کوہ شام واپس چلا گیا،

اسد الدین شیر کوہ کو وزیر شاور کی یہ بدعہدی سخت ناگوار گذری، اس نے سلطان نور الدین زنگی سے اجازت لے کر شاور کی تادیب کے لئے دوبارہ مصر پر حملہ کر دیا، اس مرتبہ شیر کوہ کا بھتیجا صلاح الدین ایوبی بھی اس کے ہمراہ تھا، وزیر شاور نے شیر کوہ کی آمد کا حال سنکر عیسائیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا لیا،

شیر کوہ کے ساتھ اگرچہ فوج بہت تھوڑی تھی، اور دوسری طرف عیسائیوں اور مصریوں کا لشکر جرار تھا، لیکن اس کے باوجود بھی شیر کوہ نے اسکندریہ فتح کر کے اپنے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا، لیکن مصریوں اور عیسائیوں نے دوبارہ اسکندریہ پر یورش کر کے صلاح الدین ایوبی کو محاصرہ میں لے لیا، شیر کوہ جب اس کی مدد کے لئے پہنچا، تو عیسائیوں اور مصریوں نے صلح کرنی چاہی، شیر کوہ کے پاس چونکہ فوج بہت کم تھی، اس لئے وہ صلح کے لئے آمادہ ہو گیا، اور تاوان جنگ لے کر ۵۶۲ھ میں دمشق واپس آ گیا،

مصر پر عیسائیوں کے قبضہ کی بنیاد

وزیر شاور نے شیر کوہ کے مقابلہ کے لئے عیسائیوں کو مصر بلا کر اس ملک کے لئے ایک نئی مصیبت مول لے لی تھی،

ہونا تو یہ چاہیئے تھا، کہ شیر کوہ سے صلح اور اس کی واپسی کے بعد عیسائی بھی اپنے ملکوں کو واپس چلے جاتے، لیکن ہوا یہ کہ انہوں نے مصر میں داخل ہونے کے بعد مصر میں ڈیرے ڈال دیئے، اور مصر پر عیسائیوں کے قبضہ کی بنیاد قائم کر دی، چنانچہ انہوں نے اپنی فوجی طاقت کے بل پر اور وزیر شاور کی سازش کے ذریعہ عاضد سے مندرجہ ذیل شرائط منظور کرالیں،

(۱) عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی (۲) عیسائیوں کی طرف سے ایک ناظم قاہرہ میں رہا کرے گا (۳) شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہے گا (۴) حکومت مصر کو ایک لاکھ اشرفی سالانہ بیت المقدس کے بادشاہ کو ادا کرنا ہوگا"

گویا ان شرائط کے بعد عیسائیوں نے مصر کو شاہ بیت المقدس کا باجگذار بنا لیا، صرف اسی پر عیسائیوں نے اکتفا نہیں کیا، بلکہ عیسائیوں نے مصری حکومت کے معاملات میں بھی مداخلت شروع کر دی، پلبیس کو عیسائی حکومت میں شامل کر لیا، اور دارالسلطنت قاہرہ پر قبضہ جمانے کے لئے بہت بڑی تعداد میں فوجیں بلوالیں، اور ایک لاکھ اشرفی سالانہ کی بجائے دو لاکھ اشرفی اور کثیر مقدار میں غلہ کا مطالبہ شروع کر دیا، عیسائیوں کی ان دست درازیوں میں وزیر شاور ان کا سب سے بڑا معاون اور مددگار بنا ہوا تھا،

سلطان نورالدین کی فراخ دلی

عیسائیوں کی پیہم شرارتوں سے تنگ آکر عاضد نے پھر نورالدین سے مدد کی درخواست کی، اور خط کے ہمراہ بیوی کے بال تراش کر روانہ کئے جو اس بات کی علامت تھی، کہ عصمت و عزت خطرے میں ہے،

سلطان نورالدین زنگی بڑا ہی دیندار مسلمان تھا، وزیر شاور کی طرف سے اگرچہ پے در پے بدعہدیاں ہو چکی تھیں، لیکن ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سلطان نے فوراً اپنے سپہ سالار اسدالدین شیر کوہ کو مع صلاح الدین ایوبی اور دوسرے فوجی سرداروں کے ایک لشکر دے کر مصر کی جانب روانہ کر دیا،

مصر کی حالت یہ تھی، کہ وہاں عیسائیوں کی زیادتیوں کی وجہ سے مصریوں اور عیسائیوں میں بری طرح آویزش شروع ہو چکی تھی، عیسائیوں کو جب پتہ چلا، کہ مصریوں کی مدد کے لئے شیر کوہ آرہا ہے، تو وہ مصر سے فرار ہو گئے، اور مصریوں کو لڑائی کے بغیر عیسائیوں کی دست برد سے نجات مل گئی،

شیر کوہ کا لشکر جس وقت مصر میں داخل ہوا، تو مصریوں نے اس کا بڑا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا، شیر کوہ قاہرہ میں داخل ہونے کے بعد بادشاہ عاضد کی خدمت میں آیا، عاضد نے شیر کوہ کو خلعت عطا کیا، اور بڑی عزت

کے ساتھ پیش آیا، اور اس کے لشکر کو مہمان رکھا، اور شیر کوہ سے کہا، کہ وزیر شاور ہمارا دشمن اور عیسائیوں کا ہمنوا ہے، اس سے ملک کو صاف کر دو، شیر کوہ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا، انہوں نے شاور کا سر کاٹ کر فوراً عاضد کی خدمت میں حاضر کر دیا، شاور کے قتل کے بعد عاضد نے شیر کوہ کو وزارت عظمیٰ کے منصب پر سرفراز کر دیا، لیکن شیر کوہ چند ماہ کے بعد ہی ۵۶۴ھ میں فوت ہو گیا،

مصر میں صلاح الدین کی وزارت

عاضد پر صلاح الدین کی جرأت اور بہادری کا سکہ بیٹھ چکا تھا، چنانچہ شیر کوہ کے انتقال کے فوراً بعد ہی عاضد نے صلاح الدین کو وزارت سپرد کر دی، لیکن مصر کی وزارت اتنا بڑا اعزاز تھا، کہ مصری امراء کے علاوہ اتابکی امراء بھی صلاح الدین سے حسد کرنے لگے، اور اس کے مخالف بن گئے، مگر صلاح الدین نے سب کو زیر کر لیا، اور رفتہ رفتہ مصر میں اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا، یعنی مصر کی حکومت کلیۃً صلاح الدین کے قبضہ میں آگئی، اور عاضد برائے نام رہ گیا

صلاح الدین کو امام شافعی سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے اس نے مصر پر اقتدار حاصل ہونے کے بعد شیعہ قاضیوں کو موقوف کر کے شافعی قاضی مقرر کئے، مدرسہ شافعیہ اور مدرسہ مالکیہ کی بنیاد رکھی، اور شیعی مراسم کو موقوف کرنا شروع کر دیا،

مصر میں صلاح الدین کا اقتدار در اصل عیسائیوں کے سب سے بڑے مخالف سلطان نورالدین ہی کا اقتدار تھا، کیونکہ صلاح الدین نورالدین زنگی ہی کا ساختہ پرداختہ تھا، عیسائی چونکہ نورالدین زنگی سے بے حد گھبراتے تھے اس لئے مصر میں صلاح الدین کے اقتدار اور نورالدین کے اثرات سے عیسائیوں میں بڑی تشویش پیدا ہو گئی، چنانچہ انہوں نے اسپین اور سسلی کی عیسائی حکومتوں کو لکھا، کہ اگر مصر کے تازہ انقلاب کا تدارک نہ کیا گیا، تو بیت المقدس کے ہاتھ سے نکل جانے کا پورا خطرہ ہے، مختصر یہ کہ تمام عیسائی طاقتیں مصر سے صلاح الدین کے اقتدار کو مٹانے کے لئے حرکت میں آگئیں، یہاں تک کہ شام کے عیسائیوں نے ۵۶۵ھ میں مصر پر فوج کشی کر کے دمیاط کا محاصرہ بھی کر لیا،

صلاح الدین اس معرکہ میں خود بنفس نفیس حصہ لینا چاہتا تھا، لیکن اس کے لئے یہ دشواری پیدا ہو گئی تھی، کہ ایک طرف تو مصری سردار اس سے ناراض تھے، دوسری جانب مصر کے شیعہ اس کے خلاف آمادہ فساد تھے، اس لئے وہ مصر سے نہ نکل سکا، اور اس نے سلطان نورالدین زنگی کو لکھا، کہ میں خود تو مصر کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے مصر کو چھوڑ نہیں سکتا، لیکن دمیاط کے معرکہ کے لئے فوجیں بھیج رہا ہوں، آپ بھی دمیاط کی جانب توجہ فرمائیں، مختصر یہ کہ ایک طرف تو صلاح الدین نے اپنی کل فوجیں دمیاط بھیجدیں، اور دوسری جانب نورالدین زنگی نے نہ صرف امدادی فوجوں کا تانتا باندھ دیا، بلکہ خود عیسائیوں کے شامی مقبوضات پر پیہم حملے کر کے ان کو اجاڑ کر رکھ دیا، عیسائی مسلمانوں کی

ان جنگی سرگرمیوں سے گھبرا گئے، انہوں نے جب دیکھا، کہ مصر میں تو وہ کامیاب ہو نہیں سکتے، اور شام علیحدہ نورالدین کے حملوں سے اجڑ گیا ہے، تو وہ پانچ مہینہ کے بعد محاصرہ اٹھا کر ناکام و نامراد واپس چلے گئے،

دولتِ فاطمیہ کا خاتمہ

عیسائیوں کے مقابلہ میں صلاح الدین کی اس عظیم الشان فتح نے صلاح الدین کے قدم مصر میں اور بھی مضبوط کر دیئے، جب صلاح الدین کی طاقت اچھی طرح سے مصر میں بڑھ گئی، تو اس نے اپنے تمام مخالفین کو زیر کر لیا، تو سلطان نورالدین زنگی نے اسے لکھا کہ "وہ عاضد فاطمی کا خطبہ بند کر کے مصر میں عباسی خلیفہ مستضی کا خطبہ جاری کر دے"

صلاح الدین کے اثرات اگرچہ پوری طرح مصر میں قائم ہو چکے تھے، اور مصر کی فاطمی حکومت چراغ سحری تھی لیکن پھر بھی چونکہ صدیوں سے فاطمی حکمرانوں کے اثرات موجود تھے، اس لئے ابتدا میں تو صلاح الدین کو عباسی خلیفہ کا خطبہ جاری کرتے ہوئے اندیشہ پیدا ہوا، کہ کہیں کوئی نیا ہنگامہ برپا نہ ہو جائے، لیکن جب سلطان نورالدین زنگی نے زیادہ زور دیا، تو وہ اس کے لئے آمادہ ہو گیا،

صلاح الدین نے اس کا سلسلہ اس طرح شروع کیا، کہ پہلے تو اس نے خطبہ میں محض عباسی خلیفہ مستضی کے لئے دعا کرائی، جب کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، تو دوسرے جمعہ کو سارے مصر میں عاضد کا خطبہ بند کر کے عباسی خلیفہ مستضی کے نام کا خطبہ جاری کرا دیا، صلاح الدین کا خیال تھا، کہ تھوڑی بہت مخالفت ضرور ہو گی، مگر خلاف توقع کسی قسم کی مخالفت کا بھی اظہار نہیں ہوا، اور اس طرح مصر میں کئی صدیوں کے بعد پھر عباسی خلفاء کا خطبہ جاری ہو گیا،

جس زمانہ میں کہ عاضد کا نام خطبہ سے نکالا گیا تھا، وہ مرض الموت میں مبتلا تھا چنانچہ اس کے نام کے نکالے جانے کے دو تین دن ہی بعد ۵۶۷ھ میں عین عاشورہ کے دن عاضد کا انتقال ہو گیا، اور اس کے انتقال کے ساتھ ہی مصر سے دولت عبیدیہ فاطمیہ کا خاتمہ ہو گیا،

حکومت ایوبیہ کی ابتدا

عاضد کے مرنے کے بعد فاطمی خاندان کے کسی فرد میں اتنا حوصلہ باقی نہ تھا کہ وہ تخت کا دعویدار بن سکے، جن امرائے سلطنت سے اندیشہ تھا، ان کے زور کو صلاح الدین پہلے ہی توڑ چکا تھا، لہٰذا فاطمی حکومت کے خاتمہ کے بعد صلاح الدین نے مصر میں ایوبی خاندان کی ایک نئی حکومت قائم کی، اور سلطان صلاح الدین ایوبی، خاندان ایوبی کے پہلے بادشاہ کی حیثیت سے مصر میں تخت نشین ہو گیا، ادھر خلیفہ بغداد نے بھی اسے مصر کی سند حکومت عطا کر کے اس کی بادشاہی کی تصدیق کر دی،

دولت عبیدیہ فاطمیہ تقریباً پونے تین سو برس تک قائم رہی، ابتدا میں عبیدیوں کی حکومت شمالی افریقہ میں قائم ہوئی تھی، پھر مصر پر قابض ہو کر انہوں نے قاہرہ کو دارالسلطنت بنا لیا تھا، اس سلطنت کے فرمانروا محض بنیادی

بادشاہ ہی نہیں تھے، بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک خاص طبقہ میں دینی سیادت بھی حاصل تھی، چنانچہ انہوں نے بڑے دبدبہ اور شان کے ساتھ پونے تین سو برس تک حکومت کی ہے، ان کے محلات زمرد و جواہر کے انبار سے بھرے ہوئے تھے، اور نہایت ہی بیش قیمت ساز و سامان سے آراستہ تھے، یہ ساری دولت صلاح الدین ایوبی کے قبضہ میں آئی،

فاطمی سلاطین کے حسب و نسب کے بارے میں مورخوں میں بڑا اختلاف ہے، بعض مورخ تو یہ کہتے ہیں کہ واقعی یہ فاطمی تھے؟ اور بعض مورخوں کا یہ کہنا ہے، کہ یہ محض حصول اقتدار کے لئے فاطمی بن گئے تھے" غرض کہ اصلیت کچھ بھی ہو لیکن تسلیم کرنا پڑے گا، کہ فاطمی نہایت ہی حوصلہ مند فرمانروا تھے، اگر وزیروں نے دھوکہ سے کام نہ لیا ہوتا، اور سلاطین وزراء میں رسہ کشی نہ ہوئی ہوتی، تو یقیناً یہ حکومت عرصہ دراز تک قائم رہتی،

سلطان صلاح الدین ایوبی

سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کے آباؤ اجداد کو "اتابکان شام" یعنی شاہان زنگی کے زمانہ میں عروج حاصل ہوا خصوصیت کے ساتھ سلطان نورالدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو آگے بڑھایا،

"اتابکان شام" جن کی بدولت خاندان ایوبی کو اقتدار حاصل ہوا، ان کو سلاطین سلجوق کا جانشین سمجھنا چاہیئے، کیونکہ سلاطین سلجوق کے زوال کے بعد سلجوقی سلطنت کے ایک سردار اتابک عمادالدین زنگی نے شام میں جو حکومت قائم کرلی تھی، وہی "اتابکان شام" کی حکومت کے نام سے مشہور ہوئی،

اتابک عمادالدین زنگی ۵۲۱ھ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے کے بعد ۵۴۱ھ تک بڑی شان کے ساتھ حکومت کرتا رہا، اس کے انتقال کے بعد اس کے تینوں بیٹے نورالدین زنگی، سیف الدین زنگی اور قطب الدین زنگی نے ملک شام میں الگ الگ شہروں میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کرلی تھیں، اور نورالدین زنگی کو اپنا سردار اور سلطان بنالیا تھا، اسی سلطان نورالدین کی بدولت صلاح الدین کو عروج حاصل ہوا،

سلطان صلاح الدین کا باپ نجم الدین ایوب جو کردوں کی قوم سے تعلق رکھتا تھا، کسی زمانہ میں ایک سلجوقی سردار کے ماتحت قلعہ تکریت کا حاکم تھا، نجم الدین کا چھوٹا بھائی اسدالدین شیرکوہ بھی اسی کے ساتھ تکریت میں رہتا تھا، شیرکوہ کا کسی بات پر ایک شخص سے جھگڑا ہوگیا، اور اس نے غصہ میں اس شخص کو قتل کر دیا، اس واقعہ کے بعد سلجوقی سردار نے نجم الدین سے تکریت کی حکومت چھین لی، اور یہ دونوں بھائی سلطان عمادالدین زنگی کے پاس موصل چلے آئے،

عمادالدین زنگی ایک مرتبہ ایک سلجوقی امیر سے شکست کھانے کے بعد جب تکریت پہنچا تھا، تو نجم الدین ایوب نے اس کی بڑی مدد کی تھی، اس واقعہ کی وجہ سے کیونکہ عمادالدین زنگی کے دل میں نجم الدین کی بڑی عزت تھی، اس لئے اس نے نجم الدین کو ہاتھوں ہاتھ لیا، پہلے تو اسے ایک بڑی جاگیر عطا کر کے فوج کا سردار بنادیا، پھر اسے سپہ سالاری

کے عہدے پر فائز کر دیا،

عماد الدین زنگی کے بعد جب نور الدین زنگی تخت نشین ہوا، تو اس نے بھی ایوبی خاندان کو خوب نوازا، اس نے نجم الدین ایوب کو تو دمشق کا عامل مقرر کر دیا، اور اس کے بھائی اسد الدین شیر کوہ کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا،

نور الدین زنگی کی صلاح الدین پر بے حد توجہ تھی، وہ اولاد کی طرح صلاح الدین سے محبت کرتا تھا، چنانچہ صلاح الدین کا بیشتر وقت سلطان نور الدین زنگی ہی کی خدمت میں گذرتا تھا، صلاح الدین کی تمام تر تربیت کیونکہ نور الدین ہی کی نگرانی میں ہوئی تھی، اس لئے نور الدین کے جرأت مندانہ اور پاکبازانہ خصائل کا اس پر بے حد اثر پڑا، اور وہ جوان ہو کر شجاعت اور تقدس میں نور الدین کا صحیح مرقع ثابت ہوا،

صلاح الدین شروع ہی سے نور الدین کے ساتھ عیسائیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیتا رہا، اور اچھے اچھے معرکوں میں بڑی ثابت قدمی سے لڑا، اس لئے آگے چل کر وہ بھی نور الدین کی طرح بہترین مجاہد ثابت ہوا،

صلاح الدین کا دمشق پر قبضہ

اپنے مخالفین کی سازشوں کو توڑنے اور عیسائیوں کے حوصلے پست کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے اپنی غیر معمولی جنگی قابلیت اور حسن انتظام سے مصر کی حکومت کو تو نہایت مستحکم کر لیا تھا، لیکن اس کے لئے یہ چیز بڑی تشویشناک تھی کہ ۵۶۹ھ میں سلطان نور الدین زنگی کے مرنے کے بعد نور الدین کی حکومت کا سارا شیرازہ بکھر گیا تھا، اور زنگی شہزادوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے شام میں عیسائی دن بدن زور پکڑتے جا رہے تھے، بیت المقدس اور شام کے بہت سے علاقوں پر تو عیسائی پہلے ہی سے قابض تھے، اب زنگی شہزادوں اور اتابکی امراء کی خود غرضیوں کی وجہ سے ان کو پورے شام پر قابض ہونے کے بہترین مواقع حاصل ہو گئے تھے،

شام کی حالت بڑی نازک تھی، کہ نور الدین زنگی کے تخت پر اتابکی امراء نے اس کے گیارہ سالہ لڑکے ملک الصالح کو بٹھا رکھا تھا، اور اس کے پردہ میں خود حکومت کر رہے تھے، ان اتابکی امراء کی بے حسی کی یہ کیفیت تھی، کہ کمسن زنگی سلطان ملک الصالح کے چچازاد بھائی سیف الدین غازی والئی موصل نے اگرچہ اس سے جزیرہ کا پورا علاقہ چھین لیا تھا، مگر امرائے سلطنت خاموش بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ بعض امراء نے سیف الدین غازی کو دمشق فتح کرنے کی بھی دعوت دے دی تھی، ادھر سیف الدین غازی نے عیسائیوں سے ساز باز کر لی تھی، اور وہ عیسائیوں کی مدد سے ایک ایک کر کے ملک الصالح کے علاقوں پر قبضہ جماتا چلا جا رہا تھا،

اس نازک صورت حال کو دیکھ کر بعض لوگوں نے صلاح الدین کو لکھا، کہ فوراً دمشق آؤ، ورنہ عیسائیوں کا قبضہ یقینی ہے، صلاح الدین بھلا عیسائیوں کے اقتدار کو کب گوارا کر سکتا تھا، اطلاع ملتے ہی لشکر عظیم لے کر دمشق پہنچ گیا، اور پورے دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد حمص، حماۃ اور بعلبک کو بھی فتح کر لیا،

ملک الصالح اور سیف الدین آپس کی عداوت ختم کرکے صلاح الدین کے مقابلہ پر آ گئے مگر صلاح الدین نے شکست دے کر بزاعہ اور عزاز پر قبضہ کر لیا، حلب کا محاصرہ کر لیا، اور مفتوحہ علاقہ پر اپنے بھائی توران شاہ کو گورنر بنا کر خود مصر واپس آ گیا۔ اگرچہ زنگی شہزادے اور عیسائی برابر شورش کرتے رہتے تھے، مگر توران ان کی سرکوبی کرتا رہتا تھا۔

صلاح الدین نے اسمٰعیلی باطنیوں کو سخت دشمنی تھی، چنانچہ کئی مرتبہ باطنیوں نے قاتلانہ حملے کئے تھے، مگر کامیابی نہیں ہوئی، اور صلاح الدین صرف بچ گیا، بلکہ حملہ آوروں کو گرفتار کرکے قتل کر دیا۔

زنگی اور عیسائی معاہدہ

۵۷۶ھ اور ۵۷۷ھ میں والئی موصل سیف الدین غازی اور والئی حلب ملک الصالح یعنی نورالدین زنگی کے بیٹے کا انتقال ہو گیا، اور دونوں کا جانشین عزالدین مسعود زنگی بن گیا، لیکن چند ہی روز کے بعد مسعود زنگی نے اپنے چچازاد بھائی عمادالدین کو حلب دے کر اس کے تبادلہ میں سنجار کا علاقہ لے لیا، گویا مسعود زنگی تو بدستور موصل کا والی بنا رہا لیکن عمادالدین حلب لینے کے بعد حلب کا سلطان بن گیا۔

زنگی شہزادوں کی مخالفت برابر بڑھتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ انہوں نے ایوبی علاقوں پر بھی حملے شروع کر دیئے صلاح الدین ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا، مگر جب اس نے دیکھا، کہ یہ زنگی شہزادے مقابلہ کے لئے عیسائیوں سے ساز باز اور معاہدہ کر رہے ہیں، تو وہ مصر سے ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہو گیا۔

راستہ میں عیسائیوں سے مڈبھیڑ بھی ہوئی، مگر صلاح الدین برابر آگے بڑھتا ہوا دمشق آیا، اور سب سے پہلے اس نے یہی ضروری خیال کیا، کہ اتابکی امراء اور زنگی شہزادوں کی قوت کو توڑ دیا جائے، تاکہ عیسائی قوتیں خود بخود ختم ہو جائیں۔

صلاح الدین نے آتے ہی حملہ کر دیا، اور جزیرہ کو فتح کرنے کے بعد آمد اور سنجار پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد حلب اور حارم کو قبضہ میں لے کر زنگی شہزادوں اور اتابکی امراء کی قوت کو اس حد تک توڑ دیا، کہ وہ اس قابل نہیں رہے کہ عیسائیوں سے کوئی ساز باز نہ کر سکیں۔

عیسائیوں کے ناپاک ارادے

بیت المقدس اور شام کے بعض علاقوں میں مسیحی حکومتیں قائم ہونے کے بعد اور شام کے زنگی سلاطین اور امراء کی کمزوری کی بنا پر عیسائیوں کی ہمتیں کس قدر بڑھی ہوئی تھیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ عیسائی نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک اور خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

ان ناپاک ارادوں میں کرک کا عیسائی سلطان ریجی نالڈ بہت زیادہ پیش پیش تھا، اس نے اس ناپاک مقصد

کی تکمیل کے لئے ایک بحری بیڑا تیار کیا تھا، تاکہ پہلے تو سمندری راستہ سے حجاز پہنچ کر مکہ اور مدینہ میں خوب تباہی مچائی جائے، اس کے بعد نعوذ باللہ خانہ کعبہ اور روضہ اقدس کو مسمار کر کے اپنے تعصب کی آگ کو ٹھنڈا کرے یہ بحری بیڑا اس ناپاک مقصد کے لئے بحری بیڑے لے کر خلیج حیفہ سے روانہ ہی ہوا تھا، کہ مسلمانوں کا بحری بیڑا بھی اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا، عیسائیوں نے جب اسلامی بیڑے کو دیکھا، تو وہ گھبرا گئے، اور وہ جہازوں سے اتر اتر کر پہاڑی علاقوں کی جانب بھاگ گئے، لیکن مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے ایک ایک عیسائی کو چن چن کر قتل کر دیا مگر ریجی نالڈ بچ کر نکل گیا اور بھاگ گیا،

صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ عیسائیوں کی چیرہ دستیاں شام میں کس قدر بڑھی ہوئی تھیں، اور ان کا وجود مسلمانوں کے لئے کس طرح ایک مستقل مصیبت بنتا چلا جا رہا تھا،

صلاح الدین کی عیسائیوں پر یلغار

عیسائیوں کے دست راست زنگی شہزادوں اور اتابکی امراء کو زیر کرنے کے بعد اب صلاح الدین اس قابل تھا کہ عیسائیوں کے خلاف جہاد کر سکے، چنانچہ ۵۷۹ھ میں اس نے دمشق پہنچ کر عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مجاہدین اسلام کا ایک لشکر عظیم فراہم کر لیا، اور عیسائیوں پر ہلہ بول دیا، غازی صلاح الدین کے حملے سے عیسائیوں میں ہلچل مچ گئی، صلاح الدین نے سب سے پہلے بیسان کا رخ کیا، یہاں کے عیسائی اپنا کل ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے

بیسان کی شکست کے بعد عیسائی پادریوں اور حکمرانوں کی مشترکہ جدوجہد سے صلیبی عیسائیوں کا ایک لشکر عظیم الغوکہ میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جمع ہو گیا، اس لشکر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ اس میں جو صلیبی جاں بازوں کے دوش بدوش ایک ہزار مسیحی نائٹ اور یورپ کے بہت سے حکمران بھی موجود تھے اس کے علاوہ پادریوں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی، جو صلیب اور مسیح کے نام پر عیسائیوں کو جوش دلا رہی تھی،

صلاح الدین کا لشکر اگرچہ صلیبی عیسائیوں کے لشکر کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم تھا لیکن اس کے باوجود صلاح الدین جب الغوکہ پہنچنے کے بعد ان پر حملہ آور ہوا، تو عیسائی مسلمان مجاہدین کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکے، اور بری طرح میدان چھوڑ کر بھاگ گئے، سلطان نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بے دریغ قتل اور گرفتار کیا، اور ان کے علاقہ زرعین جیسان اور زرعین کو ویران کر ڈالا۔

الغوکہ کے معرکہ میں فتح حاصل کرنے کے بعد سلطان نے مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقہ کرک پر حملہ کر دیا، کرک کے مورچہ پر ۵۸۰ھ میں بڑی خوفناک جنگ ہوئی، جس زمانہ میں کہ صلاح الدین کرک کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، اسی زمانہ میں شاہ بیت المقدس "امال مارک" کی بہن "ازبیلا" کی شادی کی تقریب کا جشن کرک میں منایا جا رہا تھا، دولہا دلہن یہیں تھے، جب صلاح الدین کو اس شادی کا علم ہوا، تو عیسائیوں کا جانی دشمن

ہونے کے باوجود اس نے فوج کو حکم دے دیا، کہ جس علاقہ میں شادی کی یہ تقریب ہو رہی ہے، وہاں نہ سنگ باری کی جائے، اور نہ تیر پھینکے جائیں،

کرک کے محاصرہ کے چند ہی روز بعد ۵۸۱ھ میں بیت المقدس کا بادشاہ "امارل ما رک" مر گیا، اس کا کمسن بھانجہ بالڈون تخت نشین ہوا، یہ بادشاہ چونکہ بہت کم عمر تھا، اس لئے طرابلس کا عیسائی سلطان ریمنڈ اس کا والی مقرر ہوا، شاہ بیت المقدس کے مرنے کے بعد کیونکہ عیسائیوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا، اور عیسائی صلاح الدین کی پے در پے فتوحات سے سراسیمہ بھی ہو گئے تھے، اس لئے سلطان ریمنڈ نے چار سال کے لئے صلاح الدین سے صلح کر لی، ریمنڈ کے علاوہ ریجی نالڈ کو بھی مجبوراً نہایت گری ہوئی شرطوں پر صلاح الدین سے صلح کرنی پڑی، اور اس طرح یہ صلیبی جنگ عارضی طور پر بند ہو گئی، عیسائیوں سے صلح کے بعد صلاح الدین پھر زنگی شہزادوں اور اتابکی امراء کی جانب متوجہ ہو گیا اور اس نے ایک بڑے معرکہ کے بعد موصل بھی فتح کر لیا، موصل کی فتح کے بعد عزالدین مسعود نے صلاح الدین کی اطاعت قبول کر لی، اور زنگی حکومت ایوبی حکومت کی باجگذار بن گئی، اور اس طرح یہ خطرات ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے

توہین رسول اللہ صلعم کی سزا

عیسائیوں نے گو صلاح الدین سے صلح کر لی تھی، لیکن ان کی صلح قطعی بے معنی تھی، کیونکہ صلح کے فوراً ہی بعد ان کی جانب سے بدعہدیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، عیسائیوں کی حالت یہ تھی، کہ ان کے علاقوں میں جو مسلمان بھی آباد تھے، یہ ان پر انسانیت سوز مظالم توڑ رہے تھے، مسلمانوں کے قافلے اگر ان کے علاقوں سے گذرتے تھے، تو یہ انہیں لوٹ لیتے تھے

۵۸۲ھ میں عیسائیوں کی دست درازیاں حد سے متجاوز ہو گئیں، چنانچہ اس سال مسلمان تاجروں کا ایک قافلہ جب ریجی نالڈ کی حدود مملکت میں پہنچا، تو عیسائیوں نے اسے لوٹ لیا، اور اہل قافلہ کو گرفتار کر لیا، مسلمانوں نے جب ریجی نالڈ سے رہائی کا مطالبہ کیا، تو اس ملعون عیسائی حکمران نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ تمسخر کرتے ہوئے کہا: "تم تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہو، اس سے کیوں نہیں کہتے، کہ وہ تمہیں آ کر چھڑا لے"

صلاح الدین کو اس گستاخی کا علم ہوا، تو وہ اگرچہ سخت مصروف تھا، مگر توہین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برداشت نہیں کر سکا، اور قسم کھائی، کہ جب تک اس توہین کی سزا نہ دے لوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا، چنانچہ فوج کو تیاری کا حکم دے دیا،

خون ریز معرکہ اور فتح یابی

عیسائیوں کو جب معلوم ہوا، کہ صلاح الدین ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا ہے، تو انہوں نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاریاں شروع کر دیں، صلیب اور مسیح کے نام پر پادریوں نے عیسائیوں میں پروپیگنڈا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ صغورہ یہ

کے میدان میں پچاس ہزار سے زیادہ صلیبی عیسائی جمع ہو گئے جن میں ایک ہزار دو سو نائٹ بھی شامل تھے صلاح الدین بھی فوراً صفوریہ پہنچ گیا، اور صفوریہ کے قریب طبریہ کی پہاڑی پر قبضہ جمانے کے بعد خیمہ زن ہو گیا،

عیسائیوں کا لشکر عظیم چاندی کی صلیبیں بلند کئے ہوئے طبریہ آن پہنچا، اور طبریہ کے قریب ۵۸۲ھ میں مسلمان مجاہدین اور عیسائی صلیبیوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی، عیسائی لشکر اگرچہ اسلامی لشکر سے پانچ گنا تھا مگر پھر بھی عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی، ان کے تمام بڑے بڑے امرا یا تو قتل ہو گئے، یا گرفتار کر لئے گئے، ان ہی گرفتار شدگان میں ملعون ریجی نالڈ بھی تھا،

گستاخ ریجی نالڈ کو صلاح الدین کے سامنے پیش کیا گیا، تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا، تلوار سونت کر آگے بڑھا، اور یہ کہتے ہوئے، کہ "اے ملعون! دیکھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ادنیٰ غلام تیری گردن مارنے آگیا ہے، اور تیرے ظلم و ستم سے مسلمانوں کو نجات دلانے کے لئے مجھے بھیج دیا ہے" یہ کہہ کر گردن مار دی،

طبریہ میں شکست کے بعد عیسائیوں کو بہت بڑا دھکا لگا تھا، بیت المقدس کا بادشاہ بڑے بڑے سلاطین اور امراء گرفتار ہو چکے تھے، پورے شمالی فلسطین پر صلاح الدین کا قبضہ ہو چکا تھا، عیسائیوں کے قبضہ میں بیت المقدس صور، اور صرف چند دوسرے مقامات رہ گئے تھے جن کو ایک ایک کر کے اسلامی فوجوں نے فتح کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ مسلمانوں نے عکہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا یہ فلسطین کی بڑی اہم بندرگاہ تھی، اس کے بعد مجدل یابا، ناصرہ، قیساریہ، حیفہ، صفوریہ، معلیا، شقیف، فولہ، صیدا، بیروت، عسقلان، رملہ، داروم، غزہ، شہد ابراہیم، بیت اللحم، اور بیت الجبرئیل، غرض کہ بیت المقدس کے علاوہ گرد و پیش کے تمام چھوٹے بڑے شہر اور علاقے صلاح الدین نے پامال کر کے رکھ دیئے،

بیت المقدس کی فتح

مندرجہ بالا مقامات کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد سلطان صلاح الدین خاص بیت المقدس کی جانب متوجہ ہوا، رجب ۵۸۳ھ میں سلطان نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، اور بیت المقدس کے عیسائیوں کو پیغام بھیجا، کہ بیت المقدس اسی طرح ہمارے لئے بھی باعث احترام ہے، جس طرح کہ تمہارے لئے ہے، اس لئے مناسب یہی ہے، کہ یہ مقدس مقام خونریزی کے بغیر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا جائے، اگر تم پر امن طریقہ پر اس خانہ خدا کو ہمارے حوالہ کر دو گے، تو تم سب کو جان اور مال کی امان دے دی جائے گی، اور تم کو اتنا علاقہ دے دیا جائے گا، جسے تم آسانی سے سنبھال سکو، اس کے علاوہ نقد رقم بھی تم کو حسب ضرورت دے دی جائے گی،

عیسائیوں نے صلاح الدین کی اس فیاضانہ پیش کش کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، آخر سلطان کو مجبوراً میان سے تلوار نکالنی پڑی، اور بیت المقدس کے لئے بڑی ہی خوفناک جنگ چھڑ گئی، ایسی خوفناک جنگ کہ

انسانی خون پانی کی طرح بہنے لگا، عیسائی شروع میں تو بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، لیکن بعد میں ان کی ہمت ٹوٹ گئی، جب عیسائی کمزور پڑ گئے، تو مسلمان ریلا کر کے فصیل کے قریب جا پہنچے، اور سنگ باری کے ذریعہ فصیل کو توڑ دیا،

فصیل کے ٹوٹتے ہی عیسائیوں نے سمجھ لیا، کہ اب شہر کا بچانا ناممکن ہے، لہٰذا وہ جان و مال کی حفاظت کی شرط پر بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گئے، سلطان خود بیت المقدس کی بے حرمتی نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے فوراً عیسائیوں کی درخواست قبول کر لی، اور یہ شرط لگا دی، کہ بیت المقدس کے تمام مسیحی فی مرد دس دینار، فی عورت پانچ دینار اور فی بچہ دو دینار فدیہ ادا کر کے جہاں چاہیں مع اپنے مال و اسباب کے چلے جائیں، لیکن چالیس دن کے اندر اندر جن کا زر فدیہ ادا نہیں ہوگا، وہ غلام متصور کئے جائیں گے، چنانچہ اس قرار داد کے بموجب ۲۷ رجب ۵۸۳ھ کو عیسائیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کر دیا، اور اکیانوے سال کے بعد یہ خانہ خدا دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، یہ عجیب حسن اتفاق ہے، کہ جس روز مسلمانوں کا اس مقدس شہر پر دوبارہ قبضہ ہوا، وہ معراج نبوی کی تاریخ تھی، یعنی اسی تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس سے معراج کے لئے تشریف لے گئے تھے،

صلاح الدین کا فیاضانہ سلوک

عیسائیوں نے ۴۹۲ھ میں جب بیت المقدس پر قبضہ جمایا تھا، تو انہوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ بدتر سے بدتر انسانیت سوز مظالم مسلمانوں پر کئے تھے، نہ عورتوں کو چھوڑا تھا، نہ بچوں کو، نہ بوڑھوں کے ساتھ رعایت کی تھی، اور نہ بیماروں کے ساتھ، صرف مسجد اقصیٰ میں انہوں نے ستر ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا تھا، لیکن جب مسلمانوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہوا، تو انہوں نے ان ہی "ظالم و جابر" عیسائیوں کے ساتھ وہ فیاضی کا برتاؤ کیا جس کی مثال مشکل ہی سے حکومتوں کے انقلابات کی تاریخ میں مل سکتی ہے،

مسلمانوں کے اس فیاضانہ سلوک کے بارے میں کوئی مسلمان مؤرخ نہیں، بلکہ عیسائی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین نے بیت المقدس کے قبضہ کے وقت اپنے آپ کو بڑا ہی وسیع النظر اور حوصلہ مند حکمران ثابت کیا، اس نے ایسا اچھا انتظام کیا تھا، کہ کسی ایک عیسائی کو بھی گزند نہ پہنچنے پائی، جا بجا امن برقرار رکھنے کے لئے فوج متعین تھی، زر فدیہ کی وصولیابی بڑی نرمی اور احتیاط کے ساتھ عمل میں آئی، جو غریب عیسائی زر فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے، ان کا زر فدیہ ادا کرنے میں فیاض دل مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا، ایک ایک مسلمان نے ہزار ہزار عیسائیوں کا زر فدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے انہیں رہائی دلوائی، چالیس روز تک عیسائیوں کی رہائی کا سلسلہ برابر جاری رہا، لیکن پھر بھی ہزاروں غریب اور مفلس عیسائی رہا ہونے سے رہ گئے، جن کو کنجوس تاجروں اور مالدار

عیسائیوں سے نے غلام بننے کے لئے چھوڑ دیا تھا یروشلم کے تقدس مآب پادری جو اخلاق اور ایمان دونوں سے عاری تھے، گرجاؤں کی دولت دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر لے گئے، یہاں تک کہ نقرئی اور طلائی ظروف بھی نہ چھوڑے اور اپنا ذاتی اندوختہ بھی ساتھ لے گئے، اور کسی ایک غریب عیسائی کے بھی کام نہ آئے بعض دردمند مسلمانوں نے پادریوں کی اس لوٹ کو دیکھ کر سلطان سے کہا، کہ بے ایمان اور خود غرض پادریوں کو لوٹ کا مال لے جانے سے روکا جائے" اس پر سلطان نے جواب دیا، کہ میں جو قول دے چکا ہوں، اس سے نہیں پھر سکتا" غرضکہ دولت مند عیسائیوں کی اور پادریوں کی خود غرضی کی وجہ سے غریب عیسائیوں کی ایک بہت بڑی تعداد رہا ہونے سے رہ گئی، ان کی بے کسی کو دیکھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلطان سے ایک ہزار عیسائیوں کو بطور غلام لے کر انہیں اپنی طرف سے آزاد کر دیا، اس کے بعد سلطان صلاح الدین نے شہر میں عام منادی کرادی، کہ وہ تمام بوڑھے جو زر فدیہ ادا نہیں کر سکتے آزاد کئے جاتے ہیں، انہیں اختیار ہے، کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں" عیسائی مورخ لین پول کے مندرجہ بالا بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ صلاح الدین اور مسلمانوں نے بیت المقدس پر قبضہ کے وقت عیسائیوں کے ساتھ کتنی فیاضی کا سلوک کیا تھا،

صلاح الدین کی یہ فیاضی نہ صرف عام اور غریب عیسائیوں ہی تک محدود تھی، بلکہ اس نے امراء سلطنت اور بادشاہوں کے ساتھ بھی بڑی فیاضی کا سلوک کیا تھا، چنانچہ بیت المقدس کی ایک شہزادی جس کے پاس بے اندازہ دولت تھی، جب اس نے بیت المقدس سے جانا چاہا، تو سلطان نے اپنے انتظام سے اسے مع مال و دولت کے جائے مقصود تک پہنچوا دیا، بیت المقدس کا بادشاہ گائی جو نظر بند تھا، اس کی بیوی نے اس کے پاس جانے کی خواہش کی، تو سلطان نے اسے شوہر کے پاس بھجوا دیا، صلاح الدین نے جنگ صلیبی کے مقتول اور قیدی نائٹوں یعنی نوابوں کی بیویوں کے ساتھ بڑا ہی فیاضانہ سلوک کیا تھا، چنانچہ جب وہ سلطان سے اپنی حالت زار بیان کر کے رحم کی طالب ہوئیں، تو سلطان آبدیدہ ہو گیا، اور ان میں سے جن کے شوہر قید میں تھے، ان سب کو رہا کر دیا، اور جن کے شوہر مقتول ہو گئے تھے، ان کے رتبہ کے مطابق ان کو روپیہ دے کر ان کی اچھی طرح تشفی اور دلداری کی،

عیسائیوں کی دوبارہ تیاریاں

بیت المقدس کی فتح کے بعد عیسائیوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا مگر مذہبی جوش نے انہیں پھر ایک مرتبہ منظم ہونے پر آمادہ کر دیا، چنانچہ ہر طرف سے عیسائی سمٹ کر صور کی بندرگاہ پر جمع ہونے لگے، اور چند ہی روز میں ایک مضبوط قلعہ کی صورت اختیار کر لی،

سلطان صلاح الدین نے ۵۸۳ھ میں بری اور بحری فوجوں کے ذریعہ اس بندرگاہ پر قبضہ کی ہر چند کوشش

کی، مگر قبضہ نہ ہو سکا، اور یہ بندرگاہ رفتہ رفتہ عیسائیوں کی جنگی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز بن گئی، سلطان چونکہ دوسری فتوحات میں مصروف ہو گیا تھا، اس لئے وہ صور کی بندرگاہ کی جانب رخ نہ کر سکا، سلطان نے ۵۸۴ھ ہجری میں عیسائیوں کے باقی قلعوں اور علاقوں کو فتح کرنا شروع کر دیا، چنانچہ اس نے بوہمینڈ فرمانروائے طرابلس کے علاقہ پر فوج کشی کر کے ویران کر ڈالا، پھر جبلہ پر حملہ کر کے اسے زیر کر لیا، اس کے علاوہ عیسائیوں کے بہت سے قلعوں کو تسخیر کیا، اس کے بعد سلطان نے انطاکیہ کی جانب رخ کیا، تو اس کے فرمانروا نے سلطان سے صلح کر لی،

تیسری جنگ صلیبی کی ابتداء

بیت المقدس کی فتح کے بعد ایک طرف تو منتشر عیسائی صور کی بندرگاہ پر جمع ہو گئے، دوسری طرف سارے یورپ میں ہلچل مچ گیا، تمام ممالک متحد ہو کر تیاری کرنے لگے، پادریوں نے سیاہ لباس پہن لیا، اور مسلمانوں کے خلاف مذہب کا نام لے کر خوب جوش دلایا، اور یہاں تک کہہ دیا، کہ جو عیسائی اس جنگ سے گریز کرے گا، وہ مسیحی مذہب سے خارج اور حضرت مسیح کا لعنتی ہو گا، غرض یورپ میں آگ لگ گئی، اور بے پناہ سامان جنگ فراہم کیا جانے لگا، انگلستان اور فرانس میں "صلاح الدین ٹیکس" کے نام سے بہت سے ٹیکس لگا دیئے گئے، اور بے اندازہ دولت جمع کر لی گئی، خود شاہ انگلستان رچرڈ نے اس صلیبی جنگ کے لئے اپنی تمام ذاتی جاگیر فروخت کر دی تھی، اور اس نے یہاں تک کہہ دیا تھا، کہ اگر کوئی خریدار ہو، تو میں اس مقدس جنگ کے لئے لندن تک فروخت کر دینے کو تیار ہوں، عوام کے جوش کا یہ عالم تھا، کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اس جنگ کے لئے وقف کر دیا تھا، عورتوں نے اپنی اکلوتی اولاد تک کو اس جنگ کے لئے پیش کر دیا تھا، غرض کہ اس تیسری جنگ صلیبی کے لئے سارے یورپ میں ایسی زبردست اور منظم طریقہ پر تیاریاں کی گئی تھیں، کہ جن کی مثال حکومتوں کی تاریخ میں مفقود ہے،

اس تیسری صلیبی جنگ کے لئے یورپ کے تمام چھوٹے بڑے بادشاہوں، امیروں اور سپہ سالاروں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں، چنانچہ سب سے پہلے جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسہ ۱۱۱۹ء میں ایک لاکھ کے لشکر عظیم کے ساتھ فلسطین کی جانب روانہ ہوا، لیکن یہ راستہ ہی میں ایک دریا کو عبور کرتے ہوئے ڈوب گیا، اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے فریڈرک ثانی نے صلیبی فوجوں کی کمان سنبھال لی، لیکن جیسے ہی یہ لشکر شام میں داخل ہوا، فوج میں وبا پھیل گئی، جس سے ہزاروں سپاہی مر گئے، جو باقی رہ گئے تھے، ان کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا،

عیسائی دنیا کی یلغار عظیم

یہ بتایا جا چکا ہے، کہ کانرڈ نے صور کی بندرگاہ کو بے حد مضبوط کر لیا تھا، اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا تھا، بیت المقدس کا سابق بادشاہ گائی جسے صلاح الدین نے بیت المقدس کی فتح کے بعد رہا کر دیا تھا، وہ بھی ایک بڑی فوج جمع کر کے صور پہنچ چکا تھا، ان دونوں کو جب معلوم ہوا کہ شاہان یورپ اور لاکھوں کی تعداد میں صلیبی لشکر تیری

صلیبی جنگ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں تو ان دونوں نے مل کر پوری طاقت کے ساتھ خشکی کے راستہ سے عکہ پر حملہ کر دیا اسی دوران میں سسلی کا عیسائی بیڑہ بھی آگیا اور اس نے سمندری راستہ سے یورش کر دی۔ اور چاروں طرف سے عیسائیوں نے عکہ کو گھیر لیا۔ سلطان صلاح الدین کو جب اس حملہ کی اطلاع ملی تو وہ دوڑا ہوا آیا اور عکہ کے لئے عیسائیوں اور مسلمانوں میں بڑی خونریز جنگ چھڑ گئی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے یورپ کے مختلف ممالک کے لشکر پہنچنے شروع ہوئے اور جنگ نے ایسی خوفناک صورت اختیار کر لی جو اس سے قبل دنیا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

صلاح الدین کا بے پناہ استقلال

اس تیسری صلیبی جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یورپ کے تقریباً تمام بادشاہوں اور اُمراء نے مع اپنے لشکروں کے اس جنگ میں بذاتِ خود حصہ لیا تھا اور وہ تین سال تک شیر دل صلاح الدین سے ٹکراتے رہے۔ یورپ کے جن بے شمار بادشاہوں اور امراء نے اس "مقدس جنگ" میں حصہ لیا تھا ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ رچرڈ شاہ انگلستان۔ فلپ آگسٹس شاہ فرانس۔ فریڈرک ثانی شاہ جرمنی۔ لارڈ آف کنٹربری بالڈون سالسبری غرضکہ یورپ کے تمام چھوٹے بڑے بادشاہ اور نواب اس معرکہ میں شریک تھے اور ان کے ساتھ اس کثرت سے فوج تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ صلاح الدین کا تو ذکر ہی کیا ہے پوری دنیا سے اسلام کو مٹائے بغیر نہیں رہیں گے۔ لیکن پوری دنیائے اسلام کی جانب توجہ کیا رخ کرتے ایک صلاح الدین ہی یورپ کی تمام حکومتوں اور بادشاہوں پر بھاری تھا۔

سارا یورپ صلاح الدین پر بیت المقدس کے واپس لینے کے لئے پل پڑا تھا۔ لیکن اس شیر دل مجاہد کی ہمت، جرأت اور جنگی قابلیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے پورے تین سال تک یورپ کی درجنوں حکومتوں اور بادشاہوں کو عکہ کے مورچہ پر الجھائے رکھا اور سارا یورپ اپنی متحدہ کوششوں کے باوجود عکہ اور چند غیر اہم مقامات کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہ کر سکا

یہ تھی صلاح الدین کی ہمت کہ تنہا ۳ سال تک پورے یورپ کی قوت سے مقابلہ کیا، اور بیت المقدس تک ایک دشمن بھی نہ پہنچ سکا، اور سب کو ذلت کے ساتھ واپس کر دیا،

عیسائیوں کی ناکامی اور صلح کی درخواست

عیسائیوں کو ۳ سال ہو چکے تھے صلاح الدین سے مقابلہ کرتے ہوئے مگر ان کا ایک منصوبہ بھی پورا نہ ہو سکا، بادشاہوں سے لے کر فوج تک سب کی ہمتیں ٹوٹ چکی تھیں، واپس جاتے ہوئے پھر ایک دفعہ کوشش کی، مگر صلاح الدین نے اپنے عزم واستقلال سے ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا،

اسی دوران میں کانرڈ والئی صور جب ۵۸۸ھ میں مر گیا، تو صلیبیوں کے حوصلے اور بھی پست ہو گئے، رچرڈ شاہ انگلستان نے کانرڈ کے مرتے ہی اپنے بھانجے ہنری کو صور کا بادشاہ بنا دیا، اس کے بعد رچرڈ نے صلاح الدین سے صلح کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کی، خود صلاح الدین اور اس کے ساتھی اس طویل جنگ سے تنگ آ چکے تھے آخر شعبان ۵۸۸ھ مطابق ستمبر ۱۱۹۲ء میں ساڑھے تین سال کی مسلسل خونریزی کے بعد رچرڈ شاہ انگلستان کو دب کر اور مجبور ہو کر شیر دل مجاہد صلاح الدین سے صلح کرنی پڑی، اس صلحنامہ کی رو سے صرف چند علاقے عیسائیوں کے پاس رہے، باقی پورے فلسطین پر سلطان صلاح الدین کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا،

سلطان صلاح الدین جوش جہاد کے جذبہ کے ساتھ بڑا فیاض اور انسانیت نواز بھی تھا، چنانچہ اس نے عام اعلان کے ذریعہ عیسائیوں کو بیت المقدس میں آنے جانے کی اجازت دیدی، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی ہدایت کر دی، کہ وہ عیسائیوں سے کوئی پرخاش نہ رکھیں، صلاح الدین اپنی ان ہی خصوصیات کی بنا پر آج بھی یورپ میں احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے،

صلاح الدین کی وفات

مسلسل جہاد اور جنگی سرگرمیوں نے صلاح الدین کی صحت کو بالکل ختم کر دیا تھا، حتیٰ کہ وہ روزہ رکھنے اور اپنی معمولہ عبادتوں کے انجام دینے سے بھی مجبور ہو گیا تھا، یہ حالت بار بار بگڑتی گئی، آخر ۵۸۹ھ میں اس مرد مجاہد کو موت نے اپنی آغوش میں لے لیا، اور دمشق میں اس شیر دل مجاہد کو مع اس کی محبوب تلوار کے سپرد خاک کر دیا گیا،

متفرق حالات

صلاح الدین اپنی اسلامی خدمات کی وجہ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے، وہ نہایت عبادت گذار، فقیر منش اور سادہ مزاج واقع ہوا تھا، اس نے غیر معمولی دولت ہوتے ہوئے کبھی اپنی ضروریات پر فضول پیسہ خرچ نہیں کیا، وہ غریبوں کا ہمدرد اور غمخوار تھا، ساری دولت ہمیشہ راہ خدا، اور غرباء کی خدمت میں خرچ کرتا، اس فیاضی اور خدا ترسی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ صلاح الدین کے فوت ہونے پر اس کا سارا اثاثہ ایک دینار، چالیس درہم اور چند معمولی کپڑے تھے

غرض ایک مرد مومن میں جتنی صفات ہو سکتی ہیں، وہ سب صلاح الدین میں موجود تھیں، وہ زندگی بھر شب زندہ دار تھا، تہجد تک کی نماز نہیں چھوڑتا تھا، شریعت کا سختی کے ساتھ پابند تھا، عادل اور منصف ایسا تھا، کہ دوست اور دشمن میں بھی انصاف کے وقت تمیز نہیں کرتا تھا، اس میں مذہبی رواداری بلا کی تھی، دیگر مذاہب کے لوگوں کے عقاید کا پورا خیال رکھتا تھا، علم دوست بھی بہت بڑا تھا، چنانچہ اس نے بے شمار مدارس جا بجا قائم کئے تھے، جن کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں، غرض کہ خدا نے اس کو اتنی خوبیاں عطا کی تھیں، جو بہت کم انسانوں میں دیکھنے میں آتی ہیں،

جانشینوں کے حالات اور خاتمہ

سلطان صلاح الدین کی وفات کے بعد ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں صلاح الدین کی حکومت کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی، کیونکہ اس کا جو لڑکا جہاں بھی تھا اس نے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی، چنانچہ ملک العزیز مصر کا بادشاہ بن گیا، ملک افضل نے دمشق میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا، اور ظاہر غازی حلب میں تخت نشین ہو گیا، گویا ایک حکومت کی بجائے تین حکومتیں قائم ہو گئیں، اور پھر ان میں خانہ جنگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، جن کے حالات قدرے تفصیل کے ساتھ ہم تحریر کر رہے ہیں:

ملک العزیز ایوبی

سلطان صلاح الدین کے بعد اس کا بیٹا ملک العزیز ایوبی مصر میں تخت نشین ہوا، اور بڑی قابلیت کے ساتھ چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۹۵ھ ہجری میں فوت ہو گیا،

ملک منصور بن عزیز ایوبی

ملک العزیز کے مرنے کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے آٹھ سالہ لڑکے منصور کو ۵۹۵ھ میں مصر میں تخت نشین کیا، اس کے تخت نشین ہونے کے چند ہی روز بعد صلاح الدین کا بھائی ملک العادل کرک سے فوج لے کر آ گیا، اور مصر کی حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور ۵۹۶ھ میں ایک سال حکومت کرنے کے بعد ملک منصور کو معزول کر کے خود بادشاہ بن گیا،

ملک العادل ایوبی

سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی ملک العادل ایوبی ۵۹۶ھ میں اپنے کم سن پوتے ملک منصور کو معزول کر کے خود حکومت کرنے لگا، اس کے زمانہ میں عیسائیوں کی سرگرمیاں پھر شروع ہو گئی تھیں، اس نے صلیبیوں کے مقابلہ میں صلاح الدین کی صحیح معنوں میں جانشینی کی، اور شام میں ان کے زور کو بڑھنے سے روکا، اس نے دمشق کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر دیا تھا اور مرنے سے قبل اپنی سلطنت کو اپنے پانچوں بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا، مصر کی مرکزی حکومت اپنے بڑے بیٹے ملک کامل کو دے دی تھی، دمشق، بیت المقدس اور کرک کے علاقے کا حاکم معظم عیسیٰ کو بنا دیا تھا، خلاط اور جزیرہ کا کچھ حصہ اشرف موسیٰ کو عطا کر دیا تھا، اور حکومت کے باقی حصے اپنے دونوں چھوٹے بیٹوں شہاب الدین غازی اور ارسلان شاہ میں تقسیم کر دیئے تھے، ملک العادل انیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۱۵ھ میں انتقال کر گیا،

ملک کامل بن عادل ایوبی

ملک العادل کے بعد اس کا بیٹا ملک کامل ۶۱۵ھ (۱۲۱۹ء) میں مصر میں تخت نشین ہوا، اس کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد عیسائیوں کے حملے شروع ہو گئے تھے، اس نے ان کی خوب سرکوبی کی اور دمیاط سے نکال دیا، اس کے دوسرے بھائی معظم نے

بھی صلیبیوں کا بڑی مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا، اور چند دوسرے علاقوں پر بھی قابض ہو گیا، مورخوں کا بیان ہے کہ ملک کامل نے عیسائیوں کو بیت المقدس میں اتنی رعایتیں اور سہولتیں دیدی تھیں، کہ عیسائیوں کا بیت المقدس میں غیر معمولی اثر بڑھ گیا تھا، چنانچہ مسلمانوں نے کامل کے اس فعل پر بڑی ناگواری کا اظہار کیا تھا، یہ بادشاہ بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۳۵ھ میں فوت ہو گیا،

ملک سیف الدین ابوبکر ایوبی

ملک کامل کے بعد اس کا بیٹا ملک سیف الدین ابوبکر ۶۳۵ھ میں مصر میں تخت نشین ہوا، لیکن امرائے سلطنت نے دو سال کے بعد ہی اسے معزول کر کے قیدخانہ میں ڈالدیا،

ملک صالح نجم الدین ایوبی

امرائے سلطنت نے ملک سیف الدین کو معزول کرنے کے بعد اس کے بھائی ملک صالح نجم الدین کو ۶۳۷ھ میں تخت نشین کر دیا، ملک صالح نجم الدین جزیرہ کا فرمانروا تھا، یہ دس سال حکومت کرنے کے بعد صلیبیوں سے جنگ کرتے ہوئے زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گیا،

ملک معظم توران شاہ ایوبی

ملک صالح کی موت کے بعد اس کی اہلیہ ملکہ شجرۃ الدر نے ملک صالح کے بیٹے ملک معظم توران شاہ کو ۶۴۷ھ میں مصر کے تخت پر بٹھا دیا، اس نے تخت نشین ہونے کے بعد ایک طرف صلیبیوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست فاش دی، اور دوسری طرف غدار امراء سلطنت کی اچھی طرح سے سرکوبی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مملوک اس کے دشمن ہو گئے، اور چند ماہ کی حکومت کے بعد ہی ۶۴۸ھ میں مملوکوں نے اسے قتل کر دیا،

ملکہ شجرۃ الدر

ملک معظم توران شاہ کے قتل کے بعد ۶۴۸ھ میں ملک صالح کی بیوہ شجرۃ الدر تخت نشین ہوئی، اس ملکہ کے عہد حکومت میں شاہ فرانس نے پچاس ہزار کے لشکر سے حملہ کیا تھا، شجرۃ الدر خود فوج لے کر مقابلہ پر گئی، فرانسیسیوں کو شکست دے کر شاہ فرانس اور ملکہ فرانس کو گرفتار کر لیا، اور بیس لاکھ اشرفی تاوان لے کر ان دونوں کو رہا کیا، یہ ملکہ بڑی لائق تھی، مگر محض عورت ہونے کی بنا پر تین ماہ کے بعد امرائے سلطنت نے اسے معزول کر دیا، ملکہ شجرۃ الدر اس لحاظ سے کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی کہ اول تو اس نے اپنی ہمت اور مجاہدانہ کوششوں سے شاہ فرانس کو شکست دی، اور دوسرے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کا سلسلہ مصر سے شروع کیا جو آج تک برابر جاری ہے اور اخراجات کیلئے ایک بڑی جاگیر وقف کی۔

ملک اشرف موسیٰ ایوبی

ملکہ شجرۃ الدر کے معزول کئے جانے کے بعد امرائے سلطنت نے ۶۴۸ھ میں ملک اشرف موسیٰ کو مصر میں تخت نشین کیا لیکن ۶۵۲ھ میں

ایوبی خاندان مملوک یعنی غلاموں نے اسے معزول کر دیا اور اس کے بعد خاندان ایوبیہ کی حکومت ختم ہو گئی۔

حکومت مملوکیہ دولت ایوبیہ کے آخری بادشاہوں کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ جارجیہ اور آرمینیہ سے برابر غلام خریدتے رہتے تھے اور ان کی ایک زبردست فوج انہوں نے تیار کر لی تھی تاکہ اگر کوئی سردار یا امیر بغاوت کیلئے کھڑا ہو تو وفادار غلاموں کے اس لشکر عظیم سے اسے کچلوا دیا جائے۔ یہ غلام جنہیں "مملوک" کہا جاتا تھا کیونکہ مقربین شاہی میں سے تھے اس لئے رفتہ رفتہ ان کا اثر اور رسوخ اتنا بڑھ گیا کہ وہی سلطنت مصر کے مالک و مختار بن گئے اور مصر سے خاندان ایوبیہ کے خاتمہ کے بعد یہی خاندان ایوبیہ کے جانشین قرار پائے۔

دولتِ مملوکیہ مصریہ: خاندانِ ایوبیہ کے جو غلام دولتِ ایوبیہ کے خاتمہ کے بعد تخت نشین ہوئے ان کی حکومت "دولت مملوکیہ مصریہ" کہلائی۔ اس سلطنت کے سلاطین کے نام یہ ہیں۔

(۱) ملک معز عزالدین جاشنگیر ۶۵۲ھ میں خاندانِ ایوبی کے آخری بادشاہ ملک اشرف کو معزول کرنے کے بعد تخت نشین ہوا ملکہ شجرۃ الدر نے اس سے نکاح کر لیا تھا لیکن جب ملک عزالدین نے والیٔ موصل کی لڑکی سے شادی کرنی چاہی تو ملکہ شجرۃ الدر نے ترکی امراء کو ملا کر اسے قتل کرا دیا۔ ملک عزالدین کے حامیوں نے مشتعل ہو کر ملکہ کو محل میں گھس کر تہہ تیغ کر دیا۔

(۲) ملک منصور نورالدین ۶۵۵ھ میں اپنے باپ ملک عزالدین کے بعد مصر میں تخت نشین ہوا لیکن دو برس کے بعد حکومت سے معزول کر دیا گیا۔

(۳) ملک مظفر سیف الدین ۶۵۷ھ میں اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کی سرکردگی میں جالوت کے مقام پر مصریوں کا تاتاریوں سے مقابلہ ہوا تھا۔ اس مقابلہ میں تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی تھی۔ مصریوں کے ہاتھ سے ہزاروں تاتاری مارے گئے۔ یہ گیارہ ماہ حکومت کرنے کے بعد ملک الظاہر بیبرس کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

(۴) ملک الظاہر رکن الدین بیبرس۔ ملک مظفر کو قتل کر کے ۶۵۸ھ میں مصر کا سلطان بنا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں مستنصر باللہ عباسی کو خلیفہ بنا کر خلافت عباسیہ مصر کی بنیاد رکھی تھی۔ اس سلطان نے سترہ سال تک بڑی کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔

(۵) ملک سعید ناصر الدین ملک الظاہر کی وفات کے بعد ۶۷۶ھ میں تخت پر بیٹھا لیکن ڈیڑھ سال کے بعد ہی اسے معزول کر دیا گیا۔

(۶) ملک عادل بدرالدین سلامش بن بیبرس ۶۷۸ھ میں تخت نشین ہوا، اور صرف چار ماہ کے بعد معزول کر دیا گیا، اور اس کے ساتھ ہی دولت مملوکیہ مصر ختم ہو گئی۔

حکومت قلاوونیہ: دولت مملوکیہ مصر طبقہ اول کے مملوکوں یعنی غلاموں کی حکومت تھی۔ اس کے بعد

مملوکوں یعنی غلاموں کا جو دوسرا خاندان برسر اقتدار آیا، وہ "دولت قلاؤنیہ مصریہ" رر قید کر دیا گیا،
یہ سلاطین ہوئے ہیں، ت کرتا رہا،

(۱) ابو المعالی ملک منصور قلاؤن، یہ ۶۷۸ھ میں ملک عادل کے بعد تخت نشین ہوا، اور یہ
یہ ایوبی غلاموں کے دوسرے خاندان کا پہلا بادشاہ ہے،

(۲) ملک الاشرف صلاح الدین خلیل بن قلاؤن ۶۸۹ھ میں تخت نشین ہوا، اور چار سال حکومت کرنے کے بعد مقتول ہوا،

(۳) ملک الظاہر بیدر ۶۹۳ھ میں تخت پر بیٹھا، لیکن اس کی حکومت صرف چند روزہ تھی،

(۴) ملک ناصر محمد بن قلاؤن ۶۹۳ھ میں مصر کے تخت پر بیٹھا، یہ بھی چند ماہ کے بعد تخت سے دستبردار ہو گیا

(۵) ملک العادل کتبغا ۶۹۴ھ میں تخت نشین ہوا، لیکن ڈیڑھ سال کے بعد ہی اس کی حکومت ختم ہو گئی،

(۶) ملک منصور لاجین ۶۹۶ھ میں مصر کا سلطان ہوا، تقریباً دو سال کی حکومت کے بعد اسے معزول کر دیا گیا

(۷) ملک ناصر محمد بن قلاؤن بار دوم ۶۹۸ھ میں تخت نشین ہوا، اور ۷۰۸ھ تک حکومت کرتا رہا،

(۸) ملک بیبرس جاشنگیر ۷۰۸ھ میں سلطان بنا، اس نے صرف ایک سال حکومت کی،

(۹) ملک ناصر محمد بن قلاؤن بار سوم ۷۰۹ھ میں تخت نشین ہوا، اور ۷۴۱ھ تک حکومت کرتا رہا

(۱۰) ملک منصور ابو بکر بن ناصر ۷۴۱ھ میں تخت پر بیٹھا، مگر ایک سال کے بعد اسے جلاوطن کر دیا گیا،

(۱۱) ملک علاؤ الدین کجک بن محمد ۷۴۲ھ میں سلطان ہوا، مگر چند روز کے اندر ہی اس کی حکومت ختم ہو گئی، اور اسے بھی جلاوطن ہونا پڑا،

(۱۲) ملک ناصر شہاب الدین ۷۴۲ھ میں تخت نشین ہوا، لیکن ایک سال کے بعد ہی اسے قتل کر دیا گیا،

(۱۳) ملک صالح اسمٰعیل ابو الفداء ۷۴۳ھ میں تخت پر بیٹھا، اس نے ڈھائی سال حکومت کی، یہ وہی ابو الفداء ہے جس کی لکھی ہوئی "تاریخ ابو الفداء" نہایت مستند مانی جاتی ہے

(۱۴) ملک کامل زین الدین شعبان ۷۴۶ھ میں تخت پر بیٹھا، اور چند ماہ کے بعد معزول کر دیا گیا،

(۱۵) ملک مظفر زین الدین حاجی ۷۴۷ھ میں سلطان بنا، مگر ایک ہی سال کے اندر قتل کر دیا گیا،

(۱۶) ملک ناصر حسن بن محمد ۷۴۸ھ میں تخت نشین ہوا، مگر پانچ سال کے بعد اسے معزول کر دیا گیا،

(۱۷) ملک صالح صلاح الدین محمد ۷۵۲ھ میں تخت پر بیٹھا، مگر ڈھائی سال کے بعد معزول ہو گیا

(۱۸) ملک ناصر حسن بن محمد ۷۵۵ھ میں دوسری بار تخت نشین ہوا، لیکن ۷۶۲ھ میں اسے قتل کر دیا گیا،

(۱۹) منصور محمد بن حاجی ۷۶۲ھ میں سلطان بنا، مگر دو برس کے بعد اسے بھی معزول کر دیا گیا،

(۲۰) ملک اشرف شعبان بن حسن سنہ ۷۶۴ھ میں تخت پر بیٹھا، مگر چودہ سال کی حکومت کے بعد یہ بھی قتل ہوگیا۔

(۲۱) ملک منصور علی بن شعبان سنہ ۷۷۸ھ میں سلطان بنا اور پانچ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوگیا۔

(۲۲) ملک صالح حاجی بن شعبان سنہ ۷۸۳ھ میں تخت نشین ہوا اور سنہ ۷۸۴ھ میں یہ حکومت سے دستبردار ہوگیا اور اس کی دستبرداری کے ساتھ ہی دولتِ قلاؤنیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

حکومت چرکسیہ

قلاؤنیہ خاندان کے غلاموں کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد ایوبی خاندان کے غلاموں کے تیسرے سلسلہ نے جو قبیلہ چرکسیہ سے تعلق رکھتے تھے مصر کی حکومت سنبھالی۔ اس غلام خاندان میں یہ سلاطین ہوئے ہیں۔

(۱) ملک الظاہر برقوق چرکسی۔ ملک صالح حاجی کی تخت سے دستبرداری کے بعد سنہ ۷۸۴ھ میں مصر میں تخت نشین ہوا۔ یہ خاندان چرکسیہ کا پہلا سلطان ہوا ہے۔ اس نے سترہ سال حکومت کی ہے۔

(۲) ملک الناصر فرج بن برقوق سنہ ۸۰۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ شامی امیر شیخ محمودی نے سنہ ۸۱۵ھ میں اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے معزول کر دیا تھا اور خود سلطان بن گیا تھا۔

(۳) شیخ محمودی سنہ ۸۱۶ھ میں مصر کا سلطان بنا اور آٹھ برس تک حکومت کرتا رہا۔

(۴) مظفر احمد بن شیخ سنہ ۸۲۴ھ میں تخت نشین ہوا، اس کی حکومت چند روزہ تھی، اسے قتل کر دیا گیا،

(۵) ملک الظاہر ططر سنہ ۸۲۴ھ میں تخت پر بیٹھا، یہ صرف چند روز سلطان رہا، یہ بھی قتل ہوا،

(۶) ملک صالح محمد بن ططر سنہ ۸۲۴ھ میں تخت نشین ہوا، مگر چند ماہ حکومت کرنے کے بعد خود تخت سے دست بردار ہوگا،

(۷) ملک الاشرف برس بائی سنہ ۸۲۵ھ میں مصر کا بادشاہ ہوا، اور سنہ ۸۴۱ھ تک برسرِ حکومت رہا

(۸) عزیز یوسف بن برس بائی سنہ ۸۴۱ھ میں تخت نشین ہوا، مگر ایک سال کے بعد ہی اس کی حکومت ختم ہو گئی،

(۹) ملک الظاہر جقمق سنہ ۸۴۲ھ میں سلطان بنا، اور سنہ ۸۵۷ھ تک حکومت کرتا رہا،

(۱۰) منصور عثمان بن جقمق سنہ ۸۵۷ھ میں سلطان بنا، مگر چند مہینے کے بعد معزول کر دیا گیا،

(۱۱) ملک الاشرف اینال سنہ ۸۵۷ھ میں تخت نشین ہوا، اور سنہ ۸۶۵ھ تک برسرِ حکومت رہا،

(۱۲) ملک موید احمد بن اینال سنہ ۸۶۵ھ میں تخت پر بیٹھا، اور چند روز میں معزول ہوگیا،

(۱۳) ملک الظاہر خوش قدم سنہ ۸۶۵ھ سے سنہ ۸۷۲ھ تک تخت نشین رہا، اور اپنی موت سے مرا،

(۱۴) ملک الظاہر بلبائی سنہ ۸۷۲ھ میں تخت نشین ہونے کے بعد چند روز میں جلاوطن ہوگیا،

(۱۵) ملک الظاہر تمر بغا ۸۷۲ھ میں تخت نشین ہو کر دو مہینے ہی کے اندر قید کر دیا گیا،

(۱۶) ملک الاشرف قائت بائی ۸۷۲ھ میں سلطان بنا، اور ۹۰۱ھ تک حکومت کرتا رہا،

(۱۷) ناصر بن محمد قائت بائی ۹۰۱ھ میں تخت پر بیٹھا، اور ۹۰۲ھ میں معزول ہوا،

(۱۸) ملک اشرف قانصوہ ۹۰۲ھ میں تخت نشین ہوا، مگر گیارہ روز کے بعد ہی گم ہو گیا،

(۱۹) ناصر محمد بن قائت بائی بار دوم ۹۰۲ھ میں تخت نشین ہوا، اور دو سال حکومت کی،

(۲۰) ملک ظاہر قانصوہ ۹۰۴ھ میں تخت پر بیٹھا، اور ۹۰۵ھ تک حکومت کی،

(۲۱) ملک الاشرف جان بلاط ۹۰۵ھ میں سلطان بنا، مگر ایک سال بعد جلاوطن کر دیا گیا،

(۲۲) ملک العادل طومان بائی ۹۰۶ھ میں تخت نشین ہوا، اور چار ماہ کے بعد قتل کیا گیا،

(۲۳) ملک اشرف قانصوہ ۹۰۶ھ میں تخت پر بیٹھا، اور دا سال حکومت کی،

(۲۴) ملک اشرف طومان ۹۲۲ھ میں تخت نشین ہوا،

ملک اشرف کو حکومت کرتے ہوئے ایک سال بھی نہیں ہوا تھا، کہ سلطان سلیم اول عثمانی نے ۹۲۳ھ میں مصر پر چڑھائی کر کے دولت چرکسیہ کا خاتمہ کر دیا، اور اس کے بعد مصر کا ملک سلطنت عثمانیہ ترکیہ میں شامل ہو گیا،

سلاطین عثمانیہ ترکیہ کا دورِ حکومت

ابتدائی حالات

سلاطین عثمانیہ کے جد اعلیٰ سلیمان شاہ ابن قیا چنگیزی حملے سے قبل علاقہ ماہان کے حکمران تھے، چنگیز خاں نے دوسرے علاقوں کی طرح جب اس علاقہ کو بھی لوٹ کر ویران کر دیا، تو سلیمان شاہ اپنے دونوں بیٹوں ارطغرل اور ڈونڈا اور دوسرے ترک قبائل کو ساتھ لے کر آرمینیہ کے قریب آکر آباد ہو گئے، اور اپنی طاقت کو از سر نو منظم کرنا شروع کر دیا

چنگیز خاں کی دست درازیاں برابر بڑھتی جا رہی تھیں، وہ ایک غیر مسلم مغل تھا، اور چاہتا تھا، کہ اسلامی حکومتوں کو چن چن کر ختم کر دیا جائے، چنانچہ اس نے رومی سلطنت پر جو سلجوقیوں کے ہاتھ میں تھی چڑھائی کر دی، رومی سلطنت کا دار الحکومت قونیہ (روم) میں تھا، اس حکومت کا فرمانروا اس وقت علاء الدین کیقباد سلجوقی تھا، سلجوقی حکومت عیسائیوں کے مقابلہ میں اگرچہ بڑے عظیم کارنامے انجام دے چکی تھی، مگر اب اس قدر کمزور ہو چکی تھی، کہ مقابلہ کرتے ہوئے جھجکتی تھی،

سلیمان شاہ بہت دیندار اور نیکوکار مسلمان تھا، اسے جب معلوم ہوا، کہ غیر مسلم چنگیزی طاقت نے علاء الدین کی سلجوقی حکومت پر حملہ کر دیا ہے، تو اس نے فوراً از راہ ہمدردی اپنے بیٹے ارطغرل کو ۵۰۰ جوانوں کے ساتھ مدد کے لئے روانہ کر دیا، ارطغرل جب پہنچا، تو اس نے دیکھا، کہ سلجوقی برابر پیچھے ہٹ رہے ہیں، اور عنقریب مغلوں کا قبضہ قونیہ پر ہونے والا ہے، ارطغرل اس منظر کو دیکھ کر اپنے جوانوں کے ساتھ میدان میں کود پڑا، اور ایسی دلیری سے لڑا، کہ مغلوں کے پیر میدان سے اکھڑ گئے، اور سلجوقیوں کو دم لینے کا موقعہ ملا،

تھوڑی دیر کے بعد ارطغرل کا باپ سلیمان شاہ بھی تازہ دم فوج لے کر مدد کو آگیا، اور دونوں نے مل کر سلجوقی حکومت کو مغلوں کے چنگل سے بچا لیا، علاء الدین اس مخلصانہ ہمدردی سے بہت متاثر ہوا، اور اس نے ارطغرل کو عیسائی علاقہ کے متصل انگورہ کے قریب ایک بڑی جاگیر دے دی، اور سلیمان شاہ کو اپنی تمام فوج کا سپہ سالار بنا دیا، مگر سلیمان تھوڑے ہی دنوں کے بعد دریائے فرات پار کرتے ہوئے ڈوب گیا،

سلطنت عثمانیہ کا بانی

ارطغرل باپ کے مرنے کے بعد اپنی رومی جاگیر میں بدستور جما بیٹھا رہا، اس نے رومی عیسائیوں کو شکستوں پہ شکستیں دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ جما کر اپنی جاگیر کو خوب وسیع کر لیا، اور فوجی طاقت کو بھی خوب بڑھا لیا، ارطغرل کے مضبوط ہونے کے بعد چونکہ روم کی

سلجوقی سلطنت عیسائیوں کی دست برد سے محفوظ ہو گئی تھی، اس لئے سلطان علاؤالدین کیقباد ارطغرل کی اس کامیابی سے بے حد خوش تھا۔ سنہ ۶۳۴ھ میں علاؤالدین کیقباد کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو تخت نشین ہوا، تو اس نے بھی ارطغرل کو خوب نوازا۔

ارطغرل کے ہاں سنہ ۶۵۷ھ میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عثمان خاں رکھا گیا یہی عثمان خاں سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا بانی ہے۔ سنہ ۶۸۷ھ میں جب ارطغرل نے وفات پائی تو یہ سلطان علاؤالدین سلجوقی کا زمانہ تھا۔ علاءالدین ثانی نے ارطغرل کے مرنے کے بعد نہ صرف عثمان خاں کو باپ کی وسیع جاگیر پر بحال رکھا بلکہ اسے اپنی سلطنت کا سپہ سالار بھی بنا دیا اور اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی بھی کر دی۔ اس کے بعد عثمان خاں بہت جلد سپہ سالاری سے وزیر اعظم کے عہدہ پر پہنچ گیا اور روم کی سلجوقی حکومت کا مختار مطلق بن گیا۔ سلطان علاءالدین ثانی کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی صرف ایک لڑکی تھی جو عثمان کے عقد میں تھی اس لئے جب سنہ ۶۹۹ھ میں علاءالدین ثانی فوت ہوا تو اراکین سلطنت نے عثمان خاں کو سلجوقی سلطنت کے تخت پر بٹھا دیا اور اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اس طرح پرانی سلجوقی سلطنت کی بنیادوں پر سلطنت عثمانیہ ترکیہ کی نئی عمارت قائم ہو گئی۔

حکومت عثمانیہ کا پہلا بادشاہ سلطان عثمان خاں

سلطان عثمان خاں غازی جس وقت قونیہ (روم) میں تخت نشین ہوا ہے تو قونیہ کی سلطنت کی حالت بڑی نازک تھی، ایک طرف تو رومی عیسائیوں نے اور دوسری طرف مغلوں نے اس پر بار بار یورشیں کر کے بے جان کر دیا تھا لیکن عثمان خاں غازی کے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اس مردہ سلطنت میں نہ صرف نئی زندگی پیدا ہو گئی، بلکہ یہ سلطنت آگے چل کر اتنی مضبوط بن گئی، کہ اس کے حوصلہ مند حکمرانوں نے سارے یورپ کو ہلا ڈالا،

رومی عیسائیوں نے چونکہ اسلامی علاقوں میں بری طرح تباہی مچا رکھی تھی، اس لئے عثمان خاں غازی تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلے عیسائیوں کی جانب متوجہ ہوا، اور اس نے عیسائیوں سے شہر قرا حصار فتح کر کے اسے قونیہ کی بجائے اپنا دارالسلطنت قرار دیا، اس کے بعد عثمان خاں نے پے در پے عیسائی علاقوں پر حملے کر کے شہر پر شہر فتح کرنے شروع کر دیئے، اور عیسائیوں کو ایشیائے کوچک سے نکالنے کے لئے عظیم الشان تیاریاں شروع کر دیں،

قیصر روم قسطنطنیہ نے جب دیکھا، کہ اسلامی فتوحات کا سیلاب بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے، تو انہوں نے مغلوں سے مل کر عثمانیہ حکومت کے خلاف ایک متحدہ محاذ تیار کر لیا، لیکن عثمان خاں نے کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے بیٹے ارخان کو مغلوں کے مقابلہ پر چھوڑا، اور خود عیسائیوں کے علاقہ پر حملے شروع کر دیئے، مغل ارخان کے مقابلہ

کی تاب نہ لا سکے، اور بھاگ کھڑے ہوئے، اب دونوں باپ بیٹے عیسائیوں پر ٹوٹ پڑے، اور ان کو مغرب کی جانب اس حد تک دھکیل کر لے گئے، کہ قیصر روم کا زبردست شہر بروصہ فتح کر لیا، مگر خدا کی قدرت کہ عثمان خاں بروصہ پہنچتے ہی ۷۲۶ھ میں وفات پا گیا،

عثمان خاں نہایت بہادر اور مدبر بادشاہ تھا، اس نے عثمانیہ حکومت کی بنیاد رکھ کر اتنا مضبوط بنا دیا، کہ عیسائیوں کے حوصلے پست ہو گئے،

ترکی جھنڈے پر چاند اور تارے کا نشان عثمان خاں مرحوم کا جاری کردہ ہے، جو آج بھی اس کی یاد تازہ کئے ہوئے ہے۔

سلطان ارخان ابن عثمان خاں

ارخان اپنے باپ کا سچا جانشین ثابت ہوا، وہ اگرچہ عثمان خاں کا چھوٹا بیٹا تھا، مگر اس کی قابلیت کی وجہ سے بڑے بھائی علاؤالدین نے اس کو بادشاہ تسلیم کر لیا، اور گہری محبت کا ثبوت دیا،

ارخان ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) میں تخت نشین ہوا، اور اپنے بڑے بھائی علاؤالدین کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا، سلطان ارخاں جس کی جنگی قابلیت مسلمہ تھی اپنے باپ کا سچا جانشین ثابت ہوا، اس نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں تمام ایشیائے کوچک کو فتح کر کے دردانیال کے ساحل تک اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا، چنانچہ اس نے گنڈہ ایدس، بسمندرہ، عنکولہ، قلسا، نیک، اور گیلی پولی کو عیسائیوں سے چھین لیا، گیلی پولی بڑا اہم مقام تھا، جو قسطنطنیہ کی حد پر واقع تھا، ارخان کی اس عظیم الشان فتوحات اور پیش قدمیوں نے قیصر روم قسطنطنیہ کو بادل نخواستہ اس کے لئے مجبور کر دیا، کہ وہ سلطان سے خصوصی تعلقات قائم کرے، چنانچہ قیصر نے سلطان کی خدمت میں پیغام بھیجا، "میں اپنی خوبصورت بیٹی تھیوڈرا کی شادی آپ کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، امید ہے، کہ آپ اس لڑکی کو قبول فرما کر میری عزت افزائی کریں گے" سلطان ارخاں نے قیصر روم کی اس درخواست کو منظور کر لیا، اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ قیصر روم کی بیٹی تھیوڈرا کی شادی سلطان کے ساتھ ہو گئی،

عثمان غازی نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مرتے وقت ارخان کو وصیت کی تھی، کہ "آئندہ بروصہ کو دارالسلطنت بنا لینا" باپ کی اس وصیت کے مطابق ارخاں نے بروصہ کو دارالسلطنت قرار دے دیا، اور اپنی سلطنت کو وسعت دے کر یورپ کے ساحل تک پہنچا دیا، ارخاں جب تک زندہ رہا، اس کی تمام تر توجہات ایشیائے کوچک اور یورپ کی فتوحات پر مبذول رہیں، یہ بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ ۳۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۶۱ھ میں فوت ہو گیا، انتقال کے وقت ارخان کی عمر ۷۵ سال تھی،

سلطان مراد خاں اول:۔ ارخان کے بعد اس کا بیٹا مراد خاں اول ۷۶۱ھ میں تخت نشین ہوا

اس نے بھی اپنے باپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی تمام کوششیں یورپ کی فتح کے لئے وقف کردیں چنانچہ سال ۷۶۱ھ میں یہ فوج لے کر ساحل یورپ پر جا اترا، اور ایڈریانوپل جیسے کلیدی مقام کو فتح کرنے کے بعد اسے دارالسلطنت قرار دے دیا، ایڈریانوپل کی تسخیر اور اسے دارالسلطنت قرار دینا چونکہ یورپ کی فتح کا پیش خیمہ تھا، اس لئے سلطان کے خلاف سارے یورپ میں شدید ہیجان برپا ہوگیا قیصر روم قسطنطنیہ اور روما کے پوپ نے مسلمانوں کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کردیا، بس پھر کیا تھا، بلغاریہ، سرویہ، ہنگری، بوسنیا اور قیصر روم کی فوجوں نے ۷۶۵ھ میں ایڈریانوپل کو چاروں طرف سے گھیر لیا، عیسائیوں کی فوجیں اگرچہ لاکھوں کی تعداد میں تھیں لیکن ترکوں کی حوصلہ مندی قابل داد ہے، کہ انہوں نے صرف ۲۰ ہزار کے لشکر سے لاکھوں عیسائیوں کو کاٹ کر رکھ دیا، اس کے علاوہ آگے بڑھ کر تھریس اور رومیا بھی فتح کرلیا، اور وہاں بھی ترکی حکومت قائم کردی،

مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ میں یورپ کی بڑی بڑی حکومتوں کی یہ شکست بڑی ہی شرمناک بات تھی، لہٰذا اس شکست کا داغ مٹانے کے لئے یورپین حکومتوں نے پھر ایک بار متحد ہوکر ۷۸۰ھ میں سلطنت عثمانیہ پر حملہ بول دیا سرویہ، بلغاریہ، ہنگری، بوسنیا، پولینڈ، اٹلی اور قسطنطنیہ کی فوجیں جن کی تعداد کئی لاکھ تھی، اس حملہ میں مسلمانوں کے خلاف دوش بدوش لڑ رہی تھیں لیکن مجاہد اسلام مراد خاں نے اس مرتبہ بھی ایک مختصر فوج کے ذریعہ درجن سے زیادہ یورپین ممالک کو شکست فاش دے دی، اس شکست کے بعد سرویہ کے سلطان نے خراج اور اطاعت کے وعدہ پر اپنی جان بچائی، بلغاریہ کے بادشاہ نے اپنی خوبصورت بیٹی سلطان کی خدمت میں نذر کرکے آئندہ مطیع رہنے کا وعدہ کیا، اور قیصر روم نے اپنی تین حسین وجمیل لڑکیاں سلطان کی خدمت میں پیش کرکے خواہش کی، کہ ان میں سے ایک لڑکی سے تو سلطان خود نکاح کرلے، اور دو لڑکیوں کا نکاح اپنے دونوں بڑے بیٹوں سے کردے، غرضیکہ یورپین ممالک کو سلطان مراد خاں کے مقابلہ میں دوسری مرتبہ بھی بری طرح ذلت اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا،

اس شکست اور ذلت کے باوجود بھی یورپین ممالک چین سے نہیں بیٹھے، چنانچہ پچھلی دو شکستوں کا انتقام لینے کے لئے سنہ ۷۹۲ھ میں سارا کا سارا یورپ ترکوں کے مقابلہ پر صف آرا ہوگیا، سرویہ اور بلغاریہ گو مطیع ہوچکے تھے لیکن دیگر عیسائی ممالک کی شہ پران ممالک کی عیسائی فوجوں نے بھی بغاوت برپا کرکے بیس ہزار ترکوں میں سے پندرہ ہزار کو شہید کردیا، اس زمانہ میں مراد خاں بروصہ میں تھا، وہ اس حادثہ کی اطلاع پاتے ہی فوج لے کر عیسائیوں کے مقابلہ پر جا پہنچا، اور کسووا کے میدان میں خیمہ زن ہوگیا، ایک طرف یورپ کے درجنوں بادشاہ اور امراء تھے، اور دوسری طرف تن تنہا مراد خاں اور اس کا مختصر سا لشکر تھا، جانبین میں خوفناک جنگ چھڑ گئی، اس جنگ میں بھی حسب دستور عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی، عیسائیوں کا سپہ سالار اعظم شاہ سرویہ اور مختلف یورپین ممالک کے بہت سے کاؤنٹ گرفتار ہوگئے، لیکن فتح کی یہ خوشی جلد ہی غم میں تبدیل ہوگئی، کیونکہ سرویہ کے ایک چالاک عیسائی سوار نے

اسلام قبول کرنے کے بہانہ سے مراد خاں کی خدمت میں حاضر ہوکر خنجر سے سلطان کے سینہ پر ایسا مہلک وار کیا کہ سلطان جانبر نہ ہوسکا، حملہ آور کو فوراً ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور شاہ سرویہ جو گرفتار تھا، اس کی گردن اڑادی گئی یہ واقعہ سنہ ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) کا ہے،

سلطان بایزید یلدرم

مراد خاں اول کی موت کے بعد اس کا بیٹا بایزید یلدرم سنہ ۷۹۱ھ میں بادشاہ ہوا تخت نشینی کے فوراً ہی بعد اس نے سب سے پہلے ایشیائے کوچک کے ان باغیوں کی سرکوبی کی جو سلطنت عثمانیہ کے لئے مستقل خطرہ بنتے چلے جا رہے تھے، اس کے بعد جب اسے معلوم ہوا، کہ یورپین حکومتیں پھر سلطنت عثمانیہ کے خلاف یورش کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی ہیں، اور سرویہ و بوسینیا میں بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے ہیں، تو وہ سیدھا یورپ جا پہنچا، اور بوسینیا سے لے کر دریائے ڈینیوب تک کا سارا علاقہ فتح کر کے اسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا، سلطنت عثمانیہ کے سب سے بڑے دشمن قیصر روم نے جب دیکھا، کہ ترکوں کی طاقت ناقابل تسخیر حد تک بڑھ چکی ہے، تو اس نے مردانہ وار مقابلہ کی بجائے عیاری اور مکاری کو اپنا شعار بنالیا، چنانچہ اس نے بظاہر تو سلطان بایزید یلدرم سے اقرار اطاعت کے بعد صلح کر لی، لیکن در حقیقت وہ سلطنت عثمانیہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا، چنانچہ اس نے اپنے ایلچی بھیج بھیج کر اور ایران خراسان، فارس اور شام و عراق کے مسلم سلاطین سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے ان کو ترکوں کے خلاف بھڑکانا شروع کیا، لیکن جب اس کی یہ چال بھی کارگر ثابت نہ ہوئی، تو اس نے حسب سابق مذہب اور صلیب کے نام پر یورپین حکومتوں کو سلطنت عثمانیہ کے خلاف آمادہ فساد کر دیا، قیصر روم یہ سب کچھ اندر ہی اندر کرتا رہا، لیکن بظاہر ترکوں کا اطاعت شعار بنا رہا،

یورپین ممالک کی یورش عظیم

قیصر روم کی ان ریشہ دوانیوں کا نتیجہ یہ نکلا، کہ سنہ ۷۹۹ھ میں پھر ایک بار تمام یورپین حکومتیں متحد ہو کر سلطنت عثمانیہ پر ٹوٹ پڑیں، اس مرتبہ تمام سابق عیسائی حکومتوں کے علاوہ انگلستان، جرمنی اور فرانس بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ ترکوں کے مقابلہ پر میدان میں آ گئے یعنی انگلستان، پولینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی، آسٹریا، ہنگری اور بوسینیا وغیرہ سب کے سب متحد ہو کر سلطنت عثمانیہ کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے، قیصر روم میں چونکہ کھلم کھلا سامنے آنے کی ہمت نہیں تھی، اس لئے وہ در پردہ اس میں شامل تھا، سچ تو یہ ہے، کہ اس جنگ کا اصلی محرک وہی تھا، اس تاریخی جنگ میں ہنگری کا بادشاہ سجمنڈ مسیحی فوجوں کی کمان کر رہا تھا، عیسائیوں کا یہ لشکر عظیم جو دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کو اجاڑ دینے کے لئے کافی تھا، اس نے بیک وقت سلطنت عثمانیہ کے کئی علاقوں پر حملہ کر دیا، اور بڑی تیزی کے ساتھ شہر پر شہر فتح کرنے شروع کر دیئے،

سلطان بایزید بھی برق و باد کی طرح فوج لے کر مقابلہ پر آڈٹا۔ اور نکوپولس کے میدان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن جنگ چھڑ گئی، ایک طرف ترکوں کی تیس چالیس ہزار فوج تھی، دوسری طرف یورپ کی تمام حکومتیں پانچ چھ لاکھ کا لشکر عظیم لئے ہوئے سلطنت عثمانیہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی تھیں۔ ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے، کہ سلطنت عثمانیہ باقی رہ جائے گی لیکن دنیا کی تاریخ کا یہ عظیم الشان اور حیرت انگیز واقعہ ہے، کہ صرف تیس چالیس ہزار اسلامی سرفروشوں نے یورپ کی درجنوں حکومتوں کے لاکھ سورماؤں کو نکوپولس کے میدان میں ایسی شکست دی، کہ دنیا حیران رہ گئی، اس شکست کے بعد شاہ ہنگری سجمنڈ کو جان بچا کر بھاگ گیا لیکن انگلستان، فرانس، آسٹریا، اٹلی اور ہنگری وغیرہ کے بہت سے بڑے بڑے شاہزادے، نواب اور سپہ سالار اپنے لاکھوں ساتھیوں کو قتل کرا کے گرفتار ہو گئے،

بایزید کے حوصلے

سلطان بایزید یلدرم اپنے دور کا کس قدر حوصلہ مند اور کتنا بڑا انسان تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ جب نکوپولس کے جنگ کے بعد اس کے سامنے یورپ کے بڑے بڑے پچیس فرمانروا اور شہزادے گرفتاری کے بعد پیش کئے گئے تو اس نے ان کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ ان سے کہا کہ "تم لوگوں نے ناحق میرے ملک پر حملہ کرنے کی تکلیف گوارہ کی میں خود ہنگری، آسٹریا، فرانس، جرمنی اور اٹلی کی فتح کا عزم کر چکا ہوں۔ اس لئے میں خود ہی تمہارے ملکوں میں آنے والا تھا میرا ارادہ ہے کہ میں شہر روما فتح کر کے سینٹ پیٹر کی قربان گاہ میں اپنے گھوڑے کو دانہ کھلاؤں۔ اس لئے میں تم سب کو آزاد کرتا ہوں تاکہ تم اطمینان کے ساتھ پہلے سے میرے مقابلہ کی تیاریاں کر سکو۔ انشاء اللہ اب تم لوگوں سے تمہارے ملکوں میں ملاقات ہو گی۔ مجھ کو اگر تمہاری طرف سے ذرا بھی اندیشہ یا خوف ہوتا تو میں تم کو یا تو قتل کر دیتا یا اقرار لیتا کہ تم آئندہ میرے مقابلہ پر نہیں آؤ گے لیکن اس کے برخلاف میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم اپنے ملکوں میں پہنچتے ہی فوج کی فراہمی اور میرے مقابلہ کی زیادہ سے زیادہ تیاریاں شروع کر دینا تاکہ تمہاری کوئی آرزو نہ باقی رہ جائے لہٰذا تم سب آزاد کئے جاتے ہو" تاریخ اسلام کا صرف ایک یہی واقعہ ایسا ہے جس کی مثال دنیا کی دوسری قوموں کی تاریخوں میں مفقود ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان مجاہدین اور فرمانرواؤں کے حوصلے کس قدر بلند تھے۔ اور ان میں کس بلا کا فاتحانہ جوش موجود تھا۔

یورپ کے پچیس فرمانرواؤں اور شہزادوں کو رہا کرنے کے چند ماہ بعد ہی سلطان بایزید یلدرم یورپین ممالک کی فتح کی اس مہم میں مصروف ہو گیا جس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ واقعی اس نے پورے یورپ کی فتح کی مکمل تیاریاں کر لی تھیں چنانچہ سب سے پہلے اس نے یونان کا رخ کیا اور ایتھنس کو فتح کر لیا اسی دوران میں اس کے سپہ سالاروں نے آسٹریا اور ہنگری پر حملہ کر کے ان ممالک کے اکثر و بیشتر حصے زیر کر لئے بایزید قیصر روم والئی قسطنطنیہ

کی ریشہ دوانیوں اور ابن الوقتیوں سے تنگ آچکا تھا، اس لئے وہ یہ چاہتا تھا، کہ اٹلی، جرمنی اور فرانس کی جانب رخ کرنے سے قبل اس نئی گھونسے کو ہمیشہ کے لئے ختم کردے، لہٰذا اس نے یونان آسٹریا اور ہنگری کی فتوحات کے بعد اپنی فوجوں کا رخ قسطنطنیہ کی جانب پھیر دیا، سلطان کا قسطنطنیہ کی طرف رخ کرنا تھا، کہ قیصر روم نے رو رو کر اور گڑگڑا گڑگڑا کر معافیاں طلب کرنی شروع کردیں، سلطان اس مکار کے فریب میں آگیا، اور اس عیار کو معافی دے دی،

بایزید کی گرفتاری

قیصر روم قسطنطنیہ نے سلطان بایزید یلدرم سے پیچھا چھڑا لینے کے بعد اپنی عیاری کے ترکش سے ایک ایسا تیر نکالا جو بے خطا ثابت ہوا، یعنی اس نے نہایت ہوشیار ایلچیوں کو بھیج کر امیر تیمور کو جس کی فتوحات کا ڈنکا بج رہا تھا، سلطان بایزید کے خلاف صف آرا کردیا۔ اس عیار قیصر کی اس سے بڑھ کر اور کیا عیاری ہوسکتی تھی، کہ اس نے ایک مسلمان حکمران سے دوسرے مسلمان حکمران کو بھڑا دیا۔ اس نے تیمور کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی، کہ اگر بایزید یلدرم کی طاقت اسی طرح بڑھتی رہی، تو وہ ایک نہ ایک دن تیموری سلطنت کو بھی اسی طرح مٹا کر رکھ دے گا جس طرح کہ اس وقت وہ یورپ کی سلطنتوں کو مٹا رہا ہے۔ قیصر کے ایلچیوں نے تیمور کو مشتعل کرنے کے لئے بتایا، کہ بایزید نے محض تیموری سلطنت کے خلاف کارروائی کرنے کی غرض سے اپنی حکومت میں تیموری باغیوں کو پناہ دے رکھی ہے۔"

تیمور اور اس کے ساتھی پہلے ہی سلطنت عثمانیہ کے عروج کو حسد کی نظر سے دیکھ رہے تھے، قیصر نے جب انہیں اشتعال دلایا، تو وہ آپے سے باہر ہوگئے۔ تیمور کی کیفیت یہ تھی، کہ وہ اپنے فاتحانہ زعم اور جوش کے مقابلہ میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہیں کرتا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے، کہ اس کی شمشیر بے نیام سے سونی صدی مسلم حکومتوں ہی کا خاتمہ ہوا ہے، اسے بھلا اس اسلامی حکومت پر ہاتھ ڈالنے پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا، چنانچہ اس نے کسی تاخیر کے بغیر سلطنت عثمانیہ کے مٹانے کی تیاریاں شروع کردیں، ان تیاریوں کے بعد تیمور سمرقند سے آذربائیجان پہنچا، اور آذربائیجان و آرمینیہ میں یہ مغل سردار خون کی ندیاں بہاتا ہوا، اور درمیانی علاقوں کو تاراج کرتا ہوا ۸۰۴ھ میں بایزید کے مقابلہ کے لئے انگورہ کے مورچہ پر جا ڈٹا، اس کے ہمراہ پانچ لاکھ سے کم فوج نہ تھی، اس کے برخلاف بایزید کی فوج کی تعداد کل چالیس ہزار تھی، دونوں اسلامی فوجوں میں معرکہ آرائی شروع ہوگئی، اور مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہنے لگا، اس شرمناک اور تباہ کن جنگ کی تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے قصہ مختصر یہ ہے، کہ جب سلطان بایزید مغلوں کی صفوں کو چیرتا ہوا عین اس مقام پر پہنچا جہاں تیمور کھڑا ہوا اپنی فوجوں کو لڑا رہا تھا، تو یکایک بایزید کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، بایزید گھوڑے سے گرا، اور گرتے ہی اس عثمانی شیر کو گرفتار کرلیا گیا، اور اس طرح وہ مرد مجاہد جس سے سارا یورپ کانپتا تھا، اپنے ہی ایک مسلمان بھائی کا قیدی بن گیا،

تیمور کی وحشیانہ حرکات

تیمور نے اس مردِ مجاہد کو گرفتار کرنے کے بعد اس کے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک کیا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ تیمور مدتوں اس عثمانی شیر کو ایک لوہے کے پنجرے میں قید کر کے ساتھ ساتھ لئے پھرا۔ تیمور اور بایزید کے کردار کا بین فرق یہ ہے کہ جب بایزید کے سامنے پچیس غیر مسلم فرمانروا اور شاہزادے گرفتار کر کے پیش کئے جاتے ہیں، تو وہ ان کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیتا ہے، لیکن تیمور جب ایک باعظمت مسلمان بادشاہ کو گرفتار کرتا ہے، تو انتہائی بربریت کا ثبوت دیتے ہوئے پنجرہ میں بند کر کے اسے نچاتا پھرتا ہے۔ تیمور کے اس ذلت آمیز سلوک کا نتیجہ یہ نکلا، کہ خوددار بایزید آٹھ ماہ کے بعد ہی ۸۰۵ھ میں اسی پنجرہ کے اندر فوت ہو گیا۔ تیمور نے یہ مہربانی ضرور کی، کہ مرنے کے بعد بایزید کی لاش اس کے لڑکوں کے سپرد کر دی جس کو انہوں نے بروصہ لا کر دفن کر دیا۔

سلطان محمد خان اول

بایزید کے انتقال کے بعد عثمانیہ حکومت خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئی۔ بایزید کے بیٹوں میں سرکشی شروع ہوگئی اور مدت تک چلتی رہی۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں نے اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام اپنے مقبوضات واپس لے لئے اور ان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ یہ جنگ تقریباً دو برس تک چلتی رہی اور ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر بایزید کے چھوٹے بیٹے محمد خاں اول نے دوسرے سب بھائیوں کو شکست دے کر اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ یہ ۸۱۶ھ کا واقعہ ہے۔ سلطان محمد خاں اول قابلِ ستائش ہے اور اس کی ہوشمندی اور حوصلہ مندی قابلِ تعریف ہے کہ اس نے جب اس برباد شدہ سلطنت کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے بگڑے ہوئے نظام کو درست کر کے نئے سرے سے اس سلطنت کو مضبوط بنایا۔ اور تمام عیسائی سلاطین سے دوستانہ تعلقات پیدا کر کے اپنی طاقت کو بڑھانے کا موقع نکال لیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محمد خاں اول بڑے نازک وقت میں تخت نشین ہوا تھا لیکن اس نے پھر بھی اپنی حکمتِ عملی سے سلطنتِ عثمانیہ کے مردہ جسم میں نئی روح اور زندگی پیدا کر دی۔ یہ سلطان آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد سکتہ کے مرض میں مبتلا ہو کر ۸۲۵ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان مُراد خاں ثانی

سلطان مراد خاں ثانی اپنے باپ محمد خاں اول کے بعد ۸۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ روم (قسطنطنیہ) کے قیصر نے اسے پریشانی میں مبتلا کرنے کی غرض سے بایزید یلدرم کے فرضی بیٹے مصطفےٰ کو فوجی مدد دے کر مراد خاں کے مقابلہ پر صف آرا کر دیا۔ اگر مراد خاں نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ مراد خاں نے مصطفےٰ کے فتنہ سے نجات پاتے ہی قیصر سے انتقام لینے کی غرض سے قسطنطنیہ پر چڑھائی کر دی۔ قیصر روم نے جب دیکھا کہ اب قسطنطنیہ کا بچانا دشوار ہے تو اس نے یہ چال

چلی، کہ ایشیائے کوچک میں سلطان کے بھائی مصطفےٰ بن محمد سے بغاوت برپا کرا دی، یہ بغاوت اس قدر شدید تھی، کہ مراد خاں کو مجبوراً قسطنطنیہ سے محاصرہ اٹھا کر ایشیائے کوچک کی جانب دوڑنا پڑا، مراد خاں نے جب اس بغاوت کو کچلنے کے بعد اپنے باغی بھائی مصطفےٰ بن محمد کو قتل کر دیا، تو قیصر روم کو اپنی فکر ہوئی چنانچہ اس نے حسب سابق معافی مانگ کر صلح کر لی،

مراد خاں اب یورپ کے دوسرے ممالک کی جانب متوجہ ہوا چنانچہ اس نے ۸۳۴ھ میں یونان کا جنوبی حصہ اور سالونیکا فتح کر لیا، ۸۴۲ھ میں جب ٹرانسلوینیا کے عیسائیوں نے علم بغاوت بلند کیا، تو سلطان نے حملہ کر کے ستر ہزار عیسائیوں کو قید کر لیا، اور باغی لیڈروں کو عبرت ناک سزائیں دیں،

یورپ کے عیسائی حکمرانوں کا یہ دستور سا ہو گیا تھا، کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد متحد ہو کر برابر سلطنت عثمانیہ پر حملے کرتے رہتے تھے، چنانچہ ۸۴۷ھ میں ہنگری، سرویہ، والیشیا، پولینڈ، جرمنی، اٹلی، فرانس، آسٹریا، بوسنیا اور البانیہ کی فوجوں نے ہنگری کے سپہ سالار جان ہنی ڈینر کی سرکردگی میں اچانک سلطنت عثمانیہ پر حملہ کر دیا، ترک چونکہ مقابلہ کے لئے تیار نہ تھے، اس لئے انہیں شکست ہو گئی، اس جنگ میں تقریباً چار ہزار ترک مارے گئے، ہزاروں گرفتار ہوئے، اور جان ہنی ڈینر پورے رومیلیا کو تاراج کرنے کے بعد ہنگری واپس چلا گیا، ترکوں کو اس شکست کے بعد سرویہ کی آزادی تسلیم کر لینی پڑی، والیشیا کا صوبہ ہنگری کو دینا پڑا، اور دس سال کے لئے عیسائیوں سے صلح ہو گئی،

ترکوں اور عیسائیوں کے مابین دس سال کے لئے جو صلحنامہ ہوا تھا، ابھی اس کی سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی، کہ عیسائیوں نے صلح کی شرائط کو توڑ کر ادرنہ کی سرحدوں پر حملے کر کے وارنا فتح کر لیا، مراد خاں ثانی اس بد عہدی کی اطلاع پاتے ہی فوج لے کر وارنا جا پہنچا، اور عیسائیوں سے جنگ چھڑ گئی، عیسائیوں کا لشکر اگرچہ ترکوں کے لشکر سے چار گنا تھا، لیکن اس جنگ میں شاہ ہنگری کے مارے جانے کے بعد عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اور ان کے تمام بڑے بڑے سردار اور بشپ مارے گئے، اس غیر متوقع فتح سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے، ترکوں نے سرویہ کو فتح کرنے کے بعد اسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا، اس تاریخی معرکہ کے بعد بھی عیسائی بار بار سلطنت عثمانیہ پر حملے کرتے رہے، لیکن ان کو تقریباً ہر جنگ میں شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اور سلطنت عثمانیہ کا رقبہ ہر جنگ کے بعد بڑھتا ہی چلا گیا، سلطان مراد خاں ثانی ساری عمر عیسائیوں سے جنگ کرتا رہا، اس نے عثمانیہ سلطنت کو وسعت بھی دی، اور مضبوط بھی کیا، یہ بادشاہ ۳۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۵۵ھ میں فوت ہو گیا

محمد خاں ثانی

سلطان مراد خاں ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد خاں ثانی ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں ایڈریانوپل میں تخت نشین ہوا، جب محمد خاں ثانی تخت نشین ہوا ہے، تو سابق قیصر روم

گئے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قسطنطین دوازدہم قیصر بن چکا تھا، یہ بھی اپنے باپ کی طرح بے حد چالاک اور عیار تھا، چنانچہ اس نے ایشیائے کوچک کے مسلم امیروں اور سرداروں کو بھڑکا کر محمد خاں ثانی کے تخت نشین ہوتے ہی سخت بغاوت برپا کرادی تھی لیکن محمد خاں ثانی نے فوراً ایشیائے کوچک پہنچ کر اس بغاوت کو کچل ڈالا جب ایشیائے کوچک کی بغاوت دب گئی، تو قیصر روم قسطنطین نے نئے نئے فتنے برپا کرنے شروع کر دیئے، روم کے قیصروں کا وجود چونکہ زمانہ دراز سے سلطنت عثمانیہ کے لئے ایک مستقل مصیبت بنا ہوا تھا، اس لئے محمد خاں ثانی نے یہ فیصلہ کیا، کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کا سد باب کر دیا جائے، چنانچہ مناسب تیاریوں کے بعد سلطان نے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا،

قسطنطنیہ کی فتح

قیصر روم والئی قسطنطنیہ کو چونکہ پہلے ہی سے سلطان کے اس حملہ کی اطلاع ہو گئی تھی اس لئے اس نے اپنی امداد اور پشت پناہی کے لئے یورپ کی تقریباً تمام سلطنتوں کو آمادہ کر لیا تھا، اور ان سلطنتوں کی لاتعداد فوجیں قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے قسطنطنیہ پہنچ گئی تھیں، سلطانی فوجیں تقریباً دو ماہ تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے رہیں، لیکن مد مقابل چونکہ بے حد مضبوط تھا، اس لئے کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور محصورین نے قلعہ بند ہو کر ایسی سختی کے ساتھ مقابلہ کیا، کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے لگے، ترکوں نے اس بات کی انتہائی کوشش کی، کہ وہ کسی طرح شہر میں داخل ہو جائیں چنانچہ ہزاروں سرفروش ترکوں نے فصیل پر چڑھ کر، اور جان پر کھیل کر شہر میں اترنا چاہا، مگر سب کی جانیں ضائع ہو گئیں، ترکوں نے جب یہ محسوس کر لیا، کہ قسطنطنیہ کی تسخیر کوئی آسان کام نہیں ہے، تو انہوں نے قسطنطنیہ کی فتح کے لئے اپنی پوری بحری اور بری طاقت لگا دی، اور ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو بری اور بحری دونوں راستوں سے پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا، اس حملہ کے دوران میں قدرت خداوندی سے شہر کی فصیل کا وہ حصہ جو سلطان کے سامنے تھا، جب یکایک خود بخود گر پڑا، تو اسلامی فوجیں سیلاب کی طرح قسطنطنیہ میں داخل ہو گئیں، قسطنطنیہ کے زیر ہوتے ہی سلطان محمد خاں ثانی اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا سیدھا ایا صوفیہ کے گرجا کی طرف پہنچا، اور گرجا میں داخل ہو کر سب سے پہلے اذان دی، اللہ اکبر کی یہ پہلی صدا تھی، جو طلوع اسلام کے بعد قسطنطنیہ سے بلند ہوئی، اذان کے بعد سلطان نے مع فوج کے ایا صوفیہ کے گرجا میں نماز ظہر پڑھی، اور خدا کا شکر ادا کیا،

عیسائیوں کا قبول اسلام

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد وہاں کے عیسائی باشندے بے حد خوفزدہ تھے، کہ نہ جانے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، لیکن سلطان نے ان کے ساتھ ایسا نرم سلوک کیا، جس کی ان کو توقع بھی نہ تھی، قسطنطنیہ کے تمام عیسائی باشندوں کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا، سب کو ان کے اموال و جائداد پر بدستور قابض رہنے دیا، ایا صوفیہ کے گرجا

کے علاوہ عیسائیوں کے تمام گرجاؤں اور خانقاہوں کو جوں کا توں قائم رکھا۔ لشپ اعظم اور پادریوں کے اختیارات بدستور برقرار رکھے۔ عیسائیوں کو کامل مذہبی آزادی عطا کر دی۔ گرجوں کے مصارف اور خرچ کے اخراجات کیلئے بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ جنگی قیدیوں کو فتحمند فوجیوں سے خرید خرید کر سلطان نے خود آزاد کیا۔ سلطان کے اس حسن سلوک کا یہ نتیجہ نکلا کہ قسطنطنیہ کے عیسائیوں کی بیشتر تعداد نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد خان ثانی نے اسے سلطنت عثمانیہ کا دارالسلطنت قرار دیا۔

قسطنطنیہ کے انتظام سے فارغ ہوتے ہی سلطان جدید فتوحات میں مصروف ہو گیا۔ اس نے یونان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو فتح کیا۔ پھر سلطان سروبیہ اور بوسینا کی جانب متوجہ ہوا۔ ان ممالک کے فرمانروا اقرار اطاعت کے باوجود باغی ہو گئے تھے۔ سلطان نے ان ممالک کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد سلطان نے ہنگری کے دارالسلطنت بلگریڈ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں چونکہ محمد خان ثانی زخمی ہو گیا تھا اسلئے اس کی فتح نامکمل رہ گئی۔ سلطان جب تندرست ہو گیا تو اسے فوراً البانیہ کی جانب متوجہ ہونا پڑا کیونکہ البانیہ میں بغاوت برپا ہو گئی تھی۔ البانیہ پہنچنے کے بعد اس نے البانیہ کو زیر کر کے اسے بھی سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد سلطان نے دریائے ڈینیوب کے شمالی صوبوں سے لیکر بلگریڈ تک قبضہ جما لیا۔ پھر جزائر یونان اور وینس وغیرہ کے علاقے فتح کئے۔ اسی دوران میں جب خان کریمیا نے مدد طلب کی تو سلطان نے خان کو جینوا والوں سے نجات دلا کر اپنا مطیع بنا لیا۔ اس کے بعد ترک فوجوں نے جزیرہ سسلی اور اٹلی کا شہر ٹورنٹو فتح کر کے اس پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ ٹورنٹو اٹلی کا باب الفتح کہلاتا تھا۔ یعنی اس شہر کی فتح کے بعد روما اور اٹلی کا فتح کر لینا کوئی دشوار نہ تھا۔ ٹورنٹو کی فتح سے نہ صرف اٹلی میں بلکہ سارے یورپ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی ان عظیم الشان فتوحات کے بعد سلطان محمد خان قسطنطنیہ واپس آ گیا اور چند روز کے بعد ہی جزیرہ روڈس اور اٹلی کی فتح کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن ابھی راستے ہی میں تھا کہ درد نقرس میں مبتلا ہو کر ۸۸۶ھ میں فوت ہو گیا اور اس کی لاش کو قسطنطنیہ لا کر دفن کیا گیا۔ اس نے ۳۱ سال حکومت کی اور ۵۳ سال کی عمر پائی۔ یہ بڑا حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ اگر موت فرصت لینے دیتی تو سارے یورپ کو فتح کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔

سلطان بایزید ثانی

سلطان بایزید ثانی اپنے باپ محمد خان ثانی کے مرنے کے بعد ۸۸۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشین ہوتے ہی اسے اپنے بھائی جمشید کی بغاوت کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جمشید بایزید ثانی کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد مصر کے چرکسی سلطان اور خلیفہ مصر کی پناہ میں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ حج کیلئے روانہ ہو گیا اور حج سے مصر واپس آ کر اور چرکسی سلطان سے فوجی امداد حاصل کر کے اس نے دوبارہ بایزید پر حملہ کر دیا مگر اس حملہ میں بھی اسے بری طرح شکست ہوئی۔ شکست کے بعد وہ

روڈس کے عیسائی سلطان کے قریب ہیں آگر روڈس چلا گیا۔ روڈس کے عیسائی سلطان نے جمشید کو نظر بند کر کے بایزید سے خوب روپیہ اینٹھا۔ اس کے بعد یورپ کے دوسرے سلاطین جمشید پر قبضہ جمانے کے بعد بایزید سے کئی سال تک بے اندازہ روپیہ وصول کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اٹلی کے پوپ نے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

سلطان بایزید ثانی کا دورِ حکومت جدید فتوحات کے اعتبار سے تقریباً خالی نظر آتا ہے۔ کیونکہ اس سلطان میں اپنے باپ دادا کی طرح حوصلہ نہ تھا۔ بس اس کے زمانہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سلطنت عثمانیہ کیلئے ایک ایسا عظیم الشان جنگی بیڑا تیار کیا تھا جو سارے یورپ پر بھاری تھا چنانچہ اس نے ٩٠٦ھ میں اپنے اس جنگی بیڑے کے ذریعہ وینس۔ اٹلی۔ اسپین اور فرانس کے متحدہ جنگی بیڑے کو شکست دیدی تھی۔ اور اس بیڑے کی مدد سے پولینڈ کے بہت سے ساحلی مقامات فتح کر لئے تھے۔ اس سلطان کی زندگی ہی میں چونکہ تخت و تاج کے لئے اس کے بیٹوں میں بری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ اور رعایا اس کے بیٹے سلیم خاں کی حامی تھی اس لئے یہ رعایا اور اُمرا کے مطالبہ پر خود ہی اپنے بیٹے سلیم خاں کے حق میں دست بردار ہو گیا تھا مگر دستبرداری کے چوتھے ہی روز ٩١٨ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سلطان سلیم خاں اوّل

8 سلطان سلیم خاں اوّل فوج اور رعایا کی مرضی سے ٩١٨ھ (١٥١١ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس کے دونوں بھائی جو ایشیائے کوچک میں برسرِ اقتدار تھے گو بظاہر اس کی تخت نشینی کی مخالفت نہ کر سکے لیکن در پردہ انھوں نے سازشیں شروع کر دیں۔ ان سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلیم کے بھائی احمد کے بیٹے علاؤالدین نے بروصہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ سلیم فوراً بروصہ پہنچا اور بغاوت کو دبانے کے بعد علاؤالدین اور اپنے تمام بھائی بھتیجوں کو تہہ تیغ کر دیا۔

سلیم خاں اوّل کے خلاف اس کے بھائیوں اور بھتیجوں نے جو بغاوت برپا کی تھی چونکہ اس بغاوت میں ایران کے بادشاہ اسمٰعیل صفوی کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور اس نے سلیم خاں کے باغی بھتیجوں کو بھی اپنی حکومت میں پناہ دے رکھی تھی۔ اس لئے سلیم خاں نے اُس سے انتقام لینے کے لئے ایران پر چڑھائی کر دی۔ اور ایک طویل جنگ کے بعد ٩٢٠ھ میں ایران کا بہت بڑا حصہ فتح کر لیا۔ ایران کی فتح کے بعد سلطان ایشیائے کوچک واپس چلا گیا۔ اور وہاں چند روز آرام کرنے کے بعد آرمینیا۔ جارجیا اور کوہ قاف کا علاقہ فتح کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ آذربائیجان کا علاقہ تو پہلے ہی سے ترکوں کے قبضہ میں تھا۔ ترک سرداروں نے جب کردستان عراق اور ساحل خلیج فارس کے تمام صوبے فتح کر لئے تو مشرق میں سلطنت عثمانیہ کی حدود بے حد وسیع ہو گئیں۔

چرکسی حکومت سے مقابلہ

سلطان سلیم خاں کے باپ بایزید ثانی کے دورِ حکومت میں مصر کے چرکسی سلطان نے باغی جمشید کی مدد کر کے سلطنتِ عثمانیہ

کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ اس کے علاوہ چرکسی سلطان نے عثمانی سلطنت کے علاقوں پر بار بار حملے کرکے اس دشمنی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حرمین، فلسطین، شام اور مصر پر چرکسی سلاطین کی حکومت قائم تھی سلطان سلیم خاں چونکہ چرکسی سلاطین کی دست درازیوں سے انتقام لینا چاہتا تھا، اس لئے اس نے پہلے تو چرکسی سلطان کو اطاعت کا پیغام بھیجا، لیکن جب چرکسی سلطان نے عثمانی سفراء کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کیا، تو سلطان نے فوراً حملہ کر دیا، عثمانی فوجیں جیسے ہی شام کی سرحد کے قریب پہنچیں چرکسی سلطان سے ان کی جنگ چھڑ گئی، چرکسی ملوک اگرچہ بڑی بہادری کے ساتھ لڑے، لیکن ترکوں کے مقابلہ میں انہیں شکست ہو گئی ترکوں نے پہلے حلب فتح کیا، اس کے بعد رفتہ رفتہ پورے شام و فلسطین پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا، شام و فلسطین کے بعد سلطان سلیم خاں نے مصر کی جانب رخ کیا، اور ایک طویل جنگ کے بعد ۹۲۲ھ میں مصر کے چرکسی سلطان طومان اور نام نہاد مصر کے عباسی خلیفہ کو شکست دے کر مصر پر قبضہ جما لیا، پھر حرمین پر بھی سلطان کا قبضہ ہو گیا، اس وقت تک خلیفہ کا اعزاز مصر کے نام نہاد عباسی خلیفہ کو حاصل تھا، لیکن ان فتوحات کے بعد سلطان ترکی کو خلیفہ اسلام تسلیم کیا جانے لگا، مصر کی فتح کے دو سال بعد ۹۲۶ھ میں نو برس کی حکومت کے بعد سلطان سلیم خاں اول کا انتقال ہو گیا، اس سلطان کی فتوحات کا سلسلہ زیادہ تر مشرقی ممالک تک محدود رہا چنانچہ اس نے مشرق میں دور دور تک سلطنت عثمانیہ کو پھیلا دیا،

سلطان سلیمان خاں اعظم

سلطان سلیمان خاں اعظم اپنے باپ سلیم خاں اول کے بعد ۹۲۶ھ میں تخت پر بیٹھا، یہ بھی فتوحات کے معاملہ میں باپ کا صحیح جانشین ثابت ہوا، اس نے یورپ و ایشیا میں نئی نئی فتوحات حاصل کرکے سلطنت عثمانیہ کو خوب وسعت دی، چنانچہ روڈس کے نوابوں کو اس نے زیر کر لیا، بلگریڈ جس کی فتح نامکمل رہ گئی تھی، اسے اس نے فتح کر لیا، ہنگری بھی فتح ہو گیا جو ڈیڑھ سو برس تک سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ بنا رہا، ۹۳۶ھ میں سلطان نے ویانا کا محاصرہ کر لیا، اور آرچ ڈیوک فرڈی نینڈ کو خراج گزار بنا لیا، افریقہ کی بربری ریاستوں سے اس نے عیسائیوں کو نکال دیا، پوپ اور شاہ اٹلی کو سلیمان اعظم نے شکست فاش دی، مختصر یہ ہے، کہ سارے مشرقی یورپ پر جس میں یونان، بلغاریہ، رومانیہ آسٹریا اور ہنگری وغیرہ شامل تھے، ترکوں کا پورا پورا تسلط ہو گیا،

سلیمان اعظم کا دور حکومت ترکوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا، ان کی سلطنت کی وسعت اور طاقت اتنی بڑھی ہوئی تھی، کہ روئے زمین پر کوئی دوسری حکومت "سلطنت عثمانیہ" کے مقابلہ پر نہیں تھی، مشرق و مغرب کے تمام حکمران سلیمان اعظم کے نام سے کانپتے تھے، یہ لائق اور حوصلہ مند سلطان، ۴۸ سال بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد ۹۷۴ھ میں انتقال کر گیا، وفات کے وقت سلیمان اعظم کی عمر ۷۲ سال تھی سلیمان

اعظم کے بعد سلطنت عثمانیہ کے تخت پر جو سلاطین بیٹھے ان کے نام اور مختصر حالات یہ ہیں،

سلطان سلیم خاں ثانی

یہ اپنے باپ سلیمان خاں کے بعد ۹۷۴ھ میں تخت نشین ہوا، امام یمن سے اس کی جنگ ہوئی جس میں امام کو شکست اٹھانی پڑی، جزیرہ قبرص پر اس نے پوری طرح تسلط قائم کر لیا تھا، اسپین کے عیسائی سلاطین اور شاہ اٹلی سے اس کی بہت سی بحری لڑائیاں ہوئیں جن میں عثمانی بیڑے کو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا، یہ سلطان آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۸۲ھ میں فوت ہو گیا

سلطان مراد خاں ثالث

سلیم خاں ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مراد خاں ثالث ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) میں تخت نشین ہوا، یہ سلطان کمزور تھا، بجز جارجیہ کے ایک معرکہ کے اس کے زمانہ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی، یہ لڑائی سے بہت گھبراتا تھا، چنانچہ اس کی کمزوری کی وجہ سے عیسائیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے، اور انہوں نے اسلامی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے تھے، یہ ۲۱ سال کی سلطنت کے بعد ۱۰۰۳ھ میں انتقال کر گیا،

سلطان محمد خان ثالث

یہ سلطان اپنے باپ مراد خاں ثالث کے مرنے کے بعد ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) میں تخت پر بیٹھا، اس نے تخت نشین ہونے کے بعد حکومت کے کل اختیارات اپنی ماں صفیہ سلطانہ کے حوالے کر دیئے، اس کے ہاتھ سے انیس بھائی قتل ہوئے، اس نے اپنی تخت نشینی کے دو سال بعد آسٹریا والوں کو شکست فاش دی، مگر یورپین حکومتوں کے دلوں میں سلطنت عثمانیہ کی جو عظمت اور شوکت قائم تھی، وہ اس کے زمانہ میں قائم نہیں رہی، یہ ۱۰۱۲ھ میں فوت ہو گیا،

سلطان احمد خاں اول

محمد خاں ثالث کے بعد اس کا بیٹا احمد خاں اول ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) میں تخت نشین ہوا، سلاطین عثمانیہ کی کمزوری کی وجہ سے شاہ ایران نے پھر زور پکڑ لیا تھا، اور عثمانی علاقوں پر دست درازیاں شروع کر دی تھیں، سلطان احمد خان نے ایرانیوں کا زور توڑنا چاہا، مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی، یہ سلطان ۱۰۲۶ھ میں انتقال کر گیا،

سلطان مصطفٰے خاں

احمد خاں کے مرنے کے بعد مرحوم کی وصیت کے مطابق اس کے چھوٹے بھائی مصطفٰے خاں کو تخت نشین کیا گیا، لیکن مصطفٰے خاں میں چونکہ حکمرانی کی صلاحیت نہیں تھی، اس لئے ڈیڑھ سال کے بعد اسے معزول کر دیا گیا،

سلطان عثمان خاں ثانی

مصطفٰے خاں کی معزولی کے بعد ۱۰۲۷ھ (۱۶۱۸ء) میں عثمان خاں ثانی تخت پر بیٹھا، اس کے زمانہ میں شاہ پولینڈ سے ترکوں کی بہت بڑی جنگ ہوئی تھی، شاہ پولینڈ کی حمایت میں اگرچہ روس، فرانس اور اٹلی کی فوجیں لڑی تھیں، مگر پھر بھی عیسائیوں کو بری طرح

شکست ہوئی، اس سلطان نے شاہ عباس والئی ایران سے صلح کر لی تھی، سنہ ۱۰۳۱ھ میں فوج نے بغاوت برپا کر کے اسے قتل کر دیا، اور سلطان مصطفےٰ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا، لیکن جب شاہ ایران نے حملہ کیا، تو مصطفےٰ خاں کو معزول کر کے فوج نے مراد خاں چہارم کو تخت نشین کر دیا،

سلطان مرادِ خاں چہارم | یہ عثمان خاں ثانی کا بھائی اور سلطان احمد خاں کا بیٹا تھا، جو ۱۰۳۲ ہجری (سنہ ۱۶۲۳ء) میں تخت نشین ہوا، یہ ساری عمر شاہ ایران سے لڑائیوں میں مصروف رہا، شاہ ایران نے اس سے بغداد اور موصل چھین لیا تھا، لیکن شاہ ایران کے مرنے کے بعد مراد خاں نے موصل اور بغداد کو واپس لے لیا، یہ سنہ ۱۰۴۹ھ میں فوت ہو گیا،

سلطان ابراہیم خاں | اپنے بھائی مراد خاں چہارم کے مرنے کے بعد یہ سنہ ۱۰۴۹ھ (سنہ ۱۶۴۰ء) میں تخت پر بیٹھا، یہ بڑا ہی عیش پسند اور نااہل سلطان ہوا ہے، اس کا زیادہ وقت عورتوں میں بسر ہوتا تھا، حکومت پر اس کی ماں اور وزراء قابض تھے، آخر امرائے سلطنت نے اس کی عشرت پسندی سے تنگ آ کر اسے معزول کر دیا، اور اس کے سات سالہ بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا، ابراہیم خاں معزول ہونے کے بعد پہلے قید ہوا، اس کے بعد اسے قتل کر دیا گیا،

سلطان محمد خاں چہارم | یہ اپنے باپ ابراہیم کے معزول کئے جانے کے بعد سات سال کی عمر میں سنہ ۱۰۵۸ھ میں تخت نشین ہوا، یہ سلطان چونکہ کمسن تھا، اس لئے اس کی ماں کلثوم سلطانہ جہانبانی کے فرائض انجام دیتی تھی، ارکان حکومت چونکہ عورت کی حکمرانی کے مخالف تھے اس لئے بغاوت برپا ہو گئی، اور کلثوم سلطانہ اس بغاوت میں ماری گئی، یہ سلطان جب جوان ہوا، تو اس نے اپنے ہاتھ میں حکومت لینے کے بعد بہت سی اصلاحات کیں، اور عیسائیوں سے بھی کئی لڑائیاں لڑیں، لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سلطنت عثمانیہ کا رعب و داب ختم ہو چکا تھا،

سلطان سلیمان خاں ثالث بن ابراہیم | ۴۵ برس کی عمر میں سنہ ۱۰۹۹ھ میں تخت نشین ہوا، بغاوت زور پر تھی، باغی فوج کے وزیر سیاوش کو قتل کر کے ہنگامہ برپا کر دیا، والئی غسا کے حوصلے بڑھ گئے، اور اس نے شہر بلغراد پر قبضہ کر لیا، مگر سلیمان نے فوج کشی کر کے شہر کو واپس لے لیا، اور بغاوت بہت حد تک دب گئی، شعبان سنہ ۱۱۰۲ھ (سنہ ۱۶۹۱ء) میں سلیمان مرض استسقاء میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا،

سلطان احمد خاں ثانی | اپنے بھائی سلیمان کی وفات کے بعد سنہ ۱۱۰۲ھ میں تخت نشین ہوا، اور سلیمان کے قتل کے شبہ میں حکیم باشی کو فوراً ہی قید میں ڈال دیا

اسی سال غسا کی سرکوبی کے لئے مصطفےٰ پاشا کو روانہ کیا گیا، مگر وہ ایک گولی لگنے سے ہلاک ہو گئے، سنہ ۱۱۰۰ھ میں شاہ غسا نے دوبارہ بغداد پر قبضہ کر لیا، مگر سلطان احمد نے ایک لشکر جرار بھیج کر اس کی خوب سرکوبی کرائی،

اسی سال قسطنطنیہ میں زبردست آگ لگی، اور اسی سال شاہ غسا نے برطانیہ اور ہالینڈ کے ذریعہ سلطان سے صلح کر لی، سلطان احمد خان سنہ ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۵ء) میں انتقال کر گیا،

سلطان مصطفےٰ خان ثانی

یہ محمد خاں چہارم کے بیٹے تھے، سنہ ۱۱۰۶ھ میں تخت نشین ہوئے، بڑا مرد مجاہد تھا، فوراً بذریعہ جہاد جزیرہ سافس کو فتح کر لیا، پھر والئی غسا کو شکست دے کر بہت سے قلعے منہدم کر دیئے، زار روس کو شکست دے کر قلعہ ازوف پر قبضہ کر لیا،

سنہ ۱۱۱۰ھ میں والئی غسا سے پھر مقابلہ ہوا، مصطفےٰ خاں نے زبردست مقابلہ کیا، اور شہر ادرنہ پر قبضہ کر لیا، آخر برطانیہ نے صلح کرا دی، سنہ ۱۱۱۵ھ میں فوج میں بغاوت ہو گئی، مصطفےٰ خاں تخت سے دست بردار ہو گیا،

سلطان احمد خان ثالث

سنہ ۱۱۱۵ھ میں اپنے بھائی مصطفےٰ خاں کی دست برداری کے بعد تخت نشین ہوا، فوج کی بغاوت کو ہر چند دبایا، مگر کامیابی نہیں ہوئی بہت سے امراء، علماء اور وزیر قتل ہوئے، پورے نظام کو باغی سرداروں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، آخر علی پاشا وزیر مقرر ہوئے، اور انہوں نے فوج کے رجحان کو بدلنے کے لئے یورپ پر چڑھائی شروع کرا دی، زار روس پر بھی حملہ کیا، مگر ۲۵ سال کے لئے صلح ہو گئی،

سنہ ۱۱۲۷ھ میں اکثر شہروں پر فوج کشی کی گئی، علی پاشا، والئی غسا سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا، اس کے بعد خلیل پاشا، اور محمد پاشا وزیر مقرر ہوئے، شاہ ایران سے مقابلہ ہوا، اور نادر شاہ نے سلطانی فوج کو شکست دے دی، سنہ ۱۱۴۳ھ میں پھر فوج نے بغاوت کر دی، ابراہیم پاشا قتل ہوا، اور سلطان احمد خان کو معزول کر دیا گیا،

سلطان محمود اول

سلطان احمد خاں کی معزولی کے بعد محمود اول تخت نشین ہوا، عرصہ تک ملک میں بدامنی پھیلی رہی، سنہ ۱۱۴۵ھ میں ایران پر چڑھائی کی، اور ایرانیوں کو شکست دی کچھ عرصہ کے بعد ایرانی سپہ سالار نادر شاہ نے بغداد کا محاصرہ کر لیا، لیکن محمود نے ۸۰ ہزار کے لشکر سے نادر کو پیچھے ہٹا دیا،

سنہ ۱۱۴۹ھ میں زار روس سے جنگ ہوئی، نادر شاہ نے اس موقعہ پر حملے کئے، مگر بعد میں صلح ہو گئی، زار روس سے بھی اس شرط پر صلح ہو گئی، کہ بحر اسود میں رومی جہاز نہ آئیں، اور روس نے جن رومی شہروں پر قبضہ کیا ہے، وہ واپس کئے جائیں، محمود نے ۵۰ برس کی عمر میں سنہ ۱۱۶۷ھ ۱۳ دسمبر سنہ ۱۷۵۴ء میں وفات پائی،

محمود اول کے زمانہ میں ۱۱۵۰ھ میں محمد بن عبدالوہاب اور امیر سعود نے حجاز میں شورش برپا کی،

سلطان عثمان خاں ثالث

محمود اول کے بعد ۱۱۶۷ھ میں تخت نشین ہوا، یہ مصطفیٰ ثانی کا بیٹا تھا، بہت گوشہ نشین اور عافیت پسند تھا، سید آفندی کو وزیر بنا کر تمام کام اس کو سونپ دیا،

سعید نے بے وفائی کی، ولی عہد کو قتل کرادیا، تاکہ حکومت عثمان کے بعد اس کے خاندان میں آجائے، ولی عہد کا نام محمد بایزید تھا، ۱۱۷۱ھ میں سلطان نے سعید کو معزول کر کے راغب پاشا کو وزیر بنایا

یہ وزیر بہت منتظم، وفادار اور نیک دل تھا، اس نے ملکی انتظام کے ساتھ مذہبی خدمت بھی انجام دی، چنانچہ شراب کو بند کیا، اور جامع مسجد جس کی بنیاد محمود نے رکھی تھی، مکمل کرایا، عثمان خاں ثالث نے ۱۱۷۱ھ کے آخر میں وفات پائی،

سلطان مصطفیٰ خاں ثالث

عثمان خاں کے بعد تخت پر بیٹھا، راغب کے حسن انتظام سے بہت خوش تھا، چنانچہ اپنی بہن "صالحہ" کا نکاح بھی اس سے کردیا، راغب نے جس بغاوت کو ٹھنڈا کیا تھا، وہ اس کے مرتے ہی بھڑک اٹھی، زار روس نے بھی حملہ کردیا، سلطانی فوج حرکت میں آگئی، اور زار روس کو شکست کھانا پڑی، مصطفیٰ خاں نے ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۳ عیسوی میں وفات پائی،

سلطان عبدالحمید خاں اول

مصطفیٰ کے بعد تخت حکومت پر متمکن ہوا، یہ مصطفیٰ خاں ثالث کا بھائی تھا، بہت رحم دل اور صلح کن واقع ہوا تھا، اس کی نرم مزاجی سے کچھ حاکموں نے ناجائز فائدہ اٹھایا، اور شورش کر کے اپنی حکومت قائم کرنا چاہی، مگر دبا دی گئی،

عرب کے فتنہ کو حسین پاشا نے ٹھنڈا کیا، والئی غسان نے جنگ چھیڑ دی، مگر یوسف پاشا اور علی پاشا نے اسے شکست دی، یہ دونوں سپہ سالار بڑے بہادر اور حوصلہ مند تھے، عبدالحمید خاں اول نے ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی،

سلطان سلیم خاں ثالث

عبدالحمید خاں کی وفات کے بعد سلطان سلیم خان ثالث تخت نشین ہوا، یہ مصطفیٰ خاں ثانی کا بیٹا تھا، یہ بڑا بہادر اور دلیر سلطان تھا، تخت پر آتے ہی ایک لاکھ پچاس ہزار فوج تیار کرلی، والئی غسل سے کئی مہینہ مقابلہ ہوا، مگر سپہ سالار روس نے صلح کرلی،

اس کے بعد ملکی بغاوت نے بہت زور پکڑا، سلطان روم نے بغاوت کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی،

مگر ناکامی ہوئی، علماء نے حکام اور وزراء پر کفر کے فتوے لگائے، بہت سے وزراء قتل ہوئے، باغیوں نے ۱۲۲۳ھ میں سلیم خاں کو تخت سے اتار کر قید کر دیا، اور بعد میں قتل کر دیا۔

سلطان مصطفےٰ خاں چہارم

سلیم خاں کے بعد ۱۲۲۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ عبدالحمید خاں اول کا بیٹا تھا۔ یہ سلطان کچھ زیادہ تجربہ کار اور ہوشیار نہیں تھا ملک میں بغاوت دبی نہیں بلکہ یہاں تک بڑھی کہ ایک ہی سال کے اندر باغیوں نے معزول کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ بیرقدار بہت ہوشیار افسر تھا اس نے بھی باغیوں کا قلع قمع کرنے میں بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوا۔

سلطان محمود خاں ثانی

مصطفےٰ خاں رابع کی معزولی کے بعد محمود خاں ثانی تخت پر بیٹھا۔ مصطفےٰ کے زمانہ میں باغیوں نے اسے بھی قید کر دیا تھا مگر بیرقدار نے بڑی محنت سے نکالا تھا۔

اگرچہ مغربی تہذیب و تمدن کو پسند کرتا تھا مگر مسلمانوں کا بہت خیر خواہ تھا۔ بہت منتظم صلح جو اور مہذب واقع ہوا تھا۔ تخت نشین ہوتے ہی لوگوں میں جوش و جذبہ پیدا کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی پچھلی تاریخ کو یاد دلا کر ان سے اکثر کہا کرتا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے نخل اسلام کو سینچوں اور تمہاری تشنہ خون تلواروں کو دشمن کا خون پلاؤں۔ اپنی تقریروں اور تحریروں میں آیات و حدیث کثرت سے استعمال کرتا۔ غیر مسلم اقوام سے اچھا سلوک کرتا اور ان کو مذہبی آزادی دینے کا حامی تھا۔

۱۸۳۰ء میں غلامی کے رواج کو قانوناً ممنوع کر دیا۔ ۱۲۴۷ھ میں حاکم مصر محمد علی پاشا نے شہر عکہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان نے حسین پاشا کو مقابلہ پر روانہ کیا۔ مگر محمد علی کئی شہروں پر قبضہ کر چکا تھا جس میں دمشق بھی شامل ہے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود وفات پا گیا۔

سلطان عبدالحمید خاں ثانی

سلطان محمود کے بعد ۱۲۵۵ھ میں تخت نشین ہوئے۔ یہ بھی انگریزی لباس اور تہذیب کا حامی تھا۔ میز کرسی پر کھاتا۔ ملک کے قانون کو فرانس کے طریقہ پر مرتب کیا۔ کئی اسکول اور کالج کھولے۔ اور پریس کو بہت ترقی دی۔ چنانچہ ۱۳ اخبار مختلف زبانوں میں نکلتے تھے۔ اس نے انگریزوں کو بہت مراعات دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب سے مصر کی حد تک انگریزوں کا اجارہ قائم ہو گیا۔

عرب اس طریقے سے بہت نالاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے کئی انگریزوں کو حجاز میں قتل کر دیا۔ اور ترکی و عرب میں مخالفت کی بنیاد قائم ہو گئی۔ ۱۸۵۶ء میں روس اور ترکی کی عظیم جنگ ہوئی جس کو جنگ

جنگ کریمیہ کہتے ہیں، عمر پاشا سپہ سالار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، اور روس کو شکست ہوگئی، عبدالمجید خاں ثانی نے ۱۲۷۷ھ میں وفات پائی،

سلطان عبدالعزیز خاں

۱۲۷۷ھ میں اپنے بھائی عبدالمجید کے بعد تخت نشین ہوا، یورپ سے محبت کرنے میں اپنے بھائی سے بھی آگے تھا، یورپ سے بہت گہرا رابطہ قائم کیا، فرانس کی سیر کے بعد لندن گیا، اور ملکہ وکٹوریہ کا مہمان ہوا، اس کے بعد ۱۸۶۹ء میں شاہ ایڈورڈ اور اس کی بیگم قسطنطنیہ میں شاہی مہمان ہوئے، امپرس جوزف شاہ آسٹریا بھی قسطنطنیہ میں آیا اور شاہی مہمان ہوا،

عبدالعزیز کے دل میں مسلمانوں کا بھی بہت درد تھا، چنانچہ جتنے عرب قید تھے، سب کو رہا کر دیا، اپنے شہر کو بہت ترقی دی، بجلی اور تار کا انتظام کیا، بہت منتظم اور انصاف پسند تھا، ہمیشہ حکام کو انصاف کی تاکید کرتا، صرف ایک بیوی پر ساری زندگی گذار دی، روس نے شورش برپا کرائی لیکن ناکام ہوا، آخر یورپین سازشوں کا شکار ہوا، اور ۱۲۹۳ھ میں معزول کر دیا گیا

سلطان مراد خاں خامس

سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد ۱۲۹۳ھ (۱۸۵۹ء) میں مراد خاں خامس تخت نشین ہوا، مگر ملکی شورش ختم نہیں ہو سکی، اور نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کو بھی معزول کیا گیا، اور پھر چند دوسرے محمد خاں خامس اور وحیدالدین وغیرہ تخت نشین ہوئے، اور معزول کئے گئے یا جلدی مر گئے،

اس ردوبدل میں صرف چند ماہ لگے، اور پھر تخت سلطنت عبدالحمید خاں ثالث کے سپرد کیا گیا،

سلطان عبدالحمید خاں ثالث

بہت روشن خیال اور مدبر حکمران تھا، ۱۲۹۳ھ میں تخت پر بیٹھا، ۱۸۷۷ء میں روس نے ہولناک جنگ چھیڑ دی، مگر افسوس قدیمی دوست فرانس اور برطانیہ نے کوئی ساتھ نہیں دیا،

ترکی کو شکست اٹھانا پڑی، اور روس کی طاقت بہت بڑھ گئی، برطانوی وزیر اعظم نے اس موقعہ سے خوب فائدہ اٹھایا، اور جزیرہ قبرص پر اپنا قبضہ جمایا، فرانس نے طونس پر قبضہ کر لیا، ۱۸۸۲ء میں برطانیہ نے مصر پر قبضہ کر لیا، جو ترکی کا ایک صوبہ تھا، مصر پر انگریزوں کا قبضہ ایک ایسا جرم ہے، جو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا،

ابھی مصر نے اپنے جائز حق کو واپس لینے کا خیال بھی نہیں کیا تھا، کہ برطانیہ کے جنگی جہاز سمندر میں لنگر انداز ہوگئے، یہ وہ ایام تھے، جب کہ ناغلول پاشا ایڈوکیٹ تھے، اس کے بعد مجلس قوانین کے عہدہ پر پہنچ گئے، اگر اس وقت میدان جنگ میں ہوتے، تو انگریز یہ جرأت نہ کر سکتے تھے،

انگریزوں کا مصر پر غیر معین عرصہ تک قبضہ رہا۔ اگرچہ درمیان میں بہت سے وعدے وعید بھی ہوتے رہے۔
۱۸۹۷ء میں یونان نے بھی ترکی پر نظریں لگائیں۔ ترکی مسلمان تنگ آچکے تھے آخر تلواریں بجلی کی طرح
نکل آئیں۔ ممکن تھا کہ ترک یونان کو فتح کر لیتے مگر یورپ نے پھر ان کی تیز رفتاری کو اپنی عیاری سے روک دیا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ تھل یونان کو واپس دے دیا گیا اور کریٹ کے لئے یونانی گورنر مقرر ہوا۔ انگریزوں کے اس طرز عمل
نے ترکی فوج کو برافروختہ کر دیا۔ اور وہ ملکی خدمات کو از حد ضروری سمجھنے لگے۔

یہی وہ فوج تھی جس میں فتحی بے۔ شکری بے۔ نیازی بے۔ انور بے۔ مصطفےٰ کمال۔ غازی محمود۔ شوکت اور
طلعت پاشا جیسے شیر دل افراد پائے جاتے تھے۔

ینگ ٹرکش پارٹی

جب ان حریت نواز خادموں نے اپنے ملک کو خطرے میں دیکھا تو طلعت پاشا
نے ۱۹۰۴ء میں ینگ ٹرکش پارٹی ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی۔ اس جماعت کے
حریت پسند افراد نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہوگا فوج کو اپنا ہم خیال بنایا جائے۔ چنانچہ ایک ہزار فوجی افسر
جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور پھر مقدونیہ میں پہلی بغاوت رونما ہوئی۔ سلطان عبد الحمید نے عزیز بے کو بھیجا مگر
باغیوں نے گرفتار کر لیا۔ اور مقدونیہ پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا۔

شخصی اقتدار کا خاتمہ

ادھر تو سلطان اس مصیبت میں مبتلا تھا اور ادھر انجمن اتحاد و ترقی نے کوشش
شروع کر دی کہ شخصی اقتدار کا خاتمہ کیا جائے۔

سلطان نے مقدونیہ کو واپس لینے اور باغیوں کو کچلنے کی بہت کوشش کی مگر حریت پسند یعنی ترکان
احرار کی سرگرمیاں برابر بڑھتی گئیں۔ اور ایک عظیم جمعیت نے انور پاشا اور حقی بے نیز نیازی بے وغیرہ کی سرکردگی
میں قسطنطنیہ کا رخ کر دیا۔

اور ۲۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو نصف قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا اور تمام راستے روک دیے۔ سلطانی لشکر نے مقابلہ کرنا چاہا
مگر ناکامی ہوئی اور سلطان عبد الحمید ۳۳ سال کی حکومت کے بعد ۲۸ اپریل ۱۹۰۹ء کو معزول کر دیے گئے۔ اور
اور اس کے بعد ترکی کا دور جدید یعنی جمہوری نظام شروع ہوا جسے آگے چل کر مصطفےٰ کمال نے غیر معمولی مستحکم بنا دیا۔
آج ٹرکی کو جو استحکام اور قوت اور بے پناہ حوصلہ حاصل ہے وہ در حقیقت مصطفےٰ کمال اور عصمت انونو کی
کوششوں کا نتیجہ ہے۔

حصّہ دوازدہم (۱۲)

ایران اور ماوراء النہر

کی اسلامی حکومت!

سنہ ۲۵۳ھ سے سنہ ۴۴۸ھ

تک

ایران میں دولتِ صفاریہ!

پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہاں کا بیشتر علاقہ اگرچہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد خلافت میں فتح ہو چکا تھا لیکن ایران کی فتح کی تکمیل حضرت عثمان غنی رضؓ کے دور حکومت میں ہوئی چنانچہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے زمانہ سے لے کر خلفائے عباسیہ کے ابتدائی دور حکومت تک ایران براہ راست خلافت اسلامیہ کے زیر حکومت رہا۔ لیکن خلفائے عباسیہ کے کمزور ہونے کے بعد مملکت اسلامیہ کے دوسرے حصوں کی طرح ایران میں بھی نئی نئی طاقتیں ابھرنے لگیں اور نئی نئی خود مختار حکومتیں بننے لگیں ان ہی حکومتوں میں سے ایک دولتِ صفاریہ بھی ہے۔

دولت صفاریہ دولتِ صفاریہ کا بانی یعقوب بن لیث ہے یعقوب بن لیث صفار اور اس کا بھائی عمر بن لیث صفار ابتداء میں ٹھٹرے کا پیشہ کرتے تھے۔ لیکن ان دونوں بھائیوں کو اپنی حوصلہ مندی کی بدولت بڑا عروج حاصل ہوا یعقوب بن لیث نے ٹھٹیرے کا پیشہ ترک کر کے اور سپاہیانہ زندگی اختیار کرنے کے بعد اپنی طاقت کو خوب بڑھا لیا۔ یہاں تک کہ اس نے ۲۵۳ھ میں خلیفہ معتز باللہ عباسی کے دور حکومت میں سجستان سے خارجیوں کے اثرات ختم کر کے وہاں اپنی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کر لی۔

یعقوب بن لیث نے سجستان پر قابض ہونے کے بعد حکومت طاہریہ کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ حکومتِ طاہریہ بھی ایران میں ایک چھوٹی سی حکومت تھی جسے مامون رشید کے فوجی جرنیل طاہر نے قائم کیا تھا یعقوب نے حکومت طاہریہ کے عمال کو شکست دے کر ۲۵۴ھ میں بوشنج اور ہرات پر قبضہ جما لیا۔ اور اس کے بعد ۲۵۵ھ میں کرمان کو بھی حکومت طاہریہ سے چھین لیا اور پھر شیراز کو بھی فتح کر لیا۔ گویا پورے فارس پر یعقوب کا قبضہ ہو گیا۔

یعقوب بن لیث نہایت ہی ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے شیراز کو فتح تو کر لیا مگر خلیفہ کے خوف سے فوراً تحریری اطاعت نامہ اور تحائف بھیج کر خلیفہ کو راضی کر لیا۔ خلیفہ خاموش ہو گیا مگر موقعہ پاتے ہی فارس پر حملہ کر کے اپنے عامل مقرر کر دیئے۔ یعقوب نے دوبارہ مقابلہ کیا تو خلیفہ معتمد نے کئی شہر یعقوب کو دے کر جان چھڑائی اب یعقوب کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اس نے کابل پر حملہ کر دیا۔ اور غیر مسلم بادشاہ کو قتل کر کے قبضہ کر لیا۔ اور پھر چند دوسرے شہر بھی فتح کئے۔ کابل کو اسلامی حکومت بنانے کا سہرا یعقوب بن لیث کے سر بندھا۔

کابل اور بست کی فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد یعقوب سیدھا بوشنج آیا۔ اور اس نے حکومت

طاہریہ کے فرمانروا علی بن حسین بن طاہر کو گرفتار کر کے حکومت طاہریہ کو ختم کر دیا، یعقوب بن لیث اب پھر فارس کی جانب متوجہ ہونا چاہتا تھا، لیکن وہ اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ گیا، کہ خلیفہ سے اقرار اطاعت کر چکا تھا، یعقوب کی خوش قسمتی سے فارس کا عباسی حاکم ابن واصل جب اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا، تو یعقوب کو موقعہ مل گیا، اور اس نے حملہ کر کے پورے فارس پر قبضہ جما لیا، پھر اس نے بغداد پر بھی فوج کشی کر دی، بغداد کے قریب اس کی خلیفہ سے بڑی سخت جنگ ہوئی، مگر اس جنگ میں یعقوب بن لیث کو شکست ہو گئی، اس شکست کے بعد جب وہ سجستان واپس جا رہا تھا، تو راستہ ہی میں بیمار ہو گیا اور اسی بیماری میں چند روز کے بعد ۲۶۵ھ میں اس کا انتقال ہو گیا، یعقوب بن لیث بہترین سپاہی اور لائق منتظم ہونے کے علاوہ بڑا ہی عبادت گذار اور سادگی پسند واقع ہوا تھا،

عمرو بن لیث صفار

یعقوب بن لیث کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث صفار ۲۶۵ھ میں سجستان میں تخت نشین ہوا، اس نے برسر اقتدار آنے کے ساتھ ہی خلافت بغداد سے اپنے تعلقات ہموار کر لئے خلیفہ معتمد نے اسے سجستان، خراسان، اصفہان اور طبرستان کی سند حکومت دے دی، اس کے علاوہ بغداد اور سر من رائے کی شحنگی کا اہم عہدہ بھی عطا کر دیا،

خراسان پر ان دنوں خلافت عباسیہ کے باغی امیر ابن ہرثمہ کا قبضہ تھا، عمرو بن لیث نے اسے شکست دے کر ہرات پر قبضہ کر لیا، لیکن ہرثمہ سے باوجود انتہائی کوشش کے نیشاپور نہ لے سکا، ۲۷۱ھ میں عمرو بن لیث اور خلیفہ معتمد کے تعلقات بگڑ گئے تھے، مگر جلد ہی صفائی ہو گئی، ۲۷۹ھ میں جب کہ خلیفہ معتضد کا زمانہ تھا، عمرو بن لیث نے ابن ہرثمہ کو قتل کر کے اس کا سر خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیا، اور پورے خراسان پر اس کا قبضہ ہو گیا،

ابن ہرثمہ کے قتل کے بعد عمرو بن لیث ماوراء النہر کی حکومت کا طالب ہوا، اس علاقہ پر مدت سے امراء سامانی نے قبضہ کر رکھا تھا، خلیفہ معتضد جو عمرو بن لیث کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ناخوش تھا، اسے عمرو بن لیث کی طاقت توڑنے اور اسے اسمٰعیل سامانی سے لڑانے کا موقعہ ہاتھ آ گیا، لہٰذا خلیفہ نے عمرو بن لیث کی درخواست فوراً منظور کر لی، اور ماوراء النہر کی حکومت کا پروانہ عمرو بن لیث کو لکھ کر دے دیا، اس پروانہ کے ملتے ہی عمرو بن لیث نے ماوراء النہر پر قبضہ جمانے کے لئے اسمٰعیل سامانی پر حملہ کر دیا، بلخ کے مقام پر دونوں کی خونریز جنگ ہوئی، عمرو بن لیث کو شکست ہو گئی، اور وہ گرفتار ہو گیا،

عمرو بن لیث چند روز تو اسمٰعیل سامانی کی قید میں رہا، پھر اس نے عمرو بن لیث کو خلیفہ کے پاس بغداد بھیج دیا، خلیفہ معتضد نے اسے قید کر دیا، اور اسمٰعیل سامانی کو اس کے تمام مقبوضات کا والی بنا دیا، اس کے بعد عمرو بن لیث کو سلطنت کبھی نصیب نہیں ہوئی، اور وہ قید ہی میں مر گیا،

طاہر بن محمد بن عمرو بن لیث

طاہر عمرو بن لیث کا پوتا تھا، ۲۷۹ھ میں سجستان میں تخت پر بیٹھا، اور بڑی کوشش کے بعد اسمٰعیل سامانی کے قبضہ سے پورے فارس کو نکال لیا، اور ۲۹۳ھ میں مکمل قبضہ کر لیا،

مگر تھوڑے ہی دن بعد طاہر کے چچا لیث نے اپنے غلام سبکری کے ذریعہ فارس پر خود قبضہ کر لیا، سبکری بہت چالاک واقع ہوا تھا، اس نے لیث سے بھی قطع تعلق کر کے خود قبضہ کر لیا، طاہر نے مقابلہ کیا، مگر شکست ہو گئی، اسمٰعیل سامانی برابر فارس کی واپسی کی کوشش کر رہا تھا، آخر اس نے صفاریوں کے اختلافات اور کشت وخون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زبردست فوج کشی کر کے ۲۹۰ھ میں دولت صفاریہ کا خاتمہ کر دیا،

دولت سامانیہ کی ابتداء

دولت سامانیہ کی ابتدا اسد بن سامان بلخی سے ہوتی ہے یہ آتش پرست تھا، مگر بعد میں مسلمان ہو گیا، بلخ کا معمولی رئیس تھا، مگر بہادر اور حوصلہ مند تھا، اس کے چار لڑکے تھے، سب کو بہادری کی تعلیم دی گئی تھی،

چنانچہ خلیفہ عباسی امین کے خلاف مامون رشید کو تخت حاصل کرنے میں ان سب بھائیوں نے بڑی مدد کی، جس کے صلہ میں نوح کو سمرقند، احمد کو فرغانہ اور الیاس کو ہرات کا حاکم بنا دیا گیا، احمد بہت ہوشیار تھا، اس نے اپنے بھائی نوح کے مرتے ہی سمرقند بھی لے لیا، اور کچھ دوسرے علاقوں پر قبضہ کر کے خود مختار حاکم بن گیا اور یہیں سے سامانی حکومت کا سلسلہ شروع ہو گیا،

نصر سامانی بن احمد

احمد کے بعد اس کا بیٹا نصر ۲۶۱ھ میں تخت نشین ہوا اسے ماوراء النہر کی حکومت بھی مل گئی، اور اس طرح اس کے زمانے میں سامانی حکومت کی داغ بیل پڑ گئی سامانی حکومت کے سلاطین گو خود مختار تھے، مگر وہ دربار خلافت کی سیادت کو آخر وقت تک تسلیم کرتے رہے،

اسمٰعیل سامانی بن احمد

نصر سامانی کے بعد اس کا بھائی اسمٰعیل سامانی بن احمد ۲۸۴ھ مطابق ۱۹۷ء میں بخارا کے تخت پر بیٹھا، یہ سامانی حکومت کا بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا، خلیفہ معتضد نے عمرو بن لیث صفاری کی طاقت کو توڑنے کے لئے اسی اسمٰعیل سامانی کو عمرو بن لیث سے بھڑا دیا تھا، اس کے علاوہ اسمٰعیل سامانی نے محمد بن زید علوی حاکم طبرستان کو شکست دے کر طبرستان بھی فتح کر لیا تھا، غرض یہ کہ اسمٰعیل کے عہد حکومت میں سامانی سلطنت ہندوستان کی حدود سے لے کر بغداد تک پھیل گئی تھی، اور اس زمانہ میں سمرقند و بخارا علوم وفنون کے بہت بڑے مرکز بن گئے تھے،

نصر احمد سامانی بن اسمٰعیل

اسمٰعیل کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصر احمد ۲۹۵ھ مطابق ۹۰۸ء میں تخت پر بیٹھا، یہ نہایت ہی کج اخلاق تھا، اس نے اپنی بد اخلاقی

سے تمام امرائے سلطنت اور رشتہ داروں کو اپنا مخالف بنالیا تھا اس نے پانچ چھ سال حکومت کی لیکن یہ سارا زمانہ یا تو دربار خلافت کے خلاف ریشہ دوانیوں میں صرف ہوا، یا امرائے سلطنت کی مخالفت میں آخر یہ اپنے ہی غلاموں کے ہاتھوں قتل ہوا،

نصر سامانی بن نظر احمد

نظر احمد کے قتل کے بعد اس کا بیٹا نصر ۳۰۱ھ میں بخارا کے تخت پر بیٹھا تخت نشینی کے وقت اس کی عمر صرف آٹھ سال تھی، یہ جوان ہونے کے بعد دوسرا اسمٰعیل سامانی ثابت ہوا، اس نے اپنے دور حکومت میں سلطنت کو خوب وسعت دی، یہ بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ ۳۱ سال حکومت کرتا رہا،

نوح سامانی بن نصر

یہ اپنے باپ نصر کی موت کے بعد ۳۳۲ھ میں بخارا میں تخت نشین ہوا یہ بڑا ہی نیک دل بادشاہ ہوا ہے، گیارہ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۴۳ھ میں فوت ہوگیا،

عبد الملک سامانی بن نوح

نوح کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک سامانی ۳۴۳ھ میں بخارا میں تخت نشین ہوا، اسی نے اپنے ایک سردار الپتگین کو خراسان کی گورنری کے عہدہ پر مامور کیا تھا، یہ سات سال حکومت کرنے کے بعد چوگان کھیلتے ہوئے، گھوڑے سے گر کر فوت ہوگیا،

منصور سامانی بن نوح

عبد الملک کے بعد اس کا بھائی منصور سامانی بن نوح ۳۵۰ھ میں تخت نشین ہوا، رکن الدولہ دیلمی کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد اس کے اثرات عراق اور فارس کے صوبوں میں بھی قائم ہوگئے تھے منصور سامانی نے ۱۵ سال حکومت کی،

ابوالقاسم نوح ثانی بن منصور

یہ اپنے باپ منصور کی وفات کے بعد ۳۶۵ھ (۹۷۶ء) میں بخارا میں تخت نشین ہوا، اس کے زمانہ میں دولت سامانیہ میں جا بجا بغاوتیں شروع ہوگئی تھیں، چنانچہ منغولستان کے سلطان بغرا خاں نے اس کے خلاف حملہ کرکے بخارا پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن جب بغرا خاں فوت ہوگیا، تو نوح ثانی دوبارہ بخارا پر قابض ہوگیا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سامانی امیر الپتگین کے داماد سبکتگین نے غزنی میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی تھی، امیر سبکتگین نوح ثانی کا بڑا ہمدرد تھا، اس نے بغرا خاں کے مقابلہ میں نوح ثانی کی بے حد مدد کی تھی سامانی حکومت کے باغی امراء نے جب بخارا پر حملہ کیا تھا، تو امیر سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود غزنوی نوح ثانی کی حمایت میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑے تھے، اور انہوں نے باغیوں کو شکست دے دی تھی، نوح ثانی نے ان باپ بیٹوں کی مخلصانہ خدمات سے خوش ہوکر سبکتگین کو خراسان کی

سند حکومت عطا کر دی تھی، نوح ثانی ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۸۷ھ میں فوت ہوگیا،

منصور ثانی بن نوح

نوح ثانی کے بعد اس کا بیٹا منصور ثانی ۳۸۷ھ میں جب بخارا کے تخت پر بیٹھا تو ترک امراء نے اس کے خلاف بغاوت برپا کر کے بخارا پر قبضہ جما لیا، اور اسے معزول کر دیا، لیکن اس کے بعد انہوں نے اسی کو تخت نشین کر دیا، اور اس کے پردہ میں خود حکومت کرتے رہے، لیکن چند روز کے بعد جب امرائے سلطنت اور منصور میں اختلافات پیدا ہوگئے، تو امراء نے اسے دوبارہ تخت سے اتار کر اسے اندھا کر دیا، اور اس کے بھائی عبدالملک ثانی کو تخت نشین کر دیا،

عبدالملک ثانی بن نوح

باغی امراء نے منصور ثانی کو معزول کرنے کے بعد اسے ۳۸۹ھ میں تخت پر بٹھا دیا، اور اسے ساتھ لیکر محمود غزنوی پر حملہ کر دیا، لیکن عبدالملک اور امراء کو محمود غزنوی کے مقابلہ میں بری طرح شکست ہوئی، اور یہ ناکام و نامراد بخارا لوٹ گئے، ایلک خان والی ترکستان جو مدت سے بخارا کی تاک میں لگا ہوا تھا، عبدالملک سامانی کی مدد کے بہانہ سے فوج لے کر بخارا جا پہنچا، اور عبدالملک اور اس کے بھائیوں کو گرفتار کر کے بخارا پر قابض ہوگیا

عبدالملک ثانی کا ایک بھائی اسمٰعیل بھیس بدل کر کسی نہ کسی طرح بخارا سے فرار ہوگیا تھا اس نے منتشر فوجوں کو جمع کر کے سامانی حکومت کو دوبارہ حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی، مگر اسے کامیابی نہ ہوئی، آخر سنہ ۳۹۲ھ میں اس کے مارے جانے کے بعد سامانی حکومت کا خاتمہ ہوگیا،

دولت بنی بویہ

خاندان بنی بویہ کا مورث اعلیٰ ابو شجاع تھا، جو بہرام کی اولاد میں تھا، ابو شجاع کے تین بیٹے تھے، اور یہ سب باپ بیٹے ماہی گیری کیا کرتے تھے، یہ لوگ قبیلہ دیلم سے تعلق رکھتے تھے، اسی لئے ان کو دیلمی کہا جاتا ہے، یہ سب باپ بیٹے بڑے بہادر اور شجاع تھے، اور ماہی گیری چھوڑ کر علوی حکومت طبرستان کی فوج میں بھرتی ہوگئے تھے، اور پھر اپنی بہادری کی بدولت بڑا نام پیدا کیا، یہاں تک کہ حکومت علوی کی طرف سے ابو شجاع کے تینوں بیٹوں علی، حسن اور احمد کو بہادری کے صلہ میں مختلف علاقوں کا حاکم بنا دیا گیا،

علی بویہ جسے کرج کا علاقہ ملا تھا، بے حد ہوشیار اور بہادر تھا، اس نے رفتہ رفتہ اپنی طاقت کو اتنا بڑھا لیا تھا، کہ حاکم طبرستان اندیشہ محسوس کرنے لگا، اور مخالف ہوگیا، علی بویہ نے جب یہ کیفیت دیکھی، تو حملہ کر کے اصفہان اور شیراز پر قبضہ کر لیا،

یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ خلافت عباسیہ بہت کمزور ہو چکی تھی، راضی باللہ جو علی بویہ کی قوت سے خوف کھا رہا تھا، اس قدر متاثر ہوا، کہ علی بویہ کو باقاعدہ حاکم تسلیم کر لیا، چند ہی دن کے بعد علوی حاکم مرداویج اپنی فوج

کے ہاتھوں قتل ہوگیا علی بویہ نے فارس، عراق اور خورستان کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا، اور خلیفہ بغداد نے بھی اس کو تسلیم کر لیا،

اب علی بویہ نے باقاعدہ شیراز کو اپنا مستقر بنا کر عماد الدولہ کے لقب سے حکومت کرنا شروع کردی، اور اپنے دوسرے بھائی حسن بویہ کو اپنا مشیر بنایا، اور تیسرے بھائی احمد بویہ کو اس نے فارس کی حکومت سپرد کردی، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خلافت عباسیہ میں امیر الامرائی کے عہدہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی، چنانچہ ہر امیر اور حکمران اس عہدہ کے حاصل کرنے کے لئے مضطرب رہتا تھا، اور کچھ ایسا دستور سا بن گیا تھا کہ جس امیر کی بھی طاقت بڑھ جاتی تھی، وہ بغداد پر حملہ کر کے بغداد پر قبضہ جمالیتا تھا، اور پھر وہی بغداد کی امیر الامرائی کے عہدہ کا مستحق سمجھا جاتا تھا،

علی بویہ کے چھوٹے بھائی احمد بویہ کے پاس اس وقت فارس میں بہت بڑی طاقت تھی، اس کی نظریں مدت سے بغداد کی امیر الامرائی کے لئے اٹھ رہی تھیں، اس کے حصول مقصد کے لئے اس لئے اور بھی موقعہ پیدا ہوگیا تھا، کیونکہ ابن شہرزاد کی امیر الامرائی اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے لب دم تھی، لہذا احمد بویہ نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بغداد پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جمالیا، یہ خلیفہ مستکفی کا زمانہ تھا خلیفہ نے حسب دستور اس فاتح بغداد کی خدمت میں امیر الامرائی کا قلمدان پیش کر دیا اس کے بعد خلیفہ کی جانب سے احمد بویہ کو معز الدولہ کا خطاب عطا ہوا، احمد بویہ کے بڑے بھائی علی بویہ کو عماد الدولہ کا خطاب ملا، اور منجھلا بھائی حسن بویہ رکن الدولہ کے خطاب سے نوازا گیا، غرض کہ ان تینوں بھائیوں کو خوب عروج حاصل ہوا،

رکن الدولہ حسن بویہ دیلمی

دیلمی حکومت کے بانی عماد الدولہ علی بویہ کے مرنے کے بعد ۳۳۸ھ (۹۴۹ء) میں اس کا چھوٹا بھائی رکن الدولہ حسن بویہ شیراز میں تخت نشین ہوا، اس کی تخت نشینی کے وقت سب سے چھوٹا بھائی معز الدولہ احمد بویہ بدستور بغداد کی امیر الامرائی کے عہدہ پر فائز تھا، اور ۳۵۶ھ تک بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ امیر الامرائی کے فرائض انجام دیتا رہا،

امیر الامراء معز الدولہ کے انتقال کے بعد یہ عہدہ ۳۵۶ھ میں اس کے بیٹے عز الدولہ بختیار کو مل گیا، یہ بڑا نا اہل اور مغرور تھا، چنانچہ ترک سرداروں نے جب اس کے خلاف شدید بغاوت برپا کر دی، تو اس نے اپنے چچا زاد بھائی عضد الدولہ بن رکن الدولہ کو اپنی مدد کے لئے بلایا، عضد الدولہ نے بغداد پہنچ کر بڑی مشکل سے اس بغاوت کو دبایا،

بغداد کی اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد عضد الدولہ کی نیت میں فرق آگیا اور وہ عز الدولہ کو محروم کرنے کے بعد خود امیر الامرائی کے عہدہ پر قابض ہوگیا، لیکن اس کے باپ رکن الدولہ کو جب معلوم ہوا کہ

عضدالدولہ نے اس کے بھتیجے عزالدولہ سے امیر الامرائی چھین لی ہے، تو وہ بیٹے کی اس ناانصافی پر بے حد برہم ہوا، اور اس نے بیٹے کو حکم دیا، کہ وہ فوراً عزالدولہ کا حق اسے واپس کردے، باپ کے اس حکم کے بعد عضدالدولہ مجبوراً اس عہدہ سے دست کش ہوگیا، اور بغداد کی امیر الامرائی پھر عزالدولہ بختیار کو مل گئی،

رکن الدولہ بڑے ہی بلند کردار کا سلطان ہوا ہے، یہ عضدالدولہ کو ولی عہد نامزد کرنے کے بعد ۳۶۵ھ میں ۴۸ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا، اس کے زمانہ میں بغداد اور دیلمی سلطنت میں شیعیت کو خوب فروغ حاصل ہوا، اس نے اپنی زندگی ہی میں ہمدان کی حکومت اپنے بیٹے فخرالدولہ کو اور اصفہان کی حکومت مؤیدالدولہ کو دے دی تھی،

عضدالدولہ بن رکن الدولہ

یہ اپنے باپ رکن الدولہ کی وفات کے بعد ۳۶۵ھ میں فارس اور کرمان کے تخت پر بیٹھا، اور اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی بغداد پر حملہ کرکے عزالدولہ بختیار سے بغداد کی امیر الامرائی کا عہدہ دوبارہ چھین لیا، اور عزالدولہ کو گرفتار کرکے قتل کر دیا، عضدالدولہ نے ۳۶۹ھ میں دولت حسنیہ کردستان کو شکست دے کر کردستان کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرلیا، اور اس نے اپنے بھائی فخرالدولہ سے ہمدان اور رے کے علاقے اس بنا پر چھین لئے تھے، کہ فخرالدولہ نے عزالدولہ بختیار کی جنگ میں بختیار کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا،

عضدالدولہ سات سال حکومت کرنے کے بعد ۳۷۲ھ میں مرگی کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد انتقال کر گیا، یہ بڑا لائق حکمران تھا، اس نے نئے نئے علاقے فتح کرکے دیلمی سلطنت کو خوب وسیع کرلیا تھا، بغداد کو دوبارہ آباد کرکے، اس نے بغداد کی رونق کو بہت زیادہ بڑھا دیا تھا، اس نے مدینہ طیبہ کے گرد شہر پناہ بنوائی، حضرت علی رض کی قبر کا پتہ لگا کر اس پر ایک نہایت شاندار مقبرہ تعمیر کیا، سارے ملک میں مدرسے، شفاخانے، پل اور رفاہ عام کے لئے بے شمار عمارتیں بنوائیں،

مؤیدالدولہ بن رکن الدولہ

عضدالدولہ ایک طرف تو دیلمی سلطنت کا سلطان تھا، اور دوسری طرف امیر الامراء ہونے کی وجہ سے خلافت عباسیہ بھی اسی کے ہاتھ میں تھی، لیکن ۳۷۲ھ (۹۸۲ء) میں اس کے مرنے کے بعد یہ دونوں اعزاز دیلمی امراء نے الگ الگ کردیئے یعنی بغداد کی امیر الامرائی کی گدی پر تو عضدالدولہ کے بیٹے ابوکالیجار کو صمصام الدولہ کے لقب کے ساتھ بٹھا دیا، اور دیلمی سلطنت کے تخت پر مؤیدالدولہ بن رکن الدولہ کو متمکن کردیا، لیکن مؤیدالدولہ تخت نشینی کے بعد فوراً ہی مر گیا

فخرالدولہ بن رکن الدولہ

جب مؤیدالدولہ مر گیا، تو دیلمی امراء نے مؤید کے بھائی فخرالدولہ کو تخت نشین کردیا، صمصام الدولہ بدستور بغداد کی امیر الامرائی کے عہدہ پر سرفراز

رہا، لیکن چند ماہ کے بعد ہی دیلمی امراء نے فخر الدولہ سے ناراض ہو کر اسے معزول کر دیا،

صمصام الدولہ بن عضد الدولہ

صمصام الدولہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد سے امیر الامرائی کے فرائض تو انجام دے ہی رہا تھا، لیکن جب ۳۷۳ھ میں اس کا چچا فخر الدولہ معزول ہوا، تو امرائے سلطنت نے امیر الامرائی کے منصب کے ساتھ اسے دیلمی سلطنت کا بادشاہ بھی بنا دیا، لیکن تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اپنے بھائی شرف الدولہ سے اس کی جنگ چھڑ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ۳۷۵ھ میں شرف الدولہ نے صمصام الدولہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیا، اور قید کر دیا، اور خود دیلمی سلطنت کا فرمانروا بھی بن گیا۔ اور امیر الامرائی کے منصب پر بھی قبضہ جما لیا،

شرف الدولہ بن عضد الدولہ

صمصام الدولہ کی شکست اور قید کے بعد خلیفہ طائع نے ۳۷۵ھ میں شرف الدولہ کی حکومت اور بغداد کی امیر الامرائی کی تصدیق کر دی، شرف الدولہ کے تخت نشین ہوتے ہی اس کی فوج کے ترکوں اور دیلمیوں میں بری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی، جسے شرف الدین نے بڑی دشواری سے ختم کیا، شرف الدولہ کی حکومت کو صرف تین سال اور چند مہینے گذرے تھے، کہ ۳۷۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا،

بہار الدولہ بن عضد الدولہ

یہ شرف الدولہ کی وفات کے بعد ۳۷۹ھ میں دیلمی سلطنت کے تخت پر اور امیر الامرائی کی مسند پر بیٹھا، اس کے تخت نشین ہوتے ہی اس کے بھائیوں نے بغاوت برپا کر دی، صمصام الدولہ اور اس کا دوسرا بھائی ابو طاہر جو شیراز میں قید تھے، قید خانہ سے فرار ہونے کے بعد بہار الدولہ کے مقابلہ پر آ گئے، ۳۷۹ھ میں صمصام الدولہ نے اس سے فارس اور ارجان کے صوبے چھین لئے، ان لڑائیوں کی وجہ سے چونکہ بہار الدولہ کا خزانہ خالی ہو گیا تھا، اس لئے اس نے خلیفہ طائع سے بالجبر روپیہ وصول کرنا چاہا، جب روپیہ وصول نہ ہوا، تو بہاؤ الدولہ نے طیش میں آ کر طائع کو معزول کر کے قادر کو خلیفہ بنا دیا، اس دوران میں بہاء الدولہ نے کئی مرتبہ صمصام الدولہ سے فارس واپس لینے کی کوشش کی، مگر ہر مرتبہ ناکامی ہوئی، آخر ۳۸۸ھ میں صمصام الدولہ کے قتل کے بعد اس کا دوبارہ فارس پر قبضہ ہو گیا، ۳۹۰ھ میں بہار الدولہ کا دوسرا باغی بھائی ابو طاہر بھی قتل کر دیا گیا، اور یہ اطمینان کے ساتھ حکومت کرنے لگا، بہار الدولہ ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۰۳ھ میں فوت ہو گیا،

سلطان الدولہ بن بہار الدولہ

بہار الدولہ کے بعد اس کا بیٹا سلطان الدولہ ۴۰۳ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے زمانہ میں بھی برابر بغاوتیں برپا ہوتی رہیں، چنانچہ ۴۱۱ھ میں اس کے بھائی شرف الدولہ نے اس پر حملہ کر دیا، اور دونوں میں جنگ چھڑ گئی، مگر ۲ سال

کی جنگ کے بعد آپس میں صلح ہو گئی، صلحنامہ کی رو سے عراق کا علاقہ اور بغداد کی امیر الامرائی تو شرف الدولہ کے حصہ میں آئی، اور فارس و کرمان کی موروثی حکومت سلطان الدولہ کے قبضہ میں رہی، سلطان الدولہ کا ۴۱۵ھ میں اور شرف الدولہ کا ۴۱۶ھ میں انتقال ہو گیا،

ابو کالیجار بن سلطان الدولہ

سلطان الدولہ کے بعد ۴۱۵ھ میں اس کا بیٹا ابو کالیجار دیلمی سلطنت کے تخت پر بیٹھا، ۴۱۶ھ میں جب شرف الدولہ مر گیا، تو عراق کی حکومت اور بغداد کی امیر الامرائی اس کے دوسرے بھائی جلال الدولہ کو مل گئی، لیکن ۴۳۵ھ میں جلال الدولہ کے مرنے کے بعد ابو کالیجار نے بغداد کی امیر الامرائی پر بھی قبضہ جما لیا، ابو کالیجار ۲۵ سال کی حکومت اور پانچ سال کی امیر الامرائی کے بعد ۴۴۰ھ میں انتقال کر گیا،

ملک الرحیم بن ابو کالیجار

ابو کالیجار کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک الرحیم ۴۴۰ھ میں دیلمی سلطنت کے تخت پر اور امیر الامرائی کی مسند پر متمکن ہوا، لیکن ۴۴۷ھ میں طغرل بیگ سلجوقی نے بغداد میں داخل ہو کر اس کی امیر الامرائی کو ختم کر کے بغداد کی تولیت اپنے ہاتھ میں لے لی، اس کے بعد ۴۵۰ھ میں جب سلجوقیوں کے ہاتھ وہ قتل ہوا، تو اس کے قتل کے بعد بنی بویہ کی حکومت بھی ختم ہو گئی،

دولتِ افغانستان کی ابتداء

الپتگین پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ سامانی فرمانروا عبدالملک بن نوح نے اپنے غلام الپتگین کو خراسان کا گورنر بنادیا تھا، مگر جس وقت عبدالملک کے بعد اس کا نوعمر بیٹا منصور تخت پر بیٹھا، تو الپتگین نے سخت مخالفت کی، اور جب وہ سامانی امراء کی مدد سے تخت نشین ہوگیا۔ تو الپتگین کو خطرہ ہوا، کہ کہیں مجھ سے بدلہ نہ لیا جائے لہذا وہ خراسان سے غزنی چلا گیا، اور وہاں کے سامانی حاکم سے غزنی کا علاقہ چھین کر غزنی اور کابل میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی،

الپتگین کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحق اور پھر دو غلام تخت پر بیٹھے، اور اس کے بعد سبکتگین کا دور شروع ہوا جو الپتگین کا غلام اور داماد تھا

سلطان سبکتگین اکثر مورخین کا بیان ہے، کہ سبکتگین ایران کے کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا، مگر اتفاق سے قزاقوں کے ہاتھ پڑ گیا، اور وہ بخارا میں فروخت کر گئے، اور الپتگین نے اسے خرید لیا اور جوان ہو کر ایسے کارنامے کئے، کہ الپتگین نے اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا، اور پھر آگے چل کر اپنی لڑکی سے شادی بھی کردی،

سبکتگین نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنی طاقت کو خوب بڑھایا، اس نے بست اور قصدار کی ریاستوں کو فتح کر کے حکومت غزنیں میں شامل کرلیا، اسی زمانہ میں جب کہ سامانی امراء نے سامانی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کی، اور سامانی بادشاہ نے سبکتگین کو اپنی مدد کے لئے بلایا، تو اس نے بخارا پہنچنے کے بعد امراء کی بغاوت کو کچل ڈالا۔ سبکتگین بخارا کی جنگ سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اسے اطلاع ملی، کہ نیشاپور میں باغیوں نے اس کے بیٹے محمود کو گھیر لیا ہے۔ اس اطلاع کے ملنے پر وہ فوراً بیٹے کی مدد کے لئے نیشاپور پہنچا، اور باغیوں کو بری طرح شکست دی اس کے بعد سنہ ۳۷۶ھ میں پنجاب اور سندھ کے راجہ جے پال نے جب اس کے ملک پر فوج کشی کی، تو سبکتگین نے اسے شکست دے کر گرفتار کرلیا، راجہ نے خراج اور اطاعت کے وعدہ پر رہائی حاصل کرلی، مگر بدعہدی کر کے دوبارہ تین لاکھ کا لشکر جرار کابل پر چڑھا دیا، سبکتگین نے اس مرتبہ بھی چند ہزار سپاہیوں سے راجہ جے پال کو نہ صرف شکست دے دی، بلکہ گرفتار بھی کرلیا، لیکن راجہ نے جب معافی مانگ لی، تو اسے دوبارہ اقرار اطاعت لے کر چھوڑ دیا، اس جنگ کے بعد پشاور تک سبکتگین کا قبضہ ہوگیا، اور مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی

فتح یابی آسان ہوگئی،

سلطان محمود غزنوی

سبکتگین کا بڑا بیٹا تھا اپنے باپ کے انتقال کے بعد ۳۸۶ھ (۹۹۶ء) میں تخت نشین ہوا، اور باپ کی طرح بخارا، آذربائیجان اور فارس کی لڑائیوں میں مصروف ہوگیا، ان لڑائیوں میں اس کی شمشیر خارا شگاف نے وہ کارنامے دکھلائے، کہ وہ اپنے دور کا سکندر ثانی شمار ہونے لگا، اس کی عظیم الشان فتوحات سے متاثر ہوکر عباسی خلیفہ قادر باللہ نے اسے یمین الدولہ امین الملت کا خطاب عطا کیا تھا، اور باقاعدہ سند حکومت بھی دے دی تھی،

محمود غزنوی بڑا ہی حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے، وہ فتوحات سے کبھی نہیں تھکتا تھا، وسط ایشیا میں اس کی فتوحات نے دور، دور تک اس کی دھاک قائم کردی تھی، چنانچہ بخارا کے بادشاہ عبدالملک سامانی نے جب محمود کے خلاف فوج کشی کی، تو محمود نے اسے اور اس کے ساتھی امراء کو شکست فاش دی، اور وہ شکست کھاکر بخارا واپس چلا گیا، لیکن بخارا پہنچنے کے بعد فوراً ہی ایلک خان والئی ترکستان نے دھوکہ سے بخارا پر قبضہ کرلیا، اور عبدالملک سامانی اور اس کے بھائیوں کو قید کردیا، محمود غزنوی ایلک خاں کے مقابلہ پر بھی آگیا، اور اس نے ایلک خاں کو بخارا سے بھگادیا، اور بخارا کو اپنی حدود سلطنت میں شامل کرلیا، محمود غزنوی کا اس کے بعد جب مغلوں سے مقابلہ ہوا، تو اس نے مغلوں کے سردار طغاخاں کو شکست دے کر اپنی سلطنت کو بحر کیسپین تک بڑھالیا، پھر ولایت خوارزم پر بھی قبضہ کرلیا، سیستان اور خراسان کے علاقے تو پہلے ہی سے سلطنت غزنین میں شامل تھے، دیلمیوں کی شکست کے بعد اصفہان بھی غزنین کا ایک صوبہ بن گیا،

محمود وسط ایشیا کی فتوحات میں ایسا منہمک تھا، کہ شاید وہ ہندوستان کی جانب رخ بھی نہ کرتا، لیکن پنجاب کے راجہ جے پال اور اس کے بیٹے انند پال نے حسب سابق بار بار سلطنت غزنین کے علاقوں پر یورش کرکے اسے ہندوستان پر جوابی حملے کرنے کے لئے مجبور کردیا، لہٰذا وہ وسط ایشیا سے ہندوستان کی جانب پلٹ پڑا، اور اس نے متعدد حملے کرکے سندھ، پنجاب اور گجرات کا بیشتر علاقہ فتح کرلیا، مختصر یہ کہ محمود نے اپنی اولوالعزمی کی بدولت دریائے ستلج سے لے کر بحر کیسپین تک اور ماوراء النہر سے لے کر بلوچستان و عراق تک ایک نہایت ہی عظیم الشان سلطنت قائم کرلی تھی،

محمود غزنوی نہایت ہی سچا اور دیندار مسلمان تھا، قرامطہ یعنی مسلم نما بے دینوں کے خون کا وہ پیاسا تھا، چنانچہ اپنے دور حکومت میں اس نے قرامطہ کو کچلنے میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی، وہ بہت بڑا بہادر ہونے کے ساتھ درگذر کا بھی عادی تھا، چنانچہ ہندو راجاؤں کی پے در پے بدعہدیوں کے باوجود اس نے ان راجاؤں سے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ برابر ان کو معاف کرتا رہا، وہ حکومت کے معاملہ میں بڑا ہی وسیع النظر تھا، اس نے اپنی فوج میں مسلمانوں کے علاوہ

ہندوؤں کو بھی بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے، اور ہمیشہ ان پر بھروسہ کرتا تھا چنانچہ ہندوستان کی فتوحات میں اس نے ہندو سرداروں اور ہندو فوج سے بہت بڑا کام لیا تھا، اس کے خلاف یہ الزام قطعی بے بنیاد ہے کہ وہ ہندو مندروں کا دشمن تھا، اس نے صرف ان ہی مندروں کو ہاتھ لگایا ہے جو اس کے خلاف سیاسی سازشوں کا مرکز بنے ہوئے تھے، باقی دوسرے ہزاروں مندروں کی جانب اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں، وہ بہت بڑا بادشاہ ہونے کے باوجود نہایت ہی سادہ مزاج مسلمان تھا، ہر وقت خدا سے ڈرتا رہتا تھا، ہر جنگ سے پہلے بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگا کرتا تھا، اور جب اسے فتح حاصل ہو جاتی تھی، تو سجدۂ شکر ادا کرتا تھا محمود غزنوی ۳۳ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۲۱ھ میں انتقال کر گیا، اور اپنے پیچھے ایک نہایت ہی وسیع سلطنت چھوڑ گیا،

محمود غزنوی نے ہندوستان پر پہلا حملہ ۳۹۱ھ میں کیا، دوسرا حملہ ۴۰۰ھ میں نگرکوٹ کے مندر پر کیا اور اس کے بعد کشمیر اور متھرا پر چڑھائی کی، ۴۱۰ھ میں قنوج کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی، ۴۱۶ھ میں اجمیر پر دھاوا بولا گیا، اور پھر وہاں سے سومنات گیا، اور بت خانہ کو توڑ کر خدا کے نام کو بلند کیا،

امیر مسعود غزنوی محمود غزنوی نے خلیفہ ہارون الرشید کی طرح اپنی زندگی ہی میں غزنوی سلطنت کو اپنے دو بیٹوں مسعود اور محمد کے درمیان تقسیم کر دیا تھا، خوارزم، فارس، اصفہان اور عراق کا علاقہ تو اس نے اپنے بڑے بیٹے مسعود کو دیا تھا، اور ماوراء النہر خراسان، غزنیں اور پنجاب کی حکومت اپنے چھوٹے بیٹے امیر محمد کو دی تھی، محمود غزنوی نے یہ تقسیم اس لئے کی تھی، کہ دونوں بھائی اپنے اپنے علاقوں میں امن اور آشتی کے ساتھ حکومت کرتے رہیں، لیکن ہوا یہ کہ محمود کے مرتے ہی دونوں بھائیوں میں بری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی، آخر کئی مہینے کی جنگ کے بعد امیر مسعود نے غزنیں فتح کر کے اپنے چھوٹے بھائی محمد کو گرفتار کر لیا، اور اسے اندھا کر کے قید میں ڈال دیا، محمود غزنوی کی اولاد کی اس خانہ جنگی کا نتیجہ یہ نکلا، کہ غزنوی حکومت کی دھاک ختم ہو گئی، ملک میں جابجا اندرونی بغاوتیں شروع ہو گئیں، اور بیرونی دشمنوں نے بھی دست درازیاں شروع کر دیں، سلجوقی جن کا اقتدار دم بدم بڑھ رہا تھا، انہوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غزنیں کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا، امیر مسعود کے لئے ایک تازہ مصیبت یہ کھڑی ہو گئی، کہ اس کی فوج میں اس کے خلاف سخت ناگواری پھیل گئی اس ناگواری کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ اسے ہندو فوجیں تیار کرنے کا بڑا شوق تھا چنانچہ اس نے اپنی فوج میں ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد بھرتی کر لی تھی، مسعود ہندوؤں پر اس قدر مہربان تھا، کہ وہ افغانی اور ایرانی سپاہیوں کے مقابلہ میں ان کو بہت زیادہ تنخواہیں دیتا تھا، متعدد ہندوؤں کو اس نے اپنی فوج میں بہت بڑے بڑے عہدے دے رکھے تھے، یہاں تک کہ اس نے ایک ہندو حجام کے لڑکے تلک کو مہاراجہ کا خطاب دے کر سپہ سالار

بنا دیا تھا مسعود کے اس رویہ نے افغانی اور ایرانی سپاہیوں کو اس سے بددل کر دیا تھا چنانچہ فوج کی اس بد دلی کی بدولت خراسان کے مورچہ پر مسعود کو سلجوقیوں کے مقابلہ میں ایسی شکست فاش ہوئی، کہ اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ غزنین سے ترک وطن کر کے اور تمام مال و خزانہ لے کر اپنی ہندوستانی فوج کے ہمراہ لاہور کو دار السلطنت بنانے کی غرض سے ہندوستان کی جانب روانہ ہو گیا، غزنین سے روانہ ہوتے وقت اس نے غزنین اور خراسان کی حکومت اپنے بیٹے امیر مودود کے حوالہ کر دی تھی،

امیر مسعود کی یہ انتہائی بدقسمتی تھی، کہ جس ہندو فوج کی وجہ سے اس کا افغانوں اور ایرانیوں سے بگاڑ ہوا تھا، اس نے بھی اس سے آنکھیں پھیر لیں، چنانچہ دریائے سندھ عبور کرتے ہی مسعود کی ہندو فوج نے کسی بات پر اس سے خفا ہو کر وہ سارا مال و خزانہ لوٹ لیا جو امیر سبکتگین اور محمود غزنوی نے چالیس پچاس سال میں مختلف ممالک کی فتوحات کے ذریعہ جمع کیا تھا، جب ہندو فوج مال و خزانہ لوٹ کر اور مسعود کو چھوڑ کر چلی گئی، تو مسلمانوں کی اس مختصر سی جماعت نے جو مسعود کے ساتھ رہ گئی تھی مسعود کو تو معزول کر دیا، اور اس کے نابینا بھائی امیر محمد کو جو بطور قیدی مسعود کے ساتھ تھا اپنا بادشاہ بنا لیا،

امیر محمد غزنوی

امیر مسعود کے معزول کئے جانے کے بعد امیر محمد بادشاہ بن گیا، اس نے پنجاب اور سرحد میں اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا، اور امیر مسعود کو مع اہل و عیال قلعہ کری میں نظر بند کر دیا، لیکن امیر محمد کے بیٹے احمد نے قلعہ کری میں گھس کر امیر مسعود کو قتل کر کے ایک نیا ہنگامہ برپا کر دیا چنانچہ امیر مسعود کے بیٹے مودود کو جب بلخ میں باپ کے قتل کی اطلاع ملی، تو وہ لشکر عظیم لے کر ہندوستان آیا، اور اس نے امیر محمد کی فوجوں کو شکست دے کر امیر محمد اور اس کے تمام اہل و عیال کو تہ تیغ کر دیا،

امیر مودود بن مسعود

مودود بن مسعود اپنے چچا امیر محمد کے قتل کے بعد ۴۳۲ھ میں غزنین میں تخت نشین ہوا اس کی سلجوقیوں سے بہت لڑائیاں ہوئیں، جن میں اسے بری طرح شکست ہوئی، سلجوقیوں نے خراسان، خوارزم اور عراق وغیرہ کے تمام علاقے مودود سے چھین لئے، اور اس کے قبضہ میں محض ماوراء النہر غزنین اور پنجاب کی حکومت رہ گئی، مودود چھ سال حکومت کرنے کے بعد ۴۴۱ھ میں فوت ہو گیا،

دولت غزنویہ کا زوال

کس قدر افسوسناک ہے یہ امر کہ محمود اور اس کا باپ جتنے بہادر اور منتظم تھے محمود کی اولاد اتنی ہی کوتاہ اندیش ثابت ہوئی، نتیجہ ظاہر ہے، کہ ایسی حالت میں کوئی بھی حکومت باقی نہیں رہ سکتی، چنانچہ وہی ہوا، کہ آپس کی مخالفت نے مختصر سے عرصہ میں غزنوی حکومت کا دنیا سے نام و نشان تک مٹا دیا، امیر مودود کے بعد اس خاندان کے جو برائے نام بادشاہ ہوئے ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) **مسعود بن مودود** اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ بہت نو عمر تھا۔ صرف تین مہینے اس کی حکومت رہی۔

(۲) **علی بن مسعود** ۴۴۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ لیکن اس کی حکومت کا زمانہ بھی نہایت مختصر ہے۔

(۳) **عبدالرشید بن محمود** ۴۴۲ھ میں تخت پر بیٹھا اور دو سال کے بعد طغرل نامی سردار نے اسے قتل کر کے حکومت پر قبضہ جما لیا لیکن اس کے بعد طغرل بھی قتل کر دیا گیا۔

(۴) **فرخ زاد بن مسعود** ۴۴۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی سلجوقیوں سے کئی لڑائیاں ہوئی ہیں۔

(۵) **ابراہیم بن مسعود** ۴۵۰ھ میں اپنے بھائی فرخ زاد کے بعد تخت پر بیٹھا اس نے سلجوقیوں کے ساتھ صلح کر کے ہندوستان کے باغی سرداروں اور راجاؤں کو سیدھا کیا۔

(۶) **مسعود بن ابراہیم** ۴۸۱ھ میں اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اور ۵۰۹ھ میں فوت ہو گیا۔

(۷) **شہزاد بن مسعود** یہ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کی مدت حکومت صرف چند ماہ ہے۔

(۸) **ارسلان بن مسعود** ۵۰۹ھ میں اپنے بھائی شہزاد کے بعد تخت پر بیٹھا لیکن تین سال کے بعد سلطان سنجر سلجوقی نے غزنیں فتح کر کے اسے معزول کر دیا۔

(۹) **بہرام شاہ بن مسعود** ۵۱۲ھ میں اسے سنجر سلجوقی نے غزنیں میں تخت نشین کیا اور یہ سلجوقیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔ آخری دور حکومت میں غوریوں نے غزنیں پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور اسے غزنیں سے نکال دیا۔ یہ بھاگ کر ہندوستان چلا آیا اور ۵۴۷ھ میں فوت ہوا۔

(۱۰) **خسرو شاہ بن بہرام** اپنے باپ کے بعد ۵۴۷ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا۔ آٹھ سال پنجاب پر حکومت کرنے کے بعد لاہور میں فوت ہوا۔

(۱۱) **خسرو ملک** اپنے باپ خسرو شاہ کے بعد ۵۵۵ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا۔ ۵۸۵ھ میں غوریوں نے پنجاب کو فتح کر کے خسرو ملک کو گرفتار کر لیا۔ اور اسکی گرفتاری کے بعد دولتِ غزنویہ ختم ہو گئی۔

حکومت غوریہ کی ابتداء

حکومت غوریہ کی ابتدا کا تذکرہ بھی اس جگہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ غوری حکمران شہاب الدین غوری نے ہندوستان میں ایک ایسی مستقل حکومت کی بنیاد قائم کی جس کے بعد مسلمان صدیوں تک ہندوستان پر بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

غور کا وہ کوہستانی علاقہ جس کے نام سے یہ سلطنت مشہور ہوئی ہرات اور غزنیں کے درمیان واقع ہے۔ اس علاقہ میں مدت سے ایک خود مختار چھوٹی سی ریاست قائم تھی۔ جس زمانہ میں کہ اس ریاست کا حکمران محمد بن سور تھا اس زمانہ میں محمود غزنوی نے اس پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تھا اور ۴۰۱ھ میں محمد بن سور کے بیٹے امیر ابو علی سور کو اپنی طرف سے غور کا حاکم مقرر کر دیا۔ امیر ابو علی کے بعد اس کے بھائی شیث کو غور کی حکومت ملی۔ شیث کے بعد اس کا بیٹا امیر عباس حاکم ہوا۔ پھر امیر محمد بن عباس نے حکومت سنبھالی۔ اس کے بعد امیر محمد کا بیٹا قطب الدین حسن حکمران بنا اس کے مرنے کے بعد قطب الدین حسن کا بیٹا عز الدین حسن غور کا حاکم ہوا۔

عز الدین حسن غوری

عز الدین حسن غوری کو "دولت غوریہ" کا بانی سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اس نے غزنوی بادشاہوں کی کمزوری سے بڑی حد تک فائدہ اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے "دولت غوریہ" کی مختاری کا اعلان کیا تھا۔ اور غزنیں کے سلطان مسعود بن ابراہیم کو با دل ناخواستہ غوریوں کی اس نئی حکومت کو گوارہ کرنا پڑا تھا۔ اس خود مختاری کے اعلان کے بعد ہی سے سلطنت غوریہ کا عروج شروع ہوا۔

سیف الدین بن عز الدین

عز الدین حسن غوری کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین ۵۴۳ھ (۱۱۴۸ء) میں تخت نشین ہوا۔ سیف الدین کے چھ بھائی اور تھے۔ ان سب میں بڑی محبت تھی۔ ان چھ بھائیوں میں سے ایک بھائی قطب الدین جب کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے خسر بہرام شاہ والئی غزنیں کے پاس چلا گیا تو بہرام شاہ نے اسے جاسوسی کے شبہ میں قتل کرا دیا۔ قطب الدین کے قتل کے بعد سیف الدین والئی غور نے اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینے کے لئے غزنیں پر حملہ کر دیا۔ اور ۵۴۳ھ میں غزنی پر قابض ہو گیا۔ بہرام شاہ شکست کے بعد ہندوستان بھاگ گیا لیکن آئندہ سال اس نے ہندوستان سے لشکر کشی کر کے غزنیں کو واپس لے لیا اور سیف الدین کو گرفتار کر کے پہلے تو اس کی خوب تذلیل کی اس کے بعد قتل کرا دیا۔

علاء الدین حسن جہاں سوز

سیف الدین کے بے دردانہ قتل کے بعد جب اس کا بھائی علاء الدین حسن ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں غور کے تخت پر بیٹھا تو اس نے فوراً اپنے دوسرے بھائی بہاء الدین سام کو لشکر عظیم دے کر بہرام شاہ سے انتقام لینے کے لئے غزنیں کی جانب روانہ کر دیا

لیکن یہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ فوت ہوگیا۔ بہرام شاہ کی بدولت پے در پے تین بھائیوں کی جانیں ضائع ہو جانے کی وجہ سے علاء الدین حسن بری طرح مشتعل ہوگیا۔ اور وہ خود ایک لشکر جرار لے کر غزنین پر چل پڑا۔ بہرام شاہ نے اپنے ہندوستانی لشکر کے ذریعہ غزنین کو بچانے کی کوشش کی مگر اسے شکست ہوگئی اور فرار ہوگیا۔ علاء الدین حسن جو غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا اس نے غزنین میں داخل ہو کر سات شبانہ روز قتل عام کرایا۔ شہر کو آگ لگا کر خاک کا ڈھیر بنا دیا اور ایسی تباہی مچائی کہ غزنین کا کوئی گھر جلنے سے اور کوئی خاندان قتل ہونے سے محفوظ نہ رہ سکا یہاں تک کہ محمود غزنوی کی قبر کے علاوہ دیگر تمام غزنین کے سلاطین کی قبریں بھی کھدوا ڈالیں اور قبروں سے ہڈیاں نکلوا کر ان کو بھی جلا ڈالا۔ اس غارتگری کے واقعہ کے بعد ہی سے علاء الدین حسن جہاں سوز کے نام سے مشہور ہوا۔ علاء الدین حسن ایک معرکہ کے دوران میں سلطان سنجر سلجوقی کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا تھا۔ مگر سلطان سنجر نے چند ہی روز کے بعد اسے رہا کر دیا تھا۔

سیف الدین محمد بن علاء الدین

یہ اپنے باپ علاء الدین جہاں سوز کے بعد ۵۵۶ھ میں غور کے تخت پر بیٹھا۔ سیف الدین محمد ایک نہایت ہی سچا مسلمان اور باخدا حکمران تھا۔ اس کو قرامطہ اور ملاحدہ سے سخت نفرت تھی چنانچہ ملاحدہ کے سپہ سالار ابو العباس کے ہاتھوں دھوکہ سے قتل ہوا۔

غیاث الدین بن بہاء الدین سام

سیف الدین کے قتل کے بعد سپہ سالار ابو العباس شیش نے سیف الدین کے چچازاد بھائی غیاث الدین غوری کو ۵۵۸ھ میں تخت نشین کر دیا۔ غیاث الدین کا چھوٹا بھائی شہاب الدین غوری اس زمانہ میں بامیان میں تھا، جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا بڑا بھائی تخت نشین ہو چکا ہے، اور سپہ سالار نے اسے کٹھ پتلی بنا رکھا ہے، تو وہ فوراً بھائی کے پاس فیروزہ کوہ آگیا، اور ہمت سے کام لے کر ایک روز سپہ سالار ابو العباس شیش کو سر دربار قتل کر دیا، غدار سپہ سالار کے فتنہ سے نجات پانے کے بعد دونوں بھائی مل کر حکومت کرنے لگے،

غیاث الدین غوری جو اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری سے بے حد محبت کرتا تھا، اس نے ابتداء میں تو شہاب الدین کو تگین آباد اور گرم سیر کا حاکم بنا دیا، اس کے بعد جب غزنین فتح ہوگیا، تو ۵۶۷ھ میں شہاب الدین کو پورے شاہانہ تزک و احتشام سے غزنین لے جا کر تخت نشین کیا، ان دونوں بھائیوں نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنی جنگی سرگرمیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ میدان تجویز کر لئے تھے، غیاث الدین اندرونی بغاوتوں کو دبانا رہا، اور قرب وجوار کے علاقوں میں فتوحات میں مصروف رہا، اس نے ترکان غز کو مطیع کیا، امرائے سنجر سے ہرات اور بلخ وغیرہ کے علاقے چھین لئے، اور خوارزم شاہی حکومت کو شکست دے کر اسے اپنے قدموں میں جھکا لیا۔ اور دوسرے بھائی شہاب الدین نے اپنی فتوحات کے لئے ہندوستان کو تجویز کر لیا تھا چنانچہ وہ ہندوستان میں بڑی

شاندار فتوحات حاصل کرتا رہا،

شہاب الدین غوری

شہاب الدین غوری نے اپنے بھائی غیاث الدین کے زمانہ حیات ہی میں ہندوستان کا ایک وسیع علاقہ فتح کرنے کے بعد یہاں باقاعدہ غوری حکومت قائم کرلی تھی، اس نے ۵۷۱ھ میں سندھ اور ملتان کو فتح کر کے غزنوی خاندان کی حکومت ختم کی، اور ۵۸۲ھ میں غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک کو گرفتار کر کے غزنیں بھیج دیا، ۵۸۷ھ میں اجمیر کے راجہ پرتھوی راج سے جنگ ہوئی، مگر اس جنگ میں شہاب الدین غوری کو شکست ہوگئی، لیکن آئندہ سال ہی شہاب الدین غوری نے تھانیسر کے میدان میں پرتھوی راج اور اس کے ساتھی ڈیڑھ سو راجاؤں کو شکست فاش دے کر ہندوستان میں اپنی سلطنت کی حدود کو خوب وسیع کرلیا، اور اس کے بعد قنوج فتح کیا،

۵۹۹ھ میں غیاث الدین کی موت کے بعد شہاب الدین غوری غور کا بھی بادشاہ بن گیا، غور کی حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے ہندوستان کے لئے اپنے غلام قطب الدین ایبک کو وائسرائے مقرر کردیا، قطب الدین نے ہندوستان کی حکومت سنبھالنے کے بعد بہار اور بنگال تک کا علاقہ فتح کرلیا تھا، ۶۰۲ھ میں شہاب الدین جب ہندوستان سے غزنیں جا رہا تھا، تو راستہ میں خیمہ میں گھس کر ملاحدہ نے اس کا کام تمام کردیا،

شہاب الدین غوری کے جانشین

شہاب الدین غوری کے کیونکہ نرینہ اولاد نہیں تھی، اس لئے وہ اپنے غلاموں ہی کو بمنزلہ اولاد کے سمجھتا تھا، چنانچہ ہندوستان میں اس کا جانشین قطب الدین ایبک مقرر ہوا،

قطب الدین ایبک

یہ ہندوستان میں شاہان غلاماں کی سلطنت کا بانی ہے، اسی طرح غزنیں کے تخت پر ایک دوسرا غلام تاج الدین یلدوز بیٹھا، ان غلاموں کے علاوہ شاہی خاندان کے جو افراد تخت نشین ہوئے، وہ یہ ہیں،

محمود غوری بن غیاث الدین

یہ اپنے چچا شہاب الدین کے بعد ۶۰۲ھ میں فیروز کوہ میں تخت نشین ہوا، بست کی حکومت پہلے ہی سے اس کے پاس تھی، اس کی سلطنت پر خانہ زاد غلام حاوی تھے، یہ پانچ سال کی حکومت کے بعد ۶۰۷ھ میں قتل ہوا،

بہاءالدین سام بن محمود

یہ اپنے باپ کے بعد ۶۰۷ھ میں غور میں تخت نشین ہوا، مگر چند روزہ حکومت کے بعد اسے خوارزم شاہیوں نے گرفتار کرلیا، اس کے بعد اس خاندان کے متوسلین نے یکے بعد دیگرے غور میں برائے نام حکومت کی، لیکن کچھ مدت کے بعد اس برائے نام حکومت کا بھی خاتمہ ہوگیا،

شاہان سلجوق پر ایک نظر!

اگر تاریخ میں شاہانِ سلجوق کا تذکرہ یکجائی طور پر نہ کیا جائے تو یقیناً ایک بہت بڑی کمی رہ جائے گی، کیونکہ شاہانِ سلجوق کا ظہور ایسے وقت میں ہوا جبکہ حکومت اسلامیہ بے شمار ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی یہی وہ حوصلہ مند حضرات تھے جنہوں نے ایران، عراق، شام، اور ایشیائے کوچک کے ان تمام امراء کو جو آپس میں دست و گریبان ہو رہے تھے اپنی قوت سے ختم کر کے افغانستان سے لے کر بحر میڈیٹرینین تک ایک متحد اور عظیم سلطنت قائم کر دی ساتھ ہی عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کو پست کر کے مسلمانوں میں مجاہدانہ سرگرمیاں پیدا کر دیں۔ یہ وہ کارنامہ ہے جو بلاشبہ تاریخ کی لازوال دنیا تک زندہ رہے گا۔

سلجوق بن دقاق

یہ دولت سلجوقیہ کا بانی ہے۔ جس کا سلسلہ نسب افراسیاب سے ملتا ہے۔ یہ ایک غیر مسلم سردار تھا جو بادشاہ بیغو کی سلطنت میں سپہ سالاری کے عہدہ پر ممتاز تھا پورے ملک میں اس کا اثر پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے شاہ بیغو کو یہ خطرہ ہو گیا کہ کہیں حکومت پر قبضہ نہ کر لے چنانچہ اسکے قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ سلجوق کو جب معلوم ہوا تو یہ اپنے پورے قبیلہ کے ساتھ بھاگ کر جند آباد میں مقیم ہو گیا۔ اور کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گیا۔ تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اور اپنی طاقت کو اس قدر بڑھایا کہ تھوڑے ہی دن کے بعد شاہ بیغو کے سرحدی علاقوں پر قبضہ کر کے خود مختار سردار بن گیا۔

سلجوق بن دقاق اس طرح سلجوقی حکومت کی داغ بیل ڈالنے کے بعد جب ۱۰۷ برس کی عمر میں فوت ہوا تو اس نے اپنے پیچھے چار لائق بیٹے چھوڑے جن کے نام یہ ہیں۔ میکائیل[1]۔ ارسلان[2] عرف اسرائیل۔ یونس[3] اور موسیٰ[4] ان چاروں بیٹوں میں سے میکائیل اور ارسلان کی اولاد کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ میکائیل کی اولاد میں بڑے بڑے نامور فرماں روا پیدا ہوئے ہیں چنانچہ ایران و عراق کے سلجوقی سلاطین اسی کی نسل سے تھے۔ اسی طرح ارسلان کی اولاد بھی خوب پھلی پھولی۔ روم کے سلجوقی سلاطین ارسلان ہی کی اولاد میں سے تھے اور ترکان عثمان جنہوں نے عیسائی حکومتوں کے مقابلہ میں بڑے اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان ہی سلجوقیانِ روم کی دختری اولاد میں سے تھے۔

سلجوق کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اس کے صحیح جانشین ثابت ہوئے انہوں نے نئی نئی فتوحات حاصل کر کے بڑی ناموری حاصل کی۔ یہاں تک کہ ان کی فتوحات اور جنگی سرگرمیوں نے قرب و جوار کی بڑی بڑی حکومتوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ ایلک خاں والئی بخارا نے ان کے زور کو توڑنے کی انتہائی کوشش کی لیکن اسے بری

طرح تاکا جی کا منہ دیکھنا پڑا۔ محمود غزنوی بھی چونکہ سلجوقیوں کی پیش قدمیوں کو اپنی سلطنت کے لئے خطرناک سمجھتا تھا اس لئے اس نے سلجوق کے بیٹے ارسلان کو دھوکے سے اپنے پاس بُلا کر گرفتار کر لیا اور اپنے ہندوستان بھیج کر کالنجر کے قلعہ میں بطور یرغمال نظر بند کر دیا اور اس کے دوسرے بھائیوں کو آگاہ کر دیا کہ اگر انہوں نے اس کے علاقوں کی جانب رُخ کیا تو ارسلان کی خیر نہیں۔ سلجوقیوں میں چونکہ محمود غزنوی کے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اس لئے وہ خاموش ہو گئے۔ ارسلان سات سال تک محمود کی قید میں رہنے کے بعد کالنجر کے قلعہ ہی میں فوت ہو گیا۔

ارسلان جس وقت مرا ہے اس زمانہ میں سلجوقیوں کی طاقت کافی بڑھ چکی تھی۔ ارسلان کے مرنے کے بعد محمود غزنوی کو بڑی فکر ہوئی کہ کہیں سلجوقی ارسلان کی موت کا انتقام لینے کے لئے مشتعل ہو کر اس کے علاقوں میں تباہی نہ مچا دیں۔ لہٰذا اس نے سلجوقیوں کے تزکیہ قلب کی غرض سے ان کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پہلے تو ماوراء النہر کی کچھ زرخیز زمین بطور چراگاہ ان کو عطا کر دی اور پھر اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ دریائے جیحون کو عبور کر کے خراسان کے علاقہ میں آباد ہو جائیں۔ محمود غزنوی کی اس حکمت عملی سے گو عارضی طور پر سلجوقی خاموش ہو کر بیٹھ گئے لیکن ان کو خراسان میں قدم جمانے کا موقعہ ہاتھ آگیا جو آگے چل کر سلجوقیوں کے لئے نہایت مفید اور محمود کی اولاد کے لئے بے حد مضر ثابت ہوا۔

سلجوقی حکومت کا معمار اول طغرل بیگ

سلجوق اگرچہ سلجوقی حکومت کا بانی تھا لیکن طغرل بیگ اس حکومت کا معمار اول ہے، کیونکہ اسی نے سلجوقی حکومت کو باقاعدہ ایک حکومت کی شکل دی۔ طغرل بیگ میکائیل کا بیٹا اور سلجوق کا پوتا تھا طغرل بیگ ۴۲۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور سلجوق کے نقش قدم پر چل کر عیسائیوں کے خلاف زبردست جہاد کئے۔

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ محمود غزنوی کے عہد حکومت میں سلجوقیوں نے خراسان میں اپنے قدم جما لئے تھے محمود غزنوی جب تک زندہ رہا، اس وقت تک تو سلجوقی خاموش رہے لیکن محمود کے بعد جب مسعود تخت نشین ہوا اور غزنوی خاندان میں خانہ جنگی شروع ہوئی، تو سلجوقیوں نے غزنوی سلطنت کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیئے، چنانچہ طغرل بیگ اور چغر بیگ نے حملہ کر کے مرو، نیشاپور اور ہرات فتح کر لیا، جب مسعود مقابلہ پر آیا تو ان دونوں نے اسے شکست دے کر ۴۲۹ھ میں پورے خراسان پر قبضہ کر لیا۔

خراسان پر قبضہ کے بعد باقاعدہ طور پر سلجوقی حکومت قائم ہو گئی جس کا دارالسلطنت رے قرار پایا، رفتہ رفتہ سلجوقی ترک سیلاب کی طرح مختلف ممالک میں پھیل گئے، اور انہوں نے مختصر سے عرصہ میں بلخ، جرجان، طبرستان، خوارزم، اصفہان، ہمدان، عراق عجم اور کردستان کو فتح کر لیا، ان فتوحات کے بعد سلجوقی سلطنت ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی، یہاں تک کہ خلیفہ بغداد نے بھی طغرل بیگ کو نہ صرف مفتوحہ علاقوں کی سند حکومت

دے دی، بلکہ اسی کے ساتھ خلعت اور رکن الدولہ کا خطاب بھی عطا کر دیا، اور اسے خاص طور پر بغداد آنے کی دعوت دی طغرل نے اس کے جواب میں بے اندازہ زر و جواہر اور قیمتی ملبوسات خلیفہ کی نذر کے لئے روانہ کئے، اور اس طرح عباسی خلیفہ کے ساتھ سلجوقیوں کے تعلقات نہایت مستحکم ہو گئے،

طغرل حسب وعدہ جب بغداد پہنچا، تو خلیفہ قائم نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا، طغرل نے بغداد پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا، کہ خلیفہ کو دیلمیوں کے پنجہ سے نجات دلائی، اور خلافت بغداد کی تولیت جس پر دیلمی زمانہ دراز سے قابض تھے خود اپنے ہاتھ میں لے لی، چنانچہ ۴۴۸ھ میں بغداد میں خلیفہ کے نام کے ساتھ طغرل بیگ کا نام بھی خطبہ میں لیا جانے لگا، اور پھر خلیفہ قائم کی لڑکی کے ساتھ طغرل کی شادی ہو گئی، غرضکہ طغرل نے نہ صرف سلجوقی حکومت کو ایک عظیم الشان سلطنت بنا دیا، بلکہ خلافت عباسیہ بھی اس کے قبضہ اقتدار میں آ گئی،

طغرل بیگ ۲۶ سال حکومت اور آٹھ سال بغداد کی تولیت یعنی امیر الامرائی کے بعد ستر سال کی عمر میں ۴۵۵ھ میں انتقال کر گیا، اس نے اپنے دور میں بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ حکومت کی ہے، اور خلافت بغداد کی بھی بڑے اخلاص کے ساتھ خدمات انجام دی ہیں، یہ ایک نہایت سچا اور دیندار مسلمان اور نہایت ہی پاکباز حکمران ہوا ہے، اس نے بہت سی مسجدیں تعمیر کیں، اور عدل و انصاف کو خوب پھیلایا،

الپ ارسلان بن چغر بیگ

طغرل بیگ کے بعد اس کا بھتیجہ الپ ارسلان ۴۵۵ھ مطابق ۱۰۶۳ء میں تخت نشین ہوا، اور خلافت بغداد کا متولی قرار دیا گیا، شاہی اختیارات حاصل ہونے کے بعد اس نے اپنے کاتب نظام الملک طوسی کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ سپرد کیا، الپ ارسلان اپنے چچا طغرل بیگ کی طرح بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے، اس نے نئی نئی فتوحات حاصل کر کے سلجوقی سلطنت کی حدود کو دور دور تک پھیلا دیا تھا، اور اس نے قسطنطنیہ کے سرحدی علاقوں پر حملے کر کے عیسائیوں کے بہت سے قلعے اور شہر چھین لئے تھے، اس بادشاہ کی غیر معمولی جرأت اور حوصلہ مندی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ اس نے خلاط کے مورچہ پر صرف پندرہ ہزار کے لشکر سے عیسائیوں کے تین لاکھ کے لشکر عظیم کو شکست دے کر قیصر روم کو گرفتار کر لیا تھا، الپ ارسلان نے گرفتاری کے بعد قیصر کے ساتھ نہایت ہی شریفانہ سلوک کیا، چنانچہ قیصر نے جب زر فدیہ ادا کرنے کا وعدہ کیا، تو اسے فوراً رہا کر دیا، اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا، کہ قیصر نے بخوشی اطاعت قبول کر لی،

الپ ارسلان کے تخت نشین ہونے سے قبل حرمین میں عباسی خلفاء کے بجائے مصر کے فاطمی سلاطین کے نام کا خطبہ جاری تھا، لیکن الپ ارسلان کے برسر اقتدار آنے کے بعد امیر مکہ نے الپ ارسلان کی اطاعت قبول کر کے حرمین میں پھر عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ جاری کر دیا، والئی حلب نے بھی الپ ارسلان کی اطاعت

قبول کر لی تھی، اس کے علاوہ پورے فلسطین پر اس حوصلہ مند بادشاہ کا قبضہ ہو گیا تھا، الپ ارسلان نے خلیفہ قائم کے بیٹے اور ولی عہد کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد کر کے خلافت عباسیہ کے ساتھ اپنے تعلقات اور بھی مستحکم کر لئے تھے، الپ ارسلان تقریباً ۱۰ سال کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد میدان جہاد میں فوت ہوا، نہایت بہادر، علم و قدردان اور مدارس کے قیام پر بہت توجہ دیتا تھا، سن وفات ۴۶۵ھ ہے،

سلطان ملک شاہ

الپ ارسلان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی ۴۶۵ھ میں خلافت بغداد کا متولی اور سلجوقی حکومت کا بادشاہ قرار دیا گیا، الپ ارسلان نے اپنی زندگی ہی میں اسے ولی عہد نامزد کر دیا تھا، اور خلیفہ قائم نے بھی اس کی حکومت کی تصدیق کر دی تھی، اس نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے باپ کے زمانہ کے لائق وزیر نظام الملک طوسی کو عماد الدولہ کا لقب عطا کر کے سلطنت کا مختار مطلق بنا دیا، تخت نشینی کے چند ہی روز بعد جب اس کے چچا قاروبیگ نے بغاوت برپا کی، تو اس نے اسے گرفتار کر کے قتل کرا دیا، یہی وہ قاروبیگ ہے جس کی اولاد میں "سلجوقیان کرمان" کی حکومت کا سلسلہ جاری ہوا،

ملک شاہ نے اپنی سلطنت کو خوب وسعت دی، اور دور دور تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا، ملک شاہ کو غیر معمولی کامیابی ہوئی، اور اس کامیابی میں نظام الملک طوسی کا بڑا ہاتھ تھا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد نظام الملک نے سلطنت پر اپنے بیٹوں کا رنگ بہت جما دیا تھا، ملک شاہ کو یہ بات ناگوار ہوئی، چنانچہ اس نے نظام الملک کو معزول کر کے اس کی جگہ تاج الملک کو وزیر اعظم بنا دیا،

نظام الملک تھوڑے دن کے بعد ۴۸۵ھ میں قتل ہو گیا، مگر اس واقعہ کے چند ہی ماہ بعد ملک شاہ بھی ۲۰ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۰ شوال ۴۸۵ھ میں فوت ہو گیا، اگرچہ عمر کم پائی، صرف ۳۸ سال کی، مگر نہایت مدبر اور فاتح ثابت ہوا، انصاف پسند اتنا تھا، کہ لوگ اس کو ملک العادل کہا کرتے تھے،

سلطنت سلجوقیہ کا زوال

ملک شاہ سلجوقی کے مرنے کے بعد کیونکہ سلجوقی شہزادوں میں بری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی، اس لئے سلطنت سلجوقیہ کا سابقہ وقار قائم نہیں رہا، اور اس حکومت کا زوال شروع ہو گیا، ملک شاہ کے بعد سلجوقی تخت پر جو سلاطین بیٹھے، ان کے نام یہ ہیں،

محمود بن ملک شاہ

امرائے سلطنت اگرچہ ملک شاہ کے بڑے بیٹے برکیارق کے حق میں تھے، لیکن ملک شاہ کی بیوی ترکان خاتون نے بے اندازہ روپیہ لٹا کر اور خلیفہ مقتدی، اور بہت سے امرائے سلطنت کی امداد حاصل کر کے اپنے چار سالہ بیٹے محمود بن ملک شاہ کو تخت نشین کر دیا، محمود بن ملک شاہ اگرچہ ۴۸۵ھ میں تخت نشین ہو چکا تھا، لیکن اس کی حکومت کو متفقہ طور پر تسلیم نہیں کیا

گیا، کیونکہ امرائے سلطنت کی ایک بہت بڑی تعداد محمود کی تخت نشینی کے باوجود بھی برکیارق کی حامی تھی، آپس کے ان اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا، کہ ایک طرف تو محمود اور برکیارق میں جنگ چھڑ گئی، اور دوسری طرف ملک شاہ مرحوم کا بھائی تتش ارسلان والئی دمشق تخت پر قبضہ جمانے کے لئے صف آرا ہو گیا، اس جنگ میں تتش کو تو شکست ہو گئی، مگر اس کے ساتھ ہی ایک نیا ہنگامہ اور برپا ہو گیا یعنی ملک شاہ مرحوم کے چچیرے بھائی اسمٰعیل اور برکیارق میں ترکان خاتون کی شہ دینے پر بڑی خوفناک جنگ چھڑ گئی، یہ جنگ جاری ہی تھی، کہ ایک طرف تو اسمٰعیل قتل ہو گیا، اور دوسری طرف ترکان خاتون کا انتقال ہو گیا، ان دونوں کی موت کے بعد آپس کی یہ خونریزی ختم ہو گئی، ان کے مرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب محمود بن ملک شاہ بھی چیچک میں مبتلا ہو کر فوت ہو گیا، تو برکیارق کے لئے میدان صاف ہو گیا،

برکیارق بن ملک شاہ

محمود بن ملک شاہ کی موت کے بعد برکیارق تخت پر بیٹھا، برکیارق اور اس کے بھائیوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں برکیارق کا چچا ارسلان خراسان پر قابض ہو گیا تھا، برکیارق نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے چچا ارسلان کے خلاف صف آرائی شروع کر دی، ابھی یہ جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی، کہ ارسلان کو اس کے غلاموں نے قتل کر دیا، چچا کے قتل کے بعد برکیارق نے خراسان پر قبضہ جما کر وہاں اپنے سوتیلے بھائی سنجر کو عامل مقرر کر دیا، برکیارق ابھی خراسان ہی کے انتظام میں مصروف تھا، کہ اس کا دوسرا سوتیلا بھائی سلطان محمد بغاوت برپا کر کے رے پر قابض ہو گیا، اور برکیارق کی ماں زبیدہ خاتون کو قتل کر دیا، اس کے بعد سلطان محمد نے بغداد کی امیر الامرائی پر بھی قبضہ جما کر وہاں اپنا خطبہ جاری کرا دیا، غرض کہ برکیارق اور سلطان محمد میں ایک طویل جنگ چھڑ گئی، جو مسلسل پانچ سال تک جاری رہی، پانچ سال کے بعد ان دونوں میں ۴۹۷ھ میں صلح ہو گئی، صلحنامہ کی رو سے سلطان محمد نے پایہ تخت تو برکیارق کے حوالے کر دیا، اور موصل، جزیرہ دیار بکر اور شام و عراق کے وسیع علاقہ پر سلطان محمد خود قابض ہو گیا، اس صلح کے ایک ہی سال بعد ۴۹۸ھ میں برکیارق کا انتقال ہو گیا،

سلطان محمد بن ملک شاہ

برکیارق کے مرنے کے بعد اس کا کمسن لڑکا ملک شاہ ثانی ۴۹۸ھ میں تخت نشین ہوا، لیکن امرائے سلطنت کیونکہ اس کی تخت نشینی کے مخالف تھے اس لئے چھ ماہ کے بعد اسے معزول کر دیا گیا، اور سلطان محمد بن ملک شاہ کو اس کی بجائے تخت نشین کر دیا، یہ خلیفہ مستظہر کا زمانہ تھا، خلیفہ مستظہر نے بھی اس کی حکومت کی تصدیق کر دی، اور خلافت بغداد کی تولیت بھی اسے مل گئی، سلطان محمد بڑا حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے، اس نے باغیوں کو کچل کر سلجوقی سلطنت کے مردہ جسم میں نئی زندگی اور روح پیدا کر دی تھی، یہ تیرہ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۱۱ھ میں فوت ہو گیا، انتقال کے وقت

اسکی عمر ۳۷ سال تھی، یہ جری ہونے کے علاوہ نہایت پاکباز اور منصف مزاج بادشاہ ہوا ہے۔

سلطان سنجر بن ملک شاہ

سلطان محمد نے مرض الموت ہی میں اپنے کم عمر بیٹے محمود کو جانشین نامزد کر دیا تھا اور ہدایت کردی تھی کہ ہمیشہ اپنے چچا سنجر کے مطیع اور فرمانبردار رہنا لیکن سلطان محمد کے مرنے کے بعد جب محمود تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے باپ کی نصیحت کو بھلا دیا اور خود غرض اُمراء کے ورغلانے پر اپنے چچا سنجر کے خلاف آمادۂ جنگ ہو گیا۔

سنجر نے محمود کو شکست دے کر بہت سے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اور چاہتا تھا کہ نالائق بھتیجے کو سزا دے مگر اپنی ماں کی سفارش سے معاف کر دیا۔ اور ساری سلطنت بھی محمود کو واپس کر دی۔ لیکن جیسے ہی محمود کو دوبارہ سلطنت ملی اس کی اپنے بھائی مسعود سے جنگ چھڑ گئی۔ غرضکہ محمود جب تک زندہ رہا اپنی نااہلیت کی بنا پر ایک دن کے لئے بھی اطمینان کے ساتھ حکومت نہ کر سکا۔ آخر ۵۲۵ھ میں محمود کا انتقال ہو گیا۔

محمود کے بعد اس کا صغیر السن بیٹا داؤد تخت نشین ہوا۔ مگر کسی نے اس کو قبول نہیں کیا۔ آخر سنجر نے اپنے بھتیجے طغرل کو نامزد کر دیا۔ داؤد کے حامی نہیں مانے اور مقابلہ پر آگئے۔ مگر سنجر نے سب کو شکست دے دی

۵۲۹ھ میں جب طغرل مر گیا اور اس کے بھائی مسعود نے سلجوقی سلطنت کے تخت پر قبضہ جما لیا اور خلیفہ سے بھی لڑنے اور مرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مسعود جب تک زندہ رہا خانہ جنگیوں اور لڑائیوں ہی میں مبتلا رہا آخر ۵۴۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مسعود کے مرنے کے بعد سلجوقی امراء نے اس کے بھتیجے ملک شاہ ثانی بن محمود کو ۵۴۷ھ میں تخت نشین کر دیا۔ لیکن اس کی حکومت کو چند ہی روز ہوتے تھے کہ اسے معزول کر کے اس کے بھائی سلطان محمد بن محمود کو بادشاہ بنا دیا۔ مختصر یہ کہ سلجوقی شہزادوں کی خانہ جنگی نے سلجوقی حکومت کے شیرازہ کو منتشر کر کے رکھ دیا

سلطان سنجر کی گرفتاری

محمد بن محمود کی کوشش تھی کہ سنجر کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ترکان غز کو بھڑکا کر سنجر پر حملہ کرا دیا۔ اور انہوں نے بڑی ترکیب سے سنجر کو گرفتار کر لیا۔ سنجر نے چار سال قید میں رہ کر رہائی حاصل کی اور دوبارہ خراسان پر قابض ہو گیا۔

مگر طبیعت ان خانہ جنگیوں سے اس قدر برگشتہ ہو چکی تھی کہ وہ اس ناگفتہ ماحول کی تاب نہ لا سکا، اور ۵۵۲ھ میں فوت ہو گیا۔

سلطان سنجر کے مرنے کے بعد یوں تو کئی سلجوقی شہزادے تخت نشین ہوئے لیکن یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سلجوقی خاندان سے خلافتِ بغداد کی تولیت چھن چکی تھی۔ اور اس سلطنت کا فرمانروا برائے نام فرمانروا رہ گیا تھا۔ سلجوقی خاندان کا آخری برائے نام بادشاہ علاؤالدین طغرل تھا جو ۵۹۰ھ میں خوارزم شاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور اس کے قتل کے بعد سلجوقی خاندان کی برائے نام بادشاہی بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ خراسان کے ایک حصہ پر غوریوں نے

اور دوسرے حصہ پر خوارزم شاہیوں نے قبضہ جماکر خراسان سے سلجوقیوں کا نام ونشان مٹادیا۔

دولت سلجوقیہ کرمانیہ

اس سے قبل سلجوقی سلطنت کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے وہ صرف مرکزی حکومت کی تاریخ ہے۔ سلجوقیوں کی اس مرکزی حکومت کے علاوہ اس سلطنت کی دو آزاد اور خود مختار شاخیں بھی قائم ہوگئی تھیں جو اسلامی تاریخ میں "دولت سلجوقیہ کرمانیہ" اور "دولت سلجوقیہ رومیہ" کے نام سے مشہور ہیں۔

دولت سلجوقیہ کرمانیہ کا بانی سلطان الپ ارسلان کا بھائی قاوربیگ ہے جو ملک شاہ سلجوقی کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد ۴۶۵ھ میں مقتول ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان شاہ کرمان کے تخت پر بیٹھا اور بارہ سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا۔ پھر اس کی جگہ اس کا بھائی توران شاہ تخت نشین ہوا جس نے تیرہ سال حکومت کی۔ توران شاہ کے بعد اس کا بیٹا ایران شاہ بادشاہ ہوا اور پانچ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوگیا۔ پھر ارسلان شاہ تخت نشین ہوا جس نے ۴۲ سال حکومت کی۔ اس کے بعد مغیث الدین بن ارسلان شاہ چودہ سال تک حکومت کرتا رہا جب یہ مرگیا تو محی الدین طغرل شاہ تخت نشین ہوا جس نے بارہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بہرام شاہ بادشاہ ہوا۔ پھر ارسلان شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد توران شاہ ثانی تخت پر بیٹھا۔ پھر محمد شاہ بادشاہ بنا۔ خوارزم شاہیوں کے عروج تک اس خاندان کے سلاطین یکے بعد دیگرے کرمان پر حکومت کرتے رہے لیکن اس کے بعد ان کی حکومت بھی سلجوقیوں کی مرکزی حکومت کی طرح ختم ہوگئی۔

دولت سلجوقیہ رومیہ

سلیمان بن قتلمش جو ارسلان بن سلجوق کا پوتا تھا اسے الپ ارسلان سلجوقی نے عامل بنا کر ایشیائے کوچک کی طرف بھیجا تھا چنانچہ اس نے وہاں شاندار فتوحات حاصل کرنے کے بعد ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کی ایک جداگانہ سلطنت قائم کرلی تھی، جو تاریخ میں دولت سلجوقیہ رومیہ کے نام سے مشہور ہوئی، اس سلطنت کا دارالسلطنت قونیہ (روم) تھا

دولت سلجوقیہ رومیہ کے تخت پر چودہ بادشاہ بیٹھے جن کے نام یہ ہیں:- (۱) داؤد بن سلیمان جو ۴۸۰ھ میں تخت نشین ہوا، (۲) قلیج ارسلان بن سلیمان (۳) مسعود بن قلیج ارسلان (۴) قلیج ارسلان ثانی بن مسعود (۵) غیاث الدین کیخسرو بن قلیج ارسلان (۶) سلیمان بن قلیج ارسلان ثانی (۷) غیاث الدین کیخسرو دوبارہ (۸) کیکاؤس بن کیخسرو (۹) علاء الدین کیقباد اول بن کیخسرو (۱۰) کیخسرو بن کیقباد (۱۱) سلیمان بن کیخسرو (۱۲) کیخسرو ثانی بن سلیمان (۱۳) مسعود بن کیکاؤس (۱۴) علاء الدین بن کیقباد۔

علاء الدین کیقباد دولت سلجوقیہ رومیہ کا آخری بادشاہ تھا جو ۶۹۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے مرنے کے بعد کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی تھی، اس لئے اس کے بعد اس کا داماد عثمان خاں جو سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا بانی

ہے تخت نشین ہوا، اور اس طرح دولت سلجوقیہ رومیہ کے پرانے کھنڈروں پر عثمانی ترکوں کی نئی حکومت تعمیر ہوئی سلجوقیان روم نے عیسائیوں کے خلاف بڑے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں،

دولتِ خوارزم شاہیہ دولت خوارزم شاہیہ چونکہ دولت سلجوقیہ ہی کی پیداوار ہے جسے سلجوقی غلاموں نے قائم کیا تھا، اس لئے اس کا تذکرہ بھی دولت سلجوقیہ کے سلسلہ ہی میں کر دینا ضروری ہے، لہٰذا اس سلطنت کے مختصر حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

ملک شاہ سلجوقی کا ایک غلام نوشت گین تھا جس کے بیٹے قطب الدین کو سلطان سنجر کے زمانہ میں بڑا عروج حاصل ہوا، قطب الدین ابتداء میں سلطان سنجر کی خدمت گذاری کے فرائض انجام دیا کرتا تھا لیکن سلطان سنجر نے بعد میں اس کی خدمات سے خوش ہو کر اسے خوارزم کا حاکم مقرر کر دیا تھا خوارزم کا حاکم بن جانے کے باوجود جب بھی قطب الدین سلطان سنجر کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، تو اپنے شاہی لباس میں حسب سابق خدمتگاری کے تمام کام انجام دیا کرتا تھا، قطب الدین چونکہ زمانہ دراز تک خوارزم کا حاکم رہا ہے، اس لئے خوارزم کی مناسبت سے خوارزم شاہ مشہور ہو گیا،

سلطان سنجر کا عروج جب تک قائم رہا، قطب الدین خوارزم شاہ سلطان کا مطیع اور فرمانبردار بنا رہا لیکن جب سلطان سنجر کا زوال شروع ہوا، اور ترکان غز نے اسے قید کر لیا، تو اس نے نہ صرف خوارزم میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا، بلکہ سلجوقی علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ اس کی اولاد نے خراسان سے سلجوقیوں کا نام و نشان تک مٹا دیا،

خوارزم شاہی حکومت میں نو سلاطین ہوئے ہیں جن کے نام یہ ہیں، قطب الدین خوارزم شاہ بن نوشت گین غلام (۲) التز بن قطب الدین خوارزم شاہ (۳) ارسلان شاہ بن التز (۴) سلطان شاہ بن ارسلان (۵) سلطان تکش شاہ بن ارسلان (۶) سلطان محمد خوارزم شاہ ثانی (۷) سلطان رکن الدین محمد خوارزم شاہ (۸) سلطان غیاث الدین والئی کرمان، (۹) سلطان جلال الدین والئی خراسان،

دولت خوارزم کے چھٹے سلطان خوارزم شاہ ثانی کے مرنے کے بعد اس کے تینوں بیٹوں یعنی سلطان رکن الدین سلطان غیاث الدین اور سلطان جلال الدین نے خوارزم شاہی حکومت کے مختلف صوبوں میں اپنی الگ الگ خود مختار حکومتیں قائم کر لی تھیں، اور یہ تینوں بری طرح خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے تھے، چنانچہ جب چنگیز خاں نے ان پر حملہ کیا، تب بھی یہ متحد نہ ہو سکے، آخر چنگیز خاں نے ان کے افتراق سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں چن چن کر ختم کر دیا، ان تینوں بھائیوں میں جلال الدین بن خوارزم شاہ بہت زیادہ مشہور ہے جس نے آخر وقت تک منگولوں کا بڑی دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا تھا، لیکن شکست کھانے کے بعد یہ بھی گمنامی کی حالت میں مارا گیا، اور اس طرح خوارزم

شاہی سلطنت مغلوں کے ہاتھوں ختم ہو گئی،

اتابکان موصل شام اور شیراز

جس طرح دولت خوارزم شاہیہ دولت سلجوقیہ کی پیداوار ہے، اسی طرح دولت اتابکان موصل، شام اور شیراز میں شاہان سلجوق ہی کی بدولت عالم وجود میں آئی تھیں، اتابک وہ اتالیق تھے، جن کے ذمہ سلجوقی شہزادوں کی تعلیم و تربیت تھی، ان اتابکوں یعنی اتالیقوں کو رفتہ رفتہ سلجوقی سلطنت میں اس قدر عروج حاصل ہوا، کہ ان کو وزارتیں اور ملکوں کی حکومتیں ملنے لگیں جب تک شاہان سلجوق میں دم رہا، یہ اتابک حکومت سلجوق کے اطاعت شعار بنے رہے، لیکن جب سلجوقی حکومت کمزور ہو گئی، تو ان اتابکوں نے موصل، شام، شیراز اور آذربائیجان میں اپنی خود مختار اور آزاد حکومتیں قائم کرلیں، ان اتابکوں میں سے موصل اور شام کے اتابکوں نے صلیبی لڑائیوں میں حصہ لے کر اور عیسائیوں کے خلاف جہاد کر کے بڑی ناموری پیدا کی،

شام میں اتابکی حکومت کا بانی عماد الدین زنگی ہے جس نے ۵۴۲ھ میں وفات پائی، اس کے بیٹوں نے مل کر بڑے بھائی نور الدین زنگی کو اپنا امیر اور حاکم مان لیا، چنانچہ نور الدین نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر عیسائیوں کے خلاف خوب جہاد کئے، اس کی دلی خواہش تھی، کہ بیت المقدس عیسائیوں کے قبضہ سے نکال لیا جائے، اس کی یہ حسرت اس کے ساتھ قبر میں چلی گئی، اور بعد میں پھر صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کرلیا،

موصل اور شام کی طرح شیراز میں اتابکی حکومت کا بانی مظفر الدین سنقر تھا، نور الدین اور مظفر کے بعد آپس کی خانہ جنگیوں نے مہلت نہیں دی، اور پوری زنگی حکومت صلاح الدین کے قبضہ میں آگئی، اور زنگی شہزادے صرف باج گذار رہ گئے،

(۱۳)

حصہ سیزدہم

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

اور اسلامی حکومتیں

سنہ ۹۳ھ / ۷۱۲ء سے سنہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء

تک

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد

ہندوستانی اور یورپین مورخین ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بارے میں یہ کہتے رہے ہیں، کہ "مسلمان سب سے پہلے فاتح سندھ محمد بن قاسم کے حملہ کے وقت ۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں ہندوستان میں داخل ہوئے تھے" لیکن حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے، صحیح واقعہ یہ ہے، کہ مسلمان محمد بن قاسم کے حملہ سے بہت پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ہی میں ہندوستان آچکے تھے، اور اس ملک میں آباد ہو چکے تھے،

مسلمانوں کے اتنے جلد ہندوستان پہنچ جانے کی وجہ یہ تھی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل عرب تاجر مالابار، کارومنڈل، لنکا، مالدیپ، انڈونیشیا اور چین کے ساحل تک کشتیوں میں بیٹھ کر بغرض تجارت آتے جاتے رہتے تھے، یعنی ہندوستان اور ملک عرب کے درمیان زمانہ دراز سے تجارتی تعلقات قائم تھے، یہاں تک کہ اکثر عربوں نے ہندوستان میں بود و باش بھی اختیار کر لی تھی، چنانچہ عربوں نے جب دین اسلام قبول کر لیا، تب بھی وہ حسب سابق ہندوستان میں تجارت کے لئے آتے جاتے رہے اور ان میں سے اکثر و بیشتر نے ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا، اور اس طرح یہ لوگ اپنے ساتھ اسلامی تعلیمات کو بھی ہندوستان لے آئے، اسلامی تعلیم میں چونکہ بے حد جاذبیت ہے، اس لئے جنوبی ہند اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا،

رسول اکرم کے زمانہ حیات سے لے کر محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملہ تک درمیانی عرصہ میں نہ صرف ہندوستان کے عام لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کر لیا تھا، بلکہ بعض ہندوستانی راجے بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، مالابار کا راجہ زمورن سامری معجزہ شق القمر دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مشرف باسلام ہو چکا تھا، لنکا کے راجہ نے بھی خلفائے راشدین کے عہد حکومت میں دین اسلام قبول کر لیا تھا، مشہور سیاح ابن بطوطہ جب لنکا گیا تھا، تو اس نے وہاں بہت سے مسلمان بزرگوں کے مزارات اور متعدد مسجدیں دیکھی تھیں، جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے، کہ اسلام ابتدا ہی میں ہندوستان میں پھیل چکا تھا،

اسلام کی یہ ہر دلعزیزی صرف لنکا، مالابار اور جنوبی ہند ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ سندھ پر مسلمانوں

کے حملہ سے بہت قبل سندھیوں میں بھی اسلام بار مقبولیت حاصل کرتا جارہا تھا، چنانچہ جس زمانہ میں کہ عرب کے مسلمانوں اور ایران کے آتش پرستوں میں سلسلہ جنگ جاری تھا، اور سندھ کے راجہ کی جاٹ فوجیں آتش پرستوں کی مدد کے لئے ایران میں مسلمانوں کے خلاف لڑ رہی تھیں، تو ہندوستان کے ان جاٹ سپاہیوں میں سے اکثر نے اسلام کے محاسن سے متاثر ہو کر اور اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر لیا تھا، یہاں تک کہ ان جاٹوں میں سے اکثر نے ہندوستان چھوڑ کر عراق میں بود و باش اختیار کر لی تھی، عرب ان نو مسلم ہندوستانی جاٹوں کو "زط" کہتے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بصرہ کے خزانہ کی حفاظت کا اہم کام اسی نو مسلم "زط قوم" کے ایک دستہ کے سپرد تھا۔

سندھ کے راجہ کی شرارت

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ ہی سے سندھ کے راجہ نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی، چنانچہ عہد فاروقی میں جب مسلمانوں نے مکران فتح کیا، تو ایرانی آتش پرستوں کے ساتھ سندھ کے راجہ کی فوجوں نے بھی اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا تھا، اس کے بعد سندھ کے راجہ نے مکران کا سرحدی علاقہ کیکانان دبا لیا تھا، اور مملکت اسلامیہ کی سرحدوں پر حملے شروع کر دیئے تھے، مسلمانوں نے جب دیکھا، کہ راجہ کی جنگی سرگرمیاں برابر بڑھتی چلی جارہی ہیں، تو انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں کیکانان پر حملہ کر کے یہ علاقہ راجہ سے واپس لے لیا، اور سندھی فوجوں کو مار بھگایا مسلمان چونکہ دوسری فتوحات میں مصروف تھے، اور ہندوستانیوں سے لڑنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے سندھ کے راجہ کی شرارتوں کے باوجود ہندوستان کی جانب پیش قدمی سے برابر گریز کیا لیکن سندھ کا راجہ بدستور چھیڑ چھاڑ کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ بنی امیہ کے ابتدائی دور حکومت میں مسلمانوں کو مجبوراً کئی چھوٹے چھوٹے جوابی حملے سندھ پر کرنے پڑے، ایک مرتبہ ۴۴ھ میں اور دوسری مرتبہ ۶۰ھ میں تو یہاں تک معاملہ بڑھا، کہ اسلامی فوجیں سندھ کے راجہ کی تادیب کے لئے ملتان تک پہنچ گئیں لیکن ہندوستان کا فتح کرنا چونکہ مقصود نہ تھا، اس لئے دونوں مرتبہ اسلامی فوجیں ہندوستان سے واپس چلی گئیں۔

اسلامی جہاز لوٹ لئے

جنوبی ہند میں اسلام تیزی کے ساتھ پھیلتا جارہا تھا، چنانچہ لنکا، مالدیپ اور ملابار میں مسلمان بکثرت موجود تھے، جنوبی ہند کے اکثر راجاؤں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، لنکا کے نو مسلم راجہ کے تعلقات خلافت اسلامیہ کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے اس راجہ نے اسلامی مرکز سے اپنے تعلقات کو اور زیادہ استوار کرنے کے لئے قیمتی تحائف سے بھرا ہوا آٹھ جہازوں کا ایک بیڑا مشرقی ممالک کے اسلامی وائسرائے حجاج بن یوسف کی خدمت میں روانہ کیا تھا، ان

جہازوں میں قیمتی تحائف کے علاوہ سینکڑوں عازمین حج اور لنکا میں فوت ہونے والے عرب سوداگروں کی بیوہ عورتیں اور یتیم بچے بھی سوار تھے۔ اتفاق سے جہازوں کا یہ بیڑا طوفان میں پھنس گیا، اور باد مخالف کے تھپیڑوں سے بندرگاہ دیبل (کراچی) سے جا لگا۔ سندھ کے راجہ داہر کے آدمیوں کو جب معلوم ہوا، کہ ان جہازوں پر مسلمان سوار ہیں، اور خلافت اسلامیہ کے لئے بے شمار تحائف بھی ان جہازوں پر لدے ہوئے ہیں، تو انہوں نے ان جہازوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ لوٹا، مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا، اور جہازوں کو سندھی بیڑے میں شامل کر لیا۔

حجاج بن یوسف کو جب راجہ داہر کے آدمیوں کی اس ناشائستہ حرکت کا علم ہوا، تو اس نے خلافت اسلامیہ کی جانب سے بذریعہ قاصد شدید احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا، کہ مسلمان قیدیوں کو رہا کیا جائے، اور لوٹا ہوا سامان فوراً واپس کر دیا جائے۔ لیکن راجہ داہر نے اسلامی قاصد کو لاپرواہی کے ساتھ جواب دے دیا، کہ جہازوں کو لوٹنے والے ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں، تم خود آن کر اپنے قیدی چھڑا لو، اور اپنا مال واسباب ان سے لے لو۔ راجہ داہر کے اس ذلت آمیز اور مضحکہ انگیز جواب کے بعد حجاج بن یوسف نے حملہ کا فیصلہ کر لیا، اور سلطان ولید بن عبدالملک سے اجازت حاصل کرنے کے بعد کئی فوجی دستے سندھ کی جانب روانہ کئے، ان فوجی دستوں کو جب راجہ داہر کے مقابلہ میں شکست ہو گئی، تو حجاج بن یوسف نے اس مہم کو اپنے نوعمر داماد محمد بن قاسم گورنر فارس کے سپرد کیا جس کی عمر صرف سترہ سال تھی، مگر اپنے عزم وارادہ کے سامنے بڑی بڑی طاقتوں کو خطرے میں نہیں لاتا تھا۔

محمد بن قاسم کا حملہ اور حکومت

سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ اور اس کی حکومت کے حالات آپ دور بنی امیہ میں ولید بن عبدالملک کی حکومت ۸۶ھ میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں، ہم اس موقعہ پر مختصر تحریر کئے دیتے ہیں، تاکہ آپ کی یادداشت تازہ ہو جائے۔

محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں ارمن بیلہ کے مقام پر راجہ داہر کی عظیم فوج کا مقابلہ کیا، اور راجہ کو بری طرح شکست کھانا پڑی، اس کے بعد وہ کراچی جو اس وقت دیبل کے نام سے مشہور تھا، اس کی طرف بڑھا، راجہ کی فوج نے مقابلہ کیا، مگر مسلمان شہر میں گھس گئے، اور جو قیدی سندھی راجہ کے قبضہ میں تھے، ان کو رہا کر کے عرب روانہ کر دیا، کراچی پر قبضہ کے بعد محمد بن قاسم نے بڑی فراخ دلی سے کام لیا، عام معافی کے اعلان کے ساتھ اس نے عام مفتوحہ علاقہ کا حاکم اعلیٰ بھی ایک ہندو کو بنا دیا، اس طرز عمل نے محمد بن قاسم کے اخلاق اور بہادری کا سکہ غیر مسلموں کے دلوں پر بٹھا دیا، وہ جدھر بھی گیا، لوگوں نے فوراً اس کی اطاعت قبول کر لی، اور آخر تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے شہر فتح کر کے راجہ داہر کے مقابلہ پر آ گیا، زبردست جنگ ہوئی، راجہ مارا گیا، اور بکثرت لوگوں نے اسلام

قبول کرلیا،

غرض ۳ سال کے مختصر سے زمانہ میں ملتان تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، یاد رہے، کہ اس وقت کا سندھ آج کے سندھ سے کہیں زیادہ بڑا تھا، ایک طرف مغرب میں مکران تک، اور جنوب میں بحر عرب اور گجرات مشرق میں مالوہ اور راجپوتانہ اور شمال میں پنجاب کے اندر تک پھیلا ہوا تھا،

محمد بن قاسم کا پختہ خیال تھا، کہ ہندوستان پورا فتح کرے، مگر ولید بن عبد الملک کے انتقال کے بعد جب اس کا بھائی سلیمان تخت نشین ہوا، تو اس نے بوجہ عداوت محمد بن قاسم کو ۹۶ھ میں واپس بلا کر قید کر دیا، اور بعد میں قتل کرا دیا،

سندھ کی مسلم حکومتیں

محمد بن قاسم کی موت کے بعد اگرچہ خلافت اسلامیہ کی جانب سے ملک سندھ کے انتظام کے لئے نئے نئے اسلامی گورنر برابر آتے رہے لیکن پھر بھی سندھ میں بدنظمی پھیل گئی چنانچہ راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ نے دوبارہ برہمن آباد پر قبضہ جما کر اسلامی حکومت کا ایک حصہ نکال لیا، اس کے علاوہ سندھ کے وہ دوسرے چھوٹے چھوٹے راجہ بھی جنہوں نے کہ محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی تھی، پر پرزے نکالنے لگے، مگر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت میں سندھ کی یہ تمام بغاوتیں اس لئے خود بخود دب گئیں، کیونکہ راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ نے اسلام قبول کر لیا تھا، اور اس کے دیکھا دیکھی سندھ کے تمام دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے تھے، اور ان سب نے خلافت اسلامیہ کے ساتھ اپنی اطاعت کا اقرار کر لیا تھا، گویا اس طرح سارا ملک سندھ پھر خلافت اسلامیہ کا ایک صوبہ بن گیا تھا،

شاہان بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب ۱۳۲ھ میں عباسیوں کی خلافت قائم ہوئی، تو سندھ کے بعض علاقوں میں پھر بغاوت کھڑی ہو گئی تھی جسے فوراً دبا دیا گیا، لیکن خلیفہ مامون الرشید کے بعد جب مرکزی اسلامی حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو سندھ میں بھی متعدد خود مختار اسلامی ریاستیں قائم ہو گئیں جن میں "منصورہ"، اور "ملتان"، دو بہت بڑی ریاستیں کے علاوہ مغربی سندھ میں "توران"، نامی ایک اور چھوٹی سی ریاست تھی "کیکانان"، پر بھی ایک مسلمان امیر کا خاندان فرمانروائی کر رہا تھا، ایک اور اسلامی ریاست "قصدار"، تھی جو ملتان کے قریب واقع تھی۔ ان اسلامی ریاستوں سے متصل چند چھوٹی چھوٹی ہندو ریاستیں بھی قائم ہو گئی تھیں۔ جن پر راجہ داہر کے خاندان کے افراد یا ہندو سردار حکومت کر رہے تھے۔

مندرجہ بالا سندھ کی خود مختار اسلامی ریاستوں کے حکمران ۳۸۵ھ تک تو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سندھ پر حکومت کرتے رہے لیکن جب ان میں سے اکثر ریاستوں میں قرامطہ یعنی مسلم نما بے دینوں کا زور

زور بڑھا، تو سب سے پہلے منصورہ کی ریاست مسلمانوں کی خانہ جنگی کی بدولت ختم ہوئی، اس کے بعد ایک قرامطی سردار حمید خاں لودھی نے ملتان کی ریاست کو ختم کر کے اس پر قبضہ جمالیا، سندھ کی اسلامی ریاستوں کے خاتمہ میں پنجاب کے راجہ جے پال کا بہت بڑا ہاتھ تھا، اس نے اور بھاٹنڈہ کے راجہ نے ہی حمید لودھی قرامطی کو ابھارا تھا، تاکہ سندھ پران قرامطیوں کی حکومت قائم ہو جائے جو مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں،

سلطان سبکتگین فاتح سندھ محمد بن قاسم کے بعد جس مسلمان حکمران نے سب سے پہلے ہندوستان کی جانب رخ کیا، وہ محمود غزنوی کا باپ امیر ناصر الدین سبکتگین والئی غزنین تھا، ان باتوں کو پنجاب کے راجہ جے پال نے مجبور کر دیا، کہ وہ اس طرف رخ کریں

ہندوستان کے پڑوسی ملک افغانستان میں امیر سبکتگین کی بڑھتی ہوئی طاقت سے پنجاب کا راجہ جے پال بے حد فکر مند تھا، لہٰذا اس نے سبکتگین کی طاقت کو توڑنے کے لئے ۳۷۲ھ (۹۸۲ء) میں غزنین پر چڑھائی کر دی، راجہ کا لشکر لاہور سے پشاور اور پشاور سے جمرود ہوتا ہوا سلطنت غزنین کی حدود میں داخل ہو گیا، امیر سبکتگین اور اس کا بیٹا محمود غزنوی بھی مقابلہ پر آ گیا اور دونوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی، راجہ جیپال کے سپاہی چونکہ اس علاقہ کی ناقابل برداشت سردی کی تاب نہیں لا سکے، اس لئے راجہ شکست کھانے کے بعد گرفتار ہو گیا اور اس نے اس وعدہ پر امیر سبکتگین سے صلح کر لی، کہ وہ پنجاب پہنچنے کے بعد بطور تاوان جنگ بہت سا زروجواہر اور ہاتھی گھوڑے بھیج دے گا، اور خراج ادا کرتا رہے گا،

راجہ جے پال لاہور آنے کے بعد اپنے وعدہ سے پھر گیا، اور اس نے ان مسلمان سفیروں کو جو خراج لینے کے لئے آئے تھے، گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جب سبکتگین کو جے پال کی اس بدعہدی کا علم ہوا، تو اس نے جے پال کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر راجہ جے پال بھی تمام بڑے بڑے ہندوستان کے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد ایک بہت بڑا لشکر لے کر دوبارہ غزنین کی فتح کے لئے روانہ ہو گیا، امیر سبکتگین کو جب معلوم ہوا، کہ راجہ جیپال دوبارہ حملہ کے لئے آرہا ہے، اور اس نے دریائے سندھ پار کر لیا ہے، تو وہ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ کے لئے آ گیا، لمغان کے میدان میں دونوں فوجوں کا ۳۷۶ھ میں مقابلہ ہوا، راجہ کی فوج اگرچہ امیر سبکتگین کی فوج کے مقابلہ میں پانچ گنی تھی، لیکن اس دوسرے معرکہ میں بھی راجہ کو بری طرح شکست اٹھانی پڑی، اور امیر سبکتگین نے پشاور تک کا علاقہ فتح کر کے پشاور میں دس ہزار فوج متعین کر دی، اس لڑائی میں جے پال اس قدر جنگی سامان اور خزانہ چھوڑ کر بھاگا تھا، کہ اس سے سبکتگین کے تمام جنگی اخراجات پورے ہو گئے، اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ایک طرف تو پشاور تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، دوسری طرف غزنین والوں کو ہندوستان کی طاقت کا پتہ چل گیا، اور ان کے حوصلے بڑھ گئے،

سلطان محمود غزنوی

اس معرکہ کے بعد سبکتگین چونکہ سمرقند و بخارا کے معرکوں میں الجھ گیا تھا، اس لئے وہ ہندوستان کی جانب رخ نہ کرسکا، جب ۳۸۷ھ میں سبکتگین کا انتقال ہوگیا، تو اس کے چھوٹے بیٹے اسمٰعیل نے غزنیں کے تخت پر قبضہ جمالیا، لیکن چند ماہ کے بعد سبکتگین کا بڑا بیٹا محمود غزنوی چھوٹے بھائی کو شکست دینے کے بعد ۳۸۸ھ (۹۹۸ء) میں غزنیں کا بادشاہ بن گیا، محمود غزنوی بھی سمرقند اور بخارا کے معرکوں کی وجہ سے زمانہ دراز تک ملک ہندوستان کی جانب کوئی توجہ نہ کرسکا، مگر راجہ جے پال جب تیسری مرتبہ حکومت غزنیں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر عظیم لے کر ۳۹۳ھ میں پشاور پہنچ گیا، تو محمود کو مجبوراً پشاور کی جانب دوڑنا پڑا، پشاور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، راجہ جے پال کو اس مرتبہ بھی بری طرح شکست ہوئی، اور وہ کئی بیٹوں سمیت گرفتار ہوگیا،

جے پال کی خودکشی

محمود غزنوی جے پال اور اس کے بیٹوں کو گرفتار کرکے غزنیں لے گیا، راجہ جیپال نے غزنیں پہنچنے کے بعد محمود سے معافی کی درخواست کی، اور وعدہ کیا، کہ وہ تازندگی وفادار رہے گا، اور پنجاب کو سلطنت غزنیں کا ایک صوبہ سمجھتے ہوئے آئندہ حکومت کرے گا، اور سالانہ خراج برابر ادا کرتا رہے گا، محمود نے گذشتہ تلخ تجربات، اور وعدہ خلافیوں کے باوجود راجہ جے پال کی درخواست منظور کرلی، اور اسے لاہور جانے کی اجازت دے دی، جے پال جب غزنیں سے لاہور واپس پہنچا، تو اس کا بیٹا انندپال تخت نشین ہوچکا تھا، بیٹے نے باپ کے لئے تخت خالی کرنا چاہا، لیکن راجہ جے پال نے تیسری شکست کے بعد تخت پر بیٹھنا گوارہ نہ کیا، اور شکست کی شرمندگی کی بنا پر آگ میں جل کر خودکشی کرلی،

انندپال کی شکست اور معافی

راجہ جے پال کے بعد انندپال بظاہر تو محمود غزنوی کا اطاعت شعار بنا رہا، باقاعدہ محمود کو خراج بھی بھیجتا رہا، لیکن در پردہ اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا، چنانچہ محمود نے جب بھاتنہ کے راجہ پر حملہ کیا، تو انندپال نے در پردہ راجہ کی مدد کی، اسی طرح جب محمود نے والئی ملتان داؤد پر چڑھائی کرنا چاہی، تو انندپال نے خراج گذار ہونے کے باوجود محمود غزنوی کی فوجوں کو اپنے علاقہ سے گذرنے سے روکا، اور خود مقابلہ پر آگیا، اس لڑائی میں انندپال شکست کھانے کے بعد کشمیر بھاگ گیا تھا، لیکن محمود جب غزنیں واپس چلا گیا، تو اس نے پھر پنجاب پر قبضہ جمالیا، اور ہندوستان کے تمام ہندو راجاؤں کو اپنے ساتھ ملا کر اور ایک لشکر عظیم لے کر محمود غزنوی سے مقابلہ کے لئے پشاور جا پہنچا، چنانچہ پشاور کے قریب ۳۹۹ھ میں خوفناک جنگ چھڑ گئی،

مورخوں کا کہنا ہے، کہ اس مرتبہ انندپال کے ساتھ اتنا بڑا لشکر تھا جو اس سے قبل ہندوستان کی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود بھی انندپال کو شکست ہوگئی، جب وہ فرار ہوکر نگرکوٹ بھاگا، تو محمود

بھی نگر کوٹ جا پہنچا۔ انند پال یہاں سے بھی فرار ہو گیا۔ محمود نے نگر کوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کی فوج نے معمولی سے مقابلہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ محمود کی خوش قسمتی کہ جب وہ قلعہ نگر کوٹ میں داخل ہوا تو اس قلعہ کے مندر کے پجاریوں نے جان بچانے کی خاطر محمود کو مندر کے گراں قدر خزانہ کا پتہ بتا دیا۔ محمود کو یہاں سے خلاف امید اس قدر سونا چاندی اور جواہرات ہاتھ لگے کہ شاید دنیا کے کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے خزانہ میں بھی اتنا مال نہ ہوگا۔ نگر کوٹ کے راجہ نے معافی مانگ لی۔ اور انند پال نے بھی معذرت کی درخواست بھیجکر آئندہ اطاعت شعار رہنے کا وعدہ کیا۔ محمود نے دونوں کو معاف کر دیا۔

ہندو راجاؤں کی بدعہدیاں

ہندو راجاؤں کی پے در پے بدعہدیوں کو دیکھتے ہوئے محمود غزنوی نے یہ ضروری سمجھا کہ ہندوؤں کا ایک لشکر تیار کر کے ہندوؤں ہی کے ذریعہ ان تمام ہندو راجاؤں کی اچھی طرح سرکوبی کرے جو آئندہ بدعہدی یا شرارت کے مرتکب ہوں چنانچہ اس نے دس ہزار ہندو سپاہیوں کا ایک لشکر عظیم تیار کر کے اسے ایک ہندو سپہ سالار کی کمان میں دے دیا۔

سنہ ۱۰۱۴ء میں جب محمود کو معلوم ہوا کہ تھانیسر، قنوج اور جہابن کے راجہ متحد ہو کر اس کے خلاف حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، تو وہ فوراً ایک لشکر لے کر تھانیسر اور دہلی کی جانب روانہ ہو گیا تھا، تھانیسر کا راجہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گیا، محمود راجہ تھانیسر کی تادیب کے بعد غزنین واپس چلا گیا، اس جنگ میں محمود کا ہندو لشکر اس کے ساتھ تھا۔

سنہ ۱۰۱۵ء میں محمود کو اطلاع ملی کہ راجہ انند پال کا جانشین جے پال ثانی بغاوت کے لئے آمادہ ہے، وہ فوراً اس کی سرکوبی کے لئے پنجاب آیا۔ جے پال ثانی محمود کے مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا۔ اور وہ کشمیر بھاگ گیا، لیکن محمود جب غزنین چلا گیا، تو جے پال ثانی نے پھر پنجاب پر قبضہ جما لیا اور سلطان محمود کی خدمت میں خراج اور معافی نامہ بھیج کر اطاعت کا اقرار کر لیا،

مہاراجہ کشمیر چونکہ بار بار باغی راجاؤں کو پناہ دیتا رہا تھا، اس لئے محمود غزنوی نے سنہ ۱۰۱۵ء میں کشمیر پر حملہ کر دیا، مگر راجہ نے محمود کی فوجوں کے کشمیر میں داخل ہوتے ہی اطاعت قبول کر لی، اس کے بعد محمود نے قنوج پر حملہ کیا، قنوج کا راجہ بھی مطیع ہو گیا، اور یوپی کے بہت سے راجہ محمود کے باجگذار بن گئے، سنہ ۱۰۲۳ء میں جب کالنجر کے راجہ نے دوسرے راجاؤں کو محمود کے خلاف ابھارنا چاہا، تو محمود نے کالنجر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا جے پال ثانی چونکہ دوبارہ باغی ہو گیا تھا اس لئے محمود نے سنہ ۱۰۲۱ء میں پنجاب کو فتح کر کے اسے سلطنت غزنین میں شامل کر لیا، پھر محمود گوالیار کی جانب بڑھا، تو گوالیار کے راجہ نے بھی اطاعت قبول کر لی، غرضکہ محمود نے ایک ایک کر کے شمالی ہند کے تمام راجاؤں کو اپنا باجگذار بنا لیا،

سومنات کی فتح اور محمود کا انتقال

شمالی ہند کے راجہ جب محمود کے مطیع بن گئے، تو پنڈتوں اور برہمنوں کے گجرات پہنچنے کے بعد وہاں کے راجاؤں کو محمود

کے خلاف ابھارنا شروع کیا اور سومنات کے مندر کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔ محمود کو جب اطلاع ملی کہ پنڈت اور برہمن گجرات کے راجاؤں کو اس کے خلاف ابھار رہے ہیں اور سومنات کا مندر ان پنڈتوں کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے تو وہ سیدھا گجرات پہنچا۔ بڑے سخت معرکے کے بعد اس نے ۴۱۵ھ میں سومنات کے مندر کو فتح کیا۔ اس کے بعد گجرات کے راجاؤں کی جانب رُخ کیا۔ گجرات کے اکثر راجاؤں نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر محمود کی اطاعت قبول کرلی۔ سومنات کی مہم ہندوستان میں محمود کی آخری مہم تھی۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد وہ غزنین چلا گیا اور ۱۰۳۰ء میں اس حوصلہ مند سلطان کا انتقال ہوگیا۔

محمود کے جانشین اور زوال

محمود غزنوی کے انتقال کے بعد محمود کے چھوٹے بیٹے امیر محمد نے غزنین کے تخت پر قبضہ جمالیا۔ لیکن امیر ایاز گورنر لاہور کی کوششوں سے محمود کے بڑے بیٹے امیر مسعود نے غزنین فتح کر کے امیر محمد کو گرفتار کرلیا اور اندھا کردیا اور ۴۲۲ھ میں غزنین کے تخت پر بیٹھ گیا محمود غزنوی کے مرنے کے بعد چونکہ ہندوستان میں جابجا بغاوتیں کھڑی ہوگئی تھیں اس لئے مسعود نے ان بغاوتوں کو دبانے کے لئے جگ ناتھ کی سرکردگی میں ہندو فوج روانہ کی۔ جگ ناتھ جب ان بغاوتوں کو دبانے کی کوشش میں مارا گیا تو ملک کو ہندو فوج کا سپہ سالار سلطان مسعود نے مقرر کردیا۔ محمود کے مرنے کے بعد چونکہ سلجوقیوں نے غزنین میں مسعود کی حکومت کے لئے شدید مشکلات پیدا کردی تھیں۔ اس لئے وہ غزنین سے ہجرت کر کے معہ تمام دولت اور خزانہ کے ہندوستان کی جانب روانہ ہوگیا۔ لیکن جوں ہی وہ جہلم کے قریب پہنچا تو ہندو لشکر بگڑ گیا اور سارا مال و خزانہ لوٹ کر چلتا بنا۔ ہندو لشکر کے جانے کے بعد جو مسلمان مسعود کے ساتھ رہ گئے تھے انہوں نے مسعود کے نابینا بھائی امیر محمد کی بادشاہی کا اعلان کردیا۔ مسعود گرفتار ہونے کے بعد قتل کردیا گیا۔

سلطان مسعود کا قتل ہونا تھا، کہ غزنوی خاندان کے شہزادوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اس خانہ جنگی میں امیر محمد اور بہت سے شہزادے مارے گئے، اور مسعود کے بیٹے مودود نے اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا۔ مودود جب تک زندہ رہا غزنوی سلطنت کسی نہ کسی حد تک باقی رہی لیکن مودود کے مرنے کے بعد ۴۴۱ھ سے لے کر ۵۸۲ھ تک غزنوی خاندان کے اگرچہ کئی بادشاہ تخت نشین ہوئے، لیکن ان کی بادشاہی برائے نام تھی۔ غزنوی خاندان کا آخری بادشاہ خسرو ملک تھا، جو ۵۵۵ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا، اور ۵۸۲ھ میں سلطان شہاب الدین غوری نے اسے گرفتار کر کے غزنین بھیج دیا جہاں جا کر وہ فوت ہوگیا، یا اسے قتل کردیا گیا۔

شہاب الدین غوری کی حکومت

افغانستان کے مغربی حصہ میں غور کا علاقہ ہے جہاں غزنوی خاندان کے زوال کے بعد غوریوں نے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی، غوری خاندان کے یوں تو کئی بادشاہ بڑے نامور ہوئے ہیں لیکن ۵۶ھ میں جب سلطان غیاث

الدین نے غزنین کو فتح کرنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری کو غزنین کے تخت پر بٹھا دیا، شہاب الدین غوری اگرچہ اپنے بھائی غیاث الدین کا ماتحت تھا، لیکن اسے ایک خود مختار بادشاہ کی حیثیت حاصل تھی، ان دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی فتوحات کے لئے الگ الگ میدان تجویز کر لئے تھے، بڑا بھائی غیاث الدین تو افغانستان کے شمالی علاقہ میں فتوحات حاصل کرتا رہا، اور چھوٹے بھائی شہاب الدین غوری نے افغانستان کے جنوبی علاقے یعنی ہندوستان کی فتح کا کام اپنے ذمہ لے لیا،

محمد غوری غزنین کے تخت پر بیٹھنے کے بعد کئی سال تو اندرونی انتظامات میں مصروف رہا، اس کے بعد اس نے ہندوستان کی جانب توجہ کی، ہندوستان کے جو علاقے غزنوی حکومت کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے، محمد غوری ان پر اپنا حق سمجھتا تھا، کیونکہ اب وہی سابقہ غزنوی حکومت کا جانشین تھا، چنانچہ ۵۷۳ھ میں اس نے ملتان پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا، راجہ اوچ کو شکست دے کر اوچ پر قبضہ کر لیا، ۵۷۸ھ میں وہ لاہور آیا، تو غزنوی خاندان کے آخری بادشاہ خسرو ملک نے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر محمد غوری کی اطاعت قبول کر لی، محمد غوری نے لاہور کی حکومت اسی کے پاس رہنے دی، اسی سال کراچی پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا، ۵۸۲ھ میں جب محمد غوری کو اطلاع ملی کہ خسرو ملک بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے، تو اس نے لاہور پہنچ کر بڑی دشواری سے خسرو ملک کو زیر کیا، اور پنجاب کو غوری حکومت میں شامل کرنے کے بعد خسرو ملک کو گرفتار کر کے غزنین لے گیا، خسرو ملک چند ہی سال کے بعد غزنین میں فوت ہو گیا، یا قتل کر دیا گیا

پنجاب، ملتان اور کراچی کی فتوحات کے بعد محمد غوری ان راجپوت راجاؤں کی جانب متوجہ ہوا، جنہوں نے کہ غزنوی حکومت کے زوال کے بعد اسلامی علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا، محمد غوری نے سب سے پہلے اجمیر اور دہلی کے راجہ پرتھوی راج کو اسلامی علاقوں کی واپسی کے لئے لکھا، جب راجہ نے ان علاقوں کے واپس دینے سے انکار کر دیا، تو محمد غوری نے ۵۸۶ھ میں بھٹنڈہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا، پرتھوی راج فوراً بھٹنڈہ واپس لینے کے لئے کئی لاکھ کے لشکر کے ساتھ مقابلہ پر آ گیا، محمد غوری کے پاس اس وقت اگرچہ کل چار ہزار سپاہی تھے، لیکن وہ پھر بھی مقابلہ پر ڈٹا رہا، تھانیسر کے میدان میں جنگ چھڑ گئی، محمد غوری کے مٹھی بھر سپاہی لاکھوں راجپوتوں کا کہاں تک مقابلہ کرتے، محمد غوری کو شکست ہو گئی، اور وہ اس جنگ میں بری طرح زخمی ہونے کے بعد غزنین واپس آ گیا،

ہندوستان کی مکمل فتح

محمد غوری نے تندرست ہوتے ہی ۵۸۸ھ میں دوبارہ پرتھوی راج پر حملہ کر دیا، وہ غزنین سے پنجاب ہوتا ہوا پرتھوی راج کے علاقہ میں داخل ہو گیا، پرتھوی راج پہلے ہی سے اس جنگ کے لئے تیار تھا، اس نے قنوج کے راجہ کے علاوہ ہندوستان کے

باقی تمام راجاؤں جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی، اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا تھا، تھانیسر کے میدان میں مقابلہ شروع ہو گیا، ایک طرف تو مسلمان گذشتہ شکست کا انتقام لینے کے لئے جوش سے بھرے ہوئے تھے، اور دوسری طرف راجپوتوں نے بھی اپنی جان لڑا رکھی تھی، غرضکہ کئی روز کی گھمسان کی لڑائی کے بعد راجپوتوں کو شکست ہو گئی، راجپوتوں کے تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے، پرتھوی راج بھاگتا ہوا گرفتار ہوا، اسے گرفتار کر کے غزنیں روانہ کر دیا گیا، مگر وہ راستہ ہی میں مر گیا، پرتھوی راج کی شکست کے بعد مسلمانوں کا اجمیر، دہلی اور پرتھوی راج کے تمام علاقہ پر تسلط ہو گیا، ان فتوحات کے بعد محمد غوری قطب الدین ایبک کو ہندوستان کے تمام مقبوضات کا والسرائے مقرر کرنے کے بعد غزنیں واپس چلا گیا، ۵۹۰ھ میں محمد غوری پھر ہندوستان آیا، اور اس کے دو سال کے مختصر سے عرصہ میں قنوج، بنارس، بیانہ، گوالیار اور ہندوستان کا نہایت ہی وسیع علاقہ فتح کر لیا، اسی دوران میں محمد غوری کے نائب قطب الدین ایبک نے گجرات، بندیل کھنڈ اور روہیل کھنڈ کے علاقوں پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد صوبہ بہار اور صوبہ بنگال بھی فتح ہو گیا، غرضکہ محمد غوری اور اس کے نائبوں نے چند سال کے اندر اندر ہندوستان کو شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک فتح کر کے یہاں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم کر دی

محمد غوری کی وفات

محمد غوری اور قرامطہ کے درمیان عرصہ سے دشمنی چلی آ رہی تھی، اور وہ برابر اس فکر میں تھے، کہ جس طرح ہو سکے، غوری کو ختم کیا جائے، چنانچہ ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) جب کہ غوری لاہور سے غزنیں جا رہا تھا، راستہ میں قرامطہ نے قتل کر دیا،

غوری نہایت بہادر، مدبر اور مستقل مزاج بادشاہ تھا، وہ جس علاقہ کو فتح کرتا تھا، باقاعدہ وہاں حکومت قائم کرتا تھا، اس کی غرض صرف خزانہ کو بھرنا نہیں تھی، بلکہ وہ چاہتا تھا، کہ اسلامی حکومت کو زیادہ سے زیادہ وسیع اور مضبوط بنایا جائے،

خاندان غلاماں کا دور حکومت

محمد غوری کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، لہٰذا اس نے اپنے مخصوص غلام قطب الدین ایبک کو ہی اپنا بیٹا تصور کر لیا تھا، اور اپنی زندگی ہی میں اس کو ہندوستان کا والسرائے بنا دیا تھا، چنانچہ سلطان شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد قطب الدین ایبک نے ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں جس نئے خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی ہے، وہ ہندوستان کی تاریخ میں "خاندان غلاماں" کے نام سے مشہور ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ ہندوستان کی اس نئی حکومت کا بانی قطب الدین ایبک اور اس کے تمام جانشین یا تو ابتدا میں غلام تھے یا غلاموں کی اولاد میں سے تھے، اس موقعہ پر یہ بھی بتلانا ضروری ہے، کہ طلوع اسلام کے بعد سے مسلمانوں میں غلاموں کو اولاد کی برابری کا درجہ حاصل ہو گیا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید بن ثابت کو بیٹا بنا لیا تھا، خلفائے اسلام غلاموں کو بڑے بڑے عہدے

دیا کرتے تھے، چنانچہ اسپین کا فاتح طارق بھی ایک غلام ہی تھا، محمود غزنوی بھی غلاموں ہی کی اولاد سے تھا، مسلمان بادشاہوں کا یہ قاعدہ تھا، کہ وہ غلاموں کو اولاد کی طرح پرورش کیا کرتے تھے، اور ان کو اولاد کی طرح تعلیم دلاتے تھے یہاں تک کہ اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی غلاموں سے کر دیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی، کہ اس زمانہ میں شاہی غلاموں کا درجہ امرائے سلطنت سے بھی بلند خیال کیا جاتا تھا

خاندان غلاماں کی سلطنت کا بانی قطب الدین ایبک گو کہنے کو محمد غوری کا غلام تھا، لیکن محمد غوری اس سے اولاد کی طرح محبت کرتا تھا، اور اولاد ہی کی طرح محمد غوری نے اس کی پرورش بھی کی تھی، چنانچہ جب محمد غوری مر گیا، تو محمد غوری کے بھتیجے سلطان محمود نے اسے ہندوستان کی حکومت کی باقاعدہ سند دے کر اسے ہندوستان کا بااختیار بادشاہ بنا دیا، خاندان غلاماں میں جو بادشاہ ہوئے، ان کے نام حسب ذیل ہیں،

قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا، یہ چار سال حکومت کرنے کے بعد ۶۰۷ھ میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہو گیا،

آرام شاہ اپنے باپ قطب الدین کے مرنے کے بعد ۶۰۷ھ میں لاہور میں تخت نشین ہوا، یہ بادشاہ چونکہ نااہل تھا، اس لئے اس کے زمانہ میں جب تخت بدنظمی پھیلی، تو قطب الدین کے داماد التمش نے اس پر حملہ کر کے اسے معزول کر دیا، اس نے ایک سال سے بھی کم حکومت کی،

سلطان شمس الدین التمش آرام شاہ کے بعد ۶۰۷ھ (۱۲۱۱ء) میں دہلی میں تخت نشین ہوا، یہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا، جس نے لاہور کی بجائے دہلی کو اسلامی ہند کا دارالسلطنت بنایا، اس نے بنگال اور بہار کو دوبارہ فتح کیا، اڑیسہ کو فتح کر کے اسے بھی حکومت دہلی کا ایک صوبہ بنا دیا، اس نے مالوہ کو بھی زیر کر لیا، اور نئی نئی فتوحات کے بعد اس نے پورے ہندوستان پر تسلط جما لیا، یہ ۲۶ سال حکومت کرنے کے بعد ۶۳۳ھ میں فوت ہو گا،

التمش نہایت ہوشیار اور مستعد بادشاہ تھا، اس کی نظر دور دور تک پہنچتی تھی، اور بڑی جلدی حالات کا جائزہ لے لیتا تھا، یہی وجہ تھی، کہ اس نے لاہور سے دہلی کو ترجیح دی، جو جنگ اور فتوحات کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی،

سلطان رکن الدین اپنے باپ التمش کے مرنے کے بعد ۶۳۳ھ میں تخت نشین ہوا، یہ شرابی، عیش پرست، فضول خرچ اور بڑا ظالم تھا۔ امرائے سلطنت جب اس نااہل بادشاہ سے تنگ آ گئے تو انہوں نے سات مہینے کے بعد اسے معزول کر دیا۔

رضیہ سلطانہ

سلطان التمش کی لائق بیٹی تھی۔ جو اپنے بھائی رکن الدین کے معزول کئے جانے کے بعد ۶۳۳ھ میں دہلی میں تخت نشین ہوئی۔ رضیہ گو لائق تھی مگر عورت ہونے کی وجہ سے اس کی حکومت کے خلاف بڑے بڑے ہنگامے برپا ہوئے آخر ایک بڑی بغاوت کے بعد ۶۳۷ھ میں اسے شکست ہوگئی۔ اور دیہاتیوں نے اسے قتل کر دیا۔ رضیہ سلطانہ اگرچہ عورت تھی مگر دشمنوں اور باغیوں سے مقابلہ کرنے میں اس نے وہ استقلال دکھایا جو یادگار رہے گا۔

معز الدین بہرام شاہ

التمش کا بیٹا تھا جسے اُمرائے سلطنت نے رضیہ سلطانہ کے بعد ۶۳۷ھ میں تخت نشین کیا۔ تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی چونکہ امرائے سلطنت کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ اسی لئے اس کے خلاف اُمرائے نے بغاوت برپا کر دی۔ بہرام شاہ اس بغاوت میں ۶۳۹ھ میں مارا گیا۔ اس نے دو سال حکومت کی۔

علاء الدین مسعود

بہرام شاہ کے مارے جانے کے بعد ۶۳۹ھ میں تخت پر بیٹھا۔ یہ سابق بادشاہ رکن الدین کا بیٹا تھا۔ اس کا دور بھی چونکہ مایوس کن ثابت ہوا اس لئے اُمرائے سلطنت نے چار برس کے بعد ۶۴۴ھ میں اسے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔

سلطان ناصر الدین محمود

علاء الدین مسعود کا چچا تھا جسے امرائے سلطنت نے ۶۴۴ھ میں تخت نشین کیا۔ اس بادشاہ نے تمام عمر اپنے ذاتی خرچ کے لئے شاہی خزانہ سے ایک پیسہ نہیں لیا۔ یہ قرآن مجید کی کتابت کر کے اس کی اُجرت سے غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے دور حکومت میں بڑی عظیم الشان فتوحات حاصل کی ہیں۔ یہ تئیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۶۴ھ میں انتقال کر گیا۔

غیاث الدین بلبن

سلطان ناصر الدین کے بعد ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ بلبن شمس الدین التمش کا غلام تھا جو ترقی کرتے کرتے سلطان ناصر الدین کے عہد حکومت میں وزیر اعظم مقرر ہوا۔ اور اس کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ یہ بڑی شان اور دبدبہ کے ساتھ بائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۸۶ھ میں فوت ہوگیا

معز الدین کیقباد

اپنے دادا بلبن کی موت کے بعد ۶۸۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ خاندان غلاماں کا آخری بادشاہ تھا جسے ۶۸۹ھ میں حکومت کے لالچ میں اس کے وزیر نظام الدین نے قتل کر دیا۔ لیکن امرائے سلطنت نے اس کے قتل کے فوراً ہی بعد سامانہ کے نائب ناظم ملک جلال الدین کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ خاندان غلاماں نے ہندوستان پر ۵۶ سال حکومت کی تھا۔

ذکر صرف ہم آدمی سمجھے جاتے ہیں، ایبک، رضیہ سلطانہ، ناصر الدین محمود اور بلبن،

شاہان خلجی کا دور حکومت

ہندوستان میں شاہان خلجی کی حکومت کا بانی ملک جلال الدین خلجی ہے، جسے خاندان غلاماں کے آخری بادشاہ معز الدین کیقباد کے قتل کے بعد امرائے سلطنت نے ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) میں دہلی کے متصل کٹھو گڑھی میں تخت نشین کیا، خلجی خاندان کے مندرجہ ذیل پانچ بادشاہ ہوئے ہیں، انہوں نے تقریباً ۳۲ سال ہندوستان پر حکومت کی ہے،

سلطان جلال الدین خلجی

اس خاندان کی حکومت کا بانی اور پہلا خلجی بادشاہ ہوا ہے، یہ نہایت ہی نیک اور نرم دل واقع ہوا تھا اس میں عفو اور درگذر کا مادہ بے حد تھا اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف کر دیتا تھا، اسے چھ سال کی حکومت کے بعد اس کے داماد اور بھتیجے، علاء الدین نے ۶۹۵ھ میں قتل کرا دیا، اس کے عہد حکومت میں ہندوستان کی رعایا نے بڑے امن اور اطمینان کی زندگی گذاری ہے،

سلطان علاؤالدین خلجی

اپنے چچا جلال الدین کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا، اس کی تخت نشینی کی رسم ۶۹۵ھ میں دہلی میں بڑی دھوم دھام سے انجام دی گئی، اس نے اپنے دور حکومت میں گجرات اور سیوستان کے علاقوں کو جو خود مختار ہو گئے تھے، دوبارہ زیر کیا، قلعہ رنتھنبور فتح کیا، چتوڑ کے راجہ کو مطیع بنایا، اور اپنے محبوب غلام ملک کافور کو خوب آگے بڑھایا، پہلے اسے وزیر اعظم کا عہدہ دیا، اور اس کے بعد ملک دکن فتح کرا کے ملک کافور کو دکن کے صوبوں کا وائسرائے مقرر کر دیا، سلطان علاء الدین تقریباً ۲۱ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۱۶ھ میں فوت ہو گیا، عام خیال ہے، کہ ملک کافور نے اسے زہر دے دیا تھا،

شہاب الدین خلجی

سلطان علاؤالدین کا چھ سالہ لڑکا تھا، جسے علاؤالدین کی حکومت کے بعد ملک کافور نے ۷۱۶ھ میں تخت نشین کیا، اور خود اس کے پردہ میں حکومت کرنے لگا لیکن علاؤالدین کی موت کے دو ماہ ہی بعد ملک کافور قتل کر دیا گیا، اور ملک کافور کے قتل کے ساتھ ہی شہاب الدین کی حکومت بھی ختم ہو گئی،

سلطان قطب الدین مبارک شاہ

شہاب الدین کے معزول کئے جانے کے بعد ۷۱۷ھ میں تخت نشین ہوا، یہ علاء الدین خلجی کا بیٹا تھا، جسے ملک کافور نے قید کر رکھا تھا، امرائے سلطنت نے اسے قید سے نکال کر تخت نشین کر دیا، اس بادشاہ کے زمانہ میں خسرو غلام کو بڑا عروج حاصل ہوا، اس نے پہلے تو حکومت کے سارے اختیارات اپنے ہاتھ

میں لے لیے، اس کے بعد ۷۲۱ھ میں بادشاہ کو قتل کرانے کے بعد خود بادشاہ بن بیٹھا،

خسرو خاں غلام اپنے آقا سلطان مبارک شاہ کے قتل کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا، یہ ایک نو مسلم ہندو غلام تھا، اس نے ایک بہت بڑی ہندو فوج تیار کر کے مسلمانوں کو بے حد پریشان کیا خسرو خاں کی حکومت کو صرف چند ماہ ہوئے تھے، کہ حاکم دیپال پور غازی ملک تغلق اور اس کے بیٹے محمد تغلق نے دہلی پر چڑھائی کر کے دہلی کی حکومت پر قبضہ کر لیا، اور خسرو خاں قتل کر دیا گیا،

شاہان تغلق کا دور حکومت شاہان تغلق کرونا نسل کے ان ترکوں میں سے تھے، جو ترکستان سے آ کر سندھ میں آباد ہو گئے تھے، غیاث الدین تغلق جس نے کہ خلجی حکومت کے خاتمہ کے بعد ہندوستان میں تغلق خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی، بہت چھوٹی سی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے شاہان خلجی کے دور حکومت میں دیپالپور کا گورنر بن گیا تھا، دیپالپور کی گورنری کے زمانہ میں جب اس نے حکومت دہلی کو خسرو نمک حرام کے پنجہ سے نجات دلائی، تو امرائے سلطنت نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا، تغلق خاندان کے مندرجہ ذیل بادشاہ ہوئے ہیں،

سلطان غیاث الدین تغلق تغلق خاندان کا پہلا بادشاہ ہوا ہے، جو ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں دہلی کے تخت پر بیٹھا، اس نے اپنے دور حکومت میں ورنگل اور بنگال کو دوبارہ فتح کیا، ترہٹ کے راجہ کو دوبارہ شکست دی، بنگال کی فتح کے بعد دہلی واپس ہوتے ہوئے جب اس بادشاہ نے دہلی سے متصل تغلق آباد میں قیام کیا، تو تغلق آباد کے چوبی محل کی چھت اس بادشاہ پر گر پڑی جس سے یہ ۷۲۵ھ میں ہلاک ہو گیا، یہ بادشاہ نیک دل ہونے کے علاوہ بڑا بہادر اور لائق ترین مدبر تھا، اس نے چار سال کے اندر ہندوستان کی گرتی ہوئی اسلامی حکومت کو نئے سرے سے مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا تھا

سلطان محمد تغلق اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی اچانک موت کے بعد ۷۲۵ھ میں دہلی کے تخت پر بیٹھا، محمد تغلق کا ابتدائی دور حکومت تو نہایت عمدہ رہا، لیکن دو سال کی حکومت کے بعد اس کے دماغ میں ایسی انوکھی تجویزیں آنے لگیں جن سے ملک اور رعایا کو بڑا نقصان پہنچا، اور اس کے خلاف جا بجا بغاوتیں شروع ہو گئیں، اس نے دہلی کے بجائے دیوگری (دکن) کو دار السلطنت بنا لیا تھا، اور رعایا کو حکم دے دیا تھا، کہ وہ دہلی چھوڑ کر دیوگری جا کر آباد ہو جائے، چنانچہ دار السلطنت کی اس تبدیلی سے رعایا اور حکومت کو شدید نقصان پہنچا، محمد تغلق کی بے عقلیوں کی وجہ سے ہندوستان کے کونے کونے میں بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں، اگرچہ اس نے ان کو اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی بنا پر دبا دیا تھا، مگر پھر بھی آئے دن کی پریشانیوں کی بنا پر اس کی صحت گر گئی، اور یہ ۷۵۲ھ میں فوت ہو گیا،

فیروز شاہ تغلق محمد تغلق کا چچازاد بھائی تھا جو محمد تغلق کے بعد ۷۵۲ھ (۱۳۵۲ء) میں ٹھٹھہ میں تخت نشین ہوا، اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی پہلے ٹھٹھہ کے مغل لشکر اور باغیوں کی سرکوبی کی، اس کے بعد یہ دہلی آکر دوبارہ تخت نشین ہوا، اس بادشاہ کو جنگ اور خونریزی سے سخت نفرت تھی، اور اسے آخری عمر میں حکمرانی سے بھی کچھ ایسی نفرت ہو گئی تھی، کہ اس نے ۷۸۹ھ میں تخت سے دست بردار ہونے کے بعد اپنے بیٹے محمد شاہ کو ناصر الدین کا خطاب دے کر بادشاہ بنا دیا تھا، اور خود گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی،

ناصر الدین محمد شاہ اپنے باپ فیروز شاہ تغلق کے حکومت سے دست بردار ہونے کے بعد ۷۸۹ھ میں تخت نشین ہوا، یہ عشرت پسند اور نااہل بادشاہ تھا، اس نے عنان حکومت اپنے نالائق دوستوں کے حوالے کر دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے خلاف شاہی غلاموں، اور شاہزادوں نے بغاوت برپا کر دی، اور آپس میں جنگ چھڑ گئی، اس جنگ میں جب ناصر الدین محمد شاہ کو شکست ہو گئی، تو وہ سرمور بھاگ گیا،

سلطان تغلق شاہ ناصر الدین محمد شاہ کے فرار ہونے کے بعد دہلی کے تخت پر ۷۹۰ھ میں بیٹھا، یہ فیروز تغلق کا پوتا تھا، تغلق شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی فیروز تغلق کا انتقال ہو گیا، اور اس کے مرنے کے ساتھ ہی بری طرح ابتری پھیل گئی، سلطان تغلق شاہ عیش پرست ہونے کے علاوہ بڑا ظالم اور جابر تھا، چنانچہ اس کے ظلم و ستم کی بنا پر غلامان فیروز شاہی اس کے دشمن ہو گئے، اور اسے چھ ماہ کی حکومت کے بعد قتل کر دیا،

سلطان ابو بکر شاہ تغلق شاہ کے قتل کے بعد ۷۹۱ھ میں تخت نشین ہوا، یہ فیروز تغلق کا دوسرا پوتا تھا، گو غلامان فیروز شاہی نے اسے تخت نشین کیا تھا لیکن وہ اس کے بھی مخالف ہو گئے، چنانچہ سلطان ابو بکر شاہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا،

ناصر الدین محمد شاہ ابو بکر شاہ کے فرار ہونے کے بعد دوسری بار دہلی کے تخت پر ۷۹۲ھ میں قابض ہو گیا، اس نے تخت نشین ہوتے ہی غلامان فیروز شاہی کو چن چن کر قتل کیا، اس کے زمانہ میں ملک میں جابجا بغاوتیں کھڑی ہو گئی تھیں، چار سال حکومت کرنے کے بعد ۷۹۶ھ میں اس کا انتقال ہو گیا،

سکندر شاہ اپنے باپ ناصر الدین محمد شاہ کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا لیکن یہ تخت نشینی کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی فوت ہو گیا،

ناصرالدین محمود شاہ

محمد شاہ کا چھوٹا لڑکا تھا جو اپنے بھائی سکندر کی موت کے بعد ۷۹۶ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے زمانہ میں تغلق حکومت تقریباً ختم ہو چکی تھی، بعض امراء سلطنت جو ناصرالدین محمود شاہ سے خوش نہ تھے، انہوں نے فیروز تغلق کے ایک پوتے نصرت شاہ کو دہلی کے قریب فیروز آباد میں تخت نشین کر دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ محمود شاہ اور نصرت شاہ میں بری طرح خانہ جنگی شروع ہو گئی، شاہان تغلق کی بدقسمتی سے اسی زمانہ میں جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا، اور اس ملک کو بری طرح لوٹا، تو رہی سہی تغلق حکومت بالکل برباد ہو گئی

نصرت شاہ

جس کی تخت نشینی فیروز آباد میں ہوئی تھی، جب اس نے یہ دیکھا، کہ دہلی میں میدان بالکل صاف ہے، تو وہ تیمور کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد ۸۰۱ھ میں دہلی کے خالی تخت پر آن کر بیٹھ گیا، یہ یاد رہے، کہ تیمور کے حملہ کے بعد دو ماہ تک دہلی کا تخت بالکل خالی پڑا رہا تھا مگر نصرت شاہ کو دہلی کے تخت پر قابض ہوئے صرف چند ماہ ہوئے تھے، کہ ایک امیر اقبال لو نے نصرت شاہ کے خلاف حملہ کر دیا، نصرت شاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر میوات بھاگ گیا، اور اقبال لو بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے دہلی پر حکومت کرنے لگا،

ناصرالدین محمود شاہ

جو تیمور کے حملہ کے وقت دہلی سے گجرات بھاگ گیا تھا، اقبال لو نے اسے ۸۰۴ھ میں دہلی لا کر دوبارہ تخت نشین کر دیا، لیکن یہ بادشاہ چند ہی روز کے بعد اقبال لو کی خود سری سے تنگ آ کر اور تخت چھوڑ کر قنوج چلا گیا، لیکن ۸۰۸ھ میں جب اقبال لو خضر خاں حاکم لاہور کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا، تو محمود شاہ تیسری مرتبہ دہلی آ کر تخت نشین ہو گیا، ۸۱۵ھ میں خضر خاں حاکم لاہور فتح حاصل کرتا ہوا، دہلی تک چلا آیا تھا، لیکن قحط کی پریشانی کی وجہ سے وہ واپس پنجاب چلا گیا، خضر خاں کے جانے کے بعد ناصرالدین محمود شاہ مختصر سی علالت کے بعد فوت ہو گیا، اور اس طرح خاندان تغلق کا آخری چراغ گل ہو گیا، محمود شاہ کے مرنے کے بعد امرائے سلطنت نے دولت خان لودہی کے ہاتھ میں عنان حکومت دے دی، لیکن خضر خاں حاکم لاہور نے ۸۱۷ھ میں دولت خاں کو شکست دے کر دہلی کے تخت پر قبضہ جما لیا

سادات کا دورِ حکومت

ہندوستان میں سیدوں کی حکومت کا بانی خضر خاں ہے، جسے تیمور نے ہندوستان میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد پنجاب، دیپالپور اور ملتان کا علاقہ دے کر اپنا نائب مقرر کر دیا تھا، ان اہم علاقوں کی حکومت حاصل ہونے کے بعد خضر خاں نے خاندان تغلق کے آخری بادشاہ سلطان محمود پر چڑھائی کر دی، مگر قحط کی پریشانی کی وجہ سے وہ ناکام و نامراد پنجاب واپس چلا گیا، لیکن محمود شاہ کی وفات کے بعد خضر خاں نے دہلی پر دوبارہ حملہ کر کے دولت خاں لودہی سے دہلی

کی حکومت چھین لی، اس خاندان کے مندرجہ ذیل بادشاہ ہوئے ہیں،

خضر خاں ۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) میں تخت نشین ہوا، لیکن یہ امیر تیمور سے ایسا خوفزدہ تھا، کہ اس نے اپنے نام کے ساتھ نہ تو بادشاہ کا لقب شامل کیا، اور نہ سکوں پر اپنا نام مسکوک کرایا، بلکہ اپنے نام کی جگہ سکوں اور خطبوں میں امیر تیمور ہی کا نام دیتا رہا، اسے جو حکومت ملی تھی، وہ پاش پاش ہو چکی تھی، یہ جب تک زندہ رہا بغاوتوں کے دبانے ہی میں مصروف رہا، ۸۲۴ھ میں سات سال کی حکومت کے بعد اس کا انتقال ہو گیا،

سلطان مبارک شاہ اپنے باپ خضر خاں کے بعد ۸۲۴ھ میں جب تخت پر بیٹھا، تو پنجاب میں شدید بغاوت برپا ہو گئی، یہ بھی ساری عمر بغاوتوں کے دبانے میں مصروف رہا، ۸۳۷ھ میں اس کے وزیر سرور الملک نے سدھ پال نامی ایک شخص کے ذریعہ جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے اس بادشاہ کو قتل کرا دیا،

سلطان محمد شاہ مبارک شاہ کا متبنی اور خضر خاں کا پوتا تھا، جسے غدار وزیر سرور الملک نے مبارک شاہ کے قتل کے بعد ۸۳۷ھ (۱۴۳۳ء) میں تخت نشین کر دیا، اس کے زمانہ میں سرہند کے باغی حاکم بہلول لودھی کا زور اتنا بڑھا، کہ بادشاہ بھی اس سے ڈرنے لگا یہ بادشاہ ۸۴۹ھ میں چند روز بیمار رہ کر انتقال کر گیا،

سلطان علاؤالدین خاندان سادات کا آخری بادشاہ تھا جو اپنے باپ سلطان محمد شاہ کے مرنے کے بعد ۸۴۹ھ (۱۴۴۵ء) میں تخت پر بیٹھا، یہ بادشاہ نہایت بزدل اور کمزور تھا، اس کی حکومت صرف دہلی میں بارہ میل کے اندر اندر تھی، اس بادشاہ کے وزیر حمید خاں نے سرہند کے حاکم بہلول لودھی سے ساز باز کر کے اس سے دہلی پر حملہ کرا دیا، اس حملہ میں سلطان علاؤالدین کو شکست ہو گئی، اور بہلول لودھی کے ۸۵۵ھ میں دہلی کی حکومت پر قابض ہونے کے بعد خاندان سادات کی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا، سلطان علاؤالدین شکست کھانے کے بعد بھاگ کر بدایوں چلا گیا، اور اپنی باقی زندگی کے دن وہیں گذار دیے،

شاہان لودھی کی حکومت ملک بہلول لودھی جس نے کہ ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھی، ان افغانوں کی اولاد میں سے تھا جو ہندوستان میں آ کر آباد ہو گئے تھے، بہلول نے اپنے چچا اسلام خاں حاکم سرہند کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، اور اسلام خاں کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی تھی، اسلام خاں کے مرنے کے بعد اپنی اعلیٰ جنگی قابلیت کی بنا پر سرہند کا حاکم بن گیا، اور اس کے بعد اس نے دہلی کی حکومت پر قبضہ جما لیا، لودھی خاندان میں جو بادشاہ ہوئے ہیں، ان کے

نام حسب ذیل ہیں،

سلطان بہلول لودھی یہ لودہی خاندان کی حکومت کا بانی اور پہلا بادشاہ ہوا ہے، بہلول لودی اگرچہ ۸۵۵ھ (۱۴۵۰ء) میں دہلی کی حکومت پر قابض ہو گیا تھا لیکن چونکہ وزیر حمید خاں سے خطرہ تھا اس لئے اس نے پہلے وزیر حمید خاں کو قید کیا، اس کے بعد ۸۵۵ھ میں باقاعدہ اپنی شاہی کا اعلان کرنے کے بعد تخت نشین ہوا، یہ ۳۹ سال حکومت کرنے کے بعد ۸۹۴ھ میں فوت ہو گیا، اس نے نئی نئی فتوحات حاصل کر کے دہلی کی سلطنت کی بنیادوں کو جو تبدیلی حکومت اور خانہ جنگی سے متزلزل ہو رہی تھیں مستحکم و مضبوط کر دیا،

سلطان سکندر لودھی اپنے باپ بہلول لودہی کے مرنے کے بعد ۸۹۴ھ میں تخت نشین ہوا، اس نے ایک طرف ملک کی اندرونی بغاوتوں کو دبایا، اور دوسری طرف نئی نئی فتوحات حاصل کر کے لودھی سلطنت کے رقبہ کو خوب بڑھالیا، یہ بادشاہ تقریباً ۲۷ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۲۳ھ میں انتقال کر گیا،

سلطان ابراہیم لودھی اپنے باپ سکندر لودہی کی وفات کے بعد ۹۲۳ھ (۱۵۱۷ء) میں سکندر لودھی کے تعمیر کردہ نئے شہر آگرہ میں تخت نشین ہوا، ابراہیم لودھی نہایت سخت گیر اور مغرور بادشاہ تھا، اس نے بڑے بڑے افغان سرداروں کو قتل کر کے یا ان کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کر کے ساری افغان قوم کو اپنا دشمن بنالیا تھا، چنانچہ افغان سرداروں نے اس سے تنگ آکر کابل کے بادشاہ ظہیر الدین بابر کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دے دی، بابر جو پہلے ہی سے ہندوستان کی تاک میں تھا، فوراً ہی ہندوستان پہنچ گیا، پانی پت کے میدان ۹۳۲ھ میں بابر اور ابراہیم لودہی کا مقابلہ ہوا، بابر کو فتح نصیب ہوئی ابراہیم لودہی مارا گیا، اور ہندوستان سے لودہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا

مغلیہ حکومت کا بانی ظہیر الدین بابر بابر مغلیہ حکومت کا بانی اول ہے، امیر تیمور کی اولاد سے ہے، ابراہیم لودہی کو شکست دے کر دہلی میں اپنی شاہی کا اعلان کر دیا، ابراہیم نے پانی پت کے میدان میں سخت مقابلہ کیا، مگر کامیاب نہیں ہوا، درحقیقت بابر کی یہ دیرینہ تمنا تھی، کہ ہندوستان کا بادشاہ بن جائے، یہی وجہ تھی، کہ وہ اپنی ناداری اور کمزوری کی حالت میں بھی کئی مرتبہ ہندوستان آیا، تاکہ یہاں کے حالات سے خبردار ہو جائے، خوش نصیبی سے اسے زیادہ دن انتظار نہیں کرنا پڑا، اور لودھی حکومت کے خلاف حکام کی بغاوت نے اسے ہندوستان پر حملہ کرنے کا موقعہ دیدیا اور وہ پشاور اور پنجاب کو فتح کرتا ہوا، پانی پت کے تاریخی میدان میں ابراہیم کی فوجوں سے ٹکرا گیا، جب

دہلی میں اس نے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا، تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا،

بابر نے ہندوستان میں اپنی حکومت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کے لئے جدید فتوحات کا سلسلہ شروع کیا، اور بہت جلد آگرہ، قنوج، دیپالپور، جونپور، کالپی، بیانہ، گوالیار، میوات وغیرہ کے علاوہ بہار و بنگال کو بھی فتح کر لیا، غرض یہ کہ چند سال کے عرصہ میں اس نے اپنی حکومت کو بہت وسعت دی، اور خوب مضبوط کیا، مگر اس کی عمر نے وفا نہیں کی، اور وہ کل پانچ سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۹۳۷ھ (سنہ ۱۵۳۰ء) میں انتقال کر گیا، اس کی لاش آگرہ سے کابل گئی، اور وہاں دفن کی گئی،

ظہیر الدین بابر اپنے دور کا نہایت حوصلہ مند بادشاہ ہوا ہے، وہ بار بار گرا، اور سنبھلا، مگر ہمت اور استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا، اس کی اولو العزمی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے، کہ وہ فرغانہ کی چھوٹی سی ریاست کا معمولی رئیس تھا، اور ترقی کرتے ہوئے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا،

نصیر الدین محمد ہمایوں

اپنے باپ ظہیر الدین بابر کے مرنے کے بعد سنہ ۹۳۷ھ میں آگرہ میں تخت نشین ہوا، اس نے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی اپنی حکومت کا بیشتر حصہ بھائیوں اور عزیزوں میں تقسیم کر دیا جس سے کہ اس کی حکومت میں ضعف پیدا ہو گیا، حکومت کے اہم علاقے بھائیوں کو دینے کے بعد ہمایوں کو اپنی حکومت بڑھانے کی فکر ہوئی، لہٰذا اس نے کالنجر کو فتح کیا، جونپور کو افغانوں کے قبضہ سے نکالا، قلعہ چنار گڑھ جس پر شیر شاہ کا قبضہ تھا، اس پر حملہ کیا، شیر شاہ سے ہمایوں کی صلح ہو گئی، اور قلعہ چنار گڑھ بدستور شیر شاہ کے قبضہ میں رہا، اس کے بعد ہمایوں نے گجرات فتح کیا، لیکن گجرات اور مالوہ کے علاقے چند ماہ کے بعد ہی ہمایوں کے قبضہ سے نکل گئے،

ہمایوں جس زمانہ میں گجرات، اور مالوہ کی فتوحات میں الجھا ہوا تھا، شیر شاہ نے قلعہ چنار کے علاوہ بہار اور جونپور پر بھی قبضہ جما لیا، اس کے بعد بنگال بھی شیر شاہ نے فتح کر لیا، ہمایوں جب شیر شاہ کے مقابلہ پر آیا، تو اس نے بنگال چھوڑ دیا، بنگال پر ہمایوں کا قبضہ ہو گیا، لیکن ہمایوں مع فوج کے جب بنگال سے واپس ہونے لگا، تو شیر شاہ نے اس کے لشکر کو راستہ میں گھیر لیا، ہمایوں بڑی مشکل سے جان بچا کر آگرہ پہنچ سکا، ہمایوں آگرہ آکر نئے سرے سے شیر شاہ کے مقابلہ کے لئے جنگی تیاریاں شروع کرنا چاہتا تھا، مگر بھائیوں میں اختلاف ہو جانے کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ کر سکا، ادھر شیر شاہ نے بنگال اور جونپور سے لے کر قنوج تک قبضہ جما لیا، اور آگرہ کے آس پاس کے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو بھیج دیا، ہمایوں نے جب دیکھا کہ دشمن دروازہ پر آ گیا ہے، تو وہ بھی لشکر لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا، دریائے گنگا کے پار شیر شاہ اور ہمایوں کی فیصلہ کن جنگ چھڑ گئی، اس جنگ میں ہمایوں کو سنہ ۹۴۷ھ میں شکست ہو گئی، ہمایوں شکست کھانے کے بعد آگرہ ہوتا ہوا

دہلی پہنچا، وہاں سے پنجاب گیا، اور پھر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا سنہ ۹۵۰ھ میں ایران چلا گیا،

شیر شاہ سوری کی حکومت

ہمایوں کی شکست اور فرار کے بعد شیر شاہ سنہ ۹۴۷ھ (سنہ ۱۵۴۰ء) میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا، اس کے بعد وہ آگرہ آیا، اور آگرہ کے انتظام سے فارغ ہو کر شیر شاہ اجین اور گوالیار پہنچا، اور وہاں سے دہلی جا کر اپنی نئی حکومت پر قبضہ جمایا، لاہور سے شیر شاہ ہمایوں کے تعاقب میں خوشاب تک گیا، اور خوشاب سے واپسی پر دہلی اور آگرہ ہوتا ہوا بنگال چلا گیا، تاکہ وہاں کی حکومت کو مضبوط کرے، غرض کہ شیر شاہ نے مختصر سے عرصہ میں اپنی حکومت کو خوب وسعت دے دی، اور ہر جگہ نہایت اچھا انتظام قائم کیا، سنہ ۹۵۰ھ تک شیر شاہ نے مالوہ، اجمیر، جودھپور، چتوڑ اور مارواڑ کے بھی اکثر و بیشتر علاقے فتح کر لئے، ان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ کالنجر کے محاصرہ میں مصروف تھا، تو اس کے قریب ہی پڑے ہوئے بارود کے گولوں میں آگ لگ گئی، جس سے شیر شاہ اور بہت سے آدمی جل گئے، چنانچہ اسی حادثہ کی وجہ سے سنہ ۹۵۲ھ میں میدان جنگ میں شیر شاہ کی موت واقع ہو گئی،

سلیم شاہ سوری

اپنے باپ شیر شاہ کی موت کے بعد سنہ ۹۵۲ھ (سنہ ۱۳۴۵ء) میں تخت نشین ہوا، سلیم شاہ کا طرز عمل چونکہ نہ تو امرائے سلطنت کے ساتھ اچھا تھا، اور نہ عام افغانوں کے ساتھ، اس لئے ساری پٹھان قوم اس کی مخالف ہو گئی، اور اس مخالفت کی بنا پر جا بجا بغاوتیں کھڑی ہو گئیں، سلیم شاہ تقریباً آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد سنہ ۹۶۰ھ میں فوت ہو گیا، جب سلیم شاہ مرا ہے، تو پٹھانوں کی آپس کی مخالفت کی وجہ سے سوری حکومت بے حد کمزور ہو گئی تھی،

فیروز شاہ سوری

یہ سلیم شاہ کا کمسن لڑکا تھا، جسے سلیم شاہ کے مرنے کے بعد تخت نشین کر دیا گیا، لیکن فیروز شاہ سوری کے حقیقی ماموں محمد شاہ عادل نے تخت نشینی کے تیسرے ہی دن اس معصوم بچہ کو ماں کی گود میں ذبح کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا،

محمد شاہ عادل

محمد شاہ عادل اپنے معصوم بھانجے فیروز شاہ کو قتل کرنے کے بعد سنہ ۹۶۰ھ میں تخت پر بیٹھا، اس بادشاہ میں چونکہ حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں تھی، اس لئے سوری حکومت چند ہی روز کے بعد چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر بے حد کمزور ہو گئی، اور ہمایوں نے دوبارہ اس حکومت پر قبضہ جمایا،

(۱) ہمایوں کی واپسی اور دوسرا دور

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا دوسرا دور اس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب کہ ہمایوں نے شیر شاہ سوری کے جانشینوں کو شکست دینے کے بعد ہندوستان میں نئے سرے سے مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی

اس سے قبل یہ بتایا جاچکا ہے، کہ مغلیہ حکومت کے بانی بابر کے مرنے کے بعد جب ہمایوں تخت نشین ہوا، تو اُسے کیسی مشکلات پیش آئیں، یہاں تک ۹۴۷ھ میں اسے شیر شاہ سے شکست کھانے کے بعد ہندوستان چھوڑ کر ایران چلا جانا پڑا، ہمایوں ایران جانے کے بعد بھی چین سے نہیں بیٹھا، اس نے شاہ ایران سے فوجی امداد حاصل کرنے کے بعد پہلے تو قندھار فتح کیا، اس کے بعد کابل کو تسخیر کیا، اور کابل کی فتح سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ہندوستان کی جانب رخ کیا، چنانچہ اس نے شیر شاہ کے جانشینوں سے ہندوستان کو چھین لیا، اور وہ دوبارہ ۹۶۲ھ میں ہندوستان کا بادشاہ بن گیا، لیکن ابھی وہ اپنی سلطنت کو مستحکم بھی نہ کرنے پایا تھا، اور پوری طرح ہندوستان کو فتح بھی نہیں کر سکا تھا، کہ ۹۶۳ھ میں دہلی کے شاہی کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر اچانک فوت ہو گیا،

ہمایوں بڑے عزم وارادہ کا آدمی تھا، اس نے صحرا نوردی میں بھی اپنے ارادہ کو ترک نہیں کیا، وہ برابر اس کوشش میں رہا، کہ ہندوستان کو دوبارہ حاصل کیا جائے، بیرم خاں اور شاہ ایران نے ہمایوں کا بہت ساتھ دیا، اس بے کسی کے عالم میں بھی شاہ ایران نے اس جوش سے استقبال کیا، کہ شاید بادشاہ ہونے کی حالت میں بھی نہ کرتا، بیرم خاں جان کی طرح ساتھ لگا رہا، آخر اس کی تمنا پوری ہوئی، اور اس نے ہندوستان کا تخت دوبارہ حاصل کر لیا، ہمایوں اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتا ہے، کہ

"مجھ کو ساری عمر میں اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی، جتنی دہلی کے تخت کو دوبارہ حاصل کرنے میں ہوئی"

ہمایوں نے دہلی کے تخت پر بیٹھتے ہی گوشت کھانا ترک کر دیا، اور عہد کیا، کہ اس وقت تک گوشت نہیں کھاؤں گا، جب تک پورے ہندوستان کو فتح نہ کر لوں گا، چنانچہ اسی درمیان میں اکبر نے تلوار سے نیل گائے کا شکار کیا، اور گوشت جب ہمایوں کے سامنے لایا گیا، تو اس نے کہا، کہ اس کو خشک کر کے رکھ دو، جب فتح مکمل ہو جائے گی، اس وقت کھاؤں گا،

ہمایوں کا کردار

ہمایوں جری اور بہادر ہونے کے ساتھ علم کا بڑا قدردان تھا، قدرت سے عیش طلب واقع ہوا تھا جس کی وجہ سے کبھی کبھی اس کی دلچسپیاں تیز ہو جاتی تھیں، شعر و شاعری کے علاوہ وہ ریاضی کا بڑا ماہر اور استاد مانا جاتا تھا، علماء اور بزرگان دین کا بے حد قدردان تھا،

مزارات پر حاضری دینے کا شوقین تھا، وہ عیش پرست تھا، مگر عیاشی سے اس کا دامن پاک تھا، فیاضی کی وجہ سے لوگ اسے فضول خرچ کہا کرتے تھے،

(۲) سلطان جلال الدین اکبر

ہمایوں کے مرنے کے بعد جب اس کا بیٹا جلال الدین اکبر ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء میں تخت پر بیٹھا، تو اس کی عمر صرف تیرہ برس اور نو مہینے کی تھی، اکبر کے تخت نشین ہوتے ہی مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے جابجا بغاوتیں کھڑی ہوگئیں، مغلوں کے خلاف سب سے بڑی بغاوت کا سرغنہ ہیمو بقال تھا، ہیمو بقال کو مغلوں کے مقابلہ میں شکست ہوگئی اس کے بعد اکبر اور اس کے ساتھیوں نے دہلی، آگرہ، لکھنؤ اور بہت سے اہم مقامات فتح کرلئے، اکبر کی ان فتوحات اور کامیابیوں میں اکبر کے اتالیق بیرم خان کا بہت بڑا ہاتھ تھا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اکبر اور بیرم خاں میں ناچاقی ہوگئی، تو اکبر نے سلطنت کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور اس نے مختصر سے عرصہ میں قلعہ گوالیار اور مالوہ کو فتح کرلیا، جونپور اور اودھ کے پٹھانوں کو زیر کرکے جونپور اور اودھ کا سارا علاقہ فتح کرلیا، اس کے بعد اکبر نے گجرات، بنگال اور کشمیر کو تسخیر کیا، پھر اکبر نے کابل، سندھ اور قندھار کو زیر کیا، شمالی ہند کی فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد اکبر دکن کی جانب متوجہ ہوا، اور اس نے دکن کے بیشتر علاقوں کو فتح کرکے حکومت مغلیہ میں شامل کرلیا، ان عظیم الشان فتوحات کے بعد سنہ ۱۰۱۴ھ میں اس کا انتقال ہوگیا،

اکبر کا دور حکومت

آپ پڑھ چکے ہیں، کہ اکبر کے باپ ہمایوں کو شیر شاہ نے نکال کر حکومت پر قبضہ کرلیا تھا، ہمایوں نے جب دوبارہ حکومت حاصل کی، تو وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکا، اکبر کو جو حکومت ملی، وہ پنجاب، دہلی اور آگرہ تک محدود تھی، اندرونی خلفشار کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف ہیمو بقال اور دوسری طرف بیرم خاں نے اکبر کے اطمینان کو ختم کر رکھا تھا، مگر اکبر کے استقلال اور تدبر نے اس سخت نازک دور سے مغلیہ حکومت کو اس طرح نکال لیا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا، اکبر نے اپنی مخصوص پالیسی سے بے اندازہ فتوحات حاصل کرلی تھیں، یہاں تک کہ مہاراجہ اشوک جس کی حکومت کو ہندوستان کی سب سے بڑی حکومت کہا جاتا ہے، وہ بھی، اکبر کے مقابلہ میں کم حیثیت رکھتی تھی،

اکبر باپ، دادا کی طرح سپہ سالار نہیں تھا، مگر قدرت نے اس کو صلاحیت ایسی دی تھی، کہ اس نے بہت سے سپہ سالار پیدا کردیئے، اکبر کو اگرچہ مطلق العنان بادشاہ کہتے ہیں، لیکن اگر دیکھا جائے، تو اس کے پاس باقاعدہ وزارت تھی، جس کے ممتاز رکن حسب ذیل تھے،

راجہ ٹوڈر مل، راجہ مان سنگھ، راجہ بھگوانداس، علامہ ابوالفضل، علامہ فیضی، راجہ بیربل، عبدالرحیم خانخاناں

اکبر کی حکومت کے ۱۸ صوبے تھے، جن کی تفصیل یہ ہے،

کابل، لاہور، ملتان، دہلی، آگرہ، اودھ، الہ آباد، اجمیر، گجرات، مالوہ، بہار، بنگال، خاندیش، برار، احمد نگر اڑیسہ، کشمیر اور صوبہ سندھ

انتظامی اعتبار سے ہر صوبہ کا ایک گورنر ہوتا تھا جس کو سپہ سالاری کے اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے، اور ہر شہر کا ایک ڈپٹی کمشنر ہوتا تھا،

اکبر کی پالیسی یہ تھی، کہ ہندوستان کے تمام باشندے مذہب کے اختلافات کے باوجود متحد ہو کر رہیں، ہندوستان کو اپنا ملک، اکبر کو اپنا بادشاہ تصور کرتے ہوئے ملک کو مضبوط بنائیں یہی وہ نظریہ تھا، جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نے راجپوت خاندان میں شادیاں کیں،

اکبر کے خیالات

اکبر نامہ اور آئین اکبری نیز تاریخ ملا عبد القادر بدایونی دیکھنے سے پتہ ملتا ہے، کہ اکبر کے خوشامدیوں نے اور حاشیہ نشینوں نے اپنے ذاتی فائدہ کے لئے اکبر کے دماغ میں عجیب و غریب خیالات پیدا کر دیئے تھے، یہاں تک کہ امام مہدی، پیغمبر اور خدا ہونے تک کا خیال پیدا کر دیا تھا، اکبر چونکہ پڑھا لکھا نہیں تھا جو کسی چیز پر غور کرتا، لہٰذا جو جیسا بولتا تھا، اکبر اسی رنگ میں رنگ جاتا تھا یہی وجہ ہے، کہ وہ ارکان خمسہ اسلام کے ساتھ حیات بعد الممات اور قیامت کا بھی قائل نظر نہیں آتا،

خوشامدی علماء اور امراء نے اس حد تک اس کو یقین دلایا تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ ہر آنے والا مجھ کو سجدہ کرے اکبر تناسخ کا قائل تھا، اور کہتا تھا، کہ مرنے کے بعد انسان کی روح دوسرے جیون میں تبدیل ہو جاتی ہے، ان لوگوں نے اس موضوع پر چند کتابیں بھی لکھ دی تھیں، اکبر مذہب کے معاملہ میں اس قدر متلون واقع ہوا تھا، کہ ہر مذہب والا جب اس کے سامنے اپنے مذہب کو صحیح ثابت کرتا، تو وہ اس کی ہمنوائی کرنے لگتا، وہ کبھی کبھی اپنی ہندو رانیوں کے ساتھ ہندوانہ مراسم بھی ادا کرتا تھا،

عورتوں کے لئے مینا بازار کا طریقہ اکبر کا جاری کردہ ہے، بزرگوں میں شیخ قطب الدین جلیسری سے اس کو عقیدت تھی، اور کبھی کبھی ان کو بلایا کرتا تھا،

(۳) سلطان نور الدین جہانگیر

اپنے باپ اکبر کے مرنے کے بعد ۱۰۱۴ھ م ۱۶۰۵ء آگرہ میں تخت نشین ہوا، اکبر اپنے پیچھے اتنی بڑی سلطنت چھوڑ گیا تھا، کہ جہانگیر کو جدید فتوحات کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، البتہ اسے بہت سی اندرونی بغاوتوں کا سخت مقابلہ کرنا پڑا جہانگیر کی زندگی کا اہم ترین واقعہ مہر النساء یعنی نورجہاں کے ساتھ اس کا نکاح ہے، مہر النساء جہانگیر کی بچپن کی ساتھی، لیکن اکبر جو جہانگیر اور نورجہاں کی شادی کو پسند نہیں کرتا تھا اس نے مہر النساء کی شادی

شیر افگن نامی ایک امیر کے ساتھ کردی تھی، جہانگیر کے عہدِ حکومت میں جب شیر افگن کو بردوان میں قتل کر دیا گیا تو جہانگیر نے نور جہاں سے نکاح کر لیا، نور جہاں کے ملکہ بن جانے کے بعد جہانگیر کی حکومت میں نئی نئی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں کیونکہ نور جہاں حکومت کے کاموں میں بے حد دخیل ہو گئی تھی۔ نور جہاں کی ریشہ دوانیوں اور سلطنت کے اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے جہانگیر کی صحت دن بدن گرتی چلی گئی، یہاں تک کہ وہ ۱۰۳۷ھ میں کشمیر سے لاہور آتے ہوئے فوت ہو گیا،

جہانگیر کا اصلی نام شہزادہ سلیم تھا جس کی تخت نشینی اکبر نے مرنے سے کچھ عرصہ پہلے ۸ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ میں کر دی تھی،

جہانگیر کی پیدائش

مؤرخین کا بیان ہے، کہ اکبر کے کوئی اولاد نہیں تھی، کسی کے کہنے سے وہ اجمیر شریف گیا، اور مزار خواجہ پر دعا کی، اور کہا، کہ اگر بیٹا ملا، تو پیدل چل کر حاضری دوں گا چنانچہ جہانگیر کی پیدائش کے بعد اس نے اس منت کو پورا کیا

اکبر نے اولاد کے لئے فتح پور سیکری کے مشہور بزرگ شیخ سلیم چشتی سے بھی دعا کرائی تھی، شیخ نے جواب میں کہا، جاؤ بیٹا ملے گا، اور ہم نے اس کا نام اپنے نام پر سلیم رکھ دیا ہے، جہانگیر نے کئی شادیاں کیں، جو راجپوتوں کی لڑکیاں تھیں، مگر نور جہاں سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھی

عدل و انصاف کا خیال

جہانگیر کو عدل و انصاف کا بہت خیال تھا، چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے ایک زنجیر لگوائی، تاکہ مظلوم اور فریادی اس زنجیر کو کھینچ کر بادشاہ سے اپنی فریاد کر سکیں، اس کے علاوہ جہانگیر نے خفیہ پولیس کا بھی انتظام کیا تھا، اور تمام ملک میں خفیہ نویسوں کا جال بچھا دیا تھا،

اس کے بعد جہانگیر نے رعایا کی خیر خواہی اور ملک کی سلامتی اور امن کی طرف توجہ کی، اور بہت سے احکامات صادر کئے، چنانچہ راستوں اور دریاؤں سے گذرنے کا محصول معاف کر دیا، چنگی لینے کا طریقہ بند کر دیا، حکام کو نذرانہ پیش کرنے کی رسم بند کر دی، راستوں پر مسجدیں اور سرائیں تعمیر کرائیں، کثرت سے کنویں کھدوائے، شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کا استعمال اور اس کی تجارت کو بند کر دیا، حکام جس علاقہ میں متعین ہوں، وہاں شادی بیاہ نہ کریں، غرض جہانگیر نے بہت سی مفید اصلاحات کیں، اور رعایا کی فلاح کے لئے بہت سے مناسب اقدامات کئے،

جہانگیر کا دورِ حکومت

جہانگیر کی ملکی پالیسی تقریباً وہی تھی، جو اس کے باپ اکبر کی تھی، ہندوؤں کی دلداری کو ضروری سمجھتا تھا، ملک کے اندرونی نظام کو اس نے بہت

مضبوط بنایا، اس کے زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ بالکل بند رہا، بلکہ کچھ سرحدی علاقے نکل ہی گئے،

جہانگیر فرقہ پرستی سے بہت بلند تھا، وہ دل کھول کر ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں سے سلوک کرتا اور ان کے تہواروں کے موقعہ پر ان کے بڑے بڑے لوگوں کو محل میں دعوت دیتا، جہانگیر کے دور میں بجز شاہجہان کی بغاوت کے اور کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا، مذہبی معاملات میں وہ بہت وسیع النظر واقع ہوا تھا، وہ خود تو سنی تھا، مگر کسی فرقہ کی دلآزاری کو پسند نہیں کرتا تھا بعض لوگوں کا خیال ہے، کہ وہ نور جہان کی وجہ سے شیعہ ہوگیا تھا، مگر یہ غلط ہے، البتہ اہل بیت سے اس کو بہت عقیدت تھی

انگریزوں کی آمد

انگریز جو عرصہ سے ہندوستان پر نظریں جمائے ہوئے تھے، بڑی ہوشیاری سے ساحلی مقامات پر آباد ہونے لگے، اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آئینی طور پر تھامس رو کو اپنا سفیر بنا کر جہانگیر کے دربار میں بھیجا، یہ انگلستان کا سب سے بڑا مدبر اور ہوشیار آدمی تھا، اسی لئے شاہ انگلستان جیمز اول نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے لئے میدان ہموار کرنے کی خدمت تھامس کے سپرد کی تھی،

یہ سفیر سنہ ۱۰۲۴ھ (سنہ ۱۶۱۵ء) میں دربار جہانگیری میں پہنچا، اور پھر ۳ سال برابر بحیثیت سفیر ہندوستان میں مقیم رہا، اس عرصہ میں اس نے برطانوی باشندوں کے لئے خاص حقوق حاصل کر لئے، چنانچہ سورت میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت حاصل کرلی، اور پھر بہت سے برطانوی باشندے اس طریقہ سے ہندوستان میں رہنے لگے، اور خوب قدم جمالئے،

در حقیقت تھامس رو برطانوی حکومت کا معمار اول ہے جس نے ہندوستان میں تجارت کے نام سے انگریزوں کے پاؤں جمانے، جو آگے چل کر مغلیہ حکومت کے جانشین بن گئے،

جہانگیر اور اس کے جانشینوں کا یہ بہت بڑا قومی گناہ ہے، کہ انہوں نے انگریزوں کو ہندوستان میں رہنے اور قدم جمانے کا موقعہ دیا، اور ان کی طرف سے آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے، اگر شروع ہی میں ان کی بیخ کنی کردی ہوتی، تو شاید موجودہ تاریخ اس نوعیت کی نہ ہوتی،

(۴) محمد شہاب الدین شاہجہاں

جہانگیر کا چہیتا بیٹا تھا، جو جہانگیر کے بعد سنہ ۱۰۳۷ ہجری (سنہ ۱۶۲۷ء) میں تخت نشین ہوا، شاہجہان کو نئی نئی عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا، اس کی بنائی ہوئی عمارتیں آگرہ، دہلی، لاہور، کشمیر اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہیں، دہلی کو اسی بادشاہ نے دارالسلطنت قرار دیا تھا، سنہ ۱۰۶۷ھ میں جب شاہجہان سخت بیمار ہوا، اور اس کی زندگی کی کوئی امید نہیں رہی، تو شاہجہان کے چاروں بیٹوں دارا شکوہ، شاہ شجاع، اورنگ زیب اور مراد میں تخت حاصل

کرنے کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی، اس خانہ جنگی میں اورنگ زیب نے تمام بھائیوں کو زیر کر لیا، اور باپ کو آگرہ کے قلعہ میں نظر بند کرنے کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بن گیا؛

اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ شاہجہان کی زندگی کے اہم واقعات پر کچھ روشنی ڈالی جائے، تاکہ اس کے کچھ خصوصی اور غیر فانی کارنامے سامنے آسکیں،

مشہور عمارتیں

شاہ جہان کو سب سے زیادہ شوق عمارتیں بنانے کا تھا چنانچہ اس نے ۱۰۵۸ھ میں جب آگرہ کے بجائے دہلی کو دارالسلطنت قرار دیا، تو اپنے تعمیر کردہ قلعہ میں مع شاہی خاندان کے قیام کیا، یہ وہ قلعہ ہے جس کو آج کل لال قلعہ کہتے ہیں، اس قلعہ کی بنیاد ۹ محرم ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۹ء) میں جمعرات کے دن میں رکھی گئی تھی، ہزاروں کاریگروں نے کام کر کے ۹ سال میں اس کو مکمل کیا، اور اس کے ساتھ چند دوسری اور ضروری عمارتیں بھی تیار کی گئیں، قلعہ کے اندر شاہی محل کے علاوہ ایک خوبصورت مسجد بھی بنائی گئی اور ایک خوبصورت نہر بنائی گئی اس قلعہ کی تعمیر پر تقریباً ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا،

اس کے بعد دہلی کی مسجد فتح پوری رمضان ۱۰۶۰ھ میں مکمل کی گئی جس پر ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوا مسجد فتح پوری کی تعمیر سے فارغ ہو کر ۱۰ شوال ۱۰۶۱ھ (۱۶۵۰ء) میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی، ۵ ہزار کاریگر روزانہ کام کرتے تھے ۶ سال میں ۱۰ لاکھ روپیہ کی لاگت سے مکمل کیا گیا، جامع مسجد کی تعمیر کا انتظام سعد اللہ خان دیوان، خلیل اللہ خاں، اور فاضل خاں کے سپرد کیا گیا، اس کے علاوہ شہر کے گرد ایک نہایت خوبصورت فصیل تیار کی گئی،

آگرہ میں تاج محل، لاہور میں شالامار باغ، اجمیر میں شاندار مسجد اور اناساگر کے کنارہ خوشنما عمارت سب اسی بادشاہ کی یادگاریں ہیں، شاہ جہان کو اپنی بیگم ممتاز محل سے بہت محبت تھی، یہ آصف خاں وزیر اعظم کی بیٹی تھی، آصف خاں کی قبر لاہور میں جہانگیر کے مقبرہ کے برابر ہے،

شاہ جہان کا دور حکومت

شاہ جہان کا دور نور جہاں کی شورش سے شروع ہو کر بیٹوں کی شورش پر ختم ہوتا ہے، جدید فتوحات کا دروازہ بند رہا، اور قندھار ہاتھ سے نکل گیا، دکن میں تھوڑے سے کامیابی ہوئی، البتہ پرتگیزوں کو اچھی طرح کچلا، جو عرصہ تک سر نہیں اٹھا سکے، مگر انگریز اندر اندر قدم جماتے رہے،

ملک میں امن وامان بہت حد تک قائم رہا، اور باشندوں کو اطمینان نصیب ہوا، جدید عمارتوں اور تخت طاؤس نے مغلیہ حکومت کو چار چاند لگا دیئے،

آمدنی اتنی بڑھ گئی تھی، کہ خزانہ شاہی ہمیشہ بھرا رہتا تھا، کروڑوں روپیہ خرچ ہوتے، پھر بھی کمی نہیں آتی تھی،

ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی عام تھی، شاہ جہان نے ملک کو فرقہ پرستی اور مذہبی تعصب سے ہمیشہ محفوظ رکھا، اور ہندو مسلم کا سوال اس کے سامنے کبھی نہیں آیا، وہ بلا امتیاز سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرتا تھا، حالانکہ باپ دادا کی طرح وہ ہندوؤں کی طرف جھکا ہوا نہیں تھا،

جہاں تک شاہ جہان کے ذاتی کردار کا تعلق ہے، وہ نہایت خدا ترس، نیک دل اور فیاض طبع واقع ہوا تھا اس نے دل کھول کر عہدے دیئے، انعامات تقسیم کئے، اور غربا، کی پرورش کا بہت خیال رکھا، اس نے کبھی بخل سے کام نہیں کیا، عیاشی اور بدکاری سے اس کو سخت نفرت تھی، شراب اس نے صرف دو مرتبہ اپنے باپ کے کہنے سے پی، لیکن دکن کی مہم کے وقت ایسی توبہ کی، کہ برتن دریا میں غرق کرا دیئے،

مذہب سے بہت دلی انس تھا، چنانچہ اس کی تعمیر کردہ مسجدیں آج بھی فن تعمیر کا بہترین شاہکار مانی جاتی ہیں، غیر اسلامی رسومات کو مٹانے کی سخت کوشش کی، اور آخر عمر میں وہ ایک سچا عابد اور زاہد بن گیا، اس کی زندگی اول سے آخر تک نہایت پاک نظر آتی ہے، شاہجہان سجدہ کرانے اور کرنے کو شرک و کفر تصور کرتا تھا اس نے اپنے باپ کو کبھی سجدہ نہیں کیا،

(۵) محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر

یہ ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۸ء) میں عالمگیر کا لقب اختیار کرنے کے بعد تخت نشین ہوا، اورنگ زیب اپنے زمانہ کا بہت بڑا سپہ سالار ہوا ہے، اس کی ساری عمر شمشیر زنی میں گذری ہے اس نے کوچ بہار اور آسام کے ناقابل تسخیر علاقے بھی فتح کر لئے تھے، تبت، ارکان اور چاٹگانگ تک کو اس نے زیر کر لیا تھا، اورنگ زیب کو ایک مرتبہ مرہٹہ سرداروں سے شدید مقابلہ کرنا پڑا، اور دوسری جانب راجپوتوں کی بغاوت کو دبانے کے لئے بھی اسے بار بار فوج کشی کرنی پڑی، جنوبی ہند کے باغیوں کی سرکوبی میں یہ ایسا مصروف رہا، کہ اس کی زندگی کا آخری حصہ دکن ہی میں صرف ہو گیا، یہاں تک کہ ۱۱۱۷ھ میں پچاس سال کی حکومت کے بعد اس کا دکن ہی میں انتقال ہو گیا عالمگیر کی تخت نشینی بڑے سادہ طریقہ پر عمل میں آئی، نہ شاہی محل استعمال کیا گیا، اور نہ تکلفات برتے گئے، بلکہ میدان جنگ میں جب کہ وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر صف آرائی میں مصروف تھا، اور چاہتا تھا، کہ اپنے سب سے بڑے دشمن اور بھائی دارا شکوہ کو شکست دے کر اپنی بادشاہت کو مضبوط اور مستحکم بنا لے، عالمگیر اور اس کے بھائیوں میں اختلاف کی سب سے بڑی وجہ مذہب تھی، کیونکہ عالمگیر کٹر مسلمان اور مذہب کا شیدائی تھا، دارا شکوہ اور دوسرے بھائی ہندوانہ تہذیب کے رسم و رواج سے نہ صرف متاثر تھے، بلکہ ہندوؤں میں اچھی طرح گھلے ملے رہتے تھے، عالم گیر نے طے کر لیا تھا، کہ اس وقت تک جشن تاج پوشی نہیں منایا جائے گا، جب تک کہ اپنے دشمنوں کو شکست نہ دے لوں گا، آخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا، اور پھر اس نے ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ

(۱۶۵۹ء) میں بڑے ترک و احتشام سے تاج پوشی کا جشن منعقد کیا، اور اپنے لئے محی الدین عالمگیر غازی کا لقب اختیار کیا،

پرتگیزوں کی سرکوبی

پرتگیزوں نے ہگلی اور چاٹ گاؤں کی طرح ہندوستان کے مغربی ساحل پر بھی قلعہ بنا لئے تھے، اور اکثر جہازوں کو لوٹ لیتے، اور لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوشش بار بار کرتے رہتے تھے، بادشاہ کو جب ان حالات کا علم ہوا، تو اس نے گلشن آباد کے حاکم کو حکم دے کر ۱۶۹۳ء میں ان کے تمام اڈوں کو برباد کرا دیا، بہت سے لوگ مارے گئے، اور آبادی ویران کر دی گئی، جو بچے وہ بھاگ کر قلعہ میں چھپ گئے، جب پرتگیزوں کے گورنر کو جو گوا میں رہتا تھا، اس واقعہ کا علم ہوا، تو اس نے معافی کی درخواست بادشاہ کی خدمت میں بھیجکر معذرت کی، بادشاہ نے معاف کر دیا، اس کے علاوہ انگریزوں کی طاقت بھی برابر بڑھتی جا رہی تھی، اور انہوں نے بمبئی اور سورت میں کافی زور پکڑ لیا تھا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے تجارت کر رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے اورنگزیب عالمگیر کی خوشنودی بھی حاصل کر لی تھی، اور بادشاہ نے کمپنی کو کلکتہ میں فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دے دی تھی، اس کے لئے فورٹ ولیم تعمیر ہوا، اور ۱۷۰۰ء میں کمپنی نے گوبندپور اور کالی کٹ کے گاؤں خرید لئے، غرض یورپین طاقتیں رفتہ رفتہ ہندوستان میں پاؤں جماتی چلی گئیں، اور مغل بادشاہ ان کو تاجر ہی سمجھتے رہے،

اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر

عالمگیر کا عہد حکومت میدان جنگ سے شروع ہو کر میدان جنگ ہی پر ختم ہوتا ہے، مغل بادشاہوں میں جنگی قابلیت کے اعتبار سے عالمگیر سب سے زیادہ ممتاز نظر آتا ہے، اس نے حکومت مغلیہ کو اتنی وسعت دے دی تھی، جو اس سے قبل کسی زمانہ میں نہیں ہوئی،

سری نگر، کوچ بہار، آسام، تبت، اراکان اور چاٹ گاؤں جیسے ناقابل تسخیر علاقے اس بادشاہ کی شمشیر خارا شگاف نے فتح کئے، مرہٹوں کو دبایا، افغانستان کی جنگی شورشوں کو ختم کیا، اور جتنی بغاوتیں اور شازشیں اٹھیں، وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں،

اورنگ زیب عالم گیر کے دور میں صنعتی اور تجارتی ترقی بھی انتہاء کو پہنچ گئی تھی، ہزاروں جہاز کپڑا، کھالیں روئی اور دوسرا سامان لے کر ہر سال دوسرے ممالک میں جاتے تھے، پورے ملک میں ارزانی اور خوشحالی کا دور دورہ تھا، کپتان ہملٹن کا بیان ہے، کہ

"گوشت چند کوڑیوں میں سیروں ملتا تھا، ایک ٹن نمک دو روپیہ میں آتا تھا، مکھن ایک آنہ میں پونڈ اور مچھلیاں دو آنہ سینکڑہ، چاول ایک روپیہ کا دس من، یہی حالت دوسرے سامان کی تھی،

انصاف اور اصلاحات کے معاملہ میں عالمگیر کا دور بہت درخشاں نظر آتا ہے، اس نے بہت سے

ٹیکس بند کردیئے، سجدہ کی رسم منسوخ کردی گئی، نشہ آور اشیاء پر پابندی لگادی، تعلیمی ترقی کا یہ عالم تھا کہ صرف شہر ٹھٹہ میں چار سو کالج تھے، تصنیف و تالیف کا شعبہ قائم تھا، چنانچہ فتاوی عالمگیری اس کی علم دوستی کی غیر فانی یادگار ہے،

ہندو مسلم امتیازات اس نے کبھی روا نہیں رکھے، خود اپنی رانی کو تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا، مساجد و منادر کی بقاء اور اخراجات کے لئے وظائف دیئے جاتے، اور ان کی حفاظت کا پورا خیال رکھا جاتا تھا،

اپنی ذاتی خواہشات کو ہمیشہ کچلتا رہتا، اور نہایت سادہ زندگی گذارتا تھا، صوم و صلوٰۃ کا پابند، تفسیر و حدیث کا عالم اور اپنے سب لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن مجید حفظ کرایا، خود بھی قرآن مجید بہترین پڑھتا اور لکھتا تھا، چنانچہ اپنے لکھے ہوئے دو قلمی نسخے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھیجے، فارسی اور عربی پر اسے پورا عبور تھا، بہترین ادیب اور شاعر مانا جاتا تھا، اوقات کا سختی کے ساتھ پابند تھا، خوف الٰہی کا عالم یہ تھا، کہ عاقبت کے خوف سے گھنٹوں رویا کرتا تھا،

محمد معظم بہادر شاہ اول

عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا ہے، باپ کے انتقال کے وقت پشاور میں تھا خبر ملتے ہی لاہور آیا، اور یکم صفر ۱۱۱۹ھ (۱۷۰۷ء) کو بہادر شاہ کے لقب سے اپنی بادشاہی کا اعلان کیا، منعم خاں حاکم لاہور کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ دیا، اور پھر لاہور سے سرہند ہوتا ہوا دہلی آیا،

امراء، حکام اور عوام کو انعام و خلعت دیئے گئے، چند روز کے بعد آگرہ پہنچا، اور دربار عام منعقد کیا گیا، جس میں امرائے سلطنت کی نذریں قبول کی گئیں، اپنے بیٹے محمد معظم کو جو بنگال کا صوبیدار تھا، آگرہ میں بلایا، اور منصب عطا کیا،

بھائیوں سے جنگ

بہادر شاہ کے دو چھوٹے بھائی کام بخش اور محمد اعظم نے اپنی علیحدہ علیحدہ بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا، محمد اعظم کافی طاقت جمع کر کے دہلی پر چڑھائی کر کے آگیا، جب بہادر شاہ کو معلوم ہوا، تو بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی، مگر محمد اعظم نے جواب دیا، کہ دو بادشاہ ایک مملکت میں نہیں رہ سکتے ہیں، آخر خوفناک جنگ ہوئی، محمد اعظم اور اس کا بیٹا بیدار بخت مارے گئے، اسد خاں اور ذوالفقار خاں گرفتار ہوئے، جن کو بادشاہ نے معاف کر دیا، محمد اعظم اور بیدار بخت کی لاش کو غسل دے کر ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کرادیا، اس کے فوراً بعد راجہ رنجیت سنگھ نے راجپوتانہ کے علاقہ میں شورش برپا کر دی، آذان و نماز پر پابندی لگادی، مسجدوں کو ڈھادیا، بہادر شاہ ۱۷۰۸ھ میں خود ان کی سرکوبی کو گیا، اور چند ہی روز میں ان کو اتنا دبایا، کہ سب نے معافی مانگ لی،

دوسرے بھائی کام بخش نے بھی بغاوت کی، اور اس کو بھی ۱۷۰۹ء میں زیر کیا گیا، اس کی لاش بھی ہمایوں کے مقبرہ میں دفن کی گئی، غرض بہادر شاہ نے ہر بغاوت کو ختم کر دیا، اور جب سکھوں نے سر اٹھایا، تو ان کو

شدید نقصان اٹھانا پڑا، یہ ۱۷۲۲ء کا واقعہ ہے،

انتقال بہادر شاہ ۶۸ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا، اب اس کی عمر ۷۳ برس کی ہو چکی تھی معمولی سی بیماری کے بعد اچانک ۱۹ محرم ۱۱۲۳ھ (۱۷۱۲ء) میں لاہور میں انتقال ہو گیا، لاش کو دہلی لا کر قطب صاحب کے احاطہ میں دفن کیا گیا، بہادر شاہ نے ۵ سال ۲ ماہ حکومت کی، اسی بادشاہ کے زمانہ میں لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد پڑنے کے بعد اس کی سیاسی سرگرمیاں ہندوستان میں شروع ہوئیں،

جہاں دار شاہ اپنے باپ بہادر شاہ اول کے انتقال کے بعد ۲ محرم ۱۷۱۲ء کو باون برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا، اور اپنے تینوں بھائیوں کے حامیوں کو پکڑ پکڑ کر قید کر دیا، آصف الدولہ کو وکیل سلطنت اور اس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو وزیر اعظم بنایا،

یہ بادشاہ بے حد عشرت پسند، عیاش اور بے وقوف واقع ہوا تھا، چنانچہ طوائفوں کو خوب عروج حاصل ہوا، خود بھی گاتا اور ناچتا تھا، منظور نظر طوائف کی سواری بازار میں شاہانہ ٹھاٹ سے نکلتی تھی جہاندار شاہ نے اپنے بھائیوں کو تو ضرور ختم کر دیا تھا، مگر ایک بھتیجا فرخ سیر خاموش تھا جس نے بعد میں بڑی شورش برپا کر دی، فرخ سیر پٹنہ میں مقیم تھا، پورا بنگال اس کے ہاتھ میں تھا، اور خود مختار بنا ہوا تھا،

فرخ سیر جہاندار شاہ کے بھائی عظیم الشان کا بیٹا تھا، اور برابر اپنے باپ کا بدلہ لینے کی فکر میں لگا ہوا تھا، چنانچہ اس نے حاکم بہار سید علی خاں اور حاکم الہ آباد سید عبداللہ خاں کو ہموار کر لیا، اور فوج لے کر چل پڑا، فرخ سیر کے پاس اگرچہ کافی سامان نہیں تھا، مگر سیدوں کی مدد نے اسے دلیر بنا دیا تھا، سب سے پہلا مقابلہ کھجوے کے مقام پر ہوا، جہاندار شاہ کے ۷۰ ہزار لشکر نے مقابلہ کیا، فرخ سیر بھی دل کھول کر لڑا، بادشاہ کی فوج میں پہلے ہی سے کچھ اختلاف تھا میدان میں جم نہیں سکی، اور بھاگ کھڑی ہوئی، جہاندار شاہ اور آصف الدولہ بھی بھاگ کر دہلی پہنچ گئے، آصف الدولہ اور ذوالفقار خاں نے آپس میں طے کر لیا، کہ فرخ سیر کا مقابلہ کرنا خود کو تکلیف میں ڈالنا ہے، لہٰذا جو بھی تخت پر بیٹھے گا، ہم اس کی اطاعت کریں گے، آخر ان دونوں نے جہاندار شاہ کو قلعہ میں نظر بند کر دیا، غرض یہ کہ جہاندار کی حکومت صرف ۱۱ ماہ کے بعد ختم ہو گئی

فرخ سیر کی تخت نشینی فرخ سیر سیدوں کی مدد سے جہاں دار کو شکست دے کر آگرہ ہوتا ہوا دہلی پہنچا، اور ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۳ء) میں تخت پر بیٹھا،

اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا، کہ جہاندار اور اس کے تمام رفیقوں کو بڑی بے دردی سے قتل کیا، آصف اور ذوالفقار کی گردن اڑا دی، کسی کی زبان کھینچی گئی، اور کسی کی لاش کو منظر عام پر لٹکایا گیا، اپنے مددگاروں میں سید حسین علی خاں اور سید عبداللہ خاں کو بڑے بڑے عہدے دیے،

لیکن سیدوں کی دوستی زیادہ دیر باقی نہیں رہ سکی، اور اس بنا پر مخالفت ہو گئی، کہ سید عبداللہ خاں چاہتا تھا، کہ جو میں چاہوں، وہ ہو، اور فرخ سیر اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ اس نے بادشاہ کی پرواہ کئے بغیر رتن چند بقال کو اپنا نائب وزیر مقرر کر لیا، یہ بقال جسے چاہتا تھا، ملازم رکھتا تھا، بڑے بڑے لوگ اس بقال کی من مانی سے گھبرانے لگے۔

اسی دوران میں راجپوتوں کی شورش بڑھی، بادشاہ نے سید حسین علی خاں کو سرکوبی کے لئے روانہ کیا، مگر چونکہ سیدوں سے مخالفت کی بنیاد پڑ چکی تھی، اس لئے حسین علی خاں نے بہت گرے ہوئے شرائط پر راجپوتوں سے صلح کر لی،

دکن میں مرہٹوں کے فتنہ کو قلیج خاں نے بڑی مستعدی سے دبایا، اور دہلی واپس آگیا، مگر سید حسین علیخاں جب دکن میں بھیجا گیا، تو اس نے مرہٹوں کی ہمت بڑھادی،

سکھوں کی شورش

فرخ سیر کے زمانہ کا اہم واقعہ سکھوں کی شورش ہے، سکھوں نے گورداس پور کو اپنا قلعہ بنا لیا تھا، اور قرب وجوار کے اکثر مقامات کو لوٹتے رہتے تھے فرخ سیر نے ایک بڑا لشکر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، آخر سکھوں کے سردار بندہ بیراگی سے مقابلہ ہوا، شدید جنگ ہوئی، مگر سکھ مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گئے، مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد بھوک سے پریشان ہو کر پھر مقابلہ پر آگئے، مغل سردار عبدالصمد خاں نے بری طرح شکست دی، اور بندہ بیراگی اور اس کے ساتھ کے بہت سے سکھوں کو گرفتار کر کے دہلی لایا گیا، فرخ سیر نے حکم دیا، کہ کوتوالی کے سامنے ان سب کو قتل کر دیا جائے، یہ ۱۷۱۶ء کا واقعہ ہے

فرخ سیر کی گرفتاری اور قتل

سیدوں اور بادشاہ میں شکر رنجی برابر بڑھتی جا رہی تھی، اور دونوں ایک دوسرے کے قتل کی سازشوں میں لگے ہوئے تھے،

سیدوں نے مرہٹوں سے ساز باز کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اورنگ زیب کی ۲۶ سالہ کوششوں پر پانی پھر گیا، اور مرہٹے دوبارہ میدان میں آگئے،

سید حسین علی خاں ایک بڑا لشکر لے کر دکن سے دہلی کی طرف چل دیا، راستہ میں اپنے بھائی سے بھی مشورہ کیا، سید اور مرہٹے جب دہلی پہنچے، تو بادشاہ نے حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے صلح کر لی لیکن سید حسین اور مرہٹے برابر فکر میں لگے رہے، اور موقعہ پاتے ہی شہر میں ہنگامہ برپا کر دیا، قلعہ پر قبضہ کر لیا، اور فرخ سیر کو گرفتار کر کے پہلے اندھا کیا، اور پھر قید کر دیا

اس بادشاہ نے ۶ سال حکومت کی، سیدوں ہی نے اسے تخت دلایا تھا، اور پھر انہیں کے ہاتھوں

بادشاہ کو قید رہونا پڑا، اس واقعہ سے مرہٹوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا، اوران میں از سر نو جان پڑ گئی، یہ ۱۷۱۹ء
کا واقعہ ہے،

شمس الدین ابوالبرکات کی تخت نشینی

سیدوں کی اس حرکت سے مسلمان بہت نالاں تھے، اور ہر طرف سے ان پر لعنت ملامت کی جارہی تھی، سیدوں نے اس نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے بہادر شاہ اول کے پوتے شمس الدین کو ابوالبرکات کا لقب دے کر ۱۷۱۹ء میں تخت پر بٹھا دیا، ابوالبرکات کی عمر ۲۲ سال کی تھی، یہ قید میں پڑا ہوا تھا، اور دق کی بیماری میں مبتلا تھا، سیدوں نے اس طرح ایک طرف مسلمانوں کی لعنت ملامت کو بند کیا، اور دوسری طرف اس پردہ میں حکومت کرنے لگے،

ابوالبرکات پہلے ہی اپنی بیماری سے پریشان تھا، اور اب سیاسی ہنگاموں نے اسے بالکل دنیا سے متنفر کر دیا، اس نے سیدوں سے خواہش کی، کہ مجھے سبکدوش کر دیا جائے، اور میرے بھائی رفیع الدولہ کو تخت پر بٹھا دیا جائے، لہٰذا سیدوں نے اس کی درخواست منظور کر لی، اس کے تھوڑے ہی دن بعد ابوالبرکات کا انتقال ہو گیا، اور ساتھ ہی فرخ سیر کو بھی قید خانہ میں قتل کر دیا گیا،

رفیع الدولہ کی تخت نشینی

ابوالبرکات کی خواہش کے مطابق ۲ رجب ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۹ء) میں رفیع الدولہ کو شاہ جہان ثانی کا لقب دے کر دہلی کے تخت پر بٹھا دیا گیا، یہ بادشاہ سیدوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی تھا جو وہ چاہتے تھے ہوتا تھا،

سیدوں کو سب سے بڑی فکر یہ تھی، کہ بہادر شاہ اول کے ایک دوسرے پوتے نکوسیر کو زیر کیا جائے جس نے آگرہ میں اپنی بادشاہت قائم کر رکھی تھی، چنانچہ سید عبداللہ خاں راجہ اجیت سنگھ کو ساتھ لے کر ایک بڑے لشکر کے ساتھ آگرہ کی طرف چل دیا، دونوں لشکروں میں جنگ چھڑ گئی، نکوسیر کو شکست ہو گئی، اور پھر گرفتار کر کے قید میں ڈالدیا گیا، اس ہنگامہ میں آگرہ کے قلعہ کا خزانہ خوب لٹا، یہاں تک کہ ممتاز محل کی قبر پر موتیوں کی جو چادریں پڑی تھیں وہ بھی لٹ گئیں،

رفیع الدولہ جو دستوں کی بیماری میں مبتلا تھا، اب موت کے قریب پہنچ چکا تھا، اور سید بہادر شاہ کے ایک اور پوتے روشن اختر کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھانے کی تیاریاں کر رہے تھے،

روشن اختر محمد شاہ کی تخت نشینی

رفیع الدولہ کی موت کو دس دن تک چھپایا گیا، اور روشن اختر کی تخت نشینی کے بعد جو ۱۱۳۱ھ میں ہوئی، تو موت کی خبر مشہور کی گئی،

روشن اختر بہادر شاہ کا پوتا، اور خجستہ اختر جہاں کا بیٹا تھا، مدت سے سلیم گڑھ کے قلعہ میں قید تھا، روشن اختر کی ماں بھی قید میں تھی، اور اس کے ساتھ ہی رہتی تھی، ماں کا نام قدسیہ بیگم تھا، ماں نے بہت مخالفت کی، اور کہا کہ خدا کے لئے اس یتیم کو قتل مت کراؤ، مگر سیدوں نے راضی کر لیا، یہ بادشاہ بھی کٹ پتلی تھا، اختیارات سیدوں کے اور رتن چند بقال کے ہاتھ میں تھے،

سیدوں کو سب سے بڑی فکر قلیچ خاں کی تھی جس کو فرخ سیر نے دکن کا گورنر بنا دیا تھا، اور جو بڑے استقلال سے اپنے علاقہ پر حکومت کر رہا تھا،

سیدوں کے خیالات کو نظام الملک قلیچ خاں بھی خوب جانتا تھا، اور سمجھتا تھا، کہ کسی وقت ٹکر لینا پڑیگی، آخر یہی ہوا، کہ سیدوں نے نظام الملک کو دکن کی گورنری سے ہٹا کر مالوہ کا صوبیدار بنا دیا، نظام الملک نے مالوہ پہنچتے ہی اپنی فوجی طاقت کو خوب بڑھایا، ادھر محمد شاہ کی ماں قدسیہ بیگم بھی چاہتی تھی، کہ سیدوں کا اقتدار ختم ہو، چنانچہ وہ خفیہ طور پر بہت حالات سے نظام الملک کو مطلع کرتی رہتی تھی، نظام الملک نے سیدوں کے بہت سے آزمودہ کار آدمیوں کو بڑی ترکیب سے ختم کر دیا، سید حسین کی پریشانی بہت بڑھ گئی، اس نے اپنے بھائی سید عبداللہ کو دہلی کے لئے روانہ کر دیا، اور خود بادشاہ محمد شاہ کو ساتھ لے کر دکن روانہ ہو گیا، مگر راستہ ہی میں کسی نے پالکی کے قریب آکر خنجر سے حسین کا خاتمہ کر دیا،

سید حسین کے قتل نے سید عبداللہ کے پاؤں بھی میدان سے اکھیڑ دیئے، اور وہ بھی سمجھنے لگا، کہ اب سیدوں کے اقتدار کا خاتمہ ہونے والا ہے، ادہر آگرہ میں لوگ سیدوں سے متنفر ہو کر بادشاہ کے خیر خواہ بن گئے اور سیدوں کے مکانات لوٹ لئے، رتن چند کو خوب مارا پیٹا، اور سیدوں کے حامیوں کے گروہ کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، محمد شاہ اپنے مخلص وفاشعاروں کی اس ہمدردی کو محبت سے دیکھ رہا تھا، چنانچہ اس نے بہت سے لوگوں کو نئے نئے عہدے عطا کئے، اور عوام کو بہت خوش کیا، اور فوراً دہلی پر لشکر کشی کی تیاریاں شروع کر دیں کیونکہ سید عبداللہ نے دہلی پہنچ کر ایک نئے مغل شہزادے محمد ابراہیم کو تخت پر بٹھا دیا تھا،

دونوں طرف سے فوجوں کا دہلی اور آگرہ کے درمیان ۱۷۲۱ء میں مقابلہ ہوا، عبداللہ کو شکست ہوئی، تمام جائداد بحق بادشاہ ضبط کر لی گئی، اور عبداللہ کو قید میں ڈلوا دیا گیا، جو چند روز کے بعد فوت ہو گیا،

نظام الملک کو وزارت عظمیٰ دی گئی، مگر تھوڑے ہی دن بعد مخالفت ہو گئی، اور کسی بہانے سے دکن چلا گیا، اور وہاں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا،

سیواجی مرہٹہ نے ستارہ میں جو حکومت قائم کی تھی، وہ بہادر شاہ کے زمانہ تک مغلیہ حکومت سے تعاون کرتی رہی، مگر بہادر شاہ کے مرتے ہی سیواجی کا پوتا ساہو ستارہ میں خود مختار ہو گیا، اور وزارت عظمیٰ بشوا ناتھ پیشوا

کو سونپ دی، ساہو چونکہ عیاش اور لاپرواہ تھا، لہٰذا پیشوا نے راجہ کو پنشن دے کر حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی، نظام الملک نے بادشاہ کے خلاف محاذ قائم کرنے کے لئے پیشواؤں سے دوستی کرلی، اور اس طرح مرہٹوں کا زور بہت بڑھ گیا، یہاں تک کہ نظام کو بھی مرہٹوں کے سامنے جھکنا پڑا،

مرہٹوں نے دہلی پر حملہ کی تیاریاں شروع کردیں، اور وہ ریواڑی تک پہنچ گئے، مگر دہلی پر حملہ کی ہمت نہ ہوسکی، اور واپس مالوہ چلے گئے، نظام الملک بھی اب مرہٹوں سے خائف تھا، ادھر محمد شاہ بھی چاہتا تھا، کہ نظام الملک سے دوستی ہوجائے، تاکہ مرہٹوں کا زور توڑا جاسکے، غرض نظام الملک سے دوستانہ تعلقات ہوگئے، اور مرہٹوں کی طاقت کمزور پڑگئی،

نادر شاہ کا حملہ

نادر شاہ کی ابتدائی زندگی ایک لٹیرے سے زیادہ نہیں تھی، وہ اپنی جنگی قابلیت سے ایران کا بادشاہ بن گیا تھا، اور چاہتا تھا، کہ محمد شاہ ایرانیوں کے دشمنوں کو کابل سے نکال دے، نادر شاہ نے کئی خط اس مقصد کے لئے محمد شاہ کو لکھے، مگر محمد شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا،

نادر شاہ کو یہ بات ناگوار ہوئی، اور اس نے حملہ کرکے قندھار اور کابل پر قبضہ کرلیا، اور اس کے بعد ۱۱۵۱ھ (۱۷۳۸ء) میں جلال آباد اور پشاور کو لوٹتا ہوا لاہور آگیا، اور پھر دہلی کی طرف چل دیا، راستہ میں محمد شاہ کی فوج سے مقابلہ ہوا، مگر ایرانی فوج نے سب کو کاٹ کر رکھ دیا، بادشاہ نے دو کروڑ کے نذرانہ کے وعدہ پر صلح کرلی، اور نادر شاہ دہلی آگیا، نادر شاہ جب محمد شاہ سے ملا، تو بہت محبت اور تکریم سے پیش آیا، مگر برہان الملک جس نے وزارت عظمٰی کے لالچ میں صلح کرائی تھی، آصف جاہ اس کا دشمن ہوگیا، اور نادر شاہ کو ایسی پٹی پڑھائی، کہ اس کے تیور بدل گئے اور اس نے فوراً محمد شاہ اور بیگمات کو قلعہ سے باہر ایک خیمہ میں قید کردیا، عوام میں جوش بڑھ گیا، اور انہوں نے ایرانیوں پر حملے شروع کردیے، نادر شاہ نے جب یہ حال دیکھا، تو عام لوٹ مار اور قتل کا حکم دے دیا،

بس پھر کیا تھا، دہلی والے بری طرح ذبح کئے جارہے تھے، ہر طرف لوٹ مار اور قتل کا بازار گرم تھا، نادر شاہ اس کیفیت کو چاندنی چوک میں بیٹھا دیکھ رہا تھا، محمد شاہ اس ہولناک حالت سے گھبرا کر خود نادر شاہ کی خدمت میں پہنچا اور خدا کا واسطہ دے کر معافی چاہی، آخر نادر شاہ کو رحم آگیا، اور اس نے تلوار نیام میں ڈال لی،

اس قتل عام میں ۸ سو ایرانی اور ڈیڑھ لاکھ دہلی والے مارے گئے، اس تمام بربادی کے بعد جب امن قائم ہوگیا، تو محمد شاہ نے اپنی بیٹی کی شادی نادر شاہ کے بیٹے نصر اللہ سے کردی، اور دریائے سندھ کے پار کا تمام علاقہ نادر شاہ کو دے دیا، نادر شاہ ۵۸ دن رہنے کے بعد واپس گیا، تو بیس کروڑ مالیت کے جواہرات، نقد روپیہ اور تخت طاؤس اپنے ساتھ لے گیا، ہندوستان پر دوسرا حملہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۴۸ء میں کیا، مگر شکست کھا کر واپس چلا گیا،

جنوبی ہند میں انگریزوں کا زور

محمد شاہ کے دور کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے، کہ جنوبی ہند میں انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اتنی طاقت پکڑ لی تھی، کہ وہ جو چاہتے تھے کرتے چلے جاتے تھے، چنانچہ ادھر احمد شاہ ابدالی کا حملہ ہو رہا تھا، ادھر کرناٹک میں انگریز اور فرانسیسی اپنے اپنے اقتدار کو جمانے کے لئے جنگ میں مصروف تھے لیکن مغل بادشاہ میں اتنی طاقت نہیں تھی، کہ وہ ان غیر ملکیوں کی سرکوبی کرتا،

احمد شاہ کی تخت نشینی

محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ سنہ ۱۱۶۱ھ (سنہ ۱۷۴۸ء) میں دہلی کے تخت پر بیٹھا، یہ نہایت عشرت پسند تھا، چنانچہ حکومت امراء کے ہاتھ میں تھی، اور خود عیش میں پڑا ہوا تھا،

صفدر جنگ روہیلہ اس کوشش میں تھا، کہ اودھ پر سے مغل دباؤ کم کرے، افغانوں کا زور کم ہو گیا، مگر مرہٹے اودھ کے لئے مستقل مصیبت بن گئے، اور خوب لوٹ مار کا بازار گرم کیا، احمد شاہ ابدالی نے جب سنا، کہ محمد شاہ مر چکا ہے، تو اس نے دوسرا حملہ کیا، بادشاہ نے ملتان اور لاہور دے کر جان چھڑائی،

بادشاہ کو اندھا کر دیا

احمد شاہ کے دربار میں دو گروہ بن گئے تھے، ایک آصف جاہ کے بیٹے غازی الدین کا، اور دوسرا صفدر جنگ کا، یہ دونوں گروہ آپس میں خوب لڑے، اور ہر ایک نے دوسرے کو زیر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، غازی الدین نے صفدر جنگ کے ہمدرد جاٹوں کو زیر کرنے کے لئے دہلی کے شاہی توپ خانہ کو استعمال کرنا چاہا، تو خانخاناں وزیر نے دینے سے انکار کر دیا،

غازی الدین نے مرہٹہ سردار ملہار راؤ ہلکر کے لشکر کو دہلی بھیج دیا، شاہی خیمہ پر گولہ باری کی گئی، بادشاہ غازی الدین سے صلح کرنا چاہتا تھا، مگر وزیر نے مخالفت کی، تو بادشاہ نے اس کو جواب دے دیا، اور کہا، کہ تم اپنے گھر بیٹھو، غازی الدین نے بادشاہ کے خلاف علماء سے معزول کئے جانے کا فتویٰ لے لیا، اور آخر سنہ ۱۷۵۴ء میں احمد شاہ کو معزول کر کے اندھا بنا کر جیل میں ڈال دیا،

احمد شاہ نے ۶ سال ۱۰ ماہ حکومت کی، مگر اس کی حکومت بہت محدود تھی، کیونکہ کچھ صوبے مرہٹوں کے قبضہ میں تھے کچھ پر روہیلوں کا قبضہ تھا، اور کچھ خود مختار ہو گئے تھے، انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اس بادشاہ کے زمانہ میں دکن اور کرناٹک میں کافی زور پکڑ لیا تھا،

عالمگیر ثانی کی تخت نشینی

سنہ ۱۷۵۴ء میں غازی الدین نے شہزادہ عالمگیر ثانی کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا، اور خود وزیر بن گیا، اب بادشاہ صرف نام کے رہ گئے تھے اودھ میں صفدر جنگ مر چکا تھا، اور اس کا بیٹا شجاع الدولہ تخت نشین تھا، غازی الدین نے ابدالی کے مقرر کردہ

صوبہ دار خواجہ موسیٰ پہ پنجاب پہنچ کر قبضہ کر دیا اور اس کی لڑکی سے جبراً شادی کر لی، ابدالی کو جب معلوم ہوا، تو وہ روہیلہ سردار نجیب الدولہ خاں کو ساتھ لے کر تیسرا حملہ کرنے قندھار سے لاہور آگیا اور پھر ۱۷۵۷ء میں دہلی پہنچ کر سارے شاہی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے، دہلی ۲ ماہ تک لٹتی رہی، ابدالی نے محمد شاہ کی بیٹی سے شادی کر لی اور پھر اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی بادشاہ کی بھتیجی سے کی، اور تیمور شاہ کو لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کا حاکم مقرر کیا، بادشاہ کا وزیر غازی الدین کے بجائے نجیب الدولہ خاں کو مقرر کیا، اور پھر مال و دولت لے کر واپس قندھار چلا گیا، غازی الدین کو اپنی وزارت کا بہت غم ہوا، چنانچہ اس نے مرہٹوں سے ساز باز کر کے دہلی پر چڑھائی کرا دی، بادشاہ اور نجیب الدولہ نے بہت بڑی رقم بطور نذرانہ دے کر خلاصی حاصل کی، مرہٹے پنجاب تک پہنچ گئے تھے، اور پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا،

ابدالی کی مرہٹوں سے جنگ

مرہٹے پورے پنجاب پر قابض ہو چکے تھے، عالمگیر ثانی نے ابدالی کو ان حالات کی خبر کر دی تھی، مگر غازی الدین نے عالمگیر کو اس خیال سے قتل کر دیا، کہ عالمگیر نے ایسا کیوں کیا، کہتے ہیں، کہ عالمگیر کی لاش کو جنگل میں پھنکوا دیا گیا تھا، ابدالی اطلاع ملتے ہی ۱۷۵۹ء میں چوتھی مرتبہ ہندوستان آیا، مرہٹوں اور سکھوں کی خوب مرمت کی، اور بے شمار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور نور الدین خاں کو اپنا نائب لاہور میں مقرر کر کے واپس چلا گیا، اور پھر کبھی ہندوستان نہیں آیا، دہلی کا تخت خالی پڑا تھا، اور کوئی بیٹھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا،

شاہ عالم کی تخت نشینی

عالمگیر ثانی کی موت کے بعد اس کا بیٹا عالی گوہر شاہ عالم کا لقب اختیار کرنے کے بعد بادشاہ ہوا، یہ شہزادہ بہار میں مقیم تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یورپین طاقتوں کو شکست دے کر انگریزوں نے بنگال پر بھی قبضہ جما لیا تھا، میر جعفر اور رام نرائن انگریزوں کے اقتدار کو قائم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے،

بادشاہ، شجاع الدولہ اور میر قاسم کو لے کر بنارس کے قریب آئے اور ۱۷۶۴ء میں انگریزوں سے سخت مقابلہ ہوا، مگر انگریزوں کے مقابلہ میں تینوں کو شکست ہو گئی،

بادشاہ نے انگریزوں سے صلح کر لی اور ۱۷۶۵ء میں بنگال، بہار اور اڑیسہ کی حکومت انگریزوں کے حوالہ کر دی، اور اسی طرح شاہ عالم نے انگریزوں کو ایک تہائی ہندوستان کا مالک بنا کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے، شجاع الدولہ نے انگریزوں سے مرہٹوں کو ساتھ ملا کر جنگ کی، مگر شکست ہو گئی،

بادشاہ انگریزوں کے ہاتھ میں تھا، اور انگریز جو چاہتے تھے، وہ ہوتا تھا، انگریزوں کے دلال نجف خاں نے جاٹوں اور مرہٹوں کو ہم خیال بنا کر انگریزوں کی قوت کو اور بھی مضبوط بنا دیا تھا، نجف خاں کے مرنے کے بعد

شاہ عالم کی وزارت میں تبدیلیاں ہوئیں، مرہٹہ سردار پیشوا، امیر الامراء بنا، اور مادھوجی سندھیا نائب، آگرہ اور دہلی کے صوبے ان کے ہاتھ میں آ گئے، اور اب شاہ عالم کے پردہ میں مرہٹوں نے حکومت شروع کر دی، روہیلہ سردار غلام قادر اور اسمٰعیل بیگ مرہٹوں کے اقتدار کو بہت بری نظروں سے دیکھ رہے تھے، آخر موقعہ پاتے ہی دہلی پر حملہ کر دیا، اور بادشاہ کو قید کر دیا، بیگمات کو خزانہ کا پتہ لگانے کے لئے بہت مارا پیٹا، اور پھر بادشاہ کی آنکھیں نکال کر اندھا کر دیا،

غلام قادر جب سب کچھ کر چکا، تو مرہٹے اپنا لشکر لے کر آئے، غلام قادر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا، اور مرہٹہ سردار سندھیا نے اندھے بادشاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھایا، اور ۹ لاکھ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا،

انگریزی فوج دہلی میں

اس تمام ہنگامہ آرائی کے ختم ہونے کے بعد ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں لارڈ لیک انگریزی فوج لے کر دہلی میں داخل ہو گیا، مرہٹوں کو مار کر نکال دیا، اور بادشاہ کی پنشن صرف ایک لاکھ مقرر کی، اور اس طرح مغلیہ حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں پہنچ کر آخری سانس لینے لگی، شاہ عالم ۴۵ سال حکومت کرنے کے بعد ۱۸۰۶ء میں مر گیا،

معین الدین اکبر شاہ ثانی کی تخت نشینی

شاہ عالم کے بعد معین الدین کو انگریزوں نے اکبر شاہ کے لقب سے دہلی کے برائے نام تخت پر بٹھا دیا، یہ بادشاہ پورے شاہی خاندان کا کفیل تھا، ایک لاکھ میں گذارہ نہیں ہوتا تھا، انگریزوں سے اضافہ کے لئے درخواست کی، مگر کوئی اثر نہیں ہوا، آخر زیور اور جواہرات فروخت کر کے گذر اوقات کرتا رہا

یہ بادشاہ ۳۱ برس تخت نشین رہا، اور انگریزوں کی مقرر کردہ پنشن میں سخت پریشانیاں اٹھانے کے بعد ۸۰ برس کی عمر میں ۱۸۳۷ء میں انتقال کر گیا،

بہادر شاہ ظفر

مغلیہ خاندان کا آخری بادشاہ ہے، سراج الدین نام، بہادر شاہ لقب، اور ظفر تخلص تھا، اکبر شاہ کے بعد انگریزوں نے ۱۸۳۷ء میں تخت نشین کیا، ۱۸۵۷ء کا غدر اس بادشاہ کے دور کا آخری اور مشہور واقعہ ہے

ہندوستانی فوج نے میرٹھ میں انگریزی فوج کے خلاف بغاوت شروع کی، اور دہلی میں پہنچ کر قیامت بن گئی، اور پھر یہ ہنگامہ، کانپور، لکھنؤ اور جھانسی تک پھیلتا چلا گیا،

مئی ۱۸۵۷ء سے ستمبر ۱۸۵۷ء تک شدید ہنگامہ برپا رہا، ہندوستانیوں نے انگریزوں سے سخت جنگ کی، اور تقریباً ۷۲ لڑائیاں لڑیں، آخر انگریزوں نے دہلی پر قابو پا لیا، بادشاہ کے جوان بیٹوں کو قتل کر دیا، اور بہادر شاہ بادشاہ کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا،

انگریزوں نے دہلی کے معززین پر بھی بے پناہ مظالم ڈھائے، ہزاروں کو سرراہ پھانسی پر لٹکا دیا، اور ہر طرف لوٹ مار کا خوب بازار گرم کیا،

درحقیقت ۱۸۵۷ء کا غدر ہندوستان کی آخری اور انقلابی جنگ ہے، اگر باقاعدہ اس جنگ کو لڑا جاتا تو یقیناً انگریزوں کا ہندوستان سے خاتمہ ہو جاتا، مگر افسوس یہ ہے، کہ دہلی، لکھنؤ، کانپور اور جھانسی کے علاوہ کسی شہر نے حصہ نہیں لیا، بلکہ بہت سے لوگوں نے الٹی انگریزوں کی مدد کی، اور یہ جنگ جو آزادی کے نام پر لڑی جا رہی تھی، انگریزوں کے حق میں ٹھنڈی ہو گئی،

(۱۴)

حصّہ چہاردہم

ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت!

۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۵ء

ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت!

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد

جنگ آزادی میں حصہ لینے والے انقلاب پسندوں کا خیال تھا، کہ یہ تحریک پورے ملک میں پھیل جائے گی، اور انگریزوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا، مگر افسوس ہے، کہ یہ خیال پورا نہ ہو سکا، اور یہ آگ، دہلی، لکھنؤ، کانپور، اور جھانسی تک پھیل کر بجھ گئی، انگریزوں نے ہندوستان کے ہر حصہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا، مسلمانوں کو خوب تباہ کیا، ان کی جائدادیں ضبط کر لیں، اور ہر طرح ان کو خوار و ذلیل کر کے ہر قسم کے حقوق سے محروم کر دیا

انگریزوں نے جنگ آزادی کے سلسلہ میں مسلمانوں کو مجرم ٹھہراتے ہوئے جو ظلم و ستم توڑے، اس کی لرزہ انگیز داستان سے خود انصاف پسند انگریزوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں،

۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد مسلمان اور ہندو، انگریز کی تفرقہ پردازی سے برابر ایک دوسرے سے الگ ہوتے گئے، انگریز نے ہندو کو آگے بڑھایا، اور مسلمانوں کو ہر حیثیت سے ذلیل و خوار کرتے رہے، مسلمان اتنے تباہ ہو چکے تھے، کہ ہندوؤں کی ہم دوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے،

ہندو تمام کلیدی عہدوں پر چھائے ہوئے تھے، اور تعلیم میں بھی مسلمانوں سے بہت آگے تھے، ساتھ ہی علماء نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے روکا، اور دوسری طرف انگریزوں نے اردو، عربی اور فارسی کی مخالفت کرتے ہوئے، نصاب میں ایسی کتابیں داخل کر دیں، جو نہایت دل آزار اور متعصبانہ نظریہ سے لکھی گئی تھیں،

سر سید اور ان کے رفقاء نے اردو اور فارسی کی بہت حمایت کی، اور اس کو باقی رکھنے کے لئے نیز انگریزی تعلیم سے مسلمانوں کو آشنا کرنے کے لئے زبردست جد و جہد شروع کر دی

ہندوؤں کی قوم پرستی اور انگریز کا عناد برابر بڑھتا جا رہا تھا، جسے دیکھ کر مخلص مسلمان اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ہندو، مسلمان اب متفق و متحد نہیں ہو سکتے ہیں،

کانگریس کا قیام

ہندوؤں کی کوشش برابر جاری تھی، کہ مسلمانوں کو جس طرح بھی ہو سکے اپست و کمزور کیا جائے، تاکہ آیندہ ہندوستان میں ان کی قومی حیثیت کبھی قائم نہ ہو سکے، اور ہندو ہر طرح چھائے ہوئے اور کامیاب رہیں،

چنانچہ یہی وہ نظریہ تھا جس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ سر کردہ ہندو لیڈروں نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل

کانگریس کے نام سے ایک جماعت کی بنیاد رکھی، بظاہر اس جماعت کا خیال تھا، کہ ہندو مسلمان سب ایک قوم ہیں اور یہ سب کا مشترکہ سیاسی ادارہ ہے، مگر مقصد یہ تھا، کہ اثر واقتدار ہندوؤں کا بڑھے، اور مسلمان نہ ملازمتوں میں آسکیں، اور نہ کونسلوں میں جاسکیں،

سرسید نے اس جماعت کی شرکت سے مسلمانوں کو روکا، اور سخت مخالفت کی چنانچہ ہندو اخبارات نے فرقہ پرست ہونے کا الزام لگا کر مطعون کرنا شروع کردیا، مگر سرسید پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، اور انہوں نے برملا کہہ دیا، کہ ہم ابنائے وطن کی غلامی گوارا نہیں کریں گے۔

مسلم لیگ کا قیام

انڈین نیشنل کانگریس کے قیام نے مسلمانوں کو اپنے جداگانہ قومی حقوق کی حفاظت کے احساس کو بڑھا دیا، چنانچہ سرسید اور ان کے رفقاء نے ۱۸۹۳ء میں ڈیفنس ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جماعت قائم کی، اور اس امر پر غور کیا، کہ اقلیتیں کس طرح محفوظ رہ سکتی ہیں اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت کس طرح کی جاسکتی ہے، اس جماعت نے مسئلہ انتخاب پر ایک مفصل و مدلل یادداشت مرتب کرکے حکومت کے سامنے پیش کی، اور مشترکہ انتخاب اور شرکت کانگریس سے مسلمانوں کو دور رکھا، اور اس کے بعد تحریک علی گڑھ مسلمانوں کے قومی وجود اور تحفظ کی ایک باقاعدہ تحریک بن گئی

مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت کی ہندوؤں نے جو شدید مخالفت کی، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے، کہ انہوں نے تقسیم بنگال کی سخت مخالفت کی، اور صرف اس لئے کی، کہ مشرقی بنگال کی مسلمان اکثریت کو کچھ فائدہ پہنچتا تھا، بالآخر لارڈ کرزن کو یہ انتظامی کارروائی منسوخ کرنا پڑی

اس کے بعد لارڈ منٹو مارلے اصلاحات کا مرحلہ آیا، تو ہندوؤں نے پھر مشترکہ اصول انتخاب کو جاری کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، نواب محسن الملک، وقار الملک اور سر آغا خاں نے حکومت پر مسلمانوں کا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لئے علی گڑھ میں ایک کمیٹی بنائی، اور وائسرائے کے نام ایک یادداشت مرتب کرکے لکھنؤ کے ایک نمائندہ جلسہ میں اسے پاس کرایا، اور پھر ایک وفد کے ذریعہ وائسرائے کے سامنے پیش کیا، ہندوؤں نے اس کے خلاف بڑا شور مچایا، اور کانگریس کے پلیٹ فارم سے اس کی سخت مخالفت کی گئی

یہ وہ زمانہ تھا، جب کہ مسلمانوں کی کوئی جداگانہ سیاسی جماعت نہیں تھی، اس موقعہ پر اس کمی کو شدت سے محسوس کیا گیا، لہٰذا ۱۹۰۶ء میں نواب سلیم اللہ خاں کی دعوت پر مسلمانوں کے سربرآوردہ اصحاب نے ڈھاکہ میں جمع ہوکر مسلم لیگ کی بنیاد رکھی، مسلمانوں کی ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا، کہ حکومت کو جداگانہ انتخاب منظور کرنا پڑا، اور ۱۹۰۹ء کے آئینی اصلاحات میں ان کا مطالبہ منظور کرکے کونسلوں میں ان کی نشستیں مقرر کردی گئیں

۱۹۱۲ء میں حکومت نے ہندوؤں کی مخالفت سے مجبور ہو کر تقسیم بنگال کو منسوخ کیا، تو مسلمانوں کے طرز عمل میں نمایاں تبدیلی ہوئی، اور ان کی سیاسی جدوجہد میں خاصہ جوش پیدا ہو گیا، اور مستقل آئینی جنگ کا ایک مستقل محاذ قائم ہو گیا،

برصغیر ہند میں یہ حالات چل رہے تھے، کہ پہلی جنگ چھڑ گئی، اتحادیوں نے ٹرکی کے خلاف محاذ قائم کیا، مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں نے مسلمانوں میں نئی زندگی کی روح پھونک دی، مسلمانوں نے خلیفہ کی حمایت میں آواز بلند کی، ہندو اس طرز عمل سے سخت ناراض ہوئے، اور خاص کشیدگی پیدا ہو گئی، آخر اس کا نتیجہ لیگ اور کانگریس کی مفاہمت اور لکھنؤ پیکٹ کی صورت میں برآمد ہوا، اس پیکٹ میں قائداعظم محمد علی جناح کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا، لیگ نے سوراج کی تحریک میں حصہ لینے کا وعدہ کیا، اور کانگریس نے مسلمانوں کے جداگانہ حق انتخاب کو تسلیم کر لیا،

۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے واقعہ اور پنجاب کے مارشل لا نے صورت حال بدل دی، اور ہندوؤں کی طرف سے شدھی سنگھٹن کی تحریکیں شروع کر دی گئیں، شردھانند نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کا بیڑہ اٹھایا، اور پنڈت مالویہ نے سنگھٹن کی تحریک کا آغاز کیا، نتیجہ یہ ہوا، کہ حکومت کے خلاف ہندو مسلم متحدہ محاذ ختم ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی ترک موالات کی تحریک کا بھی خاتمہ ہو گیا، اور دونوں قومیں حسب سابق پھر ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں کانگریس اکثریت کے زعم و پندار میں مسلمانوں کے حقوق غصب کرنے کے داؤں میں چلنے لگی، اور مسلمان اپنے تحفظ کی تدابیر سوچنے لگے،

وزیراعظم برطانیہ مسٹر ایبزے میکڈونلڈ نے جھگڑے سے تنگ آ کر فرقہ وار حقوق کے سلسلہ میں کمیونل ایوارڈ کے نام سے فیصلہ کر دیا جس میں مسلمانوں کے علاوہ سکھوں، عیسائیوں اور یورپین اقلیتوں کو بھی جداگانہ حق انتخاب دے دیا،

پھر اسی ایوارڈ کی بنیاد پر آئین ۱۹۳۵ء کا نفاذ عمل میں آیا، جسے کانگریس نے بھی مجبوراً منظور کر لیا صوبوں کو داخلی خود مختاری دی گئی، اور مرکز میں وفاق کا قیام تجویز کیا گیا، مگر وفاق کی تشکیل کے معاملہ میں مسلم لیگ اور کانگریس دونوں سے حکومت کا اتفاق رائے نہ ہو سکا، اور آئین کا یہ نصف حصہ تشنہ نفاذ رہا، آئین ۳۵ء کے مطابق ۱۹۳۷ء میں صوبائی وزارتیں قائم ہوئیں، اور کانگریس نے اپنی اکثریت کے تمام صوبوں میں زمام اختیار اپنے ہاتھ میں لے لی،

انتخابات سے قبل قائداعظم انگلستان سے ہندوستان آ چکے تھے، اور آپ نے لیگ کی تنظیم کا کام زور شور سے شروع کر دیا، اور مسلمانوں کی اکثریت کو لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر لیا جس کی وجہ سے کانگریس

کو مسلمانوں کے حلقوں میں زبردست شکست اٹھانا پڑی تاہم قائد اعظم مخلوط وزارتیں قائم کرنے پر تیار تھے، مگر کانگریس نے اپنے زعم میں اس کی پرواہ نہیں کی، اور خالص ہندو وزارتیں بنا کر مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے لگے، ہندی کی ترویج، اردو کی مخالفت، ودیا مندر کی اسکیم اور مسلمانوں کے معاشرتی و تعلیمی حقوق کی پامالی، ہر جگہ بلوے، اور جھگڑے، مسلمانوں کا قتل عام، یہ حالات ایسے تھے، کہ مسلمان ان کے مظالم سے چلا اٹھے، حکومت نے کانگریس کے خوف سے کوئی مداخلت نہیں کی،

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی، کانگریس نے کامل آزادی کے مطالبہ اور جنگ میں شرکت کی سیاسی سودہ بازی میں ناکام ہونے کے بعد وزارتوں سے علیحدگی اختیار کر لی، مسلمانوں کو ظلم و ستم سے نجات ملی، اور انہوں نے قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق یوم نجات منایا، اور اطمینان کا سانس لیا، اور یہ حقیقت اچھی طرح سامنے آ گئی، کہ برصغیر میں ہندو مسلم اتحاد نہیں ہو سکتا، اور حقوق کی حفاظت بے معنی چیز ہے، کیونکہ اقتدار و اختیار ہمیشہ اکثریت ہی کے ہاتھ میں رہے گا،

لہٰذا ان حالات کے پیش نظر مسلمانوں کو اپنے استقلال و استخلاص کا جداگانہ نہج مقرر کر کے جدوجہد کرنی چاہیئے

پاکستان کا تصور

علامہ اقبال نے سنہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت، اور جداگانہ حکومت کا تصور پیش کیا، مسلم زعماء کی اب تمام تر توجہ اس طرف مرکوز ہو گئی، اور وہ سوچنے لگے، کہ مسلمانوں کے جداگانہ استقلال کی صورت کیا ہو؟

متعدد اسکیمیں سامنے آئیں، اور ان پر بحث و غور شروع ہو گیا، یہاں تک کہ سنہ ۱۹۴۲ء میں جب کہ جنگ عالم شباب پر تھی، برطانوی حکومت نے سر کرپس کو انتقال اختیارات کی چند تجویزیں دے کر ہندوستان بھیجا، ان میں مسلم لیگ کے مطالبہ کو بھی ملحوظ رکھا گیا، اور مسلم صوبوں کی علیحدگی کے حق کو بھی تسلیم کر کے اصولاً پاکستان کو تسلیم کر لیا، قائد اعظم نے اس مشتبہ حق کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کانگریس نے بھی اس وجہ سے قبول نہیں کیا، کہ اس میں مسلمانوں کے مفاد کا پہلو نمایاں تھا،

مسلم لیگ اپنے اجلاس منعقدہ سنہ ۱۹۴۰ء لاہور میں قیام پاکستان کی تجویز کو منظور کر کے تمام سیاسی نزاعات کو حل کرنے کا واحد ذریعہ قرار دے چکی تھی، چنانچہ کرپس مشن کی ناکامیابی کے بعد ہندو لیڈروں کی شدید مخالفت کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ نے قیام پاکستان کو اپنا نصب العین قرار دے دیا، اور باقاعدہ جدوجہد شروع کر دی،

اس کے بعد کانگریس اور لیگ کے اختلافات بڑھتے ہی چلے گئے، ہندو اخبارات اور لیڈروں نے

مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے خلاف پروپیگنڈا کا ایک طوفان عظیم کھڑا کر دیا لیکن قائد اعظم کشتی ملت کو باد مخالف کے جھونکوں سے بڑی پامردی اور استقلال کے ساتھ بچاتے ہوئے ساحل مراد کی طرف لئے چلے گئے۔

۱۹۴۶ء میں وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چرچل نے ایک اور وزارتی مشن ہندوستان بھیجا۔ اس میں بھی مسلمانوں کے حقوق کی رعایت رکھی گئی تھی، مگر کانگریسی لیڈر مسلم لیگ سے مفاہمت اور مسلمانوں کے استقلال کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

گفتگو کا سلسلہ مہینوں چلتا رہا، مگر ہندوؤں کی ہٹ دھرمی میں کوئی فرق نہیں آیا، اور ان کو اپنی اکثریت کے زعم کے ساتھ برطانوی حکومت کی جڑوں کے کھوکھلا ہونے کا احساس تھا، اس لئے وہ سمجھتے تھے، کہ انگریز اختیارات کی باگ ڈور صرف ہمارے ہی ہاتھ میں دے کر چلتا بنے گا،

مگر ۱۰ کروڑ مسلمان اس طرح ختم ہونے والے نہیں تھے، ساتھ ہی قائد اعظم کے دلائل بھی لاجواب تھے، آخر مہینوں کی بحث و تمحیص کے بعد جب کوئی صورت نظر نہ آئی، تو برطانوی حکومت نے فروری ۱۹۴۷ء میں یہ اعلان کر دیا، کہ ہم جون تک ہندوستان سے دست بردار ہو جائیں گے،

اس اعلان نے کانگریس کو بڑی تشویش میں مبتلا کر دیا، بالآخر اسے مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کو قبول کرنا پڑا، مگر اس کے ساتھ اس نے بنگال و پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ پیش کر دیا، اور اس طرح ہر قدم پر اس نے مسلمانوں کے لئے مشکلات کھڑی کر دیں، اور ہندو قوم کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت کی آگ لگا دی

چنانچہ حالات ابتر ہوتے چلے گئے، ملک میں جگہ جگہ فساد و خونریزی شروع ہو گئی، مگر قائد اعظم ہراساں نہیں ہوئے اس کے بعد حکومت برطانیہ نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو آئین آزادی کا اعلان کرتے ہوئے ہندوستان و پاکستان کے قیام و استقلال کی تاریخیں مقرر کر دیں، لہٰذا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی مملکت وجود میں آئی، اور زمام حکومت مسلم لیگ اور اس کے لیڈر قائد اعظم محمد علی جناح کے ہاتھ میں دی گئی، اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی زمام حکومت کانگریس کے ہاتھ میں منتقل کی گئی، اور اس طرح مسلمان دو سو سال کی جدوجہد اور غیر معمولی قربانیوں کے بعد منزل آزادی پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے،

مملکتِ پاکستان کا قیام

آزادی کی مبارک گھڑی

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز نوے سال ہندوستان میں مستقل حکمران رہے، انہوں نے ہندوستانیوں کی گردن میں مضبوط سے مضبوط طوقِ غلامی کے ڈالنے کی کوشش کی، مگر ہوا یہ کہ انگریز جس قدر آزادی کے جذبہ کو دباتا گیا، یہ جذبہ برابر ابھرتا اور بڑھتا چلا گیا، متعدد سیاسی جماعتیں پیدا ہوگئیں، اور انہوں نے ہندوستان کے لوگوں میں اس قدر بیداری پیدا کردی، کہ انگریز ۱۹۴۷ء میں اس برعظیم کو آزاد کرنے پر مجبور ہوگیا، چنانچہ آزادی کی وہ مبارک ساعت جو ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو آئی ہمیشہ ہمیشہ یادگار رہے گی،

پاکستان کا پہلا گورنر جنرل

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء قیام پاکستان کی تاریخ ہے، وائسرائے ہند ماؤنٹ بیٹن کراچی میں آئے، اور اختیاراتِ حکومت قائد اعظم محمد علی جناح کو بحیثیت گورنر جنرل منتقل کردیئے،

پہلے وزیر اعظم

قائد اعظم نے گورنر جنرل کے عہدہ کو سنبھالنے کے بعد اپنے پرانے اور آزمودہ کار رفیق اور ساتھی لیاقت علی خاں مرحوم کو وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان سپرد کیا، اور پھر لیاقت علی خاں کی وزارتِ عظمیٰ میں حسب ذیل ارکان مجلس وزارت کے لئے منتخب کئے گئے،

لیاقت علی خاں وزیر اعظم، ملک غلام محمد وزیر خزانہ، فضل الرحمٰن وزیر تعلیم و صنعت، جوگندر ناتھ منڈل وزیر قانون، راجہ غضنفر علی خاں وزیر مہاجرین، سردار عبدالرب نشتر وزیر مواصلات، محمد اسمٰعیل چندریگر وزیر تجارت، سر ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ، پیرزادہ عبدالستار وزیر خوراک،

۱۹۴۷ء کے اہم واقعات

۱۸ اگست کو تقسیم پنجاب کے متعلق باؤنڈری کمیشن نے اپنا اعلان کیا، جس کے بعد ۲۰ اگست سے پورے مشرقی پنجاب میں نہایت منظم طریقہ پر مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا، جس میں ہزاروں مسلمان مرد، عورت اور بچے بڑی بے دردی سے قتل کئے گئے، اور مسلمان عورتوں کو اغوا کیا گیا، مکانات جلا دیئے گئے، اور تمام سامان لوٹ لیا گیا،

۵ ستمبر کو جب کہ مسلمان بالکل غافل تھے، ہندوؤں نے اچانک حملے شروع کردیئے، اور خوب دل کھول کر قتل عام کیا، اور جائدادیں تباہ کی گئیں، ہندو پولیس اور فوج کھڑی تماشہ دیکھتی رہی،

۳۰ ستمبر کو پاکستان نے مجلس اقوام متحدہ کی ممبری قبول کی، اور افغانستان نے پاکستان کے خلاف ووٹ دیا
۱۲ اکتوبر کو ریاست خیرپور نے پاکستان میں شمولیت اختیار کرلی،
۲۱ اکتوبر کو مسلمانان کشمیر نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا، اور مجاہدانہ سرگرمیاں شروع کردیں،
۲۹ اکتوبر کو ہندوستانی فوج نے ریاست جوناگڈھ پر قبضہ کرکے ایک عارضی حکومت قائم کردی، یہ اقدام صرف اس بنا پر کیا گیا، کہ جوناگڈھ نے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کردیا تھا،
۱۱ نومبر کو ریاست چترال، اور دیر نے پاکستان میں اپنی شمولیت کا اعلان کردیا،
۲۹ دسمبر کو صوبہ سرحد میں حکومت پاکستان نے اپنی فارورڈ پالیسی ختم کردی، اور جنوبی وزیرستان سے پاکستانی فوج کو واپس بلالیا،

۱۹۴۸ء کے اہم واقعات

۳ جنوری کو پاکستان نے اپنے نئے سکے یعنی نوٹ، روپے اور اٹھنیوں کے جاری کرنے کا اعلان کیا،
۴ جنوری کو اقوام متحدہ میں حکومت ہند نے پاکستان کے خلاف کشمیر سے متعلق شکایات پیش کیں،
۲۹ جنوری کو مجلس تحفظ نے کشمیر میں استصواب رائے کرنے کا فیصلہ کردیا،
۳۱ جنوری کو برلا ہاؤس دہلی میں ایک سیوک سنگھی نے جس کا نام ونایک راؤ گاڈسے تھا، مسٹر گاندھی کو قتل کردیا، ہندوستان میں بہت سے مقامات پر اس شبہ میں کہ کسی مسلمان نے مارا ہے، ہندوؤں نے قتل عام شروع کردیا، اور مسلمانوں کو بری طرح لوٹا اور مارا،
۲۲ فروری کو پاکستان کی مجلس دستوریہ (اسمبلی) نے اپنا پہلا اجلاس منعقد کیا،
۲۵ فروری کو قائداعظم نے چودھری خلیق الزمان کو مسلم لیگ کا ناظم مقرر کیا، اور فیصلہ کیا گیا، کہ کوئی عہدہ دار وزیر نہیں ہوگا،
اسی روز وزیراعظم نے پاک پارلیمنٹ میں اعلان کیا، کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی، اس کے بعد ۱۲ سال کے بعد قائداعظم لیگ کی صدارت سے سبکدوش ہوگئے،
۱۵ فروری کو مسٹر غلام محمد وزیر خزانہ نے پاکستان کا پہلا بجٹ پیش کیا، جس میں کچھ نئے ٹیکس وغیرہ لگانے کے بعد ۵ لاکھ کی بچت دکھائی گئی،
۱۲ مارچ کو کراچی کو پاکستان کا مستقل دارالحکومت بنانے کا اعلان کیا گیا،
۱۸ مارچ کو خاران، لس بیلہ اور مکران کی ریاستیں پاکستان میں شامل ہوگئیں،

۲۶ رفروری کو مسٹر کھوڑو سندھ کی وزارت سے علیحدہ کئے گئے، اور ان کے خلاف سنگین الزامات کی تحقیقات کا اعلان کیا گیا،

۱۰ رمئی کو آل انڈیا مسلم لیگ توڑ دی گئی،

۲۲ رمئی کو مجلس دستور ساز نے کراچی کو سندھ سے علیحدہ کرنے کی قرارداد منظور کی،

یکم جولائی کو قائداعظم نے بنک دولت پاکستان کی رسم افتتاح ادا کرتے ہوئے اعلان کیا، کہ پاکستان میں اسلام کا معاشی اور اقتصادی نظام قائم کیا جائے گا،

۱۴ رجولائی کو حکومت ہند نے مغربی پاکستان جانے والوں پر پرمٹ کی پابندی عائد کر دی

۲۲ رجولائی، پاکستان کی مرکزی حکومت نے کراچی کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے لیا،

۱۳ راگست، مسئلہ کشمیر کو بذریعہ استصواب رائے حل کرنے کے لئے کشمیر کمیشن نے ایک قرارداد منظور کی،

پاکستان کی پہلی سال گرہ

۱۴ راگست کو قیام پاکستان کی پہلی سال گرہ منائی گئی قائداعظم نے باوجود بیماری کے پورا پورا حصہ لیا، اور پاکستانی فوج کا معائنہ کیا، اور سلامی لی، اپنی تقریر میں مصائب پر قابو پانے کی تلقین کی، اور تنظیم، اتحاد اور یقین محکم پر بہت زور دیا،

قائداعظم کی وفات

۱۱ رستمبر کو ۲ ماہ کی مسلسل بیماری (جو کام کی زیادتی سے پیدا ہوئی تھی) بابائے ملت قائداعظم محمد علی جناح رات کو ۱۰ بجکر ۲۰ منٹ پر انتقال فرما گئے، پوری ملت رنج وغم میں ڈوب گئی، گھر گھر ماتم ہونے لگا، اور مسلمان مسجدوں میں قرآن خوانی کرنے لگے، مولانا شبیر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی، اور قائد آباد کی پہاڑی پر سپرد خاک کر دیا گیا،

حیدرآباد پر حملہ

جس رات کو قائداعظم نے انتقال کیا، اس رات کو ہندوستانی طیاروں نے بمباری کی، اور پھر ۱۳ رستمبر کو ہندوستانی فوج نے باقاعدہ چڑھائی شروع کر دی، اور ہندوستانی فوجوں نے ۳ طرف سے ریاست میں داخل ہو کر مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے، رہنماؤں کو جیل میں ڈالا گیا، ہزاروں رضا کار جو قاسم رضوی کے ساتھ اتحاد المسلمین میں شریک تھے قتل کئے گئے اور ریاست کو ہندوستانی فوج کے حوالہ کر دیا گیا،

۱۴ رستمبر کو قائداعظم کی وفات کے بعد خواجہ ناظم الدین کو پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا گیا،

۴ راکتوبر، سندھ کے گورنر شیخ غلام حسین ہدایت اللہ کا انتقال ہو گیا، مولانا مودودی مسئلہ کشمیر میں اختلاف کی بنا پر لاہور میں گرفتار کر لئے گئے،

۱۵ راکتوبر کو پاکستان نے ہندوستان سے آنے والوں پر پرمٹ کی پابندی عائد کر دی، مسٹر دین محمد

کو سندھ کا گورنر بنا دیا گیا،

۲۰ر نومبر کو مغربی پنجاب کے وزیر اعلیٰ خان ممدوٹ اور ان کی کابینہ نے گورنر جنرل کے حکم سے استعفیٰ دیدیا،

۱۴ر دسمبر کو کراچی میں پاک دستور یہ کا اجلاس شروع ہوا، اور مولوی تمیز الدین خاں کو صدر منتخب کیا گیا،

سنہ ۱۹۴۹ء کے اہم واقعات

یکم جنوری کو کشمیر میں ہندوستانی اور پاکستانی فوجوں نے اپنی حکومتوں کے فیصلہ کے مطابق لڑائی بند کردی،

۶ر جنوری کو کشمیر کمیشن نے اپنی قرارداد شائع کردی کشمیر میں ناظم استصواب رائے کا تقرر اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا اعلان کیا گیا

۲۴ر جنوری، مغربی پنجاب کی ممدوٹ وزارت کو توڑ کر صوبہ میں ۹۲ الف نافذ کردی گئی، اسمبلی کو توڑ دیا گیا،

یکم مارچ کو پاکستانی تنخواہ کمیشن کی سفارشات کے فیصلہ کا اعلان کیا گیا،

۱۲ر مارچ کو امیر البحر نمٹز کو کشمیر میں ناظم استصواب رائے مقرر کیا گیا

۱۷ر اپریل کو شاہی سرکاری دنگل کراچی میں منعقد ہوا، بھولو نے یونس کو گرا کر رستم پاکستان کا خطاب حاصل کیا،

۱۱ر جون کو کوئٹہ میں بلوچستان ایڈوائزری کونسل کا افتتاح کیا گیا،

۱۹ر جون کو کشمیر کا ڈوگرہ مہاراجہ اپنے بیٹے کے حق میں گدی سے دست بردار ہوگیا،

۲۰ر جولائی کو سردار عبدالرب نشتر کو مغربی پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا،

۱۴ر اگست کو پاکستان کی دوسری سالگرہ منائی گئی،

۱۹ر ستمبر، پونڈ اسٹرلنگ کی تخفیف کے ساتھ ہندوستان نے اپنے سکہ کی قیمت کم کردی

۲۱ر ستمبر کو حکومت پاکستان نے اپنے سکہ کی بحالی کا اعلان کیا،

۹ر نومبر کو نیشنل بنک آف پاکستان کے قیام کا آرڈیننس پاس کیا گیا،

۲۵ر نومبر کو کراچی میں اسلامی اقتصادی کانفرنس کا افتتاح کیا گیا،

مولانا شبیر احمد عثمانی کی وفات

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جو قائد اعظم کے ساتھ قیام پاکستان کی جدوجہد میں شریک تھے، وہ ۱۳ر دسمبر کو ۲ ماہ کی علالت کے بعد بہاول پور میں انتقال فرما گئے، آپ کی نعش کو کراچی میں لا کر ہزاروں مسلمانوں کے اجتماع نے شریک ہو کر تجہیز و تکفین کے مراسم انجام دیئے

حضرت علامہ ہندو پاک کی ممتاز ترین ہستی تھے، علماء دیوبند میں آپ کا شمار چوٹی کے علماء اور مشائخ میں ہوتا تھا، آپ کی بہت سی تصانیف خصوصاً تفسیر علماء اور عوام بھی نے پسند کی، اور مقبول عام ہے،

سنہ ۱۹۵۰ء کے اہم واقعات

۱۵ر جنوری کو صوبہ سرحد کے گورنر خورشید احمد خان کا انتقال ہو گیا،

یکم مارچ کو کراچی میں شاہ ایران تشریف لائے، حکومت اور عوام نے نہایت شاندار استقبال کیا، تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا، اور پاکستان میں کچھ اہم مراکز دیکھے

۳ر اپریل کو مسٹر لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان مسٹر نہرو سے گفتگو کرنے نئی دہلی گئے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہندو پاک میں کشیدگی بہت بڑھی ہوئی تھی، مسلمان اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے، کہ لیاقت علی ایسے حالات میں ہندوستان جائیں، مگر وہ مرد مجاہد خدا پر بھروسہ کر کے گیا، اور کامیاب واپس آیا،

۲۹ر اپریل کو خاں لیاقت علی خاں امریکہ گئے، تاکہ پاکستان کے فوجی استحکام کے سلسلہ میں کچھ اہم امور طے کریں،

۹ر جولائی کو پاکستان نے بین الاقوامی مالی فنڈ کی رکنیت قبول کرنے کا اعلان کیا،

۱۴ر اگست کو پاکستان کی تیسری سالگرہ منائی گئی، اور مسٹر لیاقت علی خاں نے تقریر کرتے ہوئے اپیل کی کہ وہ نظم وضبط سے کام لیں

۶ر ستمبر کو میجر جنرل ایوب خاں کو پاکستان کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا،

۷ر ستمبر کو دریائے راوی میں زبردست سیلاب آیا، بہت بڑا جانی اور مالی نقصان ہوا، حکومت اور عوام کی طرف سے متاثرہ علاقہ میں فوری امداد کی گئی،

آج ہی کراچی میں ایک بین الاقوامی صنعتی میلہ کا افتتاح کیا گیا،

۸ر اکتوبر کو مسلم لیگ کونسل نے لیاقت علی خاں کو صدر مسلم لیگ منتخب کیا،

۹ر اکتوبر کو حکومت پاکستان نے مہاجرین کی حالت سنوارنے کے لئے تاجروں پر مہاجر ٹکس لگا دیا،

۱۰ر اکتوبر کو پاک دستوریہ کا ممبر جوگندر ناتھ منڈل پاکستان سے غداری کر کے انڈیا بھاگ گیا

۳۰ر اکتوبر کو تعلیمی ترقی کے سلسلہ میں پشاور یونیورسٹی کا افتتاح کیا،

سنہ ۱۹۵۱ء کے اہم واقعات

۶ر جنوری کو حکومت برطانیہ نے دولت مشترکہ میں مسئلہ کشمیر کو ایجنڈے میں شامل کر لیا، اور وزیر اعظم لندن تشریف لے گئے

۲۵ر فروری کو ہندوستان نے پاکستانی سکہ کی شرح تسلیم کر لی

۲۸ر فروری کو پاکستان میں پہلی مرتبہ مردم شماری کا کام شروع کیا گیا، گورنر جنرل نے عوام سے تعاون کی اپیل کی،

پاکستان کے خلاف سازش

۹ مارچ کو وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے مغربی پاکستان کا دورہ کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف ایک اہم سازش کا انکشاف کیا، جس کے نتیجہ میں پاکستانی فوج کے میجر جنرل اکبر خاں اور بریگیڈیر لطیف اور دوسرے چند لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا، اور نظربند کر کے ان کے خلاف تحقیقات شروع ہوئی، اور راولپنڈی میں مقدمہ چلایا گیا،

۲۰ مارچ کو مردم شماری کا کام بالکل ختم ہو گیا، اور حکومت پاکستان نے اعداد و شمار کا اعلان کرتے ہوئے بتایا، کہ پاکستان کی کل آبادی ۷ کروڑ ۵۶ لاکھ ۷۰ ہزار ہے،

۲۸ مارچ کو پہلی مرتبہ پنجاب کا بجٹ اردو میں پیش کیا گیا،

۲ اپریل پاکستان نے شاہی ترجیحات کو ختم کر دیا،

۳ اپریل کو پنجاب میں دولتانہ وزارت کی تشکیل عمل میں آئی،

۳ مئی کو ڈاکٹر گراہم کو کشمیر میں اقوام متحدہ کا نمائندہ مقرر کیا گیا،

۱۲ مئی کو کراچی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا،

۱۱ جولائی کو خاں لیاقت علی خاں نے اعلان کیا، کہ پاکستان کی سرحدوں پر ہندی فوج حملے کے لئے جمع ہو گئی ہے، عوام میں اس اعلان سے بے پناہ جوش پیدا ہو گیا، اور مسلمان پورے جوش کے ساتھ نیشنل گارڈ میں بھرتی ہو کر اپنے عزم و ثبات اور ملک دوستی کا ثبوت دینے لگے،

۱۹ جولائی کو ریڈیو پاکستان کی نئی عمارت بندر روڈ کا افتتاح عمل میں آیا، مسٹر لیاقت علی خاں نے اندر قدم رکھتے ہی سامنے دیوار پر لکھی ہوئی آیت وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا کو پڑھا، اور پھر اپنی تقریر میں اس آیت کے مطالب کو وضاحت سے بیان کیا،

۲ اگست کو وزیر اعظم نے گورنمنٹ پریس کا افتتاح کیا،

۳ اگست کو وزیر اعظم نے ہر حکومت کے سامنے پنج نکاتی لائحہ عمل پیش کر دیا،

۴ اگست بھارت نے پاکستان کے خلاف قرطاس ابیض شائع کیا جس میں ہزاروں بے بنیاد الزامات لگائے گئے

۱۲ اگست کو حکومت پاکستان نے اس کے جواب میں وہائٹ پیپر شائع کر کے اچھی طرح بھارت کی پول کھول دی

۱۴ اگست کو پاکستان کی چوتھی سالگرہ منائی گئی، جہانگیر پارک کراچی کے عظیم اجتماع میں وزیر اعظم نے بھارت دشمنی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، اگر پاکستان کے استحکام کے لئے میرے خون کی ضرورت ہوئی تو میں دریغ نہیں کروں گا،

۲۸ر اگست کو قاہرہ میں پاکستان اور مصر نے باہمی دوستی کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے،

۱۶ر ستمبر کو ریاست خیرپور کے ۱۰ر سالہ حکمران میر علی مراد خاں تالپور کو اختیارات حکومت تفویض کر دیئے گئے

۲۷ر ستمبر کو بھارت کی حکومت نے نارک دشمن مسلمانوں کی جائداد ضبط کرنے کے لئے پارلیمنٹ میں ایک بل پاس کیا،

یکم اکتوبر بروز ۳۰ ستمبر کی درمیانی شب کو ۱۲ بجے پاکستان میں نئے اسٹنڈرڈ ٹائم کو جاری کیا گیا،

لیاقت علی خاں کی شہادت

۱۶ر اکتوبر مسلمانان پاکستان کے لئے انتہائی رنج و غم کی تاریخ تھی، قائد ملت خاں لیاقت علی خاں صبح کو بذریعہ ہوائی جہاز راولپنڈی تشریف لے گئے، اور شام کو چار بجے جب کہ کمپنی باغ میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے، اور صرف ابتدائی جملے ادا کئے تھے، کہ ہزارہ کے ایک شخص سید اکبر کے ناپاک ہاتھوں سے نکلی ہوئی گولیوں نے قائد ملت کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا، ساری ملت میں کہرام مچ گیا، اور گھر گھر ماتم کدہ بن گیا، قائد اعظم کے بعد یہ دوسرا غم تھا جو ملت اسلامیہ پاکستان کو برداشت کرنا پڑا، قائد ملت کی لاش پنڈی سے کراچی لائی گئی، اور ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء کو قائد اعظم کے قریب سپرد خاک کر دی گئی،

۱۷ر اکتوبر کو خواجہ ناظم الدین کو گورنر جنرل کے عہدہ سے ہٹا کر وزیر اعظم بنا دیا گیا، اور ان کی جگہ مسٹر غلام محمد کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا،

۲۲ر اکتوبر کو گورنر جنرل نے ناظم الدین وزارت کے ناموں کا اعلان کر دیا،

۲۳ر اکتوبر کو قائد ملت کے قتل کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا، اور پاک کابینہ کے وزراء نے ملت سے وفاداری کا حلف اٹھایا،

۱۶ر نومبر کو ناظم الدین کو صدر مسلم لیگ منتخب کیا گیا،

۶ر دسمبر، پاکستان بھارت کی جگہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ممبر منتخب ہو گیا،

۱۶ر دسمبر کو سرحد میں نئے انتخابات کے بعد خان عبدالقیوم خاں نے نئی وزارت قائم کی،

۲۱ر دسمبر پاکستان میں پہلی مرتبہ شہری رفاع کے آرڈی نیس کا نفاذ کیا گیا،

عالمی بنک نے پاکستان کو ساڑھے چار کروڑ ڈالر کا قرض دینا منظور کیا، اور اس کا اعلان کیا،

۲۸ر دسمبر خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم نے راولپنڈی میں دو اسلحہ ساز کارخانوں کا افتتاح کیا،

۲۹ر دسمبر کو گورنر جنرل نے سندھ میں گورنری راج قائم کر دیا،

۱۹۵۲ء کے اہم واقعات: ۶ر فروری، برطانیہ کے شاہ جارج ششم کے مرنے کے بعد شہزادی

الزبتھ کی تخت نشینی میں پاکستان نے شریک ہو کر مبارک باد پیش کی،

۱۵ر فروری کو اشغال علمار اسلام کا وزیر اعظم نے افتتاح کیا،

۲۰ر فروری کو امریکہ کی مسز روزویلٹ کراچی آئیں اور پاکستانی خواتین کے ہمراہ بعض قومی مراکز کا معائنہ کیا،

۲۱ر فروری کو مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کے بہکانے سے طلبار نے بنگلہ کو سرکاری زبان بنانے کے لئے زبردست ہنگامہ کیا، جس میں پولیس کو آنسو آور گیس کا استعمال کرنا پڑا، اور پھر مجبوراً فائرنگ کی گئی، ۴ طلبار ہلاک ہوئے، اور بہت سے زخمی ہوئے،

۲۲ر فروری کو دوبارہ فساد ہوا، اور مشرقی بنگال اسمبلی نے بنگلہ زبان کی حمایت میں قرارداد پاس کی،

۳ر مارچ کو فیڈرل کورٹ نے پاکستان سیفٹی آرڈی نیس کو ناجائز قرار دے دیا،

۲۴ر مارچ کو کراچی منصوبہ کولمبو کی مشاورتی کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا،

۱۰ر اپریل کو پاک دستور ساز نے سرکاری زبان کے فیصلہ کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا،

۲۸ر اپریل کو کراچی چیف کمشنر کا صوبہ بنا دیا گیا، اور مسٹر ابوطالب نقوی کو چیف کمشنر مقرر کیا گیا،

۶ر مئی کو مشرقی پاکستان میں خوفناک طوفان آیا، جس میں سینکڑوں افراد ہلاک و زخمی ہوئے،

۱۰ر مئی کو شعوب اسلامیہ کانفرنس کا آغاز ہوا،

۱۵ر مئی کو کراچی میں بین المملکتی پاسپورٹ کانفرنس ہوئی،

۱۹ر جون، حکومت آزاد کشمیر نے استعفےٰ دے دیا، اور کرنل شیر خاں نے دوسری حکومت بنالی،

۲۱ر جون کو عبدالرحمان صدیقی مشرقی پاکستان کے گورنر مقرر کئے گئے

۲۶ر جولائی کو پاکستان میں یہ خبر بڑی حیرت کے ساتھ سنی گئی، کہ مصر میں فوج نے حکومت کا تختہ الٹ دیا جنرل نجیب کمانڈر انچیف اور علی ماہر پاشا وزیر اعظم بن گئے، اور پھر جنرل نجیب کے مطالبہ پر شاہ فاروق اپنے شیر خوار بیٹے کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گئے،

۱۴ر اگست پاکستان کی پانچویں سال گرہ منائی گئی،

حادثہ عظیم قائد ملت لیاقت علی خاں کے قتل کی رپورٹ شائع کر دی گئی جس سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا، ۲۶ر اگست کو یہ حادثہ عظیم پیش آیا، کہ قتل لیاقت کی تحقیقات کرنے والی ایک پارٹی جس میں انسپکٹر جنرل پولیس صاحبزادہ اعتزاز الدین اور دیگر ۱۰ آدمی شریک تھے جہلم کے قریب ہوائی حادثہ میں ہلاک ہو گئے،

۱۱ر اکتوبر کو پاکستان مسلم لیگ نے ڈھاکہ میں اپنی کونسل کے اجلاس میں خواجہ ناظم الدین کو دوبارہ مسلم لیگ

کا صدر چن لیا،

۱۴ر اکتوبر سے پاکستان اور بھارت کے درمیان پاسپورٹ سسٹم جاری کر دیا گیا،

۱۲ر نومبر کو شیخ دین محمد کی جگہ میاں امین الدین کو سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا

۲۳ر دسمبر خواجہ ناظم الدین نے دستور یہ میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ پیش کر دی،

۱۹۵۳ء کے اہم واقعات

لیاقت علی خان نے جس سازش کا انکشاف کیا تھا، اور جس کا مقدمہ راولپنڈی میں چل رہا تھا اس کا فیصلہ ہو گیا، ۱۴ ملزموں کو چار سال سے ۱۲ سال قید کی سزا دی گئی، یہ فیصلہ ۵ر جنوری کو کیا گیا،

۷، ۸، ۹ر جنوری کو کراچی میں طلباء نے اپنے مطالبات منوانے کے سلسلہ میں مظاہرے کئے جس میں پولیس کی فائرنگ سے کافی جانی نقصان ہوا، شہر میں سخت بدامنی پھیل گئی، کرفیو نافذ کر دیا گیا، اخبارات نے حکومت کی پالیسی پر سخت احتجاج کیا،

۱۲ر جنوری کو تمام علمائے پاکستان نے متفقہ طور پر دستوری سفارشات کو غیر اسلامی قرار دے دیا،

۲۶ر جنوری کو ایک تحقیقاتی عدالت نے قاضی فضل اللہ اور مسٹر کھوڑو کو پبلک عہدوں کے لئے نا اہل قرار دیدیا

اینٹی قادیانی تحریک

قیام پاکستان کے بعد سر ظفر اللہ خاں کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا تھا ظفر اللہ خاں چونکہ قادیانی تھے، اس لئے مسلمانوں میں اسی وقت سے حکومت میں قادیانیوں کا دخل اچھی نظر سے نہیں دیکھا جا رہا تھا، مگر قائد اعظم اور لیاقت علی کی موجودگی کی وجہ سے سر ظفر اللہ بھی خاموش رہے، اور مسلمان بھی قدرے مطمئن، لیکن ان دونوں کے انتقال کے بعد قادیانیوں کا زور بہت بڑھ گیا، اور یہ مہر سکوت توڑ کر میدان میں آ گئے، اور علانیہ جلسے وغیرہ کرنے لگے، کچھ لوگوں کو قادیانی بھی بنایا گیا، اور علانیہ اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے لگے، واضح رہے، کہ سر ظفر اللہ خاں نے اپنے عقاید کے لحاظ سے قائد اعظم کے جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی، کیونکہ قادیانی غیر قادیانی کی نماز جنازہ کو جائز نہیں سمجھتے ہیں،

علمار پاکستان اور خصوصاً جمعیۃ علمائے اسلام، جمعیۃ علمائے پاکستان اور جماعت اسلامی نے قادیانیوں کی تبلیغ اور ان کے زور کو شدت سے محسوس کیا، عوام بھی اس مسئلہ میں علمار کے ہم نوا تھے، چنانچہ علمار اور عوام کے فیصلہ سے حکومت پاکستان کے سامنے یہ مطالبہ رکھا گیا، کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے، عوام کا یہ مطالبہ شدت اختیار کرتا گیا، اور حکومت برابر بے توجہی برتتی رہی، آخر تحریک نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور علمار کی طرف سے باقاعدہ اپنے مطالبہ کو منوانے کے لئے تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا گیا، کراچی، لاہور راولپنڈی اور تقریباً پورے مغربی پاکستان میں عام بے چینی اور شورش پیدا ہو گئی،

بہت سے علماء کو گرفتار کیا گیا، اور عوام کے جذبات کو طاقت سے دبایا گیا، اور پھر آخر میں لاہور میں حکومت کو مارشل لا نافذ کرنا پڑا، پورا شہر فوج کے ہاتھ میں دے دیا گیا، ہزاروں مسلمان اور ان کے مذہبی رہنما گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیئے گئے۔

غرض مسلمانوں کو شدید جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا، اور ناظم الدین وزارت اس ہنگامہ آرائی کو دیکھتی رہی، حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، اور پورا ملک ایک ہنگامی کیفیت کا شکار ہو گیا، اینٹی قادیانی تحریک کراچی میں ۲۷ فروری سے شروع ہوئی، اور تقریباً ۲ ماہ برابر چلتی رہی، لاہور میں مارشل لا کا نفاذ ۶ مارچ سے شروع کیا گیا،

۲۸ مارچ کو لاہور میں مولانا مودودی کی گرفتاری عمل میں آئی،

۱۷ اپریل کو مسٹر غلام محمد گورنر جنرل نے ناظم الدین وزارت کو برطرف کرکے مسٹر محمد علی سفیر متعینہ امریکہ کو وزیر اعظم مقرر کر دیا،

۲۴ اپریل کو قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ کراچی کارپوریشن کے انتخابات عمل میں آئے،

۱۱ مئی کو لاہور کورٹ مارشل نے مولانا مودودی کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا،

۱۳ مئی کو مسلمانوں کی بے چینی کو دیکھتے ہوئے مولانا مودودی کی سزائے موت کو ۱۴ سال قید بامشقت میں تبدیل کر دیا گیا، اور عبدالستار نیازی اور مولانا اختر علی خاں کو بھی ۱۴، ۱۴ سال کی سزا کا حکم سنایا گیا

۲۰ مئی کو پیرزادہ عبدالستار سندھ کے وزیر اعلیٰ بنائے گئے؛

۹ جولائی کو مغربی پاکستان میں گرمی کی زبردست لہر آئی، اور ۲ ہزار کے قریب آدمی ہلاک ہو گئے

۲۵ جولائی کو بھارت کے وزیر اعظم پنڈت نہرو پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر محمد علی سے بات چیت کرنے کراچی آئے،

۹ اگست کو بھارتی کشمیر میں شیخ عبداللہ کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا، اور ان کی جگہ بخشی غلام محمد کو وزیر اعظم بنایا گیا

۱۴ اگست کو پاکستان کی چھٹی سالگرہ منائی گئی۔

۱۶ اگست کو مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان مسٹر نہرو سے بات چیت کرنے پاکستان سے نئی دہلی گئے، کشمیر کے مسئلہ پر کئی گھنٹہ بات چیت ہوئی، مگر کسی سمجھوتہ پر عمل نہ ہو سکا،

۱۸ اکتوبر کو گورنر جنرل مسٹر غلام محمد یورپ اور مشرق وسطیٰ کے دورہ پر روانہ ہوئے،

۲ نومبر کو دستوریہ کے ہندو ممبران نے دستور سازی کا اس بنا پر بائیکاٹ کیا، کہ دستور اسلامی طرز کا بنایا

جارہا تھا چنانچہ ہندو ممبران اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئے،

۹ر نومبر کو پورے پاکستان میں یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی گئی، کہ سعودی عرب (حجاز) کے سلطان عبدالعزیز ابن سعود انتقال کر گئے، اور ان کے تمام بیٹوں نے اپنے بڑے بھائی امیر سعود ابن عبدالعزیز کو سلطان تسلیم کر لیا،

مولانا سید سلیمان ندوی کا انتقال

مولانا سید سلیمان ندوی جن کو حکومت پاکستان نے مذہبی امور میں بغرض مشورہ مستقل طور پر پاکستان بلا لیا تھا انتقال فرما گئے، مولانا صرف چند روز بیمار رہے، اور ۲۲ر نومبر ۱۹۵۳ء کو اس دار فانی سے تشریف لے گئے،

آپ نے کراچی میں آکر بہت سی مفید علمی اور مذہبی خدمات انجام دیں،

۱۰ر دسمبر کو پنجاب اسمبلی نے انگریزی کی جگہ اردو کو سرکاری زبان تسلیم کر لیا،

۱۹۵۴ء کے اہم واقعات

۷ر جنوری کو سندھ میں پاکستان میل کو شدید حادثہ پیش آیا جس میں دو سو افراد ہلاک ہوئے

۱۹ر فروری کو امن عالم کو برقرار رکھنے کے خیال سے پاکستان اور ترکی نے مل کر دفاعی کاروائی کرنے کا اعلان کیا، ۸ر مارچ کو مشرقی پاکستان میں بسلسلہ انتخابات متحدہ محاذ کے مقابلہ پر مسلم لیگ کو شکست ہو گئی

۱۲ر مارچ کو عراق شاہ فیصل کراچی تشریف لائے، مسلمانان پاک نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا،

خطرناک فساد

مغربی پاکستان میں چندر گونہ پیپر مل کرنافلی میں ہندوؤں کی پردہ کوشش اور سازش سے زبردست فساد ہوا جس میں ۱۱۲، افراد ہلاک ہوئے، ۲ر اپریل، کراچی میں پاک ترکی دفاعی معاہدہ پر دستخط کئے گئے

۳ر اپریل کو مشرقی پاکستان میں مولوی فضل الحق نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا،

۷ر اپریل پاکستان میں طے شدہ اور غیر طے شدہ بھارت کے علاقوں سے آنے والے مہاجرین کے امتیاز کو ختم کر دیا گیا،

۱۴ر اپریل، شاہ سعود کراچی تشریف لائے، مسلمانان پاکستان نے آپ کا پر جوش استقبال کیا،

۱۹ر اپریل دستوریہ کی لیگ اسمبلی پارٹی نے اردو کے ساتھ بنگلہ کو بھی سرکاری زبان بنانے کی منظوری دیدی

۲۲ر اپریل کو لسانی فارمولے کے خلاف ایک لاکھ مسلمانوں نے دستوریہ کی عمارت کے سامنے مظاہرہ کیا، اور یوم سیاہ منایا گیا،

۲۸ر اپریل کو سندھ کے مشہور ڈاکو رحیم بانگو کو حیدرآباد جیل میں پھانسی دے دی گئی،

۳ر مئی کو پاکستانی مسلمانوں میں غم وغصہ کی عام لہر دوڑ گئی، جب کہ مسٹر فضل الحق نے کلکتہ میں پاکستان کے خلاف بیان دینا شروع کئے،

۷ر مئی کو دستور ساز اسمبلی نے عوام کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے اردو کے ساتھ بنگلہ کو بھی سرکاری زبان

قرار دے دیا،

۱۵ر مئی کو آدم جی جوٹ مل میں ہندوؤں کی سازش سے تاریخ پاکستان کا سب سے زیادہ خونریز فساد ہوا سینکڑوں افراد ہلاک و زخمی ہوئے،

۲۴ر مئی کو مسٹر فضل الحق نے پھر آزاد بنگال کا نعرہ بلند کیا،

ردعمل مسٹر فضل الحق کے بیانات برابر تشویش پیدا کر رہے تھے، آخر اس کا ردعمل یہ ہوا، کہ مشرقی بنگال میں گورنر جنرل نے فضل الحق کابینہ کو برطرف کر کے گورنر راج قائم کر دیا، چودھری خلیق الزمان کو ہٹا کر ان کی جگہ اسکندر مرزا کو صوبہ کا گورنر مقرر کر دیا گیا، جس کے بعد ملک میں فسادات کا خاتمہ ہو کر امن قائم ہو سکا،

۵ر جولائی کو جب کہ مشرقی پاکستان میں کمیونسٹوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں، تو قیام امن کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت نے کمیونسٹ پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا، اور پھر ۲۴ر جولائی تک تمام صوبوں میں اس تحریک کو خلاف قانون قرار دینے کا اعلان کر دیا گیا،

۸ر جولائی، بھارت نے پاکستان دشمنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھاکڑا نہر کھول کر دریائے ستلج کا پانی کاٹ دیا،

۲۰ر جولائی، ہند چینی کی جو جنگ سات سال سے جاری تھی اسے ختم کرنے کے لئے جینوا میں ایک معاہدہ پر دستخط ہو گئے

۲۶ر جولائی، پاکستان کے خلاف روس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں دیکھتے ہوئے کراچی میں روسی سفیر کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی گئی،

۵ر اگست کو گورنر جنرل مسٹر غلام محمد، اور وزیر اعظم مسٹر محمد علی شاہ سعود کی دعوت پر حج کے لئے روانہ ہو گئے،

۶ر اگست، مشرقی بنگال میں زبردست سیلاب آیا، پانچ سو مکانات گر گئے، اور ہزاروں آدمی بے گھر ہو گئے حکومت اور عوامی جماعتوں نے فوری امداد کا معقول انتظام کیا،

۸ر اگست، مکہ معظمہ میں ممالک اسلامیہ کی ایک عظیم کانفرنس ہوئی جس میں بہت سے اسلامی رہنما شریک ہوئے، گورنر جنرل اور وزیر اعظم نے بھی شرکت کی، کانفرنس کا مقصد باہمی اتحاد و تعاون اور آپس میں دوستانہ تعلقات کو استوار کرنا تھا،

۱۴ر اگست کو پاکستان کی ساتویں سالگرہ منائی گئی، بہت سے قیدیوں کو رہا کیا گیا، اور غرباء کو کپڑے، اور طلباء کو شیرینی تقسیم کی گئی،

۲۰ر ستمبر کو دستور ساز اسمبلی نے پروڈا کی تنسیخ کا بل پاس کر دیا، اور

۲۱ر ستمبر کو گورنر جنرل کے اختیارات کو محدود کرنے کے مسودہ کی منظوری دے دی،

۲۲ ستمبر کو بھارت گورنمنٹ نے مسلمانوں کی متروکہ جائداد کو ضبط کرنے کا بل پاس کر دیا،

۲۵ ستمبر پنجاب میں خوفناک سیلاب آیا جس میں بہت بھاری جانی اور مالی نقصان پہنچا،

۷ اکتوبر کو سر ظفر اللہ خاں وزارت خارجہ سے ہٹ کر بین الاقوامی عدالت انصاف کے جج منتخب ہوئے،

۱۱ اکتوبر کو حکومت پاکستان نے متروکہ جائداد کے تبادلہ اور فروخت کی عام اجازت دے دی

۱۲ اکتوبر کو قائد ملت کے قتل کا سراغ لگانے کے لئے حکومت پاکستان نے مشہور سراغرساں مسٹر یوربن کی خدمات حاصل کرلیں، اور اس کا اعلان کر دیا گیا،

۲۰ اکتوبر کو گورنر جنرل نے پروڈا کی پابندیاں ختم کر دیں، اور مقدمات واپس لے لئے۔

اہم ترین رد و بدل

دستور ساز اسمبلی اور وزرار کا جو ڈھانچہ شروع سے چل رہا تھا، وہ اچانک ختم ہو گیا گورنر جنرل الحاج غلام محمد نے ۲۴ اکتوبر ۵۴ء کو پاکستان میں ہنگامی حالت کا اعلان کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا، اور مرکزی کابینہ میں تبدیلی کرتے ہوئے ڈاکٹر خاں صاحب کو وزارت میں شامل کر لیا، مولوی تمیز الدین خاں صدر دستور ساز اسمبلی نے گورنر جنرل کے اس اقدام کو ناجائز قرار دیتے ہوئے، ۸ نومبر کو چیف کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا،

۸ نومبر کو پیرزادہ کی وزارت برطرف کر دی گئی، اور مسٹر کھوڑو نے صوبہ میں نئی وزارت بنالی،

۱۲ نومبر کو پاکستان کی پالیسی کے خلاف مضامین اور خبریں شائع کرنے کے الزام میں سندھی روزنامہ "الوحید" کو ایک سال کے لئے بند کر دیا گیا، اور اسی دن سندھ کے مشہور لیڈر جی، ایم سید کو حکومت کے خلاف سرگرمیوں کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا،

ون یونٹ کی اسکیم

۲۲ نومبر ۵۴ء کو مسٹر محمد علی وزیر اعظم نے مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملا کر ون یونٹ کی اسکیم کا اعلان کر دیا، اور اس کے بعد ۲ دسمبر کو صوبائی گورنروں اور وزرار اعلیٰ اور ریاستی حکمرانوں کی کانفرنس نے ایک یونٹ کے فیصلہ کی تصدیق کر دی، اور اس اقدام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جد و جہد شروع کر دی،

۱۹۵۵ء کے اہم واقعات

پاکستان اور بھارت کے درمیان دوستانہ تعلقات بڑھتے جارہے ہیں، چنانچہ اس دوستانہ فضا میں مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان

۲۵ جنوری کو بھارت کے یوم جمہوریہ میں شریک ہونے کے لئے کراچی سے ہندوستان تشریف لے گئے،

۸ فروری کو وزیر اعظم روس مالنخوف کو برطرف کر دیا گیا، اور بلگانن کو وزیر اعظم بنا دیا گیا،

غیر قانونی فرمان

۲۴ر اکتوبر ۵۴ئہ کو دستور یہ توڑنے کے خلاف مولوی تمیز الدین خاں نے سندھ چیف کورٹ میں جو درخواست کی تھی، سندھ چیف کورٹ نے گورنر جنرل کے اس اقدام کو غیر قانونی قرار دے دیا، چنانچہ ۹ر فروری کو اس فیصلہ کے سننے کے بعد وفاق پاکستان کی طرف سے سندھ چیف کورٹ کے فیصلہ کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی، اپیل ۲۷ر فروری کو کی گئی، اور ۲۲ر فروری کو فیڈرل کورٹ نے سندھ چیف کورٹ کے فیصلہ پر عمل درآمد روکنے کا حکم جاری کر دیا

۲۱ر مارچ کو دستور یہ توڑنے کے مقدمہ میں فیڈرل کورٹ نے سندھ چیف کورٹ کے فیصلہ کے خلاف حکومت کی اپیل منظور کر لی، اس کے بعد ۱۰ر مئی کو فیڈرل کورٹ نے اپنے فیصلہ میں کہا، کہ دستور یہ توڑنے کا اقدام صحیح تھا، اور آئینی کنونشن کا نام دستور ساز اسمبلی رکھا جائے،

۱۰ر فروری، حکومت جمہوریہ ترکیہ کے صدر مسٹر جلال بایار پاکستان کے دورہ پر تشریف لائے، ہزارہا مسلمانوں نے دو رویہ سڑکوں پر کھڑے ہو کر استقبال کیا،

۱۹ر فروری، کوئٹہ میں زلزلہ کے کئی سخت جھٹکے آئے جس میں بہت سے افراد ہلاک اور زخمی ہوئے،

۵ر مارچ اردن کے بادشاہ حسین ارسان کی والدہ ملکہ عالیہ پاکستان کا دورہ کرنے کے لئے کراچی تشریف لائیں،

۱۵ر مارچ، گورنر جنرل غلام محمد نے پاکستان کے سب سے مضبوط اور دنیا کے بہترین بیراج کا افتتاح کیا اس بیراج کا نام بھی موصوف کے نام پر رکھا گیا،

۲۴ر مارچ، راولپنڈی سازش کے قیدیوں کو ضمانت پر رہا کرنے کے بعد دوبارہ گرفتار کر لیا گیا

۳۰ر مارچ، کابل، قندھار اور جلال آباد میں پاکستان کے سفارت خانوں پر حملہ کیا گیا اور پاکستانی پرچم کی توہین کی گئی،

قیام پاکستان کے بعد سے حکومت افغانستان کا رویہ کچھ عجیب سا رہا ہے، تھوڑے عرصہ کے بعد افغانستان کی طرف سے کچھ نہ کچھ ایسی حرکات ظہور میں آتی رہتی ہیں، کہ جس کی وجہ سے تعلقات میں کشیدگی بڑھتی ہی جاتی ہے، حالانکہ ہمسایہ اسلامی ملک ہونے کے لحاظ سے افغانستان کو پاکستان سے گہری محبت اور دوستی ہونا چاہئے تھی، مگر افسوس ہے، کہ اب تک ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی،

۳۱ر مارچ، پاکستان کے نئے سالانہ بجٹ میں ایک کروڑ ۲ ساٹھ کا خسارہ دکھایا گیا ہے، جسے کچھ نئے ٹیکس لگا کر پورا کرنے کا اعلان کیا گیا

۴۔ اپریل کو گورنر جنرل نے ایک اعلان کے ذریعہ ایک یونٹ کی گورنری کے لئے مسٹر گورمانی کو اور وزیر

اعلیٰ کے لئے ڈاکٹر خانصاحب کو نامزد کر دیا،

۱۹ر اپریل، وزیر اعظم مصر کرنل ناصر پاکستان کے مختصر دورہ کے لئے کراچی آئے

۱۵ر اپریل کو اینٹی قادیانی تحریک کے سلسلہ میں گرفتار ہونے والے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبدالستار نیازی کے ساتھ دوسرے اسیران مارشل لاء کو رہا کر دیا گیا، یہ رہائی ضمانت پر عمل میں آئی، اس کے بعد ۳۰ر مئی کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیئے گئے،

۱۵ر مئی، دہلی میں کشمیر کے متعلق جو بات چیت وزرائے اعظم کے درمیان چل رہی تھی، وہ ناکام ہوگئی،

۱۲ر مئی کو پنجاب میں مسٹر گورمانی گورنر پنجاب نے مسٹر نون کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کر دیا،

۲ر جون کو مشرقی بنگال میں گورنر راج ختم کر دیا گیا، اور ۶ر جون کو متحدہ محاذ کے لیڈر ابوحسین سرکار نے وزارت بنالی،

۲۱ر جون، پورے پاکستان میں نئی دستور یہ کے انتخابات کے سلسلہ میں جو الیکشن چل رہا تھا، وہ ختم ہوگیا اور ۸۰ ممبران پر مشتمل ایک نئی دستور یہ بن گئی،

۲۵ر جون کو قائد ملت کی شہادت کے سلسلہ میں برطانوی سراغرساں مسٹر یوا ین نے کہا، کہ قائد ملت کا قتل کسی سیاسی سازش کا شاخسانہ نہیں تھا، بیگم لیاقت علی نے اس رپورٹ پر سخت نکتہ چینی کی،

۲۶ر جون کو مشہور ادیب و صحافی مولانا چراغ حسن حسرت کا لاہور میں انتقال ہوگیا،

۲۸ر جون پاکستان اور افغانستان کے درمیان جو مصالحت کی گفتگو جاری تھی، وہ ناکامیابی کے ساتھ ختم ہوگئی

نئی دستوریہ کا اجلاس

۷ر جولائی کو نئی دستوریہ کا پہلا اجلاس مری میں شروع ہوا، نئی دستوریہ کے عارضی چیئرمین مسٹر گورمانی مقرر کئے گئے، یہ اجلاس ۱۴ر جولائی تک جاری رہا،

۱۲ر جولائی، خان عبدالغفار خان پر صوبہ سرحد میں داخلہ پر پابندی عائد تھی ختم کر دی گئی،

۱۸ر جولائی کو سرحد کے وزیر اعظم سردار عبدالرشید کو اس وجہ سے برطرف کر دیا گیا، کہ وہ ون یونٹ کی مخالفت کر رہے تھے،

۱ر اگست کو پاکستانی روپیہ کی قیمت بھارتی روپیہ کے برابر کر دی گئی،

۴ر اگست کو پاکستانی خواتین کے پیہم مطالبات کے بعد عورتوں کے حقوق اور شادی و طلاق کے قوانین کا جائزہ لینے کے لئے حکومت نے ایک کمیشن مقرر کر دیا،

اسکندر مرزا گورنر جنرل

مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان عرصہ سے بیمار رہتے تھے، اور اب اپنی بیماری کی وجہ سے اس قابل نہیں رہے تھے، کہ اس اہم ذمہ داری

کو سنبھال سکیں، آخر آپ نے رخصت لے کر مسٹر اسکندر مرزا کو قائم مقام گورنر جنرل کر دیا، اور اس کے بعد دستور یہ کی مسلم لیگ پارٹی نے چودہری محمد علی کو پارٹی لیڈر منتخب کر لیا، اور چودہری محمد علی نے مرکز میں مخلوط وزارت قائم کر کے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھال لیا، سابق وزیر اعظم مسٹر محمد علی اپنے سابقہ منصب پر امریکہ واپس چلے گئے،

۸ ویں سال گرہ ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء کو حکومت پاکستان نے قیام پاکستان کی آٹھویں سال گرہ منائی،

پاکستان ایک نظر میں

پانچویں بڑی مملکت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آئی۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے، اور دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں اپنی وسعت کے لحاظ سے پانچویں نمبر پر ہے،

رقبہ اور آبادی دولت خداداد پاکستان کا کل رقبہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۳ لاکھ ۶۰ ہزار ۷۰۰ مربع میل ہے، جس کی تفصیل ہر دو حصوں میں حسب ذیل ہے

مشرقی پاکستان میں ۵۴۲۰ ۵ مربع میل ہے، اور مغربی پاکستان میں ۳۰۶۸۶۰ مربع میل ہے،

پاکستان کی کل آبادی ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۷ کروڑ ۳۳ لاکھ بتائی گئی ہے، لیکن اس وقت ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۷ کروڑ ۶ لاکھ ۵ ہزار ۸۷ ہزار ہے، ہندوستان سے مہاجرین کی آمد کا سلسلہ جاری ہے، اور یہ آبادی برابر بڑھتی جا رہی ہے

پاکستان کی اس آبادی میں ہندو، عیسائی اور اچھوت بھی شامل ہیں، اور ان کا تناسب آبادی حسب ذیل ہے

مسلمان	۶ کروڑ ۹۴ لاکھ	۵۹ ہزار۔	ہندو	۳	۴۴ لاکھ	۹۴ ہزار
اچھوت	۵۴ لاکھ	۶۱ ہزار	عیسائی	۵	لاکھ	۴۱ ہزار
اور دوسرے غیر مسلم کی تعداد۔	۳	لاکھ	۶۶	ہزار ہے		

غیر ممالک کے باشندے پورے پاکستان میں ۲ لاکھ ۷ ہزار افراد ایسے ہیں، جو دوسرے مختلف ممالک کے باشندے ہیں جن کو حکومت کی طرف سے ہر قسم کی سہولت مہیا کی گئی ہے، یہ لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ اور باقی ملازمت کرتے ہیں

بندرگاہیں

پاکستان کے دو حصے ہیں، ایک مغربی پاکستان، اور دوسرا مشرقی پاکستان، دو نہایت مفید اور اہم بندرگاہیں ہیں، ایک شمال مغربی حصہ میں کراچی، اور دوسری شمال مشرقی حصے میں چٹاگانگ، کراچی غیر معمولی فوائد سے بھرپور ہے، بندرگاہ پر جہازوں کو لنگر انداز ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہے، چٹاگانگ کو دولت کی بندرگاہ کہتے ہیں، تقریباً ۳۰ لاکھ ٹن وزن کا سامان ہر سال درآمد برآمد کیا جاتا ہے، دنیا بھر کے جہاز ان دونوں بندرگاہوں پر آتے اور جاتے ہیں،

فضائی راستے

پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان فضائی راستہ موجود ہے، اور روزانہ جہازوں کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے، ملک میں کئی ہوائی اڈے ہیں، چنانچہ کراچی میں ایک ایسا ہے جہاں دنیا کے ہر حصہ سے روزانہ ہوائی جہازوں کی آمد و رفت رہتی ہے، اس کے علاوہ لاہور، راولپنڈی، پشاور اور حیدرآباد وغیرہ میں بھی ہوائی اڈے موجود ہیں،

زراعت

پاکستان کے تقریباً ۵ کروڑ ایکڑ کے علاقہ میں گیہوں، چنا، جو، جوار، مکئی، باجرہ اور چاول کی کاشت ہوتی ہے، پٹ سن کی پیداوار کا یہ عالم ہے، کہ دنیا کا کوئی ملک پاکستان کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے اسی طرح روئی بھی ہندوستان سے دگنی پیدا ہوتی ہے، جو کروڑوں ڈالر کی ہر سال باہر دیگر ممالک کو بھیجی جاتی ہے پانچ لاکھ پونڈ چائے ہر سال پیدا ہوتی ہے، جو اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد تقریباً ۳ کروڑ پونڈ باہر بھیجدی جاتی ہے

آب پاشی

پاکستان میں ذرائع آب پاشی کی اس قدر فراوانی ہے، کہ امریکہ کے سوا دنیا کے ہر ملک سے بازی لے جاسکتا ہے، چنانچہ مغربی پاکستان میں ۲۲ بڑی بڑی نہریں ہیں، پانی کی روانی اور تقسیم کے لئے مصنوعی آبشاریں تعمیر کی گئی ہیں، سکھر کا مشہور بند ایشیا کا سب سے بڑا بند ہے، جو ایک میل میں پھیلا ہوا ہے، اس بند سے تمام بڑی بڑی نہروں کو پانی ملتا ہے، اور تقریباً ۷۰ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے،

مشرقی پاکستان کو قدرت نے آب پاشی کی ضرورت سے بے نیاز کردیا ہے، اور بارش کی کثرت سے اس کے دریا ہر وقت پانی سے بھرے رہتے ہیں،

معدنیات

معدنیات کی پیداوار کے اعتبار سے پاکستان کا دامن بہت سی اہم اشیاء سے مالا مال ہے چنانچہ ماہرین فن جو کوشش کر رہے ہیں، ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ کوئلہ، گندھک، تیل، اینٹی لونی، جپسم، اور کرومائٹ وغیرہ چیزیں بہت بڑی مقدار میں نکلنے لگیں گی، اس کے علاوہ نمک بہت بڑی مقدار میں پیدا ہوتا ہے، اور معدنی کے علاوہ دریائی پانی سے بھی تیار کیا جاتا ہے،

صنعتی ترقی

پچھلے چند سال کی مدت میں پاکستان کی اہم ضروریات کے سامان مثلاً کپڑا، کاغذ، ادنی مصنوعات شکر، سیمنٹ، پٹ سن اور کیمیکل کی صنعتیں قائم کرنے کے بعد پاکستانی صنعتی ترقیاتی کارپوریشن

لے چند بڑے اور بنیادی منصوبے ہاتھ میں لئے ہیں، یہ منصوبے فولاد، لوہے اور طاقت (PA W E R) سے متعلق پاکستانی صنعتوں کی بنیادی ضروریات کے کفیل ہونگے، اس وقت پی آئی ڈی سی کے کارخانے پٹ سن کی چیزیں، کاغذ کی متعدد اقسام، اونی کپڑے، اونی کمبل، شکر، سوت اور بہت سی کیمیاوی مرکبات تیار کررہے ہیں کراچی میں جہاز سازی کا کارخانہ قائم ہے، جو عنقریب اپنا بنایا ہوا جہاز سمندر میں اتارنے والا ہے،

پنجاب اور ریاست چترال میں خام لوہے کے ذخائر دریافت ہوجانے سے اور بلوچستان میں قدرتی گیس کی برآمد سے صنعتی راستے کی بہت سی مشکلات دور ہوگئی ہیں،

سوئی گیس ٹرانسمیشن کمپنی کے نام سے ایک نئی کمپنی قائم کی گئی ہے، اور کراچی تک گیس پہنچائی جاچکی ہے اور شمالی علاقوں میں پاور اسٹیشن کی ترقی کا کام پی آئی ڈی نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، لوہے اور فولاد کی فیکٹری ملتان کے مقام پر قائم کی گئی ہے، جس کے پہلے حصے پائلٹ پلانٹ کی قوت کارکردگی پچاس ہزار ٹن ہے، اس منصوبہ کے پہلے حصہ پر نو کروڑ روپیہ کی لاگت آئی ہے، اس کارخانہ کی قوت رفتہ رفتہ بڑھائی جائے گی، جو ۳ لاکھ ٹن تک ہوگی، اس مکمل اسکیم پر چالیس کروڑ روپیہ خرچ ہوگا،

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے وقت لوہا حاصل کرنے کا تمام علاقہ اور لوہے و فولاد کے کارخانہ ہندوستان کے پاس چلے گئے، اور پاکستانی علاقے اس معاملہ میں بیرونی ملکوں کے محتاج ہو کر رہ گئے، جس کی وجہ سے تمام تعمیری پروگرام خطرے میں پڑ گئے، مگر قدرت نے مدد کی، کہ فولاد، کوئلہ اور گیس کی دریافت نہ صرف صنعتی ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کا باعث ہوئی، بلکہ ملک اپنی جملہ ضروریات کے پورا کرنے میں کسی کا محتاج نہیں رہے گا، مکرانی کوئلہ کی کانوں سے کوئلہ نکالنے کا کام شروع ہوچکا ہے، اور امید ہے، کہ ایک ہزار ٹن روزانہ کوئلہ نکلنے لگے گا

مہاجرین کی آبادکاری

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے آنے سے قبل ہی ہندوستان میں شدید فسادات شروع ہوگئے تھے، اور اقلیتی صوبوں سے مسلمان پریشان ہو کر پنجاب، سندھ اور بنگال کی طرف ہجرت کرنے لگے تھے، تقسیم کے بعد مہاجرین کا سلسلہ بہت بڑھ گیا، اور اس وقت پاکستان میں تناسب آبادی کے لحاظ سے تقریباً ایک کروڑ مہاجرین ہیں، جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہندوؤں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر پاکستان آگئے ہیں اور باوجود پاسپورٹ سسٹم اور پابندی کے مہاجرین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری ہے،

اتنے آدمیوں کی بحالی کوئی معمولی کام نہیں تھا، حکومت اور عوام نے اس کام میں پورا تعاون کیا، مہاجرین میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک زراعت پیشہ، اور دوسرے شہری باشندے، زراعت پیشہ کی تعداد ۷۰ فی صدی ہے جن کو زیادہ تر پنجاب اور سندھ میں آباد کیا جاچکا ہے، اور ان کو زرعی زمین الاٹ کی جاچکی ہے، چنانچہ زمین کی کمی کو پورا کرنے کے لئے لاکھوں ایکڑ زمین جو بنجر پڑی تھی قابل کاشت بنائی جاچکی ہے، کچھ لوگوں کو مشرقی پاکستان

میں آباد کیا گیا ہے، شہری باشندوں کو تمام بڑے بڑے شہروں میں مکانات الاٹ کئے گئے ہیں، اور ان کے لئے بہت سی نئی بستیاں بنائی گئی ہیں

غرض مہاجرین کی بحالی کے سلسلہ میں اب تک ۲۶ کروڑ روپیہ مرکزی حکومت خرچ کر چکی ہے، اور ۳ کروڑ کی امداد صوبائی حکومتوں کو مہاجرین کی بحالی کے لئے دے چکی ہے،

پورے پاکستان میں اب تک ۲۵ نئی بستیاں قائم کی جا چکی ہیں، جن میں مہاجرین آباد ہو چکے ہیں، کراچی میں مختلف مقامات پر لاکھوں کوارٹرز زیر تعمیر ہیں، جو عنقریب غیر آباد مہاجرین کو الاٹ کئے جائیں گے

دست کاروں کی آبادکاری

حکومت پاکستان دست کاروں کی یکجائی آبادکاری پر بھی کافی توجہ کر رہی ہے، اور اس مقصد کے لئے ۱۹۴۸ء میں مالیاتی کارپوریشن قائم کی جو ۳ کروڑ سے زائد روپیہ پر تجارتی بنیاد پر کام کر رہی ہے، اس کارپوریشن نے دست کاروں کو صنعتی علاقوں میں آباد کیا، اور ان کو قرضے دیئے، نیز خام اشیا سستے داموں فراہم کیں، غرض ۱۹۵۵ء کے اختتام تک کارپوریشن نے افراد، فرموں اور سوسائٹیوں کو ۱،۴۴،۳۹،۳،۰۰۰ روپے کے قرضے دیئے، غریب درزیوں اور بیواؤں کو قسطوں پر ۹۲۰ سے زیادہ سلائی کی مشینیں دیں، دستکاروں کے لئے بازار کی قیمت پر سوت، ریشم اور لوہا فراہم کیا، صنعتی مراکز قائم کئے، اور کالونیاں بنائیں، خاص کراچی میں ۲۰۵۶ مکانات تعمیر کئے،

مہاجر طلباء کو وظائف

غریب مہاجر طلباء کو مہاجر ٹیکس سے وظیفے دیئے کے لئے اب تک ۲۱،۵۰۷،۷۶۷ روپے مختلف صوبائی حکومتوں اور نظامتوں کے لئے منظور کئے گئے ہیں، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے

مشرقی بنگال ۴ لاکھ روپیہ، پنجاب ۸ لاکھ روپیہ، سندھ ۲ لاکھ روپیہ، صوبہ سرحد ۱۸،۹۹،۷ اور بلوچستان ۲،۳۰،۸۰۰ روپیہ، کراچی ۴ لاکھ روپیہ

مہاجرین کی بحالی اور امداد کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، حکومت اور عوام دونوں اس اہم مسئلہ پر پوری توجہ کر رہے ہیں

یادگاری ٹکٹ

پاکستان کے محکمہ ڈاک وتار نے آزادی کی یادگار میں کچھ یادگاری ٹکٹوں کا سلسلہ شروع کیا، چنانچہ پہلا مکمل سیٹ آزادی کی پہلی سالگرہ کے موقعہ پر ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو جاری کیا گیا، ان میں کئی قسمیں تھیں، اور ہر قسم پر علیحدہ علیحدہ ڈیزائن بنے ہوئے تھے، چنانچہ ایک آنہ، ایک پیسہ دو پیسے اور ۳ پیسے کے ٹکٹوں پر ترازو کا نشان تھا، جو اسلامی انصاف کا نشان ہے، اسی طرح کسی پر ہلال اور چاند تارہ، کسی پر سکھر بیریج کا فوٹو، اور کسی پر کراچی پورٹ ٹرسٹ کی تصویر بنی تھی، ۳-۵ آنہ اور ۱۰ آنہ کے ہوائی ٹکٹوں پر کراچی ہوائی اڈے اور ایڈمنسٹریٹر بلڈنگ کی تصویر بنائی گئی تھی، ۵ روپیہ کے ٹکٹوں پر ڈھاکہ یونیورسٹی کے سلیم اللہ

نوسٹل کی تصویر بنی تھی، ۱۵ اور ۲۰ روپیہ کے ٹکٹوں پر درہ خیبر کا فوٹو بنایا گیا تھا

اس کے بعد قائداعظم کی پہلی برسی پر جو ٹکٹ جاری کئے گئے، ان میں قائداعظم کا یوم پیدائش اور ان کا مشہور مقولہ ایمان، اتحاد اور تنظیم چھپا ہوا تھا، پاکستان کی چوتھی سالگرہ کے موقعہ پر جو ٹکٹ چھاپے گئے، ان پر پاکستانی آرٹ کے نمونے اور ہوائی جہاز کی تصویر تھی،

پاکستانی یادگاری ٹکٹوں کا سب سے آخری سیٹ ۱۴ اگست ۱۹۵۴ء کو جاری کیا گیا، ان میں سات قیمتوں کے ٹکٹ شامل تھے، جن پر تاریخی عمارتیں، قدرتی مناظر اور ملک کی زرعی پیدوار کے فوٹو تھے، چنانچہ ۲ پیسہ کے ٹکٹ پر وادی کاغان، ۳ پیسہ کے ٹکٹ پر گلگت میں صبح کا سماں، ایک آنہ کے ٹکٹ پر بادشاہی مسجد، ۲ آنہ کے ٹکٹ پر جہانگیر کا مقبرہ، ۱۴ آنہ کے ٹکٹ پر مشرقی پاکستان کا ایک باغ اور ایک روپیہ کے ٹکٹ پر کپاس کا پودا بنا تھا، ۲ روپے کے ٹکٹ پر پٹ سن کے ایک کھیت کی تصویر بنائی گئی ہے، یہ ٹکٹ پاکستان کے سکیورٹی پریس کراچی نے چھاپے تھے، اور ڈیزائن کا انتخاب محکمہ ڈاک وتار نے کیا تھا،

اس کے علاوہ ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ء کو بھی ٹکٹ جاری کئے گئے جو اس بات کی یادگار تھے، کہ پاکستان کی بلند ترین چوٹی جو دنیا کی دوسری بلند چوٹی ہے، اس کی تسخیر عمل میں آئی، ان ٹکٹوں پر اس بلند چوٹی کا فوٹو بنایا گیا ہے یہ سب ٹکٹ نہ صرف یادگاری ہیں، بلکہ اسلامی آرائشی آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں،

پاکستانی ریلوے پاکستان میں ریلوں کے دو سلسلے ہیں، مغربی پاکستان میں نارتھ ویسٹرن ریلوے اور مشرقی پاکستان میں ایسٹ بنگال ریلوے،

پاکستان میں ریلوے میں ۲ لاکھ سے زائد آدمی کام کرتے ہیں، اور یہ پاکستان کا سب سے بڑا صنعتی ادارہ ہے نارتھ ویسٹرن ریلوے کی لائن ۵۲۴۳۶۸۷ میل لمبی ہے، جس میں ۹۷، ۶۶، ۴۵ میل بڑی لائن ہے اور ۴، ۱۸۷، ۳ میل درمیانی لائن ہے، اور ۱۶، ۰، ۴۵ میل چھوٹی لائن ہے، دنیا میں یہ سب سے چوڑی پٹری رکھتی ہے جو ۵ فٹ ۶ انچ چوڑی ہے، اس میں ۷۴۰ اسٹیشن ہیں، اور ڈیڑھ لاکھ آدمی کام کرتے ہیں،

ایسٹ بنگال ریلوے لائن ۲،۵۰۰ ،۷ میل لمبی ہے جس میں بڑی اور چھوٹی دونوں لائنیں ہیں، ان لائنوں پر ۳۹۵ ریلوے اسٹیشن ہیں، اور ۵۵ ہزار سے زاید آدمی کام کرتے ہیں،

نئی ریلوے لائن بچھانے کا کام برابر جاری ہے، چنانچہ تقسیم ہند کے بعد سے اب تک ۵۶، ۹۷ میل لمبی لائنیں بچھائی جاچکی ہیں، جو مغربی و مشرقی دونوں حصوں میں ہیں،

تقسیم کے بعد سے دونوں ملکوں کے درمیان ریلوں کی آمد و رفت بند تھی، لیکن بین الملکی کانفرنس کے بعد امرتسر کی لائن پر ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء سے دوبارہ جاری ہوگئی ہے، ریل گاڑیوں کے چلانے کے لئے ڈیزل اور

بجلی کے انجن کام کرتے ہیں،

ریلوے کے کارنامے ریلوے نے اپنے عملہ کی بہبودی کے لئے کوئٹہ میں ۱۰۰ بستروں کا ٹی۔بی سنٹوریم بنایا ہے، جو جدید آلات سے آراستہ ہے، ایسا ہی ایک سنٹوریم چٹ گاؤں کے مقام پر بنایا جارہا ہے، اس کے علاوہ موجودہ ریلوے سپتالوں میں ایرکنڈیشنر وارڈ بھی بنائے گئے ہیں، مزید براں مشرقی و مغربی پاکستان میں متعدد مقامات پر بہبودی اطفال کے مراکز قائم کئے گئے ہیں، اور ریلوے ملازمین کے بچوں کی تعلیم کے لئے اسکول قائم ہیں،

رہنے کے لئے ایسٹ بنگال میں اب تک ۷۴۰۰ کوارٹر بنائے جا چکے ہیں، اور اسی طرح نارتھ ویسٹرن ریلوے کے حلقے میں ۴۲۳۹ کوارٹر نئے تعمیر ہوئے ہیں، بندرگاہ چٹ گاؤں کے حلقہ میں ۴۳۹ نئے کوارٹر بنائے گئے ہیں،

غرض اب تک کوارٹروں کی تعمیر، اسکول اور دوسرے مراکز پر ۶ کروڑ سے زائد روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے

پاکستان کے سیاسی و مذہبی راہ نُما

پچھلے اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں، کہ انگریزوں کے سو سالہ دورِ حکومت نے جہاں مسلمانوں کی سلطنت اور ان کی سیاسی شان و شوکت کو تباہ و برباد کیا، وہیں ان کی مذہبی تعلیم اور مخصوص اسلامی اخلاق و معاشرے کو بھی مٹانے کی سازشیں کی گئیں،

نتیجہ یہ ہوا، کہ مذہبی مدارس اور درسگاہیں بند ہونے لگیں، علماء جو مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی راہ نمائی کر رہے تھے، انگریزوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے لگے، کچھ ہجرت کر کے حجاز چلے گئے، اور کچھ نے قید و بند کی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دیں، علوم اسلامیہ اور دینی تعلیم کا شیرازہ کچھ اس طرح بکھرا کہ پھر آج تک مجتمع نہ ہو سکا،

غدر کے ۲۰ سال بعد تک مسلمان عام پریشانی، انتشار اور مایوسی کے دور سے گذرتے رہے، علوم دینی کی جگہ مغربی علوم نے لے لی، انگریزوں کی سرپرستی میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اسکول قائم ہونے لگے، چنانچہ اس دور کے مشہور سیاسی و تعلیمی راہ نما سر سید احمد خاں نے بھی ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو علی گڑھ میں کالج کی بنیاد رکھی، اور لارڈ لٹن وائسرائے ہند کے ہاتھ سے اس کا افتتاح کرایا،

ردِ عمل علمائے کرام جو گوشہ نشینی اور خاموشی کے عالم میں ملک کے سیاسی، اخلاقی اور تعلیمی حالات کا گہری نظروں سے مطالعہ کر رہے تھے، میدان میں آ گئے، اور عملی اقدامات کی تیاریاں شروع کر دیں مغربی علوم کی ترقی سے اسلامی معاشرے پر جو ضرب کاری لگ رہی تھی، اسے روکنے کے لئے مغربی تعلیم کی مخالفت کے ساتھ سر سید احمد خاں کی مذہبی و تعلیمی سرگرمیوں کا بھی جائزہ لیا، اور اس کے سقائم و نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا،

درحقیقت علمائے کرام مغربی تعلیم کے زیادہ مخالف نہیں تھے، اور نہ ہی انہوں نے اپنے کسی فتوی میں یہ لکھا، کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے، بلکہ ان کو سر سید احمد خاں سے زیادہ اختلاف تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ اپنی تصانیف میں اسلام کے خلاف مسائل اور عقائد کا اظہار کر رہے تھے، علمائے کرام کو اندیشہ تھا، کہ اگر ایسے شخص کے ہاتھوں تعلیمی اداروں کو فروغ حاصل ہوا، تو پھر اسکولوں اور کالجوں میں ان کے خیالات پھیلیں گے، اور اس طرح سیاسی تباہی کے ساتھ مذہبی عقائد و روایات کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، اور مسلم قوم کی موجودہ اور آئندہ

نسلیں اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گی، علمائے کرام جن کے لئے یہ صورت حال نقطہ ماسکہ بنی ہوئی تھی محسوس کر رہے تھے کہ صرف مخالفت سے کام نہیں چلے گا، بلکہ عملی قدم اٹھایا جائے، اور ملک میں مذہبی تبلیغ کے ساتھ علوم اسلامیہ کی بقا، وراس کی ترقی کے لئے کچھ درسگاہیں بھی قائم کی جائیں،

مولانا احمد علی محدث رح

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دہلی کے مشہور محدث مولانا شاہ محمد اسحاق کے شاگرد رشید، اور نامور محدث مولانا احمد علی سہارنپور میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے، مولانا محمد اسحاق، شاہ عبدالعزیز محدث کے نواسہ تھے، اور اپنے نانا شاہ عبدالعزیز اور ان کے والد مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سلسلہ حدیث کو آپ کی ذات سے بڑی تقویت پہنچی، اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی شاگردوں کا ایک وسیع سلسلہ قائم کر دیا، شاہ اسحاق صاحب ۱۲۵۶ھ میں مکہ معظمہ میں ہجرت فرما کر چلے گئے، اور پھر چند سال بعد ۱۲۶۲ھ میں وہیں انتقال فرمایا، اور شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے سلسلہ درس حدیث کو باقی رکھنے کی سعادت حضرت مولانا احمد علی صاحب کے حصہ میں آگئی،

علمائے کرام خصوصاً مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا ذوالفقار علی اور مولوی محمد علی واعظ الٰہی، مذہبی مدارس کے قیام کی ضرورت پر غور ہی کر رہے تھے کہ مولانا احمد علی محدث نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے، اپنی درس گاہ کے فارغ التحصیل اور نامور علمار کی ایک مختصر جماعت کو ملک کے مختلف گوشوں میں دورہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا،

پاکستانی علاقوں میں علمار کی جدوجہد

مولانا احمد علی صاحب محدث نے تبلیغ دین اور مذہبی تعلیم کی اہم خدمات کو انجام دینے کے لئے جس جماعت کو متعین کیا تھا اس کے اراکین میں مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا محمد علی واعظ، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا حسن الدین سلہٹی اور مولانا محمد علی مونگیری کے نام خاص طور پر مشہور ہیں، علما کے اس وفد نے اپنے قائد مولانا وصی احمد محدث سورتی کی قیادت میں ہندوستانی علاقوں کے علاوہ تقریباً ۳ ماہ تک بنگال اور پنجاب وغیرہ کا دورہ کیا، مشرق میں ڈھاکہ، سلہٹ، چاٹگام، نواکھالی، میمن سنگھ اور کشور گنج کے بعد مغرب میں ملتان، لاہور، سیالکوٹ اور پشاور بھی گئے،

ہر جگہ مغربی تعلیم کے نقائص سے مسلمانوں کو آگاہ کیا، اور مذہبی تعلیم کی ضرورت کو بیان کیا، ہر جگہ مسلمانوں نے علمار کی اس مخلصانہ اور خالص مذہبی کوششوں کو سراہا، اور ان کے مشوروں پر عمل کرنے کا یقین دلایا،

علمار کی اس جماعت کو ہندوستان اور پاکستان کے علاقوں میں جو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی اس

کا اندازہ ان خطوط سے کیا جا سکتا ہے، جو قائد وفد مولانا وصی احمد محدث سورتی نے اپنے پیر و مرشد مولینا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی اور مولوی خلیل الرحمٰن سہارنپوری کے نام تحریر کئے تھے جن میں لکھا تھا، کہ

"الحمد للہ ہر مقام پر کامیابی ہو رہی ہے، مغربی تہذیب کے اثرات ختم ہو رہے ہیں، دینی تعلیم کے سلسلہ میں ڈھاکہ، سلہٹ، اور چاٹگام میں کئی مکاتب اور مدارس کی بنیاد رکھ دی گئی ہے، لاہور، سیالکوٹ، ملتان اور پشاور میں مذہبی تعلیم کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔"

بنگال میں مولانا شاہ محمد عبدالحی صاحب اسلام آبادی اور پنجاب میں سادات گولڑہ شریف نے علماء کی جماعت کا بہت ساتھ دیا، اور ہر قسم کی مدد فرمائی۔

مولانا وصی احمد محدث سورتی راندیر ضلع سورت کے رہنے والے تھے، غدر کے بعد دہلی کے مدرسہ حسین بخش میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اور پھر مفتی لطف اللہ علی گڈھی سے فقہ پڑھی، آخر میں مولانا احمد علی محدث سے سہارنپور میں حدیث کی تکمیل کی، آپ کے ہم سبق علماء میں مولانا شبلی، مولانا محمد حسین آزاد، لاہوری، پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کے نام بہت مشہور ہیں،

حضرت محدث سورتی نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے پیلی بھیت میں ایک درس گاہ قائم کی، جس کا نام "مدرسۃ الحدیث" رکھا گیا، اور تقریباً ۱۴ سال تک اپنے استاد مولانا احمد علی محدث کے سلسلہ فیض حدیث کو پھیلاتے رہے، مولانا وصی احمد محدث سورتی نے ۱۹۱۶ء میں انتقال فرمایا،

دیوبند میں قاسم العلوم کا قیام

غرض کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں علماء نے مذہبی تعلیم و تبلیغ کا جال پھیلا دیا تھا، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے نامور شاگرد و خلیفہ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور ایک دوسرے عالم مولانا محمد یعقوب اور چند دوسرے علماء جو مذہبی مدارس کے قیام کی کوشش کر رہے تھے، اپنے خیال میں کامیاب ہوئے،

چنانچہ سب سے پہلے دیوبند ضلع سہارنپور میں قاسم العلوم کے نام سے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں ایک دارالعلوم قائم کیا، مولانا محمد قاسم نانوتوی پہلے سرپرست بنائے گئے، مولانا نانوتوی ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے تھے شاہ عبدالغنی سے حدیث پڑھی تھی، حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید اور خلیفہ تھے، مولانا گنگوہی آپ کے ہم سبق تھے ابطال تثلیث اور اثبات توحید میں آپ کی بحث بہت فاضلانہ ہوا کرتی تھی، افسوس ہے، کہ آپ نے زیادہ عمر نہیں پائی، اور ۱۲۹۷ھ میں وفات فرما گئے، مزار دیوبند میں ہے،

دارالعلوم دیوبند کے دوسرے سرپرست مولانا رشید احمد گنگوہی تھے، آپ زبردست عالم، خاموش اور حلیم الطبع بزرگ تھے، اور دارالعلوم میں درس حدیث بھی دیا کرتے تھے، آپ کے بعد تیسرے سرپرست

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی مقرر ہوئے، اس کے بعد چوتھی سرپرستی کا سہرا مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کے سر باندھا گیا، پانچویں سرپرست حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تھے، آج کل حضرت مولانا حسین احمد مدنی اس خدمت کو انجام دے رہے ہیں، مولانا انور شاہ صاحب، اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی خدمات سے دارالعلوم کو بہت بڑی تقویت پہنچی، مفتی محمد شفیع، مولانا محمد طاہر اور مولانا محمد طیب صاحب کے نام بھی مخلصانہ خدمات کے سلسلہ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے،

آج دارالعلوم کی اپنی ذاتی عمارت ہے، جو کئی لاکھ کے خرچ سے بنائی گئی ہے، بہت سے ہوسٹل ہیں، اور تقریباً ۴ سو حجرے ہیں، اور ڈھائی سو درس گاہیں ہیں، اور مطالعہ کے لئے ایک عظیم الشان کتب خانہ ہے، ہزاروں طلبا علم حاصل کرتے ہیں، فارغ التحصیل علما میں مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبد الحق مفسر تفسیر حقانی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی کفایت اللہ، مولانا مظہر الدین دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا تاجور نجیب آبادی کے نام اور خدمات بہت مشہور ہیں،

مشرقی و مغربی پاکستان میں دینی مدارس

مشرقی پاکستان میں مذہبی مدارس علمائے کرام کی کوششوں سے ہندوستان میں کئی مدارس قائم کیے گئے، چنانچہ قاسم العلوم مرادآباد، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ امینیہ دہلی اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے علاوہ پاکستانی علاقوں میں حسب ذیل مدارس اپنی خدمات کی بدولت خاص شہرت کے مالک ہیں۔

جامعہ اسلامیہ نواکھالی کا قدیمی مدرسہ ہے، اور اپنے ملک کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کا پیرو ہے، اور بہت اچھی خدمات انجام دے رہا ہے

معین الاسلام یہ مدرسہ ہٹ ہزاری، ضلع چاٹگام میں عرصہ سے علمی خدمات انجام دے رہا ہے اس کے پہلے بانی مولانا محمد سعید مرحوم تھے، جو مولانا محمود الحسن کے شاگرد تھے، آج کل مولانا عبدالوہاب صاحب اس کی نگرانی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

جامعہ امدادیہ یہ مدرسہ کشور گنج ضلع میمن سنگھ میں واقع ہے، اس مدرسہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے سرپرست مولانا اطہر علی صاحب ہیں، آپ عربی علوم کے فارغ التحصیل ہونے کے علاوہ علوم جدیدہ پر بھی عبور رکھتے ہیں، آپ نے عربی علم ہندوستان میں رہ کر حاصل کیا، علماء دیوبند کی صف اول میں شمار کئے جاتے ہیں، آپ کا مزید تذکرہ آئندہ سطور میں مطالعہ کیجئے۔

اشرف العلوم ڈھاکہ میں درس نظامی اور اسلامی تعلیم کا بہت کامیاب مدرسہ ہے، مولانا عبدالوہاب صاحب کی نگرانی اور سعی سے ڈھاکہ اور پورے مشرقی پاکستان میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے، دیوبند، سہارنپور اور دہلی کے فارغ التحصیل علماء درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں،

جامعہ قرآنی لال باغ (مشرقی پاکستان) میں ایک عرصہ سے حضرت مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری کی نگرانی میں قائم ہے، قرآن کریم کی تعلیم مع قرات کے علاوہ درس نظامیہ اور دیگر علوم اسلامیہ کے پڑھانے کا معقول انتظام ہے

دارالعلوم: میمن سنگھ کا قدیم مدرسہ ہے، علوم قدیم و جدید دونوں کے پڑھانے کا انتظام ہے۔

دارالافتار اور کتب خانہ بھی موجود ہے،

مفتاح العلوم نتروکونا ضلع میمن سنگھ میں مولانا منظور الحق صاحب ایم، ایل، اے کی نگرانی میں قرآن، حدیث اور فقہ وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، اس علاقہ کے مسلمانوں کی مذہبی ضروریات زیادہ تر اسی مدرسہ سے پوری ہوتی ہیں، مولانا منظور الحق صاحب روشن خیال، اور ایک مخلص کارکن ہیں

ان مذکورہ بالا مدارس کے علاوہ سلہٹ میں مدرسہ عالیہ بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور دینی تعلیم کی طرف خاص توجہ دیتا ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے مکاتب و مدارس تقریباً ہر شہر اور گاؤں کی مسجدوں میں موجود ہیں، جن کا تذکرہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے،

مغربی پاکستان میں مذہبی مدارس مشرقی پاکستان کی طرح مغربی پاکستان میں بھی دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے، ایک سو سے زاید مدارس کام کر رہے ہیں، جن میں جدید و قدیم دونوں شامل ہیں، دارالافتار اور کتب خانہ بھی اکثر مدارس میں موجود ہے بعض مدرسوں میں دارالمطالعہ بھی موجود ہے، جن میں نایاب سے نایاب کتب موجود ہیں، چند مشہور مدارس کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے،

مظہر العلوم کراچی بہت بڑا قدیمی اور مشہور مدرسہ ہے، مولانا محمد صادق صاحب، جو مولانا محمود الحسن صاحب کے شاگرد ہیں، اس کے بانی تھے، مرحوم نے قیام پاکستان سے بہت پہلے اس کی بنیاد اس وقت رکھی تھی، جب کہ کراچی میں کوئی دینی درس گاہ موجود نہیں تھی، ابتداً معمولی طریقہ سے کی گئی تھی آج بہت بڑی عمارت موجود ہے، مدرسہ کے وسط میں مسجد ہے، اور کئی درسگاہیں بنی ہوئی ہیں، درس نظامیہ اور دورہ حدیث کا خاص انتظام ہے، باہر کے بہت سے طلبا مدرسہ کے تعمیر کردہ حجروں میں رہتے ہیں مدرسہ کی طرف سے اکثر طلبار کو وظائف دیئے جاتے ہیں، قیام پاکستان سے قبل یہ مدرسہ کراچی اور سندھ کے مسلمانوں کی مذہبی ضروریات کو پورا کرنے کا واحد مرکز تھا، مولانا عبیداللہ سندھی کو مدرسہ کے قیام اور ترقی میں خاص دخل تھا، مولانا محمد صادق صاحب کے بعد آج کل اس کی سرپرستی مولانا فضل احمد صاحب فرما رہے ہیں،

دارالعلوم کراچی قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلا مدرسہ ہے، جو دارالعلوم کے نام سے کراچی میں ۱۱ر شوال ۱۳۷۰ھ میں قائم کیا گیا، دارالعلوم کے بانی اول شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی ہیں، آپ کی ساعی جمیلہ سے حکومت پاکستان کے ملیر کے قریب نو سے ایکڑ زمین دارالعلوم

کے لئے الاٹ کی جہاں لاکھوں روپیہ کے خرچ سے ایک وسیع وخوبصورت عمارت تعمیر کی جا رہی ہے، در حقیقت حضرت شیخ الاسلام کی سرپرستی اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی ان تھک کوششوں کا یہ نتیجہ ہے، کہ مسلمانان پاکستان کو ایک ایسی درسگاہ حاصل ہو سکی ہے، جو آئندہ اپنے مذہبی وسیاسی کارناموں کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کا ثانی کہی جا سکے گی، مفتی محمد شفیع صاحب باوجود ضعف پیری کے دارالعلوم کی نگرانی اور ترقی میں انتہائی مصروف رہتے ہیں، اس وقت دارالعلوم میں علوم اسلامیہ کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے تقریباً ۲۵ علماء درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، تین سو سے زائد طلبار تعلیم حاصل کر رہے ہیں اکثر طلبار کے قیام وطعام اور کتب کی ضروریات دارالعلوم کی طرف سے پوری کی جاتی ہیں

دارالعلوم کی طرف سے شہر میں عربی سکھانے کی غرض سے بہت سے مراکز قائم ہیں، اور ایک شعبہ تبلیغ بھی اصلاحی کام کر رہا ہے، دارالعلوم کے ناظم مولانا نور احمد صاحب ہیں، آپ مفتی صاحب کے داماد اور دیوبند کے فارغ التحصیل عالم ہیں، دارالعلوم کی تعمیر وتنظیم میں آپ کی کوششیں بہت نمایاں ہیں

دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار

یہ دارالعلوم تقسیم ہند کے بعد سنہ ۱۹۵۰ء میں قائم کیا گیا ہے، مولانا احتشام الحق تھانوی اس مدرسہ کے بانی اور سرپرست ہیں، درس نظامیہ کی تعلیم کا معقول انتظام ہے، دارالعلوم کی اپنی ذاتی عمارت ہے، اور کوشش کی جا رہی ہے کہ عمارت کی وسعت کے ساتھ تعلیمی نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جائے، دارالعلوم کی خوش قسمتی ہے کہ صدر مدرس کے فرائض مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی انجام دے رہے ہیں، مولانا عثمانی دیوبند کے فارغ التحصیل اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے بھانجہ ہیں

دارالعلوم کے بانی مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا قیام کراچی میں رہتا ہے، آپ کیرانہ کے رہنے والے، اور دیوبند کے فارغ التحصیل عالم ہیں، مذہبی وعلمی خدمات کے ساتھ عالمانہ تقاریر اور خصوصاً درس قرآن مجید کو عام مقبولیت حاصل ہے،

لاہور کے مذہبی مدارس

انجمن حزب الاحناف لاہور، قائم کردہ مولانا شاہ دیدار علی صاحب انجمن خدام الدین لاہور، قائم کردہ مولانا احمد علی صاحب، انجمن حمایت اسلام، لاہور، اور انجمن نعمانیہ ہند لاہور، یہ سب قدیم اور بہت کامیاب درسگاہیں ہیں، ان میں ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں مقامی اور بیرونی مسلمان علمی استفادہ کرتے ہیں، لاہور میں قیام پاکستان کے بعد ایک جدید مدرسہ "جامعہ اشرفیہ" کے نام سے قائم کیا گیا ہے، اس مدرسہ کی سرپرستی مولانا مفتی محمد حسن صاحب انجام دے رہے ہیں، باوجود کم عمری کے "جامعہ اشرفیہ" مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنتا جا رہا ہے،

مغربی پاکستان میں مذکورہ بالا مذہبی درس گاہوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مدارس کام کر رہے ہیں چنانچہ اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور میں دو درس گاہیں اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہیں، درس نظامیہ اور خاص طور پر صرف ونحو اور فقہ کی تعلیم کا بہت معقول انتظام ہے، یہ دونوں دار العلوم مولانا عبد الحق صاحب اور حضرت بادشاہ گل صاحب کی سرپرستی میں قائم ہیں،

ملتان میں "خیر المدارس" اور "قاسم العلوم" خیرپور میں "نور الہدیٰ" راولپنڈی میں "تعلیم القرآن" نیز میانوالی میں شاہ محمد حسین صاحب مفسر قرآن کی علمی سرگرمیاں قابل تحسین ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مدارس ہیں جن کا تذکرہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے،

پاکستان کی مذہبی جماعتیں

جمعیۃ علمائے اسلام

متحدہ ہندوستان میں اس جماعت کا قیام اس وقت عمل میں آیا، جب کہ مسلم لیگ اپنے واضح نصب العین "پاکستان" کے لئے زبردست جدوجہد کر رہی تھی ۱۹۴۰ء میں جب مسلم لیگ نے لاہور میں پاکستان کو اپنا واحد نصب العین قرار دیا، ہندو کانگریس اور انگریز دونوں نے پورے ملک میں شدید مخالفت کا اظہار کرنا شروع کر دیا، ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان جو مسلم لیگ اور قائداعظم کی ہر آواز پر لبیک کہہ رہے تھے، ان کا صرف ایک ہی نعرہ تھا یعنی "پاکستان"، علماء کرام ابھی تک مسلم لیگ سے الگ تھلگ تھے، انفرادی طور پر علماء، بدایوں میں سے مولانا عبدالحامد بدایونی اور فرنگی محل لکھنؤ سے مولانا جمال الدین، عبدالوہاب آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں بہت پیش پیش نظر آرہے تھے، علماء دیوبند جمعیۃ علماء ہند کے ساتھی اور دو قومی نظریہ کے مخالف اور کانگریس کے ہمنوا تھے،

حالات انتہائی نازک تھے، مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کی حامی تھی، آخر اس کشمکش کے نازک ترین دور میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت میں علماء کی ایک علیحدہ جماعت بنانے کا فیصلہ کیا، مولانا ظفر احمد انصاری نے پورے ہندوستان کا دورہ کر کے علماء و مشایخ سے تبادلہ خیال کیا، اور کلکتہ میں ہونے والی کانفرنس میں شریک ہونے کی دعوت دی، مولانا راغب احسن نے کانفرنس کے انتظامات کئے، محمد علی پارک میں ملک کے ہر گوشہ سے علمائے کرام کا ایک اجتماع عظیم ہوا، اور جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد رکھ دی گئی، پورے اجتماع نے بالاتفاق شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی کو صدر منتخب کیا، شیخ الاسلام جو اس جماعت کے بانی تھے، اچانک بیمار ہونے کی وجہ سے شریک اجلاس نہ ہو سکے، اور آپ کی طرف سے مولانا محمد متین خطیب نے نیابت کے فرائض انجام دیئے،

اس جماعت کے قیام سے مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کو بہت بڑی تقویت حاصل ہوئی، ملک کا گوشہ گوشہ پاکستان کے مطالبہ کی آواز سے گونج اٹھا، اور مسلم قوم سربکف جہاد آزادی کے میدان میں کود پڑی،

متحدہ ہندوستان میں جمعیت نے حصول پاکستان کے لئے ایک ہنگامی پروگرام بنایا، مختلف مقامات پر جلسے ہوئے، میرٹھ، لاہور، کانپور، بمبئی، مدراس اور پشاور کے اجلاس بڑی اہمیت رکھتے ہیں، پاکستانی صوبوں

سے علمائے کرام خصوصاً پیر ذکوری شریف، پیر جماعت علی شاہ، پیر صاحب سرسینہ شریف، پیر صاحب تونسہ شریف اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نہ صرف جلسوں میں شریک ہوئے، بلکہ جمعیت کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا، مسلمان ایک ایسے گوشہ عافیت کی تلاش میں سرگرداں تھے، جہاں قرآن وسنت کی روشنی میں اسلامی معاشرے کی تعمیر ہو، اور زندگی کے دو سو سالہ تاریک گوشے اسلامی اصولوں کی برقی قوتوں سے جگمگا اٹھیں، آخر وہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی، اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان وجود میں آگیا،

ہندو کانگریس اور انگریز کی سازش برابر جاری تھی، مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کے اضلاع مسلمانوں کی خواہش کے خلاف پاکستان سے کاٹ کر ہندوستان میں شامل کئے گئے، ہندوؤں کی طرف سے منظم حملے کئے گئے لاکھوں مسلمانوں کو ویران و برباد کیا گیا، اور ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کے خون کو پانی کی طرح بہایا گیا، اور اس طرح یہ بات واضح کردی گئی، کہ دنیا میں پاکستان ہی ایک ایسی مملکت ہے جس کی تعمیر لاکھوں مسلمانوں کی تباہی، بربادی، اور خون سے کی گئی ہے،

جمعیۃ علمائے اسلام کے صدر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے چند روز قبل کراچی تشریف لے آئے، اس کے بعد دوسرے اراکین مفتی محمد شفیع، مولانا محمد متین خطیب، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ بھی کراچی آگئے، اب جمعیۃ کے سامنے سب سے اہم کام صرف یہ تھا، کہ اسلامی دستور کو جلد سے جلد اسمبلی سے منظور کرایا جائے، تاکہ قوم سے کئے ہوئے وعدے پورے ہوسکیں، یہ کام جس قدر ضروری تھا، اسی قدر مشکل بھی تھا، علمائے کرام اور مسلم عوام کا دستوری مطالبہ برابر شدت اختیار کرتا جا رہا تھا، قائد ملت لیاقت علی خاں مرحوم نے علماء پاکستان سے اس سلسلہ میں اہم مشورے کئے، اور کافی غور و خوض کے بعد ایک "بنیادی دستوری خاکہ" "قرار داد مقاصد" کے نام سے ۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو اسمبلی میں پیش کردیا، پوری قوم نے اس قرار داد مقاصد کا خیر مقدم کرتے ہوئے یقین کرلیا، کہ جس ملک کی تعمیر میں عظیم الشان قربانیاں پیش کی گئی ہیں، اس کا دستور اسلامی ہوگا،

افسوس ہے، کہ شیخ الاسلام کی زندگی زیادہ وفا نہیں کرسکی، اور قرار داد مقاصد کے پیش ہونے سے چند ماہ پیشتر ماہ صفر ۱۳۶۹ھ میں اس دار فانی سے تشریف لے گئے، آپ کی یادگار میں دو چیزیں باقی ہیں، ایک دار العلوم کراچی، اور دوسری جمعیۃ علمائے اسلام جس کی صدارت کے فرائض مفتی محمد شفیع انجام دے رہے ہیں،

مرکزی جمعیۃ علمائے پاکستان قیام پاکستان کے بعد مولانا عبد الحامد بدایونی کی تحریک پر قائم کی گئی، جس کے پہلے سرپرست مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی، بی اے اور صدر مولانا عبد الحامد بدایونی منتخب کئے گئے، مسلمانوں میں مذہبی سیاسی اور تعلیمی شعور پیدا کرنا، تبلیغ و تحریک کے

ذریعہ قوم کو اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دینا، اور مسلمانوں کے شاندار ماضی کی یاد کو باقی رکھنے کے لئے ناموران اسلام کی پاکیزہ زندگی کو عوام کے سامنے پیش کرنا جماعت کے بنیادی مقاصد ہیں

قیام جمہوریہ اور اسلامی دستور کے سلسلہ میں جمعیتہ کی کوششیں بہت نمایاں ہیں دستوریہ کے ممبران، اور حکومت کے ذمہ دار اراکین کو دستور کے سلسلہ میں بہت سی یادداشتیں بھیجی گئیں، نیز ملک کی دوسری جماعتوں کے اتحاد و تعاون سے دستوری مطالبہ کو زیادہ سے زیادہ طاقت پہنچانے کی کوشش کی گئی،

جماعت اسلامی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اور ان کی جماعت کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے، اب سے ۱۸ برس پہلے متحدہ ہندوستان میں یہ جماعت عالم وجود میں آئی مگر ٹھوس علمی صلاحیتوں اور انوکھے انداز فکر کے ساتھ، جماعت اسلامی جس تحریک کو لے کر اٹھی ہے، وہ پچھلے ۱۸ سال میں ۲ مرحلوں سے گذر چکی ہے، اور اب تیسرے مرحلہ سے گذر رہی ہے، پہلا مرحلہ تبلیغ و دعوت کا تھا، جس کا سلسلہ تقریباً ۹ سال تک جاری رہا، دوسرا تنظیم و تربیت کا تھا، اس میں بھی ۶ سال صرف ہوئے، اب تیسرا مرحلہ کام کی توسیع اور عملی اقدام کا ہے، جسے شروع ہوئے ۳ سال ہو چکے ہیں،

جماعت اسلامی کا لٹریچر پڑھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ اس تحریک کا صرف ایک ہی مقصد ہے، اور وہ یہ ہے، کہ:۔

"انسانی زندگی کے پورے نظام کو اس کے تمام شعبوں، یعنی فکر و نظر، عقیدہ و خیال، مذہب و اخلاق، سیرت و کردار، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت، تمدن و معاشرت، معیشت و سیاست قانون و عدالت، صلح و جنگ اور بین الاقوامی تعلقات سمیت خدا کی بندگی اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت پر قائم کیا جائے"

جماعت اسلامی مذہب اور سیاست کو دو علیحدہ چیزیں نہیں سمجھتی، بلکہ اس کا خیال ہے، کہ سیاست مذہب سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے، جماعت کے نزدیک "غیر سیاسی مذہب" اسلام نہیں، بلکہ پادریوں اور راہبوں کا مذہب ہے،

جماعت اسلامی صرف دین حق کو قائم کرنا چاہتی ہے، اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسی کے غلبہ کو دیکھنا چاہتی ہے،

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی اپنے عزم و ارادہ کے لحاظ سے کوہ استقامت کی حیثیت رکھتے ہیں، عوام اور حکومت دونوں کی طرف سے جماعت کی مخالفت کی گئی، مگر مولانا اپنے مقصد وحید سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے، قید و بند کی تکالیف بھی برداشت کرنا پڑیں، موت کا حکم بھی سننا پڑا، جماعت کے راستہ

میں دشواریاں بھی حائل ہوئیں، مگر مولانا کے عزم میں کوئی فرق نہیں آیا، مولانا حیدرآباد میں پیدا ہوئے حصولِ تعلیم کے بعد کچھ عرصہ روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کے سب ایڈیٹر رہے، مگر اسلام کا درد، اور دینِ حق" کے قیام کا جذبہ کسی پابندی کو برداشت نہ کرسکا، اور مولانا "حکومت الٰہیہ کے قیام کا نعرہ لگاتے ہوئے میدانِ عمل میں کود پڑے، اسلامی لٹریچر کے گہرے مطالعہ کے بعد تالیف و تصنیف کے سلسلہ کو شروع کیا، اور اس کے بعد جماعت اسلامی کی بنیاد رکھ دی، اور دعوت و تبلیغ کے سلسلہ کو شروع کردیا،

جماعت اسلامی ملک کی انتہائی منظم، ٹھوس اور خاموش جماعت ہے، پورے پاکستان میں ہر جگہ اس کی شاخیں قائم ہیں، صدر دفتر لاہور میں ہے،

جماعت کی طرف سے بہت سے مقامات پر دار المطالعے، شفاخانے اور مکتبے قائم ہیں، بعض مقامات پر تربیت گاہیں قائم ہیں، جہاں جماعت کے افراد کو نظم و ضبط سے کام کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے، تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، بہت سی کتب شائع ہوچکی ہیں

مولانا مودودی کے علاوہ جماعت کے پاس کئی ایسے لکھنے والے موجود ہیں جن کی تالیفات کو تعمیری لٹریچر میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے، خاص کر مولانا امین احسن اصلاحی، نصر اللہ خاں عزیز، مولانا ماہر القادری مولانا نعیم صدیقی، اور پروفیسر ضیا احمد بدایونی کے نام بہت مشہور ہیں،

نظام اسلام پارٹی

مشرقی پاکستان کی ہر دلعزیز جماعت ہے، دستور اسلامی کے مطالبہ کے سلسلہ میں یہ جماعت عالم وجود میں آئی، اور قرآن و سنت کے مطابق نظام حکومت قائم کرنے کے لئے اس کی جدوجہد کا سلسلہ اب تک قائم ہے، مولانا اطہر علی صاحب جو مذہبی تعلیم اور اسلامی آئین رائج کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کرچکے ہیں، اس جماعت کے صدر اور بانی کی حیثیت سے ملک و ملت کی مخلصانہ خدمات انجام دے رہے ہیں، مولانا اطہر علی ضلع سلہٹ کے رہنے والے ہیں، مذہبی تعلیم دہلی، مرادآباد، رام پور اور دیوبند میں حاصل کی، آپ مولانا اشرف علی صاحب کے مرید اور خلیفہ بھی ہیں، مولانا ہمیشہ سیاست سے علیحدہ رہے، مگر پاکستان اور اسلامی دستور کی جدوجہد میں پوری دلچسپی سے شریک ہوئے،

اسلامی دستور کو منظور کرانے میں مولانا اور ان کی جماعت کی مساعی ہمیشہ یادگار رہیں گی، مولانا زبردست عالم، متقی اور خداترس بزرگ ہیں، پورے مشرقی پاکستان میں آپ کے مریدوں کا جال پھیلا ہوا ہے، آج کل آپ قومی اسمبلی کے ممبر ہیں، اور قومی خدمات کو بڑی تقویت پہنچا رہے ہیں، کشور گنج میں جامع امدادیہ آپ کی سرپرستی میں قائم ہے، اور مذہبی علوم کو فروغ دینے میں اس کی کوششیں بے مثل ہیں،

نظام اسلام پارٹی کی شاخیں مغربی پاکستان اور کراچی میں بھی قائم ہیں، اور مذہبی وسیاسی طور پر مفید خدمات انجام دیتی رہتی ہیں،

تبلیغی جماعت

اس جماعت کے مؤسس مولانا محمد الیاس صاحب ہیں، آپ نے اس جماعت کو قائم کر کے خالص دینی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز کیا، آل تیمور کی غلط سیاست سے دین اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا، اس کی اصلاح شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کو قدرت کی طرف سے تفویض ہوئی، مولانا محمد الیاس صاحب نے اس سلسلہ کو قائم رکھا، اور دعوت و تبلیغ سے ہندوستان کے مسلمانوں کو زبردست دینی فائدہ پہنچایا، مولانا کی دعوت میوات سے شروع ہوئی، تمام ہندوستان میں پھیلی، اور عرب کی سرزمین کو بھی مستفیض کیا،

ہندوستان و پاکستان میں آج تک یہ سلسلہ قائم ہے، ہر جگہ اس جماعت کی شاخیں کام میں مصروف ہیں جماعت کا ابتدائی کام کلمہ طیبہ کی اصلاح اور فرائض کی ادائیگی سے شروع ہوتا ہے، مولانا ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام اختر الیاس ہے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں ۱۰ برس رہے اور حدیث کی تکمیل کی، ۱۳۳۳ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس رہے، آپ نے چار حج کئے، تبلیغ کی تاکید سرکار دوعالم کی طرف سے کی گئی تھی، چوتھا حج ۱۳۵۶ھ میں کیا، ولادت کاندھلہ میں ہوئی، مگر سکونت نظام الدین دہلی میں اختیار فرمائی تھی، والد صاحب کا نام مولانا محمد اسماعیل تھا، مولانا محمد الیاس صاحب نے ۱۳ر جولائی ۱۹۴۴ء کو جمعرات کے دن انتقال فرمایا،

پاکستان کی سیاسی جماعتیں

مسلم لیگ

متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی، جو ہندو کانگریس کی خود غرضانہ سیاست کو محسوس کرتے ہوئے عالم وجود میں آئی، مسلم لیگ کا سنگ بنیاد نواب وقار الملک اور نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکہ کی متفقہ کوششوں سے ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میں رکھا گیا،

ایک عرصہ تک مسلم لیگ نوابوں، راجاؤں اور خطاب یافتہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہی، اور اس عرصہ میں وہ مقاصد حاصل نہ ہو سکے جس کی مسلمانوں کو ضرورت تھی، مسلمان ۱۹۳۰ء تک اپنے لئے کوئی تعمیری راہ نہ سوچ سکے، لیکن ۱۹۳۱ء میں مسلم لیگ کی صدارت اور مسلمانوں کی عنان قیادت جب ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے ہاتھ میں آئی، تو آپ نے مسلم سیاست کو مغربی زنجیروں سے آزاد کرتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں آزاد مسلم حکومت کے قیام کا مشورہ دیا،

۱۹۳۷ء تک علامہ اقبال مرحوم کی تجویز "تصورات پاکستان" کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی، اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی، کہ انگریز اور ہندو دونوں نے مسلمانوں کو اپنی ریشہ دوانیوں اور سیاسی چال بازیوں سے ذہنی طور پر مفلوج بنا رکھا تھا، اور مسلمان متحدہ قومیت کے جال میں پھنس کر اپنی تنظیم بھلا بیٹھے تھے، مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ اور مسلم قوم کی عظیم جدوجہد کا زمانہ ۱۹۳۷ء سے شروع ہوتا ہے، جب کہ لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں مسلمانوں نے بالاتفاق مسلم لیگ کی عنان اختیار قائداعظم محمد علی جناح کے حوالے کر دی،

درحقیقت لکھنؤ کا اجلاس ایک ایسا نعرہ انقلاب تھا جس نے مسلم سیاست کے منجمد سمندر میں طوفانی لہریں پیدا کر دیں، مسلمان انگڑائیاں لیتا ہوا اٹھا، اور اسلام کے زیر سایہ آزاد مسلم حکومت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی،

یہی وہ اجلاس تھا جس میں مسلم لیگ کو عوامی حیثیت دی گئی، فیس ممبری صرف ۲ آنہ سالانہ رکھی گئی، اور اس کا نصب العین آزادی کامل قرار دیا گیا، سر سکندر حیات خاں، اور مولوی فضل الحق اسی اجلاس میں مع اپنی پارٹی کے لیگ میں داخل ہوئے، قائداعظم نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندو کانگریس اور ہندو اکثریت کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا،

"کانگریس سے مسلمانوں کو نکالنے کی ذمہ داری کانگریس کے موجودہ لیڈروں پر ہے، کانگریس ہندو اکثریت

کے صوبوں میں لیگ سے کوئی اشتراک نہیں کر رہی ہے، اور اس نے اپنے عمل سے واضح کر دیا ہے، کہ مسلمانوں کو حق و انصاف کے خیال کو بالائے طاق رکھ دینا چاہیئے، ہندی کو ہندوستان کی قومی زبان، بندے ماترم کو قومی ترانہ قرار دینے ہوئے اچھی طرح جتا دیا ہے، کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کا ہے، اب مسلم لیگ میدان عمل میں آگئی ہے، میری خواہش ہے، کہ مسلمان اپنی قسمت کے فیصلہ کے لئے موزون پالیسی مرتب کریں، اور جو مسلمان کانگریس کی حمایت میں یہ اعلان کر رہے ہیں، کہ مسلمانوں کو بلا شرط کانگریس میں شامل ہو جانا چاہیئے وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں، اگر مسلمان اس فریب میں آگئے، تو ان کی قومی ہستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی،

مسلم لیگ کا یہ پہلا اجلاس تھا، جو کانگریس کے برسر اقتدار آنے کے بعد منعقد ہوا تھا، اس اجلاس میں مسلم لیگ نے بہت اہم تجاویز منظور کیں، جن کی تائید و تحریک میں مولانا اکرم خاں، مولوی بدر الدجی، کلکتہ، مولانا حسرت موہانی، چودھری خلیق الزمان، مسٹر حسین امام، بہار، مسٹر چندریگر، بمبئی، مسٹر عبد الرحمن صدیقی، بنگال، سید مرتضی بہادر مدراس، مسٹر غیاث الدین پنجاب، مولانا مظہر الدین، دہلی، مولانا ظفر علی خاں، لاہور، مولانا عبد الحامد بدایونی، راجہ امیر احمد خاں، آف محمود آباد وغیرہ نے نہایت پرجوش تقریریں کیں،

کانگریس کے دور حکومت کے تلخ تجربات کے بعد مسٹر جناح کی آنکھیں کھل گئی تھیں، اور اب وہ سوچ رہے تھے، کہ مسلمانوں کا سیاسی مستقبل کیا ہو گا؟ وفاق یا پاکستان؟ قائد اعظم نے اس سلسلہ میں علامہ اقبال سے بھی خط و کتابت کی، اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے، کہ نسلی، مذہبی اور لسانی اعتبار سے ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئے تاکہ مسلمانوں کا قومی وجود محفوظ رہ سکے،

۲۲ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ لاہور میں منعقد ہوا، قائد اعظم اور مسلم زعماء نے بڑے غور و خوض کے بعد تجویز پاکستان منظور کی، درحقیقت یہاں سے ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست کا چوتھا دور شروع ہوتا ہے، جو ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء پر ختم ہوتا ہے، تجویز پاکستان کی منظوری کے بعد مسلمانوں میں ایسی بیداری پیدا ہوئی، کہ مسلم لیگ کے شدید مخالف بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ مجلس احرار نے حکومت الٰہیہ اور جمعیۃ علمائے ہند نے مسلم صوبجات میں مکمل خود اختیاری کی تجاویز منظور کیں، کانگریسی مسلمانوں کا آزاد مسلم بورڈ حرف غلط کی طرح مٹ گیا، اور مسلم پارلیمنٹری بورڈ کو جو ہندو سرمایہ کی مدد سے قائم کیا گیا تھا، ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں بری طرح شکست کھانا پڑی

ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی سیاسی جدوجہد کے چوتھے دور میں سخت آزمائشوں سے گذرنا پڑا، مطالبہ پاکستان نے ہندو دنیا میں قیامت صغریٰ برپا کر دی، کانگریس میں صف ماتم بچھ گئی، اور ہندو پریس میں جھکڑ چ

گیا، ہندو بادشاہت کی آس ٹوٹتی نظر آرہی تھی، اور کانگریسی لیڈر حواس باختہ ہو رہے تھے، ہندو بوکھلائے ہوئے مسلمانوں پر خار کھائے ہوئے، پورے ہندوستان میں دہشت انگیزی اور قتل وغارت گری پر اتر آئے منظم سازشوں کے تحت جگہ جگہ حملے شروع کر دیے، چنانچہ بمبئی، کلکتہ، نواکھالی، بہار، دہلی، پنجاب، گڑھ مکیشر، پلی بھیت اور کانپور میں مسلمانوں پر شدید حملے کئے گئے، اور قتل عام کی اس قیامت خیز مہم میں مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر وحشیانہ مظالم کے وہ پہاڑ توڑے گئے، کہ تاریخ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے ہمیشہ قاصر رہے گی،

۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو لارڈ ویول کے بجائے ہندوستان کے نئے اور آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اور ہندوستان کے تمام ہندو مسلم لیڈروں سے ملاقات کا سلسلہ شروع کیا، اور ان سب کے نقطہ نظر سے واقف ہونے کے بعد برطانیہ کی طرف سے اعلان کر دیا گیا، کہ جون ۱۹۴۷ء تک برطانیہ ہندوستان سے اپنی حکومت اٹھالے گا،

۲ جون ۱۹۴۷ء کو ہندوستان بھر کے سیاسی راہ نماؤں کی ایک میٹنگ ہوئی، اور ۳ جون کو مسلم لیگ، کانگریس اور سکھوں کے لیڈروں نے وائسرائے سے ملاقات کی، اور پھر اسی دن شام کو قائداعظم مسٹر نہرو اور بلدیو سنگھ نے آل انڈیا ریڈیو سے ان تجاویز کو پیش کیا جو منظور کی گئی تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) ہندوستان، بنگال، پنجاب اور آسام کی تقسیم عمل میں لائی جائے گی،

(۲) ہندوستان اور پاکستان کی مجالس قانون ساز علیحدہ علیحدہ ہونگی،

(۳) یہ دونوں ملک خود فیصلہ کریں گے، کہ وہ دولت مشترکہ برطانیہ میں شامل ہوں، یا الگ رہیں،

(۴) تقسیم سے متعلق ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا، جو یہ فیصلہ کرے گا، کہ کون سے علاقے اور ضلعے ہندوستان میں شامل کئے جائیں گے، اور کون سے پاکستان میں،

(۵) شمال مغربی سرحدی صوبے میں استصواب کیا جائے گا، تاکہ یہ معلوم ہو سکے، کہ وہ کس طرف شامل ہونا چاہتے ہیں،

(۶) واجبات اور اثاثے دونوں ملکوں کے مشورہ سے تقسیم کئے جائیں گے،

(۷) ریاستوں کو اختیار ہوگا خواہ کسی کے ساتھ شامل ہوں یا آزاد رہیں،

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے اپنی تقریر نشر کرتے ہوئے فرمایا، تجاویز آپ معلوم کر چکے ہیں، اب ہماری کوشش یہ ہونا چاہیے، کہ انتقال اختیارات پر امن طور پر پایۂ تکمیل کو پہنچیں، آپ نے خاص طور پر مسلمانوں سے

اپیل کی، کہ وہ ضبط و نظم کو نظر انداز نہ ہونے دیں، خدا اس نازک مرحلے پر ہمیں ہمت عطا کرے، کہ ہم اپنے فرائض پورے طور پر انجام دے سکیں، آپ نے مسلمانانِ سرحد سے فرمایا مجھے آپ کی انمول قربانیوں کا پورا پورا احساس ہے، میں امید کرتا ہوں، کہ رائے شماری کے امتحان میں آپ کامیاب ہونگے، پاکستان زندہ باد!

۱۰ ر جولائی ۱۹۴۷ء کو برطانیہ کے دارالعلوم میں آزادی ہند کا مسودہ قانون پیش ہوا، جس کو ۱۶ ر جولائی ۱۹۴۷ء کو دارالامرا نے منظور کر لیا، اور ۱۸ ر جولائی کو یہ قانون برٹش پارلیمنٹ کا ایکٹ بن گیا،

سرحد اور سلہٹ نے رائے شماری کے مطابق پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا، ۱۴ ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان شاہد آزادی سے ہم آغوش ہوا، اور ۱۵ ر اگست ۱۹۴۷ء کو اختیارات کی باگ ہندوستان کے ہاتھ میں بھی دے دی گئی،

سکھوں اور ہندوؤں کے بے پناہ مظالم

۱۸ ر اگست ۱۹۴۷ء کے بعد سکھوں اور ہندوؤں نے منظم سازش کے تحت مشرقی پنجاب کے شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں مسلمانوں پر قیامت ڈھانا شروع کر دی، ہر طرف آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، اور زمین خون مسلم کی ارزانی سے رنگین ہونے لگی

قتل عام کی یہ مہم ایسی ہمہ گیر اور منظم تھی، کہ مردوں، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، بیماروں اور اپاہجوں تک کو بلا امتیاز تہ تیغ کیا گیا، عورتوں کو اپنی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بنایا گیا، معصوم بچوں کو ماؤں کی گود میں قتل کیا گیا، اور پھر ان کی لاشوں کو نیزوں پر لٹکا کر "پاکستانی جھنڈا" کہہ کر بلند کیا گیا، بھڑکتی ہوئی آگ میں ہزاروں بچوں اور جوانوں کو پھینک دیا گیا، ریلوں کو روک روک کر مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ سرحدی فوج نے بھی اپنی رائفلوں کی آگ سے مسلمانوں کے بھوننے میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی، بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ بھوکے بھیڑیوں کا غول بکریوں کے گلہ میں گھس آیا ہے،

۲۶ ر اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان ریڈیو نے اعلان کیا، کہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کو سات، آٹھ روز ہو چکے ہیں، اور سکھوں کی قاتلانہ مہم بیت زوروں پر ہے، ہندو پریس اور ہندو حکومت خاموش تھی، بعض بیرونی اخبارات میں قتل عام کی خبریں شائع ہوئیں، تو مسٹر نہرو غیر ملکی نامہ نگاروں پر برس پڑے،

آخر ۲۹ ر اگست ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم گورنر جنرل پاکستان اور ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل ہندوستان کے درمیان لاہور میں ایک کانفرنس ہوئی، اور یہ بات طے پائی، کہ اضلاع امرتسر، گورداسپور اور جالندھر ڈویژن یعنی فیروز پور، لدھیانہ، جالندھر، ہوشیار پور اور کانگڑہ وغیرہ کی بچی کھچی مسلم آبادی کو پاکستان کی طرف منتقل کر دیا جائے، اور مغربی پنجاب کے اضلاع سے ہندوؤں اور سکھوں کو ہندوستان کو بھیج دیا جائے،

اس کانفرنس کے بعد خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان نے مسٹر نہرو کے ساتھ مشرقی پنجاب کا دورہ کیا، اور فساد زدہ علاقوں میں تشریف لے گئے، بہت سی جگہ خوف زدہ مسلمان مرد، عورت اور بچے روتے تڑپتے اور زخموں سے چور سسکیاں بھرتے اپنے لیاقت کے گرد جمع ہو جاتے جن کو تسلی دیتے ہوئے پاکستان کی طرف روانہ کر دیا جاتا،

یاد رکھنا چاہیے، کہ مشرقی پنجاب میں دس لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے پاکستان کی خاطر جام شہادت نوش کیا، اور ساٹھ ہزار سے زاید عورتیں اغوا کی گئیں ـــــ اور اس طرح دنیا کی یہ سب سے بڑی اسلامی مملکت کا ایوان عالی شان لاکھوں مسلمانوں کی لاشوں پر تعمیر کیا گیا،

قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم نے چودھری خلیق الزمان کو مسلم لیگ کا صدر نامزد کیا، کچھ دنوں کے بعد اس کی صدارت کے لئے لیاقت علی خاں مرحوم کا انتخاب کیا گیا، اس کے بعد تو یہ دستور ہو گیا، کہ جو بھی وزیر اعظم ہوا، وہ لیگ کا صدر بھی بنا، چنانچہ خواجہ ناظم الدین کے بعد محمد علی بوگرہ اور ان کے بعد چودھری محمد علی صدر ہوئے، اب مسلم لیگ میں وہ جوش و خروش باقی نہیں رہا تھا جو تقسیم سے قبل موجود تھا، شاید اس کی وجہ یہ ہو گی، کہ منزل مقصود پر پہنچ کر لوگ اتنے تھک گئے تھے، کہ اب انہیں مسلسل آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، ۸ سال مسلسل تعطل اور جمود نے مسلم لیگ کو شکست خوردہ اور زوال پذیر جماعت میں تبدیل کر دیا،

اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ملک میں عام سیاسی انتشار کے ساتھ ساتھ بہت سی نئی نئی جماعتیں بنیں، اور مسلم لیگ و قائد اعظم کے مسلمہ اصولوں کو توڑا گیا، آخر چودھری محمد علی نے اس صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اپریل ۱۹۵۶ء میں کرسی صدارت کو سردار عبد الرب نشتر کے لئے خالی کر دیا، اور اس طرح وزارت عظمیٰ کے ساتھ لیگ کی صدارت وابستہ رہنے کی پرانی رسم کا خاتمہ ہو گیا،

سردار عبد الرب نشتر پرانے لیگی لیڈر ہیں، جن کو عرصہ تک قائد اعظم اور قائد ملت لیاقت علی خاں کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا ہے، قیام پاکستان میں سردار صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں،

پاکستان میں مسلم لیگی لیڈروں میں مسٹر ایم اے کھوڑو، میر غلام علی تالپور، پیر علی محمد راشدی، خان افتخار حسین خاں ممدوٹ، چودھری محمد حسین چٹھہ، میاں جعفر شاہ، خان جلال الدین خاں، اور سردار بہادر خاں کے نام قابل ذکر ہیں،

عوامی لیگ

پاکستان میں مسلم لیگ کے مقابلہ پر حزب مخالف کے لیڈروں نے ۱۹۴۹ء میں قائم کی، اس جماعت کے بانیوں میں مسٹر حسین شہید سہروردی اور مولانا عبد الحمید بھاشانی کے نام بہت مشہور ہیں، شروع میں یہ جماعت جناح عوامی لیگ کے نام سے قائم کی گئی تھی، مگر اب صرف

عوامی لیگ کا نام رہ گیا ہے،

مسٹر سہروردی کسی زمانہ میں متحدہ بنگال کی صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے، اور تقسیم سے قبل ان کا شمار بنگال کے ممتاز مسلم لیگی لیڈروں میں ہوتا تھا، قیام پاکستان سے کچھ ہی قبل مسلم لیگ کی پالیسی سے اختلاف کی بنا پر قائد اعظم نے آپ کو لیگ سے خارج کر دیا تھا، یہی وجہ ہے، کہ قیام پاکستان کی جدوجہد میں آپ کا نام کہیں بھی نظر نہیں آتا ہے،

تقسیم سے ایک سال بعد آپ کلکتہ سے پاکستان آئے، اور لاہور میں وکالت شروع کی، آہستہ آہستہ ملک کی سیاست میں داخل ہوئے، اور آج پاکستان میں چوٹی کے لیڈر مانے جاتے ہیں،

عوامی لیگ پاکستان میں منظم سیاسی جماعت ہے، مشرقی و مغربی پاکستان کے اچھے اچھے لیڈر اس جماعت میں شامل ہیں، شروع سے عوامی لیگ کی کوشش رہی ہے، کہ وہ برسر اقتدار آئے، لیکن متحدہ محاذ اور مسلم لیگ کی وجہ سے یہ آرزو ابھی تک پوری نہیں ہو سکی ہے، دستور ساز اسمبلی میں عوامی لیگ حزب مخالف کی حیثیت سے کام کر رہی تھی، اس کے لیڈر مسٹر سہروردی تھے، ۲۰ ردسمبر ۱۹۵۴ء کو مسٹر سہروردی مرکزی کابینہ میں شامل کئے گئے، اور وزارت قانون کا قلمدان آپ کے سپرد کیا گیا، یہ منصب کچھ زیادہ دن تک آپ کے پاس نہیں رہ سکا، وجوہات کچھ بھی ہوں، مگر اتنا ضرور ہے، کہ دستور کے سلسلہ میں آپ کچھ کام نہیں کر سکے، آخر یہ عہدہ مسٹر چندریگر کے حوالہ کیا گیا جن کی کوشش و محنت سے ۲۹ رفروری ۱۹۵۶ء کو اسلامی دستور کی منظوری عمل میں آئی،

عوامی لیگ کے لیڈروں میں شیخ مجیب الرحمٰن، مسٹر عطاء الرحمٰن، مسٹر ابو المنصور احمد جو دستوریہ کے ممبر بھی ہیں، ان کے نام بہت مشہور ہیں،

دستور اسلامی کی منظوری کے وقت عوامی لیگ کے ممبر اپنے لیڈر مسٹر سہروردی کے ساتھ مخالف بنچوں پر بیٹھے تھے، ہم نہیں کہہ سکتے، کہ اسلامی دستور کی بعض اہم دفعات کی مخالفت اس جماعت کی طرف سے کیوں کی جا رہی تھی، اور اس کا مقصد کیا تھا، بہرحال مخالفت کا سلسلہ آخر تک قائم رہا، بولنے والوں میں مسٹر سہروردی کے علاوہ مسٹر ابو المنصور کی آواز اکثر بلند ہوتی رہتی تھی، مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کے صدر مولانا عبد الحمید بھاشانی اور سیکرٹری محمد عثمانی ہیں،

مغربی پاکستان کی صدارت کے فرائض مسٹر سہروردی انجام دے رہے ہیں، اور سیکرٹری مسٹر محمود الحق عثمانی ہیں، مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کے سرگرم کارکن پیر صاحب مانکی شریف بہت مشہور و معروف ہیں،

متحدہ محاذ اور دیگر جماعتیں

پاکستان کی سیاسی جماعتوں میں متحدہ محاذ بھی منظم اور مضبوط جماعت ہے، مولوی فضل الحق اس جماعت کے بانی اور لیڈر ہیں، مشرقی پاکستان میں ۱۹۵۳ء میں کئی چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو ملا کر یہ جماعت بنائی گئی ہے، مشرقی پاکستان کے الیکشن میں متحدہ محاذ اور مسلم لیگ سے سخت مقابلہ ہوا، مگر متحدہ محاذ کے مقابلہ پر مسلم لیگ کامیاب نہ ہو سکی،

متحدہ محاذ میں شامل ہونے والی جماعتوں میں سب سے زیادہ طاقتور دو جماعتیں تھیں، ایک مولوی فضل الحق کی کرشک سرامک پارٹی اور دوسری نظام اسلام پارٹی، ۱۹۵۴ء میں مولوی فضل الحق دو انتخابی حلقوں سے مشرقی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے، اور پھر متحدہ محاذ کے لیڈر چن لئے گئے،

مشرقی پاکستان میں ۱۲؍اپریل ۱۹۵۴ء کو متحدہ محاذ نے اپنی وزارت بنائی، مولوی فضل الحق وزیر اعظم ہوئے، مگر یہ وزارت بہت جلد ۲۹؍مئی ۱۹۵۴ء کو برطرف کر دی گئی، ۱۹۵۵ء میں آپ کو دستور ساز یہ کا ممبر اور وزیر داخلہ مقرر کیا گیا،

مولوی فضل الحق مسلم لیگ کے چوٹی کے لیڈر رہے، ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان آپ ہی نے لاہور کے اجلاس میں پیش کی تھی،

متحدہ محاذ کے لیڈروں اور کارکنوں میں مسٹر حمید الحق چودھری، مسٹر محمود علی، مولانا عبدالوہاب خاں اسپیکر قومی اسمبلی اور چودھری یوسف علی کے نام بہت مشہور ہیں

اسلامی آئین کی منظوری

اس سے قبل آپ پڑھ چکے ہیں، کہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۴ء کو گورنر جنرل مسٹر غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا تھا، اور ان کے اس جراءت مندانہ اقدام کی وجہ سے نہ صرف ۷ سالہ جمود و تعطل کا خاتمہ ہوا، بلکہ ملک جن گہری سازشوں کا شکار ہو رہا تھا، اس سے بھی بچ گیا، دستور یہ توڑنے کے بعد محمد علی بوگرہ جو امریکہ میں سفیر تھے، ان کی قیادت میں نئی وزارت قائم کی گئی، جس میں جنرل اسکندر مرزا کو وزیر داخلہ اور جنرل محمد یعقوب خاں کو وزیر دفاع کی حیثیت سے شامل کیا گیا،

چند روز کے بعد ڈاکٹر خانصاحب اور مسٹر سہروردی بھی نئی کابینہ میں شامل کر لئے گئے، مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی، کہ نئی دستور یہ کا انتخاب ہو، اور آئین کا مسئلہ جلد سے جلد تکمیل کو پہنچے، چنانچہ انہوں نے ۲۰ر مئی ۱۹۵۵ء کو اعلان کیا، کہ نئی دستور یہ ۸۰ نمائندوں پر مشتمل ہو گی، اور اس کے بالواسطہ انتخابات ۲۱ر جون ۱۹۵۵ء کو ہونگے،

آخر انتخابات ہوئے، اور بہت ہی پرامن اور باانصاف طریقہ پر ہوئے، اور اس نئی دستور یہ کا پہلا اجلاس ۷ر جولائی ۱۹۵۵ء کو کوہ مری میں منعقد ہوا، ملک کی فضا بہت حد تک خوشگوار ہو چکی تھی، اور ملک میں جمہوری آئین کے لئے توقعات ابھرنے لگیں،

نئی دستور یہ کا اگرچہ پہلا اجلاس مری میں ہوا، لیکن اصل کارروائی ۸ر اگست ۱۹۵۵ء کے اجلاس کراچی سے شروع ہوتی ہے،

اس دستور یہ نے سب سے پہلا کام یہ کیا، کہ ون یونٹ کا بل منظور کیا، مغربی پاکستان کے لیڈروں نے ایک یونٹ کے حق میں تقریریں کیں، اور بتایا، کہ مشرق و مغرب کے درمیان مساوی نمائندگی کا اصول مغربی پاکستان کا یونٹ قائم کرنے کے بعد ہی بااثر ثابت ہو سکتا ہے،

اس دوران میں مشرقی پاکستان کی، دو سیاسی پارٹیاں متحدہ محاذ، اور عوامی لیگ اپنا رخ بدل چکی تھیں، اور مرکز میں مسٹر محمد علی بوگرہ کی بجائے چودھری محمد علی کو وزیر اعظم بنا دیا گیا، اور مرکز میں متحدہ محاذ اور مسلم لیگ کی مخلوط وزارت قائم ہو گئی، عوامی لیگ کے لیڈر مسٹر سہروردی نے وزارت قانون سے استعفی دے دیا اور حزب مخالف کے لیڈر کی حیثیت سے حزب مخالفت کی بنچوں میں اپنی جگہ سنبھال لی، متحدہ محاذ کے ممبران

حزب اختلاف کی نشستیں چھوڑ کر سرکاری بنچوں پر آبیٹھے،

دستور یہ میں سب سے پہلے ایک یونٹ کا بل پیش کیا گیا، اور پانچ ہفتہ کی مسلسل بحث و مخالفت کے بعد منظور کر لیا گیا، اور اس کے ساتھ ہی سرکاری طور پر ڈاکٹر خاں صاحب کو مغربی پاکستان کے ون یونٹ کا وزیر اعلیٰ اور مسٹر مشتاق احمد گورمانی کو گورنر نامزد کر دیا گیا

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد متحدہ محاذ اور مسلم لیگ کی مخلوط حکومت نے اپنی تمام تر توجہ دستور سازی پر مبذول کر دی، مسلم لیگ اور متحدہ محاذ میں کچھ اختلافات تھے، جو طویل مذاکرات کے بعد طے ہو گئے، اور سمجھوتہ کے مطابق وزیر قانون مسٹر چندریگر نے ۹ جنوری ۱۹۵۶ء کو پیر کے دن آئین کا مسودہ ایوان کے سامنے پیش کر دیا، تقریباً آٹھ ہفتہ تک مسودہ آئین پر پاکستان کی تاریخ کی سرگرم اور تلخ ترین بحثیں ہوتی رہیں اس بل کی منظوری کی راہ میں تین سب سے بڑی رکاوٹیں تھیں،

اول:۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم

دوم:۔ ملک میں جداگانہ انتخاب کو کالعدم قرار دے کر مخلوط انتخاب کا نفاذ،

سوم:۔ وہ اسلامی دفعات جن کی مخالفت ہندو گروپ اور عوامی لیگ کی طرف سے کی جارہی تھی،

متحدہ محاذ کا مطالبہ تھا، کہ صوبوں کو زیادہ اختیارات دیئے جائیں، مگر مسلم لیگ با اختیار اور مضبوط مرکز کی حامی تھی، یہ مسئلہ تعطل کی حد تک پہنچ چکا تھا، مگر حقیقت یہ ہے، کہ متحدہ محاذ کے ممبران نے سنجیدگی سے کام لیا، اور معمولی رعایتوں پر راضی ہو گئے

مخلوط انتخابات کا مسئلہ بھی نازک حد تک پہنچ چکا تھا، اس کی وجہ یہ تھی، کہ مشرقی پاکستان کی سرکاری وزارت لب دم ہو رہی تھی، کیونکہ وہ اقلیت کے ووٹوں کی محتاج تھی، اور اقلیت متحدہ محاذ کی وساطت سے حکومت میں اس تحریری شرط کے ساتھ شامل ہوئی تھی، کہ مخلوط انتخاب منظور کر لیا جائے، ہم دستور کی حمایت کریں گے"

ایوان میں متحدہ محاذ کے لیڈر کو سمجھوتہ کی اس شرط سے نقصان نظر آرہا تھا، چنانچہ انہوں نے دستور سے یہ دفعہ اڑا کر یہ شرط رکھوا دی، کہ اس مسئلہ پر عبوری پارلیمان صوبائی اسمبلی سے استصواب کے بعد فیصلہ کرے گی، بہر حال، ۶ ماہ تک دستوریہ کے اندر اور باہر دستور سازی کے مسئلہ پر حوصلہ شکن حد تک مذاکرات، مجلسیں، مشاورتیں اور سمجھوتہ ہوتے رہے، اور ٹوٹتے رہے، اس دوران میں عوام اور لیڈر بار ہا مایوس ہوئے، مگر ایوان کے تمام ممبروں میں صرف ایک شخص اپنی قوم سے کئے ہوئے وعدوں اور اپنے ذاتی یقین و اعتماد پر چٹان کی طرح قائم رہا، اسے لوگوں کی مخالفت اپنے ارادہ سے ہٹا سکی نہ ممبران کی نکتہ چینیاں اس کی راہ بدل سکیں

رکاوٹیں آخری منزل تک آتی رہیں، مگر چودھری محمد علی کے عزم واستقلال میں کوئی لغزش نہ آئی، اور وہ کوہ استقلال کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے، اور آخر ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو بدھ کے دن ۸۰ ممبروں کی دستور یہ نے "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا دستوری بل منظور کر لیا" اور ۹ سال کی طویل جد وجہد ایک مخلص سیدھے سادھے پاکستانی کے ہاتھوں نتیجہ خیز ہو کر تکمیل پذیر ہوئی،

درحقیقت اسلامی آئین کی منظوری تنہا چودھری محمد علی کے یقین محکم اور ان کی مستقل مزاج قیادت کا کارنامہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ دوسرے حضرات کی مخلصانہ کوششوں اور جذبہ حب الوطنی کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس سلسلہ میں چودھری محمد علی کے ساتھ میجر جنرل اسکندر مرزا، مولوی فضل الحق، مسٹر چندری گر، مولوی عبدالوہاب اسپیکر دستوریہ، میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، سردار امیر اعظم خاں، مسٹر مشتاق احمد گورمانی، ڈاکٹر خاں صاحب، مولانا اطہر علی، اور مسٹر فرید احمد رکن نظام اسلام پارٹی کے نام قابل ذکر ہیں

یہ امر بھی قابل ذکر ہے، کہ ۲ مارچ ۱۹۵۶ء کو جمعہ کے دن مولوی عبدالوہاب خاں دستور کے مسودہ کو لے کر وزیر اعظم محمد علی اور چند دوسرے اراکین کے ہمراہ گورنر جنرل ہاؤس گئے، تو راستہ بھر عوام نے نعرہ لگائے، اور جانے والوں کو ہار پہنائے، یہ پارٹی جب آخری منظوری کے لئے گورنر جنرل ہاؤس میں داخل ہوئی، تو میجر اسکندر مرزا نے پرجوش استقبال کیا، اور فرمایا، کہ میں اس بل کی منظوری دیتا ہوں

میجر جنرل اسکندر مرزا ۱۳ نومبر ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے، بمبئی میں بی، اے کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد رائل ملٹری کالج سینڈھرسٹ کے لئے بطور کیڈٹ منتخب ہوئے، ہندوستان آنے کے بعد فوج میں شامل ہوئے اور ۱۹۲۵ء میں اپنی فوجی خدمات کی وجہ سے سی آئی ای کا خطاب حاصل کیا، ۱۹۴۶ء میں وہ ہندوستان کی وزارت دفاع کے جائنٹ سیکرٹری مقرر کئے گئے،

تقسیم ملک کے بعد پاکستان کے پہلے سیکرٹری وزارت دفاع بنائے گئے، ۳۱ مئی ۱۹۵۴ء میں آپ مشرقی پاکستان کے گورنر بنے، اور ۴ ماہ کے بعد مرکزی کابینہ میں وزیر داخلہ مقرر کئے گئے، اسلامی آئین کی منظوری کے بعد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا صدر آپ کو منتخب کیا گیا،

چودھری محمد علی، چودھری خیر الدین کے صاحبزادے ہیں، ۱۵ جولائی ۱۹۰۵ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے پنجاب یونیورسٹی سے ایم، ایس، سی کی ڈگری حاصل کی، کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں لکچرار کی حیثیت سے کام کرتے رہے،

۱۹۲۸ء میں وہ انڈین اڈٹ اینڈ اکاؤنٹس سروس میں شامل ہوئے، اور اپنی ذاتی قابلیت کی بدولت بہت ترقی کی،

جون ۱۹۴۷ء میں آپ کو تقسیم کونسل برائے ہند و پاک کی اسٹرنگ کمیٹی کا رکن بنایا گیا، اور قیام پاکستان کے بعد حکومت پاکستان کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے،

۱۹۴۸ء میں وہ خان لیاقت علی خاں وزیر اعظم کے ہمراہ دولت مشترکہ کی کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لندن گئے،

۵۲ء اور ۵۳ء میں آپ واشنگٹن کے مالی فنڈ کے جلسوں میں شریک ہوئے،

۱۹۵۱ء میں کولمبو منصوبہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کرتے رہے،

موصوف نے ۱۹۵۵ء میں معاہدہ جنوب مشرقی ایشیا کے ممبر ممالک کے اقتصادی ماہرین کی کانفرنس منعقدہ ۵ر جولائی کراچی کی صدارت کے فرائض انجام دیئے، نہایت سادہ مزاج، سادہ لباس اور اسلامی زندگی کے دلدادہ ہیں،

ڈاکٹر خاں صاحب ۱۸۸۲ء میں اتمان زئی میں پیدا ہوئے، پشاور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد میڈیکل اسکول لندن میں تعلیم حاصل کی، کچھ عرصہ ملازمت کی، مگر پھر اپنی نجی پریکٹس شروع کر دی، صوبہ سرحد کی سیاسیات میں بہت نمایاں حصہ لیا، اور ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۵ء میں صوبہ سرحد میں وزیر اعلیٰ رہے،

مسٹر گورمانی پنجاب کے پرانے مسلم لیگی ہیں، اور صوبہ کی سیاسیات میں ہمیشہ حصہ لیتے رہے ہیں، تقسیم کے بعد ان کو وزیر امور کشمیر مقرر کیا گیا، ناظم الدین کابینہ میں وہ وزیر داخلہ بنائے گئے، ۱۹۵۴ء میں دستور کی تحلیل کے بعد وہ پنجاب کے گورنر بنائے گئے، اور اپریل ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان کا نامزد گورنر مقرر کیا گیا،

میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، ۲۳ر فروری ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے، پنجاب یونیورسٹی سے بی، اے آنرز کیا پھر ۱۹۳۹ء میں آکسفورڈ میں داخل ہوئے، اور بار ایٹ لا کے امتحان میں اول آئے، وطن واپس آئے، اور پنجاب کی سیاست کو خوب چمکایا،

۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن بلا مقابلہ منتخب ہوئے،

تقسیم کے بعد پنجاب کی پہلی وزارت کے وزیر خزانہ بنائے گئے،

۱۹۴۸ء میں پنجاب مسلم لیگ کے صدر ہوئے، اور ۱۹۵۱ء میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے،

مسٹر فرید احمد مشرقی پاکستان کے رہنے والے ہیں، عمر صرف ۳۳ سال ہے، ڈھاکہ میں وکالت کرتے ہیں، اور نظام اسلام پارٹی کے سرگرم رکن ہیں،

سردار امیر اعظم خاں، آج کل پاکستان کے وزیر مہاجرین کی خدمات انجام دے رہے ہیں، ۱۹۱۲ء میں گجرات پنجاب میں پیدا ہوئے، آگرہ یونیورسٹی میں ایم۔اے پاس کیا،

۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ کونسل کے رکن منتخب کئے گئے تقسیم کے بعد آپ نے راولپنڈی میں سکونت اختیار کر لی، اور آنے والے مہاجرین کی آبادکاری میں آپ نے بہت حصہ لیا۔

۱۹۵۰ء میں دستور ساز اسمبلی کے رکن چنے گئے، اور ۱۹۵۲ء میں سندھ مسلم لیگ کی انتخابی مہم میں نمایاں کام کئے،

۱۹۵۲ء میں آپ نے اوٹاوہ میں دولت مشترکہ کی پارلیمنٹری کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کے فرائض انجام دیئے،

۱۹۵۵ء میں آپ کو وزیر مہاجرین برائے پاکستان منتخب کیا گیا،

آئین پر ایک نظر!

تقریباً ۸ سال تک پاکستان کا دستور جن وجوہ سے نہ بن سکا، اس کے دو بڑے اسباب تھے، پہلا سبب صوبہ وارانہ مفاد پرستی کا رجحان تھا جو پاکستان کے مجموعی مفاد کے مقابلہ میں ترجیح کا طالب تھا، دوسرا سبب دستور کا اسلامی ہونا جس کو جذبات اور ذاتی خواہشات کا تابع بنا دیا گیا تھا

یہ دونوں مسائل بذات خود اتنے مشکل، خطرناک اور ناقابل عمل نہیں تھے، جتنا ان کو بے جا اندیشوں اور ذاتی غرضوں نے بنا دیا تھا،

موجودہ دستور کے منظور ہونے کا سب سے زیادہ روشن پہلو یہی ہے، کہ ان دونوں مسائل کا ایک نہایت متوازن عملی اور دانشمندانہ حل تلاش کر لیا گیا، اس حل کو تلاش کرنے میں مسلم لیگ اور متحدہ محاذ اور ان کے بعد چودھری محمد علی اور مولوی فضل الحق کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس کوشش سے ایک طرف مشرقی پاکستان کے جائز مفادات کا تحفظ ہو گیا، اور دوسری طرف مغربی پاکستان کے اندیشے بھی دور ہو گئے، اس دستور کے نفاذ کے بعد ایک ایسے ماحول کا پیدا ہونا قدرتی ہے، جس میں دونوں حصوں کے باشندے ایک مشترکہ قومیت کو مضبوط بنا سکیں، اور اس طرح اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز مقام حاصل کر سکیں، دستور کی تکمیل پر بین الاقوامی رائے عامہ کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے، کسی طرح اس توقع کو خیالی یا بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا، لہذا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے، کہ بحیثیت مجموعی یہ دستور اسلامی حیثیت سے قابل قبول ہے، یہی وجہ ہے، کہ ملک کے تمام مذہبی نمائندہ جماعتوں نے دستور کا خیر مقدم کیا، اور اسلامی اعتبار سے اس کو مسلمانوں کے لئے شاہ راہ ترقی قرار دیا ہے، چنانچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی فرماتے ہیں، کہ

"آج دنیا کی تمام قوموں کے درمیان ہم وہ تنہا قوم ہیں جس نے اپنے دستور مملکت کے سرنامہ پر یہ اعلان ثبت کیا ہے، کہ ہم جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اس تصور پر عمل کریں گے، جو اسلام نے ہم کو دیا ہے"

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب صدر جمعیۃ علمائے اسلام فرماتے ہیں، کہ:-

"پاکستان کا دستور اپنی اسلامی شان میں پوری دنیا کے دساتیر سے ممتاز ہے، یہ مسلمانوں کی وہ دیرینہ تمنا ہے، جس کے لئے وہ صدیوں سے تڑپ رہے تھے"

مولانا عبدالحامد بدایونی صدر مرکزی جمعیت علماء پاکستان فرماتے ہیں، کہ:-

قیام پاکستان کی غرض پایہ تکمیل کو پہنچ گئی، اور وہ دیرینہ تمنا آج پوری ہو گئی جس کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے خون کو پانی کی طرح بہانے میں کبھی جھجک محسوس نہیں کی، میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، کہ ہمارا دستور قرآن وسنت کے تقاضوں کو بڑی حد تک پورا کر رہا ہے، خدا عمل کی توفیق دے،

مولانا اطہر علی صدر نظام اسلام پارٹی فرماتے ہیں، کہ:-

رسمی آزادی ختم ہو گئی، آج ہم حقیقی آزادی سے سرفراز ہو رہے ہیں، پاکستان ایک بے جان ڈھانچہ تھا، جو ہم کو ملا تھا، آج اس میں زندگی کی روح پھونکی گئی ہے، خدا کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، اس کی اطاعت کا عہد کرنا ہمارا سب سے بڑا فریضہ ہے" ولله الحمد والشکر!

پاکستان کے نمائندہ مذہبی حلقوں کی رائے سے آپ نے دستور کی اسلامی اہمیت کا اندازہ کر لیا ہو گا، تاہم مزید معلومات کے لئے چند اسلامی خصوصیات پر ہم روشنی ڈال رہے ہیں،

(۱) قرارداد مقاصد کو اس دستور میں من وعن باقی رکھا گیا ہے،

(۲) مملکت کا نام جمہوریہ اسلامیہ پاکستان رکھا گیا ہے،

(۳) مملکت کے صدر کے لئے مسلمان ہونا لازمی ہے،

(۴) مملکت کے اصولوں میں اسلامی حکومتوں کے باہمی اتحاد کی مساعی، مسلمانوں کے لئے قومی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کو کتاب وسنت کے مطابق بسر کرنے کی گنجائش فراہم کی گئی ہے، نیز قرآن وسنت کی تعلیم کا لزوم اور اس کے لئے سہولتیں، اسلامی اور اخلاقی معیارات کی تعمیل، اور اس کی اشاعت کا سامان پیدا کیا گیا ہے،

(۵) بارہویں باب میں اعلیٰ اسلامی تحقیقات وتعلیم کی تنظیم کا سامان موجود ہے،

(۶) ۱۹۸ کے تحت ایک طرف اس امر کا بندوبست کیا گیا ہے، کہ قرآن وسنت کے احکامات کے خلاف کوئی قانون سازی نہ ہو گی، دوسری طرف دستور کے نفاذ کے لئے ایک سال کے اندر ایک کمیشن کے قیام کا وعدہ کیا گیا ہے،

یوم جمہوریہ کے بعد سہروردی وزارت!

چودھری محمد علی کا استعفیٰ

اسلامی دستور اور یوم جمہوریہ کی تقریب کے بعد پاکستان کے سیاسی حلقوں میں عام طور پر سکون محسوس کیا جانے لگا تھا، اور خیال تھا کہ اب ملک کو جلدی کسی سیاسی بحران کا مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا، لیکن یہ توقعات کچھ زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکیں جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی، کہ مشرقی پاکستان میں ریپبلکن پارٹی کے برسر اقتدار آنے سے چودھری محمد علی کو اپنی پوزیشن کی فکر پڑ گئی، اور انہوں نے وزارت کے عہدہ پر برقرار رہنے کے لئے ریپبلکن پارٹی سے جوڑ توڑ شروع کر دیا، عوام کو یہ طرز عمل پسند نہیں آیا، اور ۱۴ اگست ۱۹۵۶ء کے یوم آزادی کے جلسہ میں وزیر اعظم کی تقریر سننے سے انکار کر دیا، چند مسلم لیگی لیڈروں کی گرفتاری سے یہ بے چینی اور بڑھ گئی، آخر چودھری صاحب نے بددل ہو کر صدر مملکت کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا، جسے ستمبر کے پہلے ہفتہ میں منظور کر لیا گیا،

سہروردی وزیر اعظم

عوامی لیگ کے لیڈر مسٹر حسین شہید سہروردی نے جو کئی سال سے وزارت عظمیٰ کے لئے کوشش کر رہے تھے، اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اور ریپبلکن پارٹی کی مدد اور تعاون سے وزارت عظمیٰ کی مسند پر متمکن ہو گئے، اور اس طرح مرکز میں مسلم لیگ اور متحدہ محاذ کی وزارت ختم ہو کر عوامی لیگ، اور ریپبلکن پارٹی کی وزارت قائم ہو گئی، چنانچہ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو مسٹر سہروردی وزیر اعظم نے اپنی کابینہ کے ۹ وزیروں کے ساتھ حلف وفاداری اٹھالیا، اس نئی وزارت میں حسب ذیل حضرات کو قلمدان وزارت سپرد کیا گیا،

ملک فیروز خاں نون، مسٹر ابوالمنصور، سید امجد علی، مسٹر عبدالخالق، میر غلام علی خاں تالپور، مسٹر دلدار احمد، سردار امیر اعظم خاں، اور میاں جعفر شاہ،

وزیر اعظم نے اعلان کیا، کہ مشرقی پاکستان سے اقلیتوں کے دو وزیر اور شامل کئے جائیں گے، اس نئی کابینہ کی تشکیل کے بعد وزارتی بحران بہت حد تک ختم ہو گیا، جو کچھ عرصہ سے مرکز پر طاری تھا، یہ امر قابل ذکر ہے، کہ تاریخ پاکستان میں پہلی مرتبہ دو حصوں سے مسلم لیگی وزارتیں ختم ہو کر مرکز سے بھی مسلم لیگ کے وجود کا خاتمہ ہو گیا،

نوال بجٹ

وزارتی ردوبدل سے پہلے اور اسلامی دستور کی منظوری کے بعد ۱۵ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان کا نواں بجٹ قومی اسمبلی میں سید امجد علی نے پیش کیا، اس نئے میزانیہ میں ۵۰ لاکھ کی بچت دکھائی گئی، اور ایک ارب ۳۱ کروڑ ۲ لاکھ کی آمدن سے ۷۰ فی صدی دفاع کے لئے خاص کئے گئے، اس کے علاوہ مہاجرین

کی آبادکاری پر ۳۲ کروڑ، حفظان صحت، زراعت اور دوسری ترقی و توسیع کے لئے ۱۰ کروڑ کی رقم مخصوص کی گئی، تعلیمی ضروریات کے لئے کراچی یونیورسٹی کو ۳۵ لاکھ اور ملک کی دوسری یونیورسٹیوں کو ۳۶ لاکھ ۶۶ ہزار روپے گئے، یہ امر افسوسناک ہے، کہ بنگلہ زبان کی ترویج کے لئے ۲ لاکھ تجویز کئے گئے، مگر اردو کو فراموش کر دیا گیا،

مخلوط انتخاب

جون ۵۶ء میں حکومت کے اس اعلان سے کہ عام انتخابات جلد سے جلد ہوں گے، عام شورش پیدا ہو گئی، مخلوط انتخاب اور جداگانہ انتخاب پر ہر طرف خیال آرائیاں ہونے لگیں، چنانچہ مغربی پاکستان کی اسمبلی نے جداگانہ انتخاب کو برقرار رکھا، لیکن مشرقی پاکستان نے مخلوط انتخاب کو اسمبلی میں پاس کر دیا، مرکز میں مسلم لیگ کی تحلیل نے مخلوط انتخاب کے حامیوں کی ہمت بلند کر دی، اور آخر ۱۰ اکتوبر ۵۶ء کو قومی اسمبلی نے اپنے اجلاس منعقدہ ڈھاکہ میں مشرقی پاکستان کے لئے مخلوط انتخاب کی تجویز منظور کر دی، مسلم لیگ اور دوسری جماعتوں نے انتہائی شور مچایا، مگر عوامی لیگ نے کوئی توجہ نہیں دی، اور اس طرح قیام پاکستان کا وہ بنیادی نظریہ حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا،

شادی کمیشن کی رپورٹ

محمد علی بوگرہ کے زمانہ میں جو شادی کمیشن مقرر کیا گیا تھا، اس نے ستمبر کے آخر میں اپنی رپورٹ پیش کر دی، اور ایک کے ایک ممبر مولانا احتشام الحق تھانوی نے اگست میں اپنا اختلافی نوٹ شائع کر دیا، کمیشن کی سفارشات کو عوام اور ان کی جماعتوں نے نامنظور کر دیا، کیونکہ اسلام کے چند بنیادی نظریات کو پامال کیا گیا تھا،

دیگر واقعات

۲ رجون ۵۶ء کو خلیج بنگال میں ایک جہاز کی تباہی سے ۲۰۰ مسافر ہلاک ہو گئے، شروع ستمبر میں مشرقی پاکستان کی غذائی پریشانیوں سے مجبور ہو کر بھوکوں نے حکومت کے خلاف مظاہرہ کیا، پولیس کی گولیوں سے کئی آدمی ہلاک ہوئے،

وسط اکتوبر ۵۶ء میں مسٹر سہروردی وزیر اعظم پاکستان ۲ ہفتہ کے دورہ پر چین گئے، اور وہاں کے اہم صنعتی مراکز کا معائنہ کیا، حکومت چین نے پرجوش استقبال سے ثابت کیا، کہ ان کی حکومت اور عوام دونوں پاکستان سے محبت کرتے ہیں،

۲۲ راکتوبر کی شام کو کراچی کی زیر تعمیر گودی کے ٹوٹ جانے سے ۴۷ مزدور ہلاک ہو گئے،

حسنِ اختتام

خدا کا شکر ہے، کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں، اور ۲۹ر فروری ۱۹۵۶ء کی نصف شب کو وہ آئین منظور کر لیا گیا جس کے لئے صدیوں سے مسلمان قربانیاں دیتے چلے آرہے تھے، باعث مسرت ہے، کہ ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کو "یوم جمہوریہ" مناتے ہوئے منظور شدہ اسلامی آئین کے بعض حصوں کا نفاذ بھی کیا گیا،

خدا ہمیں توفیق دے، کہ ہم اپنے ملک کو حقیقی اسلامی جمہوریہ بنا سکیں، اور دستوری نکات کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو سکیں،

درحقیقت صحیح اسلامی مملکت وہی ہو سکتی ہے،

جہاں خوف واحتیاج کا دور دورہ نہ ہو،

جہاں سوسائٹی مختلف طبقات میں تقسیم نہ ہو

جہاں امیروں اور غریبوں کے درمیان سماجی امتیازات نہ پائے جائیں،

جہاں زندگی بسر کرنے کے لئے سب کو ایک جیسی سہولتیں حاصل ہوں،

جہاں حکام مملکت خود کو آقا نہیں، بلکہ خادم تصور کرتے ہوں

جہاں نسلی امتیازات، قبائلی عصبیت اور لسانی تنازعات کا کوئی ذکر نہ ہو،

جہاں بداخلاقی، بے حیائی، ذاتی مفاد اور اسلام سوز حرکات کا ذہن انسانی میں کوئی تصور نہ ہو۔

امید ہے، کہ مندرجہ بالا امور کی طرف پوری توجہ صرف کر کے کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ کے صحیح مصداق بننے کی کوشش کریں گے،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین،

دنیا میں مسلمانوں کی آبادی

دنیا میں مسلمانوں کی صحیح تعداد کیپٹن اصغر علی خاں کی تحقیقات کا نتیجہ ہے، جو بین الاقوامی معاملات اور تاریخ وجغرافیہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں،

مصر (افریقہ)	ایک کروڑ ۹۰ لاکھ	گمبیا	۳ لاکھ	ٹانگانیکا	۱۰ لاکھ
اینگلو مصری سوڈان	۶۰ ,,	سیرالونی	۲۰ ,,	یوگنڈا	۱۰ ,,
ٹیونس	۳۰ ,,	نائجیریا	ایک کروڑ ۱۵ ,,	برٹش شمالی لینڈ	۸۰ ,,
لیبیا	۱۰ ,,	گنی پرتگیزی	۳ ,,	فرنچ شمالی لینڈ	۳۰ ,,
مراکو فرانسیسی	۷۰ ,,	لائبیریا	۱۲ ,,	اٹالین شمالی لینڈ	۰۱ ,,
الجیریا	۸۰ ,,	فرنچ کیمرونی	۱۰ ,,	اری ٹیریا	۵۰ ہزار
مراکو ہسپانوی	۷ ,,	گابون	۲ ,,	ابی سینیا	۴۰ لاکھ
مراکو بین الاقوامی	۵۰ ہزار	مڈل کانگو	۵ ,,	پرتگیزی جنوبی افریقہ	۶۰ ہزار
سینی گال	۱۴ لاکھ	چاڈ	۱۱ ,,	یونین آف ساؤتھ افریقہ	۳۰ ہزار
سوڈان فرانسیسی	۲۲ ,,	برطانوی کیمرون	۵ ,,	البانیہ (یورپ)	۸ لاکھ
اپر دائمیا	۶ ,,	جزائر کیپ ورڈے	۶۰ ہزار	یوگوسلادیہ	۱۵ ,,
فرنچ گنی	۲۰ ,,	جنوب مغربی افریقہ	۲ ,,	بلگیریا	۹ ,,
آئوری کوسٹ	۱۰ ,,	لبسوتولینڈ	۵۰ ہزار	رومانیہ	۰۲ ,,
ڈرہومی	۶ ,,	بلجیس کانگو	۲ لاکھ	یونان	۲ ,,
ٹوگولینڈ	۵ ,,	بنان لینڈ	۶ ,,	متفرق یورپی ممالک	۴ ,,
نائجر کالونی	۱۰ ,,	مڈغاسکر	۸ ,,	قبرص	۶۵ ہزار
ڈاکر	۱ ,,	زنجبار	۲۰ لاکھ.۴ ہزار	جزائر روڈس	۱۵ ,,
لورتیانیہ	۴ ,,	کینیا کالونی	۶ ,,	ترکی (ایشیا)	۲ کروڑ
صحرا	۲ کروڑ	شمالی وجنوبی اڈلیشیا	۴ ,,	شام	۳۰ لاکھ

لبنان	۱۰ لاکھ	شیخوں کی ریاست	۱ لاکھ	ملایا	۳۰ لاکھ
فلسطین	۱۰ ″	ایران	ایک کروڑ ۸۰ ″	برٹش بورنیو	۳ ″
جورڈانیہ	۰۴ ″	افغانستان	″ ۵۰ ″	راداک	۰۱ ″
عراق	۴۵ ″	بھارت	۰۳ کروڑ	انڈونیشیا	۷ کروڑ
سعودی عرب	۷۰ ″	پاکستان	۰۷ ″	فلپائن	۱۰ لاکھ
یمن	۳۵ ″	برما }	ایک کروڑ	شمالی امریکہ	۲ ″
عدنان	۵۰ ہزار	سیلون }		جنوبی امریکہ	۵ ″
عدن کالونی	۶ لاکھ	چین	۵ ″	وسطی امریکہ و جزائر غرب الہند	۵۰ ہزار
عدن پروٹیکٹوریٹ	۶ ″	کوریا	۵۰ ہزار	اسٹریلیا	۱۰ ″
مسقط	۱ ″	روس	۳ کروڑ ایک لاکھ	نیوزی لینڈ	۵ ″
عمان	۳۰ ہزار	انڈوچائنا	۱ ″	بحر الکاہل	۲۰ ″
		سیام	۳ ″		

کل تعداد :- ۴۸ کروڑ ۵۷ لاکھ ۶۰ ہزار ہے

نوٹ

اس تعداد میں وہ مسلمان شامل نہیں ہیں، جو روئے زمین پر اکا دکا پھیلے ہوئے ہیں،

دنیائے لغت کا شاہکار

مِفتاحُ اللغات

عربی — اردو — ڈکشنری

تیس ہزار سے زائد قدیم وجدید عربی لغات کا جامع و مُستند ذخیرہ جو اپنی اِن چار خصوصیات کی وجہ سے بےنظیر ہے۔

(۱) ترتیب بطرز انگریزی ڈکشنری رکھی گئی ہے۔

(۲) ابتدا میں فہرست مضامین، عربی کے ضروری قواعد اور اصطلاحات کی تشریح نیز لغات عربی کی تاریخ درج ہے

(۳) لغات کے بعد چار سو زائد عربی اردو ضرب الامثال و محاورات شامل ہیں

(۴) آخری حصہ اہم اشیاء کی عکسی تصاویر پر مشتمل ہے

قیمت مجلد دس رُوپے محصول ڈاک ایک روپیہ۔

مُحمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

کلام خداوندی کے بعد سب سے زیادہ مستند کتاب صحیح بخاری شریف تسلیم کی گئی ہے اور بخاری شریف کا مکمل اور جامع اردو خلاصہ

تجرید صحیح بُخاری اُردو

یہ جسے علامہ حسین بن مبارکؒ نے بخاری شریف کی ۲۲۷۵ احادیث میں سے منتخب فرمایا تھا۔ تجرید بخاری اردو میں آپ کو صحیح بخاری کی احادیث سے زندگی کے ہر شعبہ حیات انسانی کے ہر مسئلہ پر مکمل معلومات دینی و دنیاوی شکوک و شبہات کا شافی جواب ملے گا۔ شروع میں مکمل فہرست مضامین باب وار درج کی گئی ہے حضرت امام بخاریؒ اور راویانِ احادیث کے حالات بھی شامل ہیں

قیمت مجلد آٹھ روپے — محصول ڈاک ایک روپیہ

مُحمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی